الیکشن کے شرعی مسائل

[اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے بائیسویں فقہی سمینار منعقدہ مؤرخہ ۲۵-۲۷/ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
مطابق ۹ تا ۱۱/مارچ ۲۰۱۳ء کو جامعہ اسلامیہ عربیہ، جامع مسجد امروہہ، اترپردیش
میں پیش کئے گئے علمی، فقہی اور تحقیقی مقالات کا مجموعہ]

ایفا پبلی کیشنز – نئی دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	الیکشن کے شرعی مسائل
صفحات	:	۷۰۴
قیمت	:	۶۰۰/روپے
سن طباعت	:	فروری ۲۰۱۴ء

ناشر

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱-ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸
جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
ای میل:ifapublication@gmail.com
فون:26981327 - 011

مجـــلـــس ادارت

١- مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی

٢- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

٣- مولانا بدر الحسن قاسمی

٤- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

٥- مولانا عتیق احمد بستوی

٦- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

پیش لفظ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۱
خطبۂ صدارت	مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی	۱۴

پہلا باب: تمہیدی امور ۱۹-۱۴۲

سوالنامہ		۲۱
تجاویز		۲۴
تلخیص مقالات	مولانا فخر عالم قاسمی، ومفتی احمد نادر القاسمی	۲۵
عرض مسئلہ (سوال ۱-۶)	مولانا رحمت اللہ ندوی	۹۲
عرض مسئلہ (سوال ۷-۱۰)	مفتی اقبال احمد قاسمی کانپوری	۱۳۲

دوسرا باب: تفصیلی مقالات ۱۴۳-۴۳۴

الیکشن کے شرعی مسائل	مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی	۱۴۵
الیکشن سے مربوط شرعی مسائل	ڈاکٹر ومفتی مولانا محمد شاہجہاں ندوی	۱۵۵
الیکشن میں شرکت کا حکم	مولانا محمد مصطفیٰ عبد القدوس ندوی	۱۷۶
الیکشن سے متعلق اہم مسائل-اسلامی تناظر میں	مفتی راشد حسین ندوی	۲۰۲
الیکشن سے مربوط مسائل	مولانا نور الحق رحمانی	۲۱۹
جمہوری حکومتوں میں الیکشن اور اس کے مسائل	مفتی اقبال احمد قاسمی	۲۳۳
الیکشن میں حصہ داری-موجودہ تناظر میں	مفتی عبد الرحیم الحسنی	۲۴۵
الیکشن-اسلامی تناظر میں	مفتی محمد خالد حسین نیموی	۲۶۹

الیکشن سے مربوط شرعی مسائل	مفتی تنظیم عالم قاسمی	۲۸۵
الیکشن میں شرکت خصوصی حالات کے تناظر میں	مولانا شوکت ثنا قاسمی	۳۰۱
الیکشن کے شرعی مسائل	مفتی محمد عارف باللہ قاسمی	۳۱۴
الیکشن سے مربوط شرعی مسائل	مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی	۳۲۹
الیکشن سے مربوط اہم مسائل	مولانا عبدالرب عبدالوہاب خان سعادتی	۳۴۲
الیکشن اور اسلام	مولانا محمد ارشد علی رحمانی	۳۵۷
الیکشن سے مربوط چند مسائل	مولانا محمد فاروق	۳۷۰
الیکشن سے مربوط شرعی مسائل اور ان کا حل	مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی	۳۸۳
الیکشن سے مربوط شرعی مسائل اور ان کا حل	مولانا غلام رسول منظور قاسمی	۳۹۵
الیکشن میں شرکت اور اسلام کا نقطہ نظر	مفتی محمد جہانگیر حیدر قاسمی	۴۰۴
الیکشن میں شرکت اور ووٹ کے شرعی احکام	مولانا ریحان مبشر قاسمی	۴۱۳

تیسرا باب: مختصر مقالات ۴۳۵-۶۷۲

الیکشن سے مربوط مسائل	قاضی عبدالجلیل قاسمی	۴۳۷
الیکشن میں شرکت کے مسائل	مولانا شیر علی گجراتی	۴۳۹
الیکشن سے مربوط شرعی احکام	مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی	۴۴۱
الیکشن سے مربوط شرعی احکام	ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام صدیقی	۴۴۷
الیکشن سے مربوط مسائل	مولانا ابوسفیان مفتاحی	۴۵۱
الیکشن سے مربوط احکام	مفتی انور علی اعظمی	۴۵۷
ووٹ کی شرعی حیثیت	مفتی محمد عبدالرحیم قاسمی	۴۶۶
الیکشن سے متعلق مسائل	مولانا بدر احمد مجیبی	۴۷۵
الیکشن سے مربوط شرعی مسائل	ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی	۴۸۲

الیکشن سے متعلق چند مسائل و احکام	مولانا اشتیاق احمد اعظمی	۴۸۹
الیکشن سے مربوط فقہی مسائل	مفتی محمد ابوبکر قاسمی	۴۹۷
الیکشن کے احکام - کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں	مولانا رحمت اللہ ندوی	۵۰۳
الیکشن سے مربوط شرعی احکام ومسائل	مولانا محمد ساجد قاسمی	۵۱۱
الیکشن سے متعلق شرعی مسائل	مفتی عبد الرشید کانپور	۵۲۰
الیکشن سے متعلق شرعی مسائل	مولانا کلیم اللہ عمری	۵۲۶
جمہوری ممالک میں الیکشن سے متعلق شرعی مسائل	مفتی سہیل اختر قاسمی	۵۳۱
ووٹ کی شرعی حیثیت	مفتی محمد جعفر ملی رحمانی	۵۴۰
الیکشن کا مسئلہ	مولانا محمد مقصود فرقانی	۵۴۸
الیکشن کی شرعی حیثیت	مفتی اعجاز الحسن قاسمی	۵۵۰
جمہوری ممالک میں الیکشن کی شرعی حیثیت	مولانا محمد عثمان بستوی	۵۵۵
جمہوری ممالک میں الیکشن اور اسلام کا نقطہ نظر	مفتی محمد نصر اللہ ندوی	۵۶۳
الیکشن کے مسائل - اسلامی تناظر میں	مفتی شبیر احمد دیولوی	۵۷۱
الیکشن سے مربوط شرعی مسائل	مفتی سلمان پالنپوری قاسمی	۵۷۶
الیکشن سے متعلق شرعی مسائل	مولانا عبد اللطیف پالنپوری	۵۸۴
الیکشن سے متعلق شرعی مسائل - ہندوستان کے تناظر میں	مولانا محمد احسن عبد الحق ندوی	۵۸۷
الیکشن سے مربوط شرعی مسائل	مفتی اکمل یزدانی القاسمی	۵۹۶
الیکشن سے مربوط شرعی مسائل	مولانا محمد عمران ندوی	۶۰۱
ووٹ اور اسلام کا نقطۂ نظر	مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی	۶۰۷
جمہوری نظام حکومت سے متعلق چند مسائل اور ان کا حل	مولانا محمد ابرار خان ندوی	۶۱۳
الیکشن میں شرکت کا شرعی حکم	ڈاکٹر محمد مبین سلیم ندوی	۶۲۰
الیکشن سے متعلق چند اہم مسائل	مولانا محمد ممتاز خان ندوی	۶۲۵

الیکشن سے مربوط چند مسائل	مولانا افتخار احمد مفتاحی	۶۳۱
جمہوری ممالک میں الیکشن سے متعلق مسائل واحکام	مولانا محمد مجیب الرحمٰن ندوی	۶۳۸
الیکشن سے متعلق چند اہم مسائل	قاضی محمد حسن ندوی	۶۴۴
الیکشن سے متعلق مسائل	مولانا حیدر علی قاسمی	۶۵۱
الیکشن سے مربوط شرعی مسائل	مولانا محمد قمر الزماں ندوی	۶۵۸
الیکشن میں مسلمانوں کی حصہ داری	مولانا محمد قمر عالم قاسمی	۶۶۵
الیکشن سے متعلق شرعی احکام	مفتی محمد اشرف قاسمی	۶۶۹

چوتھا باب: اختتامی امور ۶۷۳-۷۰۴

مناقشہ	۶۷۵

پیش لفظ

انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے آزاد پیدا کیا گیا ہے، نہ اس کو یہ بات قبول ہوتی ہے کہ کسی کو اس پر اختیار حاصل ہو اور نہ اس کو یہ بات گوارہ ہوتی ہے کہ اس پر اس کی جنس سے تعلق رکھنے والے کسی اور شخص کی حکومت ہو، اسی فطری جذبہ کی تکمیل کے لئے ریاستی نظام ترقی کرتے کرتے اس تصور تک پہونچا کہ عوام پر عوامی نمائندہ کے واسطے سے خود عوام کی حکومت ہونی چاہئے، اسی تصور کو جمہوریت کا نام دیا گیا، جس میں انسان اپنے آپ پر کسی شخص یا گروہ کی حکمرانی کو تو تسلیم کرتا ہے، لیکن اس طرح نہیں کہ کوئی فرد یا گروہ زبردستی اس پر مسلط ہو جائے یہ اس کے اپنے انتخاب کا نتیجہ ہوتا ہے، اور خود اس کے نمائندے اس پر حکومت کرتے ہیں۔

اس نظام حکومت میں الیکشن کو مرکزی حیثیت اور بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے، الیکشن کے ذریعہ عوام اپنے حق رائے دہی کا استعمال کرتے ہیں اور جو لوگ منتخب ہوتے ہیں ایک مقررہ مدت کے لئے ان کا حق حکمرانی ثابت ہوتا ہے، اسی لئے اگرچہ کہ جمہوری طرز حکمرانی کی خود کئی قسمیں ہیں، کہیں صدارتی نظام ہے، اور کہیں پارلیامانی، کہیں دو جماعتی نظام ہے، کہیں کثیر جماعتی، کہیں صدر کا انتخاب عوام کرتے ہیں، اور کہیں عوام کے منتخب نمائندے، لیکن بنیادی طور پر رائے عامہ کی تائید کا حصول ہر صورت میں ضروری ہوتا ہے اور حکومت کو وجود میں لانے کا بنیادی کردار ہوتا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو الیکشن کے ذریعہ حکمرانوں کا انتخاب اسلامی نقطۂ نظر سے بھی قابل قبول بلکہ مطلوب ہے، اسلام سے پہلے پوری دنیا میں خاندانی بادشاہت کا نظام جاری تھا، جزیرۃ العرب کے پڑوس میں روم و ایران اور یمن کی حکومتیں قائم تھیں اور ان سب میں طریقہ حکمرانی شاہی نظام پر مبنی تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو نظام کو پسند نہیں کیا، بلکہ آپ نے قیصریت اور کسرویت پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، اور مسلمانوں کو اپنے اختیار سے اپنا حکمراں منتخب کرنے کا حق دینے کی غرض سے اپنے بعد اپنا خلیفہ نامزد نہیں کیا، اگرچہ آپ نے نماز میں امام بنا کر ایک لطیف اشارہ کر دیا کہ مسلمانوں کو حضرت ابوبکرؓ کو اس منصب پر لانا چاہئے، جن کی نہ صرف قربانیاں بڑھ کر تھیں، بلکہ وہ فہم و فراست، مزاج نبوت سے ہم آہنگی، امت کو مجتمع رکھنے کی صلاحیت، سختی کے موقع پر جرأت و شجاعت، اور نرمی کے موقع پر لطف و مروت کے اعتبار سے بھی اپنے رفقاء میں سب

سے ممتاز شخصیت کے حامل تھے، اگر آپ صراحتہً ان کی خلافت کا اعلان فرما دیتے تو صحابہ اسے ''حق بحق دار رسید'' ہی کا مصداق سمجھتے، لیکن بادشاہت کی جگہ خلافت اور آمریت کی جگہ شورائیت کے طریق کو فروغ دینے کے لئے آپ نے خلافت صدیقی کی صراحت کرنے سے گریز فرمایا اور علماء کا اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت خود بخود مستحق نہیں ہوئی بلکہ جب صحابہ نے آپ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی تب آپ کی خلافت وجود میں آئی، اسی طرح حضرت عمرؓ کو اگرچہ حضرت ابوبکرؓ نے نامزد فرمایا لیکن صرف اس نامزدگی کی وجہ سے حضرت عمرؓ خلیفہ نہیں ہوئے بلکہ جب صحابہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تب آپ کی خلافت منعقد ہوئی۔

اس زمانے میں امت مسلمہ کے ارباب حل وعقد مدینہ منورہ میں جمع تھے، اس لئے ان کی جانب سے کسی حکمراں کا انتخاب کافی تھا، لیکن آبادی کے پھیلاؤ اور ملت کی ذمہ دار شخصیتوں کے مختلف علاقوں میں بکھراؤ کے اعتبار سے موجودہ دور میں یقیناً کسی ایک شہر کے لوگوں کا اتنے اہم مسئلے پر رائے دیدینا کافی نہیں ہوگا، اس لئے اگر آج کسی خطہ میں اسلام کا مطلوب نظام خلافت قائم ہو تو اس کی شکل یہی ہوگی کہ عوام اپنے نمائندے منتخب کریں، اور یہ نمائندے حکمراں کا انتخاب کریں، البتہ اسلامی نقطہ نظر سے ووٹوں کی اکثریت کافی نہیں ہوگی، بلکہ یہ بات بھی ضروری ہوگی کہ جس شخص کو منتخب کیا جائے وہ اخلاق وکردار کے اعتبار سے مقتدیٰ بننے کے لائق بھی ہو، مغربی جمہوریت کا بنیادی نقص یہی ہے کہ اس میں مقدار کو تو اہمیت دی گئی ہے لیکن معیار کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی ہے، ووٹوں کی اکثریت کو تو اہمیت دی گئی ہے، لیکن اخلاق وکردار کے لئے کوئی حصہ نہیں رکھا گیا۔

ہندوستان میں سیاسی نظام جمہوریت پر مبنی ہے، بلکہ بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ایک کثیر مذہبی معاشرہ میں اس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہاں سیاسی واجتماعی زندگی کا پورا ڈھانچہ شریعت اسلامی کے مطابق بنایا جائے گا، اس لئے ہمیں ملک کے مروجہ آئین وقوانین کے دائرہ میں رہتے ہوئے ہی ان مسائل پر غور کرنا ہوگا، اور ہمیں یقین ہے کہ کسی ملک میں حکومت اور قانون کی لگام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو یا اس سلسلے میں ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہوں ہر صورت اور ہر حال میں شریعت ہماری رہنمائی کرتی ہے۔

الیکشن کے موجودہ نظام میں کئی مسائل مسلمانوں کے لئے دینی اعتبار سے قابل توجہ ہیں، الیکشن میں عوامی نمائندوں کو خود امیدوار بننا پڑتا ہے، مسلمانوں کی جداگانہ سیاسی جماعتیں بھی قائم کی جاسکتی ہیں، اور وہ قومی جماعتوں کا بھی حصہ بن سکتے ہیں، بعض ایسی فسطائی پارٹیاں بھی ہیں جنہوں نے اپنے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو شامل رکھا ہے، خود یہ

مسئلہ بھی اہمیت کا حامل ہے کہ شرعاً ووٹ دینے کی کیا حیثیت ہے؟ ایک اہم مسئلہ خواتین کے الیکشن میں حصہ لینے کا ہے، اس طرح کے اور بھی مسائل ہیں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے ان میں سے بعض مسائل پر اپنے چودھویں سیمینار منعقدہ حیدرآباد میں بحث کی تھی، لیکن کئی مسائل وہ تھے جن پر ابھی غور وفکر کی ضرورت باقی تھی، اسی لئے اکیڈمی کے بائیسویں سمینار منعقدہ امروہہ میں ان موضوعات کو زیر بحث لایا گیا، بحمد اللہ اس موضوع پر بڑی تعداد میں اور بڑے اہم مقالے آئے، سمینار میں بھی اس موضوع پر خوب مناقشہ ہوا اور اہل علم کی بڑی تعداد نے اس میں حصہ لیا، ان مقالات ومناقشات کی روشنی میں تجاویز منظور ہوئیں، ان ہی مقالات ومباحث اور تجاویز کا مجموعہ اس وقت قارئین کے سامنے ہے، جس کو اکیڈمی کے شعبۂ علمی کے رفیق محبّ عزیز مولانا مفتی محمد سراج الدین قاسمی نے بڑی خوش اسلوبی اور محنت کے ساتھ مرتب اور ایڈٹ کیا ہے، دعا ہے کہ اکیڈمی کے سابق مجلّات کی طرح اسے بھی قبولیت اور پزیرائی حاصل ہو، اللہ تعالیٰ اس کو امت کے لئے نفع کا ذریعہ بنائے۔ وباللہ التوفیق وھو المستعان۔

خالد سیف اللہ رحمانی
(جنرل سکریٹری)

۲۷ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
۲۹/جنوری ۲۰۱۴ء

خطبہ صدارت

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم!

محترم علماء کرام! ہم سب لوگوں کا اس حقیقت پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا دین انسانیت کی فلاح و بہبود کا ضامن ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ جس شریعت کو لیکر آئے وہی اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول اور اس کے بندوں سے مطلوب ہے، دین تو ہمیشہ ایک ہی رہا ہے، جو عقائد اور بنیادی اصولوں کا مجموعہ ہے؛ لیکن شریعت مختلف رسولوں کے ذریعے ان کے زمانے کی ضرورت کے لحاظ سے بھیجی گئی، جو اپنی مکمل اور آخری شکل میں پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی اور خود اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، دین وشریعت کا یہ مجموعہ قرآن وحدیث کی صورت میں ہمارے پاس موجود ومحفوظ ہے۔

انسانی زندگی میں کچھ مسائل تو ایسے ہیں، جن میں کوئی تبدیلی نہیں آتی اور کچھ ایسے امور بھی ہیں جن میں تبدیلیاں پیش آتی رہتی ہیں، انہیں کی وجہ سے نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں، جب تک نبوت کا سلسلہ جاری تھا، انبیاء کے ذریعہ یہ ضرورت پوری ہوتی تھی اور نئی شریعت پہلی شریعت کی جگہ لے لیتی تھی، پھر جب آپ ﷺ پر نبوت کا سلسلہ مکمل ہو گیا اور آئندہ کی نئی شریعت کا امکان باقی نہیں رہا تب بھی یہ مسائل خود حضور ﷺ کے زمانے میں بھی پیدا ہوتے رہے، جب اس طرح کے مسائل پیدا ہوتے اور صحابہ آپ سے دریافت کرتے یا کسی بات میں تامل ہوتا اور وہ وضاحت چاہتے، تو رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے کبھی اس کا جواب وحی متلو کی شکل میں آتا اور کبھی وحی غیر متلو کی شکل میں؛ چنانچہ قرآن مجید میں ۱۳ مقامات پر ''یسئلونک'' کے ذریعہ صحابہ کے سوالات کا ذکر کرتے ہوئے، ان کے جواب دیئے گئے ہیں، تفسیر کی ذیل میں ایک مستقل علم ''اسباب نزول'' کا ہے، جس میں ان واقعات کو بیان کیا جاتا ہے، جن کے پس منظر میں قرآن کی کوئی آیت نازل ہوتی ہے، اسی طرح علم حدیث میں ایک مستقل فن ''اسباب ورود'' کا ہے، جس میں ان واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے، جن کے پیش آنے پر رسول اللہ ﷺ نے کوئی ہدایت دی، پس حضور ﷺ کے زمانے میں پیش آنے والے مسائل کے حل کا طریقہ یہی تھا کہ صحابہ سوال کرتے اور وحی کے ذریعے اس کا جواب دیدیا جاتا۔

آپ ﷺ کے بعد آپ ہی نے ہدایت فرمائی کہ جو نئے مسائل پیش آئیں، ان کو پہلے کتاب اللہ میں دیکھا

جائے، پھر سنت رسول میں تلاش کیا جائے اور یہ نہ ملے تو اجتہاد سے کام لیا جائے، جیسا کہ حضرت معاذ ابن جبلؓ کو کارِ قضاء سپرد کرتے وقت آپ کی گفتگو ہوئی، قرآن وحدیث میں اجماع کے حجت ہونے کی بھی وضاحت موجود ہے، اور حدیث میں متعدد مثالیں قیاس کی بھی موجود ہیں، اس طرح رسول اللہ ﷺ نے امت کو طریقہ کار بتادیا کہ اگر نئے مسائل پیش آئیں، تو اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والے اجتہاد سے کام لیں، نیز کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع اور قیاس کی روشنی میں مسائل کو حل کریں اور جو لوگ خود اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں وہ مجتہدین کی اتباع کریں: ''**فسئلوا أهل الذكر إن كنتم لاتعلمون**'' (سورۂ نحل: ۴۳)۔

چنانچہ صحابہ کرام کے عہد سے لیکر ائمہ مجتہدین کے عہد تک نئے مسائل کے حل کا یہی طریقہ رہا ہے اور اسی منہج پر اس زمانے تک مسائل حل کئے جاتے رہے ہیں، طریقہ اجتہاد کو مزید واضح کرنے کے لئے اصول فقہ کی تدوین عمل میں آئی، اصول فقہ کے ذریعے ہمیں احکام کو اخذ کرنے کا طریقہ بھی معلوم ہوتا ہے اور مختلف احکام کے مدارج بھی معلوم ہوتے ہیں، اسی طرح اجتہاد میں ایک اور معاون فن ''اصول حدیث'' کا ہے، جس کے ذریعے احادیث کے مقبول و نامقبول ہونے کی تحقیق ہوتی ہے، ناسخ ومنسوخ کی شناخت ہوتی ہے، نیز رفع تعارض اور ترجیح کے اصول معلوم ہوتے ہیں اور اس طرح احکام شریعت کے سب سے بڑے مآخذ حدیث سے مجتہد استفادہ کرسکتا ہے۔

ائمہ مجتہدین کے بعد صلاحیت، صالحیت اور حفاظت دین کی حکمت ومصلحت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ گذشتہ فقہاء کے اجتہادات کو سامنے رکھتے ہوئے مسائل کا حل تلاش کیا جائے اور سلف صالحین کی تصریحات اور ان کے اجتہادات کو اپنے لئے نظیر بنایا جائے، اس وقت سے یہی طریقۂ کار رائج ہے اور بحمد اللہ اسی طریقہ پر مسائل حل ہو رہے ہیں، غور کیا جائے تو اس طریقہ میں تقلید بھی ہے اور ایک طرح کا اجتہاد بھی، تقلید اس لحاظ سے کہ گذشتہ فقہاء کے اجتہاد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسائل کو حل کیا جاتا ہے اور اجتہاد اس لحاظ سے کہ ان مسائل کے بارے میں رائے قائم کی جاتی ہے جن کے متعلق گذشتہ فقہاء کی صراحت موجود نہیں ہے، اگر عرف اور احوال بدل گئے ہوں، تو احکام میں تبدیلی بھی ہوئی ہے۔

ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ ہمارا یقین ہے کہ تمام ائمہ متبوعین اپنے اجتہاد میں مخلص تھے، حق پر تھے اور انہوں نے درست تر رائے تک پہونچنے کی بہترین کوشش کی ہے؛ اسی لئے اگرچہ تقلید واجب ہے؛ لیکن یہ بقول حضرت تھانوی انتظام دین کے نقطۂ نظر سے واجب ہے؛ چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں:

''سو ہم تقلید شخصی کو فی نفسہ فرض یا واجب نہیں کہتے؛ بلکہ یوں کہتے ہیں کہ تقلید شخصی میں دین کا انتظام ہوتا

ہے اور ترک تقلید میں بے انتظامی ہوتی ہے‘‘ (خطبات حکیم الامت:۶/ ۱۷۲)۔

اسی بنیاد پر قدیم زمانے سے اہل علم نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ بوقت حاجت مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کی طرف عدول بھی کیا جاسکتا ہے، اس کی بہت سی مثالیں اہل علم کے یہاں موجود ہیں۔ جیسے ممتدۃ الطہر کی عدت کا مسئلہ، امامت اور تعلیم قرآن پر اجرت وغیرہ کے مسائل؛ چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

’’**والحاصل أنه إذا اتفق أبو حنيفة وصاحباه على جواب لم يجز العدول عنه إلا لضرورة**‘‘ (رسم المفتی:/ ۷۰)۔

اس کی بہت سی نظیریں فقہاء کے یہاں موجود ہیں، حضرت تھانوی نے اسی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے اسباب تفریق سے متعلق **الحيلة الناجزه للحيلة العاجزه** مرتب فرمائی جس سے آپ سبھی حضرات واقف ہیں، غرض کہ نئے مسائل کو حل کرنے کے لئے جہاں شدید حرج ہو، دوسرے مجتہدین کے اقوال سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، عبادات میں عام طور پر اس کی ضرورت کم پڑتی ہے؛ لیکن معاملات میں اس کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے، اسی لئے موجودہ دور میں ہمارے جو علماء اسلامی مالیاتی نظام پر علم وتحقیق کا کام کررہے ہیں، انہوں نے حسب ضرورت دوسرے مذاہب سے استفادہ کیا ہے، اس سلسلے میں حضرت تھانوی کی یہ صراحت بہت ہی چشم کشا ہے:

> ’’میرا ارادہ تھا کہ ایک رسالہ احکام معاملات میں ایسا لکھوں کہ جن معاملات میں عوام مبتلا ہیں، اگر وہ صورتیں کسی مذہب میں بھی جائز ہوں تو اس کی اجازت دے دوں؛ تاکہ مسلمانوں کا فعل کسی طرح سے تو صحیح ہوسکے، میں نے احتیاطاً اس کے بارے میں حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بھی دریافت کیا کہ ایسے مسائل میں دوسرے مذہب پر فتویٰ دینا جائز ہے یا نہیں؟ تو حضرت نے بھی اجازت دے دی، مولانا بہت پختہ حنفی تھے (کلمۃ الحق:۱۷)۔

اسی طرح اس بات کی بھی گنجائش نکلتی ہے کہ بوقت ضرورت مذہب غیر مفتی بہ قول کو بھی اختیار کرلیا جائے، چنانچہ علامہ شامی کا بیان ہے:

قلت: لكن هذا في غير موضع الضرورة فقد ذكر في حيض البحر في بحث ألوان الدماء أقوالا ضعيفة ثم قال: وفي المعراج عن فخر الأئمة: لو أفتى مفت بشيئ من هذه الأقوال في مواضع الضرورة طلبا للتيسير كان حسنا (ردالمحتار:۱/ ۵۱)۔

نئے مسائل کوحل کرنا، خواہ یہ گذشتہ فقہاء کی عبارتوں کی روشنی میں ہو یا مذہب کے قول ضعیف کولیکر ہو یا بوقت ضرورت دوسرے مکاتب فقہ کی طرف عدول کے ذریعہ ہو، ہرصورت میں غور کرنے کے دوطریقے ہیں: ایک طریقہ انفرادی ہےاوردوسراطریقہ اجتماعی اورشورائی، یہ دونوں ہی طریقے عہد صحابہ سے جاری ہیں، جہاں ہمیں صحابہ کے انفرادی اقوال ملتے ہیں، وہیں حضرت عمر کی مثال بھی ملتی ہے کہ آپ نے بہت سے مسائل پر تنہا غور کرنے کے بجائے اکابر صحابہ کو جمع کیا اوران کے مشورے اوران کی مدد سے مسائل کوحل کیا، اسی طرح ائمہ متبوعین میں امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اسی اجتماعی طریقۂ اجتہاد کو اختیار کیا جس کی تفصیل تاریخ اورامام ابوحنیفہ کے مناقب سے متعلق کتابوں میں موجود ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی نے سلفِ صالحین کے اسی منہج کو اختیار کیا ہے، جس میں کتاب وسنت کی روح کو سامنے رکھنے کے ساتھ ساتھ گذشتہ فقہاء کے اجتہادات پیش نظر رکھے جاتے ہیں اور فقہی نظائر وامثال کی روشنی میں رائے قائم کی جاتی ہے؛ البتہ جن مجتہد فیہ مسائل میں احوال زمانہ کی تبدیلی کی وجہ سے حرج پیدا ہوجاتا ہے، ان میں مذہب کے قولِ ضعیف کو یا بعض دفعہ ائمہ اربعہ میں سے کسی اورکی رائے کوقبول کیا جاتا ہے، لیکن ایسے مسائل بہت کم ہیں، جن میں اس کی ضرورت محسوس ہوئی، نیز یہ عمل انفرادی نہیں ہوتا بلکہ اجتماعی غور وفکر اور بحث ومناقشہ کے ذریعے انجام دیا جاتا ہے، انشاءاللہ آئندہ بھی اسی نہج پر اکیڈمی اس خدمت کوانجام دیتی رہے گی۔

حضرات! میں اپنی طرف سے بھی اوراکیڈمی کی طرف سے بھی آپ تمام حضرات کے تعاون کا بے حد شکر گزار ہوں، نیز ہمارے لئے سعادت کی بات ہے کہ یہ پروگرام اس ادارہ میں منعقد ہورہا ہے جس کی بنیاد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے رکھی ہے، جس میں حضرت نانوتوی کے سب سے زیادہ معتمد شاگرد حضرت مولانا احمد حسن امروہوی نے سالہاسال حدیث کا درس دیا، اس ادارہ کا ہمیشہ دیوبند کے اکابر سے تعلق رہاہے، اللہ تعالیٰ ہمارے اس اکٹھے ہونے کوقبول فرمائے اورامت کے لئے اسے نفع کاذریعہ بنائے، **وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔**

☆ ☆ ☆

(حضرت) مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی

صدر اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

واستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

پہلا باب

تمہیدی امور

سوالنامہ:

الیکشن سے مربوط شرعی مسائل

انسان اپنی ضروریات کو پوری کرنے نیز اپنی حفاظت اور دفاع کے لیے اپنے ہی جیسے بہت سے انسانوں کا محتاج ہوتا ہے، اس لئے ضرورت ہوتی ہے کہ سماج کو نظم وضبط کی لڑی میں پرو دیا جائے، تنظیم کا ایک دائرہ تو نسبتاً محدود ہوتا ہے، جس کو ہم 'خاندان' کہتے ہیں، دوسرا دائرہ اس سے وسیع تر ہوتا ہے، جس کو سلطنت اور حکومت سے تعبیر کیا جاتا ہے، ایسے کسی نظام کے بغیر انسان کی تمام ضرورتیں پوری نہیں ہوسکتیں؛ اسی لئے ہر مہذب سماج ریاست کے زیر سایہ زندگی گزارتا آیا ہے۔

حکومت کی تشکیل کے مختلف طریقے زمانہ قدیم سے مروج رہے ہیں، موجودہ عہد میں جس سیاسی نظام کو مشرق سے مغرب تک پوری دنیا میں غلبہ حاصل ہے، وہ ہے جمہوری نظام، جمہوریت کے بعض اصول اسلام کے طرز حکمرانی سے بہت قریب ہیں، اور بعض اسلامی تعلیمات کے مغایر بھی ہیں؛ لیکن چونکہ جمہوریت کی متنوع شکلیں دنیا میں پائی جاتی ہیں اور اس میں مختلف طرز حکومت کو سمو لینے کی گنجائش ہے؛ اس لئے بہت سے مسلمان ملکوں میں بھی ایسی جمہوریت کو فروغ دینے کی کوشش کی گئی ہے، جو شریعت اسلامی سے ہم آہنگ ہو۔

جمہوریت کا ایک اہم عمل عوامی رائے سے حکمراں کا انتخاب کرنا ہے، اب چونکہ ہر ملک میں آبادی کا پھیلاؤ غیر معمولی حد تک بڑھ گیا ہے، اس لئے ملک کے ہر بالغ شہری کی رائے حاصل کرنے اور اس کو انتخاب کے عمل میں شریک کرنے کے لئے الیکشن کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، الیکشن کے ذریعہ گاؤں اور شہر کی سطح پر بھی عوام اپنے نمائندوں کا انتخاب کرتے ہیں، صوبہ کی سطح پر بھی اور ملک کی سطح پر بھی، پھر ان منتخب نمائندوں کی رائے سے ہیئت حاکمہ وجود میں آتی ہے، ملک کا سربراہ منتخب کیا جاتا ہے اور تمام فیصلے کئے جاتے ہیں۔ الیکشن کا مسئلہ ان مسلمانوں کے لئے بھی اہمیت کا حامل ہے جو کسی مسلمان ملک میں بستے ہوں اور ان مسلمانوں کے لئے بھی جو اقلیت کی حیثیت سے کسی خطہ میں مقیم ہوں، نیز اس میں کوئی شبہ نہیں کہ الیکشن کے موجودہ طریقہ کار میں بہت سے شرعی مفاسد بھی شامل ہوگئے ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ الیکشن سے مسلمانوں کے وسیع تر دینی وملی مفادات متعلق ہیں۔ اگر وہ جمہوری نظام میں الیکشن سے بے تعلق ہوجائیں تو اس سے ان کو غیر معمولی نقصان پہنچ

سکتا ہے اور ان کے مفادات پر کاری ضرب لگ سکتی ہے، یہ صورت حال نہ صرف غیر مسلم اکثریتی ممالک میں ہے؛ بلکہ اکثر مسلمان ملک کی صورتحال بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔

ہندوستان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے، گزشتہ ساٹھ سال کے عرصہ نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ ہمارا جمہوری نظام مستحکم بنیادوں پر قائم ہے، گردوپیش کے جتنے ممالک ہیں —— جن میں ہمارے ساتھ اور ہمارے بعد آزاد ہونے والے ممالک بھی شامل ہیں —— کے یہاں جمہوری نظام کو وہ استحکام حاصل نہ ہوسکا جو ہمارے ملک میں ہے، مشکل حالات میں بھی ہم نے جمہوری طرزفکر پر اپنے بھرپور ایقان کا ثبوت دیا ہے، یہ مستحکم جمہوریت جہاں ملک کے لئے سلامتی کی ضامن ہے، وہیں مذہبی، لسانی اور تہذیبی اقلیتوں کے لئے بہت بڑی نعمت ہے، یہ جمہوریت اور جمہوریت کے زیر سایہ انتخابی عمل ہی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ملک میں بار بار حکومتیں بدلتی رہتی ہیں، لیکن یہ تبدیلی نہایت پُرامن طریقہ پر کسی تشدد اور بغاوت کے بغیر وجود میں آتی ہے، اور عوام ووٹ کی طاقت سے اپنی ناپسندیدہ حکومتوں کو ہٹا کر پسندیدہ حکومتوں کو لاتے ہیں۔

موضوع کی اہمیت اور موضوع سے متعلق مذکورہ پس منظر کی روشنی میں چند سوالات عرض خدمت ہیں، امید کہ کتاب وسنت اور فقہاء سلف کے اجتہادات نیز معاصر اہل علم کی آراء کے حوالے سے جواب عنایت فرمائیں گے:

۱- ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

۲- اگر ووٹ شہادت کے درجہ میں ہے تو اس کا حکم شرعی کیا ہوگا، ووٹ دینا صرف جائز ہوگا یا مستحب یا واجب؟

۳- الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا کیا حکم ہے؟

۴- غیر مسلم ملکوں میں اور بہت سے مسلم ملکوں میں بھی قانون ساز ادارے مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں، ایسی صورت میں ان اداروں کا ممبر بننا درست ہوگا یا نہیں؟ خاص کر ان حالات میں کہ ہندوستان کے موجودہ قانون کے مطابق اگر کوئی پارٹی اپنے ممبروں کے لئے وہیپ جاری کردے تو وہ پارٹی کی پالیسی کے مطابق ووٹ دینے کا پابند ہوجاتا ہے اور اپنے ضمیر کی آواز پر ووٹ دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔

۵- جو لوگ قانون ساز اداروں کے رکن منتخب ہوں، انہیں دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے اور دستور میں بہت سی دفعات خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں تو یہ عمل کہاں تک درست ہوگا؟

۶- بعض عیسائی ملکوں میں ہر ممبر کو بائبل پر حلف لینا پڑتا ہے، خواہ وہ کسی مذہب کا ہو، تو کیا مسلم ارکان کے لئے یہ

عمل درست ہوگا؟

۷-بعض سیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں؛ لیکن ان کے منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغایر ہوتی ہیں، کیا ایسی پارٹیوں میں شریک ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اوران کی حکومت میں شامل ہونا جائز ہوگا؟

۸- جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اوران کے منشور میں اسلام اور مسلمان کی مخالفت شامل ہو، کیا کسی مسلمان کے لئے اس پارٹی میں شریک ہونا جائز ہوگا؟ نیز اگر کسی کی نیت ہو کہ وہ پارٹی میں شریک ہوکراس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا تو کیا اس کے لئے اس پارٹی میں شامل ہونے کی گنجائش ہوگی؟

۹- ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، مسلمانوں کے لئے علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا جائز ہوگا؟ جبکہ اسے سیکولر ایجنڈے کے تحت ہی کام کرنا پڑتا ہے، نیز ایک احساس یہ بھی ہے کہ جہاں مسلمانوں کی آبادی مرتکز نہیں ہوتی ہے، وہاں خصوصاً اور دوسرے علاقوں میں عموماً مسلم سیاسی جماعت کا قیام مسلمان مخالف ووٹ کو متحد کردیتا ہے، اوراس سے فرقہ پرست تنظیمیں فائدہ اٹھالیتی ہیں۔

۱۰- ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ الیکشن میں خواتین کا کیا کردار ہونا چاہئے، کیا انہیں ووٹنگ میں حصہ لینا چاہئے، کیا ان کے لئے الیکشن میں امیدوار بننا جائز ہے، کیا وہ قانون ساز اداروں کی ممبر بن سکتی ہیں؟ اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ہندوستان میں تیزی سے یہ رجحان پنپ رہا ہے کہ سیاست میں عورتوں کی حصہ داری کو یقینی بنایا جائے، اس کے لئے مختلف ریاستوں میں اور مختلف سطحوں پر خواتین کے لئے سیٹیں ریزرو کی جارہی ہیں، یہاں تک کہ ہندوستان کی بعض ریاستوں میں پنچایت کی سطح پر پچاس فیصد سیٹیں عورتوں کے لئے ریزرو کردی گئی ہیں اور لوک سبھا سے پارلیمنٹ میں خواتین کے لئے ۳۳ فیصد ریزرویشن کا بل پیش کیا جاچکا ہے، اور قوی امید ہے کہ مستقبل میں یہ قانون کی شکل اختیار کرلے۔

☆☆☆

تجاویز:

الیکشن سے مربوط شرعی مسائل

۱- جمہوری نظام میں ووٹ کی غیر معمولی اہمیت ہے، اس اہمیت کے پیش نظر مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس حق کا بھرپور استعمال کریں۔

۲- الیکشن میں باصلاحیت اور اہل افراد کا اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنا جائز و بہتر ہے۔

۳- قانون ساز اداروں میں ملّی مفادات کے تحت مسلمانوں کی نمائندگی ضروری ہے؛ البتہ اگر کوئی قانون ایسا بنایا جائے جو شرعی احکام یا انسانی مصالح کے خلاف ہو تو اس کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کرنا مسلم ممبران کا دینی و ملّی فریضہ ہے۔

۴- مسلم ممبران کا یہ بھی دینی و ملّی فریضہ ہے کہ شرعی احکام یا انسانی مصالح کے خلاف جو قوانین پہلے سے بنے ہوں، ان میں تبدیلی کرانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

۵- منتخب ممبران کے لیے دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۶- ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں مسلمانوں کے لیے الیکشن میں حصہ لینا ایک ناگزیر ضرورت ہے؛ لہٰذا ایسی سیاسی پارٹیوں میں شرکت درست ہے جن کا منشور فرقہ واریت پر مبنی نہ ہو۔

۷- مسلم خواتین کے لیے شرعی احکام کی رعایت کے ساتھ ووٹ دینا درست ہے۔

☆ ☆ ☆

تلخیص مقالات:

الیکشن سے مربوط شرعی مسائل

مولانا فخر عالم قاسمی ومفتی احمد نادر القاسمی

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے بائیسویں فقہی سمینار کے موضوعات میں سے ایک موضوع ''الیکشن سے مربوط شرعی مسائل'' ہے، اس موضوع سے متعلق اکیڈمی کو کل ۷۰ر مقالات موصول ہوئے، جن کی تلخیص اور فاضل مقالہ نگاروں کی آراء وتحریر کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

سوال نمبر ۱- ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

تمام مقالات کی خواندگی کے بعد سوالنامے کی شق اول: ووٹ کی شرعی حیثیت کے تعلق سے کل چھ طرح کی آراء سامنے آئی ہیں (۱) شہادت (۲) وکالت (۳) شفاعت (۴) مشاورت/ امانت (۵) سیاسی بیعت (بشرطیکہ اسلامی ملک ہو) (۶) تقلیل شر ودفع ضرر:

۳۵ر فاضل مقالہ نگاران ایسے ہیں جن کی حتمی رائے یا غالب رجحان شہادت کی طرف ہے۔ جبکہ ۱۳ حضرات ایسے ہیں جنہوں نے اپنی رائے یا رجحان کا اظہار نہیں کیا بلکہ مذکورۃ الصدر تینوں یا چاروں شکلوں کے ممکن ہونے کا اشارہ دیا۔ ان میں سے پانچویں شکل: سیاسی بیعت کا رجحان رکھنے والوں کی تعداد کل تین ہے۔ اور تقلیل شر ودفع ضرر کے قائل ایک ہیں (مولانا عثمان بستوی)۔ ۶ر وہ لوگ ہیں جنہوں نے کھل کر ووٹ کو مشاورت بلفظ دیگر امانت کا درجہ دیا ہے۔ ۳ر مقالہ نگار ایسے ہیں جنہوں نے ووٹ کی کوئی شرعی حیثیت تسلیم نہیں کی، بلکہ اس کو محض ایک رائے اور جدید انتخابی عمل سے تعبیر کیا، نیز ایک مقالہ میں شق اول وثانی سے متعلق کوئی چیز نہیں ہے (مفتی شیر علی گجراتی)، جبکہ ایک میں ووٹ کی شرعی حیثیت وکالت تسلیم کی گئی ہے (مولانا محبوب فروغ قاسمی)، اسی طرح ۱۱ر مقالہ نگاران ایسے ہیں جنہوں نے اپنی تحریروں میں مذکورہ بالا شکلوں کو تو جگہ دی، لیکن اپنی رائے ورجحان کو پیش کرنے سے کلیۃ گریز کیا۔

پہلا موقف:

مندرجہ ذیل حضرات کے نزدیک ووٹ کی شرعی حیثیت ''شہادت'' کی ہے:

مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا عبدالرب اعظمی، مولانا اسماعیل بن محمد صالح، مفتی سلطان کشمیری، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا محمد ارشد علی رحمانی، مولانا محمد ابرار خان ندوی، مولانا شاہ اکرام الحق ندوی، مولانا شوکت ثنا قاسمی، مولانا شاہین جمالی، مفتی خالد حسین نیموی قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا عبدالشکور قاسمی آکولہ، مولانا اشتیاق احمد اعظمی القاسمی، مفتی محمد نصر اللہ ندوی، مولانا عبدالخالق رامپور، مولانا عابد الرحمٰن بجنوری، مفتی اکمل یزدانی القاسمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مفتی عارف باللہ القاسمی، مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی، مولانا حیدر علی قاسمی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا محمد عمران ندوی، مولانا یوسف علی صاحب، مفتی شبیر احمد دیولوی، مولانا صادق مبارکپوری، مفتی جنید بن محمد، مولانا محمد مقصود فرقانی، مولانا عبدالرشید کانپور، مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی، مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی، مفتی محمد شاہ جہاں ندوی، مولانا افتخار احمد مفتاحی۔

مذکورہ حضرات نے اپنے موقف کی تائید میں ان دلائل کو پیش کیا ہے:

قائلین شہادت کے دلائل:

(د) ووٹ کی شرعی حیثیت 'شہادت' تسلیم کرنے کی صورت میں مقالہ نگاروں نے مندرجہ ذیل دلائل پیش کیے ہیں:

ولانکتم شهادة الله إنا اذا لمن الاثمين (مفتی شاہ جہاں ندوی)۔

(۱) **ولاتكتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه اثم قلبه** (بقرہ آیت/۲۸۳)، (دیکھئے مقالہ: مولانا محمد قمر الزماں ندوی وغیرہ)۔

(۲) **وأقيموا الشهادة لله** (سورۂ طلاق) (از مقالہ مولانا عبدالرب اعظمی وغیرہ)۔

(۳) **كونوا قوامين لله شهداء بالقسط** (مائدہ:۷)۔

(۴) **كونوا قوامين بالقسط شهداء لله** (نساء:۵:۱۳۵) (مفتی جعفر ملی رحمانی، مولانا ممتاز خاں ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

(۵) **ولا يأب الشهداء إذا ما دعوا** (سورہ بقرہ:) (دیکھئے مقالہ: مفتی خالد حسین نیموی قاسمی، مولانا عبدالسلام

کوثری وغیرہ)۔

(۶)والذین هم بشهاداتهم قائمون – أولئک فی جنت مکرمون (سورۂ معارج ۳۵-۳۳)(مفتی فیاض عالم قاسمی، مولانا مجیب الرحمٰن ندوی)۔

(۷)فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور (سورۂ حج:۳۰)(مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی فیاض عالم قاسمی، مولانا محمد مجیب الرحمٰن ندوی، مولانا شوکت ثناء قاسمی وغیرہم)۔

(۸)والذین لا یشهدون الزور (الفرقان:۷۲)(مولانا شاہ اکرام الحق ندوی، مفتی شاہ جہاں ندوی)۔

(۹)عن خریم ابن فاتک صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم صلاة الصبح فلما انصرف قام قائماً فقال: عدلت شهادة الزور بالإشراک بالله ثلاث مرات تم قرأ فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور (ابوداؤد، کتاب القضاء، باب فی شہادۃ الزور حدیث نمبر:۳۵۹۹)(مولانا شاہ اکرام الحق ندوی)۔

(۱۰)اکبر الکبائر الإشراک بالله وعقوق الوالدین وشهادة الزور (بخاری باب اثم من اشراک باللہ ۶۴۰۸)(مولانا شوکت ثناء قاسمی، مولانا اشتیاق احمد الاعظمی القاسمی وغیرہ)۔

(۱۱) من کتم شهادة إذا دعی إلیها کان کمن شهد بالزور (جمع الفوائد بحوالہ طبرانی ۱/ ۶۲)(دیکھئے مقالہ: مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا اقبال قاسمی)۔

(۱۲)ألا أخبرکم بخیر الشهداء الذي یأتی بشهادته قبل أن یسألها (صحیح مسلم باب بیان خیر الشہداء ۲/۷۷، مشکوۃ:۳۲۷، سنن ابی داؤد ۲/ ۵۰۶)(مولانا محمد ارشد علی رحمانی، مولانا شاہ اکرام الحق ندوی وغیرہ)۔

(۱۳)الناس إذا رأوا الظالم فلم یأخذو علی یدیه أو شک أن یعمهم الله بعقاب (جمع الفوائد ۲/ ۵۱ بحوالہ ابوداؤد والترمذی) (مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا عبدالسلام کوثری، مولانا حیدر علی قاسمی، مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی)۔

مسلمانوں کے پاس منکر کو روکنے کی طاقت ہونی چاہئے الیکشن میں صحیح امیدوار کو ووٹ دینا منکر کو روکنے کا پہلا عمل ہے۔

(۱۴)من رأی منکم منکراً فلیغیره بیده فمن لم یستطع فبلسانه ومن لم یستطع فبقلبه وذلک أضعف الإیمان (مسلم:۷۸)(مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی، مولانا کلیم اللہ عمری)۔

(۱۵)**تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان** (سورۂ مائدہ:)(مولانا عابد الرحمٰن بجنوری، مولانا غلام رسول منظور القاسمی)۔

(۱۶)**أن تؤدوا الأمانات إلی أهلها** (نساء:۵۸)شہادت ایک امانت ہے اور امانت کا اس کے اہل کے پاس سپرد کرنا واجب ہے(مولانا عبد الرب اعظمی، مولانا ارشد علی رحمانی)۔

(۱۷)مولانا محمد ابرار خاں ندوی لکھتے ہیں کہ شہادت نہ دینے کی وجہ سے کسی حقدار کا حق مارا جائے اور دوسرا کوئی گواہ موجود نہ ہو یا گواہ تو موجود ہو مگر اس کی گواہی لائق اعتناء نہ ہو تو ایسے مواقع پر شہادت دینا واجب ہے اور شہادت نہ دینا باعث گناہ ہے دلیل میں فتاوی ہندیہ کی عبارت پیش کرتے ہیں:"**ویلزم أداء الشهادة ویأثم بکتمانها إذا طلب المدعی ...... وإن ادی غیره ولم تقبل شهادته یأثم من لم یؤد إذا کان ممن تقبل شهادته، کذا فی التبیین، وإن کان هو أسرع قبولاً من اٰخرین لیس له الامتناع عن الأداء**" (الفتاوی الہندی ۴۵۲/۳۸)۔

(۱۸) **وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخیل ترهبون به عدو الله وعدوکم** (الانفال:۶۰)۔

بعض مقالہ نگار کا مذکورہ آیت سے وجہ استدلال یہ ہے کہ

آیت کریمہ میں قوت کا لفظ بہت جامع ہے جو ان تمام قوتوں کو شامل ہے جو نتائج اور فیصلوں پر اثر انداز ہوسکیں، بالیقین جمہوری ملک میں ووٹ کی قوت دشمنوں کے عزائم کو خاک میں ملانے کے لیے اہم طاقت ہے اسے ہر حال میں استعمال کرنا چاہئے (دیکھئے مقالہ: مفتی خالد حسین نیموی قاسمی، مولانا مصطفیٰ عبد القدوس ندوی، مولانا افتخار احمد مفتاحی)۔

(۱۹)**علی الشاهد أن یشهد حیثما استشهد** (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ۴۱۵/۳)، امام طبری نے اس ضمن میں اس کی بھی وضاحت فرمائی ہے کہ گواہی چھپانے کی ممانعت اس شکل میں ہے جب کسی حق کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو(تفسیر طبری ۹۹/۶)، (مفتی خالد حسین نیموی قاسمی)۔

دوسرا موقف: وکالت/ شفاعت/ مشاورت:

اس مسئلہ میں دوسرا موقف وکالت، شفاعت اور مشاورت کا ہے، اس موقف کو اختیار کرنے والے علماء میں مندرجہ ذیل اسمائے گرامی بھی شامل ہیں:

مولانا فاروق سورت، مفتی عبد الرحیم القاسمی، مفتی اعجاز الحسن قاسمی، مولانا توقیر بدر القاسمی، مولانا فیاض عالم قاسمی،

ڈاکٹر محمد مبین سلیم، مفتی جعفر ملی رحمانی، مفتی اشرف قاسمی، مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مولانا عبدالرب عبدالوہاب خان، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی سہیل اختر قاسمی، مولانا عثمان بستوی۔

دلائل قائلین شفاعت:

ووٹ کی شرعی حیثیت ''شفاعت'' تسلیم کرنے کی صورت میں مقالہ نگاروں نے مندرجہ ذیل دلائل پیش کیے ہیں:

(۱)من يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها، ومن يشفع شفاعة سيئةً يكن له كفل منها (النساء:۸۵) (مفتی خالد حسین نیموی قاسمی وغیرہ)

(۲)إذا جاء رجل يسأل أو طالب حاجةً أقبل علينا بوجهه فقال: ''اشفعوا فلتؤجروا وليقض الله على لسان نبيه ما شاء'' (صحیح بخاری ۲/۸۹۰، کتاب الادب باب تعاون المؤمنین بعضهم بعضاً) (دیکھئے مقالہ: مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

تیسرا موقف: سیاسی بیعت:

مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مولانا عبدالرب عبدالوہاب خان، مولانا ابوسفیان مفتاحی۔

چوتھا موقف: مشاورت:

اس مسئلہ میں چوتھا موقف علماء کا یہ ہے کہ ووٹ کی حیثیت مشاورت کی ہے، اس رائے کو اختیار کرنے والے مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

مولانا انور علی اعظمی، مولانا عبدالشکور قاسمی کیرالا، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا عبیداللہ ندوی، مولانا نثار عالم ندوی۔

پانچواں موقف:

پانچواں موقف اس مسئلہ میں یہ ہے کہ ووٹ ایک رائے اور جدید انتخابی عمل ہے، اور بس، اس موقف کو مندرجہ ذیل تین حضرات نے اختیار کیا ہے:

مولانا محمد الاعظمی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مفتی فہیم اختر ندوی۔

دلائل قائلین مشاورت/امانت:

ووٹ کی شرعی حیثیت ''مشاورت/ امانت'' تسلیم کرنے کی صورت میں مقالہ نگاروں نے مندرجہ ذیل دلائل پیش کیے ہیں:

(۱) **وأمرهم شورى بينهم** (دیکھئے مقالہ: مولانا توقیر بدر القاسمی، مفتی اعجاز الحسن قاسمی، مفتی خالد حسین نیموی)۔

(۲) **وشاورهم في الأمر** (دیکھئے مقالہ: مولانا توقیر بدر القاسمی، مفتی اعجاز الحسن قاسمی)۔

حدیث شریف میں صحیح مشورہ دینے کا حکم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(۳) **المستشار مؤتمن** (الترمذی، باب ان المستشار مؤتمن) (دیکھئے مقالات: مولانا عبد الشکور قاسمی، مفتی اعجاز الحسن قاسمی، مولانا عابد الرحمٰن بجنوری، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا نثار عالم ندوی، مولانا ریحان مبشر قاسمی، مفتی سہیل اختر قاسمی صاحبان)۔

(۴) **إن الله يأمركم أن تؤدو الأمانات إلى أهلها**، (دیکھئے مقالہ: مولانا عبد الشکور قاسمی، مولانا کلیم اللہ عمری)۔

(۵) **اد الأمانة إلى من ائتمنک ولاتخن من خانک** (ترمذی حدیث:۱۳۱۱)، (دیکھئے مقالہ: مفتی خالد قاسمی نیموی)۔

(۶) **إذا ستنصح رجل أخاه فلينصح له** (بخاری ۱/۲۸۹) (دیکھئے مقالہ: مولانا توقیر بدر قاسمی)۔

(۷) **من قلد انساناً عملاً وفي رعيته من هو أولى فقد خان الله ورسوله وجماعة المسلمين** (ردالمحتار ۸/۳۸، کتاب القضاء) (مولانا ریحان مبشر قاسمی)۔

(۸) **عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من استعمل رجلاً من عصابة وفي تلک العصابة من هو أرضى لله منه فقد خان الله وخان رسوله وخان المؤمنين** (المستدرک علی الصحیحین للحاکم حدیث: ۷۰۲۳) (مفتی شاہ جہاں ندوی)۔

(۹) **عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: فإذا ضيعت الأمانة فانتظر الساعة قال: كيف إضاعتها؟ قال: إذا وسد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة** (صحیح بخاری حدیث نمبر ۵۹-۶۴۹۷، مسند احمد ۸۷۲۹) (مفتی شاہجہاں ندوی، مولانا کلیم اللہ عمری، مولانا اشتیاق احمد الاعظمی)۔

(۱۰) عن النبي ﷺ: لا إيمان لمن لا أمانة له ولا دين لمن لاعهد له (مشکوۃ:۱۵)(مفتی غلام رسول منظور القاسمی)۔

سوال نمبر ۲: اگر ووٹ شہادت کے درجہ میں ہے تو اس کا حکم شرعی کیا ہوگا؟ ووٹ دینا صرف جائز ہوگا، یا مستحب یا واجب؟

اس سوال کے جواب میں تین طرح کی آراء سامنے آئیں ہیں:

پہلی رائے:

ووٹ ڈالنا مطلقاً واجب ہے، اس رائے کو مندرجہ ذیل حضرات نے اپنایا ہے:

مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا عبد الرب اعظمی، مولانا محمد اسماعیل بن محمد صالح، مفتی سلطان کشمیری، مفتی جعفر ملی رحمانی، مولانا ممتاز خان ندوی، مولانا مجیب الرحمٰن ندوی، مولانا توقیر بدر القاسمی، شاہ اکرام الحق ندوی، مولانا شیر علی صاحب، مولانا مصطفیٰ عبد القدوس ندوی، قاضی محمد حسن ندوی، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مفتی اعجاز الحسن قاسمی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا عبد الشکور قاسمی آکولہ، مولانا اشتیاق احمد الاعظمی القاسمی، مفتی نصر اللہ ندوی، مولانا عبد الخالق رامپور، مولانا عابد الرحمٰن بجنور، مفتی اکمل یزدانی القاسمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا حیدر علی قاسمی، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مولانا عمران ندوی، مولانا یوسف علی صاحب، مفتی شبیر احمد دیولوی، مولانا صادق مبارکپوری، مولانا عبد الرب عبد الوہاب خان، مفتی جنید بن محمد، مولانا عبد الرشید کانپور، مولانا احسن عبد الحق ندوی، مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی، مفتی اشرف قاسمی، مفتی محمد شاہ جہاں ندوی، مولانا عثمان بستوی، مفتی اقبال احمد کانپور، ڈاکٹر محمد مبین سلیم، حافظ کلیم اللہ عمری۔

نیز اس مسئلہ میں مفتی خالد حسین نیموی واجب لغیرہ، مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی واجب کفایہ اور مفتی فہیم اختر ندوی بعض حالات میں مطلوب اور بعض حالات میں وجوب کے قائل ہیں، جبکہ ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی صاحب فرماتے ہیں کہ حقوق پامال ہونے کا خطرہ ہو تو ووٹ دینا واجب ہے، اور اگر ووٹ دے کر حقوق پامال ہونے کا خطرہ ہو تو نہ دینا واجب ہے۔

قائلین وجوب کے دلائل:

چونکہ مذکورہ حضرات نے ووٹ کے وجوب کے لئے انہیں دلائل کا سہارا لیا ہے جو سوال نمبر ۱ (شہادت) کے ضمن

میں ذکر کئے گئے، اس لئے مزید ان کا دہرانا تحصیل حاصل ہوگا، حسب ضرورت سوال نمبر ا کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

دوسری رائے: ووٹ ڈالنا صرف جائز یا مستحب ہے:

مندرجہ ذیل حضرات علماء نے یہ رائے دی ہے کہ ووٹ دینا صرف جائز اور مستحب ہے:

مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا نثار عالم ندوی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محمد فاروق، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا محمد قمر عالم قاسمی، مولانا ریحان مبشر قاسمی۔

تیسری رائے: فرض کفایہ وفرض عین ہے:

اس مسئلہ میں تیسری رائے یہ ہے کہ ووٹ دینا بعض حالات میں فرض کفایہ ہے، اور بعض حالات میں فرض عین بھی ہوجاتا ہے، اس رائے کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مفتی سہیل اختر قاسمی، مفتی عارف باللہ قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا افتخار احمد مفتاحی۔

ضرورت کے لحاظ سے حکم شرعی متعین کیا جائے گا:

بعض حضرات کے نزدیک تینوں طرح کا رجحان پایا جاتا ہے، حالات کے حساب سے کبھی واجب، کبھی جائز اور کبھی مستحب ہوگا، اس رائے کو اختیار کرنے والے علماء میں مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

مفتی سلمان قاسمی پالنپوری، مفتی مقصود فرقانی، مولانا محمد اعظمی، مولانا فیاض عالم قاسمی۔

جبکہ مولانا عامر ظفر ایوبی کے نزدیک ووٹ پر کوئی حکم لگانا مشکل ہے، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس مسئلہ پر اطمینان نہیں ہے۔

دلائل:

عام طور سے ان حضرات نے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کو بنیاد بنایا ہے اور مزید دلائل بھی دیئے ہیں، مثلاً:

''ولا تکتموا الشهادة ومن يكتمها، فإنه أثم قلبه'' (سورۂ بقرہ: ۲۸۳) (دیکھئے مقالہ: مفتی انور علی اعظمی، قاری ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

سوال نمبر ۳: الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا کیا حکم ہے؟

سوال نمبر ۳ کے تعلق سے تقریباً تمام مقالہ نگاروں نے خود سے عہدہ قبول کرنے کو ناپسند کیا ہے لیکن ہندوستان کے موجودہ حالات کے تناظر میں اپنے آپ کو امیدوار کی حیثیت سے پیش کرنا مندرجہ ذیل دلائل کی بنیاد پر جائز ہی نہیں بلکہ امر مستحسن قرار دیا ہے۔

مقالہ نگاران نے اپنے موقف کی تائید میں بہت سے نقلی اور عقلی دلائل وجوہات بیان کئے ہیں، مثلاً:

(۱) ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں الیکشن میں شرکت سے بے شمار فوائد، قومی، ملی، مذہبی مفادات وابستہ ہیں بلکہ کہیں تو اس کے بغیر ملت کا تشخص اور دین اسلام کی حفاظت بھی خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔

(۲) جمہوری قانون میں بنے ہوئے دفعات وقوانین کو پارلیمنٹ میں چیلنج کرنا، اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا، منسوخی کا مطالبہ کرنا اور پارلیمنٹ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بنائے گئے قانون کو روکنا وغیرہ الیکشن میں شرکت کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے اور یہی مؤثر ذریعہ ہے۔

(۳) یہاں دو مفسدے جمع ہیں: الف: الیکشن میں شرکت کا مفسدہ کہ غیر اسلامی حکومت کے قیام میں تعاون، دستور وآئین سے وفاداری کا حلف، جس میں بعض دفعات ایسی ہوسکتی ہیں جو قرآن وحدیث سے صراحتاً متصادم ہوں۔

ب: دوسری طرف الیکشن میں مسلم امیدوار کھڑا نہ ہونے کی صورت میں مفسدہ ہے کہ اسلام کے خلاف پارلیمنٹ میں قوانین پاس کیے جائیں گے اور اسلام کی طرف سے دفاع کرنے والا وہاں کوئی نہیں ہوگا وغیرہ (تفصیل کے لئے دیکھئے مقالہ: مولانا عبیداللہ ندوی)۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل نقلی دلائل بھی پیش کئے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

دلائل:

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر سے حکومت کی درخواست ان الفاظ میں کی تھی:

اجعلنی علی خزائن الأرض إنی حفیظ علیم (سورۂ یوسف:۵۵) (دیکھئے مقالات: مفتی نصر اللہ ندوی، مفتی عبدالرحیم القاسمی، مولانا اشتیاق الاعظمی، مولانا عبدالسلام کوثری، مفتی خالد حسین نیموی قاسمی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے بارے میں دعاء فرمائی تھی: ”رب هب لی ملكا لاينبغی لأحد من بعدی“ (سورۂ ص:۳۵) (مولانا عبیداللہ ندوی، مفتی جعفر ملی رحمانی)۔

(۳) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا فمن طلب قضاء المسلمین حتی ینالہ ثم غلب عدلہ جورہ فلہ الجنة (سنن ابوداؤد، کتاب الاقضیۃ، باب فی القاضی یخطی ویصیب حدیث:۳۵۷۵) (مولانا عبد الرب عبدالوہاب خان، مولانا غلام رسول منظور القاسمی، مفتی عارف باللہ القاسمی، مولانا عابد الرحمٰن بجنوری، مولانا توقیر بدر القاسمی، مولانا شوکت ثناء قاسمی)۔

(۴) حضرت عثمان ابن العاص ثقفیؓ کی حدیث سے بھی اپنے آپ کو امیدوار کی حیثیت سے پیش کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، انھوں نے فرمایا: یارسول الله اجعلنی إمام قومی فقال النبی صلى الله علیه وسلم أنت إمامهم واقتد بأضعفهم واتخذ مؤذناً لا یأخذ علی أذانه أجراً (مسند احمد ۱۵۶۷۶، ترمذی ۶۶۶)، (مفتی عارف باللہ قاسمی)۔

(۵) مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

”ومن أجل هذه الدلائل اختار أكثر الفقهاء التفصيل فإن كان الطالب غير أهل لذلک المنصب من الإمامة أو القضاء فإن طلبه محظور مطلقا وكذلک إذا كان الطلب لحب المال والرئاسة والشرف فإنه منهي عنه على الإطلاق وأما إذا كان للإصلاح بين الناس وإقامة العدل فليس بمنهی عنه“ (تکملہ فتح الملہم، تقی عثمانی) (مولانا عامر ظفر ایوبی، مولانا غلام رسول منظور القاسمی، مولانا عابد الرحمٰن بجنوری، مولانا افتخار احمد مفتاحی)۔

(۶) أما إذا تعين بأن لم يكن أحد غيره يصلح للقضاء وجب عليه الطلب صيانة لحقوق المسلمين ودفعاً لظلم الظالمين ولم أر حكم إذا تعين ولم يول إلا بمال هل يحل بذله وينبغی أن يحل بذله للمال كما حل طلبه (ردالمحتار ۸/۴۰، کتاب القضاء) (دیکھئے مقالہ: مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

(۷) أهون البليتين کے اعتبار سے جو شق اہون ہو اسے اختیار کرلیا جائے ”ما لا يدرک كله لا يترک كله“ (مولانا عبدالرشید کانپور)۔

(۸) اگر کوئی شخص اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار اس نیت سے پیش کرتا ہے کہ کامیابی کے بعد اپنی قوم اور وطن کے حقوق کی حفاظت اور حکومت کے ظلم وتشدد کا انسداد کروں گا تو اس کے لیے الیکشن لڑنا درست ہے نیز الیکشن جیتنے کے بعد رشوت خوری سے بچنے کا بھی یقین ہو (مستفاد از کفایت المفتی ۹/۳۵۰) (مفتی جنید بن محمد)۔

(۹)''عام اسلامی حکم یہی ہے کہ از خود کسی سرکاری عہدے کو یا منصب کو اپنے لیے طلب کرنا جائز نہیں اور ایسا شخص مطلوب منصب کا اہل نہیں ہوتا، لیکن بعض استثنائی صورتوں میں جہاں یہ بات واضح ہو کہ اگر کوئی شخص خود اس منصب کو طلب نہیں کرے گا تو نا اہل اور ظالم لوگ اس پر قبضہ کر کے لوگوں پر ظلم کریں گے تو ایسے وقت میں عہدے کو طلب کرنے کی شرعاً اجازت ہے (فتاوی عثمانی) (مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی، مولانا صادق مبارکپوری)۔

(۱۰) حضرت عمرؓ زخمی ہونے کے بعد اس وقت کے سب سے زیادہ اہل اور موزوں ترین چھ افراد'' حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم کی مشاورتی و انتخابی کمیٹی بنادی تھی جو حقدار خلافت بھی ہوگی، چنانچہ حضرت زبیر ابن العوام نے حضرت علی بن ابی طالب کے حق میں اپنے حق سے دستبرداری کرلی اور حضرت سعد ابن ابی وقاص نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے حق میں اور طلحہ بن عبید اللہ نے حضرت عثمان بن عفان کے حق میں دستبرداری کرلی، اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت علی اور عثمان سے عرض کیا''**أيكما يبرأ من هذا الأمر فنفوض الأمر إليه، والله عليه والإسلام ليولين أفضل الرجلين الباقيين، فسكت الشيخان علي وعثمان، فقال عبد الرحمن بن عوف إني أترك حقي من ذلك، والله علي والإسلام أن أجتهد فأولي أولا كما بالحق، فقالا نعم**'' (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ ۷/ ۴۶-۱۴۵، مطبوعہ بیروت ۱۹۸۸)۔ مذکورہ بالا عبارت خود کو منصب خلافت کے لیے نامزد کرنے کی ضمنی لیکن صریح دلیل ہے لیکن یہ نامزدگی منصب خلافت کی حرص یا حکومت کو لذت و منفعت کا ذریعہ سمجھنے کی وجہ سے نہیں تھی، بلکہ مسلمانوں کے حق میں مفید اور ان کی خدمت کی اپنے اندر صلاحیت محسوس کرنے کی وجہ سے تھی (مفتی شاہ جہاں ندوی، مفتی فہیم اختر ندوی)۔

(۱۱) امام ماوردی رقم طراز ہیں: **وإن لم يقم بها – أي بالإمامة – أحد خرج من الناس فريقان: أحدهما أهل الاختيار حتى يختاروا إماماً للأمة، والثاني أهل الإمارة حتى ينتصب أحدهم للإمامة** (ماوردی امام ابوالحسن علی بن محمد، الأحکام السلطانیۃ فی الولایات الدینیۃ ص: ۳۰، مطبوعہ بیروت)، مذکورہ بالا عبارت سے بھی یہی ظاہر ہے کہ خود کو نامزد کرے (مفتی شاہ جہاں ندوی)۔

(۱۲) مشہور حنفی مفسر قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی **اجعلني علی خزائن الأرض** کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

وفيه دليل على جواز طلب الولاية والقضاء وإظهار أنه مستعد لها إن كان آمنا على نفسه وعلى جواز أن يتولى الإنسان عملاً من يد سلطان جائرٍ أو كافر إذا علم أنه لاسبيل إلى إقامة الحق وسياسة الخلق

إلا بتمکین ذلک الکافر أو الجائر وقد کان السلف من هذه الأمة يتولون القضاء من جهة الظلمة (تفسیر مظہری مطبوعہ زکریا بکڈپو، دیوبند) (مولانا صادق مبارکپوری، مولانا محمد عمران ندوی، مولانا حیدر علی قاسمی، مولانا فیاض عالم قاسمی)۔

(۱۳) علامہ محقق محدث ظفر احمد صاحب عثمانی رقم طراز ہیں:

إن طلب الإمارة والقضاء من حيث الإمارة والحكومة لحب المال والرياسة والشرف منهي عنه مطلقاً سواء كان بالقلب وحده أو باللسان أيضا لكونه من ناحية الدنيا لا الدين وأما طلبها لامن حيث الإمارة بل إرادة الإصلاح بين الناس وإقامة العدل فيهم والقضاء بالحق لما في العدل من الأجر الجزيل فليس بمنهي عنه لا بالقلب ولا باللسان (إعلاء السنن ۱۵/ ۴۷، مکتبہ اشرفیہ، دیوبند) (مولانا صادق مبارکپوری، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا افتخار احمد مفتاحی)۔

(۱۴) من لكعب بن الأشرف فإنه قد أذى الله ورسوله فقام محمد بن مسلمة فقال يا رسول الله! أتحب أن أقتله، قال نعم، (صحیح البخاری ۲/ ۵۷۶)، اسی طرح غزوۂ حنین کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من يحرسنا الليلة قال أنس ابن أبي مرثد الغنوي أنا رسول الله صلى الله عليه وسلم (ابوداؤد ۳۳۸)، مذکورہ بالا دونوں روایتیں خود سے آگے بڑھ کر ذمہ داری سنبھالنے کے اوپر دلیل ہے (مولانا محمد عمران ندوی)۔

(۱۵) ضرورت کے وقت خدمت خلق کے ارادے سے، ظالموں کو ظلم سے روکنے اور مسلمانوں کی خیر خواہی ونفع رسانی کی غرض سے منصب اور عہدہ کا مطالبہ کرنا شرعاً جائز ہے دلیل مندرجہ ذیل احادیث ہیں: "الناس إذا رأوا الظالم فلم يأخذو على يديه أو شک الله أن يعمهم الله بعقاب" (جمع الفوائد ۲/ ۵۱)، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: من أذل عنده مومن فلم ينصره وهو يقدر على أن ينصره أذله الله على رؤوس الخلائق (جمع الفوائد ۲/ ۵۱) (مولانا حیدر علی قاسمی، مفتی اکمل یزدانی القاسمی، مولانا عثمان بستوی)۔

(۱۶) مفتی محمود حسن صاحب فرماتے ہیں:

اگر حصہ لینے میں احکام اسلام پر عمل کرنے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو اور حصہ لیکر اہل اسلام کی خدمت کر سکے اور ان کو ظلم سے بچا کر حقوق دلا سکے تو حصہ لینا جائز ہے (فتاوی محمودیہ ۱۳/ ۴۲۵) (مولانا حیدر علی قاسمی، مفتی عارف باللہ القاسمی، مفتی اکمل یزدانی قاسمی)۔

(۱۷) اگر الیکشن میں امیدوار بننے سے اسلام اور مسلمانوں کو نفع پہنچنے کا یقین یا گمان غالب ہو تو الیکشن میں

امیدوار بنا واجب ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وأعدوا لهم مااستطعتم من قوة** (الانفال:٦٠) (مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی)

(۱۸) الموسوعۃ الفقہیۃ کی مندرجہ ذیل عبارت سے یہ وضاحت بھی ہوتی ہے کہ اگر ایک شخص کے سوا کوئی بھی مناسب اور موزوں نہ ہو تو اس پر اس عہدہ کو طلب کرنا واجب ہو جائے گا ''**يختلف الحكم باختلاف حال الطالب، فإن كان لايصلح لها إلا شخص وجب عليه أن يطلبها – وإن كان هناك من هو أولى منه كره له طلبها وإن كان غير صالح لها حرم عليه طلبها**'' (الموسوعۃ الفقہیۃ ٦/ ٢١٨، تحفۃ المحتاج ٧/ ٥٤٠، واسنی المطالب ٤/ ١٠٨) (مفتی عارف باللہ قاسمی)۔

(۱۹) **ما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب** (الاشباہ والنظائر لابن نجیم ۹۱، الاشباہ والنظائر للسیوطی ۹۷) (مفتی خالد حسین نیموی قاسمی، مولانا عبدالشکور قاسمی کیرالا، مولانا ابرار خان ندوی)۔

سوال نمبر ۴: غیر مسلم ملکوں میں اور بہت سے مسلم ملکوں میں بھی قانون ساز ادارے مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں، ایسی صورت میں ان اداروں کا ممبر بننا درست ہوگا یا نہیں؟ خاص کر ان حالات میں کہ ہندوستان کے موجودہ قانون کے مطابق اگر کوئی پارٹی اپنے ممبروں کے لئے وہیپ جاری کر دے تو وہ پارٹی کی پالیسی کے مطابق ووٹ دینے کا پابند ہو جاتا ہے اور اپنے ضمیر کی آواز پر ووٹ دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔

سوال نمبر ۴ کے تعلق سے مقالہ نگاران دو طبقوں میں منقسم ہیں:

پہلا طبقہ وہ ہے جو ہندوستان کے موجودہ حالات کے تناظر میں بعض شرائط کے ساتھ مندرجہ ذیل دلائل کی بنیاد پر مخالف شریعت قانون ساز اداروں کی بھی ممبر شپ کو جائز قرار دیتا ہے گو کہ ان کی شمولیت و شرکت کسی بہت بڑی تبدیلی کا پیش خیمہ نہ ہو، اس رائے کو اختیار کرنے والے مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مفتی جعفر ملی رحمانی، مولانا عبیداللہ ندوی، مفتی اشرف قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا محمد عثمان بستوی، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی، مولانا محسن القاسمی الحسنی، مفتی سہیل اختر قاسمی، مولانا مجیب الرحمٰن ندوی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مفتی خالد حسین نیموی، مولانا عبدالشکور قاسمی، مولانا شاہ اکرام الحق ندوی، ڈاکٹر مبین سلیم، مفتی

سلمان پالنپوری، مولانا عبدالرب عبدالوہاب خاں، مفتی انور علی اعظمی، مولانا محمد ارشد علی رحمانی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا کلیم اللہ عمری، مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مفتی نصراللہ ندوی، مفتی اکمل یزدانی قاسمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مفتی شاہ جہاں ندوی، مولانا اسماعیل بن محمد صالح، مفتی شیر علی گجرات، مولانا محمد اعظمی، مولانا محمد فیاض عالم قاسمی، مفتی شبیر احمد دیولوی، مولانا عابد الرحمٰن بجنوری، مولانا غلام رسول منظور القاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا راشد حسین ندوی، مفتی عبدالرشید قاسمی کانپور، مولانا حیدر علی قاسمی، مولانا عبدالخالق رامپور، مفتی فہیم اختر ندوی، مولانا مظاہر حسین عمادالقاسمی، مولانا یوسف علی، مولانا عامر ظفر ایوبی، مولانا نثار عالم ندوی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مفتی مقصود فرقانی، مفتی جنید بن محمد، مولانا محمد قمر عالم قاسمی، مولانا احسن عبدالحق ندوی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ممتاز خاں ندوی، قاضی محمد حسن ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی۔

اس رائے کی تائید میں مذکورہ حضرات نے ذیل میں مذکور وجوہات اور دلائل پیش کئے ہیں:

الف-حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر سے کہا تھا "**اجعلنی علی خزائن الأرض**" دوسری آیات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام خود مختار نہیں تھے بلکہ بادشاہ کے تابع تھے، حکومت میں کوئی بڑی اور بنیادی تبدیلی لانے کی پوزیشن میں نہیں تھے، بادشاہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دین پر نہیں تھا، یہ نص عام ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں۔

ب-نجاشی شاہ حبشہ کے واقعہ سے بھی اس کی دلیل نکلتی ہے کہ وہ اپنے اسلام لانے کے باوجود خدا کے نازل کردہ احکام سے ہٹ کر فیصلہ کرتے رہے اور ایک غیر مسلم قوم کے بادشاہ بنے رہے اس کے باوجود آپ ﷺ نے انہیں خارج از ملت قرار نہیں دیا بلکہ آپ ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھی، حافظ ابن حجر نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے ایک ڈھال اور بڑے نفع بخش تھے۔

ج-اگر مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کی نمائندگی ہو یا ایسے ارکان موجود ہوں جن کے انتخاب میں مسلم ووٹ اثر انداز رہا ہو تو ان کے ذریعہ نہ صرف مسلمانوں کے قومی بلکہ ان کے مذہبی مفادات کا بھی تحفظ ہوتا ہے، اگر مسلمان ایسے ممالک میں بالکل کنارہ کش ہو جائیں تو سیاسی اور قومی سطح پر ان کی کوئی اہمیت ہی باقی نہیں رہے گی بلکہ بعض حالات میں وہ مذہبی حقوق سے بھی محروم ہو سکتے ہیں۔

د-اگر ان اداروں کا- جو مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں-ممبر بننا درست نہ مانا جائے تو ووٹ دینا بھی جائز نہ

ہوگا، کیوں کہ ووٹ دینے میں مفسدہ یہ ہے کہ کامیاب ہوکر یہ نمائندہ پارلیمنٹ تک پہنچے گا اور پارلیمنٹ میں ایسے قانون طے پائیں گے جو احکام شریعت کے مخالف یا مسلمانوں کے قومی یا ملی مفادات کے مغائر ہوں۔ حالانکہ ووٹ نہ دینے میں اس سے بڑا مفسدہ ہے، نیز یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج کے جمہوری نظام میں ووٹ ایک بہت بڑی طاقت ہے اور اسی طاقت کے اعتبار سے سیاسی اور سماجی زندگی میں قوموں کا درجہ متعین ہوتا ہے اور اس کے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے۔

ھ- حضور ﷺ کے فرمان: ''**من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه**'' سے بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے، بشرطیکہ یہ نیت لے کر جائے کہ حتی الامکان خلاف شریعت قانون کی تبدیلی کی کوشش کروں گا اگر وہ کامیاب ہوگیا تو بہت خوب ورنہ کم از کم آئندہ کے لئے اس کا وجود ایسے قوانین وضع کرنے میں سد باب بن سکتا ہے، اور اگر مسلم ممبران کئی ہوں تو سب متحد ہوکر اپنی بات منوا سکتے ہیں اور اس طرح کے آئین میں تبدیلی بھی کروا سکتے ہیں، چنانچہ اس کی مثالیں خود ہندوستان کی تاریخ میں بھی موجود ہے۔

و- جہاں تک پارٹی کے وہیپ جاری کردینے کے بعد ضمیر کے خلاف اس کی پالیسی کے حق میں ووٹ دینے کا سوال ہے تو یہ پارلیمنٹری قانون کی مجبوری میں ایک نادر اور قلیل الوقوع معاملہ ہے عمومی طور پر ایسا نہیں ہوتا، اس لئے اس کو گوارہ کرنے کی گنجائش ہے (مولانا شاہین جمالی، مفتی جعفر ملی رحمانی)۔

بہرحال باطل کو حتی الامکان مسترد کرنے اور حق کے اعلان اور صحیح فیصلہ کی جدوجہد کی نیت کے ساتھ مخالف شریعت قانون ساز اداروں کا بھی ممبر بننا مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ درست ہے:

(۱) دین وشریعت کا پابند ہو، (۲) دینی غیرت وحمیت رکھتا ہو، (۳) دین میں مداہنت بالکل گوارہ نہ ہو، (۴) مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہو اور ان کا خیرخواہ ہو، (۵) تحلیل وتحریم کے حوالہ سے مطلق قانون سازی کا حق صرف اللہ کو حاصل ہے اس کا اعتقاد رکھتا ہو (دیکھئے مقالہ: مولانا عبید اللہ ندوی)۔

اب ذیل میں مقالہ نگاران کی طرف سے پیش کردہ دلائل ملاحظہ ہوں:

''**إذا ابتلى ببليتين فاختر أهونهما**''، ''**لا يكلف الله نفساًإلاوسعها**''۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے۔

ان اداروں کا ممبر بننا درست ہے، ہاں ایسے فیصلے جو شرعی نقطہ نظر سے درست نہ ہوں مسلمانوں کو اس پر عمل نہ کرنے کی گنجائش ہے، ''**لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق**'' اور جب یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ ممبران آنے والے بل کے خلاف

ووٹ دیں گے یا واک آوٹ کر جائیں گے تبھی وہیپ جاری کیا جاتا ہے، بندہ کے خیال میں یہ اکراہ غیر ملجی ہے اور اس اکراہ (خصوصاً اس ملک میں) سے بھی تکلیف شرعی کے سقوط کی گنجائش ملنی چاہئے (ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

"إلا من أکرہ وقلبه مطمئن بالإیمان" (مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی، مولانا یوسف علی)۔

"مالا یدرک کله لا یترک کله" (مولانا عامر ظفر ایوبی، مولانا نثار عالم ندوی)۔

"ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان" (مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

طبقہ اول کے دلائل:

۱-**"لا یکلف الله نفساً إلا وسعها"** (بقرہ:۲۸۶) (مولانا ارشد حسین ندوی، مفتی خالد حسین نیموی قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مولانا عثمان بستوی)۔

۲- **"من کفر بالله من بعد إیمانه إلا من أکرہ وقلبه مطمئن بالإیمان"** (سورہ نحل:۱۰۶) (مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا حیدر علی قاسمی، مولانا ارشد حسین ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

۳-**"فاتقوا الله ما استطعتم واسمعوا وأطیعوا"** (التغابن:۱۶) (مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مفتی نصر اللہ ندوی، مولانا شوکت قاسمی)۔

۴-**"لاینهاکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم أن تبروهم وتقسطوا إلیهم إن الله یحب المقسطین"** (ممتحنہ:۸) (مصطفی عبد القدوس ندوی، مولانا ریحان مبشر قاسمی)۔

۵- حضرت شعیب علیہ السلام کی سیرت کے مطالعہ سے ہمیں اس باب میں روشنی ملتی ہے، ان کا تعلق کفار کے قبیلہ سے تھا جب انہوں نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلایا تو لوگ آپ کے دشمن بن گئے اور چاہا کہ (نعوذ باللہ) آپ کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں، لیکن چوں کہ آپ کا نسبی تعلق ایک طاقتور قبیلہ سے تھا، اس لئے وہ اپنے منصوبے سے باز آگئے، قرآن کریم نے اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"قالوا یاشعیب ما نفقه کثیرا مما تقول وإنا لنراک فینا ضعیفاً ولو لا رهطک لرجمناک وما أنت علینا بعزیز" (ہود:۹۱) (مفتی محمد نصر اللہ ندوی)۔

۶-**"من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فإن لم یستطع فبلسانه فإن لم یستطع فبقلبه"** (ترمذی جلد دوم ابواب الفتن باب ما جاء فی تغییر المنکر بالید أو باللسان أو بالقلب) (مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی، مولانا توقیر

بدر قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مولانا مجیب الرحمٰن ندوی، مولانا ابرار خان ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی سہیل اختر قاسمی، مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی)۔

۷- پارلیمنٹ کے ممبر بننے کا مفسدہ کمتر ہے عدم شرکت کے مفسدے سے: "**إذا تعارض مفسدتان روعی أعظمهما ضرراً بارتکاب أخفهما**"، "**إذا ابتلی ببلیتین فاختر أهونهما**" (مولانا عبدالرب عبدالوہاب خاں، مولانا عبدالرشید قاسمی کانپور وغیرہ)۔

۸- "**الناس إذا رأوا الظالم فلم یأخذوا علی یدیه أوشک أن یعمهم الله بعقاب منه**" (سنن ابوداؤد ۴/۲۱۴) (مولانا عابد الرحمٰن بجنوری، مولانا غلام رسول منظور قاسمی)۔

۹- "**أوفوا بحلف الجاهلیة فإنه لا یزیده یعنی الاسلام إلا شدة ولا تحدثوا حلفاً فی الإسلام**" (ترمذی ۱/۲۸۷ کتاب السیر باب ماجاء فی الحلف حدیث حسن صحیح) (مولانا محسن القاسمی الحسنی، مذکورہ بالا حدیث میں وہی معاونت اور حلف مراد ہے جو حق کی بنیاد پر ہو، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

۱۰- مفتی عارف باللہ قاسمی مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر مخالف شریعت قانون ساز ادارے کی ممبر شپ کو درست قرار دیتے ہیں:

(۱) اس میں مصالح مرسلہ کی رعایت ہے، چناں چہ اسی مصلحت اور ضرورت کے پیش نظر "مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ" نے اپنے انیسویں فقہی سمینار منعقدہ مکہ مکرمہ میں اس بات کو جائز قرار دیا کہ غیر مسلم ممالک میں مقیم مسلمان وہاں کے انتخابات میں شرکت کر سکتے ہیں فیصلے کے الفاظ یہ ہیں:

"**یجوز للمسلم الذی یتمتع بحقوق المواطنة فی بلد غیر مسلم المشارکة فی الانتخابات النیابیة ونحوها لغلبة ما تعود به مشارکته من المصالح الراجحة مثل تقدیم الصورة الصحیحة عن الإسلام والدفاع عن قضایا المسلمین فی بلده، وتحصیل مکتسبات الأقلیات الدینیة والدنیویة وتعزیز دورهم فی مواقع التأثیر اوالتعاون مع أهل الاعتدال والإنصاف لتحقیق التعاون القائم علی الحق والعدل وذلک وفق الضوابط الآتیة:**

أولاً: أن یقصد المشارک من المسلمین بمشارکته الإسهام فی تحصیل مصالح المسلمین ودرء المفاسد والأضرار عنهم.

ثانیا: أن یغلب علی ظن المشارکین من المسلمین أن مشارکتهم تفضی إلی آثار إیجابیة تعود بالفائدة علی المسلمین فی هذه البلاد من تعزیز مرکزهم وإیصال مطالبهم إلی أصحاب القرار ومدیری دفة الحکم والحفاظ علی مصالحهم الدینیة والدنیویة۔

ثالثاً: أن لا یترتب علی مشارکة المسلم فی هذه الانتخابات ما یؤدی إلی تفریطه فی دینه"۔

(۲) اس میں شرکت کے ذریعہ مسلمانوں پر آنے والے دینی اور دنیاوی ضرر کو کم کیا جا سکتا ہے اور تقلیل ضرر شریعت اسلامیہ میں مطلوب ہے۔

(۳) یہ ادارے صرف خلاف شرع قوانین ہی وضع نہیں کرتے بلکہ ان میں اکثر قوانین ملکی حالات کے پس منظر میں ملک وقوم کی فلاح و بہبود یا قومی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے وضع کئے جاتے ہیں جو اسلام سے متصادم نہیں ہوتے بلکہ زمانہ کی تبدیلی کی وجہ سے احکام کی تبدیلی کے قاعدے شرعی احکام میں مصالح عامہ کی رعایت کے موافق ہوتے ہیں اور ان جیسے قوانین کی اسلام میں حسب ضرورت گنجائش رہتی ہے تو اکثری حالت اور غلبہ کا اعتبار کرنے سے بھی اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، **"لأن العبرة للغالب"۔**

(۴) اس میں شرکت کے بعد بھی وہ بہت سی مرتبہ خلاف شرع قانون کے نفاذ میں رکاوٹ نہ بن سکے تو بھی اس کی وجہ سے اس میں شرکت ناجائز اور اس کے گناہ گار ہونے کا باعث نہیں ہوگی، کیوں کہ نہی عن المنکر بقدر استطاعت واجب ہے چنانچہ علامہ ابن تیمیہ اپنے ایک فتوی میں لکھتے ہیں:

"فمن ولی ولایة یقصد بها طاعة الله وإقامة ما یمکنه من الواجبات واجتناب ما یمکنه من المحرمات لم یؤاخذ بما یعجز عنه فإن تولیة الأبرار للأمة خیر من تولیة الفجار حتی وإن لم یستطیعوا أن یحکموا بکل ما أنزل الله إذا عجزوا عن ذلک" (مجموع الفتاوی ۲۸/۳۶۹) (مفتی عارف باللہ قاسمی، مفتی شاہ جہاں ندوی)۔

۱۱- علامہ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں:

"یجب أن یعلم أن ولایة الناس من أعظم واجبات الدین بل لا قیام للدین ولا الدنیا إلا بها فالواجب اتخاذ الإمارة دیناً وقربةً یتقرب بها إلی الله" (مفتی شاہ جہاں ندوی)۔

۱۲- مولانا ظفر احمد تھانوی نے یہ لکھا ہے کہ اصحاب تحقیق علماء نے اسوہ یوسفی سے یہ حکم مستنبط کیا ہے کہ کافرانہ قیادت کے تحت منصب قبول کرنا جائز ہے (اعلاء السنن ۱۵/۱۴) (مولانا انور علی اعظمی)۔

۱۳-متعدد صحابہ اور تابعین کے طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ ظالم یا فاسق قیادت کے تحت کوئی عہدہ قبول کرنا جائز ہے، چنانچہ حجاج کے دور میں ابوموسی اشعری کے صاحبزادے ابوبردہ حجاج کی طرف سے قاضی بنائے گئے اور سعید بن جبیر کو ان کا معاون قرار دیا گیا(زیلعی ۲؍۲۰۳)(مولانا انور علی اعظمی)۔

۱۴-فقہاء کے یہاں بھی اس سلسلہ میں نظیریں موجود ہیں: مثلاً زکوۃ کی تقسیم کا کام ایسے شخص کو لے لینا باعث اجر وثواب قرار دیا گیا ہے جو عدل کے ساتھ اس کام کو کرسکتا ہوتا کہ ظلم سے تحفظ ہوسکے۔

''ویوجر من قام بتوزیعها بالعدل بأن یحمل کل واحد بقدر طاقته لأنه لو ترک توزیعها إلی ذلک ربما یحمل بعضه ما لا یطیق فیصیر ظلماً علی ظلم ففی قیام العارف بتوزیعها بالعدل تقلیل للظلم فلذا یوجر'' (بحوالہ ردالمحتار جدید فقہی مسائل مصنف مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ؍۲۵۲)(مولانا انور علی اعظمی، مولانا صادق مبارکپوری، مولانا عثمان بستوی)۔

۱۵-آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو حبشہ ہجرت کرنے کا حکم دیا جبکہ خود حبشہ میں بھی کفار ہی کی حکومت تھی (مولانا ارشد علی رحمانی، مولانا شاہین جمالی، مفتی عبدالرحیم قاسمی)۔

۱۶-''**إذا أمرتکم بأمر فأتوا منه ما استطعتم**''(متفق علیہ)(مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی، مولانا شوکت ثنا قاسمی)۔

۱۷- مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی ''**کل شیء أو لا شیء**'' کے فلسفہ کو شرعاً وعملاً مسترد کرتے ہوئے ارتکاب أخف الضررین کے قائل ہیں، دلیل میں ذیل کی حدیث نقل کرتے ہیں:

''عن عائشة قالت: قال لی رسول اللهﷺ: لو لا حداثة قومک بالکفر لنقضت البیت ثم لبنیته علی أساس إبراهیم علیه السلام'' (صحیح بخاری ۲؍۱۴۶ باب فضل مکۃ وبناءہا حدیث ۱۵۸۵) کہ اللہ کے رسول ﷺ نے واجب کو اس اندیشے سے چھوڑ دیا کہ کعبہ کی تعمیر میں تبدیلی سے فتنہ برپا ہوگا۔

۱۸-مولانا شاہین جمالی صاحب تفسیر ''بحر محیط'' کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

''جہاں معلوم ہو کہ علماء صلحاء اگر یہ عہدہ قبول نہ کریں گے تو لوگوں کے حقوق ضائع ہوجائیں گے انصاف نہ ہوسکے گا وہاں ایسا عہدہ قبول کرلینا جائز بلکہ ثواب ہے بشرطیکہ اس عہدہ میں خود اس کو خلاف شرع امور کے ارتکاب پر مجبوری پیش نہ آئے''(مولانا شاہین جمالی)۔

۱۹-"لقد شهدت فی دار عبد الله ابن جدعان عهداً ما أحب أن لی به حمر النعم لو ادعی به فی الإسلام لأجبت" (الاکتفاء لسلیمان بن موسی الاندلسی ۱/۵۳) (مولانا شاہین جمالی صاحب، مفتی خالد حسین نیموی)

۲۰-"الضرر الأشد یزال بالضرر الأخف" (شرح المجلہ ۱/۳۱)۔

۲۱-"یتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام" (قواعد الفقہ:۸۹)۔

۲۲-"الضرورات تبیح المحظورات، المشقة تجلب التیسیر" (الاشباہ والنظائر:۱۲۵)، "الضرر یزال" (قواعد الفقہ:۸۸) (مولانا حیدر علی قاسمی، مفتی خالد حسین نیموی وغیرہ)۔

۲۳-"إنما الأعمال بالنیات وإنما لکل امرئ ما نوی" (بخاری) (مولانا کلیم اللہ عمری)۔

۲۴-واقعہ امام یوسف (مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا عبد الشکور قاسمی کیرالہ، مولانا انور علی اعظمی، مفتی جعفر ملی رحمانی، مولانا صادق مبارکپوری)۔

۲۵-حضرت عمر بن الخطابؓ کا ارشاد ہے:

"لأن استنقذ رجلاً من المسلمین من أیدی الکفار أحب إلی من جزیرة العرب" (کتاب الخراج لابی یوسف:۱۹۶) (مفتی خالد حسین نیموی)۔

۲۶-امام مالک فرماتے ہیں:

"علی الناس أن یفدو الأساری ولو استغرق ذلک جمیع أموالهم" عامۃ المسلمین پر فرض ہے کہ وہ اپنے قیدیوں کو چھڑائیں، حالانکہ یہ ایک خطیر رقم دشمنوں کو دینے میں ظالم کی مدد ہے، لیکن یہاں ظالم کی مدد مقصود نہیں ہے، (مفتی خالد حسین نیموی)۔

۲۷-علامہ عز بن عبد السلام فرماتے ہیں:

"قد تجوز المعاونة علی الإثم والعدوان والفسوق لا من جهة کونه معصیة بل من جهة کونه وسیلة إلی مصلحة ومنها ما یبذل فی افتکاک الأساری فإنه حرام علی آخذیه مباح لباذلیه" ظاہر ہے یہاں کسی کافر دشمن کی مالی مدد کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس مال کے ذریعہ کسی بڑی مصلحت کا حصول مقصود ہے (قواعد الاحکام للعز بن عبد السلام ۱/۱۲۹) (مفتی خالد حسین نیموی، مفتی محمد نصر اللہ ندوی، مفتی سہیل اختر قاسمی)۔

۲۸-"وقد کان النبی ﷺ وأصحابه یفرحون بانتصار الروم والنصاری علی المجوس

وکلاهما کافر لأن أحد الصنفين أقرب إلى الإسلام وأنزل الله فی ذلک سورة الروم"(الحسبۃ فی الاسلام لابن تیمیہ:۱۳دارالفکر) (مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی خالد حسین نیموی)۔

۲۹-"فليس من الله فی شئ إلا أن تتقوا منهم تقاة" کے ذیل میں حضرت تھانوی رقم کرتے ہیں:

"تو وہ شخص (کافروں کا حمایتی) اللہ کے ساتھ دوستی رکھنے کے کسی شمار میں نہیں اگر ایسی صورت میں کہ تم ان (کافروں) سے کسی قسم کا اندیشہ رکھتے ہو(بیان القرآن ۱/۲۱۶)۔

ابن کثیر رقم کرتے ہیں:

"أی من خاف فی بعض البلدان والأوقات من شرهم فله أن يتقيهم بظاهره، بباطنه وبنيته، كما قال البخاری عن أبی الدرداء أنه قال إنا لنكثر فی وجوه أقوام وقلوبنا تلعنهم أيضا وقال ابن عباس ليس التقية بالعمل إنما التقية باللسان أيضاً"(تفسیر ابن کثیر ۱/۳۳۷)۔

مذکورہ بالا تمام عبارتوں کی روشنی میں اگر مسلم اقلیت اور ملکی حالات پر غور کریں تو مذکورہ سوال کے تناظر میں مسلمان "اکراہ" کی حالت میں نظر آتے ہیں،"إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان" (مولانا توقیر بدر قاسمی)۔

۳۰-معروف فقیہ قاضی خاں تحریر فرماتے ہیں:

"إذا رأى رجل منكراً من قوم وهو يعلم أنه لو نهاهم عنه قبلوا منه لا يسعه أن يسكت وإن كان يعلم أنه لو نهاهم لا يمتنعون وسعه أن يترک والنهی أفضل" (فتاوی قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ۳/۴۰۶)(مولانا ابرار خاں ندوی)۔

۳۱-امام ابوبکر جصاص رازی نے مقام منکر پر اپنے حق کی حصولیابی کے لئے منکر پر نکیر کرتے ہوئے جانے کی اجازت دی ہے اور منکر کی وجہ سے اپنے حق کو ترک کرنے کی اجازت نہیں دی ہے، چنانچہ احکام القرآن میں لکھتے ہیں:

"فإن قيل فهل يلزم من كان بحضرته منكر أن يتباعد عنه وأن يصير بحيث لا يراه ولا يسعه؟ قيل له: قد قيل فی هذا أنه ينبغی له أن يفعل ذلک إذا لم يكن فی تباعده وترک سماعه ترک الحق عليه، من نحو ترک الصلاة فی الجماعة لأجل ما يسمع من صوت الغناء والملاهی فإذا لم يكن هناک شيئ من ذلک فالتباعد عنه أولى وإذا كان هناک حق يقوم به لم يلتفت إلى ما هناک من المنكر وقام بما هو مندوب إليه من حق بعد إظهاره لإنكاره وكراهيته"(احکام القرآن للجصاص ۲/۳۶۳)(مولانا

محمد فاروق)۔

۳۲-حضور اکرم ﷺ دعوت اسلامی کے ابتدائی مرحلہ میں اپنے چچا ابوطالب کے جوار میں تھے جو کہ غیر مسلم تھے پھر آپ نے مطعم بن عدی کے جوار کو اختیار کیا (فتح الباری ۷/۲۳۲) اسی طرح حضرت ابوبکرؓ نے ابن دغنہ کے جوار کو اختیار کیا تھا (بخاری حدیث:۲۲۹۷)۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اسلام کے دفاع کے لئے غیروں کی پشت پناہی حاصل کی جاسکتی ہے (مفتی خالد حسین نیموی، مفتی نصر اللہ ندوی)۔

۳۳-انگریز کے دور حکومت میں مسلمانوں کو ممبر اسمبلی بن کر حکومت میں شامل ہونے کے تعلق سے ایک سوال کے جواب میں مفتی کفایت اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں حکومت کا معاملہ بڑی نزاکت اختیار کر چکا ہے اس لئے اس کے متعلق احکام دینا بہت مشکل اور پیچیدہ ہوگیا ہے، میرا خیال ہے کہ علماء اور مشائخ اسمبلیوں میں ممبر بن کر جائیں تو بہتر ہے اس کے لئے جواز کا فتوی دیتا ہوں، اسمبلی میں جس عہد نامے پر دستخط کئے جاتے ہیں اس میں اتباع شریعت کے پختہ عہد کے ساتھ دستخط کئے جاسکتے ہیں (مولانا شوکت ثنا قاسمی)۔

دوسرا طبقہ:

اس مسئلہ میں دوسرا طبقہ وہ ہے جو ہر ادارے اور معاہدے میں شمولیت کو ناجائز قرار دیتا ہے، ان کے پیش نظر یہ ہے کہ ایسے ادارے کا ممبر بننا شرعی اعتبار سے تعاون علی الاثم کے مترادف ہے، جو شرعاً ناجائز ہے، اس کے لئے مندرجہ ذیل دلائل کا سہارا لیا ہے:

دلائل:

۱-''یا أیها الذین آمنوا أطیعوا الله وأطیعوا الرسول'' (سورہ نساء) (مولانا عامر ظفر ایوبی)۔

۲-''ألم تر إلی الذین یزعمون أنهم آمنوا بما أنزل إلیک وما أنزل من قبلک یریدون أن یتحاکموا إلی الطاغوت'' (نساء:۶۰)۔

۳-''إنما کان قول المؤمنین إذا دعوا إلی الله ورسوله لیحکم بینهم أن یقولوا سمعنا وأطعنا

وأولئک هم المفلحون"(سورہ نور:۵۱)(مولانا عامر ظفر ایوبی)۔

۴-"ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئک هم الكافرون" (سورہ مائدہ:۴۴)، "ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئک هم الظالمون" (مائدہ:۴۵)، "ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئک هم الفاسقون" (مائدہ:۴۷)(مولانا عامر ظفر ایوبی، مولانا مقصود فرقانی، مولانا ارشد حسین ندوی، مولانا عثمان بستوی)۔

۵-"إن الحكم إلا لله" (الانعام:۵۷)(مولانا عامر ظفر ایوبی، مفتی شاہ جہاں ندوی، مولانا ارشد حسین ندوی)۔

۶-"ولا تعاونوا على الاثم والعدوان" (مائدہ)(مولانا ریحان مبشر قاسمی)۔

۷-"فلا وربک لا يؤمنون حتى يحكموک فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا فی أنفسهم حرجاً مما قضيت ويسلموا تسليماً"(النساء:۶۵)(مفتی محمد عارف باللہ قاسمی)۔

۸-"وما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمراً أن يكون لهم الخيرة من أمرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالاً مبيناً"(احزاب:۳۶)(مفتی عارف باللہ قاسمی)۔

۹-"قل أرأيتم ما أنزل الله لكم من رزق فجعلتم منه حراماً وحلالاً قل آلله أذن لكم أم على الله تفترون"(یونس:۵۹)۔

۱۰-"لهم شركاء شرعوا لهم من الدين ما لم يأذن به الله"(الشوری:۲۱)۔

۱۱-"أفحكم الجاهلية يبغون ومن أحسن من الله حكماً لقوم يوقنون"(مائدہ:۵۰)۔

۱۲-"وأن احكم بينهم بما أنزل الله ولا تتبع أهوائهم واحذرهم أن يفتنوک عن بعض ما أنزل الله إليک"(المائدہ:۴۹)۔

۱۳-"ولا تتبع أهواء الذين لا يعلمون" (جاثیہ:۱۸)۔

۱۴-"أفتؤمنون ببعض الكتاب وتكفرون ببعض فما جزاء من يفعل ذلک منكم إلا خزی فی الحياة الدنيا ويوم القيامة يردون إلى أشد العذاب"(البقرہ:۸۵-۸۶)۔

۱۵-"وقد نزل عليكم فی الكتاب أن إذا سمعتم آيات الله يكفر بها ويستهزأ بها فلا تقعدوا معهم حتى يخوضوا فی حديث غيره"۔

۱۶-"ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار ومالكم من دون الله من أولياء ثم لا

تنصرون"(ہود:۱۱۲)۔

۱۷-"یاأیها الذین آمنوا لا تتخذوا الکافرین أولیاء من دون المؤمنین" (آل عمران:۲۸)۔

۱۸-"یا أیها الذین آمنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم هزوا ولعبا من الذین أوتو الکتاب من قبلکم والکفار أولیاء واتقوا الله إن کنتم مؤمنین"(مائدہ:۱۷)۔

۱۹-"الذین یتخذون الکافرین أولیاء من دون المؤمنین أیبتغون عندهم العزة فإن العزة لله جمیعاً"(نساء:۱۳۹)۔

۲۰-"لا یتخذ المؤمنون الکافرین أولیاء من دون المؤمنین" (آل عمران:۲۸)۔

۲۱-"یا أیها الذین آمنوا لا تتخذوا بطانة من دونکم" (آل عمران:۱۱۸)۔

۲۲-"یا أیها الذین لا تتخذوا الیهود والنصاری أولیاء بعضهم أولیاء بعض ومن یتولهم منکم فإنه منهم"(مائدہ:۵۱)۔

۲۳-"یا أیها الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم أولیاء تلقون إلیهم بالمودة وقد کفروا بما جاء کم من الحق"(ممتحنہ:۱)۔

حدیث:

۲۴-"عن أوس بن شرحبیل أنه سمع رسول اللهﷺ یقول: من مشی مع ظالم لیقویه وهو یعلم أنه ظالم فقد خرج من الإسلام"(مشکوۃ:۴۳۶، شعب الایمان حدیث نمبر:۷۵-۷۶، المعجم الکبیر حدیث نمبر:۶۱۹)(مولانا محمد فاروق، مولانا عابد الرحمٰن بجنوری)۔

۲۵-"عن عبد الله ابن مسعود قال: سمعت رسول اللهﷺ من رضی عمل قوم فهو منهم ومن کثر سواد قوم فهو منهم"(التفسیر الکبیر ۱۲/ ۵۴)(مولانا غلام رسول منظور قاسمی)۔

۲۶-"لا حلف فی الإسلام" (بخاری ۲/ ۸۹۸ کتاب الآداب)(مولانا محسن القاسمی الحسنی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

۲۷-"من رتع حول الحمی یوشک أن یقع فیه"(رواہ البخاری)(مولانا ممتاز خان ندوی)۔

۲۸-"عن أبی موسی قال: قلت لعمر: إن لی کاتباً نصرانیاً قال مالک: قاتلک الله، أما

سمعت الله تعالى يقول: "يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا اليهود والنصارى أولياء بعضهم أولياء بعض" الا اتخذت حنيفيا (يعني مسلما) قال قلت يا أمير المؤمنين لي كتابته وله دينه قال: لا أكرمهم إذ أهانهم الله ولا أعز هم إذ أذلهم الله ولا أدنيهم إذ أقصاهم الله" (مسند احمد بروایت سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ) (مولانا عابد الرحمٰن بجنوری)۔

سوال نمبر ۵: جولوگ قانون ساز اداروں کے رکن منتخب ہوں، انہیں دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے اور دستور میں بہت سی دفعات خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں تو یہ عمل کہاں تک درست ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاروں کی اکثریت نے جواز کی راہ اپنائی ہے جبکہ ایک معمولی تعداد عدم جواز کی بھی قائل ہے، ذیل میں آراء مع دلائل پیش خدمت ہیں:

آراء مع دلائل:

۱- مفتی سہیل اختر قاسمی لکھتے ہیں:

ہندوستان یا اس جیسے دیگر ممالک میں جہاں مسلمانوں کے ساتھ آزمائشوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے وہاں ممبران پارلیمنٹ جو دستور سے وفاداری کا حلف اٹھالیتے ہیں، اسے حلف یا قسم نہ قرار دیا جائے بلکہ یہ کہا جائے کہ یہ ان کی طرف سے ملکی قوانین کی پاسداری کا وعدہ ہے اور شریعت میں اگرچہ وعدہ کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مگر ناجائز امور کے وعدہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے، لہذا دستور میں جو غیر اسلامی امور ہیں ان کے تعلق سے کیا گیا وعدہ واجب الوفاء نہ ہوگا، کیونکہ شریعت سے متصادم امور کی انجام دہی کا وعدہ یا قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرنا ضروری ہوگا۔

"إذا كلفت على يمين فرأيت غيرها خيراً منها فكفر عن يمينك وأت بالذي هو خير" (متفق علیہ) (مفتی سہیل اختر قاسمی، مفتی خالد حسین نیموی)۔

۲- مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی کی رائے ہے:

اس صورت میں شریعت سے غیر متصادم دفعات سے ہی وفاداری کی نیت کے ساتھ کلمات حلف زبان سے ادا کرے، اس لئے کہ یہ ایک حاجت ہے: **"والحاجة تنزل بمنزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة والضرورات تبيح المحظورات "** نیت کا اعتبار تو فقہاء نے دیانۃ کیا ہی ہے **"نية تخصيص العام تصح ديانة إجماعا فلو قال:**

کل إمرأة أتزوجها فهي طالق ثم قال: نويت من بلد كذا لايصدق قضاءً" (درمختار ۵/ ۵۸۴)، **"اليمين على نية الحالف إن كان مظلوما أو على نية المستحلف إن كان ظالما"** (قاموس الفقہ ۳/ ۲۹۳)، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا فاروق، مفتی شاہجہاں ندوی، مفتی عارف باللہ قاسمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا محسن القاسمی الحسنی۔

۳-مفتی جعفر ملی رحمانی فرماتے ہیں:

حلف لیتے وقت دل میں وہ صرف ان ہی دفعات کی نیت (توریہ) کرے جو موافق شرع ہیں۔

"التورية: وهي أن تطلق لفظاً ظاهراً (قريباً في معنى تريد به معنى أخر (بعيداً) يتنا وله ذلك اللفظ لكنه خلاف ظاهره" (المصباح المنیر / ۶۵۷)۔

"إعلم أن الكذب وإن كان أصله محرماً فيجوز في بعض الأحوال بشروط: ومختصر ذلك أن الكلام وسيلة إلى المقاصد فكل مقصود محمود يمكن تحصيله بغير الكذب يحرم الكذب فيه وإن لم تكن تحصيله إلا بالكذب جاز الكذب ثم إن كان تحصيل ذلك المقصود مباحاً كان الكذب مباحا، وإن كان واجبا كان الكذب واجبا" (ریاض الصالحین للنووی) (مفتی جعفر ملی رحمانی)۔

۴-مولانا شیر علی صاحب صلح حدیبیہ کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اللہ کے رسول ﷺ نے متعدد مواقع پر مشرکین کے ساتھ صلح کی ہیں، لہذا مسلمانوں کا غیر مسلمین کے ساتھ پارٹی میں شریک ہونا اور غیر شرعی باتوں پر دستخط کرنا درست ہے، اس لئے کہ ہماری حیثیت مصالح کی ہے ہم صلحاً ایسا کریں گے، مخالفت تو ہمارے لئے مفید نہیں ہے۔

۵-مفتی اشرف قاسمی تحریر فرماتے ہیں:

ہندوستان کے دستور میں جمہوری قانون کے تحت بہت سے دفعات ایسے ہیں جو اسلام سے ہم آہنگ ہیں، البتہ آئین ہند میں بھی بعض دفعات اسلام کے خلاف ہیں، لیکن پھر بھی دستور ہند کی وفاداری کا حلف اٹھانے میں کوئی قباحت نہیں ہے، جن دفعات میں ہم کو بنیادی طور پر مذہبی آزادی دی گئی ہے ان دفعات سے وفاداری کرتے ہوئے ان متصادم دفعات کو نا قابل اعتبار و مستثنی سمجھیں گے (مفتی اشرف قاسمی)۔

۶-مولانا افتخار احمد مفتاحی صاحب کی رائے ہے:

صورت مسئولہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض قوانین خلاف شرع ہوتے ہیں اور بعض خلاف شرع نہیں ہوتے اسلئے

"یجوز فی الضرورة مالایجوز فی غیرها"،"الأمور بمقاصدها"،"الضرورات تبیح المحظورات"،إنما الأعمال بالنیات"،"اھون البلیتین"وغیرہ قواعد کی بنیاد پر دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا بادل ناخواستہ ضرورۃً جائز ہوگا، اور حلف اٹھاتے وقت قلبی رجحان ان قوانین کی طرف ہو جو خلاف شرع نہ ہوں، اس کے جواز کو اس مسئلہ پر قیاس کیا جاسکتا ہے"وقالوا: الکافر اذا تترس بمسلم فإن رماہ مسلم فإن قصد قتل المسلم حرم وإن قصد قتل الکافر لا" (الاشباہ والنظائر ص ۵۵)، (مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا قمر الزماں ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا محمد ارشد علی رحمانی، مولانا محمد فیاض عالم قاسمی، مولانا شاہ اکرام الحق ندوی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا مجیب الرحمٰن ندوی، مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مفتی اکمل یزدانی قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا حیدر علی قاسمی)۔

۷-ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی فرماتے ہیں:

غیر شرعی دفعات کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا جائے اگر اس میں ناکامی ہو تو دل سے ان کو برا اور طاغوتی نظام سمجھتے ہوئے حلف برداری کا عمل انجام دیا جاسکتا ہے (ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا ممتاز خاں ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا عامر ظفر ایوبی)۔

۸-مولانا عبداللطیف پالنپوری کی رائے ہے:

حلف اٹھاتے وقت خلاف شریعت دفعات کا اپنے حلف میں استثناء کردے (مولانا عبداللطیف پالنپوری)، مصالح عامہ کے پیش نظر جائز ہے (مولانا عبدالرشید کانپور)

۹-مولانا ابرار خاں ندوی لکھتے ہیں:

بدرجہ مجبوری قلبی ناگواری کے ساتھ دستور سے وفاداری کا زبانی اظہار کرنے کی گنجائش ہے، کیونکہ بحالت مجبوری شریعت نے کلمہ کفر کہنے کی بھی اجازت دی ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے:"ومن کفر باللہ من بعد إیمانہ إلا من أکرہ وقلبہ مطمئن بالإیمان"۔

پھر اس مسئلہ پر ذیل کے واقعہ سے بھی رہنمائی ملتی ہے، صاحب تفہیم القرآن نقل فرماتے ہیں: حضرت عمار بن یاسر کہ جن کی آنکھوں کے سامنے ان کے والد اور والدہ کو سخت عذاب دے کر شہید کردیا گیا پھر ان کو اتنی ناقابل برداشت اذیت دی گئی کہ آخر کار انہوں نے جان بچانے کے لئے وہ سب کچھ کہہ دیا جو کفار ان سے کہلوانا چاہتے تھے پھر وہ روتے ہوئے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! "ماترکت حتی سببتک وذکرت الھتھم بخیر" یا

رسول اللہ! مجھے نہ چھوڑا گیا جب تک کہ میں نے آپ کو برا اوران کے معبودوں کو اچھا نہ کہہ دیا، حضور ﷺ نے پوچھا "**کیف تجد قلبک؟**" (اپنے دل کا کیا حال پاتے ہو) عرض کیا: "**مطمئنا بالإیمان**" (ایمان پر پوری طرح مطمئن) اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: "**إن عادوا فعد**" (اگر وہ پھر اس طرح کا ظلم کریں تو پھر یہی باتیں کہہ دینا) (تفہیم القرآن ۲/۵۷۲) مذکورہ واقعہ میں فرد واحد کو اجازت ہے تو جہاں پوری ملت کے تحفظ کا مسئلہ ہو وہاں بدرجہ اولی اجازت ہونی چاہئے (مولانا ابرار خاں ندوی)۔

۱۰-مولانا شوکت ثناء قاسمی کی رائے ہے:

بوقت ضرورت شدیدہ اتباع شریعت کے پختہ عہد اور غیر شرعی دفعات پر حتی المقدور عمل نہ کرنے کی نیت کے ساتھ حلف لیا جا سکتا ہے (مولانا شوکت ثنا قاسمی، مولانا محمد اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا یوسف قاسمی، مولانا مقصود فرقانی)۔

۱۱-مولانا رحمت اللہ ندوی کی رائے ہے:

مخالف شریعت دفعات کے ساتھ وفاداری کا پابند نہیں ہوگا، اس لئے کہ **لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق** (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲/ ۵۴۶) (مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا عابد الرحمٰن بجنوری، مولانا غلام رسول منظور قاسمی)۔

۱۲-مولانا اسماعیل بن محمد صالح کی رائے ہے:

"**إذا تعارض مفسدتان روعی أعظمهما ضررا بارتکاب أخفهما**" (الاشباہ والنظائر لابن نجیم) کے پیش نظر جواز کی گنجائش نکلتی ہے (مولانا اسماعیل بن محمد صالح، مفتی سلطان کشمیری، مولانا ریحان مبشر قاسمی، مولانا عبد الشکور قاسمی کیرالا، مولانا عبد الشکور قاسمی آکولہ، مولانا عبد السلام کوثری، مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی، مولانا عبد الرب عبد الوہاب، مولانا نثار عالم ندوی)۔

۱۳-مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی لکھتے ہیں:

دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا اور قانون ساز ادارے کا رکن بننا جائز ہوگا۔

۱۴-مولانا عبد الرب اعظمی فرماتے ہیں:

ایسے قانون ساز اداروں کا رکن بننا جن کے دستور کی بہت سی دفعات خلاف شریعت ہوں اور اس دستور کی وفاداری کا حلف اٹھانا پڑے شرعا درست نہیں کیونکہ یہ تعاون علی الاثم ہے اور غلط معاہدہ ہے، "**ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان**" (مائدہ:۲) (مولانا عبد الرب اعظمی، قاضی محمد حسن ندوی)۔

۱۵-ڈاکٹر مبین سلیم لکھتے ہیں:

حلف اٹھانا تو درست ہے، البتہ مخالف شریعت دفعات کی چیزوں میں عملی طور پر نیت وعمل پر حرمت وحلت کا مدار مبتلی بہ پر ہے (ڈاکٹر مبین سلیم)۔

۱۶-مولانا عبدالخالق صاحب اپنے مقالہ میں تحریر فرماتے ہیں:

کسی بھی ملک میں ملکی دستور سے وفاداری کے بغیر کوئی وہاں کا باشندہ نہیں ہوسکتا چونکہ مقصد نیک ہے، اس لئے **"لایؤاخذکم الله باللغو في أيمانکم"** یا **"فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا إثم عليه"** کے تحت کوئی حرج نہیں (مولانا عبدالخالق)۔

۱۷-مفتی نصر اللہ ندوی علامہ عزالدین بن عبدالسلام کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

اگر معصیت پر اعانت کسی عظیم مصلحت کا ذریعہ اور عدم اعانت کسی بڑے فساد کا سبب ہو تو ایسی صورت میں معصیت پر اعانت درست ہوگی، **"تجوز الإعانة على المعصية لا لکونها معصية بل لکونها وسيلة إلى تحصيل المصلحة الراجحة وکذلک إذا حصل بالإعانة مصلحة تربو على مصلحة تفويت المفسدة"** (قواعد الاحکام فی مصالح الانام ۱/۵۷) (مفتی محمد نصر اللہ ندوی)۔

۱۸-مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں:

حلف وفاداری اس شرط اور نیت سے کہ جہاں تک خدا اور رسول اور شریعت کی نافرمانی نہ ہو میں وفاداری کروں گا، اٹھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں (کفایت المفتی ۹/۳۰۹) (مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا فاروق، مفتی سلمان پالنپوری، مفتی شبیر احمد دیولوی، مفتی جنید بن محمد، مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی، مولانا عبیداللہ ندوی)۔

۱۹-اگر اکثر دفعات مخالف شریعت نہ ہوں تو **"للأکثر حکم الکل"** کے تحت حلف لینا جائز ہے (مولانا عمران ندوی)۔

۲۰-مفتی فہیم اختر ندوی صاحب لکھتے ہیں:

عدالت سے خلاف شرع فیصلہ یا اسلامی شریعت میں کسی بھی طرح مداخلت کی صورت میں اسی دستور کا سہارا لے کر ہم آواز اٹھاتے ہیں، لہذا اس دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا درست ہے، نیز یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ خود دستور کے اندر بھی ترمیمات ہوتی رہتی ہیں اور اس میں اصلاح وتبدیلی کے قانونی طریقے موجود رہتے ہیں (فہیم اختر ندوی)۔

۲۱-مولانا عثمان بستوی صاحب کی رائے ہے:

مقاصد شرع کی حفاظت کے پیش نظر دستور سے وفاداری کا حلف اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ نیت صرف جائز و مباح قوانین کے پابندی کی ہو اور خلاف شریعت قوانین کا عہد صرف زبانی ورسمی ہو (مولانا عثمان بستوی)۔

۲۲-مولانا توقیر بدر قاسمی حلف برداری کے لئے چند شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی لازم قرار دیتے ہیں کہ مسلم ممبران کی تعداد کم از کم پارٹی کی کل تعداد کے چوتھائی کے برابر ہو (تفصیل کے لئے دیکھئے مقالہ)۔

۲۳-قابل اعتراض دفعات کو دل سے برا سمجھتے ہوئے دستور سے وفاداری کا حلف لینا بھی جمہوری حکومتوں اور غیر مسلم اقلیت والے ملکوں میں جائز ہوگا اس سے زائد کا یہ شخص مکلّف بھی نہیں، ذیل کی حدیث پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

"قال رسول الله ﷺ: لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه، قيل: يا رسول الله! وكيف يذل على نفسه؟ قال: يتحمل من البلاء مالا يطيقه" (رواہ الترمذی) (مولانا اقبال احمد قاسمی)۔

سوال نمبر ۶: بعض عیسائی ملکوں میں ہر ممبر کو بائبل پر حلف لینا پڑتا ہے، خواہ وہ کسی مذہب کا ہو تو کیا مسلم ارکان کے لئے یہ عمل درست ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں تقریبا تمام مقالہ نگاروں نے (سوائے چند افراد کے) ضرورت کے پیش نظر کراہت خاطر کے ساتھ جواز کی رائے دی ہے۔

۱-مولانا غلام رسول منظور القاسمی تحریر فرماتے ہیں:

اس کی تعظیم وتوقیر اور احترام واکرام کے اعتقاد کے بغیر دفع مضرت کی نیت سے ہاتھ رکھ کر حلف لینے کی گنجائش ہے۔

"إذا كان القضاء في بلد ما حكمه غير إسلامي يوجب على من توجهت عليه اليمين وضع يده على التوراة أو الإنجيل أو كليهما فعلى المسلم أن يطالب من المحكمة وضع يده على القرآن فإن لم يستجب لطلبه يعتبر مكرها ولابأس عليه أن يضع يده عليهما أو على أحدهما دون أن ينوى بذلك تعظيما" (قرارات المجمع الفقهی الاسلامی سنۃ ۱۴۰۲ھ بحوالہ جدید فقہی مسائل ۱/۲۰۷) (مولانا غلام رسول منظور القاسمی، مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی، مولانا نثار عالم ندوی، مولانا عبدالرب عبدالوہاب، مولانا قمر عالم قاسمی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا محمد عمران ندوی، مفتی شبیر احمد دیولوی، مفتی سلمان پالنپوری، مولانا صادق مبارکپوری، مولانا راشد

حسین ندوی، مولانا شاہین جمالی، مفتی خالد حسین نیموی، مولانا عابد الرحمٰن بجنوری، مولانا مصطفیٰ عبد القدوس ندوی، قاضی محمد حسن ندوی، مولانا مجیب الرحمٰن ندوی، مولانا شاہ اکرام الحق ندوی، مولانا فیاض عالم قاسمی، مولانا ریحان مبشر قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ممتاز خاں ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا محمد اسماعیل بن محمد صالح، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مفتی سہیل اختر قاسمی، مولانا عثمان بستوی)۔

۲-مولانا عامر ظفر ایوبی صاحب کی رائے ہے:

''ضرورت'' کی بنا پر کراہت کے ساتھ حلف لینے کی رخصت ہوگی، ''**الضرورات تبيح المحظورات**'' (مولانا عامر ظفر ایوبی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا محسن القاسمی الحسنی، مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی، مولانا حیدر علی قاسمی، مولانا عبد السلام کوثری، مولانا ابرار خاں ندوی، ڈاکٹر محمد مبین سلیم، مولانا قمر الزماں ندوی)۔

۳-مفتی محمد اشرف قاسمی لکھتے ہیں:

بائبل پر حلف لینے سے مسلمان گنہگار نہ ہوگا، البتہ اس سے قسم منعقد نہ ہوگی، کیونکہ یہاں بائبل سے مراد اس کے اوراق اور جلد ہیں، ''**ولو تبرأمن كل آية فيه**'' (القرآن) ''**أو من الكتب الأربعة فيمين واحدة وفي الرد المحتار إلا من المصحف أي فلا يكون التبرى منه يمينا لأن المراد به الورق والجلد**'' (رد المحتار ۵/ ۴۸۵ مطبوعہ زکریا)، البتہ زبانی طور پر جو عہد کیا جارہا ہے شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے اس سے عہد کا ایفا ضروری ہے، ''**وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسؤولا**'' (بنی اسرائیل: ۳۴) (مفتی محمد اشرف قاسمی)۔

۴-مولانا احسن عبد الحق ندوی فرماتے ہیں:

موجودہ بائبل جو تحریف شدہ ہے اس پر ہاتھ رکھ کر حلف لینا درست نہیں ہے (مولانا محمد احسن عبد الحق ندوی، مولانا یوسف علی، مولانا رحمت اللہ ندوی)۔

۵-مولانا عبد الشکور قاسمی اپنے موقف کی وضاحت کے لئے تحریر کرتے ہیں:

''**قال الإمام الرملي: وينعقد بكتاب الله وبالتوراة والإنجيل مالم يرد الألفاظ كما هو واضح**'' (نہایۃ المحتاج ۸/ ۱۷۷) (مولانا عبد الشکور قاسمی کیرالا)۔

۶-مفتی مقصود فرقانی لکھتے ہیں:

بائبل پر حلف لیتے وقت یہ نیت کرے کہ جو انجیل اللہ تعالی نے حضرت عیسی علیہ السلام پر اتاری تھی میں اس کی قسم

کھاتا ہوں اور اس کا حلف لیتا ہوں تو یہ جائز ہوگا (مفتی مقصود فرقانی، مولانا کلیم اللہ عمری، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی اکمل یزدانی قاسمی، مولانا عبدالشکور قاسمی کیرالہ، مولانا انور علی اعظمی، مفتی جعفر ملی رحمانی)۔

۷-مولانا شیر علی گجراتی کی رائے ہے:

بائبل پر حلف اٹھانا جائز ہے، یہ ہم صلح کے طور پر کرتے ہیں شریعت کی مخالفت ہمارا مقصود نہیں ہے؛ **"الأمـــور بمقاصدها"** (مفتی شیر علی گجراتی)۔

۸-مولانا محمد فاروق صاحب کی رائے ہے:

اگر بائبل کی تصریح باللسان ضروری نہ ہو تو حلف کے لئے ظاہراً بائبل اٹھانے اور قسم مشروع طریقہ سے کھانے کی اجازت ہونی چاہئے، کیونکہ قسم کے لئے کسی کتاب کا صرف ہاتھ میں لینا کافی نہیں ہے بلکہ مثلاً قرآن کی یا قسم فلاں کتاب کی کہنا ضروری ہے **"کما فی الدر المختار: ورکنها اللفظ المستعمل فيها"** (الدر المختار مع الشامی ۷/۴۷۳) (مولانا محمد فاروق)۔

۹-مفتی خالد حسین نیموی لکھتے ہیں:

اس سلسلہ میں علامہ ابوالحسنات عبدالحئی فرنگی محلی کا فتوی قابل ذکر ہے، سائل نے دریافت کیا کہ "قسم کو پختہ کرانے کے وقت تورات خاص یہود کے ہاتھ میں دے کر اور انجیل خاص نصاری کے ہاتھ میں دے کر اس کی طرف اشارہ کرنا چاہئے یا نہیں تو اس کے جواب میں علامہ نے فرمایا نہیں، اور استدلال کے طور پر ہندیہ کی یہ عبارت پیش فرمائی:

"لا يحلف بالإشارة إلى مصحف معين بأن يقول بالله الذي أنزل هذا الانجيل وهذا التوراة لأنه ثبت تحريف بعضها فلا يؤمن أن الاشارة إلى المحرف فيكون التحليف به تغليظا ما ليس بكلام الله عز و جل" (عالمگیریہ ۴/۱۷) (مفتی خالد حسین نیموی، مولانا عثمان بستوی)۔

جب عیسائی اور یہودی سے ایسا کروانا درست نہیں تو ایک مسلم کے لئے کیسے درست ہوگا، لیکن اگر کسی ملک کے ضابطہ کی وجہ سے مسلمان انجیل پر حلف لینے پر مجبور ہو تو اصل مذہب حنفیہ کے لحاظ سے یہ فتوی دیا جاسکتا ہے کہ اس کا حلف شرعاً منعقد ہی نہیں ہوا، اس لئے کہ متون حنفیہ کی روایت کے مطابق بائبل تو کجا خود قرآن کریم کی قسم بھی شرعاً معتبر نہیں ہوتی، علامہ فرنگی محلی فرماتے ہیں: قرآن کی قسم اگرچہ بعض کے نزدیک معتبر ہے جیسا کہ درمختار میں ہے مگر اصحاب متون نے اس قسم کو شرعاً معتبر نہیں مانا ہے: **"قال محمد في الأصل: لو قال: والقرآن لا يكون يمينا ذكره مطلقا"** (فتاوی عبدالحئی/۴۵۲)

(مفتی خالد حسین نیموی قاسمی)۔

۱۰-مفتی جنید بن محمد فرماتے ہیں:

اگر بائبل کو ہاتھ میں لے کر بائبل کی طرف اشارہ کئے بغیر کہا: ''انجیل کی قسم'' یا ''کلام اللہ کی قسم'' تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے اور قسم توڑنے پر کفارہ بھی واجب ہوگا ''**قال في شرح التنوير قال الكمال: ولا يخفى أن الحلف بالقرآن الأن متعارف، إلى أن قال؛ نعم لو قال أقسم بما في هذا المصحف من كلام الله تعالى ينبغي أن يكون يمينا**'' (ردالمحتار ۳/ ۵۳، مستفاد از احسن الفتاوی ۵/ ۴۸۸، ۴۸۹) (مفتی جنید بن محمد)۔

۱۱-مولانا عبدالرشید صاحب قاسمی کی رائے ہے:

مظلوم پر قیاس کرتے ہوئے بائبل پر حلف کی گنجائش ہونی چاہئے، بعد میں توبہ واستغفار بھی کرتا رہے ''**اليمين على نية الحالف إن كان مظلوما وعلى نية المستحلف إن كان ظالما**'' (الاشباہ والنظائر/ ۲۱۲) ''**إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان**'' (نحل:۱۰۶) (مولانا عبدالرشید کانپور، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا ارشد علی رحمانی، مولانا عبدالرب اعظمی)۔

۱۲-مفتی شاہجہاں ندوی صاحب لکھتے ہیں:

چونکہ بائبل بھی محرف ہونے کے باوجود کتاب الٰہی میں سے ہے تو اس پر حلف لینے کی گنجائش ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''**والذين يؤمنون بما أنزل إليك وما أنزل من قبلك**'' (بقرہ:۴) (مفتی شاہجہاں ندوی)۔

۱۳-مولانا محمد اعظمی صاحب کی رائے ہے:

بائبل کی قسم کھا کر اگر وفاداری کا عہد کیا جاتا ہے تو ناجائز اور اگر رسم وفاداری ادا کی جاتی ہے تو جائز ہے (مولانا محمد اعظمی، مفتی سلطان کشمیری)۔

۱۴-مفتی عارف باللہ قاسمی اپنے مقالہ میں تحریر فرماتے ہیں:

بائبل یا توراۃ سے مقصود وہ کلام الٰہی ہے جو حضرت عیسیٰ اور موسیٰ علیہما السلام پر اللہ نے نازل کیا تھا اور اسی نسبت کی وجہ سے اس پر حلف لیا جاتا ہے اور اللہ کی صفات میں سے ایک صفت کلام ہے اور جس طرح اللہ کے نام کی قسم کھانا درست ہے اسی طرح اللہ کی صفات کی قسم کھانا درست ہے، ''**الحلف بصفة الذات يكون حلفا بالله فيكون يمينا**'' (بدائع الصنائع ۳/ ۹)۔

اس لئے کسی عیسائی ملک میں منتخب مسلم رکن کو بائبل پر حلف لینا پڑے تو اس کے لئے یہ عمل درست ہوگا (مفتی عارف باللہ قاسمی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مفتی نصر اللہ ندوی، مولانا شوکت ثنا قاسمی)۔

۱۵-مولانا توقیر بدر قاسمی رقم فرماتے ہیں:

اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

"قال الزيلعي واليمين بغير الله تعالى أيضا مشروع وهو تعليق الجزاء بالشرط وهو ليس بيمين وضعا وإنما سمي يمينا عند الفقهاء لحصول معنى اليمين بالله تعالى وهو الحمل والمنع" (شامی ۳۷۷/۵) (مولانا توقیر بدر القاسمی)۔

۱۶-مولانا اقبال احمد قاسمی لکھتے ہیں:

بائبل پر حلف لینا انسان کے ایمان وکفر کا مسئلہ ہرگز نہیں ہے بلکہ حلف برداری بھی ایک رسم ہے، اور وہ اس کتاب کو اٹھاتے ہوئے انہیں اپنے وفادار ہونے کا اعتماد دلا رہا ہے اس میں موجودہ بائبل پر ایمان ہونا لازم نہیں ہوتا (مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا عبد الخالق)۔

۱۷-مولانا فیاض قاسمی علامہ شامی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں غیر اللہ سے حلف لینا جائز ہے اور حدیث میں ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ **"بأبيك ولعمرك"** کے ذریعہ قسم نہ کھایا جائے، وثیقہ کے طور پر حلف کھانے کی ممانعت نہیں ہے، **"وهل يكره الحلف بغير الله تعالى قيل: نعم للنهي، عامتهم لا، وبه أفتوا لاسيما في زماننا وحملوا النهى على الحلف بغير الله لا على وجه الوثيقة كقولهم بأبيك، ولعمرك، ونحو ذلك"** (شامی ۳۷۴/۵) (مولانا محمد فیاض عالم قاسمی)۔

۱۸-مفتی فہیم اختر صاحب ندوی لکھتے ہیں:

ہندوستان کے ایوانوں میں مسلم ممبران اللہ کے نام پر حلف اٹھاتے ہیں اور اس کی انہیں اجازت ہے۔

۱۹-مولانا عبید اللہ ندوی اپنے موقف کی وضاحت کے لئے ذیل کی حدیث نقل کرتے ہیں:

"رفع عن أمتي الخطاء والنسيان وما استكرهوا عليه" (ابن ماجہ ۲۰۴۵) (مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا عمران ندوی)۔

اس مسئلہ میں کچھ حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس طرح ایک ممبر کو حلف لینا جائز نہیں ہے، اس کے لئے انہوں نے مندرجہ ذیل دلائل پیش کئے ہیں:

دلائل:

☆"عن سالم عن أبيه رضى الله عنه سمع النبى عمروهو يقول: وأبى وأبى فقال: إن الله ينهاكم أن تحلفوا باٰبائكم فقال عمر: فوالله ما حلفت بعد ذلك ذاكراً ولا اٰثرا" (ترمذی)۔

☆"من كان حالفا فليحلف بالله أوليسكت(ترمذى) أو ليصمت (فى الصحيحين)أوليذر"(ابوداؤد ۳۲۵۱)۔

☆"عن بن عمرأن النبى ﷺ قال: من حلف بغير الله فقد أشرک"(المغنی ۱۱/ ۱۶۲)۔

☆"عن عبد الله عن رسول الله ﷺ أنه أدرک عمر ابن الخطاب في ركب وعمر يحلف بأبيه فناداهم رسول الله ﷺ ألا إن الله ينهاكم أن تحلفوا باٰبائكم فمن كان حالفا فليحلف بالله أو ليصمت" (رواہ مسلم ۲/ ۴۵، کتاب الایمان)۔

☆"من حلف بغير ملة الإسلام فهو كما قا ل يعنى فهو كاذب فى يمينه" (بخاری الأیمان، حدیث:۵۲۶۶)۔

سوال نمبر:۷- بعض سیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں؛ لیکن ان کے منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغایر ہوتی ہیں، کیا ایسی پارٹیوں میں شریک ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اوران کی حکومت میں شامل ہونا جائز ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں ۲ مقالہ نگاروں نے ایسی پارٹیوں میں شمولیت کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے جب کہ ایک نے جواز وعدم جواز کو حالات پر موقوف رکھا ہے، باقی تمام افراد نے مشروط وغیر مشروط طور پر جواز کی راہ اپنائی ہے۔

ذیل میں مقالہ نگاران کی طرف سے پیش کردہ آراء مع دلائل پیش خدمت ہیں:

مولانا غلام رسول منظور القاسمی تحریر فرماتے ہیں:

۱-فی زمانناہندوستان میں کوئی بھی سیاسی جماعت مسلمانوں کے لیے مکمل اور کلی طور پر تحفظ کے لیے نہیں ہے، اس لیے ایسی پارٹی اور جماعت میں کسی بھی مسلمان کے لیے شرکت کرنا اوراس کی جانب سے الیکشن میں انتخاب لڑنا باعث گناہ عظیم اور حرام ہوگا اور تعاون علی الاثم والعدوان کے مترادف ہوگا۔

عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من رضی عمل قوم فھو منھم ومن کثر سواد قوم فھو منھم (تفسیر رازی، سورۃ المائدہ ۱۲/۱۵۴) (مولانا غلام رسول منظور القاسمی، مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی)۔

۲-مولانا عامر ظفر ایوبی تحریر فرماتے ہیں:

سوال ۷، ۸، ۹/ان اجتہادی مسائل میں سے ہیں جن پر جواز یا عدم جواز کے حکم کا انحصار حالات پر ہے جو حالات مسلمانوں کے مفادات کے مطابق ہوں گے اسی اعتبار سے جواز وعدم جواز کا حکم لگایا جائے گا، ہر ملک کے حالات مختلف ہوسکتے ہیں، اس لیے کوئی حتمی حکم لگانا درست نہیں معلوم ہوتا، ماہرین سیاست کے بغیر ان حالات سے واقفیت نہیں ہوسکتی، اس لیے ان کو جاننے کے لیے ان ماہرین کی طرف رجوع کرنا چاہئے جو مسلمانوں کے سچے خیر خواہ ہیں (مولانا عامر ظفر ایوبی)۔

۳-مولانا عبداللطیف پالنپوری کی رائے ہے:

جمہوری ممالک میں ووٹ اسلام اور کفر کی بنیاد پر نہیں دیئے جاتے اور نہ ہی اس بنیاد پر الیکشن لڑائے جاتے ہیں، لہٰذا جس سیکولر پارٹی کے متعلق یہ توقع ہو کہ وہ صحیح خدمت کرے گی، نفع پہنچائے گی، حقوق دلوائے گی، ظلم کو روکے گی، مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ کرے گی، ایسی پارٹی میں شریک ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونا جائز ہے، ساتھ ہی اسلام مخالف دفعات کو ختم کرنے کی سعی جاری رکھنا چاہئے (مولانا عبداللطیف پالنپوری)۔

۴-مفتی مقصود فرقانی کی رائے ہے:

اسلام اور مسلم مخالف دفعات کو بدلنے کے عزم وارادہ کے ساتھ شرکت کی گنجائش ہے، **کلمۃ حق عند سلطان جائر أفضل الجھاد** (مولانا عبیداللہ ندوی، مولانا محمد مقصود فرقانی وغیرہ)۔

۵-مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب رقم طراز ہیں:

إذا تعارض مفسدتان الخ اور **الضرر الأشد یزال بالضرر الأخف** اور **أھون البلیتین** وغیرہ کے پیش نظر مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے تعلق سے سنجیدہ پارٹیوں کو ترجیح دی جائے گی اگرچہ ان کے منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغائر ہوں۔ (مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی وغیرہ)۔

٦-مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی کی رائے ہے:

مسلمانوں کو کسی ایک پارٹی کا بندھوا مزدور بننا مناسب نہیں ہے، بروقت جو پارٹی اپنے منشور میں ہمارے مفادات کو زیادہ سے زیادہ تحفظ فراہم کرے اس پارٹی میں شریک ہوکر انتخاب لڑا جائے (مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی، مفتی اشرف قاسمی)۔

٧-مفتی سید باقر ارشد قاسمی لکھتے ہیں:

میثاق مدینہ ٢ھ میں جاری ہوا، اس کی بنیادی شق ہے "**لليهود دينهم وللمسلمين دينهم**" اسی طرح مدینہ کے اطراف واکناف میں غیر مسلمین کی بعض آبادیاں تھیں، ان کو جو داخل اسلام نہیں تھے رسول اللہ ﷺ نے بعض مراعات عطا فرمائی تھی، چنانچہ بعض قبیلوں کو حضور نے لکھ کر دیا "**من كان على يهوديته أو على نصرانيته فإنه لايبتلى عنها**"۔

مذکورہ بالا دونوں مثالوں سے اس بات کی گنجائش معلوم ہوتی ہے (مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا نثار عالم ندوی، مفتی عارف باللہ قاسمی، مولانا عبدالسلام کوثری)۔

٨-مولانا راشد حسین ندوی تحریر فرماتے ہیں:

آنحضرت ﷺ نے کئی موقعوں پر مسلمانوں کے مفاد کے لیے کفار سے معاہدہ کیا، تاکہ ایک دوسرے کی مدد کرسکیں، جب کہ ظاہر ہے کہ عقائد میں وہ دوسرے کفار ہی کی طرح تھے، مثلاً سیرت ابن ہشام میں ہے "**ودخلت خزاعة في عقد رسول الله صلى الله عليه وسلم وعهده**" (سیرت ابن ہشام ٢/٣٩٠)، نیز اکیڈمی نے اپنے چودھویں سمینار میں "مسلم وغیر مسلم تعلقات کے تحت یہ تجویز منظور کی ہے: "جمہوری سیکولر پارٹیوں سے ملی مفادات کے تحت معاہدے کیے جاسکتے ہیں" (فقہ اکیڈمی کے فیصلے ١٠٨) (مولانا راشد حسین ندوی، مولانا عبدالرب عبدالوہاب خان)۔

٩-مفتی محمود صاحبؒ فرماتے ہیں:

اگر اس میں حصہ لینے سے آپ کو احکام اسلام پر عمل کرنے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو اور آپ حصہ لے کر اہل اسلام کی خدمت کرسکیں اور ان کو ظلم سے بچا کر حقوق دلاسکیں تو حصہ لے سکتے ہیں (فتاوی محمودیہ ٤/٥٧٠) (مولانا شوکت ثناء قاسمی)۔

١٠-حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رقم طراز ہیں:

"موجودہ حالات میں افسوس اور نہایت افسوس ہے کہ مسلمانوں کی ایسی جماعت (جو خالص اسلامی جماعت اور غلبہ وقوت والی ہو) نہ موجود ہے اور نہ قریب میں اس کی توقع ہے (اس لیے ایسے حالات میں عارضی حکم یہی ہے اور

)اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ مسلمان موجودہ جماعتوں میں سے کسی جماعت میں داخل ہوں اور قواعد شرعیہ کی رو سے ان میں جو نقص ہو اس کی اصلاح کریں اور اگر ان میں ایک کی اصلاح آسان ہو اور دوسرے کی دشوار ہو تو مذکورہ قاعدہ کے مطابق اس میں داخل ہو جائیں، جس کی اصلاح آسان ہو (مولانا عبد الرب عبد الوہاب خان، مولانا اقبال احمد قاسمی)۔

۱۱-مولانا عبدالرشید قاسمی تحریر فرماتے ہیں:

مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے زیادہ مناسب سمجھی جانے والی پارٹی میں شریک ہو کر ان کی طرف سے انتخاب لڑنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے اگرچہ ان کے منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے خلاف ہوں (مولانا عبدالرشید کانپور)۔

مولانا صادق مبارکپوری کی رائے ہے:

۱۲-تقلیل شر اور تقلیل ظلم کی نیت سے شرکت کی اجازت ہونی چاہئے (مولانا صادق مبارکپوری)۔

۱۳-مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی ''أهون البليتين''، پر عمل کرتے ہوئے ایسی پارٹی میں شرکت کی اجازت کے قائل ہیں جو نسبتاً سیکولر اور مسلمانوں کے مفاد میں کام کرنے والی ہو، استشہاد میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے حوالہ سے موصوف تحریر فرماتے ہیں:

ہندو پاک تقسیم سے قبل لیگ و کانگریس میں شمولیت پر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا رجحان لیگ کی طرف تھوڑی تاخیر سے ہوا، اس پر انہوں نے فقہی لحاظ سے ایک لطیف استدلال کیا، کہ خوارج جن کی بابت احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے صاف ارشادات موجود ہیں: **يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية** حضور ﷺ نے فرمایا: **لئن أدركتهم لأقتلنهم قتل عاد** وثمود نیز فرمایا: **هم شرا لخلق** مسلمانوں کے تئیں خوارج کے نظریات ہیں: **يستحلون دماء المسلمين وأموالهم ويكفرون الصحابة**، لیکن ان سب نصوص کے باوجود امام محمدؒ السير الكبير میں رقم طراز ہیں: کہ ان کا مقابلہ اگر بت پرستوں سے ہو جائے تو ساتھ خوارج کا دینا چاہئے کیونکہ کلمہ گو ہونے کے اعتبار سے **أهون البليتين** ہیں (تجلیات عثمانی:۳۰۶) (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

۱۴-مفتی شاہجہاں ندوی لکھتے ہیں:

سیکولر پارٹی میں شرکت کفر اور نظام باطل کی ہمدردی نہیں ہے بلکہ حالات اور مصلحت کا تقاضا ہے، چنانچہ فقیہ عبداللہ

محفوظ بن بیہ کی رائے ہے: **إن مشارکة المسلمین الذین یعیشون فی الغرب فی العمل السیاسی هناک سواء بالترشیح أو الانتخاب لاتعنی بأی حال من الأحوال ولاءً للکفر، ولا خروجاً عن الإسلام بل هی مشارکة تقتضیها ظروف وجودهم فی هذه البلاد وحق من حقوق المواطنة المشروعة لهم وهنا لا شئ فیه وهناک أحداث فی السیرة النبویة تؤکد ذلک** (علی بن نایف شحود الخلاصۃ فی فقہ الأ قلیات ۱۲۴)۔

۱۵-مولانا عمران ندوی کی رائے ہے:

قاعدۂ فقہیہ "**للأکثر حکم الکل**" کے تحت ایسی پارٹی میں شمولیت کی اجازت ہونی چاہئے، جس کی صرف بعض دفعات اسلام یا مسلمان مخالف ہوں، کیونکہ حضور ﷺ نے جو صلح حدیبیہ فرمائی تھی اس کی تمام شقیں اسلام کے موافق نہیں تھیں (مولانا عمران ندوی، اشتیاق احمد اعظمی)۔

۱۶-مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی صاحب رقم طراز ہیں:

سیاسی پارٹیوں کے منشور کو مذہب کی عینک سے دیکھنا اس دور میں الٹی گنگا بہانا ہے، سیاسی پارٹیوں کا منشور ووٹ بینک کے اردگرد گھومتا ہے وہ مذہب کے قانونی دائرے میں رہنا پسند نہیں کرتا، اس لیے اگر اس کے منشور میں کوئی دفعہ مخالف اسلام ہو تب بھی اس کے عمومی مسلم مفادات کے تحفظ والی اکثر دفعات پر نظر رکھتے ہوئے اس میں شریک ہونا اور اس کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنا بالکل درست ہے (مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی)۔

۱۷-مفتی خالد حسین نیموی قاسمی کی رائے ہے:

بہتر ہے کہ اس طرح کی سیکولر پارٹیوں میں شرکت باضابطہ تحریری طور پر معاہدہ کے ذریعہ عمل میں آئے جیسا کہ میثاق مدینہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ اور آس پاس کے یہود اور مشرک قبائل سے معاہدہ کیا تھا (مفتی خالد حسین نیموی قاسمی)۔

۱۸-مفتی عبدالرحیم قاسمی لکھتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ کو ان ہی بنیادوں پر قائم کرنا چاہتے تھے جن پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قائم کیا تھا، لیکن فتنہ کے اندیشے سے ترک کردیا اور حضرت عائشہؓ سے فرمایا: اگر تمہاری قوم ابھی ابھی شرک سے نکلی ہوئی نہ ہوتی تو میں حضرت ابراہیم کی بنیادوں پر کعبہ کی تعمیر کرادیتا (صحیح بخاری ۲/ ۶۴)۔ فقہاء نے منکرات پر سکوت کو اس وقت جائز قرار دیا ہے جب کسی منکر پر انکار اس سے بڑے منکر کا سبب بن سکتا ہو۔

مذکورہ بالا حدیث واصول کے پیش نظر اخف الضررین پر عمل کرتے ہوئے سیکولر پارٹیوں اوران کی حکومتوں میں شمولیت کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے (مفتی عبدالرحیم القاسمی)۔

۱۹-مفتی نصر اللہ علامہ ابن قیمؒ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

ولهذا يجب على كل ولى أمرأن يستعين فى ولايته بأهل الصدق والعدل والأمثل فالأمثل وإن كان فيه كذب فإن الله يؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر وبأقوام لاخلاق لهم، والغالب أنه لايوجد الكامل فى ذلك فيجب تحرى خير الخيرين ودفع شر الشرين، وقد كان الصحابة رضى الله عنهم يفرحون بانتصار الروم والنصارى على المجوس عباد النار، لأن النصارى أقرب إليهم من أولئك،

مذکورہ بالا عبارت دلیل ہے اس بات پر کہ جو پارٹی اسلام اور مسلمانوں کے لیے کم سے کم نقصان دہ ہواس میں شمولیت اختیار کرنا، اس کی طرف سے انتخاب لڑنا نیز اس کی حکومت میں شامل ہونا درست ہے۔ جیسا کہ صحابۂ کرام ایران پر روم کی فتح سے خوش ہوتے تھے، اس لیے کہ رومی عیسائی تھے، جبکہ ایرانی مجوسی اور عیسائیت مجوسیت کے مقابلے اسلام سے قریب تر ہے (مفتی نصر اللہ ندوی، مولانا محمد اعظمی)۔

۲۰-مفتی کفایت اللہ صاحبؒ رقم طراز ہیں:

''کفار سے اشتراک یا دوستی کسی بھی دفعات میں درست نہیں، لیکن اگر مقصود دین کی حفاظت ہو تو اشتراک جائز ہے (کفایت المفتی ر ۳۶۴)۔

۲۱-ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی لکھتے ہیں:

''اگر بعض دفعات جو مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغائر ہیں اپنے منشور سے خارج کرنے پر راضی ہو جائیں تو ان کی حکومت میں شامل ہو سکتے ہیں اور اگر ظن غالب ہو کہ برابر کوشش کرنے سے مستقبل میں کامیابی مل سکتی ہے تو بھی شمولیت کی اجازت ملنی چاہئے، مگر ہاں پارلیمنٹ یا اسمبلی میں ایسا بل پیش ہو تو اس کی تائید ہرگز نہ کی جائے'' (ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

۲۲-مولانا شاہ اکرام الحق ندوی قرطبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

قال بعض أهل العلم: فى هذه الاٰية ما يبيح للرجل الفاضل أن يعمل للرجل الفاجر والسلطان الكافر، بشرط أن يعمل أنه يفوض إليه فى فعل لايعارض فيه ، فيصلح منه ما شاء وأما إذا كان عمله

بحسب اختیار الفاجر وشهواته وفجوره فلا یجوز ذلک (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ۹/۱۴۱)۔ مذکورہ بالا عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ نیک سیرت انسان فاجر و کافر حکمراں کے لیے کام کرسکتا ہے بشرطیکہ اسے معلوم ہو کہ جو کام اس کے سپرد کیا جارہا ہے اس میں وہ کافر حکمراں اس کے مخالف نہیں تو جو کام چاہے وہ کرسکتا ہے، البتہ اگر اس کا عمل فاسق وفاجر حکمراں کی خواہشات اور اس کے منشاء کے مطابق ہو تو یہ اس کے لیے جائز نہیں (شاہ اکرام الحق ندوی)۔

۲۳- **لاینهاکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم أن تبروهم وتقسطوا إلیهم إن الله یحب المقسطین** (ممتحنہ۸)۔

امام قرطبی مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

هذه الآیة رخصة من الله تعالیٰ فی صلة الذین لم یعادوا المؤمنین ولم یقاتلوهم۔

صاحب احکام القرآن تحریر فرماتے ہیں:

وقد کان النبی صلی الله علیه وسلم عاهد حین قدم المدینة أصنافاً من المشرکین منهم النضیر وبنو قینقاع وقریظة وعاهد قبائل من المشرکین ثم کانت بینه وبین قریش هدنة الحدیبیة إلی أن نقضت قریش (احکام القرآن للجصاص ۴/۲۵۴)۔

وقد صالح أصحاب الرسول صلی الله علیه وسلم فی زمن عمر بن الخطاب ومن بعده من الأئمة کثیراً من بلاد العجم علی ما أخذوه منهم وترکوهم علی ماهم فیه وهم قادرون علی استئصالهم (تفسیر قرطبی ۱۰/۶۳، انفال:۶۱)۔

مذکورہ بالا تحریروں سے سیکولر پارٹیوں میں باعزت معاہدہ کے تحت شمولیت کا جواز ثابت ہوتا ہے (مولانا ریحان مبشر قاسمی، مفتی سہیل اختر قاسمی، مولانا عبدالسلام کوثری)۔

۲۴- مفتی فہیم اختر صاحب ندوی لکھتے ہیں:

سیکولرازم کا مفہوم ہمارے ملک کے اندر دوسرے بعض ممالک سے علاحدہ ہے، یہاں اس کا مفہوم یہ ہے کہ اسٹیٹ کے نزدیک سارے مذاہب برابر ہوں گے، ایسی صورت میں یہاں مختلف اقوام واہل مذاہب کے ساتھ پُرامن بقائے باہم کے لیے سیکولرازم ایک بہتر اور قابل عمل تصور ہے، نیز سیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ زیادہ کرتی ہیں، اس لیے ایسی پارٹیوں میں شرکت، الیکشن میں حصہ اور حکومت میں شمولیت درست ہوگی، (مفتی فہیم اختر ندوی)۔

سوال نمبر ۸: جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہو، کیا کسی مسلمان کے لئے اس پارٹی میں شریک ہونا جائز ہوگا؟ نیز اگر کسی کی نیت یہ ہو کہ وہ پارٹی میں شریک ہو کر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا، تو کیا اس کے لئے اس پارٹی میں شامل ہونے کی گنجائش ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں عموماً مقالہ نگاروں کی رائے عدم جواز کی ہے، تاہم کچھ لوگ مشروط طور پر اس کے جواز کے بھی قائل ہیں، چند لوگوں نے حالات کے اوپر اس کا حکم موقوف رکھا ہے، جبکہ کچھ افراد مصالح کے پیش نظر ایسی پارٹیوں میں شمولیت کو غیر مشروط طور پر جائز قرار دیتے ہیں، ذیل میں آراء اور دلائل ملاحظہ ہوں:

۱-مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی تحریر فرماتے ہیں:

قرآن کریم کی آیت: "**إن الذين توفاهم الملائكة ظالمي أنفسهم**" کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ ارشاد فرماتے ہیں: "**إن أناساً من المشركين كانوا مع المشركين يكثرون سواد المشركين على رسول الله ﷺ فيأتي السهم فيرمى فيصيب أحدهم فيقتله فأنزل الله (إن الذين توفاهم الملائكة ظالمي أنفسهم)**" (بخاری ۲/ ۱۰۴۹ کتاب الفتن، باب من کرہ أن یکثر سواد الفتن والظلم) اسی حدیث سے استنباط کر کے حضرت عکرمہؓ نے ابوالاسود کو فوج میں شرکت سے منع کر دیا، وہ فوج مدینہ پر چڑھائی کے لئے جارہی تھی، حافظ ابن حجر نے مسند ابی یعلی سے اسی معنی کی ایک اور مرفوع روایت نقل کی ہے، جس کے راوی حضرت ابن مسعودؓ ہیں: "**من كثر سواد قوم فهو منهم ومن رضى عمل قوم كان شريك من عمل به**" (فتح الباری ۱۳/ ۴۷ کتاب الفتن) علامہ عینی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "**كان غرض عكرمة من نهيه أبا الأسود أن الله ذمهم بتكثير سوادهم مع أنهم كانوا لا يريدون بقلوبهم موافقتهم**" (عمدۃ القاری ۹/ ۱۸۸ کتاب التفسیر باب إن الذین توفاہم الملائکۃ الخ)۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"**وفيه تخطية من يقيم بين أهل المعصية باختياره لا لقصد صحيح من إنكار عليهم مثلاً أو رجاء من إنقاذ مسلم من هلكة كما وقع للذين كانوا أسلموا ثم كانوا يخرجون مع المشركين لا لقصد قتال المسلمين بل لإيهام كثرتهم فى عيون المسلمين فحصلت لهم المؤاخذة بذلك**" (فتح الباری ۱۳/ ۴۷ کتاب الفتن)۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ تکثیر سواد بذات خود ممنوع ہے۔

البتہ کوئی اپنے اندر اتنی قوت اور زور رکھتا ہے جو واقعتاً کچھ نہ کچھ مسلمانوں کو فائدہ پہنچا سکتا ہے، نقصان کا خطرہ نہیں ہے تو نیک نیتی سے شرکت کی گنجائش نکلے گی، لیکن ایسی نیک نیتی کا تحقق شاذ و نادر ہے، اس سب کے باوجود صرف شمولیت کی اجازت ہوگی اس کی ورکری و پرچار کر کے تقویت پہنچانے کی اجازت نہیں ہوگی (دیکھئے: مقالہ مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا محسن الحسن القاسمی)۔

۲-مولانا عبدالرشید قاسمی لکھتے ہیں:

اعلانیہ طور پر جو پارٹی مسلمانوں کی دشمن ہو اور اس کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہو، ایسی پارٹیوں میں شریک ہونا جائز نہیں ہوگا، رہی یہ نیت کہ وہ پارٹی میں شامل ہو کر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا تو یہ صرف ایک وہم ہے جس کا خارج میں وجود مشکل ہے (مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مفتی عارف باللہ قاسمی، مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی وغیرہ)۔

۳-مفتی جنید بن محمد صاحب کی رائے ہے:

اقلیت مخالف ایجنڈے کو بدلوانے کی نیت اور اپنی بات نہ منوا پانے کی شکل میں احتجاجاً پارٹی سے اور وزارت سے مستعفی ہونے کے عزم کے ساتھ علانیہ طور پر مسلم دشمن پارٹیوں میں شمولیت کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، لیکن اس دور میں یہ شاذ و نادر ہے (مفتی جنید بن محمد، مولانا مقصود فرقانی، مفتی لطیف الرحمٰن، مفتی اکمل یزدانی القاسمی، مفتی شبیر احمد دیولوی، مولانا یوسف علی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی)۔

۴-مفتی محمد اشرف قاسمی لکھتے ہیں:

دشمن کی صفوں میں شگاف پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے بیچ میں گھسا جائے، اگر ان کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والے دفعات ہیں تو پھر قانونی طور پر ان کے خلاف چارہ جوئی کی جائے (مفتی محمد اشرف قاسمی)۔

۵-مفتی شیر علی گجراتی لکھتے ہیں:

مصالح کا خیال کرتے ہوئے جائز ہے (مولانا شیر علی گجراتی)۔

۶-مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی رقم طراز ہیں:

بعض سیاسی پارٹیاں ایسی ہیں کہ ان کا خمیر ہی مسلم دشمنی اور اسلام کی مخالفت سے تیار ہوا ہے، یعنی وہ پارٹی بنائی ہی اس لئے گئی ہے کہ اسے اس ملک میں مسلمانوں کو رہنے دینا نہیں ہے اور اگر مسلمان رہیں تو اپنے شعار سے دست بردار ہوکر رہیں، ایسی پارٹیوں کے منشور کو بدلنا ممکن نہیں ہے، اس لئے یہ کہنا کہ وہ اس پارٹی میں اس لئے شامل ہورہا ہے کہ وہ ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا صرف بہلاوے کی بات ہے (مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا انور علی اعظمی)۔

۷-مولانا غلام رسول منظور القاسمی لکھتے ہیں:

اس کی حسن نیت کے مطابق اس میں شمولیت کی اجازت بوقت ضرورت دی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ خود شریک ہوکر اسی کا آلہ کار بن کر نہ رہ جائے اور اس کے ایجنڈے کے بدلنے کی طاقت وقوت ہو (مولانا غلام رسول منظور القاسمی، مولانا احسن عبدالحق ندوی، مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی، مولانا مجیب الرحمٰن ندوی)۔

حضرت سہل بن حنیف سے مسند احمد اور معجم کبیر وغیرہ میں روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”**من أذل عنده مؤمن فلم ينصره ويقدر على أن ينصره أذله الله على رؤوس الأشهاد يوم القيامة**“ (المعجم الکبیر ۲؍ ۷۳) (مولانا غلام رسول منظور، مولانا عابد الرحمٰن بجنوری)۔

۸-مولانا حیدر علی قاسمی لکھتے ہیں:

ایسی پارٹیوں میں شرکت کے بعد اس کے ماحول اور کردار سے متأثر ہونے کا زیادہ امکان ہے، کیونکہ ”**إذا تكرر الكلام على السمع تقرر في القلب**“ (مفید الطالبین؍ ۵) لہذا ”**درأالمفاسد أولى من جلب المنافع**“ (قواعد الفقہ؍ ۸۱) کے تحت اسلام مخالف پارٹیوں میں شرکت کی اجازت نہیں ہونی چاہئے (مولانا حیدر علی قاسمی، مولانا قمر عالم قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، قاضی حسن ندوی، مولانا عبدالسلام کوثری، مولانا کلیم اللہ عمری، مولانا عبدالرب اعظمی)۔

۹-ڈاکٹر مبین سلیم رقم طراز ہیں:

اسلام دشمن پارٹیوں میں شریک ہونا جائز نہیں جبکہ اس کے ساتھ دوسری **أخف الضررين** والی پارٹیاں موجود ہوں، اگر اس طرح کی پارٹیوں میں سے کوئی نہ ہوتو پھر بھی ان کھلی دشمن پارٹیوں میں کم ضرر والی کو ترجیح ہوگی (ڈاکٹر مبین سلیم)۔

۱۰-مفتی عارف باللہ قاسمی تحریر کرتے ہیں:

رہی یہ بات کہ ایجنڈے کو بدلنے کی نیت سے شامل ہونا تو یہ ناممکن ہے عموما ایسا ہوتا ہے کہ ایسی جماعت میں شامل ہونے والا تھک ہار کر اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دینے پر مجبور ہوتا ہے اور قوم کے مفاد کو بھول جاتا ہے، اس لئے محض اس مفروضے

کی وجہ سے اس کو جائز نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ مسلمانوں کے دشمن کا تعاون صریح حرام ہے اور ایسے ظالمین کے معاونین کے حق میں رسول اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"إنها ستكون بعدى أمراء يكذبون ويظلمون فمن دخل عليهم فصدقهم بكذبهم وأعانهم على ظلمهم فليس مني ولست منه وليس بوارد على الحوض ومن لم يصدقهم بكذبهم ويعنهم على ظلمهم فهو مني وأنا منه وهو وارد على الحوض" (مسند احمد/۱۸۱۲۶) (مفتی عارف باللہ قاسمی)۔

۱۱-مولانا عبدالخالق صاحب کی رائے ہے:

"**الأمور بمقاصدها**" کے تحت اصلاح اور ایجنڈے کو بدلنے کی نیت سے ایسی پارٹیوں میں شریک ہونا جائز ہے (مولانا عبدالخالق، مفتی نصر اللہ ندوی)۔

۱۲-مفتی عبدالرحیم قاسمی لکھتے ہیں:

اگر مسلمان اس پارٹی میں شامل ہوں جس سے امید ہے کہ پارٹی مسلم دشمنی کے بجائے وکاس اور ملکی ترقی کو ایجنڈا بنائے گی تو جہاں ایسی پارٹی کی حکومت یا غلبہ ہو وہاں اس میں شامل ہونے کی گنجائش ہوگی، اس کی بہترین مثال حربی کافروں کی غالب اکثریت سے اپنی حیثیت تسلیم کرانے اور مراعات حاصل کرنے کا نمونہ صلح حدیبیہ کی روشنی میں ملتی ہے (مفتی عبدالرحیم قاسمی)۔

۱۳-مولانا توقیر بدر قاسمی کی رائے ہے:

ایک معتد بہ تعداد کے ساتھ ایسی پارٹیوں میں شمولیت جائز ہونی چاہئے، ورنہ اکیلے کی بات سنی نہیں جاتی اور بسا اوقات مغلوب ہوکر اس کا ایمان بھی خطرہ میں پڑ جاتا ہے (مولانا توقیر بدر القاسمی)۔

۱۴-مفتی فہیم اختر صاحب ندوی تحریر کرتے ہیں:

مسلم دشمنی کے لئے معروف پارٹیوں میں شرکت عمومی حالت میں درست نہیں ہوگی، یہ طے کرنا کہ ایسی پارٹیوں میں شریک ہوکر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کی جائے گی، ایک نازک کام ہے، بہرحال ایسا کوئی فیصلہ مقامی حالات اور نفع ونقصان کے باریک موازنہ کی بنیاد پر کیا جاسکتا ہے (مفتی فہیم اختر ندوی)۔

دلائل مانعین جواز:

☆**"ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار ومالكم من دون الله من اولياء ثم لا**

تنصرون"(ہود؍۱۱۳)(مولانا نثارعالم،مولانا اسماعیل بن محمد صالح،مولانا عبدالرب عبدالوہاب خاں)۔

☆"یـا ایھـا الـذیـن آمـنـوا لـا تتـخـذوا الـذین اتخذوا دینکم ھزوا ولعبـا" (مائدہ:۵۷)(مفتی شاہجہاں ندوی)۔

☆"ولـا تـعـاونـوا عـلـی الـإثم والعدوان" (مائدہ:۲)(مولانا نثارعالم ندوی،مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی،مولانا عبدالسلام کوثری،مولانا عبدالرب عبدالوہاب خاں وغیرہ)۔

☆"ولن یجعل الله للکافرین علی المؤمنین سبیلا"(نساء:۱۴۱)(مفتی شاہجہاں ندوی)۔

☆"لو تزیلوا لعذبنا الذین کفروا منھم عذابا ألیما"(الفتح؍۲۵)(مفتی شاہجہاں ندوی)۔

☆"وقـد نـزل عـلـیـکـم فی الکتاب أن إذا سمعتم أیات الله یکفر بھا ویستھزأ بھا فلا تقعدوا معھم حتی یخوضوا في حدیث غیرہ إنکم إذا مثلھم الخ"(نساء:۱۴۰)(مفتی شاہجہاں ندوی)۔

☆"یـٰأیھـا الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون إلیھم بالمودة وقد کفروا بما جاء کم من الحق"(ممتحنہ:۱)(مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی،مولانا کلیم اللہ عمری)۔

☆"مـن رضـی عمل قوم فھو منھم ومن کثر سواد قوم فھو منھم"(سبل السلام ۷؍۱۰۷)(مولانا عابد الرحمٰن بجنوری،مولانا توقیر بدر قاسمی)۔

☆"مـن مشـی مـع ظـالـم لیعینــه وھـو یـعـلم أنـه ظـالـم فقد خرج من الـإسلام" (تفسیر القرآن العظیم ۲؍۱۱)(مولانا شاہ اکرام الحق ندوی)

☆"وأن احکم بینھم بما أنزل الله الخ"(مفتی نصر اللہ ندوی،مولانا یوسف علی)۔

☆"أفحکم الجاھلیة یبغون ومن أحسن من الله حکما لقوم یوقنون"(المائدہ)۔

اس آیت کی تشریح میں سید قطب رقم طراز ہیں:

"والـلـه سبحانه یقول: إن المسألة في ھذا کله مسألة کفروا إیمان أو إسلام أو جاھلیة وشرع أوھوی وإنـه لـا وسـط في ھذا الأمر ولا ھدنة ولا صلح فالمؤمنون ھم الذین یحکمون بما أنزل الله ولا یحرفون منه حرفا ولا یبدلون منه شیئا والکافرون الظالمون الفاسقون ھم الذین لا یحکمون بما أنزل الله وإنـه إمـا أن یـکـون الـحـکـام قائمین علی شریعة الله کاملة فی نطاق الإیمان وإما أن یکونوا قائمین علی شریعة أخری مما لم یأذن به فھم الکافرون الظالمون الفاسقون"(فی ظلال القرآن ۲؍۳۶۴)(مفتی نصر اللہ ندوی)۔

☆"لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين ومن يفعل ذلك فليس من الله فى شئ"(مولانا عبدالرب عبدالوہاب خاں)۔

☆"الذين يتخذون الكافرين اولياء من دون المؤمنين أيبتغون عندهم العزة فإن العزة لله جميعا"(نساء:۱۳۹)(مولانا عبدالرب عبدالوہاب خاں)

☆"يا يهاالذين آمنوا لا تتخذوا بطانة من دونكم" (مولانا عبدالرب عبدالوہاب خاں)۔

☆"يا يها الذين آمنوا لا تتخذوا اليهود والنصارى أولياء بعضهم أولياء بعض ومن يتولهم منكم فإنه منهم"(مولانا عبدالرب عبدالوہاب خاں، مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

☆"إنما ينهاكم الله عن الذين قاتلوكم فى الدين وأخرجوكم من دياركم وظاهروا على إخراجكم أن تولوهم ومن يتولهم فأولئک هم الظالمون"(مولانا ممتاز خاں ندوی)۔

☆"لا تجد قوما يؤمنون بالله واليوم الآخر يوادون من حاد الله ورسوله ولو كانوا آباءهم أو أبناءهم أو عشيرتهم"(مولانا نثار عالم ندوی)۔

☆"إثمهما أكبر من نفعهما"(مولانا نثار عالم ندوی، مولانا راشد حسین ندوی)۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے چودھویں فقہی سمینار میں ووٹ سے متعلق جو تجاویز منظور ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:"جن سیاسی جماعتوں نے اعلانیہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنی جماعت کا مقصد بنالیا ہو ان میں مسلمانوں کی شمولیت جائز نہیں اور ان کے کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی جائز نہیں خواہ وہ ذاتی طور پر نیک خصلت ہو(مولانا عبدالرب عبدالوہاب خاں، مولانا سید باقر ارشد قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

دلائل قائلین جواز:

☆"وإن جنحوا للسلم فاجنح لها"(الانفال:۲۰)(مفتی عبدالرحیم قاسمی)۔

☆"عن أنس قال: قال النبي ﷺ: أنصر أخاک ظالماً أو مظلوما قال رجل: يا رسول الله أنصره مظلوما فكيف أنصره ظالما؟ قال تمنعه من الظلم فذلک نصرک إياه"(متفق علیہ)،"الناس إذا رأوا الظالم فلم يأخذوا على يديه أو شک أن يعمهم الله العقاب" مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر کوئی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ کوئی پارٹی ظلم کر رہی ہے اور انتخابات میں حصہ لے کر اس ظلم کو کسی

نہ کسی درجہ میں مٹانا اس کی قدرت میں ہے تو ان دونوں حدیثوں کی رو سے نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ فرض ہے کہ خاموش بیٹھنے کے بجائے انتخابات میں پوری دلیری سے حصہ لے اور ظالم کو ظلم سے روکنے کی بھرپور کوشش کرے (فقہی مقالات ۲/۲۸۶) (مولانا ارشد علی رحمانی، مولانا شاہ اکرام الحق ندوی)۔

امام محمد السیر الکبیر میں فرماتے ہیں:

"ولا بأس بأن يستعين المسلمون بأهل الشرك على أهل الشرك إذا كان حكم الإسلام هو الظاهر عليهم" (جواہر الفقہ ۲/۲۰۸) (مفتی عبدالرحیم قاسمی)۔

☆ **"قال الشامي :أنه عليه الصلوة والسلام استعان في غزوة خيبر بيهود من بني قينقاع وفي غزوة حنين بصفوان بن أمية وهو مشرك"** (شامی ۳/۳۳۵) (مفتی عبدالرحیم قاسمی)۔

یہود کے ساتھ حضور ﷺ نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے اور درمختار میں ہے: **"ومفاده جواز الاستعانة بالكافر عند الحاجة وقد استعان عليه الصلوة والسلام باليهود على اليهود"** (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۳/۳۵۵) (مفتی عبدالرحیم قاسمی)۔

☆ **"من أذل عنده مؤمن فلم ينصره ويقدر على أن ينصره أذله الله على رؤوس الأشهاد يوم القيامة"** (المعجم الکبیر) (مولانا غلام رسول منظور القاسمی، مولانا عابد الرحمٰن بجنوری)۔

سوال نمبر ۹: ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں مسلمانوں کے لئے علاحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا جائز ہوگا؟ جبکہ اسے سیکولر ایجنڈے کے تحت ہی کام کرنا پڑتا ہے، نیز ایک احساس یہ بھی ہے کہ جہاں مسلمانوں کی آبادی مرتکز نہیں ہوتی ہے وہاں خصوصاً اور دوسرے علاقوں میں عموماً مسلم سیاسی جماعت کا قیام مسلمان مخالف ووٹ کو متحد کر دیتا ہے اور اس سے فرقہ پرست تنظیمیں فائدہ اٹھا لیتی ہیں۔

اس سوال کے جواب میں تمام مقالات کی خواندگی کے بعد کل چار طرح کی آراء سامنے آئی ہیں:

۱- مطلقاً جواز، ۲- مطلقاً عدم جواز، ۳- مشروط جواز، ۴- جواز و عدم جواز سیاسی ماہرین و حالات پر موقوف۔

ذیل میں مقالہ نگاران کی آراء اور ان کی طرف سے پیش کردہ دلائل پیش خدمت ہیں:

۱- مفتی نصر اللہ صاحب ندوی تحریر کرتے ہیں:

آج کے دور میں قوت نافذہ کے بغیر نہ تو ظلم کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے اور نہ عدل کو قائم کیا جا سکتا ہے، اس لئے "كنتم

خیر أمة'' اور ''من رأی منکم منکرا'' کے تقاضے میں حکومت کا قیام بھی داخل ہے، رہا یہ سوال کہ سیاسی جماعت کے قیام کے بعد بھی انہیں سیکولر ایجنڈے ہی کے تحت کام کرنا پڑے گا، تو یہ اپنی جگہ درست ہے لیکن مسلم سیاسی جماعت دوسروں کے مقابلے مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ زیادہ کرے گی، رہا یہ شبہ کہ اس قدم سے مسلم مخالف ووٹ متحد ہوجائے گا جس سے فرقہ پرست طاقتوں کو بہت فائدہ ہوگا، تو یہ ایک خام خیالی ہے تجربات ومشاہدات اس کے برعکس ہیں، آسام میں مولانا بدرالدین اجمل اور کیرالہ میں مسلم لیگ کا کامیاب تجربہ ہمارے لئے واضح مثال ہے (مفتی نصر اللہ ندوی، مولانا عبدالشکور قاسمی کیرالا، مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مولانا قمر عالم قاسمی، مفتی شاہجہاں ندوی وغیرہ)۔

۲- مولانا عبدالخالق صاحب رامپور کی رائے ہے:

ہندوستان جیسے ملک میں مسلمانوں کا علاحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا دوراندیشی کے خلاف ہے، مسلم سیاسی جماعت کے قیام سے مسلمان مخالف ووٹ متحد ہوجائیں گے جس سے فرقہ پرست تنظیمیں فائدہ اٹھائیں گی، اس طرح ظالم وجابر حکومت قائم ہونے کی راہ ہموار ہوجائے گی، جو کسی طرح درست نہیں، کیونکہ ہر وہ کام جس سے اسلام اور مسلمانوں کو ضرر ونقصان پہنچتا ہو اس کو کرنا جائز نہ ہوگا (مولانا عبدالخالق رامپور، مولانا عابدالرحمٰن بجنوری، مفتی اکمل یزدانی القاسمی وغیرہ)۔

۳- مولانا نثار عالم ندوی ومولانا فیاض عالم قاسمی بنیادی طور پر مسلم سیاسی جماعت کے قیام کے حق میں نہیں ہیں تاہم موجودہ صورت حال کے تناظر میں ایک ایسی مسلم سیاسی پارٹی کے قیام کو ضروری قرار دیتے ہیں جس کا ہائی کمان انتظامی امور مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اور اس کا نام اسلامی نہ ہو، غیر مسلموں کو بھی اس میں شامل کیا جائے (مولانا نثار عالم ندوی، مولانا فیاض عالم قاسمی)۔

قاضی محمد حسن ندوی تحریر فرماتے ہیں:

مسلم سیاسی جماعت کے قیام کا حکم اس کے اہداف ونتائج اور فوائد کی بنیاد پر ہوگا اس کی دوصورتیں ہیں:

ایک صورت میں مسلمانوں کا فائدہ ہے اور فائدہ کی درج ذیل شکلیں ہیں:

ممالک میں ان کے وجود کو تقویت ملے گی، ان کی اجتماعیت میں مضبوطی اور دینی صورت حال کو پائیدار بنانے میں مدد ملے گی۔

اس سیاسی جماعت کی وجہ سے اسلام کے مستقل اور منفرد وجود کو تحفظ ملنے کا امکان رہے گا، نیز وہ دعوت الی اللہ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، کے تحت لوگوں کی اصلاح وہدایت کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔

اسلامی قضایا کی نصرت وحمایت میں نمایاں کردار ادا کرسکتی ہے جیسے فلسطین کا مسئلہ، امت مسلمہ کی ترقی وعروج کا مسئلہ، ہندوستان میں مسجد ومدرسہ کا مسئلہ۔

زندگی کے تمام شعبہ جات میں اسلامی شریعت کوفیصل بنانے میں بھی سیاسی پارٹی سے مدد مل سکتی ہے، بہرحال جلب منفعت اور دفع مضرت کے تحت سیاسی جماعت قائم کرنا درست ہے۔

سیاسی جماعت کے قیام کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کا سیاسی اعتبار سے نقصان ہےتو وہاں سیاسی جماعت قائم نہ کریں بلکہ سیکولر پارٹی میں شمولیت کر کے امانت دار شخص کو ووٹ دینا چاہئے، اپنے ووٹ کو ضائع ہونے سے بچانا چاہئے (قاضی محمد حسن ندوی)۔

۵-مولانا رحمت اللہ ندوی کی رائے ہے:

جن ممالک میں مسلمان اقلیت میں ہوں وہاں ملک اور ملت کے احوال ومصالح اور مفادات کو سامنے رکھ کر مناسب ہوتو کسی سیاسی جماعت کی تشکیل کرسکتے ہیں جبکہ اس کے قیام سے مسلمان مخالف ووٹ متحد نہ ہو اور فرقہ پرست تنظیمیں فائدہ نہ اٹھائیں (مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا عبدالرب اعظمی، مولانا افتخار احمد مفتاحی)۔

۶-مولانا محمد فاروق صاحب لکھتے ہیں:

ایسا ملک جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں اور آبادی کا اوسط بھی ہر جگہ مساوی نہ ہوتو وہاں مسلمانوں کی انفرادی پارٹی کس قدر مفید ہوگی، اس کا اندازہ سیاست کے ماہرین اور اس سلسلہ میں گہری بصیرت رکھنے والے لوگ جب کہ صحیح العقیدہ سلیم الفکر ہوں زیادہ کرسکتے ہیں (مولانا محمد فاروق، مولانا عامر ظفر ایوبی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی)۔

۷-مولانا عبداللطیف صاحب پالنپوری کی رائے ہے:

وقت کے حالات اور تقاضوں کے پیش نظر جو صورت مسلمانوں کے حق میں مفید ہو وہ اپنانی چاہئے (مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مولانا قمرالزماں ندوی)۔

۸-مولانا عبیداللہ ندوی صاحب رقم طراز ہیں:

مسلمانوں کو سیاسی پارٹی قائم کرنے کے بجائے سیکولر پارٹیوں سے ملی مفادات کی بنیاد پر مفاہمت کو ترجیح دینا چاہئے، ہاں جن علاقوں اور صوبوں میں مسلم اکثریت ہے وہاں الگ سیاسی پارٹی قائم کرنے کی گنجائش ہوگی (مولانا عبیداللہ ندوی)۔

۹-مولانا ابرار خاں ندوی صاحب کی رائے ہے:

اگر سیاسی جماعت اس مقصد سے قائم کرتے ہیں کہ اپنی قوم کو ان کے جائز حقوق دلوا سکیں، ملک میں جو کرپشن و استحصال اور لوٹ کھسوٹ اور ظلم و ناانصافی کا رواج بڑھتا جا رہا ہے، اس کا خاتمہ ہو، قوم کے ساتھ ملک کی خدمت و ترقی کا ایک نمونہ پیش کریں تو یہ دعوتی نقطہ نظر سے بھی مفید ہوگا (مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا کلیم اللہ عمری)۔

۱۰-مولانا ریحان مبشر صاحب قاسمی تحریر کرتے ہیں:

ہر علاقے کے لحاظ سے مسلم سیاسی پارٹی کے قیام کا حکم الگ ہوسکتا ہے، ایک ہی طریقہ کار ہر جگہ اپنانا مناسب نہیں ہے جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں وہاں تو گنجائش ہے، لیکن جہاں ان کی تعداد بہت کم ہے، وہاں اس کی اجازت مناسب نہیں ہے (مولانا ریحان مبشر قاسمی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا عثمان بستوی)۔

۱۱-مولانا ابوسفیان مفتاحی صاحب فرماتے ہیں:

جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں دیگر مذاہب کے عوام کی جان و مال کے تحفظ کی ذمہ داری لے کر اور ان کی عزت و ناموس کی حفاظت کرتے ہوئے مسلمانوں کے لئے الگ سیاسی جماعت قائم کرنا درست ہے اور جہاں مسلمانوں کی آبادی مرتکز نہ ہو اور مسلمان مخالف ووٹ کے متحد ہونے کا خدشہ ہو وہاں مسلم سیاسی جماعت کے قائم کرنے کی اجازت نہ ہونی چاہئے (مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

۱۲-مفتی سلطان کشمیری صاحب کی رائے ہے:

جمہوری ملک میں مسلم اقلیت کا الگ سے سیاسی جماعت کا قائم کرنا اگرچہ مسلم دشمن پارٹیوں کے لئے راستہ ہموار کرنا ہے تاہم بندہ کے نزدیک مسلمانوں کی الگ سے سیاسی جماعت ہدف کے ساتھ فائدہ سے قطعاً خالی نہیں ہے، بالتدریج جماعت کو جب تقویت ملتی رہے تو مستقبل میں جماعت پوری وجود کے ساتھ اور اعتماد کے ساتھ سامنے آسکتی ہے (مفتی سلطان کشمیری)۔

۱۳-مولانا اسماعیل بن محمد صالح لکھتے ہیں:

علاحدہ سیاسی جماعت قائم کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ غیر مسلموں کو بالکل شریک نہ کیا جائے بلکہ ان کو اعتماد میں لے کر مسلمان اقلیت میں ہونے کے باوجود بھی اپنی سیاسی جماعت قائم کرسکتے ہیں (مولوی محمد اسماعیل بن محمد صالح)۔

۱۴-مفتی فہیم اختر صاحب ندوی لکھتے ہیں:

علاحدہ سیاسی جماعت اس طور پر قائم کرنا سیاسی مصلحت کے مطابق ہوگا کہ اس میں دیگر اقوام بالخصوص مظلوم طبقات

کی بھی شرکت ہو، ایسی مخلوط سیاسی جماعت جس کی قیادت مسلم ہاتھ میں ہو اس خطرہ سے بھی محفوظ رہنے میں مدد دے گی کہ اس کے نتیجہ میں مسلم مخالف ووٹ متحد ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے مسلم مصالح کی کار برآری بہتر ہو سکے گی (مفتی فہیم اختر ندوی)۔

دلائل قائلین جواز:

☆"كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله" (النساء) (مفتی نصر اللہ ندوی)۔

☆"وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم" (انفال/۶۰) (مفتی عبد الشکور قاسمی کیرالا، مولانا مصطفیٰ عبد القدوس ندوی)۔

☆"ولاتكونوا كالذين تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاء هم البينات" (آل عمران:) (مولانا قمر الزماں ندوی)۔

☆"واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا" (آل عمران: ۱۰۳) (مولانا محمد فاروق، مولانا حیدر علی قاسمی، مولانا محمد ارشد علی رحمانی، مولانا ریحان مبشر قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا عبد الرب اعظمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی)۔

☆"ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم" (الانفال/۴۶) (مولانا حیدر علی قاسمی، مولانا محمد ارشد علی رحمانی)۔

☆رسول اکرم ﷺ مکہ سے مدینہ ہجرت فرما رہے تھے، اس وقت جو دعاء آپ ﷺ کو سکھائی گئی تھی وہ یہ تھی : "واجعل لي من لدنك سلطانا نصيرا" (بنی اسرائیل: ۸۰) (اس دعا کا مطلب اللہ کی طرف سے ایک مکمل سلطنت و حکومت کی طلب ہے) (مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا افتخار احمد مفتاحی)۔

☆"من رآى منكم منكرا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان" (مسلم) (مفتی نصر اللہ ندوی)۔

☆"عليكم بالجماعة وإياكم والفرقة فإن الشيطان مع الواحد وهو من الاثنين أبعد من أراد بحبوحة الجنة فليلزم الجماعة" (ترمذی/ ۲۱۶۵) (مفتی شاہجہاں ندوی)۔

☆"من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه" (ابوداؤد/ ۴۷۵۸) (مولانا ریحان مبشر قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی)۔

☆حضرت عمرؓ نے فرمایا: "لاإسلام إلا بجماعة" (مفتی سہیل اختر قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی)۔

☆"مالا يتم الواجب إلا به فهو واجب" (البحر المحیط للزرکشی ۱/ ۲۲۳) (مولانا عبد الشکور قاسمی کیرالا)۔

☆حضرت تھانویؒ کا ارشاد ہے: البتہ اگر کسی وقت کوئی جماعت اہل سیات کی ایسی نہ ہو جو کہ علماء سے احکام پوچھ کر عمل کیا کریں جیسا کہ اس وقت غالب ہے تو اس وقت علماء ایسی جماعت کے پیدا ہونے کے منتظر نہ رہیں ورنہ محبان دنیا دینی مقاصد کو تباہ کردیں گے بلکہ وہ خود اپنے میں سے ایسی جماعت بنائیں جو عملا وعلما سیاست وشریعت کے جامع ہوں مگر یہ حکم کچھ سیاست مدنیہ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ سیاست بدنیہ یعنی طب بلکہ اسباب معاش میں سے جتنے (فرض کفایہ ہیں مثل تجارت وزراعت) ہیں سب کا یہی حکم ہوگا، البتہ جس چیز کا ضرر دین میں قریب ہو اس میں دخل اصلاحی کا وجوب اقوی وآکد ہوگا اوران سب مفاسد کی اصلاح کے لئے جماعت کا انتظام کرنا ہر حال میں استطاعت کے ساتھ مشروط ہوگا (العلم والعلماء،ص ۲۷۲) (مولانا توقیر بدر قاسمی)۔

دلائل مانعین جواز:

☆"ولا تفسدوا في الارض بعد إصلاحها" (الاعراف:۵۲) مسلمانوں کی علاحدہ سیاسی جماعت کا قیام فتنہ وفساد کا سبب بن سکتا ہے (مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی)۔

☆"والفتنة أشد من القتل" (البقرہ:۱۹۱) (مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی)۔

☆"ولا تعاونوا على الاثم والعدوان" (مائدہ:۲) مسلمانوں کی اپنی سیاسی جماعت سے فرقہ پرستوں کو فائدہ پہنچنے کا اندیشہ ہو تو یہ بھی تعاون علی الاثم ہے (مفتی سید باقر ارشد قاسمی)۔

☆"درء المفاسد أولى من جلب المصالح" (الاشباہ والنظائر/۹۰، القاعدۃ الرابعہ) (مولانا ارشد علی رحمانی، مفتی جعفر ملی رحمانی)۔

☆"دفع المضرة أولى من جلب المنفعة" مسلم سیاسی پارٹی کا قیام جلب منفعت ہے اور فرقہ پرستوں کا اتحاد مضرت ہے (سید باقر ارشد قاسمی، مفتی سلمان پالنپوری)۔

☆"إذا أمرتكم بشئ فاتوا منه ما استطعتم وإذا نهيتكم عن شئ فاجتنبوه" (مولانا ارشد علی رحمانی)۔

☆میثاق مدینہ (مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی شبیر احمد دیولوی)۔

☆مولانا ابوالکلام آزاد نے لکھنو میں قوم کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اب اپنی کوئی علاحدہ جماعت نہ بنائیں بلکہ ملک کی قومی جماعتوں میں جو ان کے مفادات کے لئے کام کررہی ہیں شامل ہوجائیں (مولانا عبید اللہ ندوی)۔

☆حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں: موجودہ حالات میں افسوس ہے کہ مسلمانوں کی ایسی جماعت جو خاص اسلامی جماعت اور غلبہ وقوت والی ہو نہ موجود ہے اور نہ قریب میں اس کی توقع ہے (اس لئے ایسے حالات میں عارضی حکم یہی

ہے)اوراس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ مسلمان موجودہ جماعتوں میں سے کسی جماعت میں داخل ہوں اور قواعد شرعیہ کی رو سے ان میں جو نقص ہے اس کی اصلاح کریں اور اگر ان میں سے ایک کی اصلاح آسان ہو اور جب کوئی جماعت مسلم منظم، صاحب قوت و اثر تیار ہوجائے تو (اس کے ساتھ) مل کر کام کریں (اسلام کا سیاسی نظام از مولانا محمد اسحاق صدیقی مطبوعہ کراچی رص ۳۱۶،۳۱۷) (مولانا عبدالرب عبدالوہاب خاں)۔

☆''إذا تعارضت المصالح والمفاسد قدم الأرجح منها على المرجوح'' (مولانا شاہ اکرام الحق ندوی)۔

☆ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی رائے قاموس الفقہ (۱ر ۲۱۳) پر درج ہے:

ہندوستان جیسے ملک میں جہاں مسلمانوں کی آبادی مرکوز نہیں ہے، مسلمانوں کی علاحدہ سیاسی جماعتیں مفید نہیں ہیں، بلکہ یہاں کے حالات میں سیکولر جماعتوں سے مسائل کی بنیاد پر معاہدہ کر کے سیاسی اشتراک زیادہ مناسب ہے (ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

☆''وقد كان النبي ﷺ عاهد حين قدم المدينة أصنافا من المشركين منهم النضير وبنو قينقاع وقريظة وعاهد قبائل من المشركين'' (احکام القرآن) (مولانا عبدالسلام کوثری)۔

سوال نمبر ۱۰ میں کل تین شقیں ہیں:

۱- الیکشن میں خواتین کا کیا کردار ہونا چاہئے، کیا انہیں ووٹنگ میں حصہ لینا چاہئے؟

۲- کیا ان کے لئے الیکشن میں امیدوار بننا جائز ہے؟

۳- کیا وہ قانون ساز اداروں کی ممبر بن سکتی ہیں؟

اس سلسلہ میں فاضل مقالہ نگاروں نے مذکورہ تین شقوں کے علاوہ ایک چوتھی شق: عورت سربراہ مملکت بن سکتی ہے یا نہیں، پر بھی اپنی رایوں کا اظہار کیا ہے۔

شق اول کے متعلق دو مقالہ نگار کے علاوہ تقریبا تمام لوگ اس پر متفق ہیں کہ شرعی ضوابط کے ساتھ خواتین ووٹنگ میں حصہ لے سکتی ہیں۔

شق ثانی وثالث کے تعلق سے مقالہ نگاران کی رائے جواز وعدم جواز دونوں طرح کی ہیں، جواز میں بھی مشروط اور

غیر مشروط دونوں طرح کی آراء ہیں۔

نیز شق رابع کے تعلق سے تقریبا تمام مقالہ نگاروں کی رائے نفی میں ہے، اب ذیل میں مقالہ نگاروں کی آراء وان کے دلائل نقل کئے جاتے ہیں:

۱-ووٹ شہادت کے حکم میں ہے اور عورتیں بھی اہل شہادت میں سے ہیں، اس لئے عورتیں شرعی ضوابط و پردہ کے ساتھ ووٹ دے سکتی ہیں تاہم ان کا ممبر بننا یا سربراہ حکومت بننا درست نہیں (مولانا فاروق، مفتی عارف باللہ قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا کلیم اللہ عمری، مفتی شبیر احمد دیولوی، مولانا عبد الرب اعظمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا مجیب الرحمٰن ندوی وغیرہ)۔

۲-مولانا ریحان مبشر قاسمی لکھتے ہیں:

ان نکات کو نقل کرنے سے راقم الحروف عورتوں کو امیدوار بنانے کے حق میں نہیں ہے اور نہ ہی اس کو درست تسلیم کرتا ہے، لکھنے کا مقصد محض اتنا ہے کہ اس جاں کنی کے عالم میں کوئی ایسی ثالثی راہ نکالی جائے جو دین اسلام کے مزاج کے خلاف نہ ہو اور اس سے مسلمانوں کو ملکی سطح پر کامیابی کی راہ جو اب ہموار ہو رہی ہے مسدود بھی نہ ہو سکے (مولانا ریحان مبشر قاسمی)۔

۳-مولانا احسن عبد الحق ندوی لکھتے ہیں:

ارشاد نبوی: ''لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة'' کے تحت فقہاء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت امیر یا خلیفہ نہیں بن سکتی، تو یہی حکم ممبر یا وزیر یا کسی بھی سیاسی نمائندہ بننے کے متعلق بھی ہوگا، البتہ ایک بات قابل غور ہے کہ جہاں عورتیں الیکشن میں امیدوار کی حیثیت سے حصہ لیتی ہیں، وہاں عموما سارے کام مرد انجام دیتا ہے، عورت صرف نام کی امیدوار ہوتی ہے جیسا کہ آج کل پردھانی اور دوسرے الیکشن میں ہوتا ہے، تو ایسی جگہوں پر عورتوں کا الیکشن میں حصہ لینا صحیح ہونا چاہئے (مولانا احسن عبد الحق ندوی)۔

۴-مولانا اقبال احمد قاسمی لکھتے ہیں:

خواتین کا ووٹنگ میں حصہ لینا ایک ناگزیر ضرورت ہے، لہذا جائز ہے البتہ نامحرم سے بچنے کے لئے خاتون افسر کی تعینات کا مطالبہ بھی کرنا چاہئے۔

جہاں مسلم مرد کو الیکشن میں امیدوار بنایا جا سکتا ہے اور وہ سیٹ خواتین کے نام پر مختص نہیں ہے، وہاں مسلم خواتین کا الیکشن میں کھڑا ہونا (مفاسد کثیرہ کے سبب) درست نہیں۔

ان حلقوں میں جہاں مرد کے الیکشن میں کھڑے ہونے پر پابندی لگا کر عورت کو ہی امیدوار ہونے کا موقع باقی رکھا گیا ہے تو "أهون البليتين" کو اختیار کرتے ہوئے خواتین کو ریزروسیٹ میں حصہ لینے کی گنجائش ہوگی (مولانا اقبال قاسمی، مولانا یوسف علی)۔

۵-مفتی شاہجہاں ندوی لکھتے ہیں:

عورتوں کا ووٹنگ میں حصہ لینا واجب ہے اور سربراہ مملکت کو چھوڑ کر حکمرانی کے تمام عہدوں پر فائز ہوسکتی ہیں، اسی طرح قانون ساز اداروں کی ممبر بھی بن سکتی ہیں، بشرطیکہ یہ چیز ان کے اصل فرض منصبی یعنی گھر اور بال بچوں کی تربیت میں خلل انداز نہ ہو (مفتی شاہجہاں ندوی)۔

۶-مفتی سید باقر ارشد قاسمی لکھتے ہیں:

دشمنان اسلام مسلمانوں کو اقتدار سے دور رکھنے کے لئے مسلسل کوشاں ہیں، اگر یہ شاطر دماغ اقتدار میں حصہ داری کے تعلق سے ہماری عدم بیداری کی بنیاد پر اپنی چال میں کامیاب ہوگئے تو آنے والے دنوں میں اسلامی قوانین کا بھی مذاق اڑائیں گے اور پھر مذہبی آزادی کے تعلق سے بھی ہمارے لئے مسئلہ کھڑا ہوگا، لہذا وہ علاقہ جہاں کی نشست عورتوں کے لئے مخصوص کردی گئی ہو یا پھر سیاسی اعتبار سے اس علاقہ میں عورت ہی کا انتخاب لڑنا کسی وجہ سے بہتر ہو یا پھر سوالنامہ میں مذکور وجوہات وحقائق پیش نظر ہوں تو ایسی صورت میں عورت کا سیاست میں حصہ لینا درست ہے بشرطیکہ پردہ کے تعلق سے شرعی احکام ملحوظ خاطر رہے، ہاں صرف اپنے اسٹیٹس کے اظہار کے لئے یا شوقیہ سیاست میں حصہ لینا اور انتخابات لڑنا عورت کے لئے جائز نہیں ہے (مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مفتی اشرف قاسمی، مولانا شوکت ثنا قاسمی، ڈاکٹر مبین سلیم، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا فیاض عالم قاسمی، شاہ اکرام الحق ندوی، مفتی فہیم اختر ندوی)۔

۷-مولانا ممتاز خاں ندوی فرماتے ہیں:

عورت کا ووٹ ڈالنے میں مردوں سے میل جول ضروری ہے، جبکہ شریعت نے اختلاط سے منع کیا ہے، اس لئے بہتر ہے کہ عورتوں کے لئے ووٹ کے مراکز الگ قائم کئے جائیں ایسی صوت میں عورت ووٹ ڈال سکتی ہے (مولانا ممتاز خاں ندوی)۔

۸-مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی لکھتے ہیں:

اصولی طور پر الیکشن میں خواتین کا حصہ لینا ہرگز جائز نہیں، اس میں بہت سی شرعی اور معاشرتی قباحتیں موجود ہیں،

اگر چہ سوشل اور سماجی کاموں میں عورتیں شرعی حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے اور اپنے فرائض حیات پر کار بند رہتے ہوئے حصہ لے سکتی ہیں، لیکن الیکشن میں ان کا امیدوار بننا شرعی طور پر بھی جائز نہیں ہے (مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا اسماعیل بن محمد صالح، مفتی سلطان کشمیری)۔

۹-مولانا عامر ظفر ایوبی صاحب کی رائے ہے:

مسلم خواتین کو امیدوار نہ بنانے کی صورت میں مسلمانوں کی نمائندگی بہت حد تک کم ہوجائے گی، مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ غیر یقینی ہوسکتا ہے، اس لئے اس صورت میں "أعظم ضررا یزال بالأخف، الضرورات تبیح المحظورات" پر عمل کرتے ہوئے مسلم خواتین کو امیدوار بنایا جاسکتا ہے اور وہ قانون ساز اداروں کی ممبر بن سکتی ہیں (مولانا عامر ظفر ایوبی، مفتی اکمل یزدانی القاسمی، مفتی شیر علی گجراتی، مفتی انور علی اعظمی وغیرہ)۔

۱۰-مولانا حیدر علی قاسمی فرماتے ہیں:

خواتین کے لئے ووٹنگ میں حصہ لینا، الیکشن میں امیدوار بننا اور قانون ساز اداروں کی ممبر بننا جائز اور درست نہیں ہے (حیدر علی قاسمی، مولانا عبدالسلام کوثری)۔

۱۱-مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی لکھتے ہیں:

خواتین کے لئے محفوظ سیٹوں پر امیدوار بننے کی اجازت ہے اور اگر ایسی محفوظ سیٹوں پر مسلم خواتین کا کامیاب ہونا یقینی یا گمان غالب ہو تو وہاں سے کسی ایک مسلم خاتون کا امیدوار بننا واجب کفایہ ہے (مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی)۔

۱۲-مفتی سہیل اختر قاسمی رقم طراز ہیں:

عورت اہل الرائے ومشورہ اور اہل الشہادت والوکالۃ ہے، اس لئے عورت ووٹنگ کرسکتی ہے، بلکہ امور شرعیہ کا خیال کرتے ہوئے اپنے ووٹ کے حق کا استعمال کرنا ضروری ہے، ورنہ گنہگار ہوگی، رہا الیکشن لڑنا اور پارلیمنٹ میں رکنیت کا مسئلہ تو ہندوستانی معاشرہ وسماج کے حالات کے پیش نظر اگر خواتین کے لئے مردوں سے علاحدہ نشست کا انتظام ہو اور ان کی کاروائی ودیگر سیاسی وسماجی سرگرمیوں میں شرعی حدود کی رعایت ہو تو وہ اسمبلی یا پارلیمنٹ کی ممبر بن سکتی ہے، اگر ان حدود شرعیہ کی رعایت نہ کرسکے تو ووٹ بھی دینا درست نہیں ہے (مفتی سہیل اختر قاسمی، مفتی محمد خالد حسین نیموی، مفتی جعفر ملی رحمانی)۔

۱۳-مولانا مقصود فرقانی لکھتے ہیں:

اگر عورت باپردہ رہ کر اور شریعت کے حدود پامال کئے بغیر دیانت داری اور عزت وعصمت کی حفاظت کرتے ہوئے

قوم وملت کی خدمت کے لئے الیکشن یا دیگر چیزوں میں حصہ لیتی ہے تو یہ جائز ہے مگر ان شرائط کے ساتھ عورت کے لئے ان چیزوں میں حصہ لینا بہت دشوار ہے (مولانا مقصود فرقانی، مولانا راشد حسین ندوی)۔

۱۴-مفتی عبدالرحیم قاسمی تحریر فرماتے ہیں:

پردہ کا لحاظ رکھتے ہوئے خواتین ووٹ دینے جاسکتی ہیں اور جو سیٹ عورتوں کے لئے ریز روکردی گئی ہو اور مسلمانوں کی نمائندگی عورت کے ذریعہ ہی ہوسکتی ہو تو الیکشن میں کھڑے ہونے اور اسمبلی یا پارلیمنٹ کے لئے ممبر بننے کی بھی گنجائش ہوگی، بشرطیکہ وہ فرائض منصبی کی ادائیگی میں احکام شرعیہ کی پابندی کرے (مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی)۔

۱۵-مفتی سلمان پالنپوری لکھتے ہیں:

عام حالات میں عورتوں کے لئے قانون ساز اداروں کا ممبر بننا درست نہیں، لیکن مخصوص اور غیر معمولی حالات میں کچھ نہ کچھ گنجائش نکالی جاسکتی ہے (مفتی سلمان پالنپوری، مولانا افتخار احمد مفتاحی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

۱۶-مولانا ارشد علی رحمانی تحریر کرتے ہیں:

احقر کے نزدیک عورتوں کا الیکشن میں بطور امیدوار حصہ لینا شرعا جائز نہیں ہے، اسی طرح عورتوں کا ممبر پارلیمنٹ بننا بھی شرعا درست نہیں ہے، اب رہی بات کہ ووٹ ڈال سکتی ہے یا نہیں تو اگر حالات کچھ اس طرح کے ہوں کہ ووٹ ڈالنا بالکل ضروری ہو، مثلاً اگر ایک صالح اور دوسرا غیر صالح امیدوار ہو اور عورتیں ووٹ نہ دیں تو غیر صالح کے جیتنے کی امید ہو تو ایسی صورت میں شرعی پردے کے ساتھ اس کی گنجائش ہوسکتی ہے (مولانا ارشد علی رحمانی)۔

دلائل قائلین جواز:

۱-حضرت عمرؓ نے شفاء بنت عبداللہ کو بازار کی نگرانی کی ذمہ داری حوالہ کی تھی۔

”**وكان عمر يقدمها في الرأى ويرعاها ويفضلها، وربما ولا ها شيئا من أمر السوق**“ (الاصابۃ لابن حجر ۲۰۱/۸) (مولانا کلیم اللہ عمری، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مفتی سہیل اختر قاسمی)۔

نیز ابن حزم تحریر فرماتے ہیں:

”**وجائز أن تلى المرأة الحكم—وهو قول أبى حنيفة—وقد روى عن عمر بن الخطاب أنه ولى**

الشفاء امرأة من قومه السومه: فإن قيل: قد قال رسول الله ﷺ: لن يفلح قوم أسندو أمرهم إلى امرأة، قلنا إنما قال ذلک رسول الله ﷺ في الأمر العام الذي هو الخلافة، برهان ذلک: قوله عليه الصلاة والسلام المرأة راعية على مال زوجها وهى مسؤولة عن رعيتها، وقد أجاز المالكيون أن تكون وصية ووكيلة، ولم يأت نص من منعها أن تلي بعض الأمور وبالله تعالى التوفيق'' (ابن حزم ظاہری، ابومحمد علی بن احمد، المحلی بالآثار، کتاب الشہادات، باب وجاز ولایۃ المرأۃ الحکم ۸/۷۵۲ مسئلہ نمبر ۱۸۰۴ بیروت دار الکتب العلمیہ) (مقالہ: مفتی شاہجہاں ندوی، مولانا ابرار خاں ندوی)۔

۲-حضرت عمرؓ کا وہ مشہور خطبہ جس میں انہوں نے چالیس اوقیہ سے زیادہ مہر مقرر نہ کرنے کا اعلان کیا تھا اس پر ایک خاتون نے ارشاد باری تعالی: ''**وإن اردتم استبدال زوج مكان زوج واٰتيتم احداهن قنطارا فلا تأخذوا منه شيئا الخ**'' کے ذریعہ آپ کو متنبہ کیا، تو حضرت عمر فاروقؓ نے اس خاتون کے اس معقول اعتراض کو تسلیم کیا اور دوبارہ خطبہ کے لئے لوگوں کو جمع کیا اور برملا اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے فرمایا: ''**امرأة أصابت ورجل أخطاء**'' اور اپنا بیان واپس لے لیا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات جس مسئلہ کی طرف بڑے بڑے صاحب علم مرد کی نظر نہیں پہنچتی وہاں تک ایک عورت کی نظر پہنچ سکتی ہے، اس لئے قانون ساز ادارے میں خواتین کی رائے سے استفادہ کیا جا سکتا ہے اور اس کے لئے اس کو ممبر بننے کی بھی گنجائش ہونی چاہئے (مولانا شوکت ثنا قاسمی، مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی)۔

۳-حضرت عمرؓ نے اپنی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت حفصہؓ سے سوال کیا کہ ایک شادی شدہ عورت اپنے شوہر کے بغیر کتنے دنوں تک صبر کر سکتی ہے، تو انہوں نے جواب دیا چار ماہ اس کے بعد حضرت عمر نے تمام فوج کے ذمہ داروں کو حکم نامہ جاری کیا کہ کسی بھی فوجی کو چار ماہ سے زیادہ محاذ پر نہ روکا جائے۔

اس واقعہ میں ایک عورت کی رائے کو باضابطہ قانون کی شکل دے دی گئی اور چاروں دبستان فقہ نے اس قانون کو تسلیم کیا ہے جب کسی عورت کی رائے کو قانونی حیثیت حاصل ہو سکتی ہے تو پھر عورتوں کے لئے قانون ساز اداروں کا ممبر بننا ناجائز کیونکر ہو سکتا ہے (مولانا شوکت ثنا قاسمی، مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی)۔

۴-ارکان اسمبلی و پارلیمنٹ کی حیثیت ارباب حل وعقد کی ہے، سیاست کے مشہور امام علامہ ماوردی نے ارباب حل وعقد کی شرائط میں ذکورت کا ذکر نہیں کیا ہے:

”فاما الاختيار فالشروط المعتبرة فيهم ثلاثة: أحدها: العدالة الجامعة لشروطها، والثاني: العلم الذي يتوصل به إلى معرفة من يستحق الإمامة على الشروط المعتبرة فيها، والثالث: الرأى والحكمة المؤديان إلى اختيار من هو للإمامة أصلح وبتد بير المصالح أقوم وأعرف“ (الاحکام السلطانیہ للماوردی ص ۶ الباب الاول فی عقد الامامۃ) (مفتی سہیل اختر قاسمی)۔

۵- علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں: ”وأما سلطنتها فصحيحة وقد ولى مصر إمرأة تسمى شجرة الدر جارية الملك الصالح بن ايوب“ (البحر الرائق ۸/۵) (مولانا فیاض عالم قاسمی، مولانا شاہ اکرام الحق ندوی)۔

۶- امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورت حد و قصاص یعنی فوجداری کے مقدمات کے علاوہ دوسرے تمام مقدمات میں جج بن سکتی ہے (ہدایہ کتاب القضاء، بدائع الصنائع ۷/۳ مطبوعہ بیروت) (مولانا عبدالخالق، مفتی سہیل اختر قاسمی)۔

۷- امام ابن جریر کے نزدیک بشمول حدود و قصاص کے تمام مقدمات میں عورت جج بن سکتی ہے اور چاروں ائمہ کے نزدیک عورت فتوی دے سکتی ہے (المغنی لابن قدامہ ۱/۳۶) (مولانا عبدالخالق)۔

۸- امام ابن حزم نے بیس ایسی خواتین کے نام نقل کئے ہیں جو دور صحابہ میں فتوی دیا کرتی تھیں (جوامع السیر ابن حزم ص ۳۲۳)۔

مذکورہ بالا تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ جب عورت قاضی و مفتی بن سکتی ہے تو قانون ساز ادارے کی ممبر بھی بن سکتی ہے، کیونکہ قانون سازی کرنا فتوی کی ہی قسم ہے (مولانا عبدالخالق)۔

۹- سمراء بنت نہیک کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ امر بالمعروف کے اونچے عہدے پر فائز تھیں، بازاروں میں لوگوں کے پاس سے گزرتی تھیں، لوگوں کو بھلائیوں کا حکم دیتیں، اور برائیوں سے روکتی تھیں، اور کوڑے سے لوگوں کو مارتی تھیں (الترتیب الاداریہ ۱/۲۴۰) (مولانا کلیم اللہ عمری)۔

۱۰- دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی جناب مولانا مہدی حسن صاحب نے اپنے فتوی (الف ۶۷۸) میں لکھا ہے:

جب عورت کے حصہ لینے میں دینی مصالح بھی مضمر ہوں تو عورت کا حصہ لینا مباح ہے، بشرطیکہ پردے میں رہے......اور دینی مصالح کا حصول یقینی ہو ورنہ عورت کو بر بنائے حدیث مذکور کے حاکم بنانا جائز نہیں، صرف وہم پر بنانا حدیث مذکور کے خلاف ہے (نئے مسائل کے شرعی احکام ص ۲۱۵ مرتب ثناء الہدی قاسمی) (مولانا توقیر بدر قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

۱۱- مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

ایک جمہوری حکومت میں عورت کا صدر ہونا اسلامی روایات کے خلاف ہے، خاص حالات میں صدارت کی امیدواری کی حمایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں (نئے مسائل کے شرعی احکام ص ۲۱۵،۲۱۶، مرتب ثناء الہدی قاسمی) (مولانا توقیر بدر قاسمی، مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

۱۲-مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

عورتوں کا کونسل میں جانا کچھ زیادہ مفید نہ ہوگا، لیکن اگر جائیں تو حجاب کے ساتھ جانا ضروری ہوگا (کفایت المفتی ۴۱۹/۷) (مولانا شوکت ثناء قاسمی)۔

۱۳-مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فریقین کے دلائل پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

بہر حال اس مسئلہ میں دونوں طرف کچھ دلائل ہیں لیکن کوئی ایسی واضح نص بھی موجود نہیں ہے جس کی بنا پر یہ کہا جائے کہ انہیں شوری میں شامل نہیں کیا جاسکتا، البتہ یہ بات طے ہے کہ اگر انہیں شوری میں شامل کیا جائے تو حجاب شرعی کے احکام کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہوگا (مولانا شوکت ثنا قاسمی، مفتی سلطان کشمیری)۔

۱۴-مفتی سعید احمد پالنپوری صاحب تحفۃ الالمعی میں تحریر فرماتے ہیں:

رہی استیلاء وتغلب کی صورت میں تو اس میں بالاجماع عورت کی امارت درست ہے، اس کے احکام نافذ اور واجب الاطاعت ہوں گے، اور الیکشن پارٹی، ووٹ اور اکثریت تغلب ہی کی صورت ہے، کیونکہ جمہوریت میں سر گنے جاتے ہیں دماغ نہیں دیکھا جاتا (تحفۃ الالمعی ۶۳۹/۵) (مولانا عبداللطیف پالنپوری)۔

۱۵-علامہ سید سلیمان ندویؒ رقم طراز ہیں:

یہ صحیح ہے کہ عورت کے طبعی حالات وفرائض امامت کے منافی ہیں، اور خود اسلام نے امام کے لئے جو ضروری شرائط قرار دیا ہے اس سے یہ جنس لطیف کبھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتی، اس لئے وہ امامت جمہوری اور خلافت الٰہی سے سبکدوش ہے، لیکن اس سے یہ غلط استدلال نہیں کرنا چاہئے کہ مسلمان عورت کو کسی بھی حالت میں پبلک کی سیاسی اور فوجی رہبری جائز نہیں ہے، خصوصاً ایسی حالت میں جب ساری ملت میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑک رہی ہو اور اس کے خیال میں کوئی دوسرا اس فتنہ کو بجھانے والا نہ ہو (سیرت عائشہ ص ۱۲۶) (مولانا افتخار احمد مفتاحی)۔

۱۶-مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

اسلامی نقطہ نظر سے عورت الیکشن میں امیدوار نہیں ہوسکتی، البتہ اگر ہندوستان میں خواتین کے لئے سیٹیں مخصوص

کردی جائیں تو یہاں کے خصوصی حالات میں اس کے سواء کوئی چارہ نہ ہوگا کہ اگر مسلمان اس قانون کے روکنے پر قادر نہ ہوں تو کم تر درجہ کی برائی سمجھتے ہوئے خواتین کو بھی انتخابی امیدوار بنائیں (راہ عمل ۱۲۶/۳ نئے مسائل اسلامی نقطہ نظر) (مولانا شوکت ثناء قاسمی، مفتی سلمان پالنپوری)۔

۱۷-عورت چونکہ اہل شہادت میں سے ہے، اس لئے اس کا قاضی اور حاکم بننا بھی جائز ہوگا، "**وتقضي المرأة في غير حدود ولا قود لأنها أهل للشهادة في غير هما فكانت أهلا للقضاء**" (البحر الرائق ۷،۸)۔

دلائل مانعین جواز:

۱-"**الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما أنفقوا**" (نساء:۳۴) (مولانا احسن عبدالحق ندوی، مولانا عامر ظفر ایوبی وغیرہ)۔

۲-"**وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى**" (سورۂ احزاب:۳۳) (مولانا قاضی محمد حسن ندوی، مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مولانا شوکت ثنا قاسمی وغیرہ)۔

۳-"**وللرجال عليهن درجة**" (بقرہ:۲۲۸)۔

مذکورہ آیت میں فوقیت امارت واطاعت کی ہے کہ مرد کو ایک گونہ عورت پر حاکمیت حاصل ہے (مولانا مصطفیٰ عبد القدوس ندوی)۔

۴-"**ولا تتمنوا ما فضل الله به بعضكم على بعض للرجال نصيب مما اكتسبوا وللنساء نصيب مما اكتسبن**" (نساء:۳۲) (مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی)۔

۵- اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اسلام میں سربراہ حکومت کے لئے مرد ہونا شرط ہے، اس لئے کہ بخاری شریف کی روایت ہے: "**لما بلغ رسول الله ﷺ أن أهل فارس قد ملكوا عليهم بنت كسرى قال: "لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة**" (بخاری ۴۴۲۵) (مولانا فاروق، مولانا احسن عبدالحق ندوی، مولانا قمر عالم قاسمی، مفتی خالد حسین نیموی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا کلیم اللہ عمری، مفتی شبیر احمد دیولوی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی وغیرہ)۔

۶-حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"**إذا كان أمراء كم خياركم وأغنياء كم سمحاء كم وأموركم شورى بينكم فظهر الأرض خير من**

بطنها وإذا كان امراء كم شراركم وأغنياء كم بخلائكم وأموركم إلى نساء كم فبطن الأرض خيرلكم من ظهرها" (ترمذی:۲۲۶۶) (مولانا فاروق، مولانا قمر عالم قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا عبید اللہ ندوی وغیرہ)۔

۷- جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ کی شمولیت وقیادت پر ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے حضرت علیؓ نے حسب ذیل تحریر لکھی تھی:

"فإنک خرجت غاضبة لله ولرسوله تطلبين أمرا كان عليک موضوعا ما بال النسوة والحرب وإصلاح بين الناس" (الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ/ ۷۰) (مولانا فاروق، مولانا عبید اللہ ندوی)۔

۸- اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے بھی حضرت عائشہ کے تعلق سے اپنی رائے کا اظہار اس طرح فرمایا:

"إن بيت عائشةؓ خير لها من هودجها" (الامامہ والسیاسۃ لابن قتیبہ/ ۶۱) (مولانا فاروق، مولانا عبید اللہ ندوی)۔

۹- "عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لا يخلون رجل بامرأة ولا تسافرن امرأة الا ومعها محرم" (بخاری کتاب النکاح/ ۵۲۳۳، مسلم، کتاب الحج باب سفر المرأۃ مع محرم/ ۴۴۲) (مولانا راشد حسین ندوی)۔

۱۰- "لايخلون رجل أمرأة إلا كان ثالثهما الشيطان" (ترمذی/ ۲۷۸۶) (مولانا ریحان مبشر قاسمی)۔

۱۱- "ما تركت بعدي فتنة أضر على الرجال من النساء" (متفق علیہ) (مفتی خالد حسین نیموی قاسمی، مولانا ریحان مبشر قاسمی)۔

۱۲- "المرأة عورة فإذا خرجت من بيتها استشرفها الشيطان" (ترمذی/ ۲۲۱/۱) (مفتی خالد حسین نیموی قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی وغیرہ)۔

۱۳- امام قرطبیؒ عورت کے حاکم بننے اور عہدہ قضا وغیرہ پر فائز ہونے کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فإن المرأة لا يتأتى منها أن تبرز إلى المجلس ولا تخالط الرجال ولا تفاوضهم مفاوضة النظير للنظير" (الجامع الأحکام القرآن/ ۱۴۰/۷) (مولانا محمد فاروق)۔

۱۴- تفہیم القرآن میں حضرت مسروق سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ جب تلاوت قرآن کرتے ہوئے اس آیت "وقرن في بيوتكن الخ" پر پہنچتیں تو بے اختیار رو پڑتی تھیں، یہاں تک کہ دوپٹہ بھیگ جاتا تھا، کیونکہ اس آیت پر وہ خطا یاد آجاتی تھی جو جنگ جمل میں ہوئی تھی، مذکورہ بالا واقعہ سے معلوم ہوا کہ عورتیں مطلقا سیاست میں حصہ نہیں لے سکتیں (مولانا فاروق، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی)۔

۱۵-علامہ ابن الہمامؒ لکھتے ہیں:

"ویجوز قضاء المرأة فی کل شئ إلا في الحدود والقصاص، وقال الأئمة الثلاثة: لا یجوز، لأن المرأة ناقصة العقل لیست أهلا للخصومة مع الرجال في محافل الخصوم، قال ﷺ:لن یفلح قوم ولوا أمرهم امرأة رواه البخاری-والجواب أن ما ذکر غایة ما یفید منع أن تستقضي وعدم حله، والکلام فیما لو ولیت وأثم المقلد بذلک أوحکمها خصمان فقضت قضاء موافقا لدین الله أکان ینفذ أم لا؟لم ینتهض الدلیل علی نفیه بعد موافقته ما أنزل الله" (فتح القدیر ۷/۲۹۸) (مفتی عارف باللہ قاسمی)۔

۱۶-"لاتصلح المرأة أن تکون إماما ولا قاضیا لأنهما محتاجان إلی الخروج للقیام بأمور المسلمین والمرأة عورة لا تصلح لذلک" (مرقاۃ المفاتیح ۶/۲۴۰۶) (مولانا افتخار احمد مفتاحی، مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۱۷-مشہور فقیہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

"ولا تصلح للإمامة العظمی ولا لتولیة البلدان، ولهذا لم یول النبی ﷺ ولا أحد من خلفائه ولا من بعدهم امرأة قضاء ولاولایة بلد في ما بلغنا، ولو جاز ذلک لم یخل منه جمیع الزمان غالبا" (المغنی لابن قدامہ ۱۴، ۱۳) (ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

۱۸-"وأخرج البزار عن أنس قال جئن النساء إلی رسول الله ﷺ فقلن یا رسول الله ذهب الرجال بالفضل والجهاد في سبیل الله تعالی فهل لنا عمل ندرک به فضل المجاهدین فی سبیل الله تعالی فقال علیه الصلوة والسلام: من قعدت منکن في بیتها فإنها تدرک عمل المجاهدین في سبیل الله تعالی" (روح المعانی ۱۱/۸۸، ۱۸۷ دار الکتب العلمیہ بیروت) (مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی، مولانا مصطفیٰ عبد القدوس ندوی)۔

۱۹-علامہ شامی امامت کبری کے شرائط کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"ویشترط کونه مسلما حرا ذکرا عاقلا بالغا قادرا قرشیا، ولأن النساء أمرن بالقرار في البیوت فکان مبنی حالهن علی الستر وإلیه أشار النبي ﷺ حیث قال: کیف یفلح قوم تملکهم امرأة" (شامی ۲/۲۸۰ کتاب الصلاۃ باب الامامۃ مطلب شروط الامامۃ) (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا محسن القاسمی الحسنی، مولانا نثار عالم ندوی، مولانا عمران ندوی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا ابرار خاں ندوی)۔

۲۰-ذیل کی عبارت عورتوں کو ملک کا حکمران اعلی بنانے کے عدم جواز پر دلالت کرتی ہیں:

"أما بخصوص تولى منصب الخليفة(رئيس الدولة) أوما يقوم مقامه من سائر المسؤوليات الكبرى والولايات العامة فإن الذكورة فيه شرط مجمع عليه، قال الجوينى: وأجمعوا أن المرأة لا يجوز أن تكون إماما وهو ما نص عليه ابن حزم فى مراتب الإجماع" (فتوی شیخ محمد علی فرکوس) (مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا ارشد علی رحمانی، شاہ اکرام الحق ندوی)۔

۲۱-عورت کی قیادت کی ممانعت صریح روایات سے ثابت ہے: "هلكت الرجال حين أطاعت النساء" (مستدرک للحاکم)۔

۲۲-مفتی شفیع صاحبؒ معارف القرآن کے اندر "الرجال قوامون على النساء" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اجتماعی نظام کے لئے عقلا وعرفا یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کا کوئی سربراہ یا امیدوار حاکم ہو، تا کہ اختلاف کے وقت اس کے فیصلہ سے کام چل سکے،...... مزید آگے رقم طراز ہیں: اس کام کے لئے اللہ نے مردوں کو منتخب فرمایا ہے، ان کی علمی عملی قوتیں بنسبت عورتوں بچوں کے زیادہ ہیں (معارف القرآن ۳/۳۹۵) (مولانا نثار عالم ندوی)۔

۲۳-مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

مرد امیدواروں کی موجودگی میں جو بہترین نمائندگی کر سکتے ہوں عورت کو سردار تسلیم کرنا اور اسے ووٹ دینا شرعا جائز نہیں ہے (فتاوی عثمانی ۳/۵۱۳)۔

۲۴-ایک حدیث میں ہے: "أخروهن من حيث أخرهن الله" (فتاوی محمودیہ ۱/۳۵۹)۔

مذکورہ بالا حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ مناصب اور عہدے عورتوں کے لئے صحیح نہیں ہے (مولانا حیدر علی قاسمی)۔

۲۵-"قال عليه الصلوة والسلام: ليس للنساء نصيب فى الخروج إلا مضطرة" (کنز العمال ۱۶/۱۶۳) (مفتی جعفر ملی رحمانی)۔

۲۶-مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

عورتوں کا ووٹر بنناممنوع نہیں ہے، ہاں ووٹ دیتے وقت شرعی پردہ کا لحاظ رکھنا لازم ہوگا، اور بطور امیدوار کھڑا ہونا عورتوں کے لئے مستحسن نہیں، کیونکہ اس میں ضروریات شرعیہ کے ساتھ کونسل یا اسمبلی کی شرکت عورتوں کے لئے متعذر ہے (کفایت المفتی ۹/۳۴۹) (مولانا محمد فاروق، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا عابد الرحمٰن بجنوری، مولانا عبد الرشید کانپوری، مولانا عبد الرب عبد الوہاب خاں، مفتی جنید بن محمد، مولانا اقبال احمد قاسمی، مفتی سلمان پالنپوری، مولانا مجیب الرحمٰن ندوی،

مولانا عثمان بستوی)۔

دلائل: شق اول: عورتیں ووٹ دے سکتی ہیں یا نہیں؟

چونکہ ووٹ کی شرعی حیثیت شہادت کے ساتھ ساتھ مشورہ اور وکالت بھی تسلیم کی گئی ہے اور مندرجہ ذیل دلائل سے عورتوں سے مشورہ لیا جانا ثابت ہے، لہذا عورتوں کا ووٹنگ میں حصہ لینا بھی صحیح ہے۔

۱-"**وأمرهم شورى بنهم**" (شوری:۳۸)"**هم**"ضمیر مذکر میں عورتیں بھی تبعاً شامل ہیں (مفتی شاہجہاں ندوی، مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی)۔

ووٹ بحیثیت شہادت صادقہ مردوں کی طرح عورتوں پر بھی واجب ہونا چاہئے۔

۲-"**فإن لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان**" (سورۂ بقرہ:) (مولانا عبدالرب اعظمی)۔

۳-عورتیں مشورہ کی اہل ہیں، قرآن مجید میں ہے:"**عن تراض منهما وتشاور**" (مولانا عامر ظفر ایوبی، مولانا عبدالخالق)۔

۴- صاحب ابن کثیر رقم طراز ہیں: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے تیسرے خلیفہ کے انتخاب میں عورتوں سے بھی مشورہ کیا تھا۔

"**ثم نهض عبد الرحمن بن عوفؓ يستشير الناس فيهما حتى خلص إلى النساء المخدرات في حجالهن**" (البدایۃ والنہایۃ ۷؍۱۶۴) (مفتی شاہجہاں ندوی، مفتی عارف باللہ قاسمی، مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مولانا شوکت ثنا قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی خالد حسین نیموی قاسمی، مفتی فہیم اختر ندوی)۔

۵- صلح حدیبیہ کی تکمیل کے بعد آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کے مشورہ پر عمل کیا (مولانا عبدالخالق، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مفتی سہیل اختر قاسمی، مولانا عبدالرب عبدالوہاب خاں، مولانا خالد حسین نیموی، مفتی سلطان کشمیری)۔

۶- روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عمر سیاسی امور میں جہاں دوسرے صحابہ کرام سے مشورہ کرتے تھے، وہیں اپنی حریم خانہ سے بھی مشورہ طلب کرتے تھے اور اچھے مشورہ کی ستائش کرتے تھے پھر قبول کرتے تھے (السنن الکبری للبیہقی عن ابن سیرین ۱۰؍۱۱۳) (مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی)۔

۷- بدایۃ المجتہد کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک عورت کی وکالت صحیح ہے، صرف عقد نکاح میں امام شافعی و مالک کے نزدیک عورت وکیل نہیں بن سکتی۔

”وشروط الوكيل ان لا يكون ممنوعا بالشرع من تصرفاته في الشئ الذي وكل فيه فلا يصح توكيل الصبي ولا المجنون ولا المرأة عند مالک والشافعي على عقد النكاح“ (بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقصد ۲/۲۹۶ کتاب الوکالہ)(مفتی سہیل اختر قاسمی)۔

۸-”فإن مبدأ المشاركة في الانتخابات يدورمع المصلحة......وإذا وجدت المصلحة فيها فلا مانع أن تشارک المرأة في الانتخابات والإدلاء في اختيار أحد المرشحين إذا التزمت بالضوابط الشرعية في خروجهامن بيتها والتزمت بالشرع في اختيار من تدلي بصوتها لصالحه“(فتاوی الشبکۃ الاسلامیۃ مرکز الفتوی باشراف الدکتور عبداللہ الفقیہ)(مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

۹-ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی رقم طراز ہیں:

”وقد تقرر دفعا لذلک المحظور أن يحصل لهن مراكز للاقتراع خاصة لهن فتذهب المرأة وتؤدى واجباتهم تعود إلى بيتها دون أن تختلط بالرجال أو تقع في المحرمات“ (المرأۃ بین الفقہ والقانون ۱/۱۲۴)(قاضی محمد حسن ندوی، مولانا عبدالرب عبدالوہاب خاں)۔

۱۰-مفتی محمود صاحب شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم ملتان کے ایک فتوی میں مذکور ہے:

رفتن زنان بموضع ووٹ کے دراں بے پردگی و مانع شرعی دیگر نہ باشد باذن شوہر جائز است(فتاوی مفتی محمود ۱۱/۳۷۰)۔

۱۱-”وما سوى ذلک من الحقوق يقبل شهادة رجلين أو رجل وامرأتين سواء كان الحق مالا أو غير مال“(ہدایہ ۳/۱۵۴)اگر ووٹ کو شہادت تسلیم کرلیا جائے تو مذکورہ بالا عبارت سے عورت کے ووٹر بننے کا جواز معلوم ہوتا ہے(مولانا فاروق)۔

☆ ☆ ☆

عرض مسئلہ:

الیکشن سے مربوط شرعی مسائل

(سوال نمبر۔ ا تا ٦)

مولانا رحمت اللہ ندوی☆

اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی کے بائیسویں فقہی سمینار منعقدہ ۹-۱۱ / مارچ ۲۰۱۳ء ضلع امروہہ (یوپی) کا ایک اہم، حساس اور نازک موضوع ''الیکشن سے مربوط شرعی مسائل'' ہے، اس موضوع سے متعلق سوالنامہ میں کل دس سوالات ہیں، ابتدائی چھ سوالات کی تلخیص اور عرض کی ذمہ داری راقم پر ڈالی گئی تھی، جسے پیش کرنے کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔

اس موضوع پر اکیڈمی کی طرف سے ارسال کردہ مقالات کی کل تعداد ٦۳ ہے، تین مقالات عربی اور بقیہ اردو زبان میں ہیں، بعض مقالات قدرے تفصیلی ہیں، جب کہ بعض اوسط اور کچھ بے حد مختصر، حتی کہ دلائل کے بغیر ہی صرف سوالات کے جوابات پر اکتفا کیا گیا ہے، ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض حضرات نے کسی ایک سوال کا جواب بالکل نہیں دیا ہے، یا اپنی رائے واضح نہیں کی ہے، لیکن ان کے نقل کردہ اقتباسات اور حوالہ جات سے ان کی رائے اور رجحان کا پتہ چلتا ہے، تمام مقالات کا بالاستیعاب جائزہ لے کر ہر ایک کی رائے سے استفادہ کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے، تاکہ کسی مقالہ نگار کی حق تلفی نہ ہو، کیونکہ ہمارے نزدیک ہر مقالہ قیمتی اور ہر ایک کی رائے قابل قدر ہے۔

ذیل کی سطور میں ہر سوال سے متعلق فاضل مقالہ نگاروں کی آراء اور ان کے دلائل پیش خدمت ہیں:

سوال نمبر ا: ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

اس سوال کے جواب میں فاضل مقالہ نگاروں کی آراء متعدد ہیں، ووٹ کی کئی شرعی حیثیت بیان کی گئی ہے: مثلاً

☆ استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

(الف) شہادت یا گواہی (ب) وکالت یا نمائندگی (ج) شفاعت یا سفارش (د) رائے یا مشورہ (ھ) اسلامی ممالک میں بیعت اور معاہدہ کا ایک طریقہ (و) کوئی شرعی حیثیت نہیں۔ ان حیثیتوں میں سے بعض مقالہ نگاروں نے صرف کسی ایک کو اور بعض نے کئی ایک کو تسلیم کیا ہے، تفصیل یہ ہے:

☆ شہادت: اس کا مطلب یہ ہے کہ ووٹر جس امیدوار کو ووٹ دے رہا ہے گویا اس کے حق میں امانت و دیانت اور اہلیت کی گواہی دے رہا ہے، اسی وجہ سے ووٹ نہ ڈالنا کتمانِ شہادت، یا کسی اور کے نام پر ووٹ ڈالنا، یا رشوت لے کر ووٹ دینا، یا مکرر ووٹ ڈالنا، یا نااہل کو ووٹ دینا، شہادتِ زور (جھوٹی گواہی) کے دائرہ میں آئے گا۔

ووٹ کو شہادت کا درجہ دینے والے حضرات یہ ہیں:

مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مولانا محمد عمران ندوی، قاضی محمد حسن ندوی، مفتی قمر الزماں ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا مجیب الرحمٰن ندوی، مفتی نصر اللہ ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مفتی محمد عارف باللہ قاسمی، مولانا عبد الرشید قاسمی کانپور، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا غلام رسول قاسمی، مولانا عبد الشکور قاسمی آکولہ، مولانا عابد الرحمٰن بجنوری مظاہری، مفتی اکمل یزدانی قاسمی، مفتی شبیر احمد دیولوی، مولانا یوسف علی آسام، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مولانا محمد فاروق بارڈولی، مفتی جنید بن محمد پالنپوری، مولانا عبد الرب سعادتی، مولانا محمد صادق مبا کپوری، مولانا حیدر علی قاسمی، مولانا عبد الرب اعظمی، مفتی لطیف الرحمٰن، مولانا شاہ اکرام الحق ندوی، مولانا عبد السلام کوثری، مولانا عبد الخالق، مفتی سلطان کشمیری، مفتی سلمان پالنپوری۔

☆ مولانا مصطفیٰ عبد القدوس ندوی نے چاروں حیثیت (شہادت، شفاعت، وکالت اور مشورہ) تسلیم کیا ہے۔

☆ ڈاکٹر محمد مبین سلیم ندوی ازہری کے نزدیک جس مسئلہ میں ووٹ مطلوب ہے، اس کی نوعیت پر اس کا حکم مرتب اور حیثیت کا تعین ہوگا، لہٰذا ووٹ کبھی شہادت، کبھی وکالت، کبھی سفارش کی شرعی حیثیت رکھے گا، اور کبھی دو یا تین کی مجموعی حیثیت کا بھی حامل ہوگا۔

☆ قاضی محمد حسن ندوی، مولانا مجیب الرحمٰن ندوی نے شہادت کا پہلو راجح اور غالب قرار دیتے ہوئے شفاعت، وکالت اور مشورہ کی حیثیت کو بھی تسلیم کیا ہے۔

☆ مولانا ابوسفیان مفتاحی نے ووٹ کی مختلف حیثیتیں مثلاً: شہادت، شفاعت، وکالت، مشورہ اور اسلامی ممالک

میں سیاسی بیعت قرار دی ہیں، لیکن ہندوستان جیسے ممالک میں اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی، اسے واضح نہیں کیا ہے، البتہ سوال نمبر ۲ کے جواب سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ووٹ کو شہادت کے درجہ میں رکھتے ہیں۔

☆ مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مفتی محمد عبدالرحیم القاسمی، مولانا کلیم اللہ عمری، مفتی اعجاز الحسن قاسمی، مفتی محمد ممتاز خاں ندوی اور مولانا احسن عبدالخالق ندوی کے نزدیک ووٹ کی شرعی حیثیت شہادت، شفاعت اور وکالت کی ہے۔

☆ مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا عبدالشکور قاسمی آکولہ، مولانا محمد فاروق بارڈولی نے اگرچہ شہادت کو ترجیح دی ہے، لیکن وکالت وسفارش کی حیثیت کو بھی تسلیم کیا ہے، اسی طرح مفتی اکمل یزدانی قاسمی شہادت کو ترجیح دے کر لکھا ہے کہ ووٹ کی شرعی حیثیت بیک وقت شہادت، سفارش، وکالت اور سیاسی بیعت کی ہوسکتی ہے۔

☆ ووٹ کو رائے اور مشورہ قرار دینے والے حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مفتی راشد حسین ندوی، مولانا شیر علی، مولانا محمد توقیر بدر قاسمی، مولانا ریحان مبشر قاسمی، مولانا عبیداللہ ندوی، مولانا محمد مقصود عالم فرقانی، مفتی طارق انور قاسمی، مولانا محمد نثار عالم ندوی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی محمد اشرف قاسمی اور رحمت اللہ ندوی۔

☆ وکالت: اس رائے کے حامل تنہا مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی ہیں، ان کو شہادت ماننے سے اتفاق اس لیے نہیں ہے کہ عوامی الیکشن میں ووٹ دینے کا حق ایسے شخص کو بھی ہوتا ہے جس کو اسلامی شریعت کی رو سے نااہل قرار دیا گیا ہے، اسی طرح ہر وہ شخص جو حکومت کے مقرر کردہ حدود میں بلوغ کو پہنچ گیا ہے اس کو بھی ووٹ کا حق ہے، خواہ وہ شریعت کی نگاہ میں کتنا ہی معتوب کیوں نہ ہو، حتی کہ خود اپنے لیے اور اپنے اصول وفروع کے لیے بھی ووٹ دینے کا حق ہے، جبکہ شرعی قاعدہ میں شہادت اصول وفروع کے حق میں درست نہیں۔

"والزوجة لزوجها، وهولها، والفرع لأصله وبالعكس، وسيد لعبده ومكاتبه والشريك لشريكه فيما هو من شركتها لأنها لنفسه من وجهه" (الدرالمختار ۸/ ۱۹۵-۱۹۶)۔

شفاعت سمجھے جانے پر بھی ان کو شرح صدر اس لیے نہیں ہے کہ جمہوری الیکشن کا مدار عوامی اکثریت پر ہے، جس جانب اکثریت ہے وہی جانب حتمی ویقینی ہے، اس کے خلاف کرنا قانوناً جرم ہے بلکہ اس کی وجہ سے بڑی سے بڑی سزا کے لیے تیار رہنا چاہئے، جبکہ شفاعت اسلامی نقطۂ نظر سے مطلوب وپسندیدہ ضرور ہے، لیکن اس کو قبول کرنا کوئی ضروری نہیں ہے، بلکہ حاکم وسربراہ کی صوابدید پر موقوف ہے، چاہے تو قبول کرے اور چاہے تو رد کردے، اس پر دو دلیلیں دی ہیں:

۱-**"إذا جاء رجل يسأل أو طالب حاجة، أقبل علينا بوجهه فقال: اشفعوا فلتؤجروا وليقض**

الله علی لسان نبیه ما شاء" (بخاری ۲/۸۹۰)۔

۲-حضرت بریرہؓ وحضرت مغیثؓ کا مشہور واقعہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت بریرہؓ سے بطورِ مشورہ کے رجوع کی بات فرمائی تو انھوں نے یہ کہتے ہوئے مسترد کر دیا کہ اگر مشورہ ہے تو قبول نہیں، البتہ وکالت کا نظریہ ان کے نزدیک زیادہ صحیح ہے، کیونکہ کنڈیڈیٹ کو "نمائندہ" ہی کہا جاتا ہے۔اور "العرف قاضٍ" کے اصول پر یہی درست معلوم ہوتا ہے۔

☆ووٹ کی کوئی شرعی حیثیت نہیں:

اس رائے کے حامل تنہا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی ہیں، وہ لکھتے ہیں: میرے خیال میں غیر شرعی حکومت میں ووٹ کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، بلکہ وہ ایک رائے ہے اور رائے کا استعمال سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے، موصوف کے انکار میں بھی اقرار کا پہلو غالب ہے، گویا کہ وہ کوئی حیثیت نہ دیتے ہوئے بھی رائے کی حیثیت دے چکے۔ **وذلک ما کنا نبغ**۔

☆مولانا محمد الاعظمی نے ووٹ کو جزوی طور پر بیعت سے مشابہ مانا ہے۔

اب ہم ووٹ کی شرعی حیثیت، شہادت اور مشورہ ورائے قرار دینے والے حضرات کے دلائل ذکر کرتے ہیں، پھر دونوں کا موازنہ کیا جائے گا۔

قائلین "شہادت" کے دلائل:

۱-شہادت کے اصل معنی حضور ومعاینہ (حاضر وموجود ہونے اور مشاہدہ کرنے) کے ہیں، پھر قطعی ویقینی خبر میں اس کا استعمال ہونے لگا (لسان العرب ۸/۱۵۲)۔

۲-ابن فارس کا قول ہے: **الشین والهاء والدال، أصل یدل علی حضور وعلم وإعلام الخ** (معجم المؤلفین ۳/۲۲۱)۔

۳-**فمن شهد منكم الشهر فليصمه** (بقرہ:۱۸۵)۔

۴-**وجعلوا الملائكة الذين هم عباد الرحمن إناثاً، أشهدوا خلقهم، ستكتب شهادتهم ويسألون** (زخرف:۱۹)۔

۵-**وما شهدنا إلا بما علمنا** (یوسف:۸۱)۔

۶-شہادت کی اصطلاحی تعریف: "**إخبار صدق لإثبات حق بلفظ الشهادة فی مجلس القاضی**" (تنویر الأبصار مع درمختار ۸/۱۷۲-الروض المربع شرح زاد المستقنع ۱/۴۷۳)۔

ان دلائل سے استدلال کرتے ہوئے مفتی شاہجہاں ندوی لکھتے ہیں کہ شہادت کی یہ تعریف ووٹ پر بھی صادق ہے، لہٰذا ووٹ کی شرعی حیثیت شہادت کی ہے، کیونکہ ووٹ بھی بااختیار اتھارٹی کی موجودگی میں اپنی رائے، اہل اور مستحق شخص کے حق میں دینے کا نام ہے، عجیب بات ہے کہ مفتی صاحب ایک طرف اسے شہادت قرار دیتے ہیں دوسری طرف رائے۔

ووٹ نہ دینے یا اس کا غلط استعمال کرنے پر انھوں نے دلائل کے ساتھ تفصیلی بحث کی ہے اور ان آیات واحادیث کو بطور خاص اپنا مستدل بنایا ہے جن میں صحیح گواہی کی ترغیب اور جھوٹی گواہی یا گواہی چھپانے کی وعیدیں آئی ہیں۔

۷-شہادت: عینی مشاہدہ کی بنا پر کسی شئی کے برحق اور صحیح ہونے کی خبر دینا (جامع الرموز قہستانی ۴/ ۴۸۴)۔

۸-قرآن وحدیث میں شرک اور جھوٹی گواہی، دونوں سے احتراز کا ایک ساتھ ذکر ہے، مثلاً:

(۱) فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور.

(۲) یا أیها الذین آمنوا کونوا قوامین للّٰہ شهداء بالقسط.

(۳) لا تکتموا الشهادة، ومن یکتمها فإنه آثم قلبه.

(۴) والذین هم بشهاداتهم قائمون.

(۵) من یشفع شفاعة حسنة الخ.

(۶) أکبر الکبائر الإشراک باللّٰہ..وقول الزور. (حدیث)

(یہ دلائل مولانا مصطفی عبدالقدوس ندوی اور مولانا مجیب الرحمٰن ندوی، قاضی محمد حسن ندوی، مولانا شوکت ثناء قاسمی وغیرہ کے ہیں)

۹-ہندوستان میں ووٹ کی حیثیت محض شہادت کی ہے اور عندالاحناف اگر گواہی کا مطالبہ کیا جائے تو گواہی دینا واجب بھی ہوجاتا ہے، ''الأصل عندنا أن لا یشهد إلا أن یطلب منه الشهادة، ویجب أن یشهد بعد الطلب'' (حاشیہ مشکوٰۃ ۲/ ۳۲۷) (مولانا محمد عمران ندوی)۔

۱۰-من کتم شهادة إذا دعی إلیها کان کمن شهد بالزور (جمع الفوائد بحوالہ طبرانی ۱/ ۶۲)۔

۱۱-حدیث میں گواہی کا مطالبہ کیے جانے سے پہلے گواہی دینے والے کو بہترین گواہ قرار دیا گیا ہے۔ (مولانا قمر الزماں ندوی)

۱۲-وأقیموا الشهادة للّٰہ.

۱۳-فتاویٰ یوسف القرضاوی، جدید فقہی مسائل، جواہر الفقہ ،فقہی مقالات وغیرہ کے حوالے (مفتی سید باقر ارشد قاسمی)۔

۱۴-**الشهادة فی اللغة: البیان والإظهار لما یعلمه. وشرعاً: إخبار عن ثبوت الحق للغیر علی الغیر.**

۱۵-**إخبار حاکم من علم لیقضی بمقتضاه.** (الشرح الکبیر ۴/ ۱۶۴)۔

۱۶-اسلام اور سیاست حاضرہ، ص:۸، از مفتی تقی عثمانی (مفتی محمد عارف باللہ قاسمی)۔

۱۷-الیکشن میں ووٹ دہندہ مندرجہ ذیل امور میں سے تمام یا اکثر یا بعض کی خبر دیتا ہے:

(۱)میرا امیدوار تمام امیدواروں میں سے سب سے زیادہ انصاف پسند، ایماندار اور لائق ہے۔

(۲)عوامی نمائندگی کا اہل ترین ہے۔

(۳)وزارت کے منصب پر فائز ہونے کا اہل ہے۔

(۴)عوام کا ہمدرد اور غمگسار ہے۔

(۵)اس کے ہارنے سے عوام کو دینی، جانی، مالی یا اخلاقی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

۱۸-"**الإخبار بحق للغیر علی الغیر فی مجلس القضاء**" یہاں مجلس قضاء الیکشن کمیشن ہے۔

۱۹-فقہاء کے بیان کردہ شہادت کے پانچ ارکان (شاہد-مشہود لہ-مشہود علیہ-مشہود بہ-اور صیغۂ شہادت) الیکشن میں پائے جاتے ہیں، ووٹر: شاہد، پسندیدہ امیدوار: مشہود لہ، ناپسند امیدوار: مشہود علیہ، ووٹر کے امیدوار کی وہ قابلیتیں جن کی بنیاد پر ووٹر نے اسے ووٹ دیا، وہ مشہود بہ۔ اور آج کل ووٹنگ کے مختلف طریقے ہیں، ان میں جس کلمہ یا لفظ کا انتخاب کیا جائے وہ صیغۂ شہادت ہے۔ (مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی)

۲۰-مفتی عبداللہ الفقیہ کا یہ فتویٰ: "**فإن من یشارک فی الانتخابات یعتبر شاهداً ومزکیاً لمن یرشحه وینتخبه، وهو مسئول أمام الله عن تلک الشهادة، فیتعین أن لا ینتخب إلا من هو أصلح وأکثر کفاءةً لما یقوم به**" (مرکز الفتوی باشراف الدکتور عبداللہ الفقیہ)۔

۲۱-**فإذا ضیعت الأمانة فانتظر الساعة... قال: إذا وسد الأمر إلی غیر أهله فانتظر الساعة** (بخاری) (مولانا اشتیاق احمد اعظمی)

”رائے یا مشورہ“ کے قائلین کے دلائل:

☆مفتی راشد حسین ندوی نے ووٹ کی تمام شرعی حیثیتوں کا جائزہ لینے کے بعد لکھا ہے: الیکشن خواہ کسی اسلامی ملک میں ہو یا غیر اسلامی ملک میں، ووٹ کو اصطلاحی شہادت نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ:

۱-نہ تو یہاں مجلس قضا ہوتی ہے اور نہ لفظ شہادت ہوتا ہے، بلکہ پورا عمل خفیہ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے، جبکہ فقہاء نے لفظ شہادت کو شہادت کا رکن قرار دیا ہے۔”ورکنها لفظ أشهد لاغير“ (شامی ۴/۴۴۵)

۲-اسی طرح شہادت کی تعریف صادق نہیں آتی، صاحب عنایہ لکھتے ہیں:”**وهي في اللغة: عبارة عن الإخبار بصحة الشيئ عن مشاهدة أعيان، ولهذا قالوا: إنها مشتقة من المشاهدة التي تنبئ عن المعاينة، وهي في اصطلاح أهل اللغة: عبارة عن إخبار صادق في مجلس الحكم بلفظ الشهادة... الخ**“ (عنایہ ۶/۴۴۶-ردالمختار ۴/۴۱۱)۔

۳-فقہ اسلامی میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی جس کے لیے اتنی بڑی تعداد کے شہادت دینے کی ضرورت ہو، ہاں! لغوی طور پر شہادت قرار دیا جاسکتا ہے۔

توکیل کی دو قسمیں: (۱) توکیل عام (۲) توکیل خاص۔ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ووٹ کو توکیل خاص قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ ایک حلقہ کے کئی افراد مختلف جماعتوں کی طرف سے یا آزادانہ اپنی امیدواری پیش کرتے ہیں اور اس حلقہ کے لوگ الگ الگ آراء ظاہر کرتے ہیں، اگر یہ توکیل ہے تو تمام امیدواروں کو نمائندگی کا حق ملنا چاہئے، کیونکہ ہر نمائندہ کو کچھ نہ کچھ ووٹ ضرور ملتے ہیں اور وہ کسی نہ کسی کا وکیل ہوتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوتا۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ منتخب ممبر کو معزول یا بحال کرنے کا حق مخصوص اوقات تک کسی ووٹر کو نہیں ہوتا، جبکہ توکیل میں کسی بھی وقت موکل وکیل کو معزول کرنے کا اختیار رکھتا ہے: ”**فللمؤكل العزل متى شاء، مالم يتعلق به حق الغير**“ (شامی ۴/۴۶۳) معلوم ہوا کہ یہ کلی طور پر توکیل نہیں، البتہ تشبہ ضرور ہے۔

شفاعت یا سفارش قرار دینے میں یہ اشکال ہے کہ سفارش اس سے کی جاتی ہے جس کو کلی اختیار حاصل ہو، جبکہ الیکشن یا کوئی دوسرا ادارہ یا فرد اپنے طور پر کچھ کرنے کے مجاز نہیں ہوتے، بلکہ جسے زیادہ ووٹ حاصل ہوں اسے بہر حال منتخب قرار دیا جاتا ہے، یہ سفارش کے اصولوں کے خلاف ہے۔

مشورہ اور رائے ماننے میں بھی اگرچہ یہ تردد ہے کہ مشورہ لینے والے پر کثرتِ رائے کا ماننا لازم نہیں بلکہ وہ مختار

ہے، چاہے تو مشورہ نہ مانے یا اکثر کے مشورہ کو چھوڑ کر اقل کے مشورہ کو اختیار کرے، لیکن دوسری جہات کے مقابلہ میں کچھ اشکالات کے باوجود یہ جہت نسبۃً زیادہ واضح ہے۔

۴-ووٹ کے لفظی معنی عربی اردو میں متبادل الفاظ (صوت، استصواب رائے وغیرہ) سے یہی جہت زیادہ واضح ہوتی ہے۔ (مفتی راشد حسین ندوی)

۵-مشورہ سے حکومت کا قیام اور امورِ مملکت کو انجام دینا اسلام طرۂ امتیاز ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کو مشورہ دیتے ہوئے فرمایا: یا تو آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے خلافت کا معاملہ بلا نامزدگی مسلمانوں کے انتخاب پر چھوڑ دیں یا سنت صدیقی پر عمل کرتے ہوئے کسی کو اپنا جانشین مقرر کردیں یا سنت فاروقی کو اختیار کرتے ہوئے کوئی کمیٹی تشکیل دیں (تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی ۲/۴۱)۔

۶-**وشاورهم في الأمر**. (آل عمران:۱۵۹)۔

۷-واقعۂ افک میں حضور ﷺ کا حضرت علی، اسامہ، زینب بنت جحش اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے مشورہ لینا (بخاری ۲/۵۰۵/۵۹۶)۔

۸-غزوۂ احد میں بعض صحابہ کی رائے پر عمل کرتے ہوئے مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنا (فتح الباری ۷/۴۳۹)۔

۹-غزوۂ احزاب کے موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے خندق کی کھدائی (حوالہ سابق، ص:۴۹۹)۔

۱۰-اسیرانِ بدر کے بارے میں مشورہ اور صدیق اکبرؓ کی رائے سے موافقت اور اس پر فیصلہ (تفسیر رازی ۱۴/۵۳۸/۵۳۹، سورۂ انفال)۔

۱۱-**وأمرهم شورى بينهم**. (شوری:۳۸)۔

۱۲-خلافت راشدہ میں اکابر صحابہ کی ایک مجلس شوریٰ تھی، جس میں عمر کے تفاوت کا لحاظ کیے بغیر دانائی، قابلیت، علم وفضل، سیاسی سوجھ بوجھ اور ذہانت وذکاوت کو اصل معیار بنایا جاتا تھا (بخاری ۲/۱۰۷۳-قرطبی ۲۰/۱۵۹) (مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مولانا مجیب الرحمٰن ندوی، مولانا فیاض عالم قاسمی، مولانا توقیر بدر قاسمی)۔

☆مفتی انور علی اعظمی لکھتے ہیں: ہندوستان جیسے ملک میں ووٹ کو شہادت اور شفاعت اور وکالت بنانے میں بعض جگہوں پر بہت دشواری سمجھ میں آتی ہے، کیونکہ کہیں کہیں سارے ہی امیدوار نااہل ہوتے ہیں، اگر ہم ان کے حق میں شہادت دیتے ہیں تو یہ شہادت زور ہوگی، جو اکبر کبائر میں سے ہے اور اگر سفارش کرتے ہیں تو غلط آدمی کی سفارش کرنا بھی گناہ ہے،

”من یشفع شفاعة سیئة یکن له کفل منها“اسی طرح وکالت کا مسئلہ بھی ہے، وہ بھی حقوق مشترکہ میں وکالت بحیثیت وکیل جیتنے کے بعد ہمارا امیدوار جو کام کرے گا، ہم بھی اس کے حصہ دار ہوں گے...اس لیے تینوں جہات کے ساتھ ہندوستان جیسے جمہور ملک میں ایک چوتھے احتمال کی گنجائش بھی نکل سکتی ہے، وہ ہے رائے مشورہ۔ ووٹ لغت میں رائے دینے کو کہتے ہیں اور ووٹر کو رائے دہندہ کہا جاتا ہے۔

☆مولانا شیر علی صاحب نے ووٹ کے شرعی اعتبار کا صراحۃً ذکر تو نہیں کیا ہے لیکن ان کی تحریر سے اشارہ ملتا ہے کہ ان کے نزدیک ووٹ اظہار رائے ہے۔

☆مفتی محمد اشرف علی قاسمی گونڈوی نے ووٹ کو رائے اور مشورہ کی حیثیت دیتے ہوئے خلیفۂ راشد حضرت عثمان غنیؓ کے انتخاب کے طریقہ سے استدلال کیا ہے، اور تفصیلی بحث کرتے ہوئے انھوں نے اپنا موقف اسلام اور جمہوریت ص:۸۵، تاریخ الرسل والملوک للطبری ۵/۲۹۴۸، البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۷/۱۴۵-۱۴۶ سے مبرھن ومدلل کیا ہے۔

۱۳-المستشار مؤتمن. (ابوداؤد:۱۵۵۷)صحیح ودرست مشورہ امانت ہے۔

۱۴-إن الله یأمرکم أن تؤدوا الأمانات إلی أهلها...

۱۵-الأمانة في کل شيئ. (تفسیر قرطبی ۵/۱۶۶)(مولانا محمد فیاض عالم قاسمی)

۱۶-مولانا محمد توقیر بدر قاسمی لکھتے ہیں: اگرچہ ووٹ، شہادت، وکالت، شفاعت کا درجہ رکھتا ہے، مگر انگلش ڈکشنری سے ووٹ کی حیثیت فقہ اسلامی میں مشورہ کی ٹھہرتی ہے (بحوالہ مشہور انگلش لغت چیمبر، ص:۱۷۲۱)۔

۱۷-حضرت عمرؓ کا فرمان: ”لا خلافة إلا عن مشورة“ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۰/۵۷۴)۔

۱۸-مولانا ریحان مبشر مئوی قاسمی نے الیکشن کا پس منظر اور الیکشن کی شرعی حیثیت کا بھرپور جائزہ لینے کے بعد لکھا ہے:

ووٹ کی شرعی حیثیت شہادت کی نہیں ہے، جو حضرات شہادت مان کر ”ولا تکتموا الشهادة“ سے استدلال کرتے ہیں، مولانا موصوف نے ان کا رد اس طرح کیا ہے کہ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ نہیں کہ ووٹ شہادت ہے، کیونکہ یہ آیت تحمل شہادت، ادائیگی اور کتمانِ شہادت کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہے، اگر ہم اس کو بالفرض شہادت تسلیم کرلیں تب بھی یہ اشکال سے خالی نہیں، کیونکہ شہادت ماننے کی صورت میں یہ لازم ہوگا کہ اس سلسلہ میں عورتوں کے ووٹ کو بنص قرآنی اور باجماع امت نصف تسلیم کریں، ”فإن لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان“ نیز ”ونصابها لغیرها من

الحقوق سواء كان الحقوق مالاً أو غيره كنكاح وطلاق ووكالة ووصية... رجلان أو رجل وامرأتان" (الدرالمختار ۸/۱۷۸)۔

اسی طرح ووٹ دینے والے میں شاہد کی تمام شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، مثلاً: عاقل، بالغ، آزاد، بینا، قوتِ گویائی پر قادر ہونا نیز عادل وغیرہ ہونا، اسی طرح علامہ ابن نجیمؒ نے سترہ شرطوں کا ذکر کیا ہے: "**وذكر أن ما يرجع إلى الشاهد السبعة عشر العامة والخاصة**..." (ردالمحتار ۸/۱۷۳) لیکن دنیا جانتی ہے کہ ان شرائط کا قطعی لحاظ نہیں ہوتا، اور الیکشن کمیشن عورتوں کے ووٹ کو مردوں کے برابر قرار دیتی ہے۔

☆مفتی طارق انور قاسمی کے نزدیک مشورہ اور رائے کی حیثیت راجح ہے، کیونکہ انتخاب کے زمانے میں گویا صدر جمہوریہ ہی کے ہاتھ میں تمام امور کا زمام ہوتا ہے، اور مناسب شخص کے لیے ووٹ کے ذریعہ رائے لیتا ہے، جہاں تک صدر جمہوریہ کے اکثریت کی رائے قبول کرنے پر مجبوری کا تعلق ہے تو یہ الیکشن کے مشورہ ہونے میں قابل قدح نہیں ہے، اس لیے کہ اکثریت کی رائے کی اپنی قیمت ہے، غزوۂ احد کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثریت کی رائے پر عمل کرتے ہوئے مدینہ منورہ سے باہر نکل کر جہاد فرمایا۔ موصوف نے کئی حدیثیں مثلاً: **عليكم بالسواد الأعظم** (ابن ماجہ: ۳۹۵۰) **عليكم بالجماعة** (ترمذی: ۲۱۶۵) **يد الله على الجماعة** (نسائی الکبریٰ ۳۴۸۳) وغیرہ ادلہ سے اپنی بات مدلل کی ہے (تفصیل کے لیے "**الشورى وأثرها في الديمقراطية**"، عبدالحمید اسماعیل انصاری، ص: ۲۲۵/۱۱۱ دیکھیں) شہادت قرار دینے پر موصوف نے کئی اشکالات پیدا کیے ہیں، مثلاً ووٹر اگر شاہد ہے تو اس میں فقہاء کی بیان کردہ شرطوں کا منطبق نہ ہونا، یا اسی طرح فقہاء نے ان مقامات کی صراحت کی ہے، جہاں صرف مردوں کی شہادت قبول ہوتی ہے عورتوں کی نہیں۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں: "**مضت السنة من رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفتين من بعده بأنه لا تجوز شهادة النساء في حدود ولا نكاح ولا طلاق**" (مصنف عبدالرزاق ۷/۳۳۲)۔

ووٹ کو وکالت ماننے میں یہ اشکال ہے کہ (۱) عقد وکالت میں موکل کا کوئی لفظ ایسا ہو جو اس کی رضامندی کا تقاضا کرے، انتخاب میں ایسا نہیں ہے، (مغنی المحتاج ۲/۲۸۸، النجم الوہاج ۵/۳۸) (۲)، موکل کے لیے شرط یہ ہے کہ جس کام کا اس نے وکیل بنایا ہے، اس کے لیے خود انجام دینا درست ہو، لہٰذا عورت کا کسی شخص کو ایسے کام کا وکیل بنانا درست نہیں، جس کو وہ خود انجام نہ دے سکے (النجم الوہاج ۵/۲۷، مغنی المحتاج ۲/۲۸۲)۔

ترجیح:

راقم نے ووٹ کے شہادت نہ ہونے پر دس دلائل ذکر کئے ہیں جن میں سے اکثر گزر چکے ہیں، رائے اور مشورہ پر بھی مختلف زاویے سے روشنی ڈالی ہے، تفصیل کا موقع نہیں، دلائل کی قوت، کثرت اور صراحت کے لحاظ سے ان حضرات کا نقطۂ نظر زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے جو ووٹ کو محض رائے اور مشورہ کی حیثیت دیتے ہیں۔

سوال نمبر ۲ اگر ووٹ شہادت کے درجہ میں ہے تو اس کا حکم شرعی کیا ہوگا، ووٹ دینا صرف جائز ہوگا، یا مستحب یا واجب؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات کے تین نقطہائے نظر ہیں:

(الف) صرف واجب (ب) صرف جائز (ج) عام حالات میں جائز اور بعض مخصوص حالات میں واجب (د) جواز، واجب، استحباب میں مقامی اور شخصی حالت کا اعتبار اور اسی پر دار و مدار ہے۔

(الف) صرف جواز کے قائلین:

ووٹ کو محض جائز قرار دینے والے حضرات علمائے کرام یہ ہیں:

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محمد قمر عالم قاسمی، مولانا ریحان مبشر مئوی قاسمی، راقم رحمت اللہ ندوی۔

(ب) عام حالات میں جائز اور بعض حالات میں واجب:

اس رائے کے حاملین حسب ذیل حضرات ہیں:

مفتی راشد حسین ندوی، مولانا عبیداللہ ندوی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی۔

(ج) ایک سے زائد حکم:

ووٹ کو حالات کے تابع مان کر کبھی وجوب، کبھی جواز، کبھی استحباب واستحسان کے احکام جاری کرنے والے حضرات یہ ہیں:

مولانا محمد مقصور عالم فرقانی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی نصراللہ ندوی، مولانا نثار عالم ندوی، مفتی انور علی اعظمی، ڈاکٹر محمد مبین سلیم ندوی ازہری۔

مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ بقیہ مقالہ نگاروں کی رائے وجوب کی ہے۔

☆ ڈاکٹر محمد مبین سلیم کے نزدیک ووٹ قانونی وشرعی مصلحت واہمیت کے پیش نظر کبھی جائز، کبھی مستحب اور کبھی

ناجائز ہوگا، یہ ان مسائل میں سے ہے جن کے احکام شرعی واقعات، حالات، زمان ومکان کے بدلنے سے مصالح ومضار کی بنا پر بدلتے رہتے ہیں۔

☆مولانا نثار عالم ندوی کا کہنا ہے کہ ووٹ کی چار مختلف شکلوں (شہادت، شفاعت، وکالت اور مشورہ) میں سے شہادت مان کر وجوب کے دائرہ میں دیا جاسکتا ہے، لیکن باقی تین شکلوں میں، خاص کر مشورہ اور رائے ماننے والی شکل میں وجوب قرار نہیں دیا جاسکتا، البتہ جائز، مستحسن، مستحب اور لازم قرار دیا جاسکتا ہے، اور بوجوہ یہی رائے بہتر معلوم ہوتی ہے: (الف) جمہوری نظام غیر اسلامی نظام ہے، اور بوقت ضرورت اس میں شرکت کی گنجائش ہے نہ کہ وجوب۔ (ب) **دفع المضرة أولى من جلب المنفعة، من ابتلى ببليتين فليختر أهونهما، درء المفاسد أولى من جلب المصالح** وغیرہ قواعد فقہی سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، واجب کہہ کر تکلیف مالا یطاق کا طوق گردن میں کیوں کر ڈالا جاسکتا ہے۔ (ج) موجودہ صورت حال اور ''ملی ومذہبی مفادات کی حفاظت'' والی موہوم صورت میں واجب نہیں کہا جاسکتا ہے۔ (د) ترک واجب پر جو وعیدیں وارد ہیں وہ ترک ووٹ پر منطبق ہوتی ہوئی نظر نہیں آتیں۔ ہاں! وقت کے حالات اور نزاکت کے لحاظ سے اس میں شدت لائی جاسکتی ہے، لیکن وجوب قرار دینا غیر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

☆مفتی انور علی الاعظمی ووٹ کے حکم کو امیدوار پر موقوف مانتے ہیں، اگر چند امیدواروں میں سب کے سب نااہل، مال ودولت کے حریص اور اپنے عہدہ کا غلط استعمال کرنے والے ہوں تو ایسی صورت میں ووٹ شہادت زور ہوگا، اور اگر امیدوار اچھا ہے اور ظن غالب یہ ہے کہ جیتنے کے بعد اپنے عہدہ کا صحیح استعمال کرے گا تو ووٹ دینا واجب ہوگا، اور جہاں امیدوار کی اچھائی کا ظن غالب تو نہ ہو، لیکن مجموعی طور پر اس کا جیتنا ملک وملت کے حق میں مفید ہو تو اس کو ووٹ دینا جائز ہونے کے ساتھ مستحب ہوگا۔

جواز اور وجوب کے قائلین:

☆مفتی راشد حسین ندوی لکھتے ہیں: ووٹ کو مکمل طور پر شہادت نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، لہٰذا گواہی چھپانے کی کتاب وسنت میں جو وعیدیں وارد ہوئی ہیں ان کو یہاں پر منطبق نہیں کیا جاسکتا، بالفرض اس کو شہادت قرار بھی دیا جائے، تب بھی ووٹ دینے کو مطلقاً واجب قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ شہادت دینے کا وجوب خاص شرائط کے پائے جانے پر ہوتا ہے، فتاوی ہندیہ میں ہے:

''**ويلزم أداء الشهادة ويأثم بكتمانها إذا طلب المدعي، وإنما يأثم إذا علم أن القاضي يقبل**

شهادته وتعين عليه الأداء، وإن علم أن القاضي لا يقبل شهادته أو كانوا جماعة فأدى غيره ممن تقبل شهادته فقبلت، قالوا: لا يأثم من لم يؤد إذا كان ممن تقبل شهادته.... وإن كان موضع الشاهد بعيداً من موضع القاضي بحيث لا يمكنه أن يغدو إلى القاضي لأداء الشهادة ويرجع إلى أهله في يومه ذلک قالوا: لا يأثم". (ہندیہ ۳/۴۵۲)۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:"**وسبب وجوبها طلب ذي الحق أو خوف فوت حقه بأن لم يعلم بها ذوالحق وخاف فوته، لزمه أن يشهد بلا طلب**" (شامی ۴/۴۱۱)معلوم ہوا کہ ہر حالت میں شہادت واجب نہیں ہوتی، لہٰذا ووٹ کو شہادت بھی مان لیں تو وجوب اسی وقت ہوسکتا ہے جب ہر اعتبار سے لائق اور مستحق نمائندہ کھڑا ہو، اس کے مقابل بالکل غیر مستحق ہو۔

موصوف کے نزدیک ووٹ کو شہادت کے بجائے مشورہ یا رائے قرار دینے پر بھی بعض اوقات وجوب ہوسکتا ہے، اس لیے کہ یہ تعاون علی البر ہے "**وتعاونوا على البر والتقوى**"اور حدیث "**من رأى منكم منكراً**". الخ دلیل ہے۔

اگر نمائندوں میں کوئی بھی مستحق نہ ہو تو اھون البلیتین کو مدنظر رکھتے ہوئے نسبۃً بہتر نمائندہ کو ووٹ دینا بہتر یا جائز (الگ الگ حالات میں) تو ہوسکتا ہے، واجب نہیں قرار دیا جاسکتا، خواہ اسے شہادت قرار دیا جائے یا کچھ اور۔

☆ مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی لکھتے ہیں: ووٹ دینا محض توکیل ہے اور توکیل کا عمل صرف جائز ہوتا ہے، اس لیے عام حالات میں ووٹ دینا جائز ہوگا، البتہ اگر ووٹ نہ دینے سے ملک وقوم کا نقصان اور ضرر عام ہو تو واجب ہوگا، لیکن اگر دونوں امیدوار ظلم وجور میں مساوی ہوں تو ووٹ نہ ڈالنے پر بھی کوئی ملامت نہیں ہے۔

☆ مولانا اقبال احمد قاسمی وجوب کے قائل ہیں، البتہ بعض دفعہ بعض امیدواروں میں یا بعض علاقوں یا بعض الیکشنوں میں ایسی صورت حال ہوتی ہے کہ کسی کی شکست یا فتح سے کوئی خاص اثر نہیں پڑتا، یا امیدوار ایسے ہوتے ہیں کہ ترجیح دینا مشکل ہوجاتا ہے، اس طرح کی صورت حال میں ووٹ واجب نہیں بلکہ صرف جائز یا مستحب رہ جاتا ہے۔

دلائل وجوب:

ووٹ کو واجب قرار دینے والے حضرات وہ ہیں جنھوں نے اس کو شہادت کی حیثیت دی ہے اور ان کے دلائل بھی قرآن واحادیث سے وہی ہیں جو شہادت کی ترغیب یا کتمانِ شہادت اور شہادتِ زور کی ترہیب میں ہیں، مثلاً:

۱-**أقيموا الشهادة لله**. (طلاق:۲)۔

۲-ولا یأب الشهداء إذا ما دعوا.

۳-یا أیها الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شهداء لله .(النساء:۱۳۵)۔

۴-یاأیها الذین آمنوا کونوا قوامین لله شهداء بالقسط ولا یجرمنکم شنآن قوم. الخ (مائدہ:۸)۔

۵-ولا تکتموا الشهادة من یکتمها فإنه آثم قلبه . (بقرہ)۔

۶-والذین لا یشهدون الزور .(فرقان:۷۲)۔

۷-والذین هم بشهاداتهم قائمون.(معارج:۳۳)۔

احادیث:

۸-....عدلت شهادة الزور الإشراک بالله، ثلاث مرات، ثم قرأ: فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور.(ابوداؤد:۳۵۹۹)۔

۹-ألا أخبرکم بخیر الشهداء، الذی یأتی بشهادته قبل أن یسألها .(ترمذی:۲۳۹۵)۔

۱۰-ووٹ امانت ہے اور امانت کا کتمان معصیت اور اللہ کے حکم کی مخالفت ہے۔إن الله یأمرکم أن تؤدوا الأمانات إلی أهلها۔ المستشار مؤتمن، معناه: أن المستشار أمین فیما یسأل من الأمور، فلا ینبغی أن یخون المستشیر بکتمان مصلحته.(تحفۃ الأحوذی ۸/۱۰۹)۔

۱۱-بعض فقہی عبارتیں مثلاً فتاویٰ بزازیہ، شامی وغیرہ۔

۱۲-مولانا توقیر بدر قاسمی ووٹ کو اگرچہ مشورہ کی حیثیت دیتے ہیں، لیکن حکم وجوب کا لگاتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ محض مشورہ سمجھ کر اسے ٹالا نہیں جاسکتا،"وشاورهم فی الأمر"، لا خلافة إلا عن مشورة .(مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۵۷۴) إذا استنصح رجل أخاه فلینصح له، (رواه البخاری تعلیقاً ۱/۲۸۹)وغیرہ دلائل سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سربراہانِ ملک وحاکموں کو ہر میدان کے ماہر وشعبہ کے ایکسپرٹ سے لازمی طور پر مشورہ کا پابند بنایا جانا معلوم ہوتا ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہر ووٹ دینے والا ایکسپرٹ ہوتا ہے کہ اسے واجب کہا جائے؟

☆مفتی نصر اللہ ندوی، ووٹ کو جمہوری نظام میں حکومت اور اربابِ حکومت کی اصلاح اور منکرات کی روک تھام کا ایک بہت بڑا ذریعہ سمجھتے ہیں اور ”من رأى منكم منكراً.... الخ“ کی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض منصبی بھی، ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ انتخابی مہم کے دوران امیدوار ہر ممکن طریقہ سے لوگوں سے رابطہ کرتا ہے، گھر گھر پہنچ کر ذاتی طور سے ملاقات کرتا ہے، پوسٹر، بینر، ہنڈ بل، اشتہارات کے ذریعہ ووٹروں سے اپنے حق میں ووٹ ڈالنے کی اپیلیں کرتا ہے، گویا وہ ہر ووٹر سے اپنے حق میں گواہی طلب کرتا ہے، فقہی نقطۂ نظر سے اگر گواہی طلب کی جائے اور اندیشہ ہو کہ اگر گواہی نہ دی جائے گی تو حقدار کی حق تلفی ہوگی تو گواہی دینا واجب ہے، اس لیے اگر کوئی امیدوار اس لائق ہو کہ اسے ووٹ دیا جائے اور نہ دینے کی صورت میں اس کی شکست کا ظن غالب ہو تو ووٹ ڈالنا واجب ہوگا (ولا يأب الشهداء وغیرہ آیات اور بدائع ۶/ ۲۸۲ کا حوالہ)۔

☆مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی کے نزدیک عمومی حالات میں واجب علی الکفایہ اور خصوصی حالات میں واجب علی العین ہے۔ مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی کے نزدیک بھی ووٹ واجب کفایہ ہے۔

☆مفتی تنظیم عالم قاسمی نے خلاصۂ کلام میں لکھا ہے: عام حالات میں ووٹ دینا فرض کفایہ اور جب مسلم دشمن حکمراں کا آنا یقینی یا ظن غالب ہو، جس سے مقاصد شریعت کا تحفظ نہ ہو سکے تو ووٹ دینا فرض عین ہوگا۔

☆مولانا مصطفیٰ عبد القدوس ندوی کے نزدیک ووٹ ڈالنے کے وجوب کی وجوہات یہ ہیں:

۱- الیکشن اور ووٹ سے کنارہ کشی اور علاحدگی ناعاقبت اندیشی کے ساتھ ان سیاسی پارٹیوں کو کامیاب کرنا ہے جو مسلمان کو حق رائے دہی سے محروم کرنا چاہتی ہیں، اور اس سے عزت و آبرو اور جان و مال کا خطرہ ہے جبکہ ووٹ دے کر ہم بادشاہ گر نہیں تو اس کا کردار ادا ہی کر سکتے ہیں۔

۲- جمہوری ملک میں ووٹ بھی ایک بڑی طاقت ہے اور ”**وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة**“، میں داخل ہے۔

۳- ووٹ ایک نعمت اور مؤثر ہتھیار ہے، لہٰذا ووٹ نہ دینا نعمت کو ضائع کرنا اور ناقدری کرنا ہوگا، اور نااہل کو ووٹ دینا نعمت کا غلط استعمال ہوگا، اور نعمتوں کے بارے میں اللہ کے یہاں سوال ہوگا، **واشكروا نعمة الله إن كنتم إياه تعبدون/ من شكر فإنما يشكر لنفسه/ما يفعل الله بعذابكم إن شكرتم الخ/ لئن شكرتم لأزيدنكم الخ.**

۴- برائی کا روکنا واجب ہے اور نااہل کو ووٹ نہ دے کر ایک مفسدہ سے قوم و ملک کو بچانا اور ایک شر کو روکنا ہے۔

۵- حضرت عمرؓ نے کسی سے پوچھا علم کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ”معرفة الخير من الشر“ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا:

’’معرفۃ خیر الشرین‘‘ (الأشباہ لابن نجیم ۱/۸۹) ووٹ میں شرکت اور عدم شرکت دونوں ہی صورتیں شر وفساد سے خالی نہیں، البتہ ووٹ دینا نہ دینے سے کم شر ہے، **وإذا تعارضت مفسدتان روعی أعظمهما ضرراً بارتکاب أخفهما (الأشباه ۱/۸۹)۔ لو کان أحدهما أعظم ضرراً من الآخر، فإن الأشد یزال بالأخف** (حوالہ سابق)۔ **من ابتلی ببلیتین وهما متساویان یأخذ بأیتهما شاء، وإن اختلفا یختار أهونهما** (حوالہ سابق)۔

۶-الیکشن اور حکومتی نظام کی شرعی قباحتوں کے باوجود ان میں شرکت کی جائے گی، جس طرح اگر کفار مسلمانوں سے جنگ کے موقع پر مسلم قیدیوں یا بچوں کو ڈھال بنائیں تو کافروں کو نشانہ بنانے کی نیت سے تیر چلانا درست ہوگا۔

ترجیح:

سوال نمبر ۱ میں یہ تفصیلی ذکر آچکا ہے کہ ووٹ کی شرعی حیثیت شہادت قرار دینا درست نہیں، کیونکہ شہادت اور شاہد اور ادائے شہادت کی شرطیں اس پر منطبق نہیں ہوتیں، لہٰذا شہادت کی بنیاد پر وجوب کا حکم لگانا بھی مناسب نہیں ہوتا، راقم الحروف کی رائے میں ووٹ کی حیثیت محض ایک حق رائے دہی کی ہے، جو صرف جائز اور درست ہے، ہر صاحب حق کو اپنا حق استعمال کرنا چاہیے اور اس کی اسے ترغیب بھی دی جاسکتی ہے، لیکن بہرحال وہ مختار ہے، کسی صورت میں اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی ترک حق پر مؤاخذہ اور ملامت کا مستحق ہے، رائے اور مشورہ کی حیثیت وجوب کی نہیں ہوتی، نہ ہر معاملہ میں رائے لینا اور دینا واجب اور نہ ہر کس وناکس سے طلب رائے یا اس کی طرف سے اظہار رائے مناسب، اگر کسی سے مشورہ لیا جائے تو مستشار پر صحیح اور درست رائے دینا تو واجب ہے لیکن اگر وہ طلب رائے کے بعد بھی رائے نہ دے یا اپنا یہ حق محفوظ رکھے تو اس کا اختیار ہے، اس کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ضرور رائے یا مشورہ دے۔ بایں وجوہ ناچیز کی ناقص رائے میں ان حضرات کا موقف اور نقطۂ نظر زیادہ درست اور لفظ ووٹ کے معنی اور مفہوم سے ہم آہنگ معلوم ہوتا ہے جو اس کو رائے کی حیثیت دیتے ہوئے محض جائز مانتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

سوال نمبر ۳: الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا کیا حکم ہے؟

کسی منصب کا طالب اور خواہش مند ہونا یا کسی عہدہ کے لئے از خود پیش کش کرنا کوئی پسندیدہ بات اور مستحسن اقدام نہیں، بلکہ بہتر یہ ہے کہ کسی قابل اور اہل شخص کو دوسرے لوگ نامزد کریں، لیکن بصورت دیگر بشرط اہلیت بحیثیت امیدوار خود کو پیش کرنے کے جواز پر مولانا محمد الاعظمی کے علاوہ تمام مقالہ نگار حضرات متفق ہیں، حتی کہ بعض حضرات نے

وجوب تک قرار دیا ہے، ہاں! اگر اہلیت نہ ہو، یا طلب حب مال واقتدار، سلطنت کی ہوس اور لالچ ہو، یا عدل وانصاف قائم نہ رکھ پانے کا یقین یا ظن غالب ہو، یا عہدہ پر فائز ہو کر کسی سے انتقام لینا مقصد ہو تو ایسی صورت میں عہدہ طلب کرنا ممنوع اور حرام بھی ہو جاتا ہے۔

☆مولانا محمد الاعظمی لکھتے ہیں: الیکشن میں یا کسی بھی دینی اور دنیاوی عہدہ کے لئے اپنے آپ کو امیدوار کے طور پر پیش کرنے یا خود طلب گار ہونے کا شرعی حکم بالکل واضح ہے کہ یہ جائز نہیں، اس پر کئی شرعی دلائل قائم ہیں، مثلاً حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم کی حدیثیں۔ (آگے ان حدیثوں کا ذکر آ رہا ہے)

مانعین جواز کے دلائل:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امارت یا منصب طلب کرنا یا اس کی خواہش کرنا شرعاً ناپسندیدہ اور غیر مستحسن بات ہے، مندرجہ ذیل احادیث سے یہی واضح ہوتا ہے:

۱۔ عن عبدالرحمن بن سمرةؓ قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: یا عبدالرحمن بن سمرة! لا تسئل الإمارة فإن أعطیتها عن مسألة وکلت إلیها وإن أعطیتها من غیر مسألة أعنت علیها (متفق علیہ)۔

۲۔ عن أبی موسی الأشعریؓ قال: دخلت علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أنا ورجلان من بنی عمي، فقال أحد الرجلین یارسول اللّٰه! أمّرنا علی بعض ماولّاک اللّٰه عزوجل، وقال الآخر مثل ذلک فقال: أماواللّٰه لا نولی علی هذا العمل أحداً سأله أو أحداً حرص علیه. (متفق علیه)

۳۔ عن أبی ذرؓ قال: قلت یا رسول اللّٰه! ألا تستعملنی؟ قال: فضرب بیده علی منکبی ثم قال: یا أباذر! إنک ضعیف وإنها أمانة وإنها یوم القیامة خزی وندامة إلا من أخذها بحقها وأدی الذی علیه فیها. (مسلم شریف)

۴۔ عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: إنکم ستحرصون علی الإمارة وستکون ندامة یوم القیامة فنعمت المرضعة وبئست الفاطمة. (بخاری) (مولانا عبیداللہ ندوی اور رحمت اللہ ندوی وغیرہ)

لیکن ان احادیث میں ممانعت کی کوئی نہ کوئی وجہ ہے، مثلاً حضرت ابوذرؓ کو یہ فرمایا کہ تم کمزور ہو اور ذمہ داری تمہارے سنبھالے نہ سنبھلے گی، پھر یہ خیر القرون کی بات ہے، جب ہر منصب اور عہدہ کے لئے ایک سے زائد اہل موجود ہوا کرتے تھے، اور ذمہ داریوں اور مناصب کی تقسیم میں اہل کو ترجیح دی جاتی تھی، تعلق وتملق اور قرابت داری اور دوستی کی بنیاد پر کسی کو ترجیح حاصل نہ تھی، آج کل کے حالات ماضی اور عہد نبوی سے بڑے مختلف ہیں۔

عہدہ طلبی کے مجوزین کے دلائل:

مانعین جواز کے دلائل کی توجیہ وتاویل کے بعد قائلین جواز کے دلائل ذکر کئے جاتے ہیں:

۱-حضرت یوسف علیہ السلام کا قول "**اجعلنی علی خزائن الأرض إنی حفیظ علیم**" یہ دلیل تقریباً تمام مقالہ نگاروں کی ہے۔

۲-حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا: "**رب ھب لی ملکا لا ینبغی لأحد من بعدی**".

۳- قائلین جواز نے ان احادیث کی مناسب تاویل وتوجیہ کی ہے جن میں عہدہ طلب کرنے کی ممانعت ہے۔(مولانا عبیداللہ ندوی)

۴-حضرت عمرؓ نے چھ آدمیوں کو خلافت کے لئے نامزد کیا تھا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جب حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ آپ میں سے کون ایک دوسرے کے حق میں دستبردار ہوتا ہے؟ اس پر وہ دونوں خاموش رہے، یہ خاموشی خود کو منصب خلافت کے لئے نامزد کرنے کی ضمنی لیکن صریح دلیل ہے، کیونکہ ہر ایک اپنے کو مسلمانوں کے حق میں مفید اوران کی خدمت کی صلاحیت رکھنے والا سمجھتا تھا (البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۷/ ۱۴۵-۱۴۶)۔

۵-امام ماوردی رقمطراز ہیں: **وإن لم یقم بھا -أی بالإمامة - أحد، خرج من الناس فریقان: أحدھما أھل الاختیار حتی یختاروا إماماً للأمة، والثانی : أھل الإمارة حتی ینتصب أحدھم للإمامة** (الأحکام السلطانیۃ فی الولایات الدینیۃ، ص: ۳۰)۔

حتی ینتصب أحدھم للإمامة کا مطلب خود کو نامزد کرنا ہے۔

۶-نظام کفر میں عہدہ کی طلب یا قبول مکروہ نہیں جب کہ ظلم وجور سے مامون ہونے کی امید ہو، "**وإن تعین له أو أمنه لایکرہ**" (الدر المختار ۸/ ۴۲) (مفتی شاہجہاں ندوی)۔

۷- **ثم الولایة وإن کانت جائزة أو مستحبة أو واجبة، فقد یکون فی حق الرجل المعین**

أوجب أو أحب، فيقدم حينئذ خير الخيرين وجوباً تارة واستحباباً أخرى الخ (مجموع الفتاوی لابن تیمیہ،۲۰/۵۶) (مولانا نصر اللہ ندوی)۔

۸- أما إن لم يكن في البلد من يقوم مقامه فإنه يتعين عليه لكونه من فروض الكفاية. (ہدایہ ۳/۱۳۳)۔

۹- إن طلب الإمارة والقضاء من حيث الإمارة والحكومة لحب المال والرياسة والشرف منهي عنه مطلقاً سواء كان بالقلب وحده أو باللسان أيضاً لكونه من ناحية الدنيا لا الدين، وأما طلبها لا من حيث الإمارة بل لإرادة الإصلاح بين الناس وإقامة العدل فيهم والقضاء بالحق لما في العدل من الأجر الجزيل، فليس بمنهي عنه، لا بالقلب ولا باللسان بدليل قوله صلى الله عليه وسلم: لا حسد إلافي اثنين. .الخ (إعلاء السنن ۱۵/۴۴) (مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا غلام رسول منظور قاسمی، مولانا محمد صادق مبارک پوری)

۱۰- وهذا لايخالف مافرض في الحديث الذي قبله من الحصول بالطلب وبغير طلب، بل في التعبير بالحرص إشارة إلى أن من قام بالأمر عند خشية الضياع يكون كمن أعطى بغير سؤال لفقد الحرص غالباً لمن هذا شأنه، وقد يحتضر الحرص في حق من تعين عليه لكونه يصير واجباً عليه (فتح الباری ۱۳/۱۱۲) (مفتی تنظیم عالم قاسمی)

۱۱- اجعلني على خزائن الأرض کی تفسیر میں علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: سأل العمل لعلمه بقدرته عليه ولما فيه من المصالح للناس (۲/۶۲۷)

۱۲- وصف يوسف عليه السلام نفسه بالأمانة والكفاية وطلب الولاية ليتوصل بها إلى إمضاء أحكام الله وإقامة الحق وبسط العدل مما يبعث لأجله الأنبياء إلى العباد.... ومن هذا القبيل اشتغال الخلفاء الراشدين بأمر الخلافة..... وفيه دليل على جواز طلب الولاية والقضاء. (تفسیر مظہری ۵/۱۷۳- ترجمہ شیخ الہند ۳۲۱- معارف القرآن ۵/۹۱) (مولانا حیدر علی قاسمی)

۱۳- لو علم إنسان من نفسه أنه يقوم بالحق في القضاء أو الحسبة ولم يكن هناك من يصلح ولايقوم مقامه لتعين ذلك عليه ووجبت أن يتولاها ويسأل ذلك. (قرطبی ۹/۱۴۲)۔

۱۴- حضرت عثمان بن العاص ثقفیؓ نے عرض کیا: يا رسول الله اجعلني إمام قومي، فقال النبي صلى الله

علیہ وسلم أنت إمامھم، واقتدبأضعفھم، واتخذ مؤذنا، لایأخذ علی أذانه أجراً،(مسنداحمد:۱۵۶۷۶، ترمذی:۲۶۶)۔

۱۵-من طلب قضاء المسلمین حتی یناله ثم غلب عدله جوره فله الجنة، ومن غلب جوره عدله فله النار. (ابوداؤد:۳۱۰۶)۔

۱۶- یختلف الحکم باختلاف حال الطالب، فإن کان لا یصلح لھا إلا لشخص وجب علیه أن یطلبھا... وإن کان ھناک من ھو أولی منه کرہ له طلبھا، وإن کان غیر صالح حرم علیه طلبھا.(الموسوعۃ الفقھیۃ ۶/۲۸۱،تحفۃ المحتاج ۷/۵۴۰-اسنی المطالب ۴/۱۰۸)مفتی محمد عارف باللہ قاسمی۔

بعض مقالہ نگاروں نے عہدہ طلبی کو بعض شروط وقیود کے ساتھ مشروط بھی کیا ہے۔

☆ مولانا عبیداللہ ندوی نے ہندوستان کے موجودہ حالات کے تناظر میں بحیثیت امیدوار اپنے آپ کو پیش کرنے کو واجب قرار دیا ہے، ان کے دلائل وجوب کا خلاصہ یہ ہے:

۱-الیکشن میں شرکت سے بے شمار قومی، ملی، مذہبی مفادات اور فوائد وابستہ ہیں، جن کا حصول شرکت کے بغیر ممکن نہیں۔

۲- غیر اسلامی قوانین ودفعات کو چیلنج کرنے اور ان کی منسوخی کے لئے صدائے احتجاج بلند کرنے کا یہی مؤثر ذریعہ اور طریقہ ہے۔

۳-الیکشن میں شرکت اور عدم شرکت دونوں ہی مفسدہ ہیں، لیکن اہون شرکت ہے، اس کے بعد چند قواعد فقہیہ ذکر کئے ہیں۔

☆ مفتی راشد حسین ندوی الیکشن میں ایسے شخص کے لئے امیدوار بننے کو جائز کہتے ہیں جو دیانتدار، امانتدار اور حوصلہ مند ہو، قوم کی نمائندگی کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو، اگر کسی وصف میں کمی ہو تو شرعاً اس کے لئے نمائندہ بننا جائز نہیں ہوگا، وہ مزید لکھتے ہیں کہ نمائندہ بننے کے بعد اس کے لئے یہ بھی ضروری ہوگا کہ انتخابی مہم چلانے میں کوئی خلاف شریعت بات نہ کرے، مثلاً ناقابل عمل جھوٹا وعدہ نہ کرے، مدمقابل پر بے جا الزامات لگا کر اس کی کردار کشی نہ کرے، نہ اپنی جھوٹی اور خلاف واقعہ تعریف کرے، الغرض انتخابی مہم چلانے میں کسی محظور شرعی کا مرتکب نہ ہو۔ (یہ شرطیں مولانا احسن عبدالحق ندوی اور مفتی طارق انور قاسمی نے بھی ذکر کی ہیں)

☆ مولانا قمر الزماں ندوی کا کہنا ہے کہ باشعور اور لائق افراد کا خود کو امیدواری کے لئے پیش کرنا جائز ہی نہیں بلکہ

ضروری ہے، اگر کوتاہی کریں گے تو عند اللہ ماخوذ ہوں گے۔

☆ مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی نے ایک اہم بات یہ ذکر کی ہے کہ غالبًا موجودہ جمہوریت میں اسلامی نقطۂ نظر کو اصولاً تسلیم کیا گیا ہے اور نامزدگی کا فارم بھرتے وقت کم سے کم دو آدمیوں کے نام لکھے جاتے ہیں جو ان کو امیدوار بنانا چاہتے ہیں۔

☆ مفتی عبد الرحیم قاسمی کا خیال ہے کہ اگر صاحب اہلیت کو یہ محسوس ہو کہ عدل کے قیام و دفع شر کا امکان ہے یا یہ کہ وہ وطن اور اہل وطن کے لئے واضح مصلحت سمجھتا ہو تو اپنے آپ کو پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کی تائید نجاشی کے واقعہ سے ہوتی ہے کہ وہ اسلام لانے کے بعد بھی ایک غیر مسلم قوم کے بادشاہ بنے رہے۔

☆ مفتی تنظیم عالم قاسمی اور مولانا شیر علی صاحب کی رائے میں صاحب استطاعت کا الیکشن میں بحیثیت امیدوار پیش کرنا واجب اور ضروری ہے۔

☆ مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی کے نزدیک عام حالات میں نامناسب لیکن استثنائی صورت میں جائز بلکہ بعض اوقات واجب تک پہنچ جاتا ہے، اگر کامیابی کا یقین یا ظن غالب ہو تو واجب (**وأعدوا لهم مااستطعتم من قوة**)، اگر کامیابی کا یقین یا ظن غالب تو نہ ہو مگر امیدوار بننے سے اسلام اور مسلمانوں کو نفع پہنچنے کی امید ہو تو مستحب (**وابتغوا من فضل الله**)۔ اپنا کوئی ذاتی فائدہ ہو اور اسلام اور مسلمانوں کا کوئی نقصان نہ ہو تو جائز (الأصل في الأشياء الإباحة)۔

مولانا مظاہر حسین قاسمی تینوں صورتوں کے قائل ہیں۔

☆ مفتی طارق انور قاسمی کے نزدیک یہ جواز ضرورۃً ہے، لہٰذا ضرورت کو بقدر ضرورت ہی رکھا جائے گا۔ **الضرورة تقدر بقدرها** (اشباہ للسیوطی، ص: ۸۴)، لہٰذا امیدواروں پر ضرورت کا پابند رہنا حتی الامکان واجب ہے اور بقدر ممکن شرعی مخالفتوں کو کم کرنے کی کوشش بھی۔

☆ مولانا فیاض عالم قاسمی اور رحمت اللہ ندوی نے پانچ درجات متعین کئے ہیں:

۱- جائز- ہندوستان کے حالات کے تناظر میں جہاں مسلمانوں کو ان کی سیاسی حیثیت کمتر ہونے کی وجہ سے قدم قدم پر مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے حتی کہ ان کی جان و مال خطرے میں ہیں، عہدہ طلب کرنا یعنی بحیثیت امیدوار الیکشن میں کھڑا ہونا جائز ہے۔ بشرطیکہ عہدہ کی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دینے کی قابلیت اور صلاحیت موجود ہو اور خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار ہو۔

۲- واجب - اس وقت ہے جب کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی نہ ہو، اور اس کے ذریعہ حقوق کی حفاظت اور احکام شریعت کا نفاذ ممکن ہو، اس عہدہ پر دوسروں کے فائز ہونے سے مسلمانوں کا دنیوی اور اخروی نقصان ہو۔

۳-حرام- جب کہ بڑا بننے یا عہدہ سے غلط فائدہ اٹھانے اور دوسروں پر ظلم کرنے کے لئے ہو۔

۴-مستحب- اگر کئی اہل ہوں لیکن دوسروں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو انفع اور اصلح سمجھتا ہو۔

۵-مکروہ- ایک ہی علاقہ میں کئی مسلم امیدواروں کا ایک دوسرے کو ہرانے کی نیت سے الیکشن لڑنا مکروہ تحریمی ہے (معین الحکام، ص:۱۰- ردالمحتار مع الدر ۸ / ۴۰)۔

☆ مولانا شوکت ثناء قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی اور مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی نے مندرجہ ذیل شرائط جواز امیدواری کے لئے بیان کی ہیں:

(الف) اسمبلی یا پارلیمنٹ وغیرہ میں قابل وباصلاحیت مسلمان کے آگے نہ بڑھنے کی صورت میں فرقہ پرست ذہنیت کے حامل افراد کی کثرت ہورہی ہو۔ (ب) یا فرقہ پرست شخص کی کامیابی کا امکان ہو۔ (ج) امانت و دیانت، جذبۂ خدمت خلق اور قوم وملت کے حق میں مفید شخص کے آگے نہ بڑھنے کی شکل میں کرپٹ اور رشوت خور، امانت و دیانت کے اوصاف سے عاری فرد کی جیت کا امکان ہو۔ (د) مذکورہ بالا دیانت کے اوصاف کے ساتھ عوام کی مشکلات ومسائل سے واقف اور ان کے حل کرنے کی صلاحیت، اور اپنی بات کو مؤثر انداز میں اور قانون ومنطق کی زبان میں پیش کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ (ہ) حب مال وجاہ مقصود نہ ہو بلکہ اس بات کا اندازہ ہو کہ اپنی ذمہ داری بخوبی انجام دے سکے گا، اور خلق اللہ کی صحیح اور انصاف کے ساتھ حقوق ادا کرے گا۔

ترجیح:

راقم الحروف کی رائے میں مذکورہ بالا دلائل ثبوت جواز کے لئے بہت کافی ہیں، مزید ایک دلیل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کتب سیرت میں منقول مشہور واقعہ ہے کہ فتح خیبر کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"لیأخذن الرایة غداً رجل یحبه اللّٰه ورسوله یفتح علیه"** اس موقع پر اس سعادت کو حاصل کرنے اور علمبرداری کا منصب سنبھالنے کے لئے کبار صحابہ حتی کہ حضرت عمرؓ نے بھی اپنے آپ کو نمایاں کیا تھا، یہ پیش کش کی علامت تھی۔

سوال نمبر ۴: غیر مسلم ملکوں میں اور بہت سے مسلم ملکوں میں بھی قانون ساز ادارے مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں، ایسی صورت میں ان اداروں کا ممبر بننا درست ہوگا یا نہیں؟ خاص کر ان حالات میں کہ ہندوستان کے موجودہ

قانون کے مطابق اگر کوئی پارٹی اپنے ممبروں کے لئے وہیپ جاری کردے تو وہ پارٹی کی پالیسی کے مطابق ووٹ دینے کا پابند ہوجاتا ہے اور اپنے ضمیر کی آواز پر ووٹ دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔

اس سوال کے دو جز ہیں: ایک جزء مخالف شریعت قانون ساز ادارے کی مطلقاً ممبری کا مسئلہ ہے اور دوسرا مسئلہ کسی پارٹی کا اپنے ممبروں کے لئے وہیپ جاری کرکے پالیسی کے مطابق ووٹ کا پابند کردینے کا ہے، اکثر مقالہ نگاروں نے دونوں کا جواب ایک ساتھ دیا ہے، جبکہ بعض نے دونوں کو الگ الگ ذکر کیا ہے۔

خلاف شریعت قانون ساز اداروں کی ممبری اور ان میں شرکت وشمولیت کو بنیادی اور اصولی طور پر ناجائز قرار دیتے ہوئے، عام وخاص اور اختیار واضطرار کی حالت کا فرق ملحوظ رکھتے ہوئے، کچھ شروط وقیود کے ساتھ اکثر مقالہ نگاروں نے صریحاً جائز اور کچھ نے احتیاطاً گنجائش اور اجازت کا خیال ظاہر کیا ہے۔ جبکہ مفتی جنید بن محمد پالنپوری، ڈاکٹر محمد مبین سلیم ندوی ازہری اور مولوی شاہ اکرام الحق ندوی نے وجوب کی بات کہی ہے۔

دوسری طرف مفتی فضیل الرحمان ہلال عثمانی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عبدالرب اعظمی، مفتی ممتاز خاں ندوی، قاضی محمد حسن ندوی، مولانا احسن عبدالحق ندوی اور رحمت اللہ ندوی نے ناجائز قرار دیا ہے۔ اس طرح اس میں تین نقطۂ نظر ہوگئے: وجوب، جواز اور عدم جواز۔

وجوب کے قائلین کے دلائل:

مفتی جنید محمد اور مولوی شاہ اکرام الحق ندوی کا کہنا ہے کہ ایسے قانون ساز ادارے جو خلاف شرع قوانین بناتے ہوں، خواہ غیر مسلم ملکوں میں ہوں یا مسلم ممالک میں، ممبر بننا ضروری اور لازم ہے تاکہ جو غیر شرعی قوانین پارلیمنٹ میں جاری ہوں ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا جاسکے، اور ضرورت ہو تو استعفیٰ دے دیں۔ اگر مسلم ممبران اس پر عمل پیرا ہوں تو شاید ہی کوئی حکومت یا پارٹی خلاف شریعت بل لانے کی ہمت کرے۔

☆ ڈاکٹر محمد مبین سلیم اصل میں ناجائز مگر حالات حاضرہ کے پس منظر میں نہ صرف جائز بلکہ واجب کہتے ہیں۔

مانعین جواز اور ان کے دلائل:

☆ مولانا احسن عبدالحق ندوی کے نزدیک ان اداروں کا ممبر بننا درست نہیں ہے، اس لئے کہ ہندوستان کے قانون کے مطابق جب پارٹی اپنے ممبر کے لئے وہیپ جاری کردیتی ہے تو وہ پارٹی کی پالیسی کے مطابق ووٹ دینے کا پابند ہوگیا۔

ان کا کہنا ہے کہ ایسی صورت میں پارٹی بدل دے اور اپنے اختیار سے ووٹ دے۔

☆مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی محمد ممتاز خاں ندوی اور قاضی محمد حسن ندوی عدم جواز کی وجہ تعاون علی الاثم والعدوان بتاتے ہیں جو بنص قرآن کریم حرام ہے، خواہ یہ ادارے مسلم ممالک میں ہوں یا غیر مسلم ممالک میں، جب کہ مولانا عبدالرب اعظمی ایک وجہ شہادت کا ذبہ بھی بتاتے ہیں۔

☆مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی نے لکھا ہے کہ خلاف شریعت قانون بنانے میں ایک مسلمان کی حصہ داری کسی طرح جائز نہیں، اپنا اختلافی نوٹ شامل کر دینا چاہئے، اور صاف طور پر کہہ دینا چاہئے کہ یہ قانون اسلام کے خلاف ہے، میں اس میں حصہ دار نہیں ہوسکتا۔

عدم جواز کے دیگر دلائل:

۱-اللہ اور رسول کے علاوہ فیصلہ بہت بڑی معصیت اور کھلی گمراہی ہے:

(الف) **فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم.... ویسلموا تسلیما** (نساء:۶۵)۔

(ب) **وماكان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمرا أن يكون لهم الخيرة .... ضلالا مبينا** (احزاب ۳۶)۔

(ج) اس آیت کی تفسیر میں مفسر طبری لکھتے ہیں: " **ولم يكن لمؤمن بالله ورسوله ولامؤمنة إذا قضى الله ورسوله فی أنفسهم قضاءاً أن یتخیروا من أمرهم غیر الذی قضی فیهم، ویخالفوا أمر الله ورسوله وقضاءهما، فیعصوهما، من یعص الله ورسوله فیما أمرا ونهیا(فقد ضل ضلالا مبینا)** (جامع البیان للطبری ۲۰/۲۷۱) (مفتی محمد عارف باللہ قاسمی)۔

۲-**تعاون علی الإثم والعدوان** ہے۔ **ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان** (مفتی محمد ممتاز خاں ومولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی وغیرہم)۔

۳- یہ ادارہ آئندہ شرک اور خدا کی نافرمانی پر مجبور کرسکتا ہے جبکہ شرک اکبرالکبائر ہے، اللہ معاف نہیں کرے گا۔ **إن الله لا يغفر أن يشرك به الخ ـــ إن الشرك لظلم عظيم**

۴- رکن اور ممبر بننے میں مختلف قسم کے اتہامات والزامات اور شکوک شبہات پیدا ہوں گے۔ اور تہمت سے بچنے کا

حکم ہے۔(اتقوا مواضع التهم)

۵-ممبر بننے میں مذہبی اور دینی نقصان کا خطرہ ہے۔

۶- یہ کتمان شہادت کے مرادف ہے کیونکہ اس طرح کا ممبر سچی شہادت قائم کرنے اور عدل وانصاف پھیلانے سے عاجز رہے گا۔

۷-اس میں اتباع نفس اور اتباع ہوی ہے (ولاتتبع اهواء الذين لا يعلمون) (مولانا حیدر علی قاسمی)

۸- من مشى مع ظالم ليقويه وهو يعلم أنه ظالم فقد خرج من الإسلام (مشکوۃ ۴۳۶)(مولانا فاروق بارڈولی)

۹-شمولیت دشمنان اسلام کے لئے استحکام وتقویت ہے اور یہ ممنوع ہے، ”يـاأيهاالـذين آمـنوا لا تتخذوا الـذيـن اتـخـذوا ديـنكم هزوا ولعبا من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم والكفار أولياء“(مولانا ریحان مبشر قاسمی، مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی)

۱۰- عـن أبـی مـوسـیؓ قـال: قـلت لعمرؓ، إن لی كاتبا نصرانيا، قال: مالک؟ قاتلک الله، أما سـمـعـت الـلّـه يـقـول: ”يـاأيهـا الذين آمنوا لا تتخذوا اليهود والنصارى أولياء، بعضهم أولياء بعض“ (الـمـائـدة) ألـا اتـخـذت حـنـيـفـًّـا(أی مسـلـما) قال:قلت ياأمير المؤمنين! لی كتابته وله دينه، قال: لا أكرمهم إذ أهانهم الله ولا أعزهم إذ أذلهم الله، ولا ادنيهم إذ أقصا هم الله .(مسنداحمد بسند صحیح)۔

۱۱- مـن رضـی عـمـل قـوم فهو منهم، من كثر سواد قوم فهو منهم (حدیث:تفسیر کبیر ۱۲/ ۵۴۔رازی ۱/ ۱۶۹۶)(مولانا غلام رسول قاسمی)

۱۲-وأن احكم بينهم بما أنزل الله ولا تتبع أهوائهم .... لفاسقون (مائدہ:۴۹)۔

۱۳- افتؤمنون ببعض الكتاب وتكفرون ببعض....... ولاهم ينصرون (بقرہ:۸۶۔۸۵)۔

۱۴- ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار.... لاتنصرون (ہود:۱۱۳)(مولانا مظاہر حسین)

۱۵- قد نزل عليكم فی الكتاب ..... فلا تقعدوا معهم حتى يخوضوا فی حديث غيره، الآية

۱۶-من رتع حول الحمى يوشک أن يقع فيه (بخاری)(مفتی محمد ممتاز خاں ندوی)۔

۱۷- .....لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين (آل عمران: ۲۸)

۱۸- لا تتخذوا عدوی وعدوکم أولیاء (ممتحنه)۔

۱۹- .....لاتتخذوا بطانة من دونکم....(آل عمران: ۱۱۸) (مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی)۔

☆مفتی راشد حسین ندوی لکھتے ہیں: جمہوری نظام کی ایک نہایت سنگین اور خطرناک خرابی ممبروں کو قانون سازی کا بھی حق دینا ہے۔ یہ وضع کردہ قوانین کبھی شریعت کے موافق ہوتے ہیں اور کبھی کھلم کھلا متصادم، جوحضرات الیکشن میں مسلمانوں کی شرکت ناجائز قرار دیتے ہیں، ان کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ شارع حقیقی صرف اللہ تعالی ہے،" إن الحکم إلا اللّٰہ ألا تعبدوا إلا إیاہ" .(یوسف:۴۰)۔

" ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فأولئک ھم الظالمون. (مائدہ) ...... ھم الکافرون (مائدہ:۴۴)۔

دلیل کے اعتبار سے ان حضرات کی رائے بہت مضبوط ہے، لیکن فی الوقت اسلامی حکومت کا خواب دیکھنا، خاص طور سے غیر مسلم اکثریت والے ممالک میں شیخ چلی کے خیالی پلاؤ جیسی چیز ہے(لعل الله یحدث بعد ذٰلک امراً) یہ بھی ممکن نہیں کہ کسی اسلامی ملک کی طرف ہجرت کی جائے۔ لہذا غور کرنا چاہئے کہ شرکت کرنے میں فائدہ ہے یا احتراز کرنے میں؟

مجوزین کے دلائل پر ایک نظر:

اوپر یہ ذکر آچکا ہے کہ مجوزین نے اصولی طور پر مانعین جواز سے اتفاق کرتے ہوئے اضطراری حالت میں اس سے عدول کیا ہے اور مصلحت کا اعتبار کرتے ہوئے چند شروط اور کچھ قیود کے ساتھ جواز کا راستہ اختیار کیا ہے یا اس کی گنجائش نکالی ہے۔ چنانچہ:

☆مفتی راشد حسین ندوی کے نزدیک باصلاحیت اور حوصلہ مندانہ افراد کے لئے ان اداروں کا ممبر بننا مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہے:

۱- دل سے یہ عقیدہ رکھے کہ شارع حقیقی صرف اللہ تعالی ہے نہ کہ انسان، اپنی شرکت کو ایک مجبوری اور اھون البلیتین سمجھے۔

۲-کوئی خلاف شریعت بل پارٹی کے زیر بحث آئے تو پارٹی سطح پر اس کو ہٹوانے کی حتی الامکان کوشش کرے۔ پوری جرأت کے ساتھ اس کی مضرتیں اور عدم افادیت ظاہر کرنے کی کوشش کرے۔

۳-اگر اس کی بات نہ سنی جائے اور وہیپ جاری کردیا جائے تو اچھی طرح غور کرلے کہ خلاف شریعت بل کے باوجود اس کا پارٹی میں رہنا ملت کے لئے مفید ہے یا پارٹی چھوڑ دینا، اگر پارٹی چھوڑنے سے ملت کو کوئی نقصان ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو پارٹی چھوڑ دے۔

لیکن اگر پارٹی چھوڑنے سے ملت اسلامیہ کے نقصان کا اندیشہ ہو تو بدرجہ مجبوری اس آیت "**من کفر.... إلا من أکره و قلبه مطمئن بالإیمان**" کو سامنے رکھتے ہوئے بل پاس ہونے دے' **لایکلف الله نفسا إلا وسعها**'

☆ مولانا عبیداللہ ندوی نے جواز پر حضرت یوسف علیہ السلام اور نجاشی شاہ حبشہ کے واقعہ سے استدلال کیا ہے، مزید دلیل کے طور پر یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمانوں کی مکمل کنارہ کشی نقصان دہ اور حقوق سے محرومی کا باعث ہوگی، پھر جب ووٹ دینا جائز ہے تو ممبر بننا بھی درست ہے، کیونکہ دونوں ہی مفسدہ ہیں، البتہ ممبر کو دین و شریعت کا پابند اور دینی غیرت وحمیت کا حامل ہونا چاہئے۔ وہ دین میں مداہنت بالکل گوارہ نہ کرتا ہو اور مسلمانوں کا خیر خواہ و ہمدرد ہو۔

☆ ڈاکٹر مفتی شاہجہاں ندوی کا خیال ہے کہ معتبر شرعی مصلحت کا تقاضا ہے کہ اچھے اور نیک مسلمانوں کو اس میں شرکت کرنی چاہئے۔ لیکن نیت باطل کو حتی الامکان مسترد کرنے یا اس میں کمی لانے کی کوشش، حق کے اعلان اور صحیح فیصلہ کی جد وجہد ہو، سیکولر ادارے کی ہر چیز اسلام اور دین مخالف نہیں ہوتی، کتاب وسنت کے نصوص سے واضح ہے کہ قوم کو حکام مقرر کرنے اور ان کا محاسبہ اور نگرانی کرنے کا حق ہے۔ البتہ تحلیل وتحریم اور قانون سازی کا مطلق حق منتخب ممبران پارلیمنٹ اور لیجس لیٹیو اسمبلی (Legis Lative Assemle) کو دینا شریعت کی نگاہ میں درست نہیں، اس پر کئی قرآنی آیات نقل کی ہیں۔

وہ لکھتے ہیں: پارٹی کے وہیپ جاری کرنے کی صورت میں چونکہ وہ مجبور ہے، لہذا ضمیر کی آواز پر ووٹ دینے کا اختیار کھونے کی وجہ سے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ ماخوذ نہ ہوگا۔ (**إلا من أکره و قلبه مطمئن بالإیمان**)

☆ مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی ایسی پارٹی کا ممبر بننا جائز قرار دیتے ہیں جو اسلام دشمن اور مسلم مخالف نہ ہو اور اس کی پالیسی شریعت کے خلاف نہ ہو، عام اور خاص حالات میں ممبری کا حکم مختلف ہوگا۔ شریعت نے بھی دونوں حالتوں کے درمیان فرق کیا ہے، جیسے شراب نوشی، مردار کھانا اور خون کا استعمال، عام حالات میں حرام اور اضطراری حالت میں مباح ہے، البتہ خلاف شریعت قانون کو دل سے برا سمجھنا اور اس کے خلاف آواز اٹھانا ضروری ہے۔

☆ مفتی قمر الزماں ندوی نے مسلم ممبران پارٹی کے وہیپ کی مخالفت کرنے اور خلاف شریعت قانون کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے اور بسا اوقات مستعفی ہونے پر جناب مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی کی ایک تحریر کے حوالہ سے لکھا ہے

کہ مخالفت برائے نام نہ ہو بلکہ بھرپور ہو اور رکوانے کی پوری کوشش ہو، اگر استعفیٰ دینے کی ضرورت ہو یا ظن غالب میں اس کے اچھے نتائج برآمد ہو سکتے ہوں تو اس سے بھی دریغ نہ کیا جائے، لیکن یہ اقدام غور وخوض اور مشورہ کے بعد ہو۔

☆ مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی کا خیال ہے کہ وہیپ جاری کرنے کی صورت میں پارٹی سے مستعفی ہو کر فوراً اس کی اس پالیسی کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنا ضروری ہے کیونکہ ضمیر کی آواز پر روک لگانا دستور ہند کے دفعہ ۲۵/۲۶ کے خلاف ہے۔

☆ مفتی تنظیم عالم قاسمی نے صلح حدیبیہ (جس کے شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھے پھر بھی اسے فتح مبین کہا گیا ہے) سے استدلال کرتے ہوئے دو مفسدوں میں سے کمتر مفسدہ کا ارتکاب گوارہ کرتے ہوئے جواز پیش کیا ہے۔ اور کچھ قواعد فقہیہ مثلاً ’’**الضرر الأشد یزال الضرر الأخف ، یتحمل الضرر الخاص من الضرر العام** وغیرہ‘‘ پیش کئے ہیں۔

☆ مفتی نصر اللہ ندوی نے ’**فاتقوا اللّٰہ مااستطعتم – تعاونوا علی البر والتقوی – یاأیھا الذین آمنوا إن تنصروا اللّٰہ ینصرکم – یا أیھا الذین آمنوا کونوا انصار اللّٰہ** – (تفصیل ان کے مقالہ میں ملاحظہ کریں) نیز حضرت شعیب علیہ السلام کے قول اور سیرت سے اور ان کی قوم ’’**ولا رھطک لرجمناک وما أنت علینا بعزیز**‘‘ کے قول وغیرہ سے استدلال کرتے ہوئے جائز ہی نہیں بلکہ لازم قرار دیا ہے کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ تعداد میں قانون ساز اداروں کی رکنیت اختیار کریں۔

☆ مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی مصالح کے پیش نظر چند اصول مثلاً ’’**تقلیل الشر والظلم مطلوب بقدر الاستطاعة**‘‘ ارتکاب اخف الضررین۔ سنت تدرج (آہستہ آہستہ احکام لگانا جیسے شراب کی حرمت کا حکم) وغیرہ سے جواز کا ثبوت پیش کیا ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ وہیپ کا استعمال بہت کم ہوتا ہے اور اس ڈر سے پارٹی کا ممبر نہ بننا ایسے ہی ہے جیسے کوئی سانپ بچھو کے ڈر سے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دے۔

☆ ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی نے بطور خاص اس دلیل سے جواز کا ثبوت پیش کیا ہے کہ اگر کسی منکر پر انکار اس سے بڑھ کر منکر کا باعث بن سکتا ہو تو فقہاء نے اس منکر پر سکوت جائز قرار دیا ہے۔ نیز اس منکر کی تائید دل سے اسے مکروہ سمجھتے ہوئے کی جاسکتی ہے۔ وہیپ کے بارے میں اپنا خیال یوں ظاہر کیا ہے کہ یہ اکراہ غیر ملجی ہے اور اس اکراہ (خصوصاً اس ملک میں) سے بھی تکلیف شرعی کے سقوط کی گنجائش ملنی چاہئے۔

☆ مولانا اشتیاق احمد اعظمی نے لکھا ہے کہ کسی بھی مخالف شریعت قانون ساز ادارے کی ممبری کے جواز کا فتوی علی

الاطلاق نہیں دیا جاسکتا، بلکہ اس کی مخالفت ومداخلت اورقوم وملت کی خیرخواہی کے ساتھ مشروط ہے، واضح رہے کہ ان کے ہاں وہیپ جاری کرنے کی صورت میں جواز نہ ہوگا۔

☆ مولانا عبدالخالق نے قانون ساز اداروں اورسیاسی پارٹیوں کوبطور عقیدہ تسلیم کرلینے اورمحض کام نکالنے کے لئے ناگزیر حالت میں ممبر بننے میں فرق کیا ہے، پہلی صورت جائزنہیں اوردوسری صورت کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔ (الأمور بمقاصدها)

☆ مولانا عبدالشکور آکولہ، مولانا عابدالرحمان بجنوری، مفتی اعجازالحسن قاسمی، مولانا محمدالاعظمی، مولانا کلیم اللہ عمری، مولانا محفوظ الرحمان شاہین جمالی، مولانا ریحان مبشر قاسمی، مولانا فاروق بارڈولی اورمولانا توقیر بدر قاسمی وغیرہم کے نزدیک ازراہ مصلحت برائے دفع مضرت اوربنیت تخفیف ظلم واذیت ممبر بننے کی اجازت ہے۔ مولانا توقیر بدر قاسمی نے ایسے موقع پرمشورہ دیا ہے کہ مناسب ہے کہ قانون سازی کے دوران مسلم ممبران بظاہر بیمار کہہ کر غائب رہیں جو سیاسی اصطلاح میں ''بیرنی حمایت'' کہلاتی ہے۔ اوراس طرح وہ اپنی شرکت درج نہ کرائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول ''إنی سقیم'' سے استدلال کیا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اس آیت کے تحت لکھا ہے: ''وإنما هو من **المعاريض فى الكلام لمقصد شرعى دينى، كما جاء فى الحديث'' إن فى المعاريض لمندوحة عن الكذب** (ابن کثیر ۴/ ۱۴)۔

☆ مولانا شوکت ثناء قاسمی نے مسلم یا غیرمسلم ممالک کے ایسے قانون ساز اداروں کی ممبری کودرست مانا ہے جو مختلف قوانین کے ساتھ بعض مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں بشرطیکہ حتی الامکان تبدیلی یا ترمیم کی کوشش ہو۔ **لايكلف الله نفسا إلا وسعها- فاتقوا الله مااستطعتم۔ إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه مااستطعتم** (مسلم ۲۳۸۰- بخاری ۶۷۴۴) کوبطور دلیل پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مفتی کفایت اللہ دہلویؒ نے جوانگریزی حکومت سے برسرپیکار تھے۔ مسلمانوں کوممبراسمبلی بن کرحکومت میں شامل ہونے کی اجازت دی تھی (کفایت المفتی ۹/ ۳۹۱)۔

☆ مفتی محمد خالدحسین نیموی قاسمی شرکت کے جواز پرکلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں اگرمسلم ممبران پارلیمنٹ میں شریک نہ ہوں تب بھی ایسے قوانین منظور ہوں گے جومخالف شریعت ہوں گے توگویا مسلمانوں کی شرکت وعدم شرکت سے چنداں فرق نہیں پڑتا۔ لہذا یہ مظنون چیز ہوئی، اورمکمل بائیکاٹ کے اتنے نقصانات ہیں جن کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتے، اس لئے شرکت کی جائے۔ محض مفروضات وخدشات کی وجہ سے بےعملی کا شکارنہیں ہونا چاہئے۔

ترجیح:

اگرچہ ناچیز کی رائے عدم جواز کے قائلین کے ساتھ ہے، لیکن حالات کا رخ، قوم وملک کے مصالح ومفادات اور عدم شرکت سے پوری قوم کو لاحق ہونے والے مضرات وخطرات کے پیش نظر جواز کے قائلین یا مخصوص حالات میں جواز کی گنجائش قرار دینے والے حضرات کی بات زیادہ معقول اور مناسب معلوم ہوتی ہے۔

سوال نمبر ۵ جو لوگ قانون ساز اداروں کے رکن منتخب ہوں، انہیں دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے اور دستور میں بہت سی دفعات، خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں تو یہ عمل کہاں تک درست ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں دو نقطۂ نظر سامنے آئے: ایک جواز اور دوسرا عدم جواز کا۔

عام حالات اور اختیاری پوزیشن میں اور بلا کسی قید وشرط کے عدم جواز پر سب کا اتفاق ہے، البتہ مخصوص اور اضطراری حالت میں جواز کی اجازت کی گنجائش ہے، تین حضرات کے علاوہ یہ رائے عام مقالہ نگاروں کی ہے۔ عدم جواز میں بھی بعض نے بہر حال ناجائز قرار دیا ہے جبکہ کچھ نے اکثری اور کلی اور اس کے برعکس صورت میں فرق کیا ہے۔

ناجائز کے قائلین اور ان کے دلائل:

مطلق عدم جواز کے قائلین میں مولانا قاضی محمد حسن ندوی، مولانا عبدالرب اعظمی، مولانا احسن عبدالحق ندوی اور مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عابدالرحمان بجنوری مظاہری ہیں اور صرف اکثر دفعات خلاف شریعت ہونے کی صورت میں مولانا عبیداللہ ندوی، مولانا توقیر بدر قاسمی اور رحمت اللہ ندوی ان کے ہم خیال ہیں۔

☆ مولانا قاضی محمد حسن ندوی کے نزدیک اگر دستور میں بعض دفعات بھی خلاف شریعت ہوں تو حلف لینا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ عمل قرآن اور شریعت کے خلاف ہے۔ اللہ نے ''خیر امت'' کی وجہ سے ''امر بالمعروف'' اور نہی عن المنکر'' کا فریضہ اس امت کے ہر فرد پر عائد کیا ہے۔ اسی طرح ''تعاونوا علی البر والتقوی'' کا حکم ہے۔ خلاف شرع دستور پر حلف لینا، ان دو آیات کے خلاف ہے نیز ''من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ الخ''

☆ مولانا احسن عبدالحق ندوی لکھتے ہیں: جس ادارہ کا قانون شریعت کے خلاف ہو، اس کا رکن بننا درست نہیں تو حلف لینا کیونکر درست ہوگا۔ اگر دستور موافق شریعت ہو تو حلف لینا درست، ورنہ نہیں۔

☆ مولانا ابوسفیان مفتاحی کا خیال ہے کہ دستور میں بہت سی دفعات خلاف شریعت ہونے کی وجہ سے مسلم ممبران کے لئے مطلقاً دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانے کا عمل درست نہیں ہوگا، کیونکہ تعاون علی الاثم ہے اور بنص قرآن حرام ہے۔

☆ مولانا عبدالرب اعظمی بھی تعاون علی الاثم اور غلط معاہدہ کی وجہ سے ناجائز مانتے ہیں جب کہ بہت سی دفعات خلاف شریعت ہوں، لیکن اگر اکثر دفعات موافق اور چند خلاف شرع ہوں تو کیا حکم ہوگا؟ اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔

☆ مولانا عابد الرحمان بجنوری مظاہری کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی ادارے اور جماعت و پارٹی کے قوانین واصول کے ساتھ وفاداری اس وقت تک جائز ہے جب تک وہ قرآن وحدیث کے مخالف نہ ہوں، اگر ادارہ یا جماعت و پارٹی کا کوئی حکم وقانون شریعت کے حدود سے متجاوز ہو اور اس پر عمل پیرا ہونے میں اللہ تعالی کی نافرمانی اور عدم اطاعت لازم آتی ہو، تو اس صورت میں اس کے ساتھ وفاداری کا عہد کرنا یا اس کے لئے حلف اٹھانا کسی کلمہ گو شخص کے لئے جائز نہیں۔

موصوف نے حدیث: "**لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق**" (شرح السنۃ ۱۰/ ۴۴۔ المعجم الکبیر ۱۸/ ۱۷۰۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۵۴۴/ ۱۲) اور حضرت علی سے مروی حدیث: "**لاطاعة لمخلوق فی معصية إنما الطاعة فی المعروف**". (بخاری ۲/ ۱۰۷۸۴) کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔

مانعین جواز کے دیگر ادلہ:

۱ – **السمع والطاعة على المرء المسلم فيما أحب وكره، مالم يؤمر بمعصية، فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولاطاعة** (بخاری ۷۱۴۵۔ مسلم ۴۷۴۰) (مولانا غلام رسول منظور قاسمی)

۲ - حلف میں محلوف بہ کی تکریم وتعظیم مقصود ہوتی ہے اور یہ اللہ کے سوا کسی کے لئے روا نہیں۔

۳- دستور کے قوانین کلام اللہ نہیں نیز بعض دفعات خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں، اس اعتبار سے اس کی تائید وحمایت ایک غیر شرعی امر اور گناہ ہے۔ (مولانا مصطفی عبدالقدوس ندوی)

قائلین جواز کے ادلہ:

☆ مفتی محمد اشرف قاسمی کا کہنا ہے کہ دستور ہند سے وفاداری کا حلف اٹھانا جائز ہے۔ جو دفعات خلاف شریعت ہیں وہ ان دفعات سے جن میں مذہبی آزادی دی گئی ہے، خود بخود مستثنیٰ ہو جاتے ہیں۔

☆ مولانا شیر علی صاحب کا خیال ہے کہ ہماری حیثیت مصالح کی ہے۔ اور استدلال واقعہ صلح حدیبیہ سے کیا ہے کہ

اس میں ایسی شرطیں تھیں جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تھیں، پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر مشرکین سے صلح کی، لہذا غیر مسلمین کے ساتھ پارٹی میں شریک ہونا اور غیر شرعی باتوں پر دستخط کرنا درست ہے۔

☆ مفتی سید باقر ارشد قاسمی لکھتے ہیں: یہ مانا کہ بعض دفعہ دستور میں بہت سی دفعات خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں، مگر یہ ایک ایسے ملک میں جہاں شریعت کا نہیں بلکہ عوام کا قانون چلتا ہو، ناممکن سی بات ہے کہ تمام دفعات موافق شریعت ہوں، "**الأمور بمقاصدها**" ملک کے دستور کو اسلامی شریعت کے تابع کرنے کی کوشش، اسلامی قانون کی بالا دستی کے لئے جدوجہد کی شرط کے ساتھ مصلحتاً دستور کے نام پر حلف لینے کی اجازت ہے۔ حلف لیتے وقت یہ حیلہ کرسکتا ہے کہ الفاظ کے مفہوم مخالف کی نیت وارادہ کرلے "**اليمين على نية الحالف إن كا ن مظلوما أو على نية المستحلف إن كان ظالما**" (بدائع ۳/۲۱۔ قانون الفقہ ۵/۳۶۱)۔

☆ مفتی راشد حسین ندوی کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص تاعمر کسی ادارہ کا ممبر نہ بنے، لیکن وہ کسی غیر مسلم ملک میں رہتا ہو تو صرف رہنا ہی اس کا گویا یہ عہد کرنا ہے کہ یہاں کے دستور اور قوانین کو تسلیم کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ خاموش معاہدہ بھی جائز نہیں قرار دیا جاسکتا، اس لئے کہ مسلمانوں نے "**لا اله إلا الله**" پڑھ کر تمام وضعی قوانین کا انکار کردیا ہے، لیکن دنیا کی مجموعی صورت حال کے پیش نظر اکثر علماء نے غیر مسلم ممالک میں رہائش کو جائز قرار دیا ہے۔ جب کوئی شخص کسی قانون ساز ادارہ کا ممبر بنتا ہے تو یہی خاموشی معاہدہ زبان سے دہراتا ہے، گرچہ خاموش معاہدہ کے مقابلہ میں اس کی شناعت بڑھی ہوئی ہے لیکن "**إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان**" کی شرط اور موقع ملنے پر خلاف شریعت قوانین پر خط تنسیخ پھیرنے کے عزم اور ملت کے مفاد کے پیش نظر گنجائش ہے .... یہ بھی واضح رہے کہ ملکی قوانین میں ترامیم ہوتی رہتی ہیں۔ مجبوری کے تحت شرعاً حلف کی گنجائش ہوگی۔

☆ مفتی محمد شاہجہاں ندوی کے نزدیک غیر الہی قانون کی اکثر دفعات شریعت سے متصادم نہیں ہوتی ہیں، البتہ بہت سی دفعات خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں، ایسی صورت میں معتبر شرعی مصلحت کا تقاضہ ہے کہ دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ یہ مجبوری کی حالت ہے جس میں ہر طرف نظامہائے باطل کا تسلط ہے، لہذا ایسے وقت میں آدمی اپنے امکان بھر ہی کا مکلّف ہے۔ **لا يكلف الله نفسا إلا وسعها**۔

☆ مولانا عبید اللہ ندوی نے مشروط جواز کی رائے اختیار کی ہے کہ اگر دستور کی اکثر دفعات خلاف شریعت ہوں

تب تو وفاداری کا حلف اٹھانا بالکل درست نہیں ہوگا، وجہ تعاون علی المعصیۃ ہے، لیکن اگر کچھ دفعات خلاف شریعت ہوں تو حلف وفاداری کی اس شرط کے ساتھ گنجائش ہے کہ یہ نیت ہو کہ جہاں تک اللہ ورسول کی شریعت کی نافرمانی نہ ہو، وفاداری کروں گا۔ (کفایت المفتی ۹/ ۳۰۹) مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا فاروق بارڈولی، مفتی جنید بن محمد، مولانا مقصود فرقانی، مولانا عبدالرب سعادتی، مولانا حیدر علی قاسمی، مولوی محمد اسماعیل بن محمد صالح جی، مولوی محسن حسنی قاسمی کی بھی یہی رائے ہے۔

☆ مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی ملی ومذہبی مفاد اور مصالح نیز "**الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة**" اور "**الضرورات تبيح المحظورات**" وغیرہ کی بنیاد پر مجبوراً جائز قرار دیتے ہیں۔

☆ مفتی نصر اللہ ندوی لکھتے ہیں کہ بلا شبہ دستور سے وفاداری کا حلف لینا شرعا ناجائز اور دینی نقطۂ نظر سے مضر ہے، تاہم اس سے گریز کرنے کی صورت میں مسلمانوں کا جو نقصان ہوگا وہ ناقابل بیان ہے، لہذا اس بلائے عظیم کو دفع کرنے کے لئے اس سے اہون کو گوارا کرنا جائز بلکہ واجب ہوگا، علامہ عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں کہ:

تجوز الإعانة على المعصية، لا لكونها معصية بل لكونها وسيلة إلى تحصيل المصلحة الراجحة، وكذلك إذا حصل بالإعانة مصلحة تربو على مصلحة تفويت المفسدة، كما تبذل الأموال في فدى الأسارى الأحرار المسلمين من أيدى الكفرة والفجرة" (قواعد الأحکام فی مصالح الأنام ۱/ ۵۷)۔

☆ مفتی تنظیم عالم قاسمی کا خیال ہے کہ جب قانون ساز ادارے کا رکن بننا جائز ہے تو دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا بھی درست ہوگا۔ خواہ وہ دستور خلاف شریعت قوانین پر ہی مشتمل کیوں نہ ہو۔ قاعدہ "**إذا ثبت الشئ ثبت بلوازمه**" البتہ مسلم ممبران بادل ناخواستہ ایسے دستور سے حلف لیں۔ قلبی رضامندی کے ساتھ خلاف شریعت قوانین پر مشتمل دستور سے حلف اٹھانا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ "**الرضا بالكفر كفر**" حلف اٹھاتے ہوئے ان دفعات کی نیت کریں جو شریعت سے ہم آہنگ ہوں " **الأمور بمقاصدها**" "**إنماالأعمال بالنيات**"- **قالوا: الكافر إذا تترس بمسلم فإن رماه مسلم فان قصد قتل المسلم حرام، وان قصدقتل الكافر لا**، (اشباہ:۵۵) اسی طرح **اهون البليتين** اور "**يجوز في الضرورة مالا يجوز في غيرها**". دلائل دیئے ہیں۔

☆ مصالح ومفادات کے پیش نظر: تقلیل شر اور تخفیف ظلم۔ اخف الضررین کا ارتکاب، بوجہ مجبوری اجتماعی مسائل میں دفع مضرت وغیرہ کو دلیل کے طور پر اکثر مقالہ نگاروں نے پیش کی ہے۔

☆ مولانا اشتیاق احمد اعظمی اور مولانا لطیف الرحمٰن کہتے ہیں کہ وفاداری کے عہد نامہ پر اگر تحریری دستخط لئے جاتے

ہوں تو اتباع شریعت کے پختہ عہد کے ساتھ دستخط کردے اور اگر زبانی کہلوایا جاتا ہو تو دل میں اس کی پختہ نیت کرلے کہ اتباع شریعت ہرصورت میں کروں گا۔اورزبانی اقرار کرلے(**إلامن أکرہ وقلبه مطمئن بالإیمان**) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی فرماتے ہیں:''اسمبلی میں جس عہد نامے پر دستخط کئے جاتے ہیں، اس میں اتباع شریعت کے پختہ عہد کے ساتھ دستخط کئے جاسکتے ہیں'' (کفایت المفتی ۹/۳۵۱)۔

☆ مولانا عبدالخالق کی رائے میں حلف وفاداری کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ ناقابل عمل اور غلط دفعات باقی رہیں گے اوراس پرعمل بھی ہوگا، کیونکہ دستور بننے کے بعداس کی متعدد دفعات جو ناقابل عمل یا غلط تھیں، ان میں ترمیمات ہوئی ہیں، غیر شرعی دفعات بدلنے اور ملک کا مفاد پیش نظر رکھ کر حلف وفاداری ہے، اوروفاداری کا صرف اتنا مطلب ہے کہ یہ دستور جب تک موجود ہے ہم اس کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ نہ کہ ہم اسے بالکل صحیح اور درست سمجھ کراس پر ایمان لے آئے ہیں۔ ورنہ دستور پر اعتراض یا اس میں ترمیم کی کوشش نہ کی جاتی، "**لا یواخذکم اللّٰہ باللغو فی ایمانکم**"، "**فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا إثم علیه**" کے تحت حلف میں کوئی حرج نہیں۔

☆ مولانا محفوظ الرحمان شاہین جمالی کا خیال ہے کہ ہندوستان کی تعمیر وتشکیل میں تمام مذہبی قومی باشندوں کی برابر درجہ کی شرکت ہے اوراس کے دستور میں کسی مذہب کے خلاف خاص طور پر کوئی دفعہ شامل نہیں کیا گیا ہے، پھر بھی اگر کوئی دفعہ کسی مذہب کے خلاف ہو تو خود اسی دستور کے تحت اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جاسکتی ہے، لہذا کسی خلاف شریعت دفعہ کی موجودگی کو کالعدم تصور کرتے ہوئے مجموعی طور پر دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا جائز ہے۔

☆ مولانا کلیم اللہ عمری کی رائے میں بالجملہ حلف وفاداری لینا جائز ہوگا، کیونکہ جمہوری نظام میں دستور کے ہر دفعہ سے اتفاق وموافقت ضروری نہیں ہے۔

☆ مفتی شبیر احمد دیولوی، مولانا محمد یوسف علی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مفتی سلطان کشمیری، مفتی محمد سلمان پالنپوری کے نزدیک جوخلاف شریعت قانون نہ ہواس کی وفاداری کی نیت سے حلف درست ہے۔

☆ مولانا توقیر بدر قاسمی اکثر دفعات کے مخالف شریعت ہونے کی صورت میں حلف کی قطعاً اجازت نہیں دیتے لیکن اگر کچھ دفعات خلاف شریعت ہوں تو ان شرطوں کے ساتھ اجازت دیتے ہیں:

الف-حتی الامکان مخالف شریعت دستور کو زائل کرنے کی تدبیر ہو۔

ب-نیت عوام کی فلاح وبہبود اور مذہب کی آزادی ہو۔

ج- اسے ایک آزمائش سمجھے اور بادل ناخواستہ اس کا ممبر بنے اور خلاف شریعت دفعہ کے ازالہ کے لئے کوشاں رہے۔

د-ممبران کی تعداد کم ازکم پارٹی کی کل تعداد کے چوتھائی ہوتا کہ وہ فیصلہ پر موثر بھی ہوسکیں۔

☆مولانا شوکت ثناء قاسمی بوقت ضرورت شدیدہ اتباع شریعت کے پختہ عہد کے ساتھ، مولوی اکرام الحق ندوی "**یجوز فی الضرورة مالا یجوز فی غیر ھا**" کے تحت، مفتی طارق انور قاسمی اور مولانا فیاض عالم قاسمی مصالح کے پیش نظر "**ارتکاب اخف الضررین**" کے تحت، مولانا اقبال احمد قاسمی دفع مضرت کی خاطر حدیث "**لا ینبغی للمؤمن أن یذل نفسه، قیل: یا رسول اللّٰه! وکیف یذل نفسه؟ قال: یتحمل من البلاء مالایطیقه**" (ترمذی) سے استدلال کرتے ہوئے حلف کی اجازت دیتے ہیں۔

☆ جبکہ مفتی محمد خالد نیموی قاسمی کا کہنا ہے کہ شرعا حلف ایسے معاملہ کو کہتے ہیں جس سے کرنے یا نہ کرنے پر حلف لینے والے کے عزم کی پختگی کا اظہار ہوتا ہو۔قسم اللہ کے ذاتی اور صفاتی نام کی کھائی جاتی ہے، اگر غیر اللہ کے نام کی قسم کھائی جائے تو شرعا منعقد نہیں ہوتی (ہندیہ ۵۱/۲)۔حدیث میں آیا ہے: "**لا تحلفوا بآبائکم ولا بالطواغیت فمن کان منکم حالفا فلیحلف باللّٰه أو لیدع**" (مصنف عبدالرزاق ۱۵۹۲۵)، حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں: **یکره أن یحلف إلا باللّٰه وکره أن یحلف بالمصحف**" (ایضاً: ۱۵۹۳۲)۔

چونکہ اللہ کے نام یا اس کی صفات میں سے کسی ایک کا ذکر کرنا حلف کا رکن ہے، لہٰذا علماء کی ایک جماعت کے نزدیک اس کے بغیر نہ قسم شرعا منعقد ہوگی اور نہ اس کے احکام جاری ہوں گے، یہ محض وعدہ ہوگا (ہدایہ ۴۸۰/۲)، اور شریعت نے اگرچہ وعدہ کی پاسداری کے احکامات بھی دیئے ہیں: "**أوفوا بالعقود**" مگر ناجائز امور کے وعدہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے، لہٰذا دستور کے اس حصہ سے متعلق ممبران کا وعدہ واجب الوفا ہوگا جو شریعت سے متصادم نہیں ہے۔ ہاں! اگر اللہ کے نام پر قسم کھائی ہے تو قسم توڑ کر کفارہ دے (**إذا حلفت علی یمین فرأیت غیر ھا خیراً منھا فکفر عن یمینک وأت بالذی ھو خیر**" (متفق علیہ)۔

☆مفتی محمد عارف باللہ قاسمی دستور میں موجود دفعات خلاف شرع نہ ہونے کی صورت میں "العبرة للغالب" کے تحت حلف درست مانتے ہیں، چونکہ بہت سی دفعات خلاف شرع ہوتی ہیں اور معصیت کی قسم کھانا جائز نہیں، اگرچہ وہ قسم بھی منعقد ہوجاتی ہے، اس لئے توڑنا لازم ہے۔ (ہندیہ ۵۲/۲)

ترجیح: دستور سے وفاداری محض ایک رسم اور خانہ پری ہے، شاید حلف دلانے والا اور حلف لینے والا دونوں ہی اس کو محسوس کرتے ہیں، بحالت مجبوری حلف کے جواز کا رجحان رکھنے والے حضرات کی رائے أقرب إلی الفهم و المصلحة معلوم ہوتی ہے۔خلاف شریعت قانون کا حلف لینے والا مکلّف اور پابند نہیں ہوگا۔

سوال نمبر ۶ بعض عیسائی ملکوں میں ہر ممبر کو بائبل پر حلف لینا پڑتا ہے، خواہ وہ کسی مذہب کا ہو تو کیا مسلم ارکان کے لئے یہ عمل درست ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں دو رائیں پائی جاتی ہیں: (۱) ناجائز، (۲) جائز۔

☆ مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی اعجاز الحسن قاسمی، مولانا محمد الاعظمی، مولانا محمد یوسف علی، مولانا احسن عبدالحق ندوی، اور رحمت اللہ ندوی ناجائز قرار دیتے ہیں، جب کہ ان کے علاوہ تمام مقالہ نگاروں کی رائے جواز کی ہے۔

مانعین جواز اور ان کے دلائل:

☆ مولانا حیدر علی قاسمی لکھتے ہیں کہ جس چیز کی قسم کھائی جاتی ہے اس کی تعظیم وتکریم ہوتی ہے، اور یہ صرف اللہ کے لئے ہے، غیر کی شرکت کی گنجائش اس میں نہیں ہے، حدیث میں ہے: "إن اللہ نهاكم أن تحلفوا بآبائكم، من كان حالفاً فليحلف بالله أو ليصمت"، ملاعلی قاریؒ اس ممانعت کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "الحكمة في النهي عن الحلف بغير الله تعالیٰ أن الحلف يقتضي تعظيم المحلوف به وحقيقة العظمة مختصة به تعالیٰ، فلا يضاهي به غيره". (مرقاۃ ۳/ ۵۵۴) اسی وجہ سے غیر اللہ کو سجدہ منع ہے، بائبل بھی غیر اللہ میں داخل ہے اور اس پر حلف تعظیم پر دال ہے، اس سے غیر کی اطاعت اور حکم خدا کی نافرمانی ہوگی "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق".

ایک حدیث میں ہے "من جامع المشرك وسكن معه فإنه مثله". (ابو داؤد)

بائبل پر حلف لے کر عیسائی ملکوں کا ممبر بننے سے مذہب و دین کا خطرہ ہے کہ کہیں متأثر ہو کر اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے، اس لئے "درء المفاسد اولی من جلب المنافع" کی رو سے بائبل پر حلف لینا دھوکہ دینے کے مرادف ہے اور شریعت میں کسی بھی حال میں جائز اور درست نہیں، بائبل پر حلف سے ان سے دوستی کا شبہ ہوتا ہے، جب کہ اس سے صراحتاً منع کیا گیا ہے: "يأيها الذين آمنوا لاتتخذوا عدوی وعدوكم أولياء".

لہٰذا عام حالات میں عیسائی ممالک کے مسلم ارکان کے لئے بائبل پر حلف لینا جائز نہیں، البتہ شرعی ضرورت کا تقاضا

ہواور بائبل پرحلف نہ لینے سے کوئی چارہ نہ ہو بلکہ جان ومال اورعزت وآبرو کی حفاظت ناممکن ہوتو ’’الضرورات تبیح المحظورات‘‘ - ’’المشقة تجلب التيسير‘‘- ’’إلا ما اضطررتم إليه ‘‘ - کوسامنے رکھتے ہوئے گنجائش ہے۔

☆مولانا محمد الاعظمی کا خیال ہے کہ سابقہ کتب سماویہ اور شرائع ماضیہ منسوخ ہیں، اسلام میں ان کی حجیت یا ان پر عمل کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں، اس لئے یہ سوال کہ مسلم ممبران کو بائبل پرحلف لینا درست ہے؟ جواب کا محتاج نہیں ہے، موصوف کہتے ہیں: ہمیں یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ حلف لینے کے لئے کیا الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں؟ اگر بائبل کی قسم کھا کر وفاداری کا عہد کیا جاتا ہے تو یہ حلف بغیر اللہ ہوئی، جو سخت ممنوع ہے، ’’من حلف بغير الله فقد أشرك‘‘ (ابوداؤد ۳۲۵۱،ترمذی ۵۲۶۶) ’’من حلف بغير ملة الإسلام فهو كما قال، يعني فهو كاذب في يمينه‘‘ (بخاری ۵۲۶۶)

اوراگر بائبل سامنے رکھ کر رسم وفاداری ادا کی جاتی ہے اور غیر ملت اسلام جیسے یہودیت ونصرانیت وغیرہ کے ساتھ حلف نہیں لی جاتی تو بظاہر اس کے عدم جواز کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

☆مفتی اعجاز الحسن قاسمی کی رائے صریح نہیں ہے، بظاہر عدم جواز معلوم ہوتا ہے، مولانا ابوسفیان مفتاحی نے اگرچہ عدم جواز کی تصریح کی ہے، لیکن جدید فقہی مسائل اور اسلامک فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے جو حوالے نقل کئے ہیں ان سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ موصوف بھی بصورت مجبوری جواز کی گنجائش رکھتے ہیں۔

☆مولانا احسن عبدالحق ندوی اور رحمت اللہ ندوی محرف ہونے کی وجہ سے جائز نہیں مانتے، جب کہ مولانا محمد یوسف علی صاحب ’’من كان منكم حالفاً فليحلف بالله أو ليذر‘‘ (نسائی) اور ’’إن الله ينهاكم أن تحلفوا بآبائكم فمن كان حالفاً فيحلف بالله أو ليسكت‘‘. (متفق علیہ) سے استدلال کرتے ہوئے ناجائز جانتے ہیں۔

جواز کے قائلین اوران کے دلائل:

۱-قرآن کی طرح بائبل اور تورات وغیرہ پرحلف لینا ائمہ اربعہ کے نزدیک درست ہے، فقہاء احناف کی کتابوں میں اگرچہ صراحت تو نہیں لیکن کلام الٰہی کی حیثیت سے قسم کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

۲-إذا حلف المسلم بآية منسوخة من القرآن أو بالتوراة والإنجيل انعقدت يمينه، لأنه كلام الله ومن صفات الذات. (اسنی المطالب ۴/ ۲۴۴)۔

۳- من حلف بالتوراة أوالإنجيل في كلمة واحدة فعليه كفارة واحدة (التاج والإکلیل ۴/ ۴۰۰)۔

۴-وإن حلف بكلام الله أو بالمصحف أو بالقرآن أو بسورة منه أوبآية أو بحق القرآن فهي يمين، فيها كفارة واحدة، وكذا لوحلف بالتوراة أوالإنجيل ونحوهما من كتب الله(الاقناع ۴/۳۳۱) (مفتی محمد عارف باللہ قاسمی)۔

۵- بدرجہ مجبوری، بلانیت تعظیم اور ہاتھ رکھے بغیر حلف لینے کی اجازت اصل مذہب حنفیہ کے لحاظ سے دی جاسکتی ہے، اس کا حلف شرعاً منعقد نہیں ہوگا (فتاویٰ عبدالحی ،ص:۴۵۲، اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فیصلے،ص:۱۲۰) (مولانا مفتی محمد خالد نیموی قاسمی)۔

۶- عام حالات میں توقرآن کی قسم کھانا بھی درست نہیں، چہ جائیکہ بائبل کی، بائبل پر حلف انسان کے ایمان وکفر کا مسئلہ ہرگز نہیں، کیونکہ غیر محرف تورات وانجیل کے آسمانی کتاب ہونے پر سبھی مسلمانوں کا ایمان ہے،حلف برداری محض ایک رسم ہے اوراسے دکھا کر اپنی وفاداری کا یقین دلانا ہے کہ اس ملک کی اکثریت جس کتاب کوتسلیم کرتی ہے، وہ یہی کتاب ہے، اس سے بائبل پر ایمان ہونا لازم نہیں ہوتا، ”وكذلك ينعقد الحلف بالتوراة أوالإنجيل أوالزبور أوالفرقان أوصحف إبراهيم وموسىٰ، فهي كلام الله تعالىٰ وينصرف اليمين إلى غيرالمبدل منها“ (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۴/۱۰۹، شرح منتہی الإرادات ۳/ ۴۹۴، ایضا فتاویٰ الاسلام سوال وجواب ۱/۴۰۷۱) (مفتی اقبال احمد قاسمی،مولانا شوکت ثناء قاسمی، مولانا عبدالرشید کانپور)

۷- مثل إجراء المكره بما فيه إلجاء كلمة الشرك على لسانه، وايضاً فيه والأخذ في العزيمة اولى. (حسامی،ص:۶۱) (مولانا عبدالرب اعظمی)

۸- بائبل کا بمعنی کلام اللہ اورمنزل من اللہ حلف درست ہے، کیونکہ کلام اللہ ایسی صفت ہے جس سے حلف لینا معروف ہے،”ولايقسم بصفة لم يتعارف الحلف بها من صفاته، والعرف معتبر في الحلف بالصفات...وأما الحلف بكلام الله فيدورمع العرف“(شامی ۵/ ۴۸۴) جس طرح تورات،انجیل اورزبور پر من حیث کلام اللہ ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح بائبل بمعنی کلام اللہ کی نیت سے حلف لینا جائز ہے، اس صورت میں قسم منعقد ہوجائے گی، ”ولو قال: فهو بريء من القرآن وبريء من التوراة وبريء من الإنجيل وبريء من الزبور فهي أربعة أيمان..والأصل في جنس هذه المسائل أنه متى تعددت صحيفة البراء ة تتعدد الكفارة وإذا اتحدت اتحدت“(شامی ۵/ ۵۸۴-فتاویٰ قاضی خان علی الہندیہ ۵/ ۲) (مولانا محمد فیاض عالم قاسمی،مفتی جنید بن محمد)۔

لیکن بائبل سے حلف کے لئے دو شرطیں ہیں: (۱) جس ملک میں بائبل سے حلف لینا ضروری ہو وہاں مسلمانوں پر لازم ہے کہ حکومت سے بائبل کے بجائے قرآن سے حلف لینے کا مسلسل مطالبہ کریں (۲) بائبل سے مجبوراً حلف لیتے وقت اس کی تعظیم کی نیت نہ ہو (قرارات المجلس الفقہی ۸۵ / ۰۲ / ۱۴۰۲ھ)۔

۹- علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں غیر اللہ سے حلف لینا جائز ہے اور حدیث میں مخالفت کا مطلب یہ ہے کہ بأبیک، اور لعمرک کے ذریعہ قسم نہ کھائی جائے، وثیقہ کے طور پر حلف کی ممانعت نہیں ہے (شامی ۵ / ۴۷۴) (مولانا فیاض عالم قاسمی)۔

۱۰- **ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شئ إلا أن تتقوا منھم تقاۃ** (آل عمران: ۲۷)۔

۱۱- **وقد فصل لکم ماحرم عیکم إلا ما اضطررتم إلیہ** (انعام: ۱۱۹) (مولانا عبدالسلام کوثری)۔

۱۲- حلف کا مطلب ہوتا ہے کہ پوری رازداری کے ساتھ حکومت اور اس کے متعلقہ شعبے وغیرہ جو اس کے سپرد ہیں، وہ کام پوری امانت کے ساتھ کرے گا، اس میں کوئی کوتاہی اور خیانت نہ کرے گا (مولانا توقیر بدر قاسمی)۔

☆ مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی کے نزدیک اگر انصاف دلانا اسی پر موقوف ہو تو بادل ناخواستہ حلف کی گنجائش ہے، لیکن یہ بات کہ انصاف دلانا ان حالات میں اسی پر موقوف ہے، یہ فیصلہ مقامی علماء اور دانشوران کریں گے، اور حلف کے بعد توبہ واستغفار بھی کرے گا۔

☆ مفتی راشد حسین ندوی نے لکھا ہے کہ یہ ان ممالک کے ارباب اقتدار کی آخری درجہ کی حماقت ہے کہ جو لوگ بائبل کے معتقد نہیں ہیں، ان سے بھی بائبل کی قسم لیتے ہیں، کسی سے بھی حلف ایسی چیز کی لینی چاہئے جس کی عظمت اس کے دل میں ہو، ورنہ اس حلف کا وہ کیا خیال رکھے گا، البتہ مصالح کے پیش نظر بائبل پر ہاتھ رکھ کر کراہت کے ساتھ حلف لے لے اور دل میں اپنا عقیدہ پختہ رکھے کہ یہ کتاب محرف ہو چکی ہے، ایسا کرنے پر انشاء اللہ گناہ نہ ہوگا۔

☆ مولانا عبید اللہ ندوی کا خیال ہے کہ اگر کسی غیر مسلم ملک میں توریت، انجیل یا بائبل پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانا ضروری ہو اور عدالت سے قرآن کی قسم کا مطالبہ نہ مانا جائے تو بلا نیت تعظیم بحالت مجبوری قسم کھانے کی گنجائش ہے، "**رفع عن امتی الخطأ والنسیان وما استکرھوا علیہ**" (ابن ماجہ: ۲۰۴۵، إرواء الغلیل ۲۵۶۶)۔

☆ ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی لکھتے ہیں: یہود ونصاری کا وطیرہ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ وہ مسلمانوں کی دل آزاری کا سامان کرتے رہے ہیں، چنانچہ بہت سی دل آزار چیزیں مسلمانوں کو ان کی طرف سے دیکھنی اور بہت سی اذیت رساں، تکلیف

دہ اور دل دکھانے والی باتیں سننی پڑتی ہیں، "ولتسمعن من الذین أوتوا الکتاب من قبلکم ومن الذین أشرکوا أذی کثیراً، وإن تصبروا وتتقوا فإن ذلک من عزم الأمور" (آل عمران:۱۸۶)۔

لہٰذا مسلمانوں کو اجتماعی اور منظّم کوشش کے ذریعہ اپنے اس حق کو تسلیم کرانا چاہئے تاکہ وہ اپنی مذہبی کتاب مقدس قرآن کریم پر حلف لیں۔ البتہ جب تک یہ نظم نہ ہوجائے تو چونکہ بائبل بھی محرف ہونے کے باوجود کتاب الٰہی میں سے ہے، تو اس پر حلف لینے کی گنجائش ہے، "والذین یؤمنون بما أنزل إلیک وما أنزل من قبلک"۔

نوٹ: مفتی محمد اشرف قاسمی نے اس سوال کا جواب نہیں دیا ہے، شاید اس سے پہلے والے سوال کے جواب کو کافی سمجھا ہے۔

ترجیح: ناچیز کے نزدیک عام حالات کو چھوڑ کر استثنائی اور اضطراری حالت میں جبر واکراہ کے ساتھ، بلا نیت تعظیم، کلام اللہ مان کر حلف کی گنجائش دینے اور جواز کے قائلین کی رائے رکھنے والوں کی بات مناسب معلوم ہوتی ہے، اگرچہ میری رائے عدم جواز کی آچکی ہے۔ ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب۔

الیکشن سے مربوط شرعی مسائل
(سوال نمبر ۷ تا ۱۰)

مفتی اقبال احمد قاسمی کانپوری☆

احقر کو الیکشن سے مربوط شرعی مسائل کے موضوع پر آخری چار سوالوں یعنی ۷ تا ۱۰ سے متعلق عرض معروض کرنے کا حکم ہوا ہے۔ احقر کے پیش نظر ۶۳ مقالات ہیں جن سے مقالہ نگار حضرات کی تحریری آراء واضح ہوتی ہیں۔

چنانچہ سوال ۷ کے تحت جس میں سیکولر پارٹیاں جو ایک طرف مسلمانوں کی حمایت کی بات کرتی ہیں اور دوسری پارٹیوں کی بہ نسبت مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے نسبتاً بہتر خیال کی جاتی ہے۔ ساتھ ہی ان کے منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغایر ہیں، ایسی پارٹیوں میں مسلمانوں کی شمولیت وشرکت اور ان کی طرف سے انتخاب لڑنا یا پھر ایسی حکومت میں شامل ہونے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

اس سوال کے جواب میں قدرے تعبیرات اور اسلوب کے فرق کے ساتھ تمام مقالہ نگار حضرات اس پر متفق ہیں کہ ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں جو دنیا کا سب سے بڑا جمہوری ملک ہے اور تمام سیکولر وغیر سیکولر بڑی پارٹیوں کی کمان غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہے۔ مسلمان اقلیت میں ہیں اور ملکی پیمانہ پر مسلمانوں کا مستقلاً اقتدار اور خاص سیاسی اثر ورسوخ نہیں ہے، ایسی صورت میں مسلم موافق سیکولر پارٹی میں شرکت ضرورتاً ومصلحتاً جائز ہے، صرف تین حضرات کی رائے اس کے خلاف نظر آتی ہے: (احسن عبدالحق ندوی جو اسلام مخالف دفعات کی بنیا پر شمولیت کو ناجائز کہتے ہیں، مفتی اعجاز الحسن قاسمی جو شمولیت کو مسلمانوں کے لئے مضر بتاتے ہیں کہ دشمن کو قوت پہنچے گی۔ (۳) مفتی اشرف قاسمی گونڈوی جن کے خیال میں یہ سیکولر پارٹیاں ہی مسلمانوں کے لئے زیادہ خطرناک ہیں) باقی سب کی رائے جواز کی ہے۔

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا کلیم اللہ عمری، مولانا محسن القاسمی کیرانہ، مولانا عابد الرحمٰن المظاہری،

☆ استاذ مدرسہ مظہر العلوم کانپور۔

مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا مقصود فرقانی، مولانا قمر عالم قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مفتی جعفر ملی رحمانی، ڈاکٹر مبین سلیم وغیرہ کی تحریر کا حاصل یہ ہے کہ مسلم موافق پارٹیوں کو ترجیح دی جائے گی، کیونکہ یہ معاملہ اہون البلیتین کی روشنی میں دیکھا جائے گا کہ جو کم درجہ اور کم نقصان دہ چیز ہو اس کو اختیار کیا جائے۔ مولانا فیاض عالم قاسمی نے لکھا ہے کہ اگر ان پارٹیوں میں بھی شرکت نہ کی جائے تو مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی کوئی شکل نہیں ہے۔

مولانا ابوسفیان لکھتے ہیں: اہون البلیتین کی اصل کے مطابق ایسی پارٹیوں میں شامل ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونے میں کوئی حرج نہیں، اس شرط سے کہ علماء فقہ و ارباب افتاء سے رابطہ کے بعد ان کی متفقہ یا اکثریت کی رائے یہی قرار پائی ہو اور اس کی اجازت دے دیں اور تحریراً و تقریراً عام مسلمانوں سے اس کی اپیل کر دیں۔

مولانا شوکت ثنا قاسمی نے فتاویٰ محمودیہ (۵۷۰/۴) کے ایک فتویٰ کو جواز کی تائید میں پیش کیا ہے۔

مولانا عبداللطیف پالنپوری نے بھی فتاویٰ محمودیہ کا مبہم حوالہ دیا ہے۔

مولانا مجیب الرحمٰن ندوی نے کراہت قلب کے ساتھ ایسی پارٹیوں میں شرکت کو جائز لکھا ہے اور کفایت المفتی (۳۶۴) کا حوالہ دیا ہے۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی نے ایسی پارٹیوں میں شرکت کی تائید میں علامہ شبیر احمد عثمانی کی ایک تحریر و تقریر جو لیگ و کانگریس میں شامل ہونے سے متعلق ہے، اس کا اقتباس، تجلیات عثمانی ۳۶۰ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

مفتی نصر اللہ ندوی اور مفتی شاہجہاں ندوی نے ابن تیمیہ کی الاستقامہ ص ۱۶۷/۲ اور ابن قیم کی الطرق الحکمیہ ص ۳۴۷ اور مفتی تنظیم عالم قاسمی نے الحسبہ فی الاسلام لابن تیمیہ ص ۱۲ کی عبارت: "**والواجب انما هو فعل المقدور الخ**" کو مستدل بنایا ہے۔

قاضی محمد حسن ندوی، مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مولانا حیدر علی قاسمی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا یوسف علی، مولانا عبدالرب اعظمی، مفتی شبیر احمد دیولوی، مفتی عارف باللہ قاسمی، مولانا عبدالسلام کوثری کیرالہ، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی، مولانا غلام رسول منظور قاسمی، مولانا عبدالخالق، مفتی محمد سلمان قاسمی، مفتی اکمل یزدانی نے الاشباہ والنظائر سے "**إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضرراً بارتكاب أخفهما**" اور اس کے ہم معنیٰ عبارات دلائل میں لکھی ہیں، نیز آیت: "**لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم إن الله يحب المقسطين**" (سورۂ ممتحنہ) سے بھی استدلال کیا ہے۔

مولانا ریحان مبشر قاسمی نے قبل نبوت حلف الفضول نامی معروف معاہدہ کو "البدایہ والنہایہ" (۲۹۱/۲) کے حوالہ

سے استدلال میں پیش کیا ہے کیونکہ بعد نبوت بھی آپ ﷺ نے اس کی تحسین فرمائی۔اسی طرح عہد نبوت وعہد صحابہ میں یہودیوں ومشرکوں سے متعدد معاہدات کا بھی موصوف نے ذکر کیا ہے۔

مولانا شیر علی صاحب ومفتی عبدالرشید کانپوری نے ہندوستان کے مسلمانوں کی حیثیت مصالح کی قرار دی ہے اور صلح حدیبیہ کی طرح بر بنائے مصلحت صلحاً مسلمانوں کو غیر مسلم پارٹی میں شمولیت کو درست لکھا ہے۔

مفتی سید باقر ارشد قاسمی کے مطابق غیر مسلم پارٹیوں سے مفاہمت اور ان سے مصالحت کی بہترین مثال میثاق مدینہ کی بنیادی شق "لليهود دينهم وللمسلمين دينهم الخ " ہے۔

مولانا نثار عالم ندوی اور مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی نے بھی حلف الفضول، میثاق مدینہ اور صلح حدیبیہ کے واقعات سے استدلال کیا ہے، نیز جمالی صاحب نے لکھا ہے کہ سیاسی پارٹیوں کا منشور ووٹ بینک کے ارد گرد گھومتا ہے۔وہ مذہب سے ٹکراتا نہیں بلکہ بے تعلق رہتا ہے، ساتھ ہی اکابرین دیوبند اور اکابرین جمعیۃ العلماء کے طرز عمل سے سیاسی سیکولر پارٹیوں میں شرکت کی تائید فراہم کی ہے۔

بعض مقالہ نگاروں نے ایسی پارٹیوں میں شرکت کے شرائط اور ضوابط بھی ذکر کئے ہیں۔......ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی نے حکومت میں شمولیت کی شرط ذکر کی ہے کہ جو دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغایر ہیں، وہ اپنے منشور سے خارج کرنے پر راضی ہو جائیں یا گمان غالب ہو کہ مستقبل میں دفعات بدلنے کی کوشش کامیاب ہوگی۔

مولانا فاروق سورتی، مولانا ارشد حسین ندوی، مفتی جنید بن محمد، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا عبداللہ ندوی، مولانا توقیر بدر قاسمی، مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس نے بھی شرکت کرنے والوں کے لئے شرائط وہدایات کا ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) شرکت سے مقصود حصول اقتدار اور منفعت مال وجاہ نہ ہو، (۲) یہ شرکت اسلام اور مسلمانوں کو نقصانات سے بچانے کے لیے ہو، (۳) جو دستور کی دفعہ اسلام مخالف ہو، حتی الامکان اس کو بدلنے کی کوشش کرے اور اس کے خلاف احتجاج کرے، (۴) اس عہدے کو آزمائش سمجھتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کے مفادات کے حصول کا ذریعہ بنائے، (۵) حکمت کے ساتھ غیروں میں اسلام کا نمونہ پیش کرتا رہے اور اپنا اثر ورسوخ قائم کرے۔

مفتی خالد نیموی قاسمی، مولانا عبدالشکور قاسمی، مولانا ممتاز خاں ندوی، مفتی سلطان کشمیری نے بھی تصحیح نیت کے ساتھ یعنی مخالف اسلام دفعات کے خاتمہ کی نیت سے اور مصالح مسلمین کی خاطر شرکت کو جائز لکھا ہے۔

مولانا صادق مبارکپوری، مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی نے تقلیل الشر والظلم کی خاطر شرکت کو بعض صورتوں میں واجب قرار دیا ہے۔

مولانا حیدر قاسمی نے "إن لم یدرک الکل لم یترک الکل" کا مقولہ ذکر کیا ہے اور یہ کہ شرکت سے نقصان میں کمی واقع ہوگی ورنہ نقصان زیادہ ہوگا۔

مولانا عمران ندوی "للأکثر حکم الکل" کے تحت دفعات کی صحت کی بنا پر شرکت کو جائز لکھتے ہیں جبکہ اس اصول کا اطلاق یہاں بے محل معلوم ہوتا ہے۔

آخر میں یہ عرض کرتے ہوئے سوال ۸ پر آتے ہیں کہ اسلامک فقہ اکیڈمی کے چودہویں فقہی سمینار منعقدہ حیدرآباد ۲۰۰۴ء میں یہ تجویز طے پاچکی ہے کہ جمہوری سیکولر سیاسی پارٹیوں سے ملی مفادات کے تحت معاہدے کئے جاسکتے ہیں اور جن سیاسی جماعتوں نے اعلانیہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنی جماعت کا مقصد بنالیا ہو ان میں مسلمانوں کی شمولیت جائز نہیں اور ان کے کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی جائز نہیں ہے، خواہ وہ ذاتی طور پر نیک خصلت ہو (نئے مسائل اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلے ص ۱۱۲)۔

لیکن چونکہ سوال ۸ میں کھلے طور پر مسلم دشمن پارٹیوں میں شمولیت کے جواز کے سوال کے ساتھ یہ شق ہے کہ اگر کسی کی نیت ہو کہ وہ پارٹی میں شریک ہوکر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا، تو اب اس میں شامل ہونا درست ہوگا یا نہیں؟ اس سوال پر مقالہ نگاران نے مختلف آراء کا اظہار کیا ہے۔

مولانا شیر علی ایسی مسلم دشمن پارٹیوں میں شمولیت کو مطلق جائز کہتے ہیں اور صلح حدیبیہ کا حوالہ دیتے ہیں۔

مولانا عمران ندوی، مفتی عبدالرحیم قاسمی نے بھی جائز لکھا ہے اور دلیل میں "انما الاعمال بالنیات" کو ذکر کیا ہے، نیز یہ کہ پارٹی کے اندر رہ کر ہی اس کے خلاف آواز مؤثر ہوسکتی ہے اور یہ کہ ان میں شامل ہونے سے مسلم دشمنی میں کمی آئے گی۔

مفتی اشرف قاسمی گونڈوی کہتے ہیں کہ تمام پارٹیوں میں اپنی جگہ بنانے کی کوشش کرنی چاہئے، شرط یہ ہے کہ مسلم ممبران پارٹیوں کے زیادہ ترجمان ہونے کے بجائے پارٹی میں مسلمانوں کی ترجمانی کریں۔ ان مذکورہ چار حضرات کے علاوہ باقی تمام مقالہ نگار علانیہ مسلم دشمن پارٹیوں میں شرکت کو ناجائز کہتے ہیں، کیونکہ یہ تعاون علی الاثم ہے۔ دوسرے ارشاد ربانی ہے: "یا ایها الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیهم بالمودة" (ممتحنہ)، نیز ارشاد نبوی ہے: "من کثر سواد قوم فهو منهم، ومن رضی عمل قوم کان شریکا لمن عمله" (المطالب العالیہ ص ۱۶۸۰)۔ چوتھے اس میں شرکت سے دین مذہب کا نقصان ہے، کیونکہ وہ ماحول سے متاثر ہوگا جبکہ حکم ہے: "ولا ترکنوا إلی الذین ظلموا فتمسکم النار" (سورۂ ہود: ۱۱۳)، پانچویں مسلم معاشرہ میں اس کی حیثیت ختم ہوجاتی ہے، وہ لوگوں کی نگاہ میں گرجاتا ہے جبکہ حکم ہے: اتقوا مواضع التهم، چھٹے اسلام دشمنوں سے دوستی اسلام سے دشمنی کے مرادف ہے۔ ایمان فروشوں اور ضمیر فروشوں میں اس کا شمار ہے۔ اب رہا مسئلہ کہ اس نیت سے شرکت کہ پارٹی کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش

کرے گا تو اکثر مقالہ نگار نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔

مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی لکھتے ہیں کہ جن پارٹیوں کی بنیاد ہی مسلم دشمنی پر قائم ہے، اس کے منشور کو بدلنا ناممکن ہے، اس لئے اس میں شمولیت کسی نیت سے جائز نہیں۔

مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مولانا ریحان مبشر قاسمی، مولانا انور علی اعظمی، فیاض عالم قاسمی، ابوسفیان مفتاحی، مولانا عبدالرب اعظمی، مفتی جعفر ملی رحمانی، مولانا ممتاز خاں ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا حیدر علی قاسمی، مولانا کلیم اللہ عمری، مولانا محفوظ جمالی، مفتی خالد نیموی قاسمی، مولانا عبدالشکور قاسمی، مفتی عارف باللہ قاسمی، مفتی شاہجہاں ندوی، مولانا عبیداللہ ندوی، مولانا محبوب فروغ قاسمی، مولانا اشتیاق اعظمی، مولانا نثار عالم ندوی، مفتی شبیر احمد دیولوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا قمر عالم قاسمی، مفتی سلمان پالنپوری، محمد صادق مبارکپوری، مولانا مقصود فرقانی، مفتی عبدالرشید قاسمی کانپوری کی بھی یہی رائے ہے کہ فرقہ پرست اسلام اور مسلم دشمن سیاسی پارٹیوں میں اس نیت سے بھی شرکت کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا، کیونکہ اس صورت میں بھی مفاسد ونقصانات زیادہ ہیں، کیونکہ پارٹیاں خود ان کی شمولیت سے زیادہ فائدہ اٹھالیتی ہیں بلکہ وہ بھی مسلم مخالف ہوجاتے ہیں، اس لئے بقول مولانا محمد الاعظمی نیت کی بات محض فریب اور باطل حیلہ ہے محض اس مفروضہ کی وجہ سے اس کو جائز نہیں کہا جاسکتا جبکہ مسلم دشمن کا تعاون صریح حرام ہے۔

مولانا مجیب الرحمٰن ندوی لکھتے ہیں: مسلم دشمن پارٹیوں میں شرکت سے **ما اجتمع الحلال والحرام الا وقد غلب الحرام** کے اصول کے پیش نظر احتراز لازم ہے، لیکن کوئی جرأت مندی کے ساتھ ان سیاسی پارٹیوں کو بدلنے کی امید کے ساتھ شرکت کرے تو جائز بھی ہے۔ اسی طرح تقلیل ظلم اور دفع شر وغیرہ کی نیت سے شمولیت کی اجازت مفتی اکمل یزدانی، مولانا عبدالسلام کوثری، مولانا احسن عبدالحق ندوی، مولانا عبدالخالق رامپوری نے بھی ذکر کی ہے، لیکن مولانا ابوسفیان مفتاحی نے اسی کے ساتھ لکھا ہے کہ چونکہ واقعہ بالکل اس کے خلاف ہے، لہٰذا اس کی گنجائش نہ بنائی جائے جبکہ مولانا قمر الزماں ندوی لکھتے ہیں: یہ گنجائش صرف اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ واقعی مؤثر ہوسکے ورنہ پارٹی چھوڑنا واجب ہے۔

سیکولر اور غیر سیکولر پارٹی میں مسلمانوں کی شمولیت کے مسئلہ کے بعد اگلا نواں سوال مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی پارٹی بنانے کا ہے کہ کیا ایسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، مسلمانوں کے لئے علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا جائز ہوگا؟ جبکہ اسے سیکولر ایجنڈے کے تحت ہی کام کرنا پڑتا ہے اور جہاں مسلمانوں کی آبادی مرتکز نہیں ہوتی ہے وہاں خصوصاً اور دوسرے علاقوں میں عموماً مسلم سیاسی جماعت کا قیام مسلمان مخالف ووٹ کو متحد کردیتا ہے اور اس سے فرقہ پرست تنظیم فائدہ اٹھالیتی ہیں۔

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات کے تین نقطہائے نظر سامنے آئے ہیں:

مولانا فیاض عالم قاسمی، مفتی شبیر احمد دیولوی، مولانا عبدالخالق رامپوری، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا انور اعظمی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی عارف باللہ قاسمی، مفتی سلمان پالنپوری، مفتی لطیف الرحمٰن ولایتی، مولانا محمد الاعظمی، مولانا صادق مبارکپوری، نثار عالم ندوی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا احسن عبدالحق ندوی، مولانا غلام رسول منظور القاسمی، مولانا عابد الرحمٰن بجنوری کی رائے میں علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا حالات کے پیش نظر صحیح نہیں، دلیل میں مولانا فیاض قاسمی نے لکھا ہے کہ یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة ۔مفتی عارف باللہ قاسمی نے لکھا ہے کہ ماضی کے حالات اور مسلمانوں کے موجودہ باہمی اختلافات کے پس منظر میں ایسی سیاسی متحدہ جماعت کا وجود نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی مناسب ہے، کیونکہ ایسی کمزور جماعت کا فائدہ نہ ہوگا۔

مفتی سلمان پالنپوری نے فرمایا کہ مسلمان فروعی اختلافات میں بٹ چکے ہیں، ان حالات میں علیحدہ سیاسی جماعت پر اتفاق جوئے شیر لانے کے مرادف ہے۔

مولانا غلام رسول منظور قاسمی، مولانا عابد الرحمٰن نے دلیل ذکر کی ہے کہ اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کے معاملہ میں تمام کفار ایک ملت ہیں، خواہ ان کے اندر کتنی ہی تنظیمیں کیوں نہ ہوں، اس لئے ان حالات میں خالص مسلم سیاسی جماعت کے قیام کا اعلان شرارت پسند اور متعصب ہندو اور فرقہ پرست لوگوں کو آپس میں متحد و متفق کرنے کے موقع فراہم کرنے کے مترادف ہوگا جو مسلمانوں کے لئے خطرناک اور نقصان دہ ثابت ہوگا۔

مفتی شبیر احمد دیولوی لکھتے ہیں کہ جس ملک میں مسلمان اقلیت میں ہوں، وہاں ہرگز مسلمان اپنی الگ جماعت قائم نہ کریں بلکہ جمہوری پارٹی کو ترجیح دیں، اس لئے کہ مسلمانوں کی حکومت تو حالات کے پیش نظر ایسے ملک میں محال کے درجہ میں ہے، نیز الگ تنظیم قائم کرنے کی بنیاد پر اسلام دشمنی اور مخالفت میں مزید اضافہ ہوجائے گا اور شریعت پر چلنا دشوار ہوجائے گا جو کہ اصل مقصود ہے، لہٰذا صرف اس نیت سے کہ اسلام پر چلنا نصیب ہو، جمہوریت کو ترجیح دی جائے اور اس طرح کا عمل نبی اکرم ﷺ سے بھی ثابت ہے جو میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی نے لکھا ہے کل ہند سطح پر علیحدہ سیاسی جماعت مسلمانوں کے لئے صرف ناکامی کے اعلان کے ہم معنی ہے، اس لئے جواز کی گنجائش نہیں۔

مولانا عبید اللہ ندوی نے مولانا ابوالکلام آزاد کا فرمان نقل کیا ہے کہ انہوں نے لکھنؤ میں قوم کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اب

اپنی کوئی علیحدہ جماعت نہ بنائیں بلکہ ملک کی قومی جماعتوں میں جوان کے مفادات کے لئے کام کررہی ہے شامل ہوجائیں۔

مولانا انور اعظمی نے تحریر کیا ہے کہ یہ بات بہت مشکل ہے کہ کشمیر چھوڑ کر ہندوستان کے کسی صوبہ میں کوئی مسلم پارٹی اپنی سرکار بنا سکے۔ مرکز میں یہ معاملہ اور دشوار کن ہے، اس لئے ان حالات میں الگ سیاسی پارٹی بنا کر مسلمانوں کو متحد کرنا یہ ممکن بھی نہیں ہے اور ایسا کرنے میں مسلمانوں کے لئے نفع کی زیادہ امید بھی نہیں۔ سیاسی سوجھ بوجھ کے دو بڑے عالم حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، مولانا سید اسعد مدنی نے ایسے سیاسی تجربہ سے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ مسلمانوں کا الگ پارٹی بنا کر الیکشن لڑنا کچھ زیادہ مفید نہیں۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب نے خود مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ کی رائے بھی ''قاموس الفقہ'' کے حوالہ سے یہی ذکر کی ہے کہ مسلمانوں کی اپنی سیاسی جماعتیں ہندوستان جیسے ملکوں میں مفید نہیں۔

دوسری رائے بعض مقالہ نگاران کی اس کے برعکس ہے، ان کا خیال ہے کہ ہندوستان کے ان حالات میں بھی مسلم پارٹی کا قیام جائز ودرست ہے بلکہ ملک گیر سطح پر پارٹی کی ضرورت ہے اور سیاسی جماعت کا قیام امت کا اہم تقاضہ ہے۔ یہ رائے ہے مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مفتی اعجاز الحسن قاسمی، مفتی عبد الرحیم بھوپال، مولانا حیدر علی قاسمی، مولانا کلیم اللہ عمری، مفتی جنید پالنپوری، مولانا مقصود فرقانی، مولانا قمر عالم قاسمی، مفتی شاہجہاں ندوی، مولانا اشرف قاسمی، مولانا مجیب الرحمٰن ندوی، مولانا توقیر بدر قاسمی کی۔

مولانا ہلال عثمانی لکھتے ہیں کہ جبکہ سیاست پارٹی سسٹم پر ہے تو مسلمانوں کی کوئی جماعتی آواز نہ ہونا ان کے لیے سیاسی اعتبار سے سخت نقصان دہ ہے۔ رہا مخالف ووٹ متحد ہونے کا اندیشہ تو اس خطرہ سے مسلمانوں کو متحد ہونے سے روکنا کوئی حکمت کی بات نہیں۔ تقریباً یہی بات مولانا مصطفی عبد القدوس ندوی نے بھی لکھی ہے۔

مولانا مجیب الرحمٰن ندوی، مفتی اعجاز الحسن قاسمی نے لکھا ہے کہ اسلام میں سیاست اور دین کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ موجودہ سیاست کے بجائے اسلام کی بنیادوں پر سیاسی پارٹی بنانا ضروری ہے۔ مولانا حیدر علی قاسمی نے مزید لکھا ہے کہ سیاسی پارٹی بنانا وقت کا تقاضا ہے، چاہے مخالف ووٹ متحد ہوجائے اور فرقہ پرست فائدہ اٹھائیں۔

مفتی نصر اللہ ندوی کہتے ہیں کہ مسلم سیاسی جماعت کا قیام اس لئے ضروری ہے کہ باقی سب پارٹیاں دھوکہ باز ہیں۔

سیاسی جماعت کے قیام کے سلسلہ میں تیسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ مسلم پارٹی کی تشکیل کا حکم ہر علاقہ کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ ہوگا۔ کہیں اس کی افادیت غالب ہوگی اور کہیں مضرت کا غلبہ ہوگا۔ افادیت ومضرت کے غلبہ کے اعتبار سے اس کے جواز وعدم

جواز کا فیصلہ ہوگا اور یہ فیصلہ کرنا سیاسی مبصرین کا کام ہے کہ کہاں الگ سیاسی پارٹیوں کا قیام مناسب ہے اور کہاں دوسری سیکولر پارٹیوں میں شرکت۔ یہ رائے ہے مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا محبوب فروغ قاسمی، مفتی عبدالرشید قاسمی، مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا خالد قاسمی، مولانا فیاص عالم قاسمی، قاضی محمد حسن ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اکمل یزدانی، مولانا راشد حسین ندوی اور مولانا محمد فاروق اور راقم الحروف اقبال احمد قاسمی کی۔

مولانا راشد حسین ندوی نے ''الاشباہ والنظائر'' کے حوالہ سے قواعد کی دوسری نوع کے قاعدہ نمبر ۵ کی عبارت ''**تصرف الإمام علی الرعیة منوط بالمصلحة**'' ذکر کر کے لکھا ہے کہ یہ مسئلہ پوری طرح مصالح کے تابع ہے جس میں تبدیلیاں ہوسکتی ہے۔

مفتی ریحان مبشر قاسمی نے لکھا ہے کہ جہاں مسلمانوں کی آبادی مرتکز ہو یا مسلم سیاسی پارٹی کے قیام سے مخالف ووٹ متحد ہونے سے نقصان نہ ہو تو ایسی جگہ علیحدہ سیاسی جماعت مفید ہوگی ورنہ سخت مضر ہوگی۔

مفتی تنظیم عالم قاسمی و مولانا شوکت قاسمی لکھتے ہیں: جن علاقوں میں مسلم آبادی کم ہے وہاں مصلحتاً کوئی سیاسی جماعت قائم کرنے کے بجائے سیکولر پارٹی کا تعاون ہی مناسب ہوگا۔

مفتی عبدالرشید قاسمی نے علیحدہ پارٹی تشکیل نہ دیے جانے کی صورتوں میں ایسے علاقوں کے مسلمانوں کو اپنا ایجنڈہ مرتب کر کے پارٹیوں کے پاس لے جانے اور جو ان کے مطالبات کو مانے ان کو سپورٹ کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ اس کے لیے بھٹکل کو بطور مثال بھی پیش کیا ہے۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی اور مولانا فیاض عالم قاسمی نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو سیکولر ایجنڈے کے مطابق غیر مسلموں کو بھی ساتھ لے کر پارٹی تشکیل کرنی چاہیے اور نام بھی سیکولر ہو، البتہ کلیدی عہدے اور بالادستی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔ مقالہ نگاروں نے ایسی پارٹیوں کے نام بھی ذکر کیے ہیں۔

مولانا مظاہر حسن عماد قاسمی نے ان کا مکمل تعارفی خاکہ بھی پیش کیا ہے۔

مفتی عبدالرحیم قاسمی نے بھی جنوبی ہند کیرالہ اور تمل ناڈو کی مسلم لیگ اور حیدرآباد میں مسلم اتحاد المسلمین جیسی مسلم سیاسی پارٹیوں کے طرز پر پاٹی کی تشکیل پر زور دیا ہے۔ اکثر نے آسام کی یوڈی ایف کا بھی ذکر کیا ہے۔

مولانا عبدالرب اعظمی نے خلاصہ کے طور پر لکھا ہے کہ اگر مسلمان اکثریت میں ہیں تو ان کو محکوم بننا درست نہیں۔ **الإسلام یعلو ولا یعلی علیہ** اور جہاں اقلیت میں ہیں اور وہاں الگ پارٹی تشکیل دینے میں کوئی نقصان نہ ہو تو درست

ہے اور اگر پارٹی تشکیل دینے میں غیر مسلم اکثریت بھی ایک دم سے متحد ہو جاتی ہے اور فرقہ پرست عناصر کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے تو درست نہیں۔

اس سلسلہ کا آخری مسئلہ خواتین کے شریک سیاست ہونے کا ہے کہ خواتین کا الیکشن میں کیا کردار ہو اور وہ کس حد تک اس میں حصہ لے سکتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ عورت کے لئے سیاست وقیادت حکمرانی وجہاں بانی میں حصہ لینے کی تین صورتیں ہوتی ہیں:

۱-عورت کو حکومت کا سربراہ اور قائد اعلیٰ بنا دینا۔

۲-کسی عورت کا پارلیمنٹ کا رکن یا اسمبلی اور کونسل کا ممبر ہو کر شریک اقتدار ہونا۔

۳-عام ووٹر کی حیثیت سے صرف ووٹنگ میں حصہ لینا۔

مؤخر الذکر صورت کہ عورت ووٹر کی حیثیت سے پولنگ بوتھ پر جا کر اپنے ووٹ کے حق کا استعمال کر سکے، اس کے جواز پر سبھی ہم خیال نظر آتے ہیں۔ مفتی ریحان مبشر قاسمی اور مولانا عبید اللہ ندوی نے علماء کے باہمی اختلاف کا بھی ذکر کیا ہے، ساتھ ہی جواز کا رجحان بھی ظاہر کیا ہے چونکہ اس میں صرف اپنے گھر سے ووٹنگ روم تک آنے جانے کا مسئلہ ہے اور جمہوری الیکشن میں مرد وعورت کی قیمت یکساں ہے، اس لئے گھر سے باہر نکلنے کے اصول وآداب کی رعایت کے ساتھ مسلم خواتین کو ووٹ دینا نہ صرف جائز بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہے، کیونکہ اگر مسلم خواتین کو انتخابی عمل سے دور کر دیا جائے تو مسلم رائے دہندگان کا نصف حصہ ووٹ دینے سے محروم رہ جائے گا جس سے نا قابل تلافی نقصان ہوا، اس لئے پردہ کے اہتمام کے ساتھ عورتیں ووٹ دے سکتی ہیں۔

مفتی سید باقر ارشد لکھتے ہیں کہ جہاں تک ووٹنگ کا سوال ہے۔ یہ ایک عام انسانی حق ہے اور جمہوری بھی، جمہوریت کے لحاظ سے ملک کے ہر شہری سے ووٹ کا تقاضہ کیا جاتا ہے، لہٰذا جو حکم مرد کے لئے ووٹ کے بارے میں ہے یعنی وہ شہادت ہے اور اس کا ڈالنا ضروری ولازمی ہے، اسی طرح عورت کے لئے بھی ووٹ کا ڈالنا ضروری ہے۔ فرمان الٰہی: ''**واقیموا الشهادة لله**'' اور اس جیسی دوسری آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے شہادت کا تقاضا صرف مردوں سے نہیں بلکہ مرد وعورت دونوں سے کیا ہے۔ موصوف نے (موسوعہ فقہیہ جزاول) کی عبارت کا بھی حوالہ دیا ہے۔

مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی نے شہادت کے وجوب کی بنا پر ووٹنگ کو خواتین پر بھی واجب قرار دیا ہے۔

مفتی جعفر ملی رحمانی نے کفایت المفتی (۳۴۹/۹) کے حوالے سے لکھا ہے کہ عورتوں کا ووٹر بننا ممنوع نہیں ہے، نیز مولانا فاروق نے لکھا ہے کہ بجز چند امور حدود وقصاص کے وہ شہادت کی اہلیت رکھتی ہے، اس لیے اس کا ووٹر بننا بھی صحیح ہے۔

مفتی تنظیم عالم قاسمی لکھتے ہیں: جمہوری نظام میں ایک ایک ووٹ قیمتی ہوتا ہے، اس سے صرف ووٹ ڈالنے والی عورت کا نہیں بلکہ پوری قوم کے حقوق کا تحفظ ہوتا ہے، اس لیے عورت کے لئے ووٹ ڈالنا نہ صرف جائز ہے بلکہ فتنہ سے مامون رہنے کی صورت میں مردوں کی طرح عورتوں پر بھی بعض صورتوں میں فرض کفایہ اور بعض مخصوص حالات میں فرض عین ہوگا۔

یہ گفتگو خواتین کو ووٹ میں اپنا کردار نبھانے کی تھی۔ اب بات یہ ہے کہ وہ امیدوار کی حیثیت سے کھڑے ہوکر الیکشن لڑسکتی ہے یا نہیں؟ اسی ضمن میں عورت کی سربراہی امامت کبریٰ اور قضاء کے اہل ہونے نہ ہونے کی بحث بھی چھیڑی گئی ہے، لیکن ہم انتہائی اختصار سے کام لیتے ہوئے اور ان قیمتی مضامین اور دلائل سے صرف نظر کرتے ہوئے زیر بحث اصل نقطہ کو سامنے لانا چاہتے ہیں کہ عورت کا الیکشن میں امیدوار بننا جائز ہے یا نہیں؟

مولانا شوکت ثنا کے نزدیک چونکہ عورت کا سربراہ مملکت بننا درست ہے، لہٰذا امیدوار ہونا بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔ مفتی اشرف قاسمی اور مولانا فیاض عالم کے نزدیک بھی اگر مصلحت ہوتو جائز ہے، جبکہ دیگر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک ریزرو سیٹوں وغیرہ جیسی اضطرابی حالت کو مستثنیٰ کرکے عام حالت میں خواتین کا بحیثیت امیدوار الیکشن میں کھڑا ہونا ناجائز ہے جبکہ مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی اور مفتی تنظیم عالم قاسمی کے نزدیک ریزرو سیٹوں کے موقع پر بھی خواتین کو امیدوار بننے کی گنجائش نہیں ہے۔

مولانا عبدالرب اعظمی نے لکھا ہے کہ عورت کے امیدوار ہونے سے جہاں مرد کی حاکمیت فوت ہوتی ہے، وہیں بے پردگی کا مسئلہ، عورت کی عفت وعزت کا مسئلہ، ناجائز تعلقات پیدا ہونے کا مسئلہ دوسرے بہت سے ضمنی مسائل پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، کیونکہ ایک عورت جب الیکشن میں بحیثیت امیدوار کھڑی ہوگی تو دسیوں کام ایسے کرنے پڑیں گے جو قرآن وحدیث کے خلاف ہوں گے، مثلاً ووٹروں کے پاس جاکر خوشامد کرنا، انتخابی مہم چلانا، بازاروں، سڑکوں پر گھومنا، مردوں کے سامنے جانا، اپنے بیانات جاری کرنا، بینروں پوسٹروں میں تصویر آویزاں کرنا وغیرہ، اس لئے یہ شوشہ ایک مغربی سازش ہے جس کی فقہی اعتبار سے بالکل گنجائش نہیں نکلتی۔

مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی لکھتے ہیں: الیکشن میں ان کا امیدوار بننا شرعی طور پر جائز نہیں ہے اور یہ عمل ہمارے خاندانوں کو کمزور کرسکتا ہے۔ حکوت اگر سیٹیں ریزرو کرتی ہے تو کرتی رہے، لیکن ہمیں اپنی خواتین کی عزت وحرمت ریزرویشن سے کہیں زیادہ عزیز ہونی چاہیے۔

مفتی تنظیم عالم قاسمی لکھتے ہیں: جہاں تک مسئلہ ہے خواتین کے لئے سیٹیں ریزرو کئے جانے کا تو محض اس کی وجہ سے

نصوص سے ثابت شدہ مسئلہ میں کوئی تسہیل نہیں کی جاسکتی، بلکہ جس طرح شاہ بانو کیس اور وندے ماترم، ہم جنس سے نکاح جیسے مسائل میں مسلم پرسنل لا بورڈ نے کوشش کی تھی، اسی طرح حکومت پر دباؤ ڈالا جائے کہ خواتین کے لئے سیٹیں ریزرو نہ کرے، کیونکہ اسلامی نقطۂ نظر سے خواتین ممبر نہیں بن سکتی۔

مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی نے الیکشن میں خواتین کے امیدوار بننے اور قانون ساز اداروں کی ممبر بننے کے سلسلہ میں علماء کے دو نقاط نظر ذکر کئے ہیں۔ ایک عدم جواز دوسرے جواز کا پھر مجوزین اور عدم جواز کے قائلین کے تفصیلی دلائل کو ذکر کر کے عدم جواز کو راجح قرار دیا ہے۔

مفتی سلطان کشمیری نے مفتی تقی عثمانی کی کتاب اسلام اور سیاسی نظریات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں دونوں طرف کچھ دلائل موجود ہیں، لیکن کوئی ایسی واضح نص موجود نہیں جس کی بنا پر کہا جائے کہ انہیں شوریٰ میں شامل نہیں کیا جاسکتا، البتہ یہ بات طے ہے کہ اگر شوریٰ میں شامل کیا جائے تو حجاب شرعی کے احکام کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا۔

مفتی شوکت ثنا قاسمی نے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے عورت الیکشن میں امیدوار نہیں بن سکتی، البتہ اگر ہندوستان میں خواتین کے لئے سیٹیں مخصوص کردی جائیں تو یہاں کے خصوصی حالات میں اس کے سوا چارہ نہ ہوگا کہ اگر مسلمان اس قانون کے روکنے پر قادر نہ ہوں تو کمتر درجہ کی برائی سمجھتے ہوئے خواتین کو بھی انتخابی امیدوار بنائیں (حوالہ راہ عمل ۳/۱۲۶)۔

احقر نے بھی حضرت تھانویؒ کے حوالہ سے حکم اصلی اور حکم عارضی کی تفریق کرتے ہوئے خواتین کی امیدواری کے جواز کو عارضی حکم قرار دیا ہے تاکہ دشمنوں اور اغیار کو ایسی سیٹوں پر قبضہ کی کھلی چھوٹ نہ مل جائے جس سے ملت کا زبردست خسارہ ہے، البتہ حتی الامکان ایسی منتخب خواتین جو امور مردوں کے ذریعہ انجام دے سکیں وہ اپنے محارم سے انجام دلائیں یا انہیں اپنا سکریٹری مقرر کرلیں اور جہاں خود شرکت لازمی ہو وہاں بھی محارم کے ساتھ جائیں غرضیکہ مفاسد کی تقلیل کے ساتھ اھون البلیتین کو اختیار کرتے ہوئے خواتین کو ریزرو سیٹ میں حصہ لینے کی گنجائش ہوگی۔

☆ ☆ ☆

دوسرا باب

تفصیلی مقالات

الیکشن کے شرعی مسائل

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی

۱- ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

ووٹ شرعی نقطۂ نظر سے شہادت (گواہی) کے درجہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یا أیها الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شهداء لله (اے ایمان والو! انصاف کو قائم کرنے والے خدا کے واسطے گواہی دینے والے بن جاؤ)۔

کچھ اہل علم ووٹ کو سفارش اور کچھ دوسرے حضرات وکالت قرار دیتے ہیں اور ظاہر سی بات ہے کہ انسانی سماج سے ظلم و ناانصافی کے خاتمہ کے لیے حکومت عادلہ کو قائم کرنے کا سب سے مضبوط راستہ ''ووٹ'' ہے جو امیدوار کے حق میں ووٹر کی شہادت سے طے ہوتا ہے جس کے لیے وہ صحیح نمائندہ ہونے کی سفارش کرتا ہے یا اسے قوم کا وکیل بنا رہا ہے، بہر صورت اس کی اہمیت ظاہر ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الناس اذا رأوا الظالم فلم یأخذوا علی یدیه أوشک أن یعمهم الله بعقاب (جمع الفوائد ۲/۵۱ بحوالہ ابوداؤد و ترمذی) (اگر لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب پر اپنا عذاب عام نازل فرمائیں)۔

آپ کھلی آنکھ دیکھ رہے ہیں کہ ظلم ہو رہا ہے اور انتخابات میں سرگرم حصہ لے کر اس ظلم کو کسی نہ کسی درجہ میں مٹانا آپ کی قدرت میں ہے تو اس حدیث کی رو سے آپ کا فرض ہے کہ خاموش بیٹھنے کے بجائے ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اس ظلم کو روکنے کی مقدور بھر کوشش کریں۔

۲- اگر ووٹ شہادت کے درجہ میں ہے تو اس کا شرعی حکم کیا ہوگا، ووٹ دینا صرف جائز ہوگا یا مستحب یا واجب؟

جب ووٹ کی شرعی حیثیت شہادت کی سی ہے تو ضرورت کے وقت اس شہادت کو چھپانا بالفاظ دیگر ووٹ کا صحیح استعمال نہ کرنا سخت گناہ ہے۔ قرآن میں ہے: **ولا تکتموا الشهادة ومن یکتمها فإنه آثم قلبه** (اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو شخص اس گواہی کو چھپائے گا اس کا دل گنہگار رہے)۔

اورحضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشادفرمایا:

من كتم شهادة إذا دعي إليها كان كمن شهد بالزور (جمع الفوائد ۱/ ۶۲،بحوالہ طبرانی) (جس کسی کوشہادت کے لیے بلا یا جائے پھر وہ اسے چھپائے تو وہ ایسا ہے جیسے کوئی جھوٹی گواہی دینے والا)۔

قرآن وسنت کے اس فیصلے سے سمجھا جاسکتا ہے کہ ووٹ کا صحیح استعمال کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔عمومی حالات میں واجب علی الکفایہ اور خصوصی حالات میں واجب علی العین ہے۔

۳- الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا کیا حکم ہے؟

قومی،ملکی،انسانی،سماجی اور دینی ضرورت کے وقت میں الیکشن میں خود کو بحیثیت امیدوار پیش کرنا بھی ایک دینی ضرورت ہے اور اس حیثیت کے اظہار میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔صرف اقتدار کے حصول کے نقطہ نظر سے امیدوار بننا بلاشبہ مذموم اور شریعت کی نگاہ میں مردود ہے،لیکن سماجی برائی کے خاتمہ کے لیے اقتدار کی راہ سے منزل تک پہنچنے کی اہلیت وصلاحیت کا اظہار نہ صرف جائز بلکہ بعض حالات میں واجب ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں مصر کے حالات کی اصلاح کے پیش نظر قرآن حکیم نے یوسف علیہ السلام کا خودکو فائنانس منسٹر یا وزیر خزانہ کے عہدے کے قابل ہونے کی پیشکش کا ذکر کیا ہے(جس میں فوڈ منسٹری یا وزارت خوراک بھی شامل ہے)۔

قال اجعلني على خزائن الأرض إني حفيظ عليم (سورہ یوسف:۵۵) (یوسفؑ نے کہا کہ مجھے ملک کے خزانہ پر مقرر کردو نگہبان ہوں،خوب جاننے والا)۔

قرآن کی اس آیت سے واضح ہوا کہ اگر کوئی شخص دوسروں سے زیادہ بہتر طور پر عہدۂ حکومت میں امانت ودیانت داری کے ساتھ اس کی ذمہ داری پوری کرسکتا ہے تو ایسی حالت میں عہدے کا خود طلب کر لینا جائز ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے مفسر قرآن امام قرطبی کے حوالے سے لکھا ہے:

اگر آج بھی کوئی شخص یہ محسوس کرے کہ کوئی عہدہ حکومت کا ایسا ہے جس کے فرائض کو دوسرا آدمی صحیح طور سے انجام دینے والا موجود نہیں اور خود اس کو یہ اندازہ ہے کہ میں صحیح انجام دے سکتا ہوں تو اس کے لیے جائز ہے بلکہ واجب ہے کہ اس عہدے کی خود درخواست کرے۔مگر اپنے جاہ ومال کے لیے نہیں بلکہ خدمت خلق کے لیے۔جس کا تعلق قلبی نیت وارادہ سے ہے جو اللہ تعالیٰ پر خوب روشن ہے(معارف القرآن ۴/ ۱۳ بحوالہ تفسیر قرطبی)۔

البتہ کسی عہدہ کے حصول کے لیے یا جاہ ومال اور اقتدار کے لالچ میں کھڑا ہوا تو حدیث رسول ﷺ کی رو سے

ممنوع ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے فرمایا:

"کبھی کوئی امارت طلب نہ کرو، کیونکہ تم نے خود سوال کر کے عہدہ امارت حاصل کر بھی لیا تو اللہ کی تائید نہیں رہے گی جس کے ذریعہ لغزشوں اور خطاؤں سے بچ سکو اور اگر بغیر طلب کیے تمہیں کوئی عہدہ مل گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید واعانت رہے گی جس کی وجہ سے تم اس عہدے کے پورے حقوق ادا کر سکو گے۔"

صحیح مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے:

ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے کسی عہدہ کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا:

إنا لا نستعمل على عملنا من أراده.

یعنی ہم اپنا عہدہ کسی ایسے شخص کو نہیں دیا کرتے جو خود اس کا طالب ہو (معارف القرآن ۴/ ۱۳)۔

۴- **غیر مسلموں میں اور بہت سے مسلم ملکوں میں بھی قانون ساز ادارے خلاف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں، ایسی صورت میں ان اداروں کا ممبر بننا درست ہوگا یا نہیں؟ خاص کر ان حالات میں کہ ہندوستان کے موجودہ قانون کے مطابق اگر کوئی پارٹی اپنے ممبروں کے لیے وہیپ جاری کردے تو وہ پارٹی کی پالیسی کے مطابق ووٹ کا پابند ہوجاتا ہے اور اپنے ضمیر کی آواز پر ووٹ دینے کا اختیار نہیں رکھتا؟**

ایسے غیر مسلم و مسلم ملکوں میں خلاف شریعت قوانین بنانے اور اس کے نفاذ کو حتی المقدور روکنے کی نیت سے ان اداروں کا ممبر بننا درست ہے بلکہ موجودہ وقت کا لازمی تقاضا بھی ہے۔

خود قرآن پاک کی مذکورہ بالا آیات کے ذیل میں مفسرین نے اس کے جواز کو ثابت کیا ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر کی ملازمت (اور عہدۂ حکومت) قبول فرمائی حالانکہ وہ کافر تھا جس سے معلوم ہوا کہ کافر یا فاسق حکمراں کا عہدہ قبول کرنا خاص حالات میں جائز ہے (معارف القرآن ۴/ ۱۳)۔

غیر مسلم حکومتوں یا مسلم غیر اسلامی سلطنتوں کے عہدے قبول کرنا اور بعض خلاف شریعت قانون سازی کے باوجود ان اداروں کا ممبر بننا اس لیے جائز ہے کہ ممبری قبول نہ کرنے کی صورت میں خلق اللہ کے حقوق ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔

تفسیر "بحر محیط" میں ہے کہ جہاں معلوم ہو کہ علماء صلحا اگر یہ عہدہ قبول نہ کریں گے تو لوگوں کے حقوق ضائع

ہو جائیں گے، انصاف نہ ہو سکے گا۔ وہاں ایسا عہدہ قبول کر لینا جائز بلکہ ثواب ہے بشرطیکہ اس عہدہ میں خود اس کو خلاف شرع امور کے ارتکاب پر مجبوری پیش نہ آئے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ''تفسیر قرطبی'' اور ''تفسیر مظہری'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سلف صالحین، صحابہ وتابعین میں بہت سے حضرات کا ایسے ہی حالات میں ظالم وجابر حکمرانوں کا عہدہ قبول کر لینا ثابت ہے (معارف القرآن ۴/ ۱۴)۔

کتب سیرت کے اس تاریخی واقعہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی عمر شریف کے بیسویں سال میں 'حلف الفضول' کے معاہدہ میں شرکت فرمائی جس میں بنوہاشم اور بنوتیم زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر عبداللہ بن جدعان کے مکان میں جمع ہوئے اور سب نے مظلوم کی نصرت وحمایت خواہ مظلوم اپنا ہو یا پرایا، دیسی ہو یا پردیسی اور اس کی حتی الوسع امداد واعانت کا عہد کیا (روض الانف ۱/ ۱۲۰، طبقات ابن سعد ۱/ ۸۲)۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اس معاہدے کے وقت میں بھی عبداللہ بن جدعان کے گھر میں حاضر تھا، اس معاہدے کے مقابلے میں اگر مجھ کو سرخ اونٹ بھی دیے جاتے تو ہرگز پسند نہ کرتا اور اگر اب زمانہ اسلام میں بھی اس قسم کے معاہدے کی طرف بلایا جاؤں تو بھی اس کو ضرور کروں گا (مولانا محمد ادریس کاندھلوی، سیرت النبی ۱/ ۹۵)۔

جہاں تک پارٹی کے وہیپ جاری کر دینے کے بعد ضمیر کے خلاف اس کی پالیسی کے حق میں ووٹ دینے کا سوال ہے تو یہ پارلیمنٹری قانون کی مجبوری میں ایک نادر اور قلیل الوقوع معاملہ ہے عمومی طور پر ایسا نہیں ہوتا، اس لیے اس کو گوارہ کرنے کی گنجائش ہے۔

حدیث رسول ﷺ میں أھون البلیتین کو اختیار کرنے کی بات ایسی ہی صورت حال کے لیے کہی گئی ہے۔

۵- جو لوگ قانون ساز اداروں کے رکن منتخب ہوں، انہیں دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے اور دستور میں بہت سی دفعات خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں تو یہ عمل کہاں تک درست ہوگا؟

ہندوستان ایک ویلفیر اسٹیٹ ہے، یعنی ایک ایسا امدادی ادارہ ہے جس کی تعمیر وتشکیل میں ہندوستان کی تمام مذہبی قومی باشندوں کی برابر درجہ کی شرکت ہے اور اس کے دستور میں کسی مذہب کے خلاف خاص طور پر کوئی دفعہ شامل نہیں کیا گیا ہے، پھر بھی اگر کوئی دفعہ کسی مذہب کے خلاف ہو تو اسی دستور کے تحت اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جا سکتی ہے، لہٰذا کسی خلاف شریعت دفعہ کی موجودگی کو کالعدم تصور کرتے ہوئے مجموعی طور پر دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا جائز ہے۔ بدقسمتی سے دنیا کی تمام مذہبی قوموں نے بھی اپنے سیاسی دستور حکومت سے مذہب کو خارج کر رکھا ہے اور قومیت کو ہی اصل مذہب قرار دے رکھا ہے، ایسی صورت حال میں دستور سے وفاداری کا حلف اس ملک کی حکومت میں شرکت کا لازمی حصہ ہے، اس

میں خلاف مذہب کسی دفعہ کی موجودگی کے باوجود دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانے کی گنجائش ہے۔

۶- بعض عیسائی ملکوں میں ہرممبر کو بائبل پر حلف لینا پڑتا ہے خواہ کسی مذہب کا ہو، تو کیا مسلم ارکان کے لیے یہ عمل درست ہوگا؟

بائبل عہدنامہ قدیم اور عہدنامہ جدید کا مجموعہ کہلاتا ہے جس میں توریت، زبور، انجیل سب شامل ہیں اور اسلام کی شریعت میں مسلمانوں کو ان سب اصل آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کا پابند بنایا گیا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

قل آمنا بالله وما أنزل علينا وما أنزل على إبراهيم و إسماعيل وإسحاق ويعقوب والأسباط وما أوتي موسىٰ وعيسىٰ والنبيون من ربهم لا نفرق بين أحد منهم ونحن له مسلمون (سورہ آل عمران:۸۴)

(آپ کہیے ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا ہے اور جو کچھ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولادوں پر اتارا گیا سب پر ایمان لائے اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ان پر ایمان لائے ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم تو اللہ کے فرمانبردار ہیں)۔

اس کے باوجود مسلمانوں کو قرآن پاک پر حلف اٹھانے کا طریقہ نہیں سکھایا گیا بلکہ حلف میں اللہ کی ذات پاک اور اس کی صفات پر حلف کو معتبر بتایا گیا ہے۔ ایسی حالت میں عیسائی ملکوں میں اگر بائبل پر حلف اٹھانا ہرممبر کے لیے قانونی مجبوری ہو تو یہ ایک مذہبی اور اسلامی مسئلہ کے بجائے خالص سیاسی رواجی مسئلہ ہے اور ان ملکوں کے مسلم ممبران کے لیے یہ تصور کرتے ہوئے کہ وہ خدا کے نازل کردہ احکام والے اور انجیل بائبل یا غیر منحرف اصل بائبل پر حلف اٹھا رہے ہیں۔ حلف اٹھانے کی گنجائش ہے۔

جیسا کہ بعض فقہا نے صرف رواج بن جانے کی وجہ سے قرآن پاک پر حلف اٹھانے کو قسم کے حکم میں شامل کیا ہے۔

قال العينى، لو حلف بالمصحف أو وضع يده عليه أو قال: وحق هذا. فهو يمين، ولا سيما فى هذا الزمان الذى كثر فيه الحلف به (شیخ محمد بن سلیمان مجمع الانہر ۱/ ۵۴۴) (علامہ عینی نے فرمایا کہ اگر قرآن کی قسم کھالے یا اس پر ہاتھ رکھ دے، یا یوں کہے کہ اس قرآن کے حق کی قسم تو یہ بھی قسم ہی ہے، خاص طور پر اس دور میں جبکہ قرآن پر حلف لینے کا رواج بن چکا ہے، یعنی اس طرح قسم کھانے کی کثرت ہوگئی ہے)۔

بائبل پر حلف اٹھانے کے مسئلہ پر ایک زاویہ نظر وہ بھی ہے جس کا ذکر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

مسلمان چونکہ ان کتابوں کومحرف اور تبدیل شدہ باور کرتے ہیں اور بحالت موجودہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کو افتراء علی اللہ گردانتے ہیں، اس لیے یہ جائز نہیں کہ ان کتابوں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائیں، کیونکہ ان کتابوں کی تعظیم بحالت موجودہ ان کے منجانب اللہ ہونے کی تصدیق کرنے کے مرادف ہوگا۔ البتہ اگر وہ اس پر مجبور ہوں اور انصاف حاصل کرنا اور ظلم سے بچنا اسی پر موقوف ہو تو کراہت خاطر کے ساتھ ہاتھ رکھا جاسکتا ہے۔

چنانچہ رابطہ عالم اسلامی کے تحت اسلامک فقہ اکیڈمی کے اجلاس منعقدہ ۸/تا۱۶ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ میں علما اس مسئلہ میں جن نکات پر متفق ہوئے ان میں ایک یہ ہے کہ:

إذا كان القضاء في بلد ما حكمه غير إسلامي يوجب على من توجهت عليه اليمين وضع يده على التوراة أو الإنجيل أو كليهما فعلى المسلم أن يطلب من المحكمة وضع يده على القرآن فإن لم يستجب لطلبه، يعتبر مكرها ولا بأس عليه أن يضع يده عليهما أو على أحدهما دون أن ينوى بذلك تعظيما (قرارات مجلس المجمع الفقهی الاسلامی، ۱۴۰۲/۸۵)۔

(اگر کسی ملک میں غیر اسلامی حکومت ہو اور وہاں توریت یا انجیل یا ان دونوں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانے کا حکم دیا جائے تو مسلمان پر واجب ہے کہ وہ عدالت سے مطالبہ کرے کہ اس کے ہاتھ قرآن پر رکھوائے جائیں، اگر اس کا مطالبہ قبول نہ کیا جائے تو اب اسے مجبور سمجھا جائے گا اور اس کے لیے گنجائش ہوگی کہ وہ توریت یا انجیل یا دونوں پر دل میں تعظیم کا ارادہ کیے بغیر اپنا ہاتھ رکھے (جدید فقہی مسائل ۱/۴۰۷)۔

۷- بعض سیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں، لیکن ان کے منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغائر ہوتی ہیں تو کیا ایسی پارٹیوں میں شریک ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونا جائز ہوگا؟

سیاسی پارٹیوں کے منشور کو مذہب کی عینک سے دیکھنا اس دور میں الٹی گنگا بہانا ہے۔ سیاسی پارٹیوں کا منشور ووٹ بینک کے اردگرد گھومتا ہے وہ مذہب کے قانونی دائرے میں رہنا پسند نہیں کرتا، اس لیے اگر اس کے منشور میں کوئی دفعہ مخالف اسلام ہو تب بھی اس کے عمومی مسلم مفادات کے تحفظ والی اکثر دفعات پر نظر رکھتے ہوئے اس میں شریک ہونا اور اس کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنا بالکل درست ہے۔ ایک برائی کو اختیار کرنے سے اگر ہزاروں برائیوں کا دروازہ بند ہو جائے تو اسے گوارہ کیا جاسکتا ہے۔

صلح حدیبیہ میں معاہدے کی اس دفعہ کو منظور کرنا کہ اگر مکہ سے کوئی آدمی مدینہ جائے گا تو آپ ﷺ اسے واپس

کر دیں گے اگر چہ وہ مسلمان ہواور اگر مدینہ سے کوئی مکہ چلا جائے تو قریش مکہ اسے واپس نہ کریں گے اور اس معاہدہ کے تحت ابوجندل رضی اللہ عنہ کا واپس کیا جانا گوارہ کیا گیا (صحیح بخاری ۱/ ۳۷۲، باب الصلح مع المشرکین) ۔

حلف الفضول سے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا:

اگر زمانہ اسلام میں بھی اس قسم کے معاہدے میں بلایا جاؤں تو ضرور قبول کروں گا (سیرۃ المصطفیٰ، ص: ۱۲۹۵)۔

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے واضح ہوا کہ اچھے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے ایسے لوگوں کے ساتھ شرکت جائز ہے جن کے عقیدے اور اصول ہمارے اپنے عقیدے اور اصول کے مخالف ہوں۔

سیکولر پارٹیوں کا منشور مذہب سے ٹکراتا نہیں بلکہ بے تعلق رہتا ہے اور اس بناء پر قومی اور ملکی مفادات کے پیش نظر اس کا ممبر بننا اور اس پارٹی کی طرف سے انتخاب لڑنا جائز ہے۔

ماضی میں دار العلوم دیوبند جیسے مذہبی اسلامی ادارے کے فضلاء کی عملاً شرکت اس کی مزید واضح دلیل ہے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی مہاتما گاندھی کے ساتھ تحریک آزادی ہند کی قیادت اور شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ کی کانگریس کے ساتھ شرکت، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کا کانگریس کے ٹکٹ پر انتخاب لڑکر پارلیمنٹ میں پہنچنا۔ مولانا محمد اسحاق سنبھلی کا جمعیۃ علماء ہند سے وابستگی اور فاضل دیوبند ہونے کے باوجود ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنا اور کامیابی حاصل کرنا، موجودہ دور میں مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی کا کانگریسی ممبر پارلیمنٹ ہونا اور مولانا بدرالدین اجمل قاسمی کا ممبر پارلیمنٹ اور آسام گورنمنٹ میں ۱۸ ممبروں کے ساتھ اپوزیشن کا رول ادا کرنا، ہمارے موقف کی تائید کے لیے کافی ہے۔

۸- جو سیاسی پارٹیاں کھلے عام طور پر مسلم دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمان کی مخالفت شامل ہو، کیا کسی مسلمان کے لیے اس پارٹی میں شریک ہونا جائز ہوگا؟ نیز اگر کسی کی نیت ہو کہ وہ پارٹی میں شریک ہوکر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا تو اس کے لیے اس پارٹی میں شامل ہونے کی گنجائش ہوگی؟

ایسی پارٹیاں جن کا منشور اور عمل سب اسلام دشمنی پر مبنی ہے۔ ان کا ممبر بننا اور ان کے ٹکٹ پر انتخاب لڑنا حرام ہے۔ یہ خود اپنے قتل کے فرمان پر دستخط کرنے کی طرح ہے اور یہ اسلام میں حرام ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوي وعدوكم أولياء تلقون إليهم بالمودة وقد كفروا بما جاءكم من الحق يخرجون الرسول وإياكم أن تؤمنوا بالله ربكم (سورۂ ممتحنہ:۱) (اے ایمان والو! تم میرے

اور اپنے دشمن کو دوست مت بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو جبکہ انہوں نے تمہارے پاس آئے ہوئے دین حق کا انکار کر رکھا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو اور تمہیں بھی وطن سے نکالنے پر تلے ہوئے ہیں، صرف اس لیے کہ تم اللہ پر جو تمہارا رب ہے ایمان لے آئے ہو)۔

اس مضمون کی متعدد آیتیں صاف بتا رہی ہیں کہ دشمن خدا اور دشمن رسول اور اسلام و مسلمانوں سے عداوت رکھنے والی پارٹیوں میں شرکت اور ان کی طرف سے الیکشن لڑنا حرام ہے۔

رہا یہ کہ ان کی پارٹی پالیسی اور ایجنڈے کو بدلنے کی نیت سے شریک ہونا تو یہ صرف ایک خوش فہمی اور خام خیالی ہے۔ جو لوگ اس قسم کی باتیں بنا کر شرکت کا جواز ثابت کرتے ہیں ان میں سے آج تک کوئی ایک بھی ایجنڈے کو بدلنے میں کامیاب تو کیا ہوتا الٹا خود ہی بدل گیا اور انہیں کے ایجنڈے کا علمبردار بن گیا۔

۹- ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، مسلمانوں کے لیے علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا جائز ہوگا؟ جبکہ اسے سیکولر ایجنڈے کے تحت ہی کام کرنا پڑتا ہے، نیز ایک احساس یہ بھی ہے کہ جہاں مسلمانوں کی آبادی مرتکز نہیں ہوتی وہاں خصوصاً اور دوسرے علاقوں میں عموماً مسلم سیاسی جماعت کا قیام مسلمان مخالف ووٹ کو متحد کر دیتا ہے اور اس سے فرقہ پرست تنظیمیں فائدہ اٹھا لیتی ہیں۔

مسلمانوں کا ملک کے سیاسی سیکولر ڈھانچے میں رہتے ہوئے علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا جائز ہے اور بعض صوبوں میں مسلمانوں نے اس کا کامیاب تجربہ بھی کیا ہے، جیسے کیرالہ میں 'مسلم لیگ' اور آندھرا پردیش میں 'اتحاد المسلمین' اور آسام میں متحدہ ڈیموکریٹک فرنٹ (یو ڈی ایف) وغیرہ لیکن یہ حکم انہیں صوبوں کے لیے ہے جہاں مسلمان حکومت سازی کی پوزیشن میں ہوں اور زمینی حقیقت ان کی کامیابی کا پتہ دیتی ہو، مگر کل ہند سطح پر علیحدہ سیاسی جماعت مسلمانوں کے لیے صرف ناکامی کے اعلان کے ہم معنی ہے، اس لیے اس کے جواز کی گنجائش نہیں ہے۔ الا یہ کہ علیحدہ متحدہ پلیٹ فارم تشکیل دے کر پہلے زمین تیار کی جائے پھر سیاسی قوت کا صحیح اندازہ لگا کر کوئی علیحدہ سیاسی جماعت بنائی جائے تو جائز ہے، اس کے بغیر جواز کو ثابت کرنا مسلمانوں کی خودکشی کا راستہ ہموار کرنا ہے۔

''صلح حدیبیہ'' کے واقعہ سے مصالحت اور مصلحت کو ایک ساتھ لے کر چلنے کا واضح اشارہ ملتا ہے اور 'حلف الفضول' سے سیاسی، سماجی اور مذہبی مقاصد کے حصول کے لیے متحدہ سیاسی پلیٹ فارم بنانے کا جواز فراہم ہوتا ہے، لیکن داخلی خارجی سیاسی قوت حاصل کیے بغیر علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا ہرگز جائز نہیں، کیونکہ اس سے مسلم مفادات کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اور یہی وجہ عدم جواز بھی ہے۔

۱۰- ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ الیکشن میں خواتین کا کیا کردار ہونا چاہیے، کیا انہیں ووٹنگ میں حصہ لینا چاہیے، کیا ان کے لیے الیکشن میں امیدوار بننا جائز ہے۔ کیا وہ قانون ساز اداروں کی ممبر بن سکتی ہیں؟ اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ہندوستان میں تیزی سے یہ رجحان پنپ رہا ہے کہ سیاست میں عورتوں کی حصہ داری کو یقینی بنایا جائے، اس کے لیے مختلف ریاستوں میں اور مختلف سطحوں پر خواتین کے لیے سیٹیں ریزرو کی جارہی ہیں، یہاں تک کہ ہندوستان کی بعض ریاستوں میں پنچایت کی سطح پر پچاس فیصد سیٹیں عورتوں کے لیے ریزرو کردی گئی ہیں اور لوک سبھا سے پارلیمنٹ میں خواتین کے لیے ۳۳ فیصد ریزرویشن کا بل پیش کیا جاچکا ہے اور قوی امید ہے کہ مستقبل میں یہ قانون کی شکل اختیار کرلے۔

اسلام میں حکومت کی سربراہی یعنی خلیفۃ المسلمین یا امیر المومنین بننے کے لیے تین طریقے مقرر ہیں: (۱) رائے عامہ سے انتخاب (۲) امام وقت کا ارباب حل وعقد کے مشورہ سے کسی کو نامزد کردینا (۳) امیر المومنین کا مجلس شوریٰ کی تشکیل کے ذریعہ ان میں سے کسی ایک پر اتفاق کرلینا۔

لیکن موجودہ سیکولر ڈیموکریسی کے دور میں 'عوام کی حکومت عوام سے عوام کے ذریعہ' سربراہ اعلیٰ کا انتخاب جسے Rule by the people یا اردو زبان میں جمہوریت کہا جاتا ہے، ایک طے شدہ طریق کار ہے اور اس میں اصل سیاسی قوت عوام کے ہاتھ میں تسلیم کی جاتی ہے، جس کا ذریعہ عوامی رائے یا ووٹنگ سسٹم ہے یہ اسلامی طریقہ سے بالکل جداگانہ طریقہ ہے۔ اسلام میں قیام حکومت یا خلافت وامارت کے لیے 'ولایت' یعنی شرعی حاکمیت کا پایا جانا بھی ضروری ہے اور یہ اسلام کے مطابق صرف مردوں کے لیے مخصوص ہے۔

قرآن پاک کے ارشاد: **الرجال قوامون علی النساء بمافضل اللہ بعضھم علی بعض** کی تفسیر میں امام قرطبی فرماتے ہیں:

فإن فی الرجال الحکام والأمراء ومن یغزو ولیس ذلک من النساء (اس لیے کہ حاکم، امیر اور مجاہد ہونا مردوں کے لیے مخصوص ہے عورتوں میں یہ بات نہیں ہے)۔

امام بغوی لکھتے ہیں: **فضل الرجال علی النساء بزیادۃ العقل والدین والولایۃ** (مردوں کی عورتوں پر برتری عقل اور دین میں زیادتی اور ولایت ہونے کی وجہ سے ہے)۔

ایک روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو فارس (ایران) میں کسریٰ کی ہلاکت کے بعد اس کی بیٹی کی تخت نشینی کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **لن یفلح قوم و لوا أمرھم امرأۃ** (بخاری حدیث:۴۴۲۵، نسائی حدیث ۵۳۸۸)

(وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے حکومت کی باگ ڈور عورت کو دی ہو)۔

اور تاریخ گواہ ہے کہ ہوا بھی یہی کہ اس کے بعد حکومت ایران کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔

باوجودے کہ اسلام میں عورت اور مرد کے معاشرتی حقوق میں مساوات کا قانون نافذ ہے۔اجتماعی امور میں مثلاً حکومت وامارت اور جہاد میں عورت کو اس ذمہ داری کا اہل قرار نہیں دیا گیا، چنانچہ اسلامی دورنبوت سے لےکر دورخلافت و امارت تک اس کی کوئی ایک مثال بھی تاریخ میں نظر نہیں آتی کہ عورت خلیفہ یا امیر وحاکم بنائی گئی ہو۔

مشہور محقق فقیہ علامہ ابن نجیم مصری نے "**الاشباہ والنظائر**" میں احکام الانثی کے ذیل میں ۵۳ مسائل میں عورت ومرد کے درمیان عدم مساوات اور نابرابری کا ذکر کیا ہے۔ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عورتوں کو قاضی بنانا مناسب نہیں اور جوان عورت کو سلام میں پہل کرنا اور اس کا جواب دینا درست نہیں بلکہ چھینک کا جواب بھی نہیں دینا چاہیے (الاشباہ والنظائر:ص:۲۵-۳۲۳)۔

قرآن وحدیث کے نصوص اور فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں خواتین اسلام کی عظمت کردار، اور ان کی نسوانی عفت وعصمت کے تحفظ کا دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ موجودہ دور کے سیاسی فتنوں سے ہوشیار اور سیاست کی گلیاروں میں اپنی شخصیت کو داؤ پر لگانے سے خبردار رہیں اور ہرحال میں اپنے اسلامی مرتبہ ووقار اور قانون اسلام کی وفادار رہیں، وہ چراغ خانہ بننے کو شمع محفل بننے پر ترجیح دیں۔خاص طور پر جواں عمری کی آخری حد تک نہ کوئی سیاسی انتخاب لڑیں نہ قانون ساز اداروں کی ممبر بنیں نہ پولٹیکل میٹنگ اٹینڈ کریں۔

میرا احساس یہ ہے کہ یہی چند سطریں سوالات کے تمام گوشوں پر محیط جوابات فراہم کرنے کے لیے کافی ہیں۔

الیکشن سے مربوط شرعی مسائل

ڈاکٹر ومفتی محمد شاہجہاں ندوی☆

۱-ووٹ (Vote) کی شرعی حیثیت:

ووٹ کی شرعی حیثیت ''شہادت'' کی ہے، کیونکہ ''شهادة'' کے اصل معنی ''حضور و معاينة'' (یعنی حاضر وموجود ہونے اور مشاہدہ کرنے) کے ہیں، پھر قطعی ویقینی خبر میں اس کا استعمال ہونے لگا، کیونکہ یقینی خبر کے ذرائع میں سے حادثہ کے وقت موجود رہنا اور بہ چشم خود اس کا مشاہدہ کرنا بھی ہے، چنانچہ اہل عرب بولتے ہیں، ''شهد بكذا'' (اس نے فلاں چیز کی قطعی خبر دی)، اور ''شاهد'' کے معنی معاینہ کرنے کے ہیں، اور ''أشهدته'' کے معنی ہیں (میں نے اسے حاضر کیا)، اور ''أشهدته الشيئ'' کے معنی ہیں (میں نے فلاں کو فلاں چیز کی جگہ حاضر کیا)، نیز مزید وسعت کے ساتھ اس کا استعمال قسم، اقرار، کلمۂ توحید، اللہ کے راستہ میں قتل ہونا، اور عالم ظاہر جو عالم غیب کے مقابل ہے، ان معانی میں بھی ہوتا ہے (ابن منظور، لسان العرب ۱۵۲/۸، بیروت، دار صادر ۲۰۰۰ء)، اور ابن فارس تحریر کرتے ہیں: ''**الشين والهاء والدال أصل يدل على حضور وعلم وإعلام، لا يخرج شيئ من فروعه عن الذى ذكرناه، من ذلك الشهادة، يجمع الأصول التى ذكرناها من الحضور، والعلم، والإعلام،يقال: شهديشهد، شهادة، والمشهد: محضر الناس، والشهيد: القتيل فى سبيل الله، قال قوم: سمّي بذلك؛ لأن ملائكة الرحمة تشهده أى تحضره وقال آخرون: سمي بذلك لسقوطه بالأرض، والأرض تسمى الشاهدة، والشاهد: اللسان، والشاهد، الملك....، وشهد الله: أعلم الله عزوجل وبين .... كما يقال: شهد فلان عند القاضى، إذا بين وأعلم لمن الحق وعلى من هو**'' (ابن فارس، أبوالحسين، أحمد بن فارس بن زكرياء (و:۳۹۵ھ) ''معجم مقاييس اللغة'' ۲۲۱/۳، دار الفکر ۱۳۹۹ھ-۱۹۷۹ء) (شین اور ہاء اور دال ایک ماخذ ہے، جو حاضر ہونے، جاننے اور آگاہ کرنے کے معنی پر دلالت کرتا ہے، اس کی شاخوں میں سے کوئی شاخ اس اصل سے خارج نہیں جسے ہم نے ذکر کیا، اسی اصل سے لفظ ''الشهادة'' ہے جو ان تمام

☆ استاذ حدیث وفقہ اسلامی، جامعہ اسلامیہ، شانتا پورم، پٹی کاڈ، مالاپورم، کیرالہ۔

اصول کو جامع ہے جو ہم نے ذکر کیا یعنی حاضر ہونا، جاننا اور آگاہ کرنا، بولا جاتا ہے: ''شہد یشہد شہادۃ'' (وہ حاضر ہوا، حاضر ہوتا ہے، اور مصدر کے معنی ہیں حاضر ہونا) اور ''مشہد'' لوگوں کے حاضر ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں، اور ''شہید'' اللہ کی راہ میں مقتول کو کہتے ہیں، ایک جماعت نے کہا کہ اس کے ساتھ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ رحمت کے فرشتے اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں، اور دوسرے حضرات کا خیال ہے کہ اس کے ساتھ اس کا نام اس کے زمین پر گرنے کی وجہ سے رکھا گیا، اور زمین کا نام ''شاہدۃ'' رکھا جاتا ہے، اور ''شاہد'' زبان کو بھی کہتے ہیں، اور ''شاہد'' فرشتہ کو بھی کہتے ہیں..، اور ''**شهد الله**'' کے معنی ہیں: اللہ عزوجل نے آگاہ کیا اور بیان کیا... جیسا کہ بولا جاتا ہے: ''**شهد فلان عند القاضي**'' جبکہ وہ بیان کرے اور اس بات سے آگاہ کرے کہ کس کا حق ہے اور کس پر ہے)، اور ارشاد باری تعالی ہے: ''**فمن شهد منكم الشهر فليصمه**'' (البقرہ: ۱۸۵) (سو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو وہ اس کے روزے رکھے)، اس جگہ ''شہد'' ''حضر'' یعنی حاضر ہونے کے معنی میں ہے۔

اور فرمان الٰہی ہے: ''**وجعلوا الملائكة الذين هم عباد الرحمن إناثاً، أشهدوا خلقهم، ستكتب شهادتهم ويسألون**'' (الزخرف:۱۹) (اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمان کے بندے ہیں، بیٹیوں کا درجہ دے رکھا ہے، انہوں نے ان کی ولادت کا مشاہدہ کیا، ان کی یہ گواہی نوٹ رہے گی، اور ان سے اس کی پرسش ہوگی)، اس جگہ ''**شهدوا**'' مشاہدہ اور بہ سرچشم دیکھنے کے معنی میں ہے، اور ''**شهادتهم**'' جھوٹی گواہی کے معنی میں ہے۔

''شہادت'' کی اصطلاحی تعریف:

''شہادت'' کی اصطلاحی تعریف اس طرح ہے: ''**إخبار صدق لإثبات حق بلفظ الشهادة في مجلس القاضي**'' (تمرتاشی، محمد بن عبد اللہ (و:۱۰۰۴ھ) ''تنویر الأبصار'' مع الدر المختار، کتاب الشہادات ۸/۱۷۲، ط:۱، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۴ء) (قاضی کی مجلس میں شہادت کے لفظ کے ذریعہ حق کو ثابت کرنے کے لئے سچی خبر دینے کا نام ''شہادت'' ہے)۔

اور منصور بن یونس بن ادریس بہوتی حنبلی (و:۱۰۵۱ھ) تحریر کرتے ہیں: ''**هي الإخبار بما علمه بلفظ ''أشهد'' أو ''شهدت''**'' (بہوتی حنبلی، ''الروض المربع شرح زاد المستقنع''، کتاب الشہادات ۱/۴۷۳، بیروت، دار الفکر) (''شہادت'' لفظ: ''میں گواہی دیتا ہوں'' یا ''میں نے گواہی دی'' کے ذریعہ اس چیز کی خبر دینا ہے جس کا اسے علم ہوا)۔

شہادت کی یہ تعریف ووٹ پر بھی صادق ہے، لہذا ووٹ کی شرعی حیثیت شہادت کی ہے، کیونکہ ووٹ بھی با اختیار اتھارٹی (Authority) کی موجودگی میں اپنی رائے اہل اور مستحق شخص کے حق میں دینے کا نام ہے، تا کہ وہ شخص منتخب ہو کر

امانت، ذمہ داری اور نشاط کے ساتھ حکومت کے اعمال انجام دے سکے، اسی وجہ سے نااہل اور غیر مستحق کو محض ذات برادری یا ذاتی تعلقات یا روپے کی بنا پر ووٹ دینا ناجائز اور گناہ ہے، کیونکہ یہ جھوٹی شہادت ہے، اور جھوٹی گواہی دینا ناجائز اور حرام ہے، چنانچہ اللہ رحمان کے مخصوص بندوں کی صفات میں سے ایک صفت ہے: "**والذين لا يشهدون الزور**" (الفرقان:۷۲) (اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے)، نیز ارشاد ہے: "**وإذا قلتم فاعدلوا ولو كان ذا قربى**" (الانعام:۱۵۲) (اور جب تم بولو تو عدل کی بات بولو، خواہ کوئی تمہارا قرابت دار ہی ہو)، اور دوسری جگہ ارشاد ہے: "**فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور**" (الحج:۳۰) (سو بتوں کی گندگی سے اجتناب رکھو اور جھوٹ بات سے بچو)۔

اور حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "**أكبر الكبائر: الإشراك بالله وقتل النفس وعقوق الوالدين، وقول الزور، أو قال: شهادة الزور**" (بخاری شریف، حدیث نمبر: ۲۶۵۳، ۵۹۷۷، ۶۸۷۱، مسلم شریف حدیث نمبر: ۸۸، ومسند احمد: ۱۲۳۳۶) (کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑے گناہ، اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے اور جان مارنا ہے اور والدین کی نافرمانی ہے اور جھوٹی بات ہے، یا یہ فرمایا کہ جھوٹی گواہی ہے) اور حضرت ابو بکرہؓ کی روایت میں ہے کہ "**شهادة الزور**" یا "**قول الزور**" کو برابر دہراتے رہے، یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ کاش آپ خاموش ہو جاتے (بخاری شریف حدیث نمبر ۲۶۵۴، ۲۶۷۴، ۶۹۱۹، صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۴۳)۔

دراصل ووٹنگ میں شرکت شہادت کی ادائیگی ہے، جو اسلام میں مطلوب ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: "**وأقيموا الشهادة لله**" (الطلاق:۲) (اور اللہ کے لئے گواہی کو قائم رکھو)، دوسری جگہ فرمان الٰہی ہے: "**وكذلك جعلناكم أمة وسطاً لتكونوا شهداء على الناس**" (البقرہ:۱۴۳) (اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک بیچ کی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بنو)، نیز ارشاد ہے: "**ولا يأب الشهداء إذا ما دعوا**" (البقرہ:۲۸۲) (اور گواہ جب بلائے جائیں تو آنے سے انکار نہ کریں)، اور فرمایا: "**يا أيها الذين آمنوا كونوا قوامين بالقسط شهداء لله، ولو على أنفسكم أو الوالدين والأقربين**" (النساء:۱۳۵) (اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علمبردار اور اللہ کے لئے گواہ بنو، اگرچہ یہ گواہی خود تمہاری اپنی ذات، تمہارے والدین اور تمہارے قرابت مندوں کے خلاف ہی پڑے)، نیز ارشاد ہے: "**ولا نكتم شهادة الله إنا إذا لمن الآثمين**" (المائدہ:۱۰۶) (اور نہ ہم اللہ کی گواہی کو چھپائیں گے، اگر ہم ایسا کریں، تو بے شک ہم گنہگار ٹھہریں گے)۔

درحقیقت ووٹنگ میں شرکت اس امانت کو ادا کرنے کے باب سے ہے، جس کی حفاظت اور مستحقین تک ادائیگی کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها**" (النساء:۵۸)

(اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حقداروں کو ادا کرو)، آیت کے اندر ''امانت'' کا لفظ اپنے وسیع مفہوم میں ہے، اور تمام حقوق وفرائض، خواہ حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہوں، یا حقوق العباد سے، انفرادی نوعیت کے ہوں یا اجتماعی نوعیت کے، اپنے سے متعلق ہوں یا بےگانوں سے، مالی معاملات کی قسم سے ہوں یا سیاسی معاہدات کی قسم کے، صلح وامن کے دور کے ہوں یا جنگ کے، غرض جس نوعیت اور جس درجے کے حقوق وفرائض ہوں، وہ سب امانت کے مفہوم میں داخل ہیں، اور مسلمانوں کو شریعت اور اقتدار کی امانت سپرد کرنے کے بعد اجتماعی حیثیت سے سب سے پہلے جو ہدایت ہوئی، وہ یہ ہے کہ تم جن حقوق وفرائض کے ذمہ دار بنائے جا رہے ہو ان کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنا، چنانچہ ابن العربی مالکی (و: ۵۴۳ھ) تحریر کرتے ہیں: ''**فھی عامة بقولها، شاملة بنظمها لكل أمانة، وهی أعداد كثيرة**'' (ابن العربی، ابوبکر محمد بن عبداللہ ''احکام القرآن'' ۱/۵۷۱، ط:۱، دارالکتب العربیہ، بیروت ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۸ء) (سو آیت اپنے لفظ کے ساتھ عام ہے اور اپنی نظم کے ساتھ ہر امانت کو شامل ہے، اور اس کی بہت ساری تعداد ہے)۔

اور ابن تیمیہؒ تحریر کرتے ہیں: ''**فيجب على ولی الأمر أن يولی على كل عمل من أعمال المسلمين أصلح من يجده لذلک العمل، قال النبیﷺ: ''من ولی من أمر المسلمين شيئاً فولی رجلا، وهو يجد من هو أصلح للمسلمين منه، فقد خان الله ورسوله''، وفی رواية: ''ومن ولی رجلاً على عصابة وهو يجد فی تلک العصابة، من هو أرضى لله منه، فقد خان الله ورسوله وخان المؤمنين'' رواه الحاكم فی صحيحه، وروى بعضهم أنه من قول عمر لابن عمر روى ذلک عنه، وقال عمر بن الخطابؓ: ''من ولي من أمر المسلمين شيئاً فولى رجلاً لمودة أو قرابة بينهما، فقد خان الله ورسوله والمؤمنين''... فإن عدل عن الأحق الأصلح إلى غيره لأجل قرابة بينهما أو ولاء عتاقة، أو صداقة أو مرافقة فی بلد أو مذهب أو طريقة، أو جنس العربية والفارسية والتركية والرومية، أو لرشوة يأخذها منه من مال أو منفعة أو غير ذلک من الأسباب، أو لضغن فی قلبه على الأحق أو عداوة بينهما، فقد خان الله ورسوله والمؤمنين، ودخل فيما نهي عنه فی قوله تعالى: ''ياأيها الذين آمنوا لا تخونوا الله والرسول وتخونوا أماناتكم وأنتم تعلمون''** (الانفال:۲۷) (سو حاکم پر واجب ہے کہ مسلمانوں کے کاموں میں سے ہر کام پر موجود لوگوں میں سے اس کام کی زیادہ صلاحیت رکھنے والے کو مقرر کرے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو مسلمانوں کے معاملات میں سے کسی معاملہ کا ذمہ دار بنے، اور کسی شخص کو عہدہ پر مقرر کرے، حالانکہ وہ اس سے زیادہ مسلمانوں کے حق میں مفید شخص کو پائے تو اس نے اللہ اور رسول کی خیانت کی، اور

ایک روایت میں ہے: ''جس نے کسی جماعت پر کسی شخص کو حاکم بنایا، حالانکہ وہ اس جماعت میں اس شخص کو پارہا ہو، جو اس سے زیادہ اللہ کی نگاہ میں محبوب ہو، تو اس نے اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کی خیانت کی''، اس کی روایت حاکم نے اپنی صحیح میں کی ہے، اور بعض نے روایت کی ہے کہ یہ حضرت عمر کا ابن عمر سے ارشاد ہے، جسے انہوں نے ان سے نقل کیا ہے، اور حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا: جو مسلمانوں کے معاملات میں سے کسی معاملہ کا ذمہ دار بنے، پھر کسی شخص کو باہمی محبت یا قرابت کی بنا پر عہدہ پر مامور کردے، تو اس نے اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کی خیانت کی....سو اگر وہ (یعنی حاکم) باہمی قرابت یا آزادی کے رشتہ یا دوستی، یا شہر یا مسلک یا طریقہ، یا عربی، فارسی، ترکی یا رومی قومیت میں شرکت یا رشوت کی بنا پر جو اس سے مال یا منفعت میں سے لے، یا دیگر اسباب کی بنیاد پر یا احق سے دل میں کینہ رکھنے یا باہمی عداوت کی وجہ سے زیادہ حقدار اور مفید سے ہٹ کر دوسرے کی طرف رجوع کرے، تو اس نے اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کی خیانت کی، اور اس دائرہ میں داخل ہوگیا، جس سے اس ارشاد الٰہی میں روکا گیا ہے ''اے ایمان والو، اللہ ورسول سے بے وفائی اور اپنی امانتوں میں خیانت جانتے بوجھتے نہ کرو)۔

اسی لئے ملک وملت کے حق میں زیادہ مفید اور زیادہ حقدار سے ہٹ کر رشوت لے کر ووٹ ڈالنا درست نہیں ہے، چنانچہ حضرت ثوبانؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **''لعن الله الراشی والمرتشی والرائش الذی یمشی بینهما''** (المستدرک علی الصحیحین للحاکم حدیث نمبر: ۷۰۶۸، مسند احمد حدیث نمبر: ۲۲۳۹۹، شعب الایمان للبیہقی، حدیث نمبر: ۵۵۰۳، شرح مشکل الآثار للطحاوی حدیث نمبر: ۵۶۵۶، اور یہ حدیث، لفظ ''الرائش'' کے علاوہ صحیح لغیرہ ہے) (اللہ تعالیٰ نے رشوت دینے والے، رشوت لینے والے اور دونوں کے درمیان واسطہ بننے والے پر لعنت کی ہے)، چنانچہ مال مالک مال کو لوٹانا واجب ہے، اور اللہ کی نگاہ میں زیادہ محبوب اور باکردار کا انتخاب کرنا لازم ہے، کیونکہ اصلح کا انتخاب امانت ہے، سو اگر غیر اصلح کا انتخاب کرکے اسے ضائع کردے تو اس میں پوری جماعت کا ضرر ونقصان ہے، اور جو عمل پوری قوم وملت کے لئے نقصان دہ ہو، شرعاً اس کی شناعت مزید بڑھ جاتی ہے۔

۲-ووٹ دینے کا وجوب:

ووٹ دینا واجب ہے، کیونکہ ووٹ کی حیثیت شہادت اور گواہی کی سی ہے، اور ضرورت کے موقع پر شہادت کی ادائیگی سے باز رہنا حرام ہے، چنانچہ فرمان الٰہی ہے: **''ولا تکتموا الشهادة ومن یکتمها فإنه آثم قلبه''** (البقرة: ۲۸۳) (اور شہادت کو مت چھپاؤ، جو اس کو چھپائے تو وہ یاد رکھے کہ اس کا دل گنہگار ہے)، اور ارشاد نبوی ہے: **''من کتم**

شهادة إذا دعى إليها كان كمن شهد بالزور'' (طبرانی، المعجم الاوسط، حدیث نمبر: ۴۱۶۷، مسند الشامیین، حدیث نمبر: ۱۹۴۲، ۳۴۶۲، اور اس کی سند میں کلام ہے، دیکھئے: ہیثمی کی ''مجمع الزوائد'' ۴؍ ۲۳۴) (جسے گواہی کے لئے بلایا جائے، پھر وہ اسے چھپائے تو وہ ایسا ہے جیسے جھوٹی شہادت دینے والا)۔ ایک اور موقع سے آپ ﷺ نے فرمایا: ''**ألا أخبركم بخير الشهداء الذى يأتى بشهادته قبل أن يسألها**'' (امام مالک بن انس ''مؤطا'' حدیث نمبر: ۱۴۰۱، ومسلم حدیث نمبر: ۱۷۱۹، واحمد حدیث نمبر: ۱۷۰۴۰) (کیا میں تمہیں خبر نہ دوں کہ بہترین گواہ کون ہے؟ یہ وہ شخص ہے جو اپنی شہادت کسی کے طلب کرنے سے پہلے ہی ادا کردے)۔

اور الیکشن کے موقع پر خود سے گواہی دینے کی ضرورت اس بنا پر ہے کہ مروجہ جمہوری نظام میں ایک ایک ووٹ قیمتی ہے، چنانچہ ایک نااہل، بدکردار اور اسلام دشمن امیدوار کے حق میں ''الیکٹرانک ووٹنگ مشین'' میں صرف ایک ووٹ اہل امیدوار سے زیادہ چلا جائے تو وہ کامیاب ہوکر ملک کی باگ وڈور پر مسلط ہوجائے گا۔

بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ مسلمانوں نے اپنی غفلت کی وجہ سے ووٹنگ میں کم حصہ لیا، اور نتیجتاً اسلام مخالف لیڈر کامیاب ہوگیا اور اس کے نتائج بد پوری مسلم قوم کو جھیلنے پڑے، چنانچہ جھوٹے الزام لگاکر ان کے نوجوانوں کو سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا، اور کبھی ان کی معاش تباہ کرنے کے لئے ان کو فرقہ وارانہ فسادات کا نشانہ بنایا گیا، لہذا مسلمانوں کو سیاسی شعور کا ثبوت دیتے ہوئے لازماً ووٹنگ میں حصہ لینا چاہئے، اور اس سلسلہ میں مرد اور عورت میں کوئی تفریق نہیں ہے۔

۳- الیکشن میں خود کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا حکم:

اصل یہ ہے کہ الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش نہ کرے، اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے عبدالرحمٰن بن سمرہ سے فرمایا: ''**لا تسأل الإمارة فإنك إن أوتيتها عن مسألة وكلت إليها، وإن أوتيتها من غير مسألة أعنت عليها**'' (بخاری شریف حدیث نمبر: ۶۶۲۲، ۶۷۲۲، ۷۱۴۵، مسلم شریف: ۱۶۵۲) (حکومت طلب مت کرو، کیونکہ اگر طلب کے بعد تجھے وہ ملے گی تو تم اس کے حوالہ کردیئے جاؤگے اور اگر بے طلب ملے گی، تو اس پر تیری مدد کی جائے گی)، لہذا آزاد اور شخصی حیثیت میں انتخابات میں کھڑے ہونے کی بجائے حلقہ کے ممتاز ونمایاں افراد پر مشتمل پنچایت کی طرف سے نامزدگی ہونا بہتر ہے۔ البتہ یہ اگر ممکن نہ ہو، اور کوئی شخص اپنے اندر پوری قدرت اور اہلیت محسوس کرتا ہو، اور ملک وملت کی خدمت کا جذبہ رکھتا ہو، تو ایسا شخص خود کو نامزد کرسکتا ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے زخمی ہونے کے بعد اس وقت کے سب سے زیادہ اہل اور موزوں ترین چھ افراد حضرات (۱) علی (۲) عثمان (۳) زبیر (۴) طلحہ (۵) سعد (۶) عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم کی مشاورتی وانتخابی کمیٹی بنادی تھی جو حقدار خلافت بھی ہوگی، چنانچہ حضرت زبیر بن العوام نے

حضرت علی بن ابی طالب کے حق میں اپنے حق سے دستبرداری کرلی اور حضرت سعد بن ابی وقاص نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حق میں، اور طلحہ بن عبیداللہ نے حضرت عثمان بن عفان کے حق میں دستبرداری کرلی، اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت علی اور عثمان سے عرض کیا: ''**أیکما یبرأ من هذا الأمر، فنفوض الأمر إلیه، والله علیه والإسلام لیولین أفضل الرجلین الباقیین؟ فسکت الشیخان علی وعثمان، فقال عبد الرحمن بن عوف: إنی أترک حقی من ذلک، والله علیّ والإسلام أن أجتهد فأولّی أولاکما بالحق، فقالا: نعم**'' (ابن کثیر، البدایۃ والنہایہ ٧/ ١٤٥-١٤٦، ط:١، بیروت، داراحیاء التراث العربی ١٤٠٨ھ-١٩٨٨ء) (تم دونوں میں سے کون اس معاملہ سے دستبردار ہوکہ ہم اسے معاملہ کا اختیار سپرد کردیں، اللہ کی قسم، اس کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اسلام کی رعایت کرتے ہوئے باقی رہنے والے دو شخص میں سے افضل کے حوالہ خلافت کی باگ وڈور سونپ دے؟ اس پر حضرات شیخین علی اور عثمان خاموش رہے، تب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ میں اس معاملہ سے اپنا حق چھوڑ رہا ہوں، بخدا میری ذمہ داری ہوگی کہ میں اسلام کا خیال رکھتے ہوئے کوشش کرکے آپ دونوں میں سے خلافت کا حق زیادہ رکھنے والے کو خلیفہ مقرر کردوں، اس پر ان دونوں نے رضامندی ظاہر کی)۔

چنانچہ حضرت علی اور عثمان رضی اللہ عنہما کی خاموشی خود کو منصب خلافت کے لئے نامزد کرنے کی ضمنی لیکن صریح اور کھلی دلیل ہے، لیکن یہ نامزدگی منصب خلافت کی حرص یا حکومت کو لذت ومنفعت کا ذریعہ سمجھنے کی وجہ سے نہیں تھی، بلکہ مسلمانوں کے حق میں مفید اور ان کی خدمت کی اپنے اندر صلاحیت محسوس کرنے کی وجہ سے تھی۔

اور امام ماوردی رقمطراز ہیں: ''**وإن لم یقم بها أی بالإمامة – أحد، خرج من الناس فریقان: أحدهما أهل الاختیار حتی یختاروا إماماً للأمة، والثانی: أهل الإمارة حتی ینتصب أحدهم للإمامة**'' (ماوردی، امام ابوالحسن، علی بن محمد (و:٤٥٠ھ) ''الاحکام السلطانیۃ فی الولایات الدینیۃ'' ص:٣٠، ط:٣، دار الکتاب العربی، بیروت، ١٤٢٠ھ-١٩٩٩) (اور اگر امامت کی ذمہ داری کوئی انجام نہ دے، تو لوگوں میں سے دو جماعت ظاہر ہوں، (١) ایک اہل انتخاب کی جماعت تاکہ وہ امت کے لئے امام کا انتخاب کرسکے (٢) دوم اہل امامت کی جماعت تاکہ ان میں سے کوئی امامت کے لئے کھڑا ہو)۔

چنانچہ امام ماورديؒ کے قول ''ان میں سے کوئی امامت کے لئے کھڑا ہو'' کا مطلب ہی یہی ہے کہ کوئی خود کو نامزد کرے، تاکہ اہل انتخاب یعنی ارباب عقد وحل اس خود کو نامزد کرنے والے شخص کے اندر خلیفہ کی شرطوں کی موجودگی کا جائزہ لے سکیں، کیونکہ اہل عقد وحل کی شرائط میں سے ایک شرط علم کا ہونا ہے کہ جس کے ذریعہ وہ امامت کے حقدار کا فیصلہ اس کی شرائط کی روشنی میں کرسکیں، اور یہ ظاہری بات ہے کہ نامزدگی کے بعد ہی شرطوں کا حامل ہونا معلوم ہوگا۔

نیز حضرت یوسف صدیق علیہ السلام نے مصر کے بادشاہ کے سامنے تجویز رکھی کہ مجھے ملک کے ذرائع آمدنی وپیداوار پر مامور کیجئے، میں پوری احتیاط سے ہر چیز کی حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور اس ذمہ داری کو سنبھالنے کے لئے علم بھی رکھتا ہوں، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:"**قال اجعلني على خزائن الأرض إني حفيظ عليم**" (یوسف:۵۵) (یوسف نے کہا: ملک کے خزانے میرے سپرد کیجئے، میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں)۔

اور یہ کھلی حقیقت ہے کہ یہ تجویز انہوں نے اس لئے رکھی تا کہ طاقت کے مطابق سرزمین مصر میں عدل وانصاف قائم کرنے کا انہیں موقع مل سکے، ابن کثیرؒ تحریر کرتے ہیں:"**وسأل العمل، لعلمه بقدرته عليه ولما فيه من المصالح للناس، وإنما سأله أن يجعله على خزائن الأرض، وهي الأهرام التي يجمع فيه الغلات، لما يستقبلونه من السنين التي أخبرهم بشأنها، فيتصرف لهم على الوجه الأحوط والأصلح والأرشد، فأجيب إلى ذلك رغبةً فيه، وتكرمةً له**" (ابن کثیر، اسماعیل بن عمر (و:۷۷۴ھ) "تفسیر القرآن العظیم" ۲/۱۱۹۶، ط:۳، مؤسسۃ الریان، بیروت ۱۴۲۸ھ-۲۰۰۷ء) (اور انہوں نے ملک کے خزانے پر مامور ہوکر کام کرنے کا مطالبہ کیا، کیونکہ انہیں اس پر اپنی قدرت کا علم تھا، اور اس لئے کہ اس میں لوگوں کی مصلحتیں تھیں، اور انہوں نے ملک کے خزانے پر مامور کرنے کا مطالبہ کیا جو کہ "اہرام" ہے، جس میں آمدنی جمع کی جاتی تھی، ایسا ملک کو پیش آنے والے قحط میں سنبھالنے کی وجہ سے کیا، جس کی خبر لوگوں کو انہوں نے دی تھی، تا کہ پوری احتیاط اور بحسن وخوبی اس کام کو ان کے لئے انجام دے سکیں، سو ان کی تجویز ان کے اندر رغبت ہونے اور ان کے اعزاز میں قبول کر لی گئی)۔

اور یہ واضح ہے کہ یوسف علیہ السلام نے کافرانہ نظام سے حکومت طلب کی تھی۔

جس طرح قاضی بننے میں اگر ظلم وجور سے مامون ہونے کی امید کی صورت میں عہدۂ قضاء قبول کرنا مکروہ نہیں ہے جیسا کہ "الدر المختار" میں ہے:"**وإن تعين له أو أمنه لا يكره**" (الدر المختار، کتاب القضاء، مطلب: طلب القضاء وأخذه وتقلده، ۸/۴۲) (اور اگر وہ قضاء کے لئے متعین ہوجائے، یا ظلم وعاجزی سے مامون ہو، تو قضاء کی ذمہ داری سنبھالنا، مکروہ نہیں ہے)، اسی طرح اچھی نیت سے نامزدگی کی گنجائش ہے، لیکن -جیسا کہ گزرا- بہتر یہ ہے کہ علاقہ کے سربرآوردہ لوگوں کی پنچایت کسی کو نامزد کرے، تا کہ کسی طرح کی پیچیدگی نہ رہے، کیونکہ "رد المحتار" میں ہے:"**أفاد أنه كما لا يحل الطلب، لا يحل التولية كما في النهر، وأن ذلك لا يختص بالقضاء بل كل ولاية ولو خاصة كولاية على وقف أو يتيم، فهي كذلك كما في البحر**" (رد المحتار، کتاب القضاء، مبحث طلب القضاء ۸/۴۰) ("الخلاصۃ" کی عبارت اس بات کو مفید ہے کہ جس طرح طلب قضاء حلال نہیں ہے، اسی طرح طالب کو عہدہ دینا بھی حلال نہیں ہے، جیسا کہ "النہر" نامی کتاب

میں ہے، اور یہ کہ طلب عہدہ کی حرمت صرف قضاء کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ہر ولایت خواہ ولایت خاصہ ہی کیوں نہ ہو، جیسے وقف یا یتیم کی ولایت، تو اس کا بھی یہی حکم ہے، جیسا کہ ''البحر'' میں ہے)۔

۴-قانون ساز ادارے کی ممبر شپ کا حکم:

قانون ساز اداروں کی ممبر شپ (Membership) موجودہ شرعی سیاست کے اہم مسائل میں سے ہے، جس کی بنیاد مصالح اور مفاسد کی معرفت اور ان کے درمیان صحیح موازنہ پر ہے، چنانچہ معتبر شرعی مصلحت کا تقاضا ہے کہ اچھے اور نیک مسلمانوں کو اس میں شرکت کرنی چاہئے، لیکن نیت یہ ہونی چاہئے کہ ہم باطل کو حتی الامکان مسترد کریں گے یا اس میں کمی لانے کی کوشش کریں گے، حق کے اعلان اور صحیح فیصلہ کی جدوجہد کریں گے، ظاہری بات ہے کہ اگر تمام نیک مسلمان اس طرح کے اداروں میں شرکت کو ترک کردیں، تو اس کے نتائج بد پوری ملت اسلامیہ کو بھگتنے پڑیں گے، اور بے دین، بدعقیدہ اور بدکردار لوگ ہی ملک پر مسلط رہیں گے، اور ملک وملت کی قسمت کے فیصلے وہی کریں گے، اور اس طرح ملک وملت کی تباہی کا سامان ہم خود فراہم کریں گے، جب ہم اس نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں، تو یہ امر بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ سیکولر ادارے، پارلیامنٹ اور اسمبلی وغیرہ میں مسلمانوں کی اچھی نیت، نیک ارادے اور صحیح مقصد سے شرکت میں شرعاً معتبر اور راجح مصلحت ہے، اور اس کے مقابلہ میں مفاسد مرجوح ہیں، کیونکہ سیکولر ادارے کی ہر چیز اسلام اور دین مخالف نہیں ہوتی ہے، چنانچہ ڈیموکریسی (Democracy) کا یہ پہلو کہ قوم کو حکام مقرر کرنے اور ان کا محاسبہ کرنے اور ان کی نگرانی کا حق ہے، یہ نصوص کتاب وسنت میں واضح ہے، البتہ تحلیل وتحریم اور قانون سازی کا مطلق حق منتخب ممبران پارلیامنٹ، اور لیجس لیٹیو اسمبلی (Legislative Assembly) کو دینا یہ شریعت کی نگاہ میں درست نہیں ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے: ''**قل أرأيتم ما أنزل الله لكم من رزق فجعلتم منه حراماً وحلالا، قل آلله أذن لكم أم على الله تفترون**'' (یونس: ۵۹) (ان سے کہو، بتاؤ اللہ نے تمہارے لئے جو رزق اتارا تو تم نے اس میں سے کچھ کو حرام ٹھہرایا اور کچھ کو حلال، پوچھو، کیا اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا، یا تم اللہ پر جھوٹ لگا رہے ہو؟)۔

لہذا ایک مسلم ممبر پارلیامنٹ کو اس پہلو کو دل سے ناپسند کرنا چاہیے، اور حتی الامکان اپنی قدرت بھر یہ کوشش ہونی چاہئے کہ کوئی فیصلہ خلاف حق صادر نہ ہو، اور کوئی قانون ایسا نہ بن پائے جو شریعت کے اصول سے متصادم ہو، اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو جس چیز سے وہ عاجز ہیں، امید ہے کہ اللہ تعالی اس پر ان سے مؤاخذہ نہیں فرمائے گا، کیونکہ غلط کار لوگوں کے ہاتھوں میں سیاست کو چھوڑ دینا اس سے زیادہ خطرناک ہے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں: ''**يجب أن يعلم أن**

ولاية الناس من أعظم واجبات الدين، بل لا قيام للدين ولا الدنيا إلا بها... فالواجب اتخاذ الإمارة دينا وقربة يتقرب بها إلى الله" (اس بات کا علم ہونا لازم ہے کہ لوگوں پر حکمرانی دین کے عظیم ترین واجبات میں سے ہے، بلکہ دین اور دنیا کا قیام اس کے بغیر نہیں ہوسکتا ہے، لہذا واجب ہے کہ حکومت کو دین اور اللہ تعالی کا تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا جائے)۔ آگے مزید قمطراز ہیں: **"فالواجب على المسلم أن يجتهد في ذلك حسب الوسع فمن ولي ولاية يقصد بها طاعة الله وإقامة ما يمكنه من دينه ومصالح المسلمين، وأقام فيها ما يمكنه من الواجبات واجتناب ما يمكنه من المحرمات، لا يؤاخذ بما يعجز عنه، فإن تولية الأبرار خير للأمة من تولية الفجار، ومن كان عاجزاً عن إقامة الدين بالسلطان والجهاد ففعل ما يقدر عليه من الخير، لم يكلف ما يعجز عنه، فإن قوام الدين بالكتاب الهادي والحديد الناصر"** (ابن تیمیہ، "مجموع الفتاویٰ" ۲۸/۳۹۰-۳۹۶) (سو مسلم پر واجب ہے کہ اپنی طاقت بھر اس حکمرانی کی کوشش کرے، سو جو کسی عہدۂ حکمرانی پر فائز کیا جائے، جس کے ذریعہ اللہ کی طاعت کا قصد کررہا ہو، اور جتنا ممکن ہو اس کے دین اور مسلمانوں کی مصلحتوں کو قائم کرنے کا ارادہ کررہا ہو، اور اس میں اسے جتنا بس میں ہو واجبات قائم کرے اور وسعت بھر محرمات سے بچے، تو جس چیز سے عاجز ہو اس پر اس سے مؤاخذہ نہ ہوگا، کیونکہ نیک لوگوں کو حکمراں بنانا، بدکاروں کو حکمراں بنانے سے امت کے حق میں بہتر ہے، اور جو سلطنت اور جہاد کے ذریعہ دین قائم کرنے سے عاجز ہو، اور وہ اس بھلائی کو انجام دے جس پر قادر ہو، تو جس سے عاجز ہو اس کا مکلّف نہ بنایا جائے گا، کیونکہ دین کا قیام ہدایت بخش کتاب (قرآن کریم) اور مدد کرنے والے لوہے یعنی ہتھیار سے ہے)۔ بلاشبہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالی قبیلہ، خاندان اور ہم وطن کفار کو دفاع کا ذریعہ بنا دیتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے شعیب علیہ السلام سے سنگساری ان کے کنبہ کے ذریعہ دفع کیا، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: **"قالوا يا شعيب ما نفقه كثيراً مما تقول وإنا لنراك فينا ضعيفاً ولو لا رهطك لرجمناك وما أنت علينا بعزيز"** (ہود:۹۱) (اے شعیب، جو باتیں تم کہتے ہو اس کا بہت سا حصہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا، اور ہم تو تم کو اپنے اندر ایک کمزور وجود خیال کرتے ہیں، اور اگر تمہارا خاندان نہ ہوتا تو ہم تو تم کو سنگسار کردیتے، اور تم ہم پر کچھ بھاری نہیں)، اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے روابط پیدا کرنے کی کوشش کرنا جس سے اسلام اور مسلمانوں کا دفاع ہوسکے مطلوب ہے، کیونکہ اصلاح کی کوشش قدرت اور امکان بھر ہی مطلوب ہے اور چونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **"إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرئ ما نوى"** (بخاری شریف حدیث نمبر: ۱، ۵۴، ۲۵۲۹، ۵۰۷۰، ۶۶۸۹، ۶۹۵۳، مسلم شریف: ۱۹۰۷) (عمل کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو وہ ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہے)۔ لہذا حق کی تائید اور حتی الامکان باطل کی عدم موافقت کی نیت سے سیکولر ادارے جیسے پارلیامنٹ وغیرہ کا ممبر بننا

درست ہے، اس کی تائید ان فقہی قواعد سے بھی ہوتی ہے: (١)"**ارتكاب أخف الضررين في سبيل التخلص من أشدهما**" (دوضرر میں سے زیادہ ہلکے کا ارتکاب کرنا ان میں سے زیادہ سخت ضرر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے درست ہے)، (٢)"**بعض الشر أهون من بعض**" (بعض شر دوسرے بعض سے ہلکے ہوتے ہیں)، (٣)"**تحصيل المصلحة ودفع المضرة مطلوب**" (مصلحت کی تحصیل اور مضرت کا ازالہ مطلوب ہے)۔

اور پارٹی کے وہیپ (Whip) جاری کرنے کی صورت میں چونکہ وہ مجبور ہے، لہذا ضمیر کی آواز پر ووٹ دینے کا اختیار کھونے کی وجہ سے اللہ تعالی کی ذات سے امید ہے کہ وہ ماخوذ نہ ہو، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:"**من كفر بالله من بعد إيمانه إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان ولكن من شرح بالكفر صدراً فعليهم غضب من الله، ولهم عذاب عظيم**" (النحل:١٠٦) (جو اپنے ایمان لانے کے بعد اللہ کا کفر کرے گا بجز اس کے جس پر جبر کیا گیا ہو، اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو، لیکن جو کفر کے لئے سینہ کھول دے گا تو ان پر اللہ کا غضب اور ان کے لئے سنگین عذاب ہے)۔

٥- دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانے کا حکم:

غیر الہی قانون کی اکثر دفعات شریعت سے متصادم نہیں ہوتی ہیں، البتہ بہت سی دفعات خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں، ایسی صورت میں معتبر شرعی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانے میں مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ یہ مجبوری کی حالت ہے جس میں ہر طرف نظامہائے باطل کا تسلط ہے، لہذا ایسے وقت میں آدمی اپنے امکان بھر ہی مکلّف ہے جیسا کہ ابن تیمیہؒ نے تحریر فرمایا ہے:"**فمن ولي ولاية يقصد بها طاعة الله وإقامة ما يمكنه من دينه ومصالح المسلمين، وأقام فيها ما يمكنه من الواجبات، واجتناب ما يمكنه من المحرمات، لايؤاخذ بما يعجز عنه، فإن تولية الأبرار خير للأمة من تولية الفجار، ومن كان عاجزاً عن إقامة الدين بالسلطان والجهاد ففعل ما يقدر عليه من الخير، لم يكلف ما يعجز عنه**" (ابن تیمیہ"مجموع الفتاوی"٢٨/٣٩٦) (جو کسی عہدۂ حکومت پر فائز ہو، جس کے ذریعہ اللہ کی اطاعت کا قصد کر رہا ہو، اور جتنا ممکن ہو اس کے دین اور مسلمانوں کی مصلحتوں کو قائم کرنے کا ارادہ کر رہا ہو، اور اس میں اس کے امکان میں جتنا ہو، واجبات قائم کرے اور اپنی وسعت بھر محرمات سے بچے تو جس چیز سے عاجز ہو، اس پر اس سے مؤاخذہ نہ ہوگا، اس لئے کہ نیک لوگوں کو حکمراں بنانا، بدکاروں کو حکمراں بنانے سے امت کے حق میں بہتر ہے، اور جو سلطنت اور جہاد کے ذریعہ دین قائم کرنے سے عاجز ہو، اور وہ اس بھلائی کو انجام دے جس پر قادر ہو، تو جس سے عاجز ہو اس کا مکلّف نہ ہوگا)۔

البتہ خلاف شریعت دفعات کو دل سے ناگوار جانے، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:"**إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان**" (النحل:۱۰۶) (سوائے اس شخص کے جس پر جبر کیا گیا ہو، اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو) اور چونکہ مظلوم حلف اٹھانے والے کی نیت ہی کا اعتبار ہوتا ہے لہذا اس سلسلہ میں کوئی دشواری بھی نہیں ہے، چنانچہ "ہندیہ" میں ہے:"**ذكر عن إبراهيم النخعي أنه قال: اليمين على نية الحالف إذا كان مظلوماً، وإن كان ظالماً فعلى نية المستحلف، وبه أخذ أصحابنا**" (عالمگیری ۲/۵۹) (ابراہیم نخعیؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ قسم حلف اٹھانے والے کی نیت کے مطابق ہوگی جبکہ وہ مظلوم ہو، اور اگر ظالم ہو تو قسم طلب کرنے والے کی نیت کے مطابق ہوگی، اور ہمارے علماء کا اسی پر عمل ہے)۔

خلاصہ یہ کہ دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا کفر کی ہمدردی اور اسلام سے خروج نہیں ہے۔

۶- بائبل پر حلف لینے کا حکم:

یہود ونصاری کا وتیرہ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ وہ مسلمانوں کی دل آزاری کا سامان کرتے رہتے ہیں، چنانچہ بہت سی دل آزار چیزیں مسلمانوں کو ان کی طرف سے دیکھنی اور بہت سی اذیت رساں، تکلیف دہ اور دل دکھانے والی باتیں سننی پڑتی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"**ولتسمعن من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم ومن الذين أشركوا أذى كثيراً، وإن تصبروا وتتقوا فإن ذلك من عزم الأمور**" (آل عمران:۱۸۶) (اور تمہیں ان لوگوں کی طرف سے جن کو تم سے پہلے کتاب ملی، اور ان لوگوں کی طرف سے جنہوں نے شرک کیا، بہت سی تکلیف دہ باتیں سننی پڑیں گی، اور اگر تم ثابت قدم رہے، اور تم نے تقوی کو ملحوظ رکھا، تو بے شک یہ چیز صبر وعزیمت کے حالات میں سے ہے)۔

اس آیت سے پتہ چلا کہ اہل کتاب سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سننا، ان کے طعن وتشنیع، ان کے الزامات، ان کے بیہودہ طرز کلام اور ان کی جھوٹی نشر واشاعت کے مراحل سے گزرنا، اور شان رسول کریم ﷺ میں ان کی گستاخانہ گفتگو کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ یہ سب ان کا پرانا حربہ ہے، لہذا مسلمانوں کو اجتماعی اور منظّم کوشش کے ذریعہ اپنے اس حق کو تسلیم کرانا چاہئے کہ وہ اپنی مذہبی کتاب مقدس قرآن کریم پر حلف لیں گے۔

البتہ جب تک یہ نظم نہ ہوجائے، تو چونکہ بائبل بھی محرف ہونے کے باوجود کتاب الٰہی میں سے ہے، تو اس پر حلف لینے کی گنجائش ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:"**والذين يؤمنون بما أنزل إليك وما أنزل من قبلك**" (البقرہ:۴) (اور جو ایمان لاتے ہیں اس چیز پر جو آپ پر اتاری گئی ہے اور جو تم سے پہلے اتاری گئی ہے)۔

۷-سیکولر پارٹیوں میں شرکت کا حکم:

اصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہر جائز ذریعہ اور مشروع طریقہ سے فائدہ پہنچانا درست ہے، لہذا منشور کے اکثر دفعات پر نظر رکھتے ہوئے ایسی سیکولر پارٹی میں شریک ہونے کی گنجائش ہے جو مسلم مفادات کے تحفظ کے لئے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہو، بشرطیکہ نیت انسانیت کی بھلائی، ملک وملت کی فلاح و بہبود اور مسلمانوں کی خدمت اور ان کے حقوق کی تحصیل ہو، ساتھ ہی شریک ہونے والے ممبر کی حتی الامکان کوشش ہونی چاہئے کہ مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغایر دفعات کو بدلوائے، اور باطل کو مسترد کرے یا اس میں کمی لانے کی جدوجہد کرے، حتی الامکان حق کا اظہار کرے، نیز باطل کے فروغ یا کسی حق کو مسترد کرنے کے عمل میں اپنی طاقت بھر شرکت نہ کرے، یا کم از کم موافقت نہ کرے، یا دل سے ہی ناپسند کرے، چنانچہ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں:

پھر حکومت وامارت اگرچہ جائز یا مستحب یا واجب ہو، لیکن کبھی متعین شخص کے حق میں اس کے علاوہ چیز زیادہ واجب یا مستحب ہوتی ہے، سواس وقت دو بھلائی میں سے افضل کو کبھی وجوبی طور سے اور کبھی استحبابی طور سے مقدم رکھا جائے گا، اور اسی باب سے حضرت یوسف صدیق علیہ وعلی نبینا علیہ الصلاۃ والسلام کا مصر کے بادشاہ کے خزانہ پر مامور ہونا ہے، بلکہ ان کی یہ تجویز کہ انہیں سرزمین مصر کے خزانے پر مامور کردیا جائے، جبکہ بادشاہ اور اس کی قوم کافر تھے، جیسا کہ ارشاد باری ہے (اور یوسف اس سے پہلے تمہارے پاس واضح تعلیمات کے ساتھ آئے، تو تم ان کی لائی ہوئی باتوں کی طرف سے برابر شک میں رہے)، اور اللہ تعالی نے یوسف علیہ السلام کی جانب سے فرمایا: (اے میرے جیل کے ساتھیو، کیا الگ الگ بہت سے رب بہتر ہیں یا اکیلا اللہ ہی سب پر حاوی وغالب؟ تم اس کے سوا نہیں پوجتے ہو مگر چند ناموں کو جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ چھوڑے ہیں، اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری)، اور یہ بات معلوم ہے کہ ان لوگوں کی کفر کے ساتھ مال پر قبضہ اور اسے بادشاہ کے مصاحبین اور اس کے گھر والوں اور اس کے لشکر اور رعیت پر صرف کرنے کے سلسلہ میں کوئی عادت اور کوئی طریقہ رہا ہوگا، اور وہ طریقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے طریقہ اور عدل کے مطابق جاری نہ رہا ہوگا، اور یوسف علیہ وعلی نبینا السلام کے لئے ممکن نہ تھا کہ ہر وہ چیز کر ڈالیں جو چاہیں اور یہ وہ شیئ ہے جسے وہ اللہ کے دین کے مطابق خیال کرتے تھے، کیونکہ ان کی قوم نے ان پر ایمان لانا قبول نہیں کیا تھا، لیکن انہوں نے ممکنہ عدل وانصاف اور احسان کو انجام دیا، اور عہدہ کی وجہ سے اپنے گھر والوں میں سے اہل ایمان کی وہ عزت افزائی کرسکے، جو اس عہدہ کے بغیر نہ کرسکتے تھے، اور یہ سب اللہ تعالی کے اس فرمان میں داخل ہے (تو اللہ سے ڈرتے رہو جہاں تک ہوسکے)، سو جب دو واجب جمع ہوجائیں، اور ان کے درمیان

تطبیق ممکن نہ ہو، اور زیادہ مؤکد واجب کو مقدم رکھا جائے، تو اس حالت میں دوسرا واجب نہ ہوگا، اور زیادہ مؤکد کو انجام دینے کی وجہ سے اسے ترک کرنے والا حقیقت میں واجب کو چھوڑنے والا نہ ہوگا، اور ایسے ہی جب دو حرام جمع ہو جائیں کہ ان دونوں میں سے بڑے حرام کا ترک ان دونوں میں سے کمتر کے ارتکاب کے بغیر نہ ہو، سو اس حالت میں کمتر حرام کو کرنا حقیقت میں حرام نہ ہوگا، اگر چہ مطلق حقیقت کے اعتبار سے واجب کا ترک اور اسے حرام کے ارتکاب کا نام دیا جائے، پھر بھی یہ نقصان دہ نہیں، اور اس صورت حال میں کہا جائے گا کہ یہ عذر کی وجہ سے واجب کا ترک ہے، اور راجح مصلحت یا ضرورت کی بنا پر حرام کا ارتکاب ہے، یا سخت حرام کو دور کرنے کے لئے کمتر حرام کا ارتکاب ہے، اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ اس شخص کے حق میں کہا جاتا ہے جو نماز سے سو جائے یا بھول جائے کہ اس نے مطلق و کامل وقت کے علاوہ میں بہ طور قضاء نماز ادا کی ہے، جبکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو نماز سے سو جائے یا اسے بھول جائے تو جب اسے یاد آ جائے تو اسے پڑھ لے، کیونکہ یہی اس کا وقت ہے، اس کے لئے اس کے علاوہ کفارہ نہیں ہے''۔

اور یہ تعارض کا باب بہت ہی وسیع باب ہے، خاص طور سے ان اوقات اور جگہوں میں جہاں نبوت اور خلافت نبوت کے آثار کم ہو جائیں، تو وہاں یہ مسائل بکثرت رونما ہوتے ہیں، اور جب بھی نبوت کے آثار میں کمی میں اضافہ ہوگا، تو ان مسائل میں اضافہ ہوگا، اور اس کا پایا جانا امت کے درمیان فتنہ کے اسباب میں سے ہے، کیونکہ جب نیکیاں برائیوں کے ساتھ گڈمڈ ہو جائیں، تو اشتباہ اور تلازم پیدا ہوگا، چنانچہ کچھ لوگ نیکیوں پر نظر کریں گے، اور اس پہلو کو ترجیح دیں گے، خواہ یہ سنگین برائیوں کو شامل ہو، اور کچھ لوگ برائیوں پر نظر کریں گے اور دوسرے پہلو کو ترجیح دیں گے، اگر چہ اس میں بڑی نیکیوں کا ترک ہو، اور معتدل حضرات جو دونوں پہلوؤں پر نظر رکھتے ہیں، کبھی ان کے یا ان کی اکثریت کے لئے منفعت اور مضرت کی مقدار واضح نہیں ہوتی ہے، یا ان کے لئے ظاہر ہوتی ہے، لیکن ان حضرات کو نہیں پاتے جو ان کی نیکیوں پر عمل اور برائیوں کے ترک پر مدد کریں، کیونکہ خواہشات رایوں سے مل جاتی ہیں، اسی وجہ سے حدیث شریف میں آیا ہے کہ: ''اللہ تعالی شبہات رونما ہونے کے وقت دور رس نگاہ کو، اور خواہشوں اور شہوتوں کے پیش آنے کے وقت کامل عقل کو پسند فرماتا ہے''۔

سو ایک عالم کے لئے مناسب ہے کہ ان مسائل کی انواع و اقسام پر غور کرے، چنانچہ ان بعض مسائل میں کبھی - جیسا کہ پہلے میں نے بیان کیا - بعض چیزوں میں ممانعت اور حکم کے وقت سکوت واجب ہوگا، نہ کہ حلال اور حرمت کو ساقط قرار دینا، جیسے کسی شخص کو طاعت کا حکم دینے میں اس سے بڑی معصیت کا ارتکاب ہو، تو اس معصیت کے پیش آنے کو دور کرنے کے لئے اس کو طاعت کا حکم دینے کو چھوڑ دے، مثلاً تم کسی مجرم کو ظالم حکمراں کے حوالہ کرو، تو وہ اس پر سزا میں ایسی زیادتی کرے جس کا ضرر اس کے گناہ سے زیادہ ہو، اور جیسے بعض برائیوں سے روکنے میں ایسی نیکی کا ترک لازم آئے، جس کا

نفع ان برائیوں کے ترک سے زیادہ ہو،تو وہ روکنے سے خاموش رہے،اس اندیشہ سے کہ اس چیز کا ترک لازم آئے جس کے کرنے کا اللہ اوراس کے رسول نے حکم دیا ہے، جو اس کے نزدیک اس برائی کے محض ترک سے زیادہ سنگین ہے، چنانچہ عالم کبھی حکم دیتا ہے اور کبھی منع کرتا ہے، اور کبھی مباح قرار دیتا ہے، اور کبھی حکم دینے یا منع کرنے یا مباح قرار دینے سے خاموش رہتا ہے، جیسے خالص یا راجح نیکی کا حکم یا خالص یا راجح فساد سے ممانعت، اور تعارض کے وقت- جیسا کہ گزرا- بقدر امکان راجح کو ترجیح دی جائے گی (مسند الشهاب للقضاعی ۲/ ۱۵۲، الزہد الکبیر للبیہقی ص:۳۴۹، اوراس کی سند میں کلام ہے، اور ''اغاثۃ اللہفان'' ۲/ ۱۶۷، میں ابن القیم نے اسے مرسل قرار دیا ہے (ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم ''مجموع الفتاوی'' ۲۰/ ۵۶-۶۰، ط:۳، دارالوفاء ۱۴۲۶ھ-۲۰۰۵ء)۔

الغرض سیکولر پارٹی میں شرکت کفر اور نظام باطل کی ہمدردی نہیں ہے، بلکہ حالات اور مصلحت کا تقاضا ہے، چنانچہ فقیہ عبداللہ محفوظ بن بیہ کی رائے ہے:"إن مشاركة المسلمين الذين يعيشون فی الغرب فی العمل السياسی هناک سواء بالترشيح أو الانتخاب لا تعنی بأی حال من الأحوال ولاء للكفر، ولا خروجا عن الإسلام، بل هی مشاركة تقتضيها ظروف وجودهم فی هذه البلاد، وحق من حقوق المواطنة المشروعة لهم، وهذا لا شيئ فيه، وهناک أحداث فی السيرة النبوية تؤكد ذلک'' (علی بن نایف شحود ''الخلاصۃ فی فقہ الاقلیات'' ص ۱۲۴) (مغرب میں رہنے والے مسلمانوں کی سیاسی عمل میں شرکت خواہ نامزدگی یا انتخاب کے ذریعہ ہو، کسی حالت میں اس کا مطلب کفر کی ہمدردی اور اسلام سے خروج نہیں ہے، بلکہ یہ ایسی شرکت ہے جس کا تقاضا ان ممالک میں ان کے وجود و بقا کے حالات کرتے ہیں، اور یہ ان کی شہریت کے جائز حقوق میں سے ہے، اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ سیرت نبویہ میں کچھ ایسے واقعات ہیں جو اس کی تاکید کرتے ہیں)۔

البتہ سیکولر نظام کی پارٹی میں شرکت کرنے والا جس چیز سے مجبور ہو، اور اس کے اختیار میں نہ ہو، تو امید ہے کہ اللہ تعالی اس پر مواخذہ نہ فرمائے گا، کیونکہ اس کی نیت مسلمانوں کو نفع پہنچانا، انسانیت کی خدمت اور ملت کے مصالح کا تحقق اور مفاسد کا ازالہ ہے، لیکن مخالف اسلام دفعات کو اسے چاہئے کہ دل سے ناپسند کرے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:"إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان'' (النحل:۱۰۶) (سوائے اس کے جس پر جبر کیا گیا ہو، اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو)۔

خلاصہ یہ کہ اس طرح کی سیکولر پارٹیوں میں شرکت جائز ہے، البتہ اس کا جواز اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ شریک ہونے والے کی نیت اپنا پیٹ بھرنا اور مسلمانوں کو ان پارٹیوں کا مہرہ بنا کر بے وقوف بنانا نہ ہو، بلکہ نیت اچھی ہو، مسلمانوں کے حقوق کا دفاع مقصود ہو، مظلومین سے ظلم کا خاتمہ مطلوب ہو، جہاں تک ہو سکے عدل وانصاف قائم کرنے کی کوشش ہو، شر کو کم کرنے اور ظالموں، شریروں اور بدمعاشوں کو قابو میں کرنے کا ارادہ ہو، چنانچہ ابن تیمیہؒ سے پوچھا گیا کہ ایک

فوجی شخص ظالمانہ نظام کے تحت خدمت کرنے سے دستبردار ہونا چاہتا ہے، کیا یہ مناسب ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: "إذا كان للمسلمين به منفعة وهو قادر عليها، لم ينبغ له أن يترك ذلك لغير مصلحة راجحة على المسلمين" (ابن تیمیہ، "إقامة الدليل على إبطال التحليل"، ۳/ ۲۴۹) (اگر اس کے ذریعہ مسلمانوں کا فائدہ ہو، اور وہ اس فائدہ کو پہنچانے پر قادر ہو، تو اس کے لئے مناسب نہیں کہ مسلمانوں کے حق میں راجح مصلحت کے بغیر اسے چھوڑ دے)۔

۸- مسلم دشمن پارٹیوں میں شرکت کا حکم:

جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں، اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہے، اس پارٹی میں شریک ہونا اور اس کا ممبر بننا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ گناہ اور ظلم واستحصال میں اس کے ساتھ تعاون ہے، اور ارشاد باری تعالی ہے: "ولا تعاونوا على الإثم والعدوان" (المائدہ:۲) (گناہ اور تعدی وزیادتی میں تعاون نہ کرو)، اور ارشاد الہی ہے: "يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا الذين اتخذوا دينكم هزوا ولعبا من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم والكفار أولياء، واتقوا الله إن كنتم مؤمنين" (المائدہ:۵۷) (اے ایمان والو، ان لوگوں کو اپنا دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنالیا ہے، ان لوگوں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی، اور نہ کفار کو، اور اللہ سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو)، اور فرمان الہی ہے: "ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا" (النساء:۱۴۱) (اور اللہ کافروں کو مومنوں پر کوئی راہ نہیں دے گا)۔

اور اس نیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے کہ وہ پارٹی میں شریک ہو کر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا، کیونکہ ایسی مسلم دشمن سیاسی پارٹی کے ایجنڈا ساز حضرات مسلم ممبران کو نہ کوئی اہمیت دیتے ہیں، اور نہ ہی ان کی بات کو قابل التفات سمجھتے ہیں، بلکہ الٹا ان کو مسلمانوں کو بہلانے اور بے وقوف بنانے کے لئے مہرہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں، وہ بے چارہ اپنی کرسی کی فکر میں ملت کی ہمدردی، غمخواری اور فلاح وبہبود کو بھول جاتے ہیں، بلکہ اپنی پارٹی کی جعلی اچھائی اجاگر کر کے مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں، چنانچہ مسلم دشمن سیاسی پارٹی میں شامل نام نہاد مسلمانوں کی تاریخ اس پر شاہد عدل ہے، اور اس بات کی منہ بولتی تصویر کہ یہ حضرات ظالموں اور جابروں کی مجلس میں بیٹھ کر خود ان ہی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور ان کی نگاہ میں حق وباطل کی تمیز نہیں رہ جاتی ہے، اور کفر وسرکشی میں مبتلا لوگوں کی تاثیر سے اپنے فرض منصبی کو بھول جاتے ہیں، اور اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ملت کے مفاد کو قربان کر دیتے ہیں، بلکہ بسا اوقات ملت کو ہی مورد الزام ٹھہراتے ہیں، جبکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار" (ہود:۱۱۳) (اور ان لوگوں کی طرف مائل نہ ہوجیو، جنہوں نے ظلم کیا کہ تمہیں بھی دوزخ کی آگ پکڑے)۔

۹-مسلم اقلیت کے لئے علیحدہ سیاسی جماعت کی تشکیل کا حکم:

اسلام ایک منظم دین ہے، لہذا مسلمانوں کا منظم، باشعور اور تحریکی ذہن وفکر رکھنے والا ہونا بہت ضروری ہے کہ اسی کے ذریعہ مصالح اور مفاسد کے درمیان موازنہ کرنے کی قدرت ہوتی ہے اور مناسب صورت حال کو ترجیح دینے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "**عليكم بالجماعة وإياكم والفرقة، فإن الشيطان مع الواحد، وهو من الاثنين أبعد، من أراد بحبوحة الجنة فليلزم الجماعة**" (سنن ترمذی حدیث نمبر ۲۱۶۵، اور اس کی سند صحیح ہے) (تم پر جماعت کو لازم پکڑنا واجب ہے، اور افتراق وانتشار سے دور رہو، کیونکہ شیطان ایک کے ساتھ رہتا ہے، اور وہ دو اشخاص سے زیادہ دور رہتا ہے، جو جنت کا درمیانی حصہ چاہے اسے جماعت کو لازم پکڑنا چاہئے)۔

اس لئے میری نظر میں مسلم اقلیت کے لئے علاحدہ سیاسی جماعت کی تشکیل نہایت ضروری ہے، تاکہ ملک وملت کی صحیح تعمیر وترقی ہوسکے، کیونکہ موجودہ سیاسی پارٹیوں کے بس میں فساد کا ازالہ نہیں، چنانچہ ہر طرف لوٹ کھسوٹ، رشوت اور استحصال کی گرم بازاری ہے، امن وامان کا فقدان ہے، لہذا ایک ایسی سیاسی پارٹی کی تشکیل جو ملک وملت کو صحیح راہ پر گامزن کرسکے، اور مسلمانوں کی تربیت کرکے انہیں ووٹ کی قیمت سمجھا سکے، اور منتشر اور بکھری ہوئی ملت کی شیرازہ بندی کرسکے، اور حتی الامکان حق کی تائید اور خیر وبھلائی کی اشاعت میں حصہ لے سکے نہایت ضروری ہے۔

البتہ مسلمانوں کو موجودہ صورت حال میں بڑی حکمت، دانائی اور دانشمندی سے کام لیتے ہوئے ملک کے مظلوم، دبے کچلے اور استحصال زدہ طبقات کو ساتھ لے کر کام کرنا ہوگا۔ رہا یہ اندیشہ کہ جہاں مسلمانوں کی آبادی مرتکز نہیں ہوتی ہے، وہاں خصوصاً اور دوسرے علاقے میں عموماً مسلم سیاسی جماعت کا قیام مسلمان مخالف ووٹ کو متحد کردیتا ہے، اور اس سے فرقہ پرست تنظیمیں فائدہ اٹھالیتی ہیں، تو یہ ہماری بے تدبیری، سیاسی شعور سے دوری اور سیاسی حکمت عملی سے محرومی کا نتیجہ ہے، اگر مسلمان سوجھ بوجھ، حکمت عملی، ہوشمندی اور دانشمندی کا ثبوت دیں تو ہم بھی غیر مسلم ووٹوں کو منتشر کرکے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

جہاں تک سیکولر ایجنڈے کے تحت کام کرنے کا تعلق ہے تو اس میں ہر چیز دین اور اسلام مخالف نہیں ہوتی ہے، بلکہ اس کے بڑے حصہ کا تعلق عدل وانصاف، سماجی مساوات اور خیر وبھلائی کی نشر واشاعت سے ہوتا ہے، چنانچہ ہماری نیت یہ ہونی چاہئے کہ ہم حتی الامکان ملک کے اندر عدل وانصاف، امن وامان، حق پرستی اور باطل پرستی سے اجتناب کی فضا قائم کریں گے، استحصال اور ظلم کو دور کریں گے، سب کی خوشحالی اور سب کے ساتھ مساوی اور مبنی برانصاف سلوک اور طرز عمل اپنائیں گے اور کسی کو ذلیل وخوار نہ ہونے دیں گے، اگر ہماری نیت خیر اور بھلائی کی ہوگی تو ہم جس چیز سے عاجز ہیں، امید ہے کہ اللہ تعالی آخرت میں ہم سے اس کے بارہ میں مواخذہ نہ فرمائے۔

۱۰-الیکشن میں خواتین کا کردار ونمائندگی:

خواتین ووٹنگ میں حصہ لے سکتی ہیں، کیونکہ حق رائے دہی جس طرح مرد کو حاصل ہے، اسی طرح خواتین کو بھی حق رائے دہی حاصل ہے، اور اس کی دلیل "**وأمرهم شورى بينهم**" (الشوری:۳۸) (اور ان کا نظام شوری پر ہے) ہے، جو عورت اور مرد دونوں کو شامل ہے، نیز ووٹ شہادت ہے- جیسا کہ گزرا- اور شہادت کی اہلیت عورت میں بھی ہے، ساتھ ہی اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عمر بن الخطابؓ کی وفات کے بعد امیر المؤمنین کے انتخاب میں خواتین کی بھی رائے لی تھی، چنانچہ ابن کثیرؒ رقمطراز ہیں: "**ثم نهض عبد الرحمن بن عوف**ؓ **يستشير الناس فيهما، حتى خلص إلى النساء المخدرات في حجالهن...**" (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ ۷/ ۱۶۴، ط:۱، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۸ء) (پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت علی اور عثمان رضی اللہ عنہم کے بارے میں لوگوں سے مشورہ کرنے لگے یہاں تک کہ حجلۂ عروسی پردہ نشیں خواتین تک پہنچ گئے)۔

اگر انتخاب خلیفہ میں خواتین کی رائے کی کوئی تاثیر نہ ہوتی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ان سے رائے نہ لیتے۔

سیاست میں عورتوں کی حصہ داری:

خواتین قانون ساز اداروں، اسمبلی، پارلیامنٹ، اور پنچایت اور دیگر سیاسی اداروں کی ممبر بن سکتی ہیں، کیونکہ ان اداروں کا کام ملک کے اجتماعی معاملات سے متعلق فیصلہ کرنا اور حکومت کا نظم ونسق چلانا، نیز قانون ساز اداروں کا کام قانون سازی کرنا ہے، اور یہ سب وہ امور ہیں جن میں عورت کی شرکت سے مانع کوئی چیز نہیں ہے، کیونکہ اجتہاد کرنا اور فتوی دینا عورت کے لئے بھی درست ہے، اس لئے کہ عورت ہونا افتاء اور اجتہاد کی اہلیت سے مانع نہیں ہے، چنانچہ امام ماوردی تحریر کرتے ہیں: "**فإن رد إلى المرأة تقليد قاض لم يصح؛ لأنه لما لم يصح أن تكون والية لم يجز أن تكون مولية، وإن رد إليها اختيار قاض جاز؟ لأن الاختيار اجتهاد لا تمنع منه الأنوثة كالفتيا**" (ماوردی، ابوالحسن علی بن محمد شافعی (و:۴۵۰ھ) "أدب القاضی" ۱/ ۶۲۸، تحقیق: محیی ہلال السرحان، بغداد، مطبعۃ العانی ۱۳۹۲ھ) (سو اگر عورت کو قاضی متعین کرنے کا اختیار دیا جائے تو یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ جب اس کا حاکم ہونا صحیح نہیں تو عہدہ حکومت پر کسی کو متعین کرنے والی ہونا بھی جائز نہیں ہے، اور اگر اسے قاضی کو منتخب کرنے کا اختیار دیا جائے تو یہ جائز ہے، اس لئے کہ انتخاب کا تعلق منصب کی اہلیت رکھنے والے کے سلسلہ میں اجتہاد کرنے سے ہے اور عورت ہونا فتوی دینے کی طرح اجتہاد سے مانع نہیں ہے)۔

اگر چہ امام ماوردیؒ دیگر جمہور علماء اسلام کی طرح یہ سمجھتے ہیں کہ عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ حاکم ہو، لیکن انہیں بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ عورت کے اندر فتوی دینے اور اجتہاد کرنے کی صلاحیت ہے، اور یہ ظاہری بات ہے کہ قانون سازی میں اسی کی ضرورت ہے، نیز اجتہاد وافتاء کے دائرہ میں حکومت کے معاملات اور رعایا کے ساتھ حاکم کے تعلقات بھی آتے ہیں، لہذا میری رائے میں خواتین قانون ساز اداروں کی ممبر بن سکتی ہیں، اسی طرح دیگر سیاسی اداروں کی ممبر بھی بن سکتی ہیں، کیونکہ ان اداروں کا کام ملک کی تعمیر وترقی کے منصوبے بنانا اور ان کی تنفیذ کروانا ہے، اور اس سلسلہ میں باہم مشورہ سے صحیح لائحہ عمل طے کرنا ہے، چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع سے خود نبی کریم ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ سے مشورہ لیا (بخاری شریف حدیث نمبر:۲۷۳۱-۲۷۳۲)، اور اس کی شرح میں ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: ''**وفی الحدیث دلالة علی فضل المشورة، وأن الفعل إذا انضم إلی القول کان أبلغ من القول المجرد، وفی الحدیث دلالة علی جواز مشاورة المرأة الفاضلة، وفضل أم سلمة رضی الله عنها، ووفور عقلها**'' (عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی بن محمد (و:۸۵۲ھ) ''فتح الباری بشرح صحیح البخاری'' ۵/۳۴۷، بیروت، دار المعرفۃ، ۱۳۷۹ھ) (اس حدیث پاک سے مشورہ کی خوبی کا پتہ چلتا ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ قول کے ساتھ فعل وعمل کی شمولیت محض قول سے زیادہ مؤثر ہے، ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ باکمال عورت سے مشورہ کرنا جائز ہے، اور اس حدیث شریف سے حضرت ام سلمہؓ کی فضیلت اور کمال عقل کا بھی پتہ چلتا ہے)۔

نیز اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ''شفاء بنت عبداللہ عدویہ'' کو مدینہ کے بازار میں احتساب کے عہدہ پر متعین کیا تھا (ابن حجر عسقلانی، ''الإصابۃ'' ۷/۱۲۱، بیروت، دار الکتب العلمیہ)۔

البتہ خواتین کے لئے شرعی پردے کی پابندی ضروری ہے، نیز لوچدار انداز گفتگو اختیار کرنے اور فاسقات وفاجرات کا طرز کلام اپنانے سے پرہیز، اور اجنبیوں سے بات کرنے میں پوری احتیاط، اور ہر اس حرکت سے اجتناب لازم ہے جو مردوں کے جذبات میں آگ لگائے، ساتھ ہی ان پر لازم ہے کہ ان اداروں میں بن ٹھن کر نہ آئیں اور مردوں سے خوب گھل مل کر بات چیت نہ کریں۔ ہاں، یہ خیال رہے کہ عورت پر گھر اور بال بچوں کی ذمہ داری واجب عینی کا درجہ رکھتی ہے اور اسمبلی، پارلیامنٹ اور دیگر سیاسی اداروں کے اعمال میں شرکت واجب کفائی ہے، لہذا واجبات کے تصادم کے وقت واجب عینی مقدم ہوگا۔

واضح رہے کہ بعض حضرات نے مجالس قانون ساز اور دیگر سیاسی اداروں میں عورت کی ممبر شپ کی صحت پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ احناف کے نزدیک عورت قاضی بن سکتی ہے، جیسا کہ ''البحر الرائق'' میں ہے: ''وتقضی

المرأة فی غیر حد وقود؛ لأنها أهل للشهادة فی غیرهما فکانت أهلاً للقضاء"(ابن نجیم مصری،"البحر الرائق شرح کنز الدقائق" کتاب القضاء، باب کتاب القاضی إلی القاضی ۷/۵، بیروت، دار المعرفۃ) (اور عورت حدود اور قصاص کے علاوہ میں فیصلہ کرے گی، اس لئے کہ ان دونوں باب کے علاوہ میں وہ شہادت کی اہلیت رکھتی ہے سو وہ قضا کی بھی اہل ہے) لیکن یہ استدلال میرے نزدیک کمزور ہے، کیونکہ عورت فی الجملہ اگرچہ سلطان یا قاضی ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے(البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ ۲/۱۵۲) لیکن عہدۂ قضاء پر اسے مقرر کرنے والا احناف کے نزدیک گنہ گار ہے، چنانچہ علامہ حصکفی رقمطراز ہیں:"**وإن أثم المولی لها" لخبر البخاری "لن یفلح قوم ولوا أمرهم امرأة**"(حصکفی"الدر المختار" کتاب القضاء، باب کتاب القاضی إلی القاضی وغیرہ ۸/۱۴۲) (اگرچہ عورت کو عہدۂ قضا پر مقرر کرنے والا گنہ گار ہے، اس لئے کہ بخاری شریف کی حدیث ہے:"کوئی ایسی قوم کامیاب نہیں ہوسکتی جو اپنے معاملات عورت کے سپرد کردے")۔

لہذا صحیح استدلال وہی ہے جو اوپر گذرا۔

البتہ عورت سربراہ مملکت نہیں ہوسکتی ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کو جب یہ اطلاع ملی کہ ایرانیوں نے کسری کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنالیا ہے تو ارشاد فرمایا:"**لن یفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة**"(بخاری شریف حدیث نمبر:۴۴۲۵، ۷۰۹۹، مسند طیالسی ۸۷، مسند احمد ۲۰۴۰۲) (وہ قوم کامیاب نہیں ہوگی جو اپنے معاملات عورت کے حوالہ کردے)۔

چنانچہ اس کی شرح میں علامہ شوکانی رقمطراز ہیں:"**فیه دلیل علی أن المرأة لیست من أهل الولایات، ولا یحل لقوم تولیتها؛ لأن تجنیب الأمر الموجب لعدم الفلاح واجب**" (شوکانی،"نیل الاوطار" ۸/۲۶۵، قاہرہ، المطبعۃ العثمانیۃ المصریۃ ۱۳۵۷ھ) (اس حدیث شریف کے اندر اس بات کی دلیل ہے کہ عورت حکومت کی اہلیت نہیں رکھتی ہے، اور کسی قوم کے لئے اسے حکمراں بنانا حلال نہیں، اس لئے کہ اس معاملہ کو دور کرنا لازم ہے جو ناکامی کا سبب ہو)۔

یہ ظاہر ہے کہ علامہ شوکانی ہر طرح کی حکمرانی کو عورتوں کے حق میں اس حدیث شریف کی روشنی میں ممنوع سمجھتے ہیں، لیکن یہ میرے نزدیک درست نہیں ہے، بلکہ یہ حدیث صرف خلافت یا امامت عظمی کے ان کے حق میں ممنوع ہونے پر دلیل ہے، کیونکہ یہ اسی مناسبت سے وارد ہوئی ہے، چنانچہ ابن حزمؒ نے بھی یہی مصداق متعین کیا ہے، وہ تحریر کرتے ہیں:"**وجائز أن تلی المرأة الحکم – وهو قول أبی حنیفة – وقد روی عن عمر بن الخطاب: أنه ولی الشفاء امرأة من قومه السوق، فإن قیل: قد قال رسول اللهﷺ: "لن یفلح قوم أسندوا أمرهم إلی امرأة" قلنا: إنما قال ذلک رسول اللهﷺ فی الأمر العام الذی هو الخلافة، برهان ذلک : قوله علیه الصلاة والسلام: "المرأة راعیة علی مال زوجها، وهی مسؤولة عن رعیتها**"۔

وقد أجاز المالكيون أن تكون وصية ووكيلة، ولم يأت نص من منعها أن تلى بعض الأمور وبالله تعالى التوفيق" (ابن حزم ظاہری، ابومحمد، علی بن احمد "المحلی بالآثار" کتاب الشہادات، باب جواز ولایۃ المرأۃ الحکم ۸/۵۲۷، مسئلہ نمبر ۱۸۰۴، بیروت دار الکتب العلمیۃ) (اور جائز ہے کہ عورت حکومت سنبھالے، اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے، اور حضرت عمر بن الخطابؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کی ایک عورت "شفاء" کو بازار کے احتساب کے عہدہ پر فائز کیا تھا، سو اگر یہ اشکال کیا جائے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "وہ قوم کامیاب نہ ہوگی جو اپنے معاملات عورت کے حوالہ کردے" تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ رسول کریم ﷺ نے یہ بات امامت عظمیٰ یعنی خلافت کے بارے میں فرمائی ہے، اور اس کی دلیل نبی پاک ﷺ کا یہ فرمان ہے: "عورت اپنے شوہر کے مال کی نگراں ہے اور وہ اپنے ماتحت کے بارے میں جوابدہ ہے"، اور مالکی حضرات نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ عورت یتیم کی سرپرست ہو اور وکیل بنے، اور کوئی ایسی نص وارد نہیں ہوئی ہے جو عورت کے بعض معاملات کی ذمہ داری سنبھالنے سے مانع ہو، اور اللہ تعالی کی مدد سے ہی توفیق حاصل ہوتی ہے)، بلکہ خود احناف کے نزدیک عورت وقف کی متولی، یتیم کی سرپرست اور گواہ بن سکتی ہے، چنانچہ "تنویر الابصار" اور "الدر المختار" میں ہے: **"وتصلح ناظرة" "لوقف" "ووصية" ليتيم "وشاهدة" ... فتصح تقريرها فى النظر والشهادة فى الأوقاف ولو بلا شرط واقف**" (الدر المختار مع تنویر الابصار بہامش رد المحتار، کتاب القضاء، باب کتاب القاضی إلی القاضی ۸/۱۴۲) (اور عورت وقف کی متولی اور یتیم کی سرپرست اور وقف کی گواہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، لہذا اوقاف کی تولیت اور گواہی میں اسے مقرر کرنا درست ہے خواہ واقف کی شرط کے بغیر ہو)۔

خلاصہ یہ کہ سربراہ مملکت کے علاوہ حکومت کے دیگر عہدوں اور مناصب پر عورتوں کی تقرری درست ہے بشرطیکہ یہ چیز ان کے اصل فرض منصبی میں خلل انداز نہ ہو اور ان کی جسمانی ساخت سے ہم آہنگ ہو۔

الیکشن میں شرکت کا حکم

مولانا محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی☆

۱- ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں ووٹ کے مسئلہ پر غور وخوض کرنے سے اس کی چار حیثیتیں سامنے آتی ہیں: اول: شہادت، دوسری: سفارش، تیسری: مشورہ، چوتھی: وکالت اور اگر اسلامی ملک ہو تو اس کی ایک حیثیت بیعت کی بھی ہوگی۔

پہلی حیثیت شہادت:

عینی مشاہدہ کی بناء پر کسی شی کے برحق اور صحیح ہونے کی خبر دینا شہادت ہے، پس کسی امیدوار کو ووٹ دینا دراصل اس بات کی گواہی ہے کہ وہ فلاں منصب کا اہل ہے، دیانتداری کے ساتھ اپنی ذمہ داری کو ادا کرسکتا ہے، اس میں قوم وملت کا درد ہے، خدمت خلق کا جذبہ ہے، وہ ملک کا خیر خواہ ہے، ایسے امیدوار کو ووٹ دینا سچی گواہی ہے، اس کے برعکس نااہل، خائن، مجرم پیشہ، بلکہ پولیس کے نامزد اور نامور مجرم اور خودغرض امیدوار کو ووٹ دینا جھوٹی گواہی ہے اور جھوٹی گواہی دینا گناہ کبیرہ ہے۔

قرآن مجید اور حدیث پاک میں شرک اور جھوٹی شہادت دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح شرک اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ اور گناہ کبیرہ ہے، ویسے ہی جھوٹی شہادت بھی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”**فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور**“ (سو بتوں کی گندگی سے بچتے رہو اور جھوٹی بات سے بچتے رہو)۔ ایک موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت صحابہ رضی اللہ عنہم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”کیا میں تم لوگوں کو اکبرالکبائر (سب سے بڑا گناہ) نہ بتاؤں؟“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیوں نہ یارسول اللہ! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ کے ساتھ شریک کرنا، والدین کی نافرمانی“ پھر آپ ﷺ ٹھیک سے بیٹھ گئے۔ حالانکہ اس سے پہلے ٹیک لگائے ہوئے تھے، اور فرمایا: ”سنو!“ ”شہادت زور“ یعنی جھوٹی گواہی اور برابر دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم لوگوں کو خیال ہوا کہ

☆ استاذ المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد۔

کاش آپ ﷺ خاموش ہوجاتے'' (بخاری، باب ما قیل فی شہادۃ الزور، ج:۱،ص:۳۶۲)۔

سچی شہادت دینا جہاں اجروثواب اوراحیاءِحق کا باعث ہے، وہیں قومی ومذہبی فریضہ بھی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''**یا أیھا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط**'' (سورہ بقرہ:۲۸۳) (اے ایمان والو!اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے اورعدل کے ساتھ شہادت دینے والے بنے رہو)۔ایک طرف سچی شہادت پر جنت کا وعدہ فرمایا گیاہے،تو دوسری طرف سچی گواہی کے چھپانے کوجرم عظیم اورسنگین گناہ قرار دیا گیاہے۔

''**ولا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فإنہ آثم قلبہ**'' (سورہ بقرہ:۲۸۳)(اورگواہی مت چھپاؤ،اورجوشخص اس کوچھپادےتو بیشک اس کا دل گنہگار رہے)۔

اس لئے نااہل امیدوارکوووٹ دینے سے احترازکرنااورمستحق ولائق اور باصلاحیت امیدوارکوووٹ دیناواجب ہے۔

دوسری حیثیت سفارش:

سفارش کی حقیقت یہ ہے کہ جس کی سفارش کی جائے،اس کوفائدہ پہنچے (تفسیر قرطبی ۵/۱۹۰)۔

سفارش کی دوقسمیں ہیں:

اول: درست سفارش۔

دوم: ناحق ونادرست سفارش۔

پہلی قسم: یعنی درست سفارش جس کوقرآن کی زبان میں''شفاعت حسنہ'' کہتے ہیں،اس میں سفارش کرنیوالا اور جس کے حق میں سفارش کی جاتی ہے،دونوں ماجورہوتے ہیں، بلکہ ایک طرح کا یہ صدقہ جاریہ ہے کہ جب تک وہ شخص سفارش کردہ شی کوبروئے کارلاتا رہےگا،تب تک سفارش کرنے والے کوبھی ثواب ملتا رہےگا۔

دوسری قسم: یعنی ناجائز وناحق سفارش جس کوقرآن کی زبان میں''شفاعت سیئۃ'' کہتے ہیں۔اس میں شفاعت حسنہ کے برعکس سفارش کرنے والااس دوسرے شخص کے گناہ وجرم میں شریک متصورہوتاہے،جس کے حق میں اس نے سفارش کی ہےاوراللہ کے یہاں اس کا بھی مواخذہ ہوگا،ان ہی باتوں کوقرآن نے اپنے معجزانہ الفاظ واسلوب میں اس طرح بیان کیاہے:

''**من یشفع شفاعۃ حسنۃ یکن لہ نصیب منھا، ومن یشفع شفاعۃ سیئۃ یکن لہ کفل منھا، وکان اللہ علی کل شیئ مقیتا**'' (نساء:۵۸) (جوکوئی اچھی سفارش کرےگا اس کواس میں حصہ ملےگا اور جوکوئی بری

سفارش کرے گا اس پر اس میں سے بار رہے گا اور اللہ ہر چیز پر طاقت رکھنے والا ہے)۔

ووٹر جس امیدوار کو ووٹ دیتا ہے اس کے بارے میں الیکشن کمیشن بورڈ سے سفارش کرتا ہے کہ فلاں پارلیمنٹ کا ممبر بننے کا اہل ہے اور وہ اس عہدہ کو بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہے، پس جو ووٹر اچھے اخلاق وکردار کے مالک، خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار، ملک وملت کے بہی خواہ، امانتدار اور باصلاحیت امیدوار کو ووٹ دے گا، وہ اللہ کے یہاں ماجور ہوگا، خواہ وہ امیدوار کامیاب ہو یا کامیاب نہ ہو۔ اگر وہ الیکشن میں کامیاب ہو گیا، تو وہ اپنے عہدہ پر فائز رہتے ہوئے جتنے بھی رفاہی کام اور کار خیر کرے گا اور اس سے متعلق لوگوں کے حقوق کو بروئے کار لائے گا، ان سب کا ثواب اس ووٹر کو بھی ملے گا۔ اس کے برعکس مجرم زمانہ، اخلاق وکردار سے بے بہرہ، خدمت خلق کے جذبہ سے عاری، ملک وملت کے بدخواہ، خائن اور نااہل امیدوار کو ووٹ دے گا تو وہ گنہگار اور اللہ کے یہاں جوابدہ ہوگا۔ اگر وہ امیدوار الیکشن میں کامیاب ہو گیا تو اس عہدہ پر رہ کر جو ظلم وزیادتی کرے گا اور لوگوں کے حقوق کو تلف کرے گا ان سب گناہوں میں وہ بھی سہیم وشریک ہوگا اور اس کی سزا پانے کا مستحق ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے " و كان الله على كل شيئ مقيتا "(نساء:۸۵) (اور اللہ ہر چیز پر طاقت رکھنے والا ہے) کہہ کر اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ اگر اچھی اور برحق سفارش ہوگی تو اللہ اجر وثواب سے نوازنے پر قادر ہے، اسی طرح جو ناحق اور نادرست سفارش کرے گا اس کو سزا دینے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔

علامہ قرطبیؒ نے شفاعت کا ایک معنی دعا کا بھی نقل کیا ہے۔ اس اعتبار سے جو شخص کسی باصلاحیت اور اہل امیدوار کے جیتنے کی دعا کرے گا، اس کو ثواب ملے گا اور جو نااہل امیدوار کے حق میں دعا کرے گا وہ گنہگار ہوگا۔

تیسری حیثیت مشورہ:

مشورہ سے حکومت کا قیام اور امور مملکت کو انجام دینا اسلام کا طرۂ امتیاز ہے، اس سلسلہ میں اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ارباب حل وعقد خلیفہ منتخب کریں اور عوام ان کے تابع ہوں، ملک میں اصحاب رائے اور ارباب حل وعقد کی ایک مجلس مشاورت ہو جو امیر المومنین کا انتخاب کرے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت معاویہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

" ہم آپ کے سامنے چند باتیں پیش کرتے ہیں۔ آپ ان میں سے جس کو چاہیں اختیار فرمالیں:

اول: یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سنت پر عمل کریں اور خلافت کے معاملہ کو ویسے ہی بلا نامزدگی مسلمانوں کے انتخاب پر چھوڑ جائیں کہ وہ جس کو چاہیں خلیفہ بنالیں اور اگر آپ کو یہ بات پسند نہیں ہے تو سنت صدیقی پر عمل کریں کہ ایسے شخص کو اپنا قائم مقام مقرر فرمائیں جو آپ کی قوم وخاندان کا نہ ہو، یہ بھی پسند نہ ہو، تو سنت فاروقی پر عامل ہوں کہ ایسے چھ

شخصوں کو نامزد کر جائیں جو نہ آپ کے خاندان وقبیلہ کے ہوں، اور نہ ان میں آپ کا بیٹا ہو، وہ چھ شخص اپنے آپ میں سے جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کرلیں'' (تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی ۲/۴۱)۔

اللہ تعالیٰ نے خود آپ ﷺ کو اہم امور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لینے کا حکم دیا: '' **وشاورهم في الأمر** '' (آل عمران:۱۵۹) یعنی معاملات میں ان سے مشورہ لیتے رہئے، چنانچہ آپ ﷺ نے واقعہ افک میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت اسامہ رضی اللہ، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اور حضرت بریرہؓ سے مشورہ لیا (بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الافک ۲/ ۵۹۶،۵۰۵) غزوۂ احد میں آپ ﷺ کی رائے مدینہ منورہ میں رہ کر دشمنان اسلام سے مقابلہ کی تھی؛ لیکن آپ ﷺ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ کو قبول فرمایا کہ مدینہ منورہ سے باہر جنگ لڑی جائے (فتح الباری ۷/ ۴۳۹) غزوۂ احزاب میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے خندق کھودی گئی (حوالہ سابقہ ۷/ ۴۹۹) بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے سے موافقت فرمایا اور اسی پر فیصلہ فرمایا (تفسیر رازی ۱۴/ ۵۳۸، ۵۳۹، سورہ انفال: ۶۷)۔

آج کل پارلیمنٹ اور اسمبلی کے ارکان کا حال آپ کے سامنے کھلی کتاب کی طرح عیاں ہے کہ وہ علم ودانش سے کس قدر عاری ہیں، بلکہ ہمارے ملک میں بعض ایسے ارکان مقننہ بھی تھے اور ہیں جو دستخط کی صلاحیت سے بھی بے نیاز ہیں اور نشان ابہام سے کام چلاتے ہیں۔ اب بات اس سے بھی آگے جا چکی ہے اور بڑی تعداد میں ایسے عناصر مجالس قانون ساز میں پہنچ رہے ہیں جو پولیس کے یہاں نامزد اور نامور مجرم ہیں، ان پر قتل، زنا، غصب اور رہزنی کے علانیہ جرائم ہیں، پہلے پولیس ان کو گرفتار کرنے کے لئے ان کا پیچھا کرتی تھی، اب ان کی حفاظت وسلامتی کے لئے ان کے پیچھے پیچھے رہتی ہے۔ اس کے ذمہ دار ووٹرس ہیں؛ کیونکہ ان سے الیکشن کمیشن نے ان کے حلقہ سے حکومت کی تشکیل کے لئے ممبر منتخب کرنے کے بارے میں مشورہ کیا اور انہوں نے اپنی رائے دہی کے ذریعہ مشورہ دیا کہ مذکورہ بالا صفات کے افراد کو حکومت کی تشکیل میں شامل کیا جائے، تو ظاہر ہے کہ ایسی حکومت کیسی ہوگی؟

حدیث میں صحیح مشورہ دینے کا حکم ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''**المستشار مؤتمن**'' (ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی المشورۃ، ج:۲،ص:۶۹۹) یعنی جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ مشورہ دینے کے بارے میں امین ہے اور امانت کا تقاضا یہ ہے کہ صحیح اور درست مشورہ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها**'' (سورۃ نساء:۵۸) (اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو سپرد کرو)۔

علامہ قرطبیؒ نے امانت کے معنی وسیع تر بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ امانت کا لفظ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو شامل ہے،

استدلال میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے: ''الأمانة فی کل شئی'' (تفسیر قرطبی ۵/۱٦٦) (امانت کا تعلق ہر چیز سے ہے)۔

اس اعتبار سے حق رائے دہی سے استفادہ کرتے ہوئے ووٹرس کو چاہیے کہ وہ ایسے امیدوار کے نشان انتخاب پر مہر لگائیں جو باصلاحیت، حسن اخلاق وکردار کا پیکر، فرض شناس، قوم وملک کا ہمدرد اوران کے لئے مفید ہو، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص نیک بات اور بھلائی کا راستہ درست بتائے، تو اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ کرنے والے کو ملے گا'' (ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الدال علی الخیر ۲/۱۹۹) ورنہ از روئے شرع خائن اور اللہ کے یہاں جوابدہ ہوں گے۔

چوتھی حیثیت وکالت:

وکالت میں انسان اپنے کام کا کسی کو نمائندہ اور وکیل بناتا ہے۔ ووٹ ایک حق ہے، جس کو لوگ استعمال کرتے ہوئے سیاسی امور میں کسی کو نامزد کرتا ہے کہ فلاں امیدوار اس حلقہ سے حکومت کی تشکیل کرنے اور وزیر اعظم منتخب کرنے کے لئے وکیل ہے۔ واضح ہو کہ وکالت دو طرح کی ہوتی ہے:

اول یہ کہ اس کا فائدہ یا نقصان صرف موکل کی ذات تک محدود ہوتا ہے۔ دوسری یہ کہ اس کا فائدہ یا نقصان عام ہوتا ہے، یعنی موکل اور اس کے علاوہ تمام لوگوں تک متعدی ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے کسی نااہل امیدوار کو ووٹرس نے ووٹ دے کر کامیاب کیا اور اس امیدوار نے قوم وملت کے حقوق کو پامال، یا کسی بھی طرح کا ظلم اور جرم کیا، تو چونکہ اس کے نقصان کا دائرہ وسیع ہے، اس لئے گناہ بھی اسی نسبت سے ہوگا اور ووٹرس بھی اس گناہ میں برابر کے شریک ہوں گے۔

ووٹ دینے کا حکم شرعی:

۲- اگر ووٹ شہادت کے درجہ میں ہے تو اس کا حکم شرعی کیا ہوگا؟ ووٹ دینا صرف جائز ہوگا یا مستحب، یا واجب؟

ووٹ دینا ایک گواہی بھی ہے، جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے اور سچی گواہی دینا واجب ہے، لہٰذا جب حق کو حاصل کرنے اور ظلم سے روکنے کے لئے گواہی دینی ضروری ہو جائے، جیسا کہ موجودہ صورت حال ہے، تو ووٹ نہ دینا قرآن کی زبان میں گواہی کو چھپانا ہوگا اور یہ گناہ اور حرام ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''ولا تکتموا الشهادة ومن یکتمها فإنه آثم قلبه'' (سورۂ بقرہ: ۲۸۳) (اور گواہی مت چھپاؤ اور جو شخص اس کو چھپادے تو بیشک اس کا دل گنہگار رہے)۔

جہاں تک ووٹ دینے کی شرعی حیثیت کی بات ہے کہ آیا مستحب ہے یا واجب؟ تو مذکورہ بالا آیت شہادت اور درج

ذیل وجوہات کی بناء پر واجب ہے۔

۱:- الیکشن میں اپنے آپ کو الگ کرنا اور ووٹ دینے سے گریز کرنا بڑی ناعاقبت اندیشی کی بات ہوگی اور جو تھوڑا بہت لوگ الیکشن کے وقت مسلمانوں کا آنسو پونچھنے اور کچھ جھوٹے وعدے کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ بھی ختم ہوجائے گا۔ مسلمان اس ملک میں ذلیل اور مغلوب گروہ بن کر رہ جائیں گے، یہ عملاً سنگھ پریوار کے منصوبہ کو کامیاب کرنے کے مترادف ہوگا جو چاہتے ہی ہیں کہ اقلیت کو ووٹ کے حق سے محروم کردیا جائے اور ظاہر ہے کہ دشمنان اسلام کے منشاء کو پورا کرنا کسی طرح درست نہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"**والذين كفروا أوليائهم الطاغوت يخرجونهم من النور إلى الظلمات أولئك أصحاب النار هم فيها خالدون**" (سورة بقره: ۲۵۷) (اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے حمایتی طاغوت ہیں، جو انہیں روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں، یہی لوگ اہل دوزخ ہیں اس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے)۔

نیز ہندوستان اور اس جیسے جمہوری ممالک میں الیکشن سے بالکل کنارہ کشی اختیار کرنے کی وجہ سے سیاسی اور قومی سطح پر ان کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہے گی، وہ رہے سہے اپنے مذہبی تشخصات کی حفاظت بھی نہیں کر پائیں گے؛ بلکہ جان ومال اور عزت وآبرو بھی خطرہ میں رہے گی، جن کا تحفظ شریعت کے بنیادی مقاصد میں سے ہے (دیکھئے: نظریۃ المقاصد عند الإمام الشاطبی، ص: ۵۶، ۶۳، ۶۴، المستصفی للغزالی، ج: ۱، ص: ۶۰)؛ اس لئے کہ الیکشن میں حصہ لینا اور ووٹ دینا مسلمانوں پر لازم ہے۔ اس طرح ہم بادشاہ گر نہیں بن سکتے تو کم از کم بادشاہ گر کا کردار تو ادا کر سکتے ہیں۔

۲- جمہوری ملک میں ووٹ بھی ایک بڑی طاقت ہے، جس کے ذریعہ بام اقتدار پر چڑھا جاتا ہے، لہٰذا ووٹ سے پہلوتہی برتنا بالفاظ دیگر اپنے آپ کو سیاسی طاقت کے اعتبار سے کمزور کرنا ہوگا، جبکہ قرآن نے مسلمانوں کو قوت بڑھانے کا حکم دیا، تاکہ دشمنان اسلام کو مرعوب کیا جاسکے:

"**وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم وآخرين من دونهم، لا تعلمونهم الله يعلمهم**" (سورہ انفال: ۶۰) (اور ان سے مقابلہ کے لئے جس قدر بھی تم سے ہوسکے سامان درست رکھو، قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے جن کے ذریعہ سے تم اپنا رعب اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر رکھتے ہو اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی کہ تم انہیں نہیں جانتے کہ اللہ انہیں جانتا ہے)۔

۳- ووٹ ایک نعمت اور مؤثر ہتھیار ہے؛ کیونکہ وہ ممالک جو جمہوری نوعیت کے ہیں، جن میں انتخابات کے ذریعہ حکومت بنتی ہے، ان میں تمام بالغ مردوں اور عورتوں کو ووٹ دینے کا حق ہوتا ہے، یہ حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت

اورعطیہ ہے، پس جس طرح اورنعمتوں کے بارے میں اللہ کے یہاں بھی سوال ہوگا "**ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم**" (سورۂ تکاثر : ۸) (پھر پوچھیں گے تم سے اس دن نعمت کے بارے میں) اسی طرح ووٹ دینے کے حق کے صحیح اورغلط استعمال کے بارے میں سوال ہوگا، باصلاحیت مستحق امیدوار کوووٹ دینا نعمت کا صحیح استعمال ہوگا اورنااہل امیدوار کوووٹ دینا نعمت کا غلط استعمال ہوگا اورسرے سے ووٹ نہ دینا حاصل شدہ نعمت کوضائع کرنا اور ناقدری شمار ہوگا اورایسا کرنے والا اللہ تعالیٰ کے یہاں جوابدہ ہوگا۔

زیربحث مسئلہ میں ووٹ دینے میں شرکت کرنا اور ووٹ دینے سے گریز کرنا، دونوں ہی صورتیں شروفساد سے خالی نہیں، البتہ ووٹ دینے کی صورت میں جوشر ہے، وہ ووٹ نہ دینے کی صورت کے شر سے کمتر ہے؛ کیونکہ ووٹ نہ دینے کی صورت میں دین، جان، مال اورعزت کی حفاظت مشکل ہوجائے گی اور ووٹ دینے کی صورت میں جزوی طور پر غیراسلامی حکومت کے قیام میں تعاون ہے، ایسے موقعوں پر اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ برے شراورضرر سے بچنے کے لئے کمتر درجہ کے شر اورضررکوگوارہ کیاجائے، چنانچہ فقہاءنے اس طرح کے اصول وقواعد کومختلف الفاظ اورتعبیرات میں بیان کیا ہے:

"**إذا تعارض مفسدتان روعی أعظمهما ضرراً بارتکاب أخفهما**" (سابقہ حوالہ ۱/۸۹:) (جب دوبرائیاں درپیش ہوں توکمتر برائی کوگوارا کرکے بڑی برائی کوروکا جائے گا)۔

"**من ابتلي ببلیتین وهما متساویان، بأخذ بأیتهما شاء، وإن اختلفا یختار أهونهما**" (سابقہ حوالہ) (کوئی شخص دونقصانوں میں مبتلا ہواوردونوں نقصان مساوی ہوں، توجس نقصان کوگوارا کرنا چاہیے کرسکتا ہے، اوراگردونوں نقصان باہم متفاوت ہوں، توکمتر درجہ کےنقصان کواختیارکرکے بڑےنقصان سے بچے گا)۔

الیکشن میں امیدوار بننے کی شرعی حیثیت:

۳-الیکشن میں اپنے آپ کوبحیثیت امیدوار پیش کرنے کا کیاحکم ہے؟

آج کل الیکشن کانظام کچھ ایسا ہے کہ امیدوارکوالیکشن کمیشن میں نامزدگی کے کاغذات خودداخل کرنے ہوتے ہیں، پھرانتخابی مہم چلانے میں جہاں ان کے دوسرے رفقاء اورحمایتی شریک کار رہتے ہیں، وہیں خودبھی سرگرم عمل ہوتے ہیں، جگہ جگہ جلسہ جلوس کرتے ہیں، ریلی نکالتے ہیں اورلوگوں سے ووٹ دینے کی اپیل کرتے ہیں، ہرامیدواراپنی زبان سے خوداپنی تعریف اورکارنامے کی داستان بیان کرتا ہے، بالفاظ دیگرموجودہ انتخابی نظام میں امیدوارخوداپنے آپ کوعہدہ کے لئے پیش کرتا ہے اورمنصب کا طالب ہوتا ہے اوراس مقصد کے حصول کے لئے پوری طاقت صرف کردیتا ہے۔ حتی کہ بعض مرتبہ بعض

امیدوار عوام کے درمیان روپے اور کپڑے وغیرہ بھی تقسیم کرتے ہیں تاکہ عوام ان کے حق میں ووٹ دیں، امیدوار کا یہ طریقہ کار اور اس ایک ذمہ دارانہ منصب کا مدعی اور طالب ہونا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول وعمل سے امت کو تعلیم دی ہے کہ منصب کے حریص وطالب کو منصب سے سرفراز نہ کیا جائے؛ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا ارشاد ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا، میرے ساتھ میرے دو چچازاد بھائی تھے، ان میں سے ایک نے کہا: یارسول اللہ! مجھ کو کسی علاقہ کا گورنر بنا دیجئے، دوسرے نے بھی ایسا ہی کہا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم ہم اس شخص کو عہدہ نہیں دیتے جو اس کا طالب اور حریص ہو (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب النہی عن طلب الامارۃ والحرص علیہا، ج: ۲ ص: ۱۲۰) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”**لا تسأل الإمارة فإن أعطيتها عن مسئلة، وكلت إليها، وإن أعطيتها عن غيرمسئلة أعنت عليها**“ (حوالہ سابق) (عہدہ اور حکومت کی طلب مت کرو؛ کیونکہ اگر تجھے طلب سے ملے گا، تو خدا تجھے چھوڑ دے گا، اور جو بغیر طلب کے ملے، تو اللہ تعالیٰ اس پر تیری مدد کرے گا)۔

معلوم ہوا کہ جب کسی کو کوئی منصب طلب کے بعد ملتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال نہیں ہوتی، اور وہ شخص لغزشوں اور خطاؤں سے محفوظ نہیں رہ پاتا؛ بلکہ منصب کے ساتھ بے یار ومددگار چھوڑ دیا جاتا ہے، مختلف نوع کی آزمائشوں سے دوچار ہوتا ہے اور طرح طرح کی مشکلات میں گھر جاتا ہے (دیکھئے: تفسیر قرطبی، ج: ۹ ص: ۱۴۲)۔

”**من ابتغى القضاء وسأل شفعاء، وكل إلى نفسه، ومن أكره عليه انزل الله عليه ملكا يسدده**“ (رواه الترمذی و أبوداؤد، ترغيب وترهيب ۳/۱۱۵) (جو شخص عہدۂ قضا کا طالب ہو اور اس کے لئے سفارشی مہیا کرے، تو اس کو اس کے نفس کے حوالہ کر دیا جاتا ہے۔ (یعنی اللہ کی طرف سے اس کی کوئی مدد نہیں ہوتی) اور جسے عہدۂ قضا کے لئے مجبور کیا گیا تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ نازل فرماتا ہے، جو اس کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے)۔

حدیث میں عہدۂ قضا کا ذکر تمثیل کے طور پر ہے، تحدید مقصود نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی عہدہ ہو، اگر طلب، چاہت اور سفارش کے ذریعہ حاصل ہو تو ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ کی مدد نہیں ہوتی اور اگر بغیر چاہت وطلب اور سفارش کے عہدہ ملے تو اس پر اللہ کی مدد ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا معاون فرشتہ کو بنا دیتا ہے، جو اسے صحیح رائے کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور درست راستہ بتاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ شخص اپنے فرض منصبی کو انجام دینے میں کامیاب رہتا ہے، اس کا بہترین نمونہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر کا درخشاں دور خلافت ہے۔

موجودہ دور کے امیدوار عموماً ایسے ہوتے ہیں کہ قوم وملت اور ملک کی خدمت کے بجائے اپنے اور خاندان والوں

کی خدمت ہی ان کا مقصود ہوتا ہے، ہمارے ملک میں انتخاب میں حصہ لینے اور عوامی نمائندہ منتخب ہونے کے لئے نہ علم ودانش کی شرط ہے، نہ اخلاق وکردار اور امانت ودیانت کی۔

اسلامی نقطۂ نظر سے امیدوار ایسا ہونا چاہیے کہ وہ اپنی دیانت وامانت، جذبۂ خدمت اور نمائندگی کی صلاحیت میں نسبتاً بہتر اور قوم وملک کے لئے مفید ہو، جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔

مخالف شریعت قانون ساز ادارے کا ممبر بننا:

۴:- غیر مسلم ملکوں میں اور بہت سے مسلم ملکوں میں بھی قانون ساز ادارے مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں، ایسی صورت میں ان اداروں کا ممبر بننا درست ہوگا یا نہیں؟ خاص کر ان حالات میں کہ ہندوستان کے موجودہ قانون کے مطابق اگر کوئی پارٹی اپنے ممبروں کے لئے وہیپ جاری کردے تو وہ پارٹی کی پالیسی کے مطابق ووٹ دینے کا پابند ہوجاتا ہے اور اپنے ضمیر کی آواز پر ووٹ دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔

مذکورہ صورت میں قانون ساز ادارے کا ممبر بننا اور کسی ممبر کا اپنی پارٹی کے جاری کردہ وہیپ کے مطابق ووٹ دینا، جبکہ اس پارٹی کی پالیسی مخالف شریعت ہو، اسلامی اصول کے اعتبار سے درست نہیں ہے؛ کیونکہ ایسی صورت میں شرپسند عناصر پارٹی کو مضبوط ومستحکم کرنا لازم آئے گا اور بالواسطہ اس کے باطل عزائم ونظریات کی تائید کرنا ہوگا جس سے اسلام اور مسلمانوں کا نقصان ہوگا، اسی طرح مذکورہ قانون ساز ادارے کا ممبر بننا جو کہ مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں، شریعت اسلامیہ کے خلاف مدد کرنا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ دونوں ہی صورتیں معصیت پر مبنی ہیں اور معصیت پر تعاون کرنا شرعاً ناجائز وحرام ہے؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”**ولا تعاونوا على الإثم والعدوان واتقوا الله إن الله شديد العقاب**“ (مائدہ: ۲) (اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے)۔

” **یاایھاالذین اٰمنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم أولياء تلقون إليهم بالمودة وقد كفروا بما جائكم من الحق**“ (ممتحنہ: ۱) (اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست، تم ان کو پیغام بھیجتے ہو دوستی سے اور وہ منکر ہوئے ہیں اس سے جو تمہارے پاس آیا سچا دین)۔

معلوم ہوا کہ عام حالات میں غیر مسلموں سے گہری دوستی کرنا درست نہیں ہے، اسی طرح کسی ایسے قانون ساز ادارے کا ممبر بننا جو بعض اوقات مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہوں درست نہیں، اسی طرح ایسی پارٹی کا ممبر بن کر رہنا

جس کی پالیسی مخالف شریعت ہو، یا جس نے اعلانیہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنا مقصد بنالیا ہو، اور جس میں اپنے ضمیر کی آواز پر ووٹ دینے کا اختیار نہ ہو، شرعا صحیح نہیں ہے، مسلم ممبر کو چاہیے کہ اس طرح کی پارٹی سے نکل کر ایسی سیکولر پارٹی کا ممبر بنیں، جو اسلام دشمن اور مسلم مخالف نہ ہو، اس کی پالیسی ہماری اسلامی شریعت کے خلاف نہ ہو، ایسی سیکولر سیاسی پارٹی کے ممبر بننے کے جواز پر درج ذیل آیت دلالت کرتی ہے:

''**لا ينهكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم إن الله يحب المقسطين**'' (ممتحنہ:۸) (اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان لوگوں سے جو لڑے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تمہارے گھروں سے کہ ان سے کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک، بیشک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو)۔

امام قرطبی اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''یہ آیت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں سے تعلق کے بارے میں رخصت پر دلالت کرتی ہے، جن لوگوں نے مومنوں سے دشمنی نہیں کی، اور نہ ہی ان سے جنگ لڑی''۔

جہاں تک موجودہ حالات میں غیر مسلم ملکوں میں اور بہت سے مسلم ملکوں میں بھی قانون ساز ادارے مخالف شریعت رویہ اختیار کرتے ہیں اور مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں، ایسی صورت میں ان اداروں کا ممبر بننا عام حالات سے مختلف ہوگا اور شرعی حکم بھی مختلف ہوگا، جیسا کہ اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ شریعت اسلامیہ میں عام اور خصوصی حالات کے درمیان حکم میں فرق ہے، شراب نوشی، مردار کا کھانا اور خون کے استعمال کو عام حالات میں حرام قرار دیا گیا ہے اور اضطرار کی حالت میں مباح قرار دیا گیا ہے (مائدہ:۳) یہاں بھی خصوصی حکم ہوگا، یعنی ان اداروں کا ممبر بننا درست ہوگا؛ اس لئے کہ ان اداروں میں رہ کر جہاں تک ممکن ہو سکے مخالفت کی جاسکتی ہے اور مخالف شریعت قوانین بنائے جاتے وقت اس کے خلاف صدا بلند کرسکتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''**من رأى منكم منكرا، فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان**'' (مسلم، كتاب الايمان، باب كون النهي عن المنكر ۱/۵۱) (تم میں سے جو شخص خلاف شرع کوئی کام ہوتا ہوا دیکھے تو چاہیے کہ اسے بزور طاقت روکے، اگر بزور طاقت روکنے پر قادر نہ ہو، تو اپنی زبان سے روکے اور اگر زبان سے بھی روکنے پر قادر نہ ہو تو دل سے برا سمجھے)۔

ان اداروں سے باہر رہ کر صدائے مخالفت صدا بصحراء ثابت ہوگی۔ نیز یہاں دو مفسدہ پائے جاتے ہیں: ایک ممبر بننے میں معصیت پر تعاون اور دوسرا ممبر نہ بننے کی صورت میں اسلام اور ملت کا نقصان کہ مخالف شریعت قوانین بنیں گے اور

شریعت اسلامیہ کا اصول یہ ہے کہ جب کسی مقام پر دو مفسدے جمع ہو جائیں اور دونوں سے بچنا ممکن نہ ہو، بہر حال کسی ایک کا ارتکاب ناگزیر ہو جائے تو ان میں سے جو کمتر درجہ کا مفسدہ ہوگا اس کو گوارا کیا جائے گا۔

''**إذا تعارض مفسدتان روعی أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما**'' (الاشباه والنظائر، ابن نجيم ۱/۸۹) ''**لو كان أحدهما أعظم ضررا من الآخر، فإن الأشد يزال بالأخف**'' (حواله سابقه)۔

ظاہر ہے کہ ان اداروں کے ممبر بننے کا مفسدہ کمتر درجہ کا ہے؛ کیونکہ کسی حد تک مخالف شریعت قوانین بنتے وقت اس کے خلاف احتجاج ممکن اور مؤثر بھی ہوگا۔

دستور سے وفاداری کی حلف برداری کا حکم:

۵- جو لوگ قانون ساز اداروں کے رکن منتخب ہوتے ہیں، انہیں دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے، اور دستور میں بہت سی دفعات خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں، تو یہ عمل کہاں تک درست ہوگا؟

حلف اٹھانا یا قسم کھانا دراصل جس چیز کی حلف برداری ہوتی ہے یا جس کی قسم کھائی جاتی ہے، اس سے مقصود اس کی تعظیم ہے اور اس کی شان کو بڑھانا اور اس کی عظمت کا اعتراف ہے اور اس قسم کی تکریم و تعظیم سوائے اللہ کے کسی اور کے لئے روا نہیں ہے۔

''**وهذا النوع من التعظيم لا يستحقه إلا الله تعالىٰ**'' (بدائع الصنائع للكاسانی ۳/۷۱)۔

اس وجہ سے شریعت اسلامیہ نے غیر اللہ کی قسم کھانے اور اس کی حلف برداری کو ناجائز قرار دیا ہے؛ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے جو قسم کھانا چاہے تو وہ اللہ کی قسم کھائے یا چھوڑ دے''

''**فمن كان حالفا فليحلف بالله أو ليدع**'' (مسلم،ایمان، باب من حلف باللات)۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا''

''**من حلف بغير الله فقد أشرك**'' (ابوداؤد، كتاب الايمان والنذر، باب فی كراهية الحلف بغيرالله، حديث نمبر: ۲۳۵۱، مسنداحمد ۲/۸۶،۸۷)۔

لہٰذا دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا اپنے اصل کے اعتبار سے درست نہیں ہے؛ کیونکہ یہ غیر اللہ کی حلف برداری ہے؛ اس لئے کہ دستور میں جو قوانین لکھے ہوئے ہیں وہ اللہ کا کلام نہیں ہے اور دستور میں بہت سی دفعات خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں، اس اعتبار سے اس کی تائید اور حمایت کرنا ہوگا اور یہ ایک غیر شرعی امر اور گناہ ہے۔ پس مسلم ممبروں کو اس سے

بچنا چاہیے، اگر انہیں اس پر مجبور کیا جائے، تو ممکن حد تک قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ ان کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے، تاہم اگر ایسا ممکن نہ ہو، اس کے بغیر قانون ساز ادارے میں ممبر باقی رہنا خطرے میں ہو یا اس سے محرومی کا اندیشہ ہو تو کراہت خاطر کے ساتھ دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا جائز ہوگا؛ اس لئے کہ یہ ایک حاجت ہے اور حاجت ضرورت کے درجہ میں آ کر ناجائز چیزوں کے لئے وقتی اور عارضی طور پر وجہ جواز بن جاتی ہے، خواہ حاجت شخصی وانفرادی ہو یا اجتماعی: **"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة"** اور **" الضرورات تبيح المحظورات"** (الاشباه والنظائر لابن نجيم، ۱/۸۷، ۹۳)، نیز فقہی قاعدہ ہے: **"لا واجب مع العجز ولا حرام مع الضرورة"** (القواعد الفقهية بين الاصالة والتوجيه، ص: ۲، إعلام الموقعين ۲/ ۴۱)۔

اور یہاں مذہبی اور ملی مفاد کی خاطر قانون ساز ادارے میں رہنا ہے۔

بائبل پر حلف لینا:

۶- بعض عیسائی ملکوں میں ممبر کو بائبل پر حلف لینا پڑتا ہے، خواہ وہ کسی مذہب کا ہو، تو کیا مسلم ارکان کے لئے یہ عمل درست ہوگا؟

اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ بائبل محرف اور تبدیل شدہ ہے، اپنی اصل حالت میں محفوظ نہیں ہے، خاص طور پر مسلمان اس کتاب کو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کو اللہ پر جھوٹ اور بہتان گردانتے ہیں؛ اس لئے اصولی طور پر کسی مسلمان کے لئے بائبل لے کر حلف اٹھانا، اس پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانا شرعاً جائز نہیں ہوگا؛ کیونکہ یہ بائبل کی تعظیم اور بحالت موجودہ اس کے اللہ کی طرف سے ہونے کی تصدیق کے مترادف ہوگا۔ پس اگر عیسائی ملکوں میں مسلم ممبر سے بائبل پر حلف برداری کا مطالبہ ہو، تو وہ اولاً قرآن کا مطالبہ کرے اور قرآن پر قسم کھائے، اگر قرآن نہ دیا جائے اور بائبل پر ہی حلف کا مطالبہ اور اصرار ہو تو اس کے لئے بائبل کو دل سے سچ اور حق نہ سمجھتے ہوئے کراہت خاطر کے ساتھ بائبل پر حلف لینے کی گنجائش ہوگی؛ اس لئے کہ ایسی صورت میں اس کے لئے یہ ایک حاجت ہے اور جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ حاجت وضرورت کے وقت شرعاً ناجائز چیزیں وقتی طور پر مباح ہو جاتی ہیں (سابقہ حوالہ جات)۔

سیکولر پارٹیوں میں شرکت:

۷- بعض سیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں؛ لیکن ان کے منشور

کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغایر ہوتی ہیں، کیا ایسی پارٹیوں میں شریک ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونا جائز ہوگا؟

ظاہر ہے کہ کسی نہ کسی پارٹی میں شامل ہونا ضروری ہے، دور حاضر میں تمام پارٹیاں کچھ نہ کچھ ہندوستان اور اس جیسے جمہوری ممالک میں کوئی سیکولر پارٹی ایسی نہ ہو جس کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کے مفادات کے خلاف دفعات نہ ہوں تو ایسی سیکولر پارٹی میں شریک ہونا اور اس کی طرف سے انتخاب لڑنا اور اس کی حکومت میں شامل ہونا جائز ہوگا، جس کے منشور میں کم سے کم دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغایر ہوں؛ اس لئے کہ اسلام کا اصول یہ ہے کہ اگر کسی جگہ دو یا دو سے زیادہ مفاسد و شر جمع ہو جائیں اور کسی ایک مفسدہ کو روبہ عمل لائے بغیر چارہ نہ ہو تو کمتر درجہ کے مفسدہ اور شر کو اختیار کیا جائے اور بڑے مفسدہ و شر سے بچا جائے گا۔

"يتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام"، "الضرر الاشد يدفع بالضرر الأخف"، "يختار أهون الشرين" (الاشباه والنظائر لابن نجيم ۱/۸۸، ۸۹، ۹۰، مجلسة الاحكام العدلية ۹/۳۶، ۲۷، ۲۸)۔

امام ابوحنیفہ نے مبتلیٰ بہ کے بارے میں فرمایا: کمتر درجہ کی بلیہ کو اختیار کرے گا۔ **"يختار ما هو الأهون في زعمه"** (الاشباه والنظائر لابن نجيم ۱/۹۱)۔

البتہ اس طرح کی سیکولر پارٹیوں میں شریک ہونے والے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو سب سے پہلے اسلام اور مسلمانوں کا نمائندہ تصور کریں اور وہ عہد کریں کہ مخالف اسلام اور مسلم مفادات کے مغایر دفعات کی مخالفت کریں گے؛ کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے جو شخص خلاف شرع کوئی کام ہوتا ہوا دیکھے تو چاہیے کہ اسے بزور طاقت روکے، اگر بزور طاقت روکنے پر قادر نہ ہو تو اپنی زبان سے روکے اور اگر زبان سے بھی روکنے پر قادر نہ ہو تو اپنے دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمتر درجہ ہے" (مسلم، کتاب الایمان، باب کون النهی عن المنکر ۱/۵۱، ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی تغیر المنکر ۲/۴۰)۔

اور اگر وہ بھی وہاں جا کر اسی رنگ میں ڈھل جائیں، اس کے ہاں میں ہاں ملانے لگیں، گویا پارٹی کی ہر پالیسی اور تمام تر دفعات کی تائید کرنے لگیں خواہ وہ اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کے مفادات کے مغایر ہوں، تو وہ گنہگار رہوں گے اور اللہ کے یہاں ملّی خیانت کی بابت جواب دہ ہوں گے؛ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص ظالم کے ساتھ چلے تا کہ اس کی مدد کرے یہ جانتے ہوئے کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام (کے دائرہ) سے خارج ہو گیا" (معجم طبرانی، حدیث نمبر: ۶۱۹، تاریخ کبیر امام بخاری ۴/۲۵۰، حدیث نمبر: ۲۶۹۳)۔

اعلانیہ مسلم دشمن سیاسی پارٹی میں شمولیت کا حکم:

۸- جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمان کی مخالفت شامل ہو، کیا کسی مسلمان کے لئے اس پارٹی میں شریک ہونا جائز ہوگا؟ نیز اگر کسی کی نیت ہو کہ وہ پارٹی میں شریک ہو کر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا تو کیا اس کے لئے اس پارٹی میں شامل ہونے کی گنجائش ہوگی؟

اس طرح کی اعلانیہ اسلام اور مسلم دشمن سیاسی پارٹیوں میں کسی مسلمان کے لئے شریک ہونا جائز نہیں ہوگا، جبکہ دوسری سیکولر پارٹیاں موجود ہوں جو مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے مناسب ہوں، یا اس کے مقابلہ میں کمتر درجہ کا ضرر رساں ہوں، جیسا کہ اوپر بات آ چکی ہے کہ جب کسی کے سامنے کئی مفاسد اور ضرر جمع ہو جائیں تو ان میں بڑے مفسدے اور ضرر سے بچتے ہوئے کمتر درجہ کے مفسدہ وضرر کو اختیار کیا جائے گا۔

نیز جیسا کہ تفصیل سے پیچھے گزر چکا ہے اس طرح کی کھلے اسلام اور مسلم دشمن پارٹیوں میں شمولیت سے ان پارٹیوں کی تائید وحمایت اور ان کا حوصلہ افزائی کرنا لازم آئے گا جو کہ شرعاً معصیت ہے اور معصیت پر تعاون بھی گناہ اور ناجائز وحرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کھلے الفاظ میں فرمایا:

''اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے'' (سورہ مائدہ: ۲، نیز دیکھئے: مائدہ: ۵۱، ۵۷، نساء: ۱۳۹، آل عمران: ۲۸، ۱۱۸، ہود: ۱۱۳، ممتحنہ ۱)۔

اگر کسی مسلمان کی نیت ہو کہ وہ پارٹی میں شریک ہو کر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا تو بھی اس کے لئے اس پارٹی میں شرکت کی گنجائش نہیں ہوگی؛ کیونکہ اس پارٹی کے مقابلہ میں دوسری سیکولر پارٹیاں موجود ہیں جن کے ایجنڈے میں مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغایر دفعات سرے سے موجود نہیں ہیں، یا ہیں تو کم ہیں، یا اعلانیہ مخالف اسلام اور مسلم دشمن نہیں ہیں بلکہ بعض اعلانیہ مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کیلئے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں۔ نیز بظاہر اسباب کے اعتبار سے متشدد متعصب اور کھلے طور پر مسلم دشمن پارٹی کے ایجنڈے میں تبدیلی لانے کی کوشش جوئے شیر کے مرادف ہے، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرشمہ کا ظہور ہو اور اسلام کا حکم ظاہری اسباب اور قرائن قاطعہ پر مبنی ہوتا ہے نہ کہ باطن شی اور کرشمہ وکرامات پر۔

مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی جماعت کا قیام:

۹- ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، مسلمانوں کے لئے علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا جائز

ہوگا؟ جبکہ اسے سیکولر ایجنڈے کے تحت ہی کام کرنا پڑتا ہے، نیز ایک احساس یہ بھی ہے کہ جہاں مسلمانوں کی آبادی مرتکز نہیں ہوتی ہے، وہاں خصوصاً اور دوسرے علاقوں میں عموماً مسلم سیاسی جماعت کا قیام مسلمان مخالف ووٹ کو متحد کر دیتا ہے اور اس سے فرقہ پرست تنظیمیں فائدہ اٹھا لیتی ہیں۔

ہندوستان اور اس جیسے غیر مسلم جمہوری ممالک میں مسلمانوں کو علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنے کی سعی کرنی چاہیے؛ کیونکہ اس کی وجہ سے ملک میں مسلمانوں کی ایک ساخت بنے گی۔ اسلام اور مسلم مفادات کا تحفظ آسان ہوگا اور مسلمانوں کی ایک سیاسی طاقت ہوگی اور ملک میں ان کا سیاسی وزن محسوس کیا جائے گا، غیروں کو انکے مذہب اسلام میں مداخلت کی جرأت نہیں ہوگی۔ اسلامی تشخصات اور مسلمانوں کے مصالح و مفادات کی حفاظت خود بخود ہوگی، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم وآخرين من دونهم لا تعلمونهم الله يعلمهم" (انفال: ٦٠) (اور ان سے مقابلہ کے لئے جس قدر بھی تم سے ہو سکے سامان درست رکھو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے جن کے ذریعہ تم اپنا رعب اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر رکھتے ہو اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی کہ تم انہیں نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے)۔

قوت ایک جامع لفظ ہے جس میں وہ تمام تر طاقتیں شامل ہیں جو نتائج اور فیصلوں پر اثر انداز ہو سکیں، غیروں کو مرعوب کر سکیں، ان کو مسلمانوں کے ملی تشخصات اور ان کے پرسنل لاء میں مداخلت سے باز رکھیں، ان کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے سے ان کو دور رکھیں اور مخالف اسلام اور مسلمانوں کے مفادات کے مغایر قوانین وضع کرنے کے اقدامات کو روک سکیں۔

مسلمانوں کی اپنی سیاسی پارٹی ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس پارٹی میں غیروں کا داخلہ ممنوع ہوگا۔ مصلحتاً سیکولر ذہن کے حامل غیر مسلم لیڈروں کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے، البتہ پارٹی میں کلیدی عہدوں پر مسلم لیڈر ہی فائز رہیں گے۔ جہاں تک یہ احساس کہ جہاں مسلمانوں کی آبادی مرتکز نہیں ہوتی ہے وہاں خصوصاً اور دوسرے علاقوں میں عموماً مسلم سیاسی جماعت کا قیام مسلمان مخالف ووٹ کو متحد کر دیتا ہے اور اس سے فرقہ پرست تنظیمیں فائدہ اٹھا لیتی ہیں۔

یقیناً یہ شبہ کیا جا سکتا ہے؛ لیکن چند امور قابل لحاظ ہیں، اور وہ یہ ہیں:

۱- فقہ اسلامی کا مشہور اصول وقاعدہ ہے: "يتحمل الضرر الخاص لاجل دفع الضرر العام" یعنی شخصی ضرر یا کمتر درجہ کے ضرر کو برداشت کیا جائے گا اور اجتماعی وعام ضرر سے بچا جائے گا (الاشباہ والحموی، ج:۱، ص:۲۵٦ مطبوعہ: پاکستان)۔

۲- نیز فقہاء نے مزید دوسرے فقہی قواعد لکھے ہیں جن سے مذکورہ قاعدہ کی مزید تائید ہوتی ہے اور وہ قواعد یہ ہیں:

"الضرر الاشديدفع بالضرر الاخف" إذا تعارضت مفسدتان روعی أعظمهما ضرراً بارتكاب أخفهما"، "يختار أهون الشرين" (الاشباہ والنظائر لابن نجیم ۱/۸۸،۸۹،۹۰،مجلۃ الاحکام العدلیۃ ۹/۲۶،۲۷،۲۸)۔

اوپر ذکر کردہ فقہی قواعد اور مقاصد شریعت کے باہم درجہ بندی سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا جائز ہے۔جس شبہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ محض وہم وشبہ ہی ہے؛ کیونکہ عملی طور پر ہندوستان کے کئی اسٹیٹ میں مسلمانوں کی سیاسی جماعت قائم ہیں،مثلاً: آندھرا پردیش میں 'مجلس اتحاد المسلمین'، آسام میں "یونائیٹڈ ڈیموکریٹی فونڈ" اور یوپی میں علماء کونسل، ان مسلم سیاسی جماعتوں سے مسلمانوں کے مذہب وملت کو کافی فائدے ہورہے ہیں، مسلم نوجوانوں کو دہشت گردی کے نام پر گرفتاری کی بابت بڑا اثر پڑا ہے اور آئے دن مسلم انکاؤنٹر کے واقعات میں بڑی کمی واقع ہوئی ہے۔

یقیناً مسلمانوں کے لئے علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنے کی بابت جہاں قدر شعور، وسعت قلبی، بیدار مغزی اور غیروں سے عبرت وموعظت اور سبق لینے کی ضرورت ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ زیادہ تر سیاسی پارٹیاں غیر مسلموں کی ہی ہیں، اپنی جگہیں سب زندہ اور سرگرم ہیں،مزید برآں قائم بھی کررہے ہیں اور مسلمان ابھی سوچ ہی رہے ہیں، آخران کے پاس کیا حکمت عملی ہے کہ ان کی پارٹی میں غیر مسلم اور مسلمان دونوں ہیں۔دوسری طرف تھوڑی ہمت وحوصلہ کی ضرورت ہے،جیسا کہ شاعر نے سچ کہا:

عزم محکم ہوں تو ہوتی ہیں بلائیں پشیماں

۱۰-الیکشن میں خواتین کا کردار:

الف-ووٹنگ میں عورتوں کی شرکت:

پیچھے ووٹ کی پانچ حیثیتوں کا ذکر آیا ہے: شہادت،سفارش،مشورہ،وکالت اور بیعت۔

شہادت: حدود وقصاص کو چھوڑ کر بقیہ معاملات میں عورت شہادت دینے کی اہلیت رکھتی ہے۔

"المرأة من اهل الشهادت فی الجملة" (بدائع الصنائع ۵/ ۴۳۹، مطبوعہ: نعیمیہ دیوبند)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"واستشهدوا شهيدين من رجالكم فإن لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان" (بقرہ: ۲۸۲) (اور اپنے مردوں میں سے دو شخص کو گواہ بناؤ، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو)۔

سفارش: جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے کہ ووٹ کی ایک حیثیت سفارش کی ہے اور قرآن میں مرد وعورت کے درمیان

فرق کیے بغیر حسن سفارش کا ذکر ہے۔

"**من يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها**" (نساء: ۸۵)۔

لہٰذا عورت بھی کسی حسن سیرت وکردار کے حامل یا کمتر درجہ کے ضرر والے امیدوار کی سفارش ووٹ کے ذریعہ کر سکتی ہے۔

مشورہ: جہاں تک مشورہ دینے کی بات ہے تو رسول اللہ ﷺ نے بعض امور میں ازواج مطہراتؓ سے مشورہ کیا کرتے تھے (دیکھئے: قواعد نظام الحکم فی الإسلام: دکتور محمود خالدی، ص: ۱۸۷)۔

صحیح بخاری کی مشہور حدیث ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع سے آنحضرت ﷺ نے ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے مشورہ فرمایا تھا اور اس پر عمل بھی فرمایا تھا اور اس کا فائدہ بھی ہوا (بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمصلحۃ مع اہل الحرب وکتابۃ الشروط حدیث نمبر: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲)۔

اسی طرح حضرات صحابہ کرامؓ اپنی حریم خاتون سے مشورہ کرتے تھے، جیسا کہ حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ عورت سے مشورہ لیتے تھے اور بسا اوقات اس کے مشورہ کی ستائش فرماتے تھے (سنن بیہقی عن ابن سیرین ۱۰/ ۱۱۳)۔

پس ووٹ کی ایک حیثیت مشورہ ہونے کے اعتبار سے عورت ووٹ دینے کی اہل ہوگی، وہ امیدوار کے انتخاب میں اپنی رائے دینے کی حقدار ہوگی۔

وکالت: مرد کی طرح عورت کو بھی حق توکیل حاصل ہے (دیکھئے: المغنی لابن قدامۃ ۸۷/۵، بدایۃ المجتہد لابن رشد ۳۳۳/۲)۔

اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**إنما النساء شقائق الرجال**"۔

الیکشن میں لوگ اپنے ووٹ کے ذریعہ اپنے حلقہ سے حکومت کی تشکیل کے لئے امیدوار نامزد کرتے ہیں۔ اس حیثیت سے الیکشن توکیل جیسا عمل ہے، لہٰذا جو شخص جس امیدوار کے چناؤ نشان پر مہر لگا کر ووٹ دے گویا کہ وہ اس کو اپنا وکیل بنا رہا ہے کہ اس کی طرف سے حکومت کی تشکیل اور وزیر اعظم کے انتخاب میں کردار ادا کرے۔

فقہاء نے لکھا ہے وہ پردہ نشیں عورتیں جو مردوں کے اختلاط سے دور رہتی ہوں، ان کی مجلسوں میں شرکت سے گریز کرتی ہوں اور ان کے ساتھ ان کی محفلوں میں بیٹھنے سے حیا کرتی ہوں وہ اپنے حقوق کے حصول کے لئے یا اپنی طرف سے دفاع کے لئے کسی کو وکیل بنا کر دار القضاء بھیج سکتی ہیں (بدائع الصنائع ۱۹/۵، درمختار ورد المحتار ۲۴۴/۸)۔

ووٹ کے مسئلہ میں ظاہر ہے کہ وہ پارلیمنٹ نہیں پہنچ سکتیں، ان کے لئے باعث ستر اور مردوں کے اختلاط سے بچنے

کے لئے ووٹ مؤثر اور بہتر ذریعہ ہے کہ اس کے ذریعہ کسی امیدوار کو اپنا وکیل بنا کر پارلیمنٹ بھیج سکتی ہیں۔

بیعت: اگر اسلامی ملک ہو تو وہاں ووٹ کی ایک حیثیت سیاسی بیعت کی بھی ہوسکتی ہے کہ ووٹر اپنے ووٹ کے ذریعہ متعلقہ امیدوار کو وکیل بناتا ہے کہ وہ اسکی طرف سے سربراہ مملکت کا انتخاب کرے۔اوپر بات آچکی ہے کہ عورت کو توکیل کا حق شرعاً حاصل ہے، لہٰذا عورت اس حیثیت سے بھی ووٹ دینے میں شریک ہوسکتی ہے۔

نیز ملک میں امر بالمعروف (بھلائی کا حکم دینا) والنہی عن المنکر (برائی سے روکنا) کا فریضہ عورت ووٹ کے راستہ سے ادا کرسکتی ہے، اس طور پر کہ اچھے کردار کے حامل امیدوار کو ووٹ دے کر اسے جتائے تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کی سرزمین پر کارخیر انجام پائے۔لوگوں کا بھلا ہو، ملک میں اچھائیاں پھیلیں، ملک سے کرپشن کا خاتمہ ہو اور فتنہ وفساد کا قلع قمع ہوسکے۔اللہ تعالیٰ نے مومن مرد اور عورت دونوں کو باہم ایک دوسرے کے دوست ومددگار اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب میں دونوں کے فریضہ کو یکساں بتایا ہے:

”**والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقيمون الصلاة ويوتون الزكاة ويطيعون الله ورسوله**“ (توبہ:۷۱) (اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کی مددگار ہیں، نیک بات سکھلاتے ہیں اور بری بات سے روکتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلتے ہیں)۔

اور اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”تم میں سے جو شخص خلاف شرع کوئی کام ہوتا دیکھے، تو چاہیے کہ اسے بزور طاقت روکے، اگر بزور طاقت روکنے پر قادر نہ ہو تو اپنی زبان سے روکے، اور اگر زبان سے بھی روکنے پر قادر نہ ہو تو اپنے دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمتر درجہ ہے (مسلم، ایمان، باب کون النہی عن المنکر ۱/۵۱، ترمذی، فتن باب فی تغییر المنکر ۴۰/۲)۔

ب- الیکشن میں امیدوار بننا اور قانون ساز اداروں کی ممبر بننے کی بابت خواتین کا کردار:

الیکشن میں کسی بھی عہدہ کے لئے امیدوار بننا، قانون ساز اداروں کی ممبر بننا اور اگر اسلامی ملک ہو تو وہاں کی مجلس شوریٰ کی ممبر بننا، اس طرح کے سیاسی امور اور سرگرمیوں میں حصہ لینے کے بارے میں علماء کے دو نقاط نظر پائے جاتے ہیں: ایک عدم جواز، دوسرے جواز کا۔قدیم علماء میں امام حرمین جوینی کا قول ملتا ہے، جس سے عدم جواز کی رائے کو تقویت ملتی ہے، ان کا بیان ہے:

"فما نعلمه قطعا ان النسوة لا مدخل لهن فی تخییر الإمام وعقدالإمامة، فإنهن ماروجعن قط" (الغياثي غياث الامم، ص: ۶۲) (ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ امام کے انتخاب میں اور امامت کے معاملہ میں عورتوں کا کوئی رول نہیں اور ماضی میں اس کی بابت عورتوں سے کبھی مراجعت نہیں کی گئی)۔

عدم جواز کے قائلین کا کہنا ہے کہ ان عہدوں کے لئے مرد ہونا بنیادی شرط ہے، البتہ عورتوں سے متعلق خصوصی امور میں ان سے مشورہ لیا جائے گا؛ کیونکہ اس میں مجبوری ہے کہ مرد حضرات اس طرح کے امور سے واقف نہیں ہوتے ہیں اور ان کے لئے اس سے آگاہی دشوار بھی ہے۔ اس کے برخلاف جواز کے قائلین اس طرح کے مناصب پر فائز ہونے کے لئے مرد کی شرطیت کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔

عدم جواز کے قائلین کی دلیلیں:

۱- مجلس شوریٰ، قانون ساز ادارے، لوک سبھا اور پارلیمنٹ وغیرہ کے ممبر بننے کے لئے مرد کا ہونا ضروری ہے؛ کیونکہ ان کی ممبری ولایت عامہ کے قبیل سے ہے اور عورت ولایت عامہ کی اہل نہیں ہے؛ اس لیے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **"الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله بعضهم علی بعض"** (النساء: ۳۴) (مرد عورتوں پر نگران ہیں؛ اس لئے کہ اللہ ہی نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر نگہبان، قوام، امراء اور حاکم بنایا ہے **"الامراء علیهن"** (تفسیر طبری ۵/۵۷، **"الرجل قیم علی المرأة أی هو رئیسها وکبیرها والحاکم علیها"** (تفسیر ابن کثیر ۱/۴۶۵)۔

ایسی صورت میں اگر عورت حاکم بنتی ہے تو معاملہ الٹ جائے گا اور اللہ کے حکم کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔

۲- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"وللرجال علیهن درجة"** (بقرة: ۲۲۸) یعنی مردوں کو عورتوں پر ایک گونہ فضیلت وفوقیت حاصل ہے، یہ فوقیت امارت وطاعت کی ہے کہ مرد کو ایک گونہ عورت پر حاکمیت حاصل ہے **"وقیل إن هذه الدرجة هی الأمرة والطاعة"** (تفسیر طبری ۲/۴۵۴)۔

۳- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الأولی"** (احزاب: ۳۳) (اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھلاتی نہ پھرو جیسا کہ دکھانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں)۔

اس آیت میں راست خطاب ازواج مطہرات سے ہے، لیکن ان کے واسطے سے تمام مسلم عورتوں سے خطاب ہے؛ کیونکہ ازواج مطہرات کے ساتھ تخصیص کی کوئی دلیل نہیں، پس تمام مسلم خواتین پر لازم ہے کہ وہ بلا شدید ضرورت کے

گھروں سے باہر نہ نکلیں"وإن كان الخطاب لنساء النبي ﷺ فقد دخل غيرهن فيه بالمعنى، هذا لو لم يرد دليل يخص جميع النساء، كيف الشريعة طافحة بلزوم النساء بيوتهن، والانكفاف عن الخروج منها إلا ضرورة" (تفسير قرطبي ۱۴/ ۱۱۷)۔

۴-اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:" وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتی جو عورت کو اپنا سربراہ بنائے" (بخاری،مغازی، باب کتاب النبی ﷺ إلی کسری وقیصر،حدیث نمبر: ۴۴۲۵،فتن،باب نمبر:۱۸،حدیث نمبر:۷۰۹۹،ترمذی،فتن،باب نمبر: ۶۴،حدیث نمبر:۲۳۶۵)۔

معلوم ہوا کہ سیاسی امور عورتوں کے دائرے عمل سے خارج ہیں۔

۵-حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:" عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگراں ہے اور وہ اس کے بارے میں ذمہ دار وجوابدہ ہے" (بخاری،نکاح،باب "قوا انفسكم" حدیث نمبر:۵۱۸۸)۔

آپ ﷺ نے عورت کی ذمہ داری کا دائرہ گھر تک محدود فرمایا،مطلب یہ ہے کہ عورت شوہر کے مال،اولاد اور اس کی عزت کی حفاظت کرے،جیسا کہ ایک حدیث میں صراحت سے فرمایا گیا:" اور جب تم اس کو گھر میں چھوڑ کر غائب رہو،تو وہ اپنی ذات اور تمہارے مال کی حفاظت کرے" (ابن ماجہ،نکاح،باب أفضل النساء ۱/ ۱۳۳،نسائی،نکاح،باب أي النساء خیر ۲/ ۶۰)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" سو نیک بیویاں اطاعت کرنے والی اور مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت ونگرانی میں ان کے حقوق کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں" (نساء:۳۴)،لہٰذا گھر سے باہر سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا عورت کو زیب نہیں دیتا ہے اور نہ ہی اس کیلئے مناسب اور شرعاً گنجائش ہے۔

۶-عملی طور پر دیکھا جائے تو پارلیمنٹ،اسمبلی اور مجلس شوری میں ممبروں کی نشستیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوتی ہیں،مسائل پر گفتگو کے دوران ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوتے ہیں،پارلیمنٹ کے ہنگامی اجلاس کے موقعوں پر کبھی تنہا بھی سفر کرنا پڑتا ہے،کبھی وفد کی شکل میں دوسرے ممالک کے بھی سفر کرنے پڑتے ہیں،ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں عورت ممبر کا اجنبی مردوں سے اختلاط لازم آتا ہے اور ان کے ساتھ خلوت کی بھی نوبت آتی ہے،اور شریعت اسلامیہ عورت کو اجنبی مرد سے اختلاط سے روکتی ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: خطر مشاركة المرأة للرجل في ميدان عمله لابن باز،ص: ۴)۔

مجوزین کی دلیلیں:

مجوزین علماء نے شریعت کے عمومی اور مشترک احکام سے استدلال کیا ہے،جن میں دونوں صنفوں (مرد وعورت) سے خطاب ہے،اور دونوں ہی کو برابر درجہ کا مکلف بنایا گیا ہے اور ان احکام کو بروئے کار لانے کی صلاحیت واہلیت دونوں

میں مساوی درجہ کا تصور کیا گیا ہے، گو یا یہ حضرات عورت میں مرد کے مساوی اہلیت کار مانتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ مرد وعورت دونوں نوع انسانی اور اور انسانیت کی رو سے برابر ہیں، یہ ایک جنس بشر کے دو حصے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی سے جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت پھیلا دیئے'' (نساء: ا، مزید دیکھئے: اعراف: ۱۸۹، حجرات: ۱۳)۔

اسی طرح ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں دونوں کو بنو آدم (ترمذی تفسیر، سورہ حجرات، حدیث ۳۳۱۴) اور عورتوں کو مردوں کے شقائق (ابوداؤد، طہارۃ، حدیث: ۲۳۳) قرار دیا گیا ہے۔

مزید ان کا استدلال ''وأمرهم شورى بينهم'' (شوری: ۳۸) ہے عام اصول کے مطابق ''هم''، ضمیر مذکر میں عورتیں بھی تبعاً شامل ہیں۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات دوسری بعض آیات کی تفسیر وتوضیح کرتی ہیں، چنانچہ یہ آیت ''وأمرهم شورى بينهم'' کی تفسیر وتوضیح دوسری آیت ''الرجال قوامون على النساء'' سے ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ عورتیں حکومت کی مجلس شوریٰ میں شرکت سے مستثنیٰ ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ اور خلفاء راشدین نے عورتوں کو مجلس شوریٰ میں شریک نہیں فرمایا۔

روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ سیاسی امور میں جہاں دوسرے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرتے تھے، وہیں اپنی حریم خانہ سے بھی مشورہ طلب کرتے تھے اور اچھے مشورہ کی ستائش کرتے تھے پھر قبول کرتے تھے (السنن الكبرى للبيهقي عن ابن سيرين، ج: ۱۰، ص: ۱۱۳)۔

اسی طرح حضرت عمر سے ایک خاتون صحابیہ نے مہر کے متعلق بحث کی تھی، آخر کار حضرت عمرؓ نے اپنی بات سے رجوع فرمایا۔ (مجمع الزوائد للهيتمي ۲۸۶/۴، امام ہیتمی کا بیان ھے: رواه ابو يعلى في الكبير، وفيه مجالد بن سعيد، وفيه ضعف وقد وثق۔ السنن الكبرى للبيهقي ۲۳۳/۷، عن الشعبي)۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ سے پوچھا کہ ایک عورت اپنے شوہر سے کتنے دنوں علیحدہ صبر کے ساتھ رہ سکتی ہے، انہوں نے فرمایا: چھ سال، ایک روایت میں تین یا چار سال ہے) (مصنف عبد الرزاق، طلاق ۱۵۱/۷، ۱۵۲، حدیث نمبر: ۱۲۵۹۳، السنن الكبرى للبيهقي ۲۹/۹)۔

حضرت عمرؓ کے اثر سے خواتین سے مشورہ کرنا ثابت ہوتا ہے، اس سے مجلس شوریٰ میں شرکت وممبر بنانے کا ثبوت نہیں ملتا ہے اور نہ ہی سیاسی امور میں ان کے کردار ادا کرنے کی دلیل فراہم ہوتی ہے۔

علماء مجوزین حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے اثر سے بھی استدلال کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے تیسرے خلیفہ کے انتخاب میں عورتوں سے بھی مشورہ کیا تھا، حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ حتی کہ وہ پردہ نشیں خواتین کے پاس جاکر ان سے اس سلسلہ میں مشورہ طلب کیا، وہ پردہ میں رہ کر اپنی رایوں کا اظہار کیں (بدایہ ونہایہ ۱۴۶/۷)۔

اس سے اور اس سے پہلے کے آثار سے عورتوں میں سیاسی سوجھ بوجھ کا پتہ چلتا ہے، البتہ یہ آثار باضابطہ مجلس شوریٰ کی ممبر بنائے جانے پر دال نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ملکہ سبا بلقیس کا واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات کے بعد اللہ پر ایمان لے آئی۔

”رب إني ظلمت نفسي وأسلمت مع سليمان لله رب العالمين“ (نمل: ۴۴)۔

اس کے بعد قرآن خاموش ہے، آیا وہ اپنی حکومت سے معزول کردی گئی تھی یا حاکم باقی رہی تھی، ظاہر ہے کہ سکوت اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی حکومت باقی رہی اور وہ اپنے ملک کی حاکم برقرار رہی؛ کیونکہ قرآن نے ان کے ایمان لانے کے ذکر کے بعد اس کی مدح وتعریف کی، مذمت بیان نہیں کی (دیکھئے: منصب الحكومة والمرأة المسلمة از رفيع الله شهاب، ص: ۶۷، ۶۸، ”حكومة المرأة فى الاسلام از جاويد جمادى دسكوى، ص: ۴۹، المرأة ومسئلة الإمارة از رحمت الله طارق، ص: ۶۶، ۶۷)۔

قرآن نے جہاں ملکہ بلقیس کی معزولیت کا ذکر نہیں کیا، وہیں اس کی حاکمیت کی بقا کا بھی تذکرہ نہیں کیا؛ اس لئے محض احتمال وشک کی بناء پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو اس کے ملک پر حاکم کی حیثیت سے باقی رکھا ہو؛ لہٰذا اس آیت سے یہ استدلال کرنا درست نہیں ہوگا کہ عورت حاکم بن سکتی ہے۔ علامہ آلوسی کا بیان ہے:

”وليس فى الآية مايدل على جواز أن تكون المرأة ملكة، ولا حجة فى عمل قوم كفرة على مثل هذا المطلب“ (روح المعانى ۸۸۹/۱۹)۔ یا مجلس شوریٰ کی ممبر بن سکتی ہے، یا غیر مسلم ممالک میں یا مسلم ممالک میں انتخاب میں حصہ لے سکتی ہے، جبکہ دوسری نصوص واضح طور پر عورت کے حاکم بننے کی ممانعت پر دلالت کررہی ہیں۔

یہ واقعہ اسلام سے پہلے کا ہے اور شرائع من قبلنا کی حجیت کے بارے میں ہمارے علماء وفقہاء کے درمیان اختلاف ہے، اس لئے اس واقعہ سے استدلال قرین صواب نہیں معلوم ہوتا ہے۔

نیز حضرت عائشہؓ کے عمل سے بھی استدلال کیا ہے کہ انہوں نے جنگ جمل میں حضرت علیؓ کے خلاف قیادت کی تھیں، ظاہر ہے کہ انہوں نے سیاسی امور میں مداخلت کیں، معلوم ہوا کہ امور حکومت میں عورت کو مداخلت کا حق ہے (دیکھئے: تاريخ طبرى ۴۷۹/۳، مبادئ نظام الحكم فى الإسلام ازعبدالحميد متولى، ص: ۴۲۸)۔

اس اثر سے سیاسی امور،مجلس شوریٰ اور پارلیمنٹ وغیرہ کے ممبر بننے کے جواز پر استدلال کئی وجوہ سے درست نہیں ہے:

۱-حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ کے قاتلین سے قصاص لینے اور دو مسلم جماعتوں کے درمیان صلح کرانے کے ارادہ سے نکلی تھیں؛ تاکہ مسلمانوں کا خون ناحق نہ بہے،حکومت حاصل کرنے یا سیاسی میدان میں کوئی رول ادا کرنے کے ارادہ سے نہیں نکلی تھیں۔

۲ - یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی، جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ بعد میں وہ اپنے فعل پر نادم ہوئیں، ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، چنانچہ انہوں نے اللہ سے توبہ واستغفار کیا(تولی المرأة الإمامة الكبرىٰ للأمين الحاج محمداحمد،ص:۱۸، حقوق الإنسان وحرياته لعبد الوهاب الشيشاني، ص:۶۹۶،۶۹۷، المرأة بين الفقه والقانون للدكتور مصطفى السباعي، ص:۱۵۲)۔

مجوزین علماء نے سیاسی امور میں حصہ لینے اور پارلیمنٹ وغیرہ کے ممبر بننے کو قضاء پر بھی قیاس کیا ہے، یعنی بہت سے فقہاء نے عورت کے قاضی بننے کو درست قرار دیا ہے۔احناف کے نزدیک عورت مفتی، قاضی اور وقف کی نگراں بن سکتی ہے، البتہ وہ حدود وقصاص کے علاوہ امور میں فیصلہ کرے گی، بلکہ اگر وہ حدود وقصاص میں بھی فیصلہ کردے اور یہ فیصلہ دوسرے قاضی کے پاس جائے،اوروہ قاضی عورت کے فیصلہ کو درست سمجھتا ہے تو وہ اس فیصلہ کو نافذ کردے گا باطل قرار نہیں دے گا (درمختار مع الرد ۸/ ۱۴۲،۱۴۴)۔

امام طبرانی نے عورت کی حاکمیت کو مطلق جائز قرار دیا ہے، امام محمد بن حزم ظاہری نے کہا: عورت حکمراں ہوسکتی ہے، اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے شفا بنت عبداللہ عدویہ کو بازار کی ذمہ دار ونگراں بنایا تھا(الآحوال والمعاملات المعاصرة فى الفقه الإسلامى للدكتور راشد عبد الله الفرحان، ص:۱۴،۱۵)۔

عہدہ قضا کو سنبھالنا ولایت عامہ کے قبیل سے ہے، لہٰذا اس پر قیاس کرتے ہوئے پارلیمنٹ اور اسمبلی وغیرہ کی ممبر بن سکتی ہے۔

امور مملکت، سربراہ مملکت اور پارلیمنٹ وغیرہ کی ممبری کو قضاء پر قیاس کرنا درست نہیں ہے؛ کیونکہ عورت کے قاضی بننے کا مسئلہ فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہے، جمہور علماء جائز قرار نہیں دیتے ہیں؛ کیونکہ ان کے یہاں بنیادی طور پر قاضی مرد ہی بن سکتا ہے، عورت مطلق نہیں بن سکتی، اگر زبردستی بنادی گئی تو اس کو قاضی بنانے والا گنہگار ہوگا، خود اس کی ولایت قضا باطل ہوگی، اگر وہ فیصلہ کرتی ہے تو فیصلہ باطل ہوگا۔ یہ مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور فقہاء احناف میں امام زفر کا مذہب ہے ("تبصرة الحكام لابن فرحون ۱/ ۱۸، بداية المجتهد ۲/ ۵۳۱، مواهب الجليل للحطاب فى فقه مذهب الإمام الشافعى ۲/ ۱۴۳، المجموع شرح المهذب للنووى ۲۰/ ۱۲۷، دارالفكر، الكافى لابن قدامة ۴/ ۴۳۳، المغنى مع الشرح الكبير ۱۱/ ۳۸۰، كتاب الفروع لابن مفلح ۶/ ۴۲۱، الاختيار للموصلى ۲/ ۸۴)۔

خلاصہ قول:

زیر بحث مسئلہ میں علماء کے دونوں نقاط نظر کے دلائل اور قدر تجزیہ اور مناقشہ اوپر ذکر کئے جا چکے ہیں۔ دونوں فریق کے دلائل پر غور کرنے سے عدم جواز کا قول راجح معلوم ہوتا ہے۔ عدم جواز اکثر علماء کی رائے ہے۔ اسلامی ممالک اور غیر مسلم ممالک میں عام حالات میں یہی حکم ہوگا؛ لیکن بدلتے ہوئے حالات کے تناظر میں جہاں عورتوں کے لئے مختلف مناصب اور زندگی کے مختلف شعبوں میں عورتوں کے لئے سیٹیں مختص کی جارہی ہیں، جیسا کہ ہندوستان میں یہ رجحان بڑی تیزی سے فروغ پارہا ہے کہ سیاست کے میدان میں عورتوں کی حصہ داری کو یقینی بنایا جائے، اس کے لئے مختلف ریاستوں میں مختلف سطحوں پر خواتین کے لئے نشستیں ریزرو کی جارہی ہیں، یہاں تک کہ ہندوستان کی بعض ریاستوں میں پنچایت کی سطح پر پچاس فیصد سیٹیں عورتوں کے لئے مختص کردی گئی ہیں اور لوک سبھا سے پارلیمنٹ میں خواتین کے لئے ۳۳ فیصد ریزرویشن کا بل پیش کیا جاچکا ہے اور قوی امید ہے کہ مستقبل میں یہ قانون کی شکل اختیار کرلے۔ ایسی صورت میں عدم جواز کا حکم نافذ کرنے میں بڑا حرج لازم آئے گا اور مسلم مفادات پر بڑا منفی اثر مرتب ہوگا، اس طرح مسلم قوم وملت کی ساخت اس ملک میں کمزور پڑجائے گی، سیاسی امور میں مسلمانوں کا کوئی اثر ورسوخ باقی نہیں رہے گا، غیروں کی نظر میں بے وزن ہوکر رہ جائیں گے۔ دشمنان اسلام ان کو کھلونا بنالیں گے، لہٰذا اولاً مسلمانوں کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ پارلیمنٹ، لوک سبھا میں اور پنچایت کی سطح پر خواتین کے لئے ریزرویشن کو ختم کیا جائے، اگر مسلمان اس مہم میں کامیاب نہ ہوسکیں تو فقہی قواعد: ”**من ابتلی ببلیتین وهما متساویتان، یأخذ بأیتهما شاء، وإن اختلفا یختار أهونهما**“، ”**إذا تعارضت مفسدتان روعی أعظمهما ضرراً بارتکاب أخفهما**“، ”**الاشد یزال بالأخف**“، ”**الضرر الأشد یدفع بالضرر الأخف**“ (الاشباه والنظائر لابن نجیم، ج: ۱، ص: ۸۹، ۹۰، ۹۱، مجلة الاحکام العدلية: م/ ۹، ص: ۲۶، ۲۷، ۲۸) کی رو سے مذکورہ مناصب کے لئے امیدوار کی حیثیت سے الیکشن میں اٹھنے اور ممبر بننے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ نیز امام طبری اور محمد بن حزم نے عورت کی حاکمیت کو مطلق درست قرار دیا ہے۔ فقہاء احناف نے قاضی بننے کو صحیح قرار دیا ہے اور حضرت شفاء بنت عبداللہ عدویہ کے اثر سے استیناس کیا جاسکتا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ حضرت بلقیس کی ولایت مملکت سے استثناء کیا جاسکتا ہے۔ البتہ درج ذیل امور کی رعایت حتی الامکان ضروری ہوگی تاکہ مزید دوسرے فتنوں کو سر اٹھانے کی راہ نہ ملے۔ اور وہ ضروری امور یہ ہیں:

۱- گھروں سے باہر نکلتے وقت نقاب یا لمبی چادر سے اپنے پورے جسم کو چھپائے، راستہ دیکھنے کے لئے صرف آنکھیں کھلی رکھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”**ولایبدین زینتهن إلا ما ظهر منها، ولیضربن بخمرهن علی جیوبهن**“ (نور: ۳۱)

(اور سنگار ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو اس میں سے کھلا ہی رہتا ہے، اور اپنے دوپٹے سینوں پر ڈالے رہا کریں)۔

۲- مردانہ لباس و پوشاک نہ ہو؛ کیونکہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر اور ان مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے ہیں (بخاری، لباس، باب المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال، ج: ۲، ص: ۸۷)۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں جیسا لباس پہنے، اور اس عورت پر جو مردوں جیسا لباس پہنے (ابو داؤد، لباس، باب في لباس النساء، ج: ۲، ص: ۵۶۶)۔

۳- خوشبودار عطر نہ لگائے؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو خوشبودار عطر لگانے سے منع فرمایا ہے؛ بلکہ خوشبودار عطر لگا کر نکلنے پر سخت وعید وارد ہوئی ہے کہ وہ بدکار عورت ہے؛ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مردوں کی خوشبو وہ ہے جس کی بو ظاہر ہو اور رنگ چھپا رہے، جبکہ عورتوں کی خوشبو وہ ہے جس کا رنگ ظاہر ہو اور بو چھپی رہے (ترمذی، ادب، باب ماجاء في طيب الرجال والنساء ۲/۱۰۷، امام ترمذی کا بیان ہے، یہ حدیث حسن صحیح ہے)۔

۴- بجنے والا زیور نہ ہو، پیروں کو زمین پر زور سے نہ رکھیں کہ جس سے آواز پیدا ہو اور مردوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ولا يضربن بأرجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن'' (نور: ۳۱) (اور عورتیں اپنے پیر زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے)۔

زیور سے یہاں مراد وہ زیورات ہیں جو از خود نہیں بجتے ہیں بلکہ کسی چیز کی رگڑ سے بج اٹھتے ہیں، مثلاً چھڑے، کڑے وغیرہ۔

۵- پرکشش چال نہ چلے، جیسا کہ اوپر کی آیت سے بھی واضح ہے؛ کیونکہ بجنے والا زیور نہ پہننے اور پیروں کو زمین پر زور سے رکھ کر چلنے کی ممانعت کی وجہ فتنہ کا اندیشہ ہے، اس کے مقابلہ میں پرکشش چال چلنے میں فتنہ کا اندیشہ زیادہ ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب میں فرمایا: ''ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى'' (احزاب: ۳۳) (اور دکھلاتی نہ پھرو جیسا کہ دکھلانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں)۔

علامہ قرطبیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ''تبرج'' میں وہ تمام صورتیں داخل ہیں جو فتنہ کا سبب بن سکیں۔ اسی میں حسن کا اظہار، شیریں ادائیں، ناز سے قدم اٹھانا اور پرکشش چال چلنا سب داخل ہیں؛ کیونکہ ان تمام صورتوں میں فتنہ کا اندیشہ ہے (تفسیر قرطبی ۱۴/۱۱۷، درمنثور ۵/۱۹۷)۔

۶- راستہ چلتے خواہ پیدل ہو یا سواری پر، دور کا سفر ہو یا قریب، بس سے ہو یا ٹرین سے یا ہوائی جہاز سے جب بھی

کہیں بھی جس حالت میں ہو، جب کسی اجنبی مرد سے گفتگو کرنے کی ضرورت ہوتو انداز گفتگو پرکشش اور لچکدار نہ ہو، ہونٹوں پرمسکان بھرتی ہوئی بات نہ کرے، بلکہ گفتگو کا لہجہ تیکھا ہوا اور اسلوب ترش ہو؛ تا کہ اس کے دل میں کسی طرح کا شیطانی وسوسہ ہو بھی تو وہ دب جائے گا اور اگلا قدم اٹھانے کی جرأت نہیں کرے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”**فلا تخضعن بالقول فيطمع الذی فی قلبه مرض وقلن قولا معروفا**“ (احزاب:۲۳) (سوتم دب کر بات نہ کرو پھر لالچ کرے کوئی جس کے دل میں روگ ہے اور کہو بات معقول)۔

۷-اصل یہی ہے کہ عورت گھر سے باہر نہ نکلے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:”**وقرن فی بيوتكن**“ (احزاب:۳۳) (اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں)؛ لیکن ضرورت وحاجت کی بناء پر نکلنا او پر ذکر کی گئی شرائط کے ساتھ درست ہے، تاہم اس میں بھی اصل یہ ہے کہ عورت گھر سے تنہا نہ نکلے؛ بلکہ اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی محرم رشتہ دار ہو گو راستہ مامون ہو؛ کیونکہ عورت کا گھر سے نکلنا ہی فتنہ ہے۔

”**لأن نفس خروج المرأة من بيتها ومشيها فی الطريق فتنة**“ (احكام النساء لابن الجوزی، ص: ۱۰۹)۔

۸-اسمبلی ہال یا پارلیمنٹ میں اس سائیڈ بیٹھے جدھر خواتین کی نشستیں ہوتی ہیں، مردوں کے بیچ میں نہ بیٹھے اور ایک ساتھ ایک سیٹ پر نہ بیٹھے؛ کیونکہ یہ بھی مردوں کے ہجوم میں بیٹھنے کے حکم میں داخل ہے، اس لئے کہ علامہ قرطبی نے ”**ولاتبرجن تبرج الجاهلية**“ (احزاب:۳۳) کی تفسیر میں ایک تفسیر یہ بھی نقل کی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں مردوں کے ہجوم میں چلا کرتی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا کہ ایسا مت کرو (تفسیر قرطبی ۱۴/۱۱۷)۔

لہٰذا اگر خواتین کی علیحدہ سیٹیں مختص نہ ہوں تو ایک سائیڈ بیٹھے نہ کہ وسط کی سیٹ پر؛ تا کہ اختلاط سے بچا جا سکے اور بے جا گفتگو سے محفوظ رہ سکے۔

۹-کانفرنس ہال میں چہرہ پر نوز پیس لگائے رہے، کیونکہ سامنے اجنبی مرد ہوتے ہیں اور اجنبی مردوں ہی سے فتنہ کا اندیشہ زیادہ ہوتا ہے اور اصلاً ان ہی سے پردہ ہے۔

۱۰-پارلیمنٹ اور اسمبلی وغیرہ کے اجلاس میں شرکت کے لئے لباس ایسا زیب تن کرے جو ساتر ہونے کے ساتھ ڈھیلا ڈھالا ہوا اور موٹا ہو؛ کیونکہ ایک مسلم خاتون کے لئے جائز نہیں ہے کہ ایسا باریک کپڑا پہنے جس سے جسم کا رنگ جھلکتا ہو، یا موٹا کپڑا پہنے، لیکن بالکل چست ہو جس کی وجہ سے جسم کے خلقی ڈھانچے نمایاں نظر آتے ہوں (دیکھئے: بدائع الصنائع ۴/۲۹۷، کبیری، ص:۲۱۴، البحر الرائق ۱/۲۶۵، فتح العزيز مع المجموع ۴/۹۶،۹۷)۔

الیکشن سے متعلق اہم مسائل-اسلامی تناظر میں

مفتی راشد حسین ندوی☆

انتخاب اور الیکشن جمہوریت کے تقاضے ہیں، جمہوریت ایک جدید نظام حکومت ہے، لہٰذا تمام نئے امور کی طرح اس کے لئے بھی کتاب وسنت میں صراحت سے کچھ نہیں مل سکتا، البتہ چونکہ اسلام آخری مذہب ہے، قیامت تک پیش آنے والے تمام مسائل کا اس میں حل ہے، لہٰذا غور کرنے سے کتاب وسنت سے جمہوریت، الیکشن اور اس کے تمام متعلقات کے احکام مل جاتے ہیں۔ البتہ دوسرے نئے مسائل کی طرح احکام تلاش کرنے والوں کے درمیان نقطہ نظر اور آراء کا اختلاف ہوسکتا ہے اور ہے جیسا کہ آگے کی تفصیل سے معلوم ہوجائے گا۔ فقہ اکیڈمی نے اپنے چودھویں سمینار میں ایک موضوع ''غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل'' کے تحت الیکشن سے متعلق بھی چند سوالات رکھے تھے۔ راقم نے اس موضوع پر کچھ طالب علمانہ گفتگو کی تھی، لیکن اس موضوع پر مرتب کی جانے والی تجاویز ان میں سے کئی سوالات کے ذکر سے بالکل خالی ہیں۔ شاید اسی وجہ سے اکیڈمی نے ان سوالات کو کچھ اضافہ کے ساتھ پھر چھیڑا ہے۔ ہم ذیل میں ان سوالات کے مختصر جوابات عرض کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔

(۱): ووٹ کی شرعی حیثیت:

ووٹ انگریزی زبان کا لفظ ہے، فیروز اللغات میں اس کے معنی رائے کے کئے گئے ہیں، عربی میں اس کو صوت کہا جاتا ہے۔ ہندوستان میں الیکشن کئی سطح کے ہوتے ہیں، ان میں سے ایک کو جنرل الیکشن کہا جاتا ہے۔ اس الیکشن میں ممبران پارلیمنٹ کا انتخاب عمل میں آتا ہے، دوسرا صوبائی الیکشن ہوتا ہے، جس میں صوبائی اسمبلی کے ارکان چنے جاتے ہیں، اس کے علاوہ بلدیہ اور گاؤں پنچایت کے الیکشن بھی ہوتے ہیں، جن میں میئر، چیئرمین اور گاؤں پردھان وغیرہ چنے جاتے ہیں۔ پارلیمانی اور صوبائی سطح کے الیکشن میں الیکشن کمیشن کی جانب سے تاریخیں طے کرکے اعلامیہ جاری کیا جاتا ہے۔

☆ مدرسہ ضیاء العلوم، میدانپور، تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)۔

پورے صوبہ یا ملک کومختلف زون میں باٹا جاتا ہے۔خاص تاریخوں میں زرضمانت، چند دستاویزات اور کچھ دوسری شرائط کو پورا کرنے والا ان الیکشن میں امیدوار بن سکتا ہے، پھر مقررہ تاریخوں میں الیکشن ہوتا ہے، ووٹ دینے کے لئے لازمی ہے کہ ووٹر کا نام، ووٹر لسٹ میں موجود ہو اور اس کے پاس الیکشن شناختی کارڈ یا دوسری معتبر دستاویزات موجود ہوں، ورنہ اسے ووٹ دینے کی اجازت نہیں دی جاتی ہے، سب شرائط موجود ہوں تو اسے خفیہ طور سے ووٹ دینا ہوتا ہے، چاہے بیلٹ پیپر پر دینا ہو، یا الیکشن کی مخصوص الیکٹرانک مشین پر، اگر کوئی ظاہر کرکے ووٹ دے، تو اسے خلاف قانون مان کر مسترد بھی کیا جاسکتا ہے۔ ابھی تک ہندوستان میں یہی روایت ہے کہ جبری طور پر ووٹ نہیں دلایا جاتا۔ یہ امیدواروں کے اوپر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ اپنے حامیوں کو ووٹ دینے پر آمادہ کریں، کوئی اگر ووٹ نہ دے تو حکومت کی طرف سے اس پر سختی نہیں کی جاتی ہے۔ الیکشن کے عمل کی مختصر تفصیل یہی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس پورے عمل کو شرعی طور پر کیا نام دیا جائے؟ اس کے بارے میں کئی باتیں کہی جاتی ہیں:

الف- اس پورے عمل کو شہادت قرار دیا جائے، گویا ووٹر گواہی دے رہا ہے کہ میرے نزدیک مطلوبہ عہدہ کا زیادہ استحقاق فلاں کو ہے۔

ب- اس عمل کو توکیل کی ایک شکل سمجھا جائے، گویا ووٹر ووٹ دے کر اپنے پسندیدہ شخص کو اسمبلی میں اپنی نمائندگی دے رہا ہے اور اس کی آواز کو اپنی آواز قرار دے رہا ہے۔

ج- اسے شفاعت یا سفارش قرار دیا جائے۔

د- اس عمل کو رائے قرار دیا جائے، یعنی ووٹر کی رائے اور مشورہ یہ ہے کہ فلاں شخص اس عہدہ کا زیادہ مستحق ہے۔

ھ- اسے (اسلامی ملکوں میں) بیعت کا ایک طریقہ قرار دیا جائے (تفصیل کے لئے دیکھئے: جواہر الفقہ (مفتی شفیع صاحبؒ) ۲۹۱/۳، ۲۹۲، جدید فقہی مسائل (خالد سیف اللہ صاحب رحمانی) ۱/ ۴۵۷)۔

ذیل میں ان جہتوں پر ہم فقہی اعتبار سے نظر ڈالتے ہیں۔

شہادت کی تعریف: شہادت کی تعریف کرتے ہوئے صاحب عنایہ فرماتے ہیں: "**وهى فى اللغة عبارة عن الأخبار بصحة الشيئ، عن مشاهدة وعيان، ولهذا قالوا: انها مشتقة من المشاهدة التى تنبئى عن المعاينة، وهى فى اصطلاح اهل الفقه عبارة عن اخبار صادق فى مجلس الحكم بلفظ الشهادة (الى) وقوله فى مجلس الحكم بلفظ الشهادة يخرج الاخبار الصادقة غير الشهادات**" (شرح العناية على هامش فتح القدير ۴۴۶/۶، وكذا فى رد المحتار ۴/ ۴۱۱)۔

(شہادت لغت میں مشاہدہ اور بچشم خود دیکھ کر کسی چیز کی صحت کی خبر دینے کو کہتے ہیں، اسی لئے فقہاء کہتے ہیں: یہ لفظ مشاہدہ سے ماخوذ ہے جو کہ معاینہ کی خبر دیتا ہے اور اہل فقہ کی اصطلاح میں شہادت لفظ شہادت کے ساتھ عدالت میں سچی خبر دینے کو کہتے ہیں (آگے فرماتے ہیں) اور لفظ شہادت کے ساتھ عدالت میں ہونے کی قید شہادتوں کو چھوڑ کر دوسری سچی خبروں کو مفہوم سے خارج کر دیتی ہے)۔

اس تعریف ہی سے واضح ہوجاتا ہے کہ الیکشن خواہ کسی اسلامی ملک میں ہو رہا ہو یا غیر اسلامی ملک میں، کہیں بھی ووٹ دینے کو اصطلاحی شہادت نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ نہ تو یہاں مجلس قضاء ہوتی ہے، نہ لفظ شہادت ہوتا ہے، بلکہ پورا عمل خفیہ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پھر فقہاء نے لفظ شہادت کو شہادت کا رکن قرار دیا ہے:" **ورکنها لفظ اشهد لاغير**" (اس کا رکن لفظ شہادت ہے نہ کہ کوئی دوسرا لفظ) اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ کسی بھی شی کا وجود اس کے رکن کے بغیر نہیں ہوسکتا، اس کے لئے دلائل بھی لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا ووٹ دینے کو اصطلاحی شہادت قرار نہیں دیا جاسکتا، نہ ہی فقہ اسلامی میں کوئی ایسی نظیر موجود ہے جس کے لئے اتنی بڑی تعداد کے شہادت دینے کی ضرورت ہو، البتہ اسے لغوی شہادت قرار دیا جاسکتا ہے۔

توکیل: دوسری جہت علماء عصر نے یہ بتائی ہے کہ اسے توکیل قرار دیا جائے، وکالت کسی دوسرے کو اپنا قائم مقام بنانے کو کہتے ہیں: "**وهو إقامة الغير مقام نفسه ترفها أو عجزا فى تصرف جائز معلوم**" (شامی ۴/۴۴۵) پھر فقہاء نے اس کی دو قسمیں کی ہیں: توکیل عام اور توکیل خاص، ووٹ کو بھی توکیل خاص قرار دیا جاسکتا ہے، اس معنی میں کہ مخصوص سیاسی امور کے لئے اس کو نمائندہ بنا رہا ہے۔

لیکن ووٹ کو توکیل قرار دینے میں بھی اشکال یہ ہوتا ہے کہ ایک حلقہ میں کئی افراد مختلف جماعتوں کی طرف سے یا آزادانہ اپنی امیدواری پیش کرتے ہیں، اس حلقہ کے لوگ الگ الگ آراء ظاہر کرتے ہیں، اگر یہ توکیل ہے تو تمام امیدواروں کو نمائندگی کا حق ملنا چاہیے تھا، اس لئے کہ ہر نمائندہ کو کچھ نہ کچھ ووٹ ضرور ملتے ہیں۔ اس طرح ہر نمائندہ کچھ نہ کچھ افراد کا وکیل ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوتا، بلکہ جس کو زیادہ ووٹ ملیں اسے پورے حلقہ کا نمائندہ تسلیم کرلیا جاتا ہے، جبکہ ایک بڑی تعداد نے اس کو وکیل نہیں بنانا چاہا تھا، اگر یہ توکیل ہے تو ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔

پھر ایک شخص جب ممبر منتخب ہوجاتا ہے تو اس کو معزول یا بحال کرنے کا حق مخصوص اوقات تک کسی ووٹر کو نہیں ہوتا، جبکہ توکیل میں کسی وقت بھی مؤکل وکیل کو معزول کرنے کا اختیار رکھتا ہے، "**فللمؤكل العزل متى شاء ما لم يتعلق به حق الغير**" (شامی ۴/۴۶۳) (جب تک حق غیر متعلق نہ ہوگیا ہو مؤکل جب چاہے معزولی کا حقدار ہے)۔

اس طرح کے اور بھی احکام ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلی طور پر توکیل بھی نہیں ہے، البتہ توکیل سے کچھ تشبیہ ضرور ہے۔

شفاعت: تیسری جہت یہ ہے کہ اسے سفارش قرار دیا جائے، گویا ووٹر سفارش کرتے ہیں کہ فلاں شخص کو ممبر بنالیا جائے اور جس کے سفارشی زیادہ ہوتے ہیں، الیکشن کمیشن اس کو منتخب قرار دیتا ہے، لیکن اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ شفاعت یا سفارش اس ذات سے کی جاتی ہے جس کو کلی اختیار حاصل ہو، جبکہ یہاں الیکشن کمیشن، یا کوئی دوسرا ادارہ یا فرد اپنے طور سے کچھ کرنے کے مجاز نہیں ہوتے، جس کو زیادہ ووٹ حاصل ہوں اسے بہر حال انہیں منتخب قرار دینا ہے۔ یہ سفارش کے اصولوں کے خلاف بات ہے۔ اس لئے اسے کلی طور پر سفارش بھی نہیں کہہ سکتے۔

مشورہ:- چوتھی جہت یہ ہے کہ اسے مشورہ قرار دیا جائے، یعنی حلقہ میں صرف ایک ممبر منتخب ہوسکتا ہے، دعویٰ کئی نے پیش کر دیا ہے، لیکن الیکشن کمیشن اس طرح کی صورت حال میں یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا ہے کہ حلقہ کی نمائندگی کے لئے کون زیادہ بہتر رہے گا۔ اپنے طور سے کسی کو منتخب بھی کرے تو اس پر طرح طرح کے الزامات لگ سکتے تھے، لہٰذا الیکشن کمیشن نے حلقہ کے مخصوص افراد سے (جن کی شرائط طے شدہ ہیں) خفیہ طور سے استفسار کیا کہ آپ کی رائے میں زیادہ بہتر کون ہے، ووٹ کے لفظی معنی، عربی اردو میں اس کے متبادل الفاظ (صوت، استصواب رائے وغیرہ) کو دیکھا جائے تو یہ چوتھی جہت زیادہ واضح نظر آتی ہے۔ اسی لئے اگر کسی حلقہ میں ایک ہی نمائندہ سامنے ہو تو ووٹنگ کا عمل نہیں ہوتا، توکیل، شہادت یا سفارش قرار دیا جائے تو اس صورت حال میں ان کا اطلاق دشوار ہوگا، جبکہ رائے ماننے کی شکل میں اس کی یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ اس صورت میں مشورہ لینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اس کی ضرورت تو امیدواروں کے تعدد کے وقت ہوتی ہے۔

لیکن اس جہت پر بھی ایک اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ جس کو منتخب کرنے کا زیادہ ووٹر مشورہ اور رائے دیں اس کو منتخب قرار دیا جاتا ہے اور قانوناً یہ بات طے شدہ ہے، جبکہ مشورہ لینے والے پر کثرت رائے کو ماننے کا شرعاً لزوم نہیں ہوتا ہے، بلکہ وہ چاہے تو کسی کا بھی مشورہ نہ مانے، اس جہت پر بھی کچھ تردد ہوتا ہے، لیکن اس کو اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ مشورہ لینے والے نے بہت سے مصالح کے پیش نظر یہ التزام کر رکھا ہے کہ اکثر کے مشورہ پر عمل کرے گا، دنیا کی صورت حال کے پیش نظر یہ چوتھی جہت کچھ اشکالات کے باوجود نسبتاً زیادہ واضح ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ووٹ میں شہادت، توکیل اور شفاعت کے کچھ اوصاف اگرچہ پائے جاتے ہیں، لیکن کلی طور سے نہ وہ شہادت ہے نہ توکیل، نہ شفاعت، اسے مشورہ قرار دینے میں بھی کچھ اشکالات وارد ہوتے ہیں، لیکن فقہی طور سے اسے مشورہ قرار دینا نسبتاً زیادہ واضح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

(۲): ووٹ کا شرعی حکم:

پیچھے تفصیل سے گزر چکا ہے کہ ووٹ دینے کو مکمل طور سے شہادت نہیں قرار دیا جاسکتا، لہٰذا گواہی چھپانے کی کتاب وسنت میں جو وعیدیں وارد ہوئی ہیں مثلاً: **"ولا تکتموا الشهادة ومن يکتمها فإنه آثم قلبه"** (سورة البقرہ: ۲۸۳) ان کو یہاں پر منطبق نہیں کیا جاسکتا۔

بالفرض اس کو شہادت قرار بھی دیا جائے، تب بھی ووٹ دینے کو مطلقاً واجب قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لئے کہ شہادت دینے کا وجوب خاص شرائط کے پائے جانے پر ہوتا ہے، چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

"ویلزم أداء الشهادة ویأثم بکتمانها إذا طلب المدعی، وإنما یأثم إذا علم أن القاضی یقبل شهادته، وتعین علیه الأداء وإن علم أن القاضی لایقبل شهادته، أو کانوا جماعةً فأدی غیره ممن تقبل شهادته فقبلت، قالوا لا یأثم، وإن أدی غیره ولم تقبل شهادته یأثم من لم یؤد إذا کان ممن تقبل شهادته ...... وإن کان موضع الشاهد بعیدا من موضع القاضی بحیث لا یمکنه أن یغدو إلی القاضی لأداء الشهادة ویرجع إلی أهله فی یومه ذلک قالوا: لا یأثم هکذا فی التبیین" (ہندیہ ۳/۴۵۲)۔

(جب مدعی مطالبہ کرے تو گواہی دینا لازم ہے اور اس کو چھپانے سے گنہگار ہوگا اور گنہگار اس وقت ہوگا جب اسے معلوم ہو کہ قاضی اس کی شہادت قبول کرے گا اور اداء شہادت اس پر متعین ہوگئی ہو اور اگر اسے معلوم ہو کہ قاضی اس کی شہادت قبول نہیں کرے گا۔ یا گواہوں کی جماعت ہو اور دوسرا گواہی دے دے جس کی گواہی مقبول ہوتی ہو اور گواہی قبول کرلی جائے تو فقہاء کہتے ہیں: وہ گنہگار نہیں ہوگا اور اگر دوسرا گواہی دے اور اس کی گواہی قبول نہ کی جائے تو وہ شخص گنہگار ہوگا جو گواہی نہ دے بشرطیکہ ان لوگوں میں سے ہو جس کی گواہی قبول کی جاتی ہے اور اگر گواہ کی جگہ قاضی کی جگہ سے اتنی دور ہو کہ اس کے لئے ممکن نہ ہو کہ صبح قاضی کے پاس گواہی دینے جائے اور اسی دن اپنے گھر لوٹ آئے تو فقہاء کہتے ہیں وہ گنہگار نہیں ہوگا، تبیین میں اسی طرح ہے)۔

"وسبب وجوبها طلب ذی الحق او خوف فوت حقه بان لم یعلم بها ذو الحق وخاف فوته لزمه ان یشهد بلاطلب" (شامی ۴/۴۱۱)۔

(اس کے وجوب کا سبب صاحب حق کا مطالبہ یا اس کے حق کا فوت ہوجانا ہے بایں طور کہ صاحب حق اس کو نہ جانتا ہو اور اسے اس کے حق کے فوت ہوجانے کا خوف ہو تو اس پر بغیر مطالبہ کے گواہی دینا لازم ہوگا)۔

معلوم ہوا کہ شہادت ہر حالت میں واجب نہیں ہوتی، لہٰذا ووٹ کو شہادت مان بھی لیں تو وجوب اسی وقت ہوسکتا ہے، جب ہر اعتبار سے لائق اور مستحق نمائندہ کھڑا ہو، اس کا مقابل بالکل غیر مستحق ہو اور اس کے (نیز دوسرے صحیح الفکر لوگوں کے ووٹ نہ دینے سے) یقین ہو کہ مستحق اپنے حق سے محروم ہوجائے گا۔

اس طرح کی صورت حال پائی جارہی ہو تو ووٹ کو شہادت کے بجائے مشورہ یا رائے قرار دینے پر بھی بعض اوقات وجوب ہوسکتا ہے، اس لئے کہ یہ تعاون علی البر ہے، جس کا حکم قرآن میں دیا گیا ہے:

"**تعاونوا على البر والتقوى**" (سورة المائده: ۲) (اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیز گاری پر)۔

اور حدیث شریف میں فرمایا گیا: **من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان**" (مسلم، كتاب الايمان باب بيان كون النهى عن المنكر من الايمان رقم الحديث: ۷۸) (تم میں سے جو شخص کوئی منکر دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے، اگر ایسا نہ کر سکے تو زبان سے کرے، یہ بھی نہ کر سکے تو دل سے کرے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے)۔

ظاہر بات ہے کہ رائے اور مشورہ دے کر نیکی میں تعاون کرسکتا ہے اور منکر کو مٹا سکتا ہے۔

اور جب نمائندوں میں کوئی بھی مستحق نہ ہو تو اھون البلیتین کو اختیار کرتے ہوئے نسبتاً بہتر نمائندہ کو ووٹ دینا بہتر یا جائز (الگ الگ حالت میں) تو ہوسکتا ہے، واجب نہیں قرار دیا جاسکتا، خواہ اسے شہادت قرار دیا جائے یا کچھ اور۔ واللہ اعلم۔

(۳): الیکشن میں امیدوار بننا:

الیکشن میں ایسے شخص کے لئے امیدوار بننا جائز ہے، جو دیانت دار، امانت دار اور حوصلہ مند ہو، قوم کی نمائندگی کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو، اگر کسی وصف میں کمی ہو تو شرعاً اس کے لئے نمائندہ بننا جائز نہیں ہوگا، چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب عزیز مصر کے سامنے اپنی خدمات پیش کی تھیں تو فرمایا تھا:

"**اجعلني على خزائن الأرض**" (مجھے مقرر کر ملک کے خزانوں پر) "**إني حفيظ عليم**" (میں نگہبان ہوں خوب جاننے والا) (سورۃ یوسف/۵۵)۔

اور آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوذر سے فرمایا تھا: "**يا أبا ذر! إنك ضعيف، وإنها أمانة، وإنها يوم القيامة خزى وندامة، إلا من أخذها بحقها وأدى الذى فيها**" (مسلم، كتاب الامارة، باب كراهية الامامة بغير ضرورة: ۱۸۲۵) (اے ابوذر! تم کمزور ہو اور ولایت ایک امانت ہے اور قیامت کے دن یہ رسوائی اور ندامت ثابت ہوگی،

سوائے اس کے جس نے اس کا حق رکھ کر اس کو لیا اور اس کی ذمہ داری نبھائی)۔

نمائندہ بننے کے بعد اس کے لئے یہ بھی ضروری ہوگا کہ انتخابی مہم چلانے میں کوئی خلاف شریعت بات نہ کرے، مثلاً ناقابل عمل جھوٹا وعدہ اور خلاف واقعہ تعریف کرے، خلاصہ یہ کہ انتخابی مہم چلانے میں کسی محظور شرعی کا مرتکب نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

(۴): خلاف شریعت قانون سازی:

جمہوری نظام کی نہایت سنگین اور خطرناک خرابی یہ ہے کہ ممبروں کو قانون سازی کا بھی حق ہوتا ہے، وضع کردہ یہ قوانین کبھی شریعت کے موافق ہوتے ہیں، کبھی کھلم کھلا متصادم ہوتے ہیں، جو حضرات الیکشن کے عمل میں مسلمانوں کی شرکت کو ناجائز قرار دیتے ہیں، ان کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ شارع حقیقی صرف اللہ تبارک وتعالی ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے: "**إن الحکم إلا لله، أمر ألا تعبدوا إلا آیاه**" (سورہ یوسف: ۴۰) (حکومت نہیں کسی کی سوائے اللہ کے، اس نے فرمایا کہ نہ پوجو مگر اسی کو)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"**ألم تر إلی الذین یزعمون**" الآیة (سورہ نساء: ۶۰) (کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو دعوی کرتے ہیں کہ ایمان لائے ہیں اس پر جو اترا تیری طرف اور جو اترا تجھ سے پہلے، چاہتے ہیں کہ قضیہ لے جائیں شیطان کی طرف اور حکم ہو چکا ہے کہ ان کو کہ اس کو نہ مانیں)۔

ایک اور جگہ ہے:

"**ومن لم یحکم بما أنزل الله فأولئک هم الظالمون**" (سورۂ مائدہ: ۴۵) (اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اتارا، سو وہی لوگ ہیں ظالم)

"**ومن لم یحکم بما أنزل الله فأولئک هم الکافرون**" (سورۂ مائدہ: ۴۴) (اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اتارا سو وہی لوگ ہیں کافر)۔

یہ حضرات کہتے ہیں کہ اس نظام میں بنیادی طور پر قانون سازی انسانوں کے حوالہ کر دی جاتی ہے، لہٰذا اس عمل میں کسی بھی اعتبار سے شرکت ناجائز ہے۔

دلیل کے اعتبار سے ان حضرات کی رائے بہت مضبوط ہے، لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ فی الوقت اسلامی حکومت کا خواب دیکھنا، خاص طور سے غیر مسلم اکثریت والے ممالک میں شیخ چلی کے خیالی پلاؤ جیسی چیز ہے: "**لعل الله یحدث**

بعد ذلک أمرا" پھر یہ بھی ممکن نہیں کہ کسی اسلامی ملک کی طرف ہجرت کی جائے۔ بظاہر ہمارا جینا مرنا یہیں ہے، اس کے بعد غور کرنا چاہیے کہ فائدہ اس عمل میں شرکت کرنے میں ہے، یا اس سے احتراز کرنے میں؟ صاف طور سے محسوس ہوتا ہے کہ سیاسی عمل سے مکمل کنارہ کشی کرنے سے اسلام دشمن لابی کے حاوی ہوجانے کا خطرہ ہے، جس کے بعد ہمارے لئے اپنی تعلیمی اور تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھنا بھی مشکل ہوجائے گا۔ فی الحال جو پارٹیاں اور جماعتیں مسلمانوں کی ہمنوائی کا دم بھرتی ہیں، خواہ یہ ظاہری طور پر اور منافقت کے طور پر ہی کیوں نہ ہو، اس کی وجہ صرف یہ لالچ ہے کہ مسلمانوں کے ووٹ انہیں حاصل ہوجائیں گے، اگر انہیں اندازہ ہو کہ اس تل میں تیل ہی نہیں بچا، تو پوری طرح الگ ہوکر دوسرا راستہ اختیار کرلیں گی۔

لہٰذا باصلاحیت اور حوصلہ مند افراد کے لئے ان اداروں کا ممبر بننا جائز ہے، لیکن اس کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہوں گی۔

۱- دل سے یہ عقیدہ رکھے کہ شارع حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، نہ کہ انسان، اپنی شرکت کو ایک مجبوری اور اھون البلیتین سمجھے۔

۲- کوئی خلاف شریعت بل پارٹی کے زیر بحث آئے، تو پارٹی سطح پر اس کو ہٹوانے کی حتی الامکان کوشش کرے، پوری جرأت کے ساتھ اس کی مضرتیں اور عدم افادیت ظاہر کرنے کی کوشش کرے۔

۳- اگر اس کی بات نہ سنی جائے اور وہیپ جاری کردیا جائے تو اچھی طرح غور کرلے کہ اس خلاف شریعت بل کے باوجود اس کا اس پارٹی میں رہنا ملت کے لئے مفید ہے یا پارٹی چھوڑ دینا، اگر پاٹی چھوڑنے سے ملت کا کوئی نقصان ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو پارٹی چھوڑ دے، لیکن اگر پارٹی چھوڑنے سے ملت اسلامیہ کے نقصان کا اندیشہ ہو تو بدرجہ مجبوری اس آیت کریمہ کے ارشاد کو سامنے رکھتے ہوئے بل پاس ہونے دے:

"**من کفر بالله من بعد إیمانه إلامن أکره وقلبه مطمئن بالإیمان" الآیة** (سورۂ نحل: ۱۰۶) (جو کوئی منکر ہوا اللہ سے یقین لانے کے پیچھے، مگر وہ نہیں جس پر زبردستی کی گئی اور اس کا دل برقرار ہے ایمان پر، لیکن جو کوئی دل کھول کر منکر ہو سو ان پر غضب ہے اللہ کا اور ان کو بڑا عذاب ہے)۔

جس طرح مکرہ کے لئے دل میں ایمان رکھتے ہوئے کلمہ کفر کی ادائیگی کی اجازت ہوتی ہے، اسی طرح اسے بھی امت مسلمہ کے مفاد عام کے تحت اس ادارہ میں شرکت کی اجازت ہوگی، اس لئے کہ اس طرح کی صورت حال میں یہی اھون البلیتین ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**لا یکلف الله نفسا إلا وسعها**" (سورۂ بقرہ: ۲۸۶)۔

اسی وجہ سے فقہ اکیڈمی کی تجویز میں ہے:

''اسلام کا اپنا ایک مستقل نظام حکمرانی ہے، لیکن موجودہ عالمی حالات میں دوسرے غیر اسلامی نظام ہائے حکومت کے مقابلہ میں مروج جمہوری نظام ہی مسلم اقلیتوں کے لئے قابل ترجیح ہے، لہٰذا اس نظام کے تحت مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا، امیدوار بننا، ووٹ دینا اور کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا جائز ہے'' (فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص:۱۰۸)۔

(۵): دستور کا حلف لینا:

اگر کوئی شخص تاعمر کسی ادارہ کا ممبر نہ بنے، لیکن وہ کسی غیر مسلم ملک میں رہتا ہو، تو صرف رہنا ہی اس کا گویا یہ عہد کرنا ہے کہ یہاں کے دستور اور قوانین کو تسلیم کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے اس طرح کے خاموش معاہدہ کو بھی جائز نہیں قرار دیا جاسکتا، اس لئے کہ مسلمانوں نے ''لا الہ الا اللہ'' پڑھ کر تمام وضعی قوانین کا انکار کردیا ہے، وہ اسلامی قوانین کے سوا کسی بھی قانون کے انکار کا پابند ہے، لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، اس خاموش معاہدہ کی قباحت کے باوجود، دنیا کی مجموعی صورت حال کو دیکھتے ہوئے اکثر علماء نے غیر مسلم ممالک میں رہائش اختیار کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

جب کوئی شخص کسی قانون ساز ادارہ کا ممبر بنتا ہے تو یہی خاموش معاہدہ اسے زبان سے بھی دہرانا پڑتا ہے، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ خاموش معاہدہ کے مقابلہ میں اس کی شناخت بڑھی ہوئی ہے، لیکن اگر ملت اسلامیہ کے لئے کچھ کام کرنا ہے، تو اس سے کوئی چارہ کار بھی نہیں ہے، لہٰذا جس طرح دستور کی بہت سی دفعات کے خلاف شریعت ہونے کے باوجود ہم اس ملک میں رہائش اختیار کرکے گویا ایک طرح کی خاموش حمایت اور تائید کررہے ہیں، جبکہ ہم دل سے اسلام مخالف دفعات کے مخالف ہیں اور یہ عزم رکھتے ہیں کہ موقع ملا تو ان پر خط تنسیخ پھیر دیں گے، اسی طرح اگر ''إلا من أكره'' کے پیش نظر اس خاموش حمایت کو زبان سے بھی کہہ دیا جائے، جبکہ دل میں اس کی خرابی راسخ ہو اور موقع ملنے پر اس میں تبدیلی کرادینے کا عزم مصمم ہو تو شرعاً اس میں کوئی گناہ نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس کے بغیر اس ناحیہ سے ملت کو فائدہ پہنچانا ممکن ہے۔

پھر بارہا ایسا ہوا ہے کہ ممبران حلف لیتے ہیں اور کچھ دفعات کو مٹانے کے درپہ ہوجاتے ہیں، ایمرجنسی کے بعد جب مرارجی دیسائی کی قیادت میں جنتا پارٹی کی حکومت بنی تو ظاہر ہے کہ تمام ممبران نے دستور سے وفاداری کا حلف لیا ہوگا، لیکن صرف ڈھائی سال میں بہت ساری دفعات میں تبدیلی کرائی گئی، چنانچہ عملی طور سے دستور بننے سے لے کر اب تک متعدد بار اس میں ترامیم ہوئی ہیں اور آئندہ بھی ہوتی رہیں گی۔

اس طرح ایک مسلمان ممبر جب اس ارادہ کے ساتھ وفاداری کا حلف لے گا تو وہ ملکی قوانین کے بھی خلاف نہیں ہوگا اور مذکورہ بالا مجبوری کے تحت شرعاً بھی اس کی گنجائش ہوگی۔ واللہ اعلم۔

(٦): بائبل پر حلف لینا:

احادیث میں غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے:

إن رسول الله ﷺ قال: ”إن الله ينهاكم أن تحلفوا بآبائكم، من كان حالفا فليحلف بالله أو ليصمت“ (بخاری: ٦٦٤٦، كتاب الايمان والنذور باب لا تحلفوا بآبائكم، مسلم: ١٦٤٦، كتاب الايمان باب النهى عن الحلف بغير الله تعالىٰ) (نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ تم کو اپنے آباء کی قسم کھانے سے منع کرتا ہے، جس کو قسم کھانا ہے، وہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے)۔

اس سے قدرے زیادہ تفصیل حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے **قال: قال رسول الله ﷺ: ”لا تحلفوا بآبائكم، ولا بأمهاتكم، ولا بالأنداد، ولا تحلفوا بالله إلا وأنتم صادقون“** (ابوداؤد: ٣٢٤٨، كتاب الأيمان والنذور، باب كراهية الحلف بالأباء، نسائی: ٣٨٠٠، كتاب الايمان والنذور باب الحلف بالأمهات) (آنحضرت ﷺ نے فرمایا: نہ اپنے آباء کی قسمیں کھاؤ نہ ماؤں کی، نہ بتوں کی اور اللہ کی قسمیں بھی اسی وقت کھاؤ جب تم سچے ہو)۔

شارح مشکوٰۃ ملا علی قاریؒ علامہ نووی کے حوالہ سے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”قال النووی: قالوا: الحكمة فى النهى عن الحلف بغير الله تعالىٰ: إن الحلف يقتضى تعظيم المحلوف به، وحقيقة العظمة مختصة به تعالىٰ فلا يضاهى به غيره“ (مرقاة ٥٢٦/٦ فيصل پبلی کیشنز) (علماء فرماتے ہیں: غیر اللہ کی قسم کی ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ قسم مقسوم بہ (جس کی کھائی) کی عظمت وتعظیم کی متقاضی ہے اور عظمت کی حقیقت اللہ سبحانہ وتعالی کے ساتھ خاص ہے، لہذا کوئی اور اس سے مشابہ نہیں ہوسکتا)۔

اسی لئے فقہاء نے اس سے منع کیا ہے:

”لا يقسم بغير الله تعالىٰ، كالنبى والقرآن والكعبة“ (الدر المختار على هامش ردالمحتار ٥٦/٣، مكتبه فيض القرآن) (غیر اللہ جیسے نبی، قرآن اور کعبہ کی قسم نہیں کھائے گا)۔

البتہ متاخرین نے قرآن کی قسم کو دو وجہوں سے معتبر قرار دیا ہے، ایک تو یہ کہ قرآن کلام اللہ ہے اور اللہ کی صفت کی قسم کھانا جائز ہے، دوسرے یہ کہ اس کا عرف پایا جاتا ہے، عرف کی بنیاد ہی پر قرآن مجید پر ہاتھ رکھنے کو بھی قسم قرار دیا گیا، صاحب الدر المختار فرماتے ہیں:

”قال الكمال: ولا يخفى أن الحلف بالقرآن الآن متعارف فيكون يمينا (إلى) عبارته: وعندى: لوحلف بالمصحف يمين“ (قوله وقال العينى) عبارته: وعندى: لوحلف بالمصحف او وضع يده عليه وقال:

وحق هذا فهو يمين، ولا سيما فى هذا الزمان الذى كثرت فيه الأيمان الخ (الدرالمختار ورد المحتار ۵۶/۳) (علامہ کمال ابن الھمام کہتے ہیں: یہ مخفی نہیں ہے کہ اس وقت قرآن کی قسم متعارف ہے، لہٰذا وہ یمین ہوگی اور عینی فرماتے ہیں کہ مصحف کی قسم یمین ہوگی (قولہ وقال العینی) علامہ عینی کی عبارت یہ ہے: ''میرے نزدیک اگر مصحف کی قسم کھائے، یا اس پر اپنا ہاتھ رکھے اور کہے: اس کے حق کی قسم! تو وہ یمین ہے اور خاص طور سے اس زمانہ میں جس میں قسموں کی کثرت ہے)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی قسم کھانا گویا اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص تعظیم دینا ہے، اس لئے فقہاء نے اس سے منع کیا ہے، یہاں تک کہ قرآن کی قسم کھانے اور اس سے حلف لینے میں بھی کئی اقوال ہیں، اگر چہ متاخرین نے اس کو قسم مان لیا ہے اور مکروہ قرار دیا ہے، لہٰذا اصل کے اعتبار سے بائبل پر حلف لینا بھی مکروہ ہوگا اور یہ ان ممالک کے ارباب اقتدار کی آخری درجہ کی حماقت بھی ہے کہ جو لوگ بائبل کے معتقد نہیں ہیں ان سے بھی بائبل کی قسم لیتے ہیں، کسی سے بھی حلف ایسی چیز کی لینی چاہیے تھی جس کی عظمت اس کے دل میں ہو، ورنہ اس حلف کا وہ کیا خیال رکھے گا۔

البتہ اگر کوئی مسلمان کسی عیسائی ملک میں ممبر منتخب ہو، تو ان مصالح کے پیش نظر جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں تفصیل سے ہو چکا ہے بائبل پر ہاتھ رکھ کر کراہیت کے ساتھ حلف لے لے۔ دل میں اپنا عقیدہ پختہ رکھے کہ یہ کتاب محرف ہو چکی ہے، ایسا کرنے پر انشاء اللہ اسے گناہ نہیں ہوگا۔ رابطہ عالم اسلامی کی فقہ اکیڈمی نے عیسائی ملکوں کی عدالتوں میں بائبل پر حلف اٹھانے کے بارے میں جو تجویز منظور کی ہے، اس سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو جاتا ہے:

''إذا كان القضاء فى بلد ماحكمه غير اسلامى يوجب على من توجهت عليه اليمين وضع يده على التوراة والإنجيل أو كليهما، فعلى المسلم أن يطلب من المحكمة وضع يده على القرآن، فان لم يستجب لطلبه يعتبر مكرها ولا بأس عليه أن يضع يده عليهما أو على أحدهما دون أن ينوى بذلك تعظيما'' (منقول از جدید فقهی مسائل ۴۶۹/۱، ۴۷۰) (جب عدالت کسی غیر اسلامی ملک کی ہو جو جس پر یمین ہونا ہے اس پر توارت، انجیل یا دونوں پر ہاتھ رکھنے کو لازم قرار دیتی ہو تو مسلمان پر لازم ہے کہ عدالت سے مطالبہ کرے کہ وہ قرآن پر ہاتھ رکھے گا۔ اگر اس کی درخواست منظور نہ ہو تو اسے مکرہ مانا جائے گا اور اسے اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا کہ دونوں پر یا کسی ایک پر تعظیم کی نیت کئے بغیر ہاتھ رکھ دے)۔

(۷): سیکولر پارٹی میں شمولیت:

اوپر گزر چکا ہے کہ مسلمانوں کے مصالح اور مفادات کے پیش نظر، الیکشن میں ووٹ دینا اور امیدوار بننا جائز ہے،

حالانکہ آئین کی بہت سی دفعات اسلامی تعلیمات سے میل نہیں کھاتیں اور جن اداروں کے الیکشن میں شرکت کی بات ہو رہی ہے ان کے نام یعنی ''مجلس قانون ساز'' ہی سے شرک کی بو آ رہی ہے، لیکن ان خاص مجبوریوں کے تحت جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے، اھون البلیتین کو اختیار کرتے ہوئے الیکشن میں شرکت کی اجازت ہے، فقہ اکیڈمی اپنی تجویز میں بھی اس کی اجازت دے چکی ہے۔

اسی طرح اگر ایک پارٹی من حیث المجموع مسلمانوں کے لئے نسبتاً بہتر ہے، لیکن اس کے منشور کی بعض دفعات اسلامی ہدایات یا مسلمانوں کے مصالح سے مغایر ہیں اور مسلمانوں کے لئے اس پارٹی کا کوئی ایسا متبادل بھی موجود نہیں ہے، جس میں ایسی خرابی نہ ہو، تو زمانہ کے حالات کے پیش نظر اس پارٹی میں شامل ہونا، اس کا ٹکٹ لے کر الیکشن لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونا جائز ہوگا، البتہ دل میں ان دفعات کی قباحت اور شناخت کا عقیدہ رکھے اور عزم ہو کہ موقع ملنے پر ان دفعات کو ہٹانے کی کوشش کرے گا۔ یہ نہ ہو کہ پارٹی قائدین کی چاپلوسی میں ان دفعات کا دفاع شروع کر دے، جیسا کہ بہت سے بے دین مسلم لیڈران کی طرف سے ظاہر ہوتا رہتا ہے۔

اس شمولیت کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کئی موقعوں پر مسلمانوں کے مفاد کے لئے کفار سے معاہدے کیے، تاکہ ایک دوسرے کی مدد کر سکیں، جبکہ ظاہر ہے کہ عقائد میں وہ دوسرے کفار ہی کی طرح تھے، مثلاً سیرت ابن ہشام میں ہے:

''**ودخلت خزاعة فی عقد رسول الله ﷺ وعهده**'' (سیرت ابن هشام ۲/۳۹۰) (خزاعہ نبی کریم ﷺ کے عہد و پیمان میں داخل ہوئے)۔

سیرت ابن ہشام ہی میں یہودیوں سے بھی معاہدہ کا ذکر ہے: ''**هذا کتاب من محمد النبی ﷺ الخ**'' (ایضا ۱/۵۰۱)۔

کسی پارٹی میں شرکت بھی دراصل ایک دوسرے کی مدد کا معاہدہ ہی ہوتا ہے، پارٹی کو مسلم ووٹ کی ضرورت ہوتی ہے اور مسلمانوں کو اس پارٹی کے اقتدار میں آنے پر مسلم کاز کی حمایت درکار ہوتی ہے۔

لہٰذا مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ اس طرح کی پارٹی میں شمولیت اختیار کرنا شرعاً جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

غالباً اسی لئے فقہ اکیڈمی نے اپنے چودھویں سمینار میں ''مسلم و غیر مسلم تعلقات'' کے تحت یہ تجویز منظور کی:

''جمہوری سیکولر پارٹیوں سے ملی مفادات کے تحت معاہدے کئے جا سکتے ہیں'' (فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص: ۱۰۸)۔

(۸): مسلم دشمن پارٹی میں شمولیت:

جو پارٹیاں کھلم کھلا مسلمانوں کی دشمن ہیں، ان میں مسلمانوں کی شرکت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ پارٹیاں مسلمانوں کے خلاف ایجی ٹیشن چلاتی ہیں، قوانین پاس کرتی ہیں، ہر محاذ پر ان کو زیر اور پست حوصلہ کرنے کے در پہ رہتی ہیں، کوئی سیکولر پارٹی مسلمانوں کے مفاد کی کوئی بات بھی چلائے تو چراغ پا ہو جاتی ہیں اور اس کو مسلمانوں کی منہ بھرائی سے تعبیر کرتی ہیں۔ ہر دیندار مسلمان ان کو دہشت گرد اور اسلامی مدارس دہشت گردی کے اڈے نظر آتے ہیں۔ ان کے بارے میں بلا شک وشبہ یہ آیت صادق آتی ہے:

''**وقد بدت البغضاء من أفواههم وما تخفى صدورهم أكبر**'' (سورۂ آل عمران: ۱۱۸) (نکلی پڑتی ہے دشمنی ان کی زبان سے اور جو کچھ مخفی ہے ان کے جی میں وہ اس سے بہت زیادہ ہے)۔

اگر ان پارٹیوں کا بس چلے تو سارے مدارس بند کرا دیں، ہر داڑھی والے کو جیل میں ڈال دیں اور ہر مسلمان کو اس کے 'مول دھرم' میں واپس لے آئیں۔

لہٰذا ان پارٹیوں میں شرکت کرنا تعاون علی الاثم والعدوان ہونے کے ساتھ ساتھ ملی غیرت وحمیت کے بھی منافی ہے، بعض اوقات ان سے ملنے والے جزء کی فوائد ''إثمہ أکبر من نفعہ'' کے تحت آتے ہیں، اس لئے کہ مصالح عامہ کے مقابلہ میں جزء کی نفع کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

ان پارٹیوں میں شامل ہونے والے بعض بڑے مسلم ناموں سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے، کیونکہ یہ ان پارٹیوں کی سیاسی مجبوری ہے اور اس کے لئے بھی چن چن کر ایسے افراد لائے جاتے ہیں جو اسلام دشمن خیالات ظاہر کرنے میں دوسروں سے چار قدم آگے ہی ہوتے ہیں (الا ماشاء اللہ)۔

اسی لئے فقہ اکیڈمی کی ''مسلم غیر مسلم تعلقات'' کے موضوع پر پیش کی جانے والی تجاویز میں ہے:

''جن سیاسی جماعتوں نے اعلانیہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنی جماعت کا مقصد بنا لیا ہو، ان میں مسلمانوں کی شمولیت جائز نہیں اور ان کے کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی جائز نہیں ہے، خواہ وہ ذاتی طور پر نیک خصلت ہو' (فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص: ۱۰۸)۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ نہایت مناسب تجویز ہے اور ہم کو اسی پر عمل کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۹): علاحدہ مسلم پارٹی:

اوپر گزر چکا ہے کہ سیکولر پارٹیوں کا تعاون کرنا جائز ہے، دلائل اوپر گزر چکے ہیں، انہیں دلائل کے پیش نظر علاحدہ مسلم پارٹی کا قائم کرنا شرعاً ناجائز قرار نہیں دیا جاسکتا، البتہ اس پر یہ بحث ہوسکتی ہے کہ ایسا کرنا مسلمانوں کے مفاد میں ہوگا یا نہیں؟ اس کے بارے میں آراء مختلف ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ پر اتفاق رائے ہونا مشکل بھی ہے، بلاشبہ اگر ایک طاقتور مسلم پارٹی موجود ہو، خواہ اس کی سیٹیں محدود ہوں، لیکن لوگوں کو اندازہ ہوجائے کہ مسلم ووٹران کی طرف راغب ہیں، تو ہر سیکولر پارٹی اس مسلم پارٹی سے ہاتھ ملانے کے لئے بیتاب ہوجائے گی اور مسلمانوں کے ملی اور سماجی مصالح کی شرائط پر معاہدہ کرنے کو تیار ہوجائے گی۔

لیکن یہ المیہ ہی کہلائے گا کہ کیرل، آسام، اور شہر حیدرآباد کو چھوڑ کر کہیں بھی صحیح معنوں میں مسلم پارٹی کا قیام عمل میں نہیں آئے گا اور ہو بھی کیسے؟ کسی بھی پارٹی کو قائم کرنے کے لئے سخت میدانی محنت کی ضرورت ہوتی ہے، مسلسل کام کیے جائیں، لوگوں کا اعتبار حاصل کیا جائے، دسیوں سال کے بعد جب لوگ سمجھ لیں گے کہ یہ لوگ سنجیدگی سے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو آہستہ آہستہ ان کا کچھ ووٹ بینک بن سکتا ہے، جس سے مذکورہ بالا فوائد حاصل ہوسکتے ہیں۔

لیکن ہوتا یہ ہے کہ کچھ لوگوں کو عین الیکشن کے وقت مسلم پارٹی کے قیام کا خیال آتا ہے، زور وشور سے دورے کئے جاتے ہیں، بڑے بڑے دعوے کیے جاتے ہیں، فتح کا اتنا یقین ہوتا ہے کہ اندر اندر اعلیٰ حکومتی عہدے بھی تقسیم کر لئے جاتے ہیں، پھر جب نتائج ان کو صفر دکھاتے ہیں تو یہ افراد امت مسلمہ سے بالکل مایوس ہوجاتے ہیں اور اس کی بے شعوری کا رونا رو کر گوشۂ گم نامی میں گم ہوجاتے ہیں، پھر اگلے الیکشن میں دوسرے نام اسی جوش سے سامنے آتے ہیں، اس طرح کی صورت حال میں اگر مسلمان ان برساتی مسلم پارٹیوں سے بے التفاتی دکھاتے ہیں تو میرے نزدیک یہ ان کی بے شعوری نہیں ہے، اس سے تو ان کے گہرے سیاسی شعور اور پختگی کا احساس ہوتا ہے۔

سوال میں اس طرح کی پارٹیوں کی عدم افادیت بلکہ ان سے نقصان پہنچنے کی ایک خاص وجہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جہاں مسلمانوں کی آبادی مرتکز نہیں ہوتی ان پارٹیوں کے سبب مسلم مخالف ووٹ متحد ہوجاتا ہے اور مسلم دشمن پارٹیاں کامیاب ہوجاتی ہیں۔

ان کا دوسرا نقصان ان علاقوں میں بھی دیکھنے میں آتا ہے جہاں مسلمانوں کی اکثریت یا غلبہ ہوتا ہے، وہاں اس طرح کی پارٹیوں کے میدان میں آجانے سے مسلم (اور سیکولر) ووٹ بکھر جاتے ہیں اور دشمن پالا مارلے جاتے ہیں، لہٰذا ذاتی طور پر میری رائے یہ ہے کہ موجودہ حالات میں مسلم پارٹیوں کا قیام ملت کے لئے مفید نہیں ہے، اس سے گریز ہی مناسب

ہے، پارٹی قائم بھی کی جائے، تو الیکشن سے اس وقت تک دوری اختیار کی جائے جب تک امت کا اعتبار نہ حاصل ہو جائے، اگر بیسیوں سال سماجی کام کیے جائیں، مسلم سماج میں جڑیں مضبوط ہو جائیں، تو الیکشن میں شرکت کیے بغیر بھی پارٹی کا اپنا اثر ہوگا اور ارباب اختیار کے لئے اس کی بات کا نظر انداز کرنا مشکل ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ امام کے تصرفات مصالح کے تابع ہونا چاہئے، چنانچہ الاشباہ والنظائر میں قواعد کی دوسری نوع کے قاعدہ ۵ میں ہے: " **تصرف الامام علی الرعیة منوط بالمصلحة** " (الاشباہ لابن نجیم، ص: ۴۰۸ مکتبہ فقیہ الامت دیوبند)۔

میرے خیال سے اجتماعی کام کرنے میں بھی اس شرط کا خیال رکھنا ضروری ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ کہ موجودہ حالات میں (ہندوستان جیسے مسلم اقلیتی ممالک میں) مسلم سیاسی پارٹی کا قائم کرنا خلاف مصلحت معلوم ہوتا ہے، ملت کا مفاد اس سے احتراز میں ہے، البتہ سیاسی پارٹی کا مطلب یہ ہو کہ سماجی کام کئے جائیں، مسلم مسائل حل کرنے کی کوشش کی جائے، لیکن الیکشن سے بچا جائے جیسا کہ جمعیۃ العلماء یا علماء کونسل کرتی ہے تو انشاء اللہ ایسی پارٹی امت کے لئے مفید ہوگی، اس تفصیل کے باوجود میری رائے میں اس مسئلہ پر حتمی رائے ظاہر کرنا نامناسب ہے، یہ مسئلہ پوری طرح مصالح کے تابع ہے جس میں تبدیلیاں ہو سکتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۱۰): الیکشن میں خواتین کی شرکت:

عورتوں کے لئے پہلے درجہ کا اصل حکم یہ ہے کہ گھر کی بن کر گھر کے اندر رہیں، بلاضرورت باہر نہ نکلیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"**وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى**" (سورۃ الاحزاب: ۳۳) (اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھلاتی نہ پھرو جیسا کہ دکھانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں)۔

مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں:

"جو احکام ان آیات میں ...... بیان کئے گئے تمام عورتوں کے لئے ہیں، ازواج مطہرات کے حق میں چونکہ ان کو اہتمام زائد تھا، اس لئے لفظوں میں خصوصیت کے ساتھ مخاطب ان کو بنایا گیا"۔

اور حدیث شریف میں ارشاد ہے:

"**المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشيطان**" (ترمذی، کتاب الرضاع، باب استشراف الشيطان المرأة إذا خرجت، ص: ۱۱۷۳) (عورت پوری کی پوری واجب الستر ہے، چنانچہ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان تانک جھانک کرتا ہے)۔

اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ الیکشن میں کسی بھی اعتبار سے حصہ لینے پر گھر سے باہر نکلنا پڑے گا۔ البتہ صرف ووٹ دینے کے لئے نکلنا ہو تو اس کا دورانیہ چونکہ مختصر ہوتا ہے، لہٰذا عورت اپنے شوہر یا کسی محرم کے ساتھ جا کر پردہ کے ساتھ بھی اس کام کو انجام دے سکتی ہے، لہٰذا اگر ووٹ دینے میں مصلحت اور منفعت سمجھی جا رہی ہو تو اس کی گنجائش ہوگی، لیکن ووٹ دینے بھی تنہا نہ جائے، اس لئے کہ بعض اوقات ایسے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں کہ اسے سخت پریشانی ہو سکتی ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ووٹ دینا امور سلطنت سے متعلق چیز ہے جس میں عورتوں کا کوئی حصہ نہیں ہونا چاہئے، ان کی بات مسلم ممالک کے لئے ممکن ہے صحیح ہو، لیکن ہندوستان جیسے ممالک میں جہاں عوام کالانعام کو بھی کسی عالم فاضل اور گریجویٹ کی طرح ووٹ کا حق حاصل ہے، مسلم عورت کو اس سے روکنا خلاف مصلحت ہے۔

اور جہاں تک نمائندہ بننے اور قانون ساز اداروں کی ممبرشپ حاصل کرنے کا سوال ہے تو تجربہ یہ بتاتا ہے کہ اوپر بیان کردہ ہدایات کو ترک کئے بغیر اس میدان میں کامیابی پانا ناممکن ہے، میرے علم میں ایسی خواتین نہیں ہیں جنہوں نے ان اداروں کی ممبری کے بعد بھی پردہ قائم رکھا ہو۔

ہندوستانی حکومت پارلیمنٹ اور اسمبلی کی نشستوں میں بھی خواتین کے لئے ریزرویشن لانا چاہتی ہے، لیکن اس کا بل ابھی تک پاس نہیں ہو سکا ہے، جہاں تک بلدیاتی اور پنچایتی سطح کے اداروں کا تعلق ہے تو وہاں ریزرویشن دیا جا چکا ہے۔ ان میں جو خواتین کامیاب ہوتی ہیں، اکثر تو صرف ان کا نام رہتا ہے، پورا کام ان کے شوہر یا کوئی دوسرا متعلق کرتا ہے، بہت کم ہی جگہ صحیح معنوں میں عورتیں فعال ہیں، لیکن جو فعال ہیں وہ پردہ کو خیرباد کہہ چکی ہیں، جو نام نہاد ہیں، ان کے گھروں سے بھی غیر محسوس طریقہ سے حیاء رخصت ہو رہی ہے، کثرت سے شریف گھرانوں کی باپردہ خواتین کے فوٹو انتخابی مہم کے دوران دیواروں پر چسپاں نظر آئے، جبکہ پہلے ان کا نام بھی باہر جانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

مندرجہ بالا حقائق کے پیش نظر عورتوں کے لئے نمائندہ بننے کا جواز کچھ شرائط پر موقوف ہوگا، یہ شرائط پوری نہ ہو سکیں تو عورتوں کا نمائندہ بننا خلاف شریعت ہوگا:

۱-شرعی پردہ کی مکمل رعایت ہو۔

۲-ولی یا شوہر نے اجازت دی ہو۔

۳-باہر نکلتے وقت جاذب نظر لباس اور خوشبو وغیرہ سے پرہیز کیا جائے، ان شرائط کے دلائل اوپر گزر چکے ہیں۔

۴-پارلیمنٹ، اسمبلی یا کسی اور جگہ جانا ہو اور وہ سفر کی مسافت پر ہو تو شوہر یا ولی ساتھ ہو۔

۵-مردوں کے اختلاط سے پرہیز کیا جائے اور تنہائی کی نوبت تو قطعاً نہ آنی چاہیے، ان آخری دو شرطوں کی دلیل یہ

حدیث ہے: **عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: "لا يخلون رجل بامرأة ولا تسافرن امرأة إلا ومعها محرم"** (بخاری، کتاب النکاح، باب لایخلون رجل بامرأة الاذورحم : ۵۲۳۳، مسلم کتاب الحج باب سفر المرأة مع محرم : ۴۴۲) (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا: کوئی مردکسی عورت سے ہرگز تنہائی اختیار نہ کرے اور محرم کے بغیر کوئی عورت ہرگز سفر نہ کرے)۔

میرے خیال سے جب عورت برائے نام نمائندہ ہو، پورا کام مرد کو کرنا ہو تب تو یہ شرائط پوری ہوسکتی ہیں، اس لئے کہ صرف خاص خاص موقعوں پر اصل نمائندہ کی ضرورت پڑے گی، جہاں یہ شرائط ممکن ہے پوری ہوجائیں، اسمبلی اور پارلیمنٹ کی ممبری میں یہ ممکن نہیں ہے کہ نمائندہ بننے والی عورت کا کام اس کا شوہر کرسکے، لہٰذا ان شرائط کا حصول ناممکن ہے اور شرائط نہ پائے جانے کے سبب وہاں اجازت بھی نہیں ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ مندرجہ بالاشرائط کے پائے جانے پر عورت کے لئے نمائندہ بننا جائز ہوگا،لیکن جب تک خاص حالات نہ ہوں، امت کے مصالح فوت نہ ہوتے ہیں اس وقت تک شرائط پائے جانے پر بھی اس کا نمائندہ بننا خلاف اولیٰ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

الیکشن سے مربوط مسائل

مولانا نورالحق رحمانی☆

تمہید:

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اپنے بائیسویں فقہی سیمینار کے لئے جن موضوعات کا انتخاب کیا ہے ان میں ''الیکشن سے مربوط شرعی مسائل'' کا موضوع خاص اہمیت کا حامل ہے۔ جیسا کہ سوال نامہ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ یہ مسئلہ ان مسلمانوں کے لئے بھی اہمیت رکھتا ہے جو کسی مسلمان ملک میں بستے ہوں اور ان مسلمانوں کے لئے بھی اہمیت رکھتا ہے جو اقلیت کی حیثیت سے کسی خطہ میں مقیم ہوں۔ اس وقت دنیا کے بیشتر ممالک میں جمہوری نظام حکومت قائم ہے، خواہ وہ مسلم ممالک ہوں یا غیر مسلم۔ وہاں عوامی رائے اور الیکشن کے ذریعہ حکمرانوں کا انتخاب ہوتا ہے اور حکومتیں تشکیل پاتی ہیں۔

جمہوری نظام حکومت میں اگر کچھ خوبیاں ہیں تو کچھ خامیاں بھی ہیں۔ اس کے بعض اصول اسلام کے طرز حکمرانی سے بہت قریب ہیں تو بعض اسلامی تعلیمات کے مغائر بھی ہیں۔ اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ جمہوری ممالک میں الیکشن کے موجودہ طریقہ کار میں بہت سے شرعی مفاسد شامل ہوگئے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ ہر پہلو سے اس مسئلہ کا جائزہ لے کر مسلمانوں کے لئے وہ راہ عمل متعین کی جائے جو شریعت کی روح اور مزاج سے زیادہ قریب ہو اور جن میں شرعی مفاسد کم سے کم ہوں۔

ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اگر وہ الیکشن سے بے تعلق ہوجائیں اور اپنے حق رائے دہی کا استعمال نہ کریں تو جیسا کہ سوال نامہ میں وضاحت کی گئی ہے اس سے ان کو غیر معمولی نقصان پہنچ سکتا ہے اور ان کے مفادات پر ضرب کاری لگ سکتی ہے۔ اسی بناء پر بعض وہ مسلم جماعتیں جو پہلے اس کی بالکلیہ روادار نہیں تھیں کہ مسلمان ہندوستان جیسے کسی غیر اسلامی ملک میں جس کا دستور وآئین کتاب وسنت سے منحرف ہو الیکشن میں حصہ لیں، یا کسی بھی پارٹی کی طرف سے نمائندہ بن کر کھڑے ہوں۔ موجودہ حالات وتجربات کی روشنی میں اور اس کے انجام وعواقب پر غور کرنے کے

☆ استاذ المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

بعد انہوں نے اپنی پالیسی تبدیل کی اور نہ صرف الیکشن میں شرکت کرنے اور ووٹ دینے کے جواز کا فتوی دیا بلکہ اپنے امیدوار بھی کھڑے کئے۔ اس لئے اس ملک کے مسلمانوں کے لئے انتخابات میں حصہ لینا اور ووٹ کا استعمال کرنا اپنی تہذیبی شناخت اور ملی تشخص کی حفاظت کے لئے نہایت ضروری ہے۔ ملک کے بعض وہ علاقے جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں یا ان کی معتد بہ تعداد ہے ان میں مسلم امیدوار ہی زیادہ کامیاب ہوتے ہیں اور مجموعی لحاظ سے چونکہ ان کی تعداد اس ملک میں بیس فیصد ہے، اتنی بڑی اقلیت کو کسی قیمت پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ حکومتوں کے بدلنے اور کسی پارٹی کو برسراقتدار لانے میں مسلمانوں کے ووٹ کی بڑی اہمیت ہے اور بعض دفعہ ان کا ووٹ فیصلہ کن ہوتا ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ مسلمان اپنے ووٹ کی قدر و قیمت کو سمجھیں، باہم متحد رہیں، الیکشن کے موقع پر عقل وشعور سے کام لیں اور ذاتی مفاد پر ملت کے اجتماعی مفاد کو ترجیح دیں اور اپنے ووٹ کو بٹنے اور ضائع ہونے سے بچائیں۔

۱-ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم سوالات کے جواب کی طرف رخ کرتے ہیں۔ چونکہ سوال نامہ میں کتاب وسنت اور فقہاء سلف کے اجتہادات کے ساتھ معاصر اہل علم کی آراء کو بھی پیش نظر رکھ کر جواب دینے کی ہدایت کی گئی ہے، اس لئے کتاب وسنت کے نصوص کے ساتھ بعض معاصر علماء کی تحریروں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ سابق مفتی اعظم ہند اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان کے فتاوی سے۔ مؤخر الذکر نے جواہر الفقہ کی دوسری جلد میں اس مسئلہ پر اچھی روشنی ڈالی ہے۔ بعد کے علماء کرام نے زیادہ تر اسی کو بنیاد بنایا ہے اور اس پر کچھ اضافہ بھی کیا ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے ووٹ کو شہادت، سفارش، اور وکالت قرار دیا ہے اور اس پر ان تینوں چیزوں کے احکام جاری کئے ہیں، دیگر علماء ومفتیان کرام کے نزدیک بھی یہ باتیں تقریباً مسلم ہیں۔ دلائل کی روشنی میں اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

شہادت: پنچایت کی سطح سے لے کر اسمبلی اور پارلیامنٹ کی سطح تک جو امیدوار کھڑے ہوتے ہیں، ووٹرس اپنی صوابدید کی بنیاد پر ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرتے ہیں اور یہ شہادت دیتے ہیں کہ فلاں امیدوار مجموعی طور پر اپنی لیاقت وصلاحیت کے لحاظ سے اس منصب کا زیادہ اہل اور مستحق ہے۔ اب اگر کوئی شخص کسی بہتر امیدوار کے ہوتے ہوئے کسی ایسے شخص کو ووٹ دیتا ہے جو اہلیت وصلاحیت کے لحاظ سے تو ٹھیک ہے مگر پہلے کے مقابلے میں کمتر اور فروتر ہے تو وہ خیانت اور فعل حرام کا مرتکب ہوتا ہے اور یہ ایک جھوٹی شہادت ہے جسے سات ہلاک کرنے والے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔ یہ

خیانت اس لئے ہے کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ **من قلّد إنساناً عملاً وفی رعیته من هو أولی فقد خان الله ورسوله وجماعة المسلمین** (حاشیۃ ردالمحتار للشامی ۴/ ۴۲۳، البحر الرائق) یعنی اگر کوئی شخص کسی انسان کو کوئی ذمہ داری سپرد کرے جبکہ اس کی رعایا میں اس سے بہتر آدمی موجود ہو تو گویا اس نے اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ خیانت کی۔

اس سے پتہ چلا کہ جب دو آدمی اہل اور باصلاحیت موجود ہوں اور ان دونوں میں کام کرنے کی اور ملک وملت اور انسانیت کی خدمت کی اہلیت وصلاحیت موجود ہو، لیکن ان دونوں میں سے ایک دوسرے کے مقابلے میں فائق اور برتر ہو تو افضل کو چھوڑ کر مفضول اور برتر کو چھوڑ کر فروتر کو کسی اجتماعی خدمت کے لئے منتخب کرنا خیانت اور جھوٹی شہادت ہے۔ جس کا گناہ اور وبال شرک کے برابر ہے، اس سے یہ بات خود واضح ہوگئی کہ کسی عہدے پر نااہل، خائن، بدکردار، بدقماش، خودغرض، لالچی، ظالم، مجرم اور اخلاق وانسانیت سے عاری شخص کو ووٹ دے کر فائز کرنا کتنا بڑا گناہ ہوگا اور کیا کسی مومن سے اس کا تصور کیا جاسکتا ہے؟ پھر اس منصب پر فائز ہوکر وہ جو لوٹ کھسوٹ کرے گا، اپنے عہدے کا جتنا بے جا استعمال کرے گا، لوگوں پر ظلم وستم ڈھائے گا اور پبلک اور رعایا کا جتنا استحصال کرے گا اور ان کے حقوق تلف کرے گا ان سب کا گناہ اسے اور ووٹ دینے والوں اور منتخب کرنے والوں کو بھی ہوگا۔

بہرحال جب ووٹ کی حیثیت شہادت کی ہوگئی تو اس پر شہادت کے تمام احکام جاری ہوں گے۔ شہادت سے متعلق اور بہت سے احکام ہیں، مثلاً شہادت کے سلسلے میں شرعی حکم یہ بھی ہے کہ جب شہادت کے لئے بلایا جائے تو شاہد انکار نہ کرے بلکہ عدالت میں حاضر ہوکر گواہی دے۔ ارشاد باری ہے: ”**ولا یأب الشهداء إذا ما دعوا**“ (البقرۃ: ۲۸۲)۔

ووٹ کے سلسلے میں یہ مسئلہ ہے کہ سرکار ہر علاقہ اور حلقہ کی پبلک اور جنتا کو کسی رسمی عدالت میں تو نہیں بلا رہی ہے، البتہ جس حلقہ میں جتنے امیدوار کھڑے ہوئے ہیں ان کے بارے میں ان سے رائے طلب کی جارہی ہے کہ وہ سرکار کی طرف سے منتخب کردہ کسی مقام یا ادارے میں حاضر ہوکر ووٹ ڈالیں کہ ان سب میں اس عہدہ کا زیادہ حقدار اور اہل کون ہے، تاکہ سرکار اکثریت کی رائے پر فیصلہ کرکے کسی امیدوار کو منتخب کرے، اس لئے ووٹ دینے والے کو چاہیے کہ وہ اپنی رائے اور علم ودانست اور تجربہ کی بنیاد پر جسے سب سے افضل سمجھ رہا ہے اس کے حق میں ووٹ ڈالے۔ لہذا بلا کسی معقول عذر کے ووٹ نہ دینا بھی اس آیت کی رو سے جائز نہ ہوگا، اس لئے اس صورت میں اس بات کا خطرہ ہے کہ اچھے افراد کے آگے نہ بڑھنے اور ووٹ نہ دینے کی وجہ سے مستحق امیدوار پیچھے رہ جائے اور نااہل کامیاب ہوجائے۔

شہادت سے متعلق تیسرا حکم یہ ہے کہ اسے چھپانا حرام اور کتمان حق ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔ ارشاد باری ہے:

ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه (البقرہ:۲۸۳)۔

لہذا بلا کسی عذر کے ووٹ نہ دینا گویا حق کو چھپانا ہے جو بڑا گناہ تو ہے ہی لیکن اسی کے ساتھ یہ کبھی ایسی سنگین غلطی بھی ہوسکتی ہے جس کا خمیازہ پورے ملک وملت کو بھگتنا پڑے کہ غلط آدمی کے انتخاب کی بنیاد پر وہ ایک عرصہ تک قوم کی گردن پر مسلط رہ کر ان کا استحصال کرتا رہے اور اپنا الو سیدھا کرتا رہے۔

ووٹ دینا جب شہادت ہے تو شہادت کو انصاف کے ساتھ اللہ کے لئے قائم کرنے کا حکم ہے، چاہے یہ شہادت والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔اس سلسلے میں کسی کی بیجا رعایت نہیں کی جاسکتی۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **يا أيها الذين آمنوا كونوا قوامين بالقسط شهداء لله ولو على أنفسكم أو الوالدين والأقربين إن يكن غنياً أو فقيراً فالله أولى بهما فلا تتبعوا الهوى أن تعدلوا** (النساء:۱۳۵)۔

اس لئے شہادت کی طرح ووٹ میں بھی یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ کون ہمارا رشتہ دار اور صاحب تعلق ہے، جو شہادت اللہ کے لئے ہوگی وہ عدل وانصاف پر مبنی ہوگی۔اس میں کسی ذاتی مصلحت اور مادی منفعت کی بنیاد پر انصاف کا خون نہیں کیا جائے گا اور نااہل کو اہل پر ترجیح نہیں دی جائے گی، نیز حکم الہی ہے کہ شہادت اللہ کے لئے قائم کرو۔ **وأقيموا الشهادة لله ذلكم يوعظ به من كان منكم يؤمن بالله واليوم الآخر** (الطلاق:۲)۔

سفارش: ووٹ کی دوسری حیثیت علماء کے نزدیک سفارش کی ہے۔یعنی ووٹ دینے والا اس کی سفارش کرتا ہے کہ فلاں شخص کو حکومتی سطح پر اس علاقہ اور حلقہ کا نمائندہ منتخب کیا جائے۔اب اگر ووٹر اس سفارش میں سچا ہے اور واقعی وہ امیدوار اس کی نظر میں اس حلقہ کے تمام امیدواروں میں سب سے اچھا ہے تو یہ سفارش درست ہے اور وہ اس پر اجروثواب کا مستحق ہوگا، لیکن اگر اچھے امیدوار کو چھوڑ کر اس سے کمتر شخص کو ووٹ دیتا ہے تو یہ غلط سفارش ہے جس کی بنیاد پر وہ معصیت اور خیانت کا مرتکب ہوگا۔ارشاد باری ہے: **من يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها ومن يشفع شفاعة سيئة يكن له كفل منها** (النساء:۸۵)۔

جو شخص کسی بھلے کام کی سفارش کرے اسے بھی اس کا کچھ حصہ ملے گا اور جو بدی کی سفارش کرے اس کے لئے بھی اس میں سے ایک حصہ ہے۔

بہرحال ووٹر کی ذمہ داری ہے کہ وہ لائق، اہل، دیانت دار اور صاحب کردار امیدوار کی سفارش کرے اور اسے ووٹ دے کر کامیاب بنائے تاکہ وہ ملک اور عوام دونوں کے لئے مفید ہو۔

وکالت: علماء کرام کی تحقیق اور فتوی کی رو سے ووٹ کی تیسری حیثیت وکالت کی ہے۔گویا ہر ووٹر کسی امیدوار کو اپنا

اور اپنی قوم کا وکیل اور نمائندہ نامزد کرتا ہے کہ وہ اس حلقے کی سرکار کے یہاں وکالت اور نمائندگی کرے اور حکومت اور عوام کے درمیان واسطہ بن کر عوام کے مسائل حکومت تک پہنچائے اور حکومت ہر علاقے میں رعایا کی فلاح و بہبود اور ترقی وخوشحالی کے لئے جو تعلیمی ،تعمیری اور رفاہی خدمات انجام دینا چاہتی ہے اس نمائندے اور وکیل کے ذریعہ اس کی تنفیذ عمل میں آئے۔ دوسری طرف حکومت کی تشکیل اور اس کے کلیدی عہدوں پر اہل افراد اور انسانیت کی خدمت کے جذبے سے معمور اشخاص کو فائز کرنے کی کوشش کرے۔ایک وکالت شخصی ہوتی ہے،یعنی مؤکل اپنے کسی نجی اور شخصی کام کے لئے کسی کو اپنا وکیل بناتا ہے، جس کا نفع ونقصان اس کی ذات تک محدود ہوتا ہے،لیکن ایک وکالت عمومی نوعیت کی ہوتی ہے جس سے بہت سارے افراد بلکہ پوری قوم کا تعلق ہوتا ہے،یعنی سیاسی اور سماجی مسائل کے لئے کسی کو وکیل منتخب کیا جانا جس کا نفع وضرر عام لوگوں تک متعدی ہوتا ہے، اس لئے اگر کسی ایسی خدمت اور کام کے لئے جس میں ووٹر کے ساتھ تمام لوگ شریک ہوں کسی نااہل کو وکیل منتخب کرلیا جائے تو اس سے پوری قوم کے حقوق پامال اور اس کے مصالح فوت ہوں گے اور اس غلط انتخاب کا خمیازہ سب کو بھگتنا پڑے گا، اس لئے ایسے نااہل، خائن، مجرم اور ظالم لوگوں کو وکیل منتخب کرنے والے بھی ظالم اور مجرم قرار پائیں گے اور ایسے لوگ جتنے مظالم ڈھائیں گے اس کے گناہ میں یہ سب لوگ بھی برابر کے شریک ہوں گے۔

معاصر علماء میں جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا جو معاصر علماء میں اپنے علم وتفقہ کے لحاظ سے ممتاز ہیں اور جنہوں نے جدید فقہی مسائل کو خاص طور پر اپنی توجہ اور بحث وتحقیق کا موضوع بنایا ہے، انہوں نے بھی اپنی کتاب میں ''ووٹ کی شرعی حیثیت'' کے عنوان سے ان ہی خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔البتہ اس میں انہوں نے اس کا اضافہ فرمایا ہے کہ ووٹ کی حیثیت مشورہ کی ہے۔گویا حکومت ہر حلقہ کے عوام سے مشورہ لینا چاہتی ہے کہ اس حلقہ سے جو امیدوار کھڑے ہوئے ہیں ان میں سب سے زیادہ اس عہدہ کا اہل کون ہے؟ اور المستشار مؤتمن (حدیث) یعنی جس سے مشورہ طلب کیا جائے اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسے امانت سمجھ کر بالکل صحیح مشورہ دے،حق کے خلاف اور ضمیر کے خلاف مشورہ دینا حرام ہے، اس لئے اس میں حق وصداقت کا پاس ولحاظ رکھنا لازم ہوگا، اس کے خلاف کرنا گناہ کبیرہ ہوگا۔

۲-اگر ووٹ شہادت کے درجہ میں ہے تو اس کا حکم شرعی کیا ہوگا؟ ووٹ دینا صرف جائز ہوگا یا مستحب یا واجب؟

اس کا جواب ووٹ کی شرعی حیثیت کے ذیل میں گذر چکا۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ووٹ دینا شہادت قرار پایا تو اس پر شہادت کے جملہ احکام جاری ہوں گے، لہذا جس طرح شہادت کی ادائیگی کے لئے بلایا جائے تو شہادت دینا واجب ہے، انکار کرنا، شہادت کو چھپانا یا جھوٹی شہادت دینا حرام ہے، اسی طرح ووٹ دینے کے لئے بلایا جائے تو اس پر لبیک کہنا اور

ووٹ دینا واجب ہوگا۔اس سے بلا عذر انکار کرنا اورحق وصداقت اورضمیر کے خلاف ووٹ کا استعمال کرنا گناہ کبیرہ ہوگا،اس لحاظ سے کہ ووٹ ہندوستان جیسے جمہوری ملک کے لئے بڑی طاقت ہے کہ اس کے ذریعہ حکومت کو بدلا جاتا ہے،کسی حکمراں پارٹی کی کارکردگی صحیح نہ ہواوراس کی حکومت سے عوام مطمئن نہ ہوں تو اگلے الیکشن میں اسے بدل کر دوسری پارٹی کو برسر اقتدار لایا جاسکتا ہے،اسی طرح پنچایت کے مکھیا اورسرپنچ سے لے کر اسمبلی،حکومت کے قانون ساز ادارے اور پارلیامنٹ تک کے ممبران وارکان کو ہٹایا جاسکتا ہے،اس لئے اس میں مسلمانوں کو حصہ لینا ضروری ہے۔اس کے بغیر ان کے مذہبی تشخص، سیاسی قوت اور ملی مفادات ومصالح کا تحفظ مشکل ہے۔مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ نہ لینا مسلم دشمن طاقتوں اورفرقہ پرست عناصر کوتقویت پہنچانا اوران کے اسلام مخالف منصوبوں اور سازشوں کو کامیاب کرنا ہے جو انہیں ووٹ کے حق سے محروم کرنا چاہتے ہیں جوخودکشی کے مترادف ہے۔

لہذا اس کی حیثیت واجب کی ہوگی،لیکن اسے نماز،روزہ کی طرح فرض عین نہیں قرار دیا جاسکتا بلکہ عام حالات میں واجب کفایہ کی ہوگی کہ اگر اتنی تعداد میں لوگ ووٹ دیں کہ اس سے مسلمانوں کا مقصد حاصل ہوجائے اور کچھ لوگوں کے ووٹ نہ دینے سے ملی مفادات فوت نہ ہوں تو نہ دینے والوں کوترک واجب کا گناہ نہ ہوگا۔ہاں جس حلقہ میں سخت مقابلہ آرائی ہواوردشمن طاقتوں کے برسر اقتدار آجانے کا خطرہ ہوتو ایسے موقع پر مسلمانوں کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ سب متحد ہوکر ووٹ دیں اورفرقہ پرست عناصر کو ناکام بنائیں۔

۳-الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا حکم؟

جہاں تک کسی الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا مسئلہ ہےتو اصولی طور پر عام حالات میں شرعی نقطہ نظر سے کوئی عہدہ طلب کرنا اوراپنے آپ کو کسی منصب کے لئے پیش کرنا جائز نہیں ہے۔احادیث میں اس کی صریح ممانعت وارد ہوئی ہے۔احادیث کی کتابوں میں ایک مستقل باب ہے"باب النهی عن طلب الإمارة والحرص علیها"

عن عبد الرحمن بن سمرة رضی الله تعالی عنه قال: قال رسول الله ﷺ: یا عبد الرحمن ! لاتسأل الإمارة، فإنک إن أعطیتها عن مسألة وکلت إلیها، وإن أعطیتها عن غیر مسألة أعنت علیها (صحیح مسلم، باب النهی عن طلب الإمارة)۔

(حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عبدالرحمٰن! حکومت طلب نہ کرو، کیونکہ اگر وہ تمہیں طلب سے ملے گی تو تم اس کے سپرد کردیئے جاؤگے (یعنی اللہ کی مدد سے محروم رہوگے) اوراگر

بغیر طلب کے ملے گی تو اس پر (اللہ کی طرف سے) تمہاری مدد کی جائے گی)۔

عن أبی موسی رضی الله عنه قال: دخلت علی النبی ﷺ أنا ورجلان من بنی عمی، فقال أحد الرجلین: یا رسول الله ! أمّرنا علی بعض ماولّاک الله عزوجل، وقال الآخر مثل ذلک ، فقال : إنا والله لا نولی علی هذا العمل أحداً سأله ولا أحداً حرص علیه (حوالہ سابق)۔

(حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے دو چچازاد بھائی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں سے ایک نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ عزوجل نے آپ کو جو حکومت عطا فرمائی ہے اس میں سے مجھے کسی حصہ کا امیر بنادیجیے، پھر دوسرے نے بھی ایسا ہی کہا تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم، ہم اس کام کا کسی ایسے شخص کو ذمہ دار نہیں بناتے جو اس کی درخواست کرے اور نہ کسی ایسے شخص کو جو اس کی حرص کرے)۔

عن أبی ذر رضی الله تعالی عنه قال: قلت : یا رسول الله ! ألا تستعملنی؟ قال، فضرب بیده علی منکبی، ثم قال: یاأباذر! إنک ضعیف وإنها أمانة وإنها یوم القیامة خزی وندامة إلا من أخذها بحقها وأدی الذی علیه فیها (صحیح مسلم، کتاب الإمارۃ، باب کراهیة الإمارۃ بغیر ضرورۃ)۔

(حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ مجھے خدمت نہیں دیتے؟ تو آپ نے اپنا دست مبارک میرے مونڈھے پر مارا اور فرمایا: اے ابوذر! تم کمزور ہو اور یہ امانت ہے (یعنی اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق سب حاکم کو ادا کرنے پڑتے ہیں) اور قیامت کے دن خدمت اور حکومت سے سوائے رسوائی اور شرمندگی کے کچھ حاصل نہیں، مگر جو اس کا حق ادا کرے اور راستی سے کام لے)۔

عن أبی ذر رضی الله تعالی عنه أن رسول الله ﷺ قال : یاأباذر! إنی أراک ضعیفاً وإنی أحب لک ما أحب لنفسی ،لاتأمّرنّ علی اثنین ولا تولّینّ مال یتیم (حوالہ سابق)۔

(حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! میں تم کو کمزور پاتا ہوں۔ میں تمہارے لئے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں، تم دو آدمی کے بھی حاکم اور امیر نہ بنو، اور نہ یتیم کے مال کے ذمہ دار بنو)۔

اسی طرح عہدۂ قضاء جو حکومت اور سرداری کے ہی ذیل میں آتا ہے اور جس سے لوگوں پر اختیارات اور لوگوں کے بیچ وجاہت اور مقبولیت حاصل ہوتی ہے اس کے طلب کرنے کو بھی شریعت میں ممنوع قرار دیا گیا ہے (دیکھئے بدائع الصنائع، درمختار ۴/۴۲۵)۔

چنانچہ خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من سأل القضاء وكل إلى نفسه، ومن أجبر إليه ينزل عليه ملک يسدده (ابوداؤد، ترمذی)۔

یعنی جو شخص خود درخواست کر کے عہدۂ قضاء حاصل کرے گا تو اس عہدہ کی ذمہ داری اسی پر آپڑے گی اور جسے (طلب اور خواہش کے بغیر) یہ عہدہ ملے گا اس پر ایک فرشتہ نازل ہوگا جو اسے سیدھی راہ پر قائم رکھے گا۔

ان احادیث کی بنیاد پر شرعی نقطۂ نظر سے حکومت، وزارت، عہدۂ قضاء یا اور کسی منصب کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا اور اس کی درخواست کرنا درست نہیں ہے۔ جو شخص کوئی عہدہ طلب کرے اسے اس پر مقرر کرنا امیر اور خلیفہ کے لئے درست نہیں ہے۔

ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے دن تمام امراء وحکام زنجیروں سے جکڑے ہوئے اللہ کی عدالت میں حاضر ہوں گے۔ اس قید اور بیڑی سے صرف ان ہی لوگوں کو نجات ملے گی جنہوں نے اللہ کے بندوں کے درمیان عدل وانصاف سے حکومت کی ہوگی اور اس منصب کا حق ادا کیا ہوگا۔ باقی لوگ اسی قید وبند کے ساتھ جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ جو شخص قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا (ترمذی، ابوداؤد)۔

امارت وحکومت اور عہدوں کے حصول کے سلسلے میں یہ وعیدیں اس لئے آئی ہیں کہ حکمرانی اور سرداری کے ذریعہ حب جاہ کی تکمیل ہوتی ہے، لوگوں کے بیچ انہیں اپنا قد وقامت بلند نظر آتا ہے، بالعموم اس کی وجہ سے انسان تکبر اور انانیت میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ دوسروں کو کمتر سمجھتا ہے، اپنے مخالفین سے انتقام لیتا ہے، بلکہ بسا اوقات انہیں ظلم وستم کا نشانہ بناتا ہے اور اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرتا ہے اور ان سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس لئے اسے پسندیدہ قرار نہیں دیا گیا تاکہ اس کی وجہ سے انسان کی آخرت تباہ نہ ہو۔

لیکن اگر سب لوگ اس سے کنارہ کش ہوجائیں تو پھر حکومت کا نظام کیسے چلے؟ اس لئے ان وعیدوں کا مقصد یہ ہے کہ ہر کس وناکس اس خدمت کے لئے آگے نہ بڑھے، لوگوں کے درمیان اس سلسلے میں رسہ کشی اور ٹکراؤ نہ ہو، بلکہ لوگ اپنی عاقبت کی فکر کرتے ہوئے اس سے دور بھاگیں اور صرف ان ہی لوگوں کو کوئی منصب اور ذمہ داری سپرد کی جائے جو اس کے اہل ہوں۔ دوسری طرف عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کرنے اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ انصاف ور حکمراں قیامت کے دن عرش الٰہی کے سایہ میں ہوگا اور حاکم کے اپنی رعایا کے درمیان بیٹھ کر عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کو سالہا سال کی عبادت سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ فقہاء نے اس کی بھی صراحت کی ہے کہ اگر اہل افراد کے فقدان کی وجہ سے کسی پر عہدۂ قضاء متعین ہوجائے اور ناگزیر ضرورت بن جائے اور اس سے اعراض کی صورت میں اس کا

خطرہ ہو کہ یہ عہدہ نااہل افراد کے ہاتھ میں چلا جائے گا جو اس کی وسیع تر ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہ ہو سکے گا اور لوگوں کے حقوق ضائع ہوں گے تو حاکم کے حکم یا لوگوں کے اصرار پر اس کا قبول کرنا اس کے لئے نہ صرف جائز بلکہ واجب ہو جائے گا، ایسی ہی صورتوں کے لئے حدیث میں یہ بشارت سنائی گئی ہے کہ طلب و درخواست اور حرص وطمع کے بغیر جو شخص اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے تو اللہ تعالی کی طرف سے اس کی مدد ہوتی ہے اور آسمان سے فرشتہ نازل ہو کر اسے سیدھی راہ پر چلاتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کا واقعہ خود قرآن کریم نے نقل کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر سے یہ درخواست کی تھی کہ مجھے زمین کے خزانوں کا ذمہ دار مقرر کر دیجیے۔ **قال: اجعلني على خزائن الأرض إني حفيظ عليم** (سورہ یوسف:۵۵)۔

عزیز مصر نے جو خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر اس کے ارکان دولت کی سمجھ میں نہیں آئی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے جو تعبیر بتائی وہ دل کو لگتی تھی، اس لئے سب نے اس کو قبول کر لیا۔ آگے سات برسوں کے بعد مصر میں جو سات سال سنگین قحط سالی آنے والی تھی اس کے خطرات سے ملک کو بچانا کسی کے بس کا روگ نہیں تھا۔ یہ صلاحیت صرف اس وقت کے پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام کے اندر جو اللہ کی طرف سے عطا کردہ علم وتجربہ اور صلاحیت واہلیت کے ساتھ دیانت وامانت اور مخلوق کے حقوق کی حفاظت کے صفات سے آراستہ تھے، اس لئے انہوں نے ملک مصر کو تباہی سے بچانے اور عوام الناس کو سات سالہ قحط کے خطرات سے نکالنے کے لئے اپنے آپ کو پیش فرمایا۔ مفسرین نے اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ اگر آج بھی کہیں اہل افراد کے فقدان کی بناء پر کوئی باصلاحیت آدمی یہ محسوس کرے کہ اگر وہ اس ذمہ داری کو انجام دینے کے لئے آگے نہ بڑھے تو بگاڑ وفساد اور مصالح کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہے تو اس کے لئے اس سنت یوسفی پر عمل کرنا اور اپنے آپ کو اس منصب کے لئے پیش کرنا درست ہوگا۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ عہدہ اس لئے طلب کیا کہ وہ اللہ کے سچے رسول تھے اور ممکن حد تک مخلوق کے مصالح کی رعایت ان پر لازم تھی۔ آپ کو وحی کے ذریعہ یہ معلوم ہو گیا تھا کہ سخت قحط اور تنگی کا زمانہ آنے والا ہے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ ہلاک ہو سکتے ہیں۔ تو شاید انہیں اللہ تعالی ہی کی طرف سے یہ حکم ہوا کہ وہ لوگوں کو ہلاکت اور ضرر سے بچانے کے لئے مناسب تدبیر کریں اور مخلوق کے مصالح کی رعایت اس کے بغیر ممکن نہیں تھی کہ مالیات کا نظام ان کے ہاتھ میں آئے۔ اس لئے انہوں نے درخواست کی۔

بہر حال کتاب وسنت کے نصوص اور فقہاء کے اقوال میں عہدہ ومنصب طلب کرنے کے سلسلے میں دونوں طرح کی باتیں مذکور ہیں اور یہ کوئی تضاد وتعارض نہیں ہے بلکہ مختلف حالات پر محمول ہے۔ جب جیسی صورت حال ہوگی اسی کے مطابق

حکم ہوگا۔ظروف واحوال اور ملک ومکان کی تبدیلی سے شریعت کے احکام بدل جاتے ہیں۔

ان مقدمات ومعروضات کی روشنی میں ہمیں جمہوری وغیر اسلامی ممالک خصوصاً ہندوستان جیسے سیکولر ملک میں الیکشن اور انتخابات اور مختلف پارٹیوں کی طرف سے مسلمانوں کے لئے امیدوار بن کر کھڑے ہونے کے نازک مسئلہ پر غور کرنا ہوگا۔

عام حالات میں تو شریعت کا حکم وہی ہے کہ کوئی مسلمان کسی منصب کے لئے خود سے آگے نہ بڑھے، لیکن اس ملک کے حالات کے تناظر میں اگر اس اصول پر عمل کیا جائے اور مسلمان الیکشن میں حصہ نہ لیں اور امیدوار کی حیثیت سے کسی پارٹی کی طرف سے کھڑے نہ ہوں تو پارلیامنٹ، اسمبلی، کونسل اور پنچایت ہر میدان میں ان کی نمائندگی ختم ہوجائے گی۔فرقہ پرست طاقتیں پورے ملک پر چھا جائیں گی اور مسلمانوں کے ہر میدان میں رکاوٹیں کھڑی کریں گی، ان کی جان ومال، عزت وآبرو خطرے میں پڑ جائے گی۔ان کا دین وایمان، آئین وقانون، مساجد ومدارس، ملی تشخص اور مفاد کچھ بھی محفوظ نہیں رہے گا اور انہیں کفر وارتداد پر مجبور کیا جائے گا، حکومت میں ان کے شریک رہنے سے ہی بہت سے فتنے سر نہیں اٹھائیں گے۔جمہوری دستور وآئین جس میں اقلیتوں کے حقوق کی بڑی حد تک رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے اسے ختم کرنا کسی فرقہ پرست پارٹی کے لئے ممکن نہ ہوگا اور کسی کی طرف سے اگر اس طرح کا اقدام ہو تو اس کے خلاف احتجاج کرنا ممکن ہوگا، ملک کی موجودہ صورت حال میں مسلمانوں کے لئے اھون البلیتین اور دو شر میں سے آسان کو اختیار کرنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہوگا۔البتہ جو شخص کسی منصب کے لئے کھڑا ہو اس کے لئے اس کی اہلیت بہر حال ضروری ہوگی۔نا اہل افراد کا اس مقصد کے لئے آگے بڑھنا ہرگز جائز نہ ہوگا۔

۴-ایسے قانون ساز اداروں کا ممبر بننا جو خلاف شریعت قانون بھی بناتے ہوں؟

ایسے قانون ساز اداروں کا رکن بننا جو خلاف شریعت قانون بناتے ہوں مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: **ومن لم یحکم بما أنزل اللہ فأولئک هم الکافرون** (المائدہ:۴۴)۔

اس آیت کی رو سے کوئی ایسا قانون بنانا یا فیصلہ کرنا جو اللہ تعالی کے نازل کردہ احکام کے خلاف ہو کفر ہے، لیکن صورت حال یہ ہے کہ ایسے قانون ساز اداروں میں اگر مسلم ممبران نہ ہوں تو دھڑلے سے خلاف شرع قوانین بنائے جائیں گے اور کوئی ان پر نکیر کرنے والا اور ان کو روکنے والا نہ ہوگا، لہذا ایسے خلاف شرع قوانین کو روکنے کی نیت سے ایسے اداروں کا رکن بننا جائز ہوگا، لیکن اس کی ذمہ داری ہوگی کہ ایسے خلاف شرع قوانین بننے کی راہ میں رکاوٹ بنے اور بالفرض اگر کسی ایسے قانون پر اکثریت کا اتفاق ہوجائے جو شریعت سے متصادم ہو تو اس پر اپنا اختلافی نوٹ لکھنا اور اس کے نقصانات

سے آگاہ کرنا ضروری ہوگا۔اھون البلیتین کو اختیار کرنے کا مشہور فقہی قاعدہ ایسے ہی حالات کے لئے ہے۔

من ابتلی ببلیتین وهما متساویتان یأخذ بأیهما شاء، وإن اختلفا یختار أهونهما (الأشباہ والنظائر لابن نجیم)۔

یعنی جو شخص برابر درجے کی دو مصیبتوں میں پھنس جائے تو وہ ان دونوں میں سے کسی کو بھی اختیار کرسکتا ہے۔لیکن اگر ان دونوں میں ایک دوسرے کے مقابلہ آسان ہوتو اسے ہی اختیار کرے۔

یہاں بھی دو شر یا دو مفسدے ہیں: ایسے اداروں کا رکن بننا اسلامی غیرت وحمیت اور ایمانی روح کے خلاف ہے، لیکن رکن نہ بننے کی صورت میں صرف انفرادی نقصان ہی نہیں بلکہ پوری ملت کا خسارہ اور سب کے دین وایمان کا خطرہ ہے، اس لئے اس عظیم شر کو دفع کرنے کے لئے پہلے شر کو گوارا کیا جائے گا جو نسبۃً آسان ہے۔

اس اصول کو اس صورت میں بھی پیش نظر رکھا جائے کہ جب ہندوستان کے موجودہ قانون کے مطابق اگر کوئی پارٹی اپنے ممبران کے لئے وہیپ جاری کردے اور اس پارٹی کی پالیسی کے مطابق ووٹ دینے کا پابند بنادے کہ وہ اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق ووٹ نہ دے سکیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان جس پارٹی سے وابستہ ہونے کا فیصلہ کرے گا وہ نسبۃً دوسری پارٹیوں کے مقابلہ میں ان کے لئے قدرے غنیمت ہوگی تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں پارٹی ہی کے منتخب کردہ امیدوار کو ووٹ دینا بہتر ہوگا، کیونکہ کسی دوسری پارٹی کا امیدوار اگرچہ ذاتی طور پر دوسرے کے مقابلہ میں بہتر ہو مگر وہ جس پارٹی کا امیدوار ہے اس کی پالیسی کے خلاف عمل نہیں کرسکتا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس سلسلے میں بھی کوئی ایک فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، بلکہ حالات ومصالح کو دیکھ کر اور مسلم زعماء وقائدین کے مشورہ سے کوئی پالیسی طے کی جائے گی۔ممکن ہے کہ بعض صورتوں میں کسی پارٹی کی پالیسی کے مطابق ووٹ دینا پڑے اور بعض صورتوں میں ووٹر اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق ووٹ کا استعمال کرے، کیونکہ کسی پارٹی کے مسلم نمائندہ کے حکم کی تعمیل کرنا تمام مسلمانوں کے لئے ضروری نہیں ہے، یوں بھی ووٹ دینا ایک خفیہ عمل ہے جس پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا، البتہ اس پارٹی سے وابستہ افراد کا پارٹی کے ساتھ جو معاہدہ ہوا ہے ان افراد کے لئے اس معاہدہ کی خلاف ورزی جائز نہ ہوگی، کیونکہ یہ دھوکہ دہی ہے جسے اسلام حرام قرار دیتا ہے۔

۵-دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا جب کہ اس کے بعض دفعات خلاف شریعت ہوں:

اسے بھی اھون البلیتین کے شرعی اصول کی روشنی میں برداشت کیا جائے گا، کیونکہ قانون ساز ادارے کی رکنیت کے

لئے دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا شرط ہے، اس کے بغیر کوئی اس ادارہ کا رکن نہیں ہوسکتا اور ایسے اداروں کی رکنیت سے مسلمانوں کا علیحدہ ہونا ان کے لئے نہایت مضر ہے، لہذا مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ ایسے اداروں کی رکنیت قبول کی جائے اور دستور کے جو دفعات خلاف شرع ہوں ان پر عمل نہ کرنے کی نیت کی جائے۔

۶- بعض عیسائی ملکوں میں مسلم ممبران کے لئے بائبل پر حلف لینے کا مسئلہ:

ایسے ممالک کے مسلم ممبران کو چاہیے کہ وہ عدالت سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ اسے قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر حلف برداری کی اجازت دے، کیونکہ ان کی مذہبی کتاب وہی ہے اور ہر ملک کی مسلم اقلیتوں کے لئے اپنے دین وشریعت پر عمل کی آزادی کسی حد تک تسلیم کی گئی ہے، لیکن اگر عدالت اس کے لئے آمادہ نہ ہو تو مجبوری کے درجہ میں ان پر ہاتھ رکھ کر حلف برداری کرے اور نیت یہ کرے کہ میں اصل آسمانی تورات وانجیل پر ہاتھ رکھ رہا ہوں جو اصل میں آسمانی اور الٰہی کتابیں ہیں اور موجودہ محرف بائبل کی تعظیم کا ارادہ نہ کرے۔ یہ بھی دراصل اہون البلیتین پر عمل کرنا اور بڑے شر کو دفع کرنے کے لئے چھوٹے شر کو اختیار کرنا ہے۔ ''رابطہ عالم اسلامی'' جو تمام عالم اسلام کی نمائندہ تنظیم ہے، اس کا فیصلہ اس مسئلہ میں یہی ہے۔ جو درج ذیل ہے:

إذا كان القضاء في بلد ما حكمه غير إسلامي يوجب على من توجهت عليه اليمين وضع يده على التوراة أو الإنجيل أو كليهما فعلى المسلم أن يطلب من المحكمة وضع يده على القرآن فإن لم يستجب لطلبه يعتبر مكرهاً، ولا بأس عليه أن يضع يده عليهما أو على أحدهما دون أن ينوي بذلك تعظيماً (قرارات مجلس المجمع الفقهي الإسلامي ۱۴۰۲/ ۸۵)۔

۷- ایسی سیکولر پارٹیوں میں شرکت جو مسلم مفادات کے لئے زیادہ مناسب ہوں مگر ان کے منشور کی بعض دفعات اسلام مخالف ہوں:

ایسی سیکولر پارٹیوں میں مسلمانوں کی شرکت وشمولیت اور ان کی طرف سے الیکشن لڑنا بحالت موجودہ مسلمانوں کے لئے درست ہے، البتہ ان کے منشور کی بعض دفعات جو مخالف اسلام ہیں یا مسلم مفادات کے مغائر ہیں انہیں بھی اہون البلیتین کی حیثیت میں گوارا کیا جائے گا اور حکمت عملی کے ساتھ ان کو بدلنے کی کوشش کی جائے گی۔

۸- جو پارٹیاں کھلے طور پر اسلام دشمن ہوں ان کے ساتھ مسلمانوں کی شرکت؟

جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہوں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہو اس میں

مسلمانوں کا شامل ہونا ناجائز اورحرام ہے، بلکہ یہ خودکشی اورملت کشی کے مترادف ہے۔ایسا کرنے والا دین وایمان کا سودا کرنے والاشمار ہوگا۔یہ تصور کہ وہ پارٹی میں شریک ہوکراس کے ایجنڈے کوبدلنے کی کوشش کرے گا پرلے درجہ کی حماقت اور سادہ لوحی ہےاوراحمقوں کی جنت میں رہنا ہے۔

۹-ہندوستان جیسے سیکولرملک میں مسلمانوں کے لئے علیحدہ سیاسی پارٹی بنانا:

ایسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں وہاں علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا، پارٹی بنانا شرعی نقطۂ نظر سے تو درست ہے، لیکن تجربہ یہ ہے کہ مستقل مسلم سیاسی پارٹی قائم کرنا مسلم مخالف ووٹ کو متحد کردیتا ہےاوراس سے فرقہ پرست تنظیموں کو ہی فائدہ پہنچتا ہے، جیسا کہ خودسوالنامہ میں بھی مذکور ہے۔اس لئے اس سے بچنا ہی مسلمانوں کے مفاد میں ہے۔

۱۰-الیکشن میں خواتین کا کردار، ان کا ووٹ دینااورالیکشن میں امیدواربننا:

خواتین کے سلسلے میں اسلام کا اصول یہ ہے کہ ان کا اصل دائرۂ کار گھر کی چہاردیواری ہے، لہذا گھر سنبھالنا، اس کے نظام کودرست رکھنا، بچوں کی پرورش وپرداخت کرناان کا بنیادی فریضہ ہے۔قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: **وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى** (الأحزاب ۳۳) (اوراپنے گھروں میں ٹھہری رہواورقدیم جاہلیت کےزمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو)۔

لہذا اپنے فرائض کی ادائیگی میں ان کا مصروف رہنا ضروری ہے، بلاضرورت ان کا گھر سے باہر ہونا باعث فتنہ ہے۔اسی بنا پرشریعت نے انہیں کسب معاش کی گراں بار ذمہ داریوں سے سبک دوش کردیا ہے۔

جہاں تک ووٹنگ میں حصہ لینے کا مسئلہ ہےتواس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ پردہ کے التزام کے ساتھ ووٹ دینے جائیں۔جس طرح دوسری ضرورتوں کے لئے گھر سے باہر نکلنے میں ان کے لئے پردہ کا حکم ہے، اسی طرح یہاں بھی ہے، البتہ اس سے آگے بڑھ کران کا الیکشن میں امیدواربن کرکھڑا ہونااورقانون سازاداروں کاممبربننا شرعی نقطۂ نظر سے پسندیدہ نہیں ہے۔

لیکن موجودہ ملکی حالات کے تناظر میں جب کہ سیاست میں عورتوں کی شرکت کویقینی بنانے کی کوشش کی جارہی ہے اوراس کے لئے مختلف ریاستوں میں اورمختلف سطحوں پرخواتین کے لئے سیٹیں ریزرو کی جارہی ہیں، یہاں تک کہ بعض ریاستوں میں پچاس فیصد سیٹیں عورتوں کے لئے ریزرو کردی گئی ہیں اور پارلیامنٹ وغیرہ میں بھی ان کے لئے سیٹوں کے ریزرویشن کا بل پیش ہے جس کی بنا پراس کے قانون بن جانے کی قوی امید ہے، تواس صورت میں اگر مسلمان عورتوں کواس

سے روکا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان پچاس فیصد تک ان اداروں اور کلیدی عہدوں سے محروم ہوجائیں گے اور فرقہ پرست طاقتوں کی یہ سازش کہ مسلمانوں کو ووٹ کے حق سے محروم کردیا جائے، پچاس فیصد تک یوں ہی کامیاب ہوجائے گی اوران اہم حکومتی اداروں اور کلیدی منصبوں میں مسلمانوں کی نمائندگی گھٹ کر نصف ہوجائے گی۔ پھر تو فرقہ پرست پارٹیاں اپنے ممبران کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کروائیں گی جس میں مسلمانوں کا عظیم نقصان ہے، ان اداروں میں رکن کی حیثیت سے مسلم خواتین کی شرکت سے بہت سے فتنوں کا سد باب ہوگا اور کھل کر اور آسانی کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف فیصلے نہیں ہوسکیں گے اور مسلمانوں کو اس کے خلاف احتجاج کرنے کا حق ہوگا، اس لئے ان مصالح کی بنیاد پر دفع ضرر کے لئے انہیں الیکشن میں حصہ لینے اور کسی پارٹی سے یا آزادانہ طور پر الیکشن میں امیدوار بن کر کھڑے ہونے کی اجازت دی جائے گی، لیکن ان تمام ذمہ داریوں کو انجام دینے کے لئے ان کے لئے جو پردہ اور عفت وعصمت کی حفاظت کی شرعی پابندیاں ہیں انہیں ان کا پورا خیال رکھنا پڑے گا۔ اسی طرح شوہر یا ولی کی اجازت ضروری ہوگی۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم ہند نے عورتوں کو ووٹ دینے وغیرہ کے مسئلہ سے متعلق لکھا ہے:

عورتوں کا ووٹر بننا ممنوع نہیں ہے، ہاں ووٹ دیتے وقت شرعی پردہ کا لحاظ رکھنا لازم ہوگا اور بطور امیدوار کھڑا ہونا عورتوں کے لئے مستحسن نہیں ہے، کیونکہ اس میں ضروریات شرعیہ کی رعایت کے ساتھ کونسل یا اسمبلی کی شرکت عورتوں کے لئے متعذر رہے (کفایت المفتی ۹/ ۳۰۸)۔

اس فتوی میں مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو مسلم عورتوں کے ووٹ دینے کو پردۂ شرعی کے التزام کے ساتھ جائز قرار دیا ہے، لیکن کونسل واسمبلی وغیرہ میں ان کے بطور امیدوار کھڑے ہونے کو غیر مستحسن کہا ہے، لیکن یہ اس وقت کے حالات کے لحاظ سے ہے جب اس کی ضرورت نہیں تھی اور مسلم مردوں کا امیدوار بننا مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے کافی تھا، لیکن آج کے حالات میں جب کہ ایک سازش کے تحت مسلمانوں کو اس حق سے دور رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے اور تقریباً پچاس فیصد تک سیٹیں عورتوں کے لئے مخصوص کی جارہی ہیں، ان حالات میں مسلم عورتوں کے اس میں حصہ نہ لینے سے پارلیامنٹ، اسمبلی، کونسل اور میونسپلٹی وغیرہ میں مسلمان پچاس فیصد نمائندگی سے محروم رہ جائیں گے، اس لئے موجودہ حالات میں بربنائے ضرورت ومصلحت علماء ومفتیان کرام اس کے جواز کا فتوی دے رہے ہیں۔

جمہوری حکومتوں میں الیکشن اور اس کے مسائل

مفتی اقبال احمد قاسمی☆

حکومت وسیاست بھی دنیاوی زندگی کی ایک ہم ضرورت اور اجتماعی زندگی کا اہم باب ہے اور حکمرانوں نے اس باب میں اہم نقوش چھوڑے ہیں۔حکومت کی تشکیل،تاسیس اور اصول حکمرانی کی بہت سی مثالیں خیر القرون بلکہ عہد صحابہ میں ملتی ہیں۔حکومت کی توسیع واستحکام اور اس کے آئینی اصول ونظریات، نیز ان کی عملی جزئیات تک ہر ہر مرحلہ پر اسلامی تعلیمات کا مرقع کتابوں کے ذخیروں میں موجود ہے۔خلفاء راشدین خصوصاً حضرات شیخین رضی اللہ عنہم اجمعین کے عہد خلافت کا زریں دور اسلامی طرز حکومت کا وہ سنہرا دور ہے جس کا لوہا نہرو اور گاندھی جی جیسے لیڈروں نے مانا ہوا ہے اور برملا اس کا نہ صرف اعتراف بلکہ اسکو اپنانے کی تلقین تک اپنے پیروکاروں کو کر چکے ہیں۔

(۱-۲) ووٹ کی شرعی حیثیت اور اس کا حکم:

عام طور پر عرف ورواج میں ووٹ کو ایک ''اختیاری حق'' تصور کیا جاتا ہے جسے ''حق رائے دہی'' کہا جاتا ہے۔اس حق رائے دہی کا استعمال لازم نہیں سمجھا جاتا، زائد سے زائد ذہنوں میں ووٹ کی اہمیت ایک سماجی فریضہ کی ہوتی ہے نہ کہ ملی و دینی فریضہ کی۔

البتہ علماء کرام اور فقہاء امت نے ووٹ کی اہمیت اس کی قدر وقیمت کے پیش نظر شرعی اصطلاحات کے ذریعہ اس کو حل کیا ہے۔بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ ووٹ کی نوعیت ''سفارش'' جیسی ہے، گویا کسی کے حق میں ووٹ دینے والا اس بات کی سفارش کرتا ہے کہ یہ منصب کا اہل ہے اس کو موقع مل جائے تو بہتر ہے جبکہ بعضوں کا خیال یہ ہے کہ ووٹ ایک قسم کی ''وکالت'' کے مترادف ہے، یعنی ووٹ دینے والا امیدوار شخص کو اپنے حقوق کی وکالت کا ذمہ دار بناتا ہے اور اس کو اپنا وکیل تجویز کرتا ہے۔

☆ کانپور، یوپی۔

ووٹ کوشفاعت یا وکالت قرار دینے کی صورت میں یہ نتائج مرتب ہوں گے کہ (۱) جس شخص کی سفارش کی جارہی ہے وہ اس کا اہل ہو یا جس کو وکیل بنایا جارہا ہے وہ اس ذمہ داری کو اٹھا سکتا ہو۔ بالفاظ دیگر نا اہل کو ووٹ دینا ایک غلط شخص کی سفارش اور نا اہل کو نمائندہ تجویز کرنا ہوگا۔

(۲) اہل کی سفارش باعث ثواب ہے ''اشفعوا توجروا'' اور نا اہل کی سفارش (اہل کو نظر انداز کرکے) گناہ ہے، اسی طرح وکیل ایسے کو تجویز کرنا جو نمائندگی کا فریضہ انجام نہ دے سکے، پوری قوم کو خسارہ میں ڈالنے کے مترادف ہے، لہٰذا نا اہل کو وکیل بنانا بھی گناہ سے خالی نہیں، کیونکہ یہ فرد کا وکیل نہ ہوکر پوری قوم یا اکثریت کا وکیل ہوتا ہے جس کا نفع اور نقصان دونوں ہی متعدی ہے اور ووٹ دینے والے کا اس میں حصہ ہے، اس لیے یہ بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔

(۳) ووٹ کو شفاعت یا وکالت قرار دینے میں ایک اہم نتیجہ یہ مرتب ہوتا ہے کہ پھر ووٹ دینے کو فرض و واجب نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ شفاعت یا وکالت شرعاً یہ دونوں ہی چیزیں ضروری نہیں ہوتیں، سفارش کرنا اچھا ہے لیکن نہ کریں تو کوئی گناہ بھی نہیں۔ اسی طرح وکالت کے معاملے میں انسان با اختیار ہے، کسی کو وکیل اور نمائندہ تجویز کرے یا نہ کرے۔ شریعت اس کے لیے کسی کو پابند نہیں بناتی۔

غرضیکہ ووٹ کی بابت یہ دونوں رائے (شفاعت یا وکالت) یہ ووٹ کی قدر و قیمت میں اضافہ کے بجائے اس کے مقام کو کمتر کر رہی ہے۔ غور کیا جائے تو ووٹ کا معاملہ جمہوری حکومت میں ایک قسم کا جہاد ہے جس کے ذریعہ حکومتوں کو تہہ و بالا کیا جاتا ہے اور ارشاد ربانی ہے: ''وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة'' (سورۃ الانفال ۶) کے بموجب مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے جان و مال، دین و ایمان کی حفاظت کے لیے مقدور بھر کوشش کریں اور پوری قوت کے ساتھ اس کے لیے تیار رہیں۔ آیت میں قوۃ کا لفظ ایک جامع لفظ ہے جس میں وہ تمام طاقتیں مراد ہوسکتی ہیں، جو مسلم معاشرہ کی اجتماعی زندگی پر اپنا اثر ڈال سکیں، یہ طاقت فوج کی بھی ہوسکتی ہے، افرادی قوت اور تعداد کی بھی اور اقتصادی ترقی اور سیاسی استحکام کی بھی۔ اب جو ممالک جمہوری طرز حکومت کے حامل ہیں، ان ملکوں میں ووٹ ایک بڑی طاقت ہے بلکہ جمہوریت میں ووٹ سے بڑھ کر کوئی اور طاقت نہیں اور جمہوری حکومت میں معرکۃ الجہاد، الیکشن کا ہی میدان ہے، جمہوریت میں ظالم کا مقابلہ توپ و تفنگ سے نہیں کیا جاسکتا بس ووٹ کی تلوار سے ہی ظالم کو گرایا جاسکتا ہے اور دشمن کو آگے بڑھنے نہ دینے کا فریضہ پورا کیا جاسکتا ہے۔ خصوصاً مسلم اقلیت والے ملکوں میں تو یہ بڑی نعمت ہے، اس لیے ووٹ کا معاملہ صرف سفارش یا وکالت تک محدود نہیں رہ جاتا کہ ہم اس حق کا استعمال کریں یا نہ کریں، بلکہ ووٹ ڈالنے نہ ڈالنے کے جو اچھے یا برے نتائج کی توقعات یا خطرات ہوتے ہیں ان کے پیش نظر ووٹ کی اہمیت کم و بیش ہوجاتی ہے۔ ووٹ کی غیر معمولی اہمیت کی بنا پر ہی موجودہ دور کے جمہور

فقہاء نے ووٹ کو سفارش اور وکالت کے درجہ سے آگے'' شہادت'' کا درجہ بھی دیا ہے، مفتی محمد شفیع صاحبؒ جواہر الفقہ میں تحریر فرماتے ہیں:

'' خلاصہ یہ کہ ہمارا ووٹ تین حیثیتیں رکھتا ہے: ایک شہادت، دوسرے سفارش، تیسرے حقوق مشترکہ میں وکالت، تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک، صالح، قابل آدمی کو ووٹ دینا موجب ثواب عظیم ہے اور اس کے ثمرات اس کو ملتے ہیں، اسی طرح نااہل غیر متدین شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری سفارش بھی اور ناجائز وکالت بھی اور اس کے تباہ کن ثمرات بھی اس کے نامۂ اعمال میں لکھے جائیں گے'' (جواہر الفقہ ۲/ ۳۹۲)۔

شرعی نقطۂ نظر سے ووٹ کی حیثیت شہادت اور گواہی کی سی ہے اور جس طرح جھوٹی گواہی دینا ناجائز اور حرام ہے، اسی طرح ضرورت کے موقع پر شہادت کو چھپانا بھی حرام ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

''ولا تکتموا الشهادة ومن یکتمها فانهٔ آثم قلبه'' (البقرۃ:۲۸۳)۔

(اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو شخص گواہی کو چھپائے اس کا دل گنہگار رہے) اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: **ومن کتم شهادة إذا دعی إلیها کان کمن شهد بالزور** (جمع الفوائد بحوالہ طبرانی ۱/ ۲۶۶) (جس کسی کو شہادت کے لیے بلایا جائے پھر وہ اسے چھپائے تو وہ ایسا ہے جیسے جھوٹی گواہی دینے والا)۔

ووٹ بھی بلاشبہ ایک شہادت ہے، قرآن وحدیث کے تمام احکام اس پر بھی جاری ہوتے ہیں، لہٰذا ووٹ کو محفوظ رکھنا دینداری کا تقاضا نہیں، اس کا زیادہ سے زیادہ صحیح استعمال کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے (فقہی مقالات ص ۲۸۷ ج ۲)۔

اب جبکہ ووٹ کی حیثیت شہادت کی ٹھہری اور ادائے شہادت واجب ہوتی ہے تو اس سے ووٹ دینے کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور یہ مسئلہ اختیاری نہیں رہ جاتا کہ دل چاہے تو ووٹ دے دل نہ چاہے تو ووٹ نہ دے بلکہ ووٹ ڈالنا واجب اور مذہبی فریضہ ہوگا۔ البتہ بعض دفعہ بعض امیدواروں میں یا بعض علاقوں میں یا بعض الیکشنوں میں ایسی صورتحال ہوتی ہے کہ کسی کی شکست یا کسی کی فتح سے کوئی خاص اثر نہیں پڑتا یا امیدوار ایسے ہوتے ہیں کہ ترجیح دینا مشکل ہوجاتا ہے، اس طرح کے حالات میں ووٹ دینا واجب بھی نہیں رہ جاتا صرف جائز یا مستحب ہوسکتا ہے۔ ملفوظات فقیہ الامت میں حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے ووٹ نہ دینے کا واقعہ اسی پس منظر میں کبھی نظر سے گزرا تھا (ملفوظات فقیہ الامت ۲/ ۶۹، ۱/ ۳۳)۔

بہرحال ووٹ نہ دینے کے اثرات ونتائج کے اعتبار سے بھی حکم مختلف ہوسکتا ہے، البتہ تمام حالات اور عدمِ موانع کی صورت میں ووٹ دینا واجب العمل رہے گا۔

(۳)الیکشن میں امیدوار ہونا:

اسلامی نقطہ نظر سے کسی شخص کا اپنے کو حکمرانی کے لیے پیش کرنا اور اپنے کو مستحق و برتر ثابت کرنا اور عہدہ طلبی کی حرص وتمنا کرنا اور اقتدار کا خواہاں ہونا معیوب بات ہے، نبی کریم ﷺ کا صریح ارشاد ہے:

"یا عبد الرحمن بن سمرة لا تسأل الإمارة فإنک إن أوتیتها عن مسألة وکلت إلیها وإن أوتیتها من غیر مسئلة أعنت علیها" (بخاری کتاب الاحکام باب من سال الامارۃ مطبوعہ قاعدہ ۴/۳۳۰) (اے عبدالرحمٰن بن سمرۃ عہدہ مت طلب کرو، اس لیے کہ اگر طلب پر تم کو دیا جائے گا تو تم کو اسی کے حوالہ کردیا جائے گا اور بلا طلب ملے گا تو نصرت الٰہی شامل حال ہوگی)۔

دراصل زمام حکومت سنبھالنا ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے یہ صرف اعزاز نہیں بلکہ ایک آزمائش بھی ہے، اس لیے ہرکس وناکس کو اس کی ہوس نہیں کرنا چاہیے۔ ایک حدیث میں ہے:

ألاکلکم راع وکلکم مسؤول عن رعیته، فالأمیر الذی علی الناس راع وهو مسؤول عن رعیته (مسلم۔کتاب الامارۃ ۱۲/۲۰۹) (سنو! تم میں سے ہر شخص جواب دہ ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داریوں کے بارے میں پوچھ ہوگی، پس حکمراں شخص بھی اپنی رعایا کے حق میں جواب دہ ہوگا)۔

البتہ بعض خاص اسباب اور مخصوص ظروف واحوال میں جبکہ غیروں اور نااہلوں کے ہاتھ میں عہدہ پہنچ جانے سے اجتماعی طور پر خطرہ ہو اور امیدوار شخص نسبتاً زیادہ بہتر ہو اور لوگوں کو نقصان سے بچا سکتا ہو تو پھر ایسے موقع پر آگے بڑھ کر عہدہ کو حاصل کرنا نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ قومی وملی فریضہ ہوگا۔ بشرطیکہ نیت دفع ضرر کی ہو حصول اقتدار کی نہیں۔ اس کی بہت واضح مثال حضرت یوسف علیہ السلام کا ازخود مالیات کے شعبہ کا مطالبہ کرنا ہے جیسا کہ سورہ یوسف میں ہے: **"اجعلنی علی خزائن الأرض إنی حفیظ علیم"** (یوسف:۵۵)۔

(۱) امیدوار اس کام کی قابلیت بھی رکھتا ہو جس کا وہ امیدوار ہے۔

(۲) دیانت اور امانت داری سے وہ متصف ہو یا کم ازکم اس سلسلہ میں اس کی شبیہ صاف ہو۔

(۳) اس کے امیدوار ہونے کے ساتھ کوئی اہل امیدوار میدان میں نہ ہو جو تقسیم ووٹ کا سبب ہے۔

(۴) امیدوار جس حلقہ سے انتخاب لڑ رہا ہو وہاں کی اکثریت دیگر معاملات میں اس کو قابل اعتماد سمجھتی ہو۔

(۵) الیکشن جیتنے کا مقصد عہدہ واقتدار کے بجائے قوم کو اجتماعی نقصان وخسارہ سے نکالنا ہو اور ملی وسماجی خدمت ہو۔

غرضیکہ اگرچہ قانونی اعتبار سے کوئی بھی شخص الیکشن میں اپنے کو بحیثیت امیدوار پیش کرسکتا ہے، دستور وقانون میں اس کی کوئی رکاوٹ نہیں ہے، لیکن کسی ایسے مسلمان کے امیدوار ہونے کے لیے جو شرعی تقاضہ کو بھی پورا کرنا چاہتا ہے یہی حکم ہوگا کہ مندرجہ بالا امور کے پیش نظر ہی اپنے کو میدان میں اتارے اور اگر اپنے اندر اس کی اہمیت وصلاحیت نہیں پاتا تو پھر کسی ایسے کو کھڑا کرکے اس کا سپورٹ کرے جو اس کا اہل ہو اور ایسے شخص کے نہ ملنے پر تقابل کیا جائے کہ نااہلی کے باوجود اس کے امیدوار ہونے میں ملت کا نقصان ہوگا یا امیدوار نہ ہونے میں کم نقصان والی شق پر عمل کرنا لازم ہے۔

مطلوبہ مقاصد وشرائط کے ساتھ امیدوار بننا موجودہ حالات میں ملک وملت کا تقاضا اور ملی وقومی فریضہ ہے اور اس میں جو موثر کردار ادا کرے اس کے لیے حسب استطاعت اپنا رول ادا کرنا واجب ہے، لیکن اگر مطلوبہ مقاصد وشرائط کے حامل افراد ندارد ہیں اور یہ صفات اب عنقا ہو چکی ہیں تو اب جو نسبتاً بہتر ہیں وہیں غنیمت ہیں، اس لیے اگر امیدوار اہل اشخاص اور معزز افراد الیکشن میں کھڑے نہیں ہوتے تو پھر ہم بڑی خرابی کے مقابلہ میں کمتر برائی کو اپنانے پر مجبور ہوں گے۔ کینسر سے بچنے کے لیے نزلہ وزکام پر راضی ہوجائیں گے اور ایسے لوگوں کو امیدواری کی وکالت وحمایت ہی میں عافیت سمجھیں گے جو بڑے دشمنوں سے حفاظت کا ذریعہ بن سکیں، اس کے لیے فقہا کے اصول ہیں: "**إذا تعارضت مفسدتان روعی أعظمها ضررا بارتكاب أخفهما**" (جب دو برائیاں درپیش ہوں تو کمتر برائی گوارہ کرکے بڑی برائی کو روکا جائے گا)۔

اور مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ کے بمصداق کہ اگر کل نہ حاصل ہوسکے تو کل کو چھوڑ بھی نہ دینا چاہیے جبکہ جتنا ہاتھ لگ جائے وہی کل کے فوت ہونے سے بہتر ہے۔

خلاصہ یہ کہ امیدواری کے مسئلہ میں "**أهون البليتين**" کو بھی پیش نظر رکھا جائے اور جو شق اہون ہو اسے اختیار کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

(۴-۵) مخالف شرع قانون ساز اداروں کا ممبر بننا یا ایسے دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا جمہوریت میں اللہ کی حاکمیتِ اعلیٰ کے بجائے پارلیمنٹ کی اکثریت کی رائے سے بنائے گئے قوانین کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ جمہوریت کا سب سے بڑا عیب ہے، خدانخواستہ اگر کوئی مسلمان اسی کو برحق سمجھ بیٹھے کہ پارلیمنٹ اگر کوئی قانون قرآن کریم کے کسی صریح حکم کے خلاف نافذ کردے تو (معاذ اللہ) پارلیمنٹ کا قانون ہی برحق ہوگا تو الامان والحفیظ۔ ایسا اعتقاد رکھنے والا تو کافر ہی ہوجائے گا۔

جہاں جہاں مغربی جمہوریت قائم ہے وہاں مسلم ممبران کے لیے یہ مصیبت قائم ہے کہ وہ ایسے موقع پر جمہوریت سے دستبردار ہوتے ہیں تو قوم کو ایسی ناقابل تلافی تکلیف دہ صورتحال سے گزرنا پڑسکتا ہے جس کو قوم کی اجتماعی خودکشی کے مترادف کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا، لیکن اگر مخالف شرع قوانین کی وہ حمایت کرتے ہیں تو جمہوریت میں ان کی بقا تو ممکن ہے، لیکن

خلاف شرع امور کی حمایت کا گناہ ان کے کھاتہ میں جاتا ہے، ایسی دوہری مصیبتوں کے وقت مسلمانوں کے لیے کیا لائحہ عمل ہوسکتا ہے؟

اس مسئلہ کے حل کے لیے ایک اصولی تمہید ذہن میں رکھنا ضروری ہے وہ یہ کہ ''احکام شرعیہ دوقسم کے ہیں: ایک اصلی، دوسرے عارضی یعنی احکام کبھی شی کی ذات پر نظر کر کے مرتب ہوتے ہیں اور کبھی عوارض پر نظر کر کے اور ان دونوں قسم کے احکام باہم مختلف بھی ہوجاتے ہیں۔ امداد الفتاویٰ میں اس اصول کے تحت حکم اصلی اور حکم عارضی کی کئی مثالیں ذکر کی گئی ہیں۔ ملاحظہ ہو (امداد الفتاویٰ ۲/۲۹۶،سوال ۲۹۷، ۴/۶۴۲)۔

ان کے لیے احکام اصلیہ میں کچھ رخصتیں ضرور ہوں گی اور عارضی حکم ان کے لیے کچھ اور ہوگا۔ ابتداء اسلام میں جبکہ ہجرت شرط ایمان تھی اور فرض تھی، لیکن شریعت نے ایسے موقع پر بھی چند معذور افراد کے لئے ہجرت سے رخصت کا اعلان کردیا (سورہ نساء آیت ۹۷، ۹۸، ۹۹)۔

جمہوری حکومت میں قانون ساز اداروں کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنا مسلم اقلیت کے کمزور نمائندگان کے لیے تقریباً محال ہے، بلکہ یوں کہا جائے کہ جب جمہوری ملک ہوگیا اور جمہوری نظام چل پڑا تو حسب قاعدہ ''إذا ثبت الشئ ثبت بلوازمه'' جمہوریت تو اپنے تمام لوازمات کے ساتھ مسلط ہوگی، اب جبکہ نظام کا بدلنا بھی اپنے قدرت میں نہیں اور نظام سے کنارہ کشی بھی ممکن نہیں کہ یہ دشمن کو میدان حوالہ کردینے کے مترادف ہے۔ ایسی صورت میں حدیث نبوی کے بموجب صرف دل سے اس کو منکر سمجھنا اور کڑھ کر اصلاح کی دعا کرتے رہنا کافی ہے۔

غرضیکہ اس طرح کے ممالک جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں ان کی ذمہ داریوں کا تعین ان کی استطاعت، امکانات اور ان کے حالات کی روشنی میں کیا جائے گا۔

سیاسی بصیرت رکھنے والوں کا تجزیہ یہ ہے کہ ان ممالک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، کوششیں اندرونِ خانہ یہ جاری ہے کہ ان کو انتخاب میں امیدوار ہونے یا ووٹ کے حق دار بننے سے محروم کردیا جائے اور رہی سہی مسلم معاشرہ کی ساکھ کو بالکل ختم کردیا جائے، ایسی صورتحال میں بادل نخواستہ ہی صحیح امیدوار کو حکومت و سیاست سے جڑا رہنا خواہ وقتی طور پر پارٹی کی پالیسیوں کے مطابق شریعت کے خلاف یا اپنے ضمیر کے خلاف ووٹ ہی کیوں نہ دینا پڑے، موجودہ حالات میں اس کی یقیناً گنجائش ہوگی ساتھ ہی توبہ واستغفار بھی لازم رہے گا۔

عموماً حکمراں پارٹی جب کوئی قانون بناتی ہے یا کوئی بھی پارٹی جب کوئی وہیپ جاری کرتی ہے تو مجموعی اعتبار سے وہ کلی طور پر صریح اسلام کے مغائر کم ہی ہوتا ہے، کیوں کہ انھیں یہ بھی باور کرانا ہوتا ہے کہ ہم اسلام مخالف نہیں بلکہ سیکولر ہیں،

البتہ پارٹی کے وہیپ، دستور پالیسیاں جزوی اعتبار سے مخالف اسلام ہوتی ہیں، اب اگر مسلمان ان خرابیوں کے باعث بالکل بھی حصہ نہ لیں تو پھر یہ پارٹیاں مزید شتر بے مہار ہوجائیں گی اور کھل کر اسلام مخالف پالیسیاں مرتب ہوں گی جو کلی طور پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جائیں گی، اس لیے پارٹی میں بنے رہنے میں اخف ضرر ہے اور علاحدہ ہونے میں اشد ضرر ہے، لہٰذا اشد ضرر سے بچنے کی خاطر خلاف شرع قانون ساز اداروں کا ممبر بننا جائز ہی رہے گا۔

اسی طرح اگر دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑا تو اگر چہ اس کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفاد کے مغایر ہوں تاہم مصالح عامہ کے پیش نظر اور دفع مضرت کی خاطر (ان قابل اعتراض دفعات کو دل سے برا سمجھتے ہوئے) دستور سے وفاداری کا حلف لینا بھی جمہوری حکومتوں اور غیر مسلم اقلیت والے ملکوں میں جائز ہوگا اس سے زائد کا یہ شخص مکلّف بھی نہیں۔

(٦) بائبل پر حلف برداری کا حکم:

غیر اللہ کی قسم کھانا اگر چہ شرعاً ممنوع ہے، لیکن جیسا کہ خلاف شرع قوانین کے باوجود حکومت میں دخیل رہنا اقلیت والے مسلمانوں کے لئے مصلحت عامہ کی خاطر اور بڑے مفسدہ سے بچنے کے لیے درست قرار دیا گیا ہے۔ اسی پر بائبل پر حلف لینے کے مسئلہ کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے، بلکہ یہ اس سے بھی کمتر اور ہلکے درجہ کا ضرر ہے، کیونکہ اگر بائبل پر حلف لینے کی صورت یہ ہو کہ صرف بائبل ہاتھ میں ہو اور قسم اللہ کی ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے ورنہ قسم تو عام حالات میں قرآن کی بھی کھانا درست نہیں چہ جائیکہ بائبل کی۔ لیکن بائبل پر حلف لینا انسان کے ایمان وکفر کا مسئلہ ہرگز نہیں ہے، کیونکہ بائبل ہو یا کوئی اور دوسری مذہب کی کتاب اس پر حلف لینے سے مقصود یہ نہیں ہوتا کہ حلف لینے والا اس کتاب پورجوں کا توں اعتقاد رکھتا ہے اور ہاتھ میں اٹھائی ہوئی کتاب کو ہی اصل آسمانی کتاب خیال کر کے اس پر ایمان رکھتا ہے۔ بلکہ حلف برداری بھی ایک رسم ہے جس کو دکھا کر اپنی وفاداری کا یقین دلانا ہوتا ہے کہ اس ملک کی اکثریت جس کتاب کو تسلیم کرتی ہے وہ اس کتاب کو اٹھائے ہوئے انھیں اپنے وفادار ہونے کا اعتماد دلا رہا ہے۔ اس میں موجودہ بائبل پر ایمان ہونا لازم نہیں آتا۔

بائبل پر بدرجہ مجبوری حلف لینے میں اگر چہ حلف دلانے والے کا عقیدہ ونیت کچھ ہو، لیکن حلف اٹھانے والے کی نیت درست ہو تو فقہا لکھتے ہیں کہ حالف کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ یہ مسئلہ مظلوم ومکرہ اور ظالم ومکرہ کی مخالف نیتوں کی صورت میں علامہ ابن نجیم مصری نے لکھا ہے، چنانچہ ''الاشباہ والنظائر'' میں فرماتے ہیں:

وكذا اختلفوا هل الاعتبار لنية الحالف، أو لنية المستحلف والفتوىٰ على اعتبار نية الحالف إن كان مظلوماً لا إن كان ظالماً (ص۲۰۱ الاشباہ) (اہل قیاس نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ حالف کی نیت کا

اعتبار ہے یا مستحلف کا، فتویٰ اس پر ہے کہ حالف کی نیت معتبر ہوگی بشرطیکہ وہ مظلوم ہو نہ کہ ظالم)(ص ۱۰۶ الاشباہ)۔

مذکورہ اصول کے پیش نظر جہاں کہیں بھی مسلمانوں کو اقلیت میں ہونے کے سبب ایسے مسائل درپیش ہیں، بلاشبہ وہ مظلومین کے حکم میں ہوں گے اگر وہ مغلوب نہ ہوتے تو اس کی نوبت نہ آتی، اس لیے بائبل وغیرہ پر حلف لینا، جب ناگزیر ہوجائے اور حلف لیتے وقت موجودہ بائبل پر ایمان واعتقاد نہ رکھتا ہو بلکہ بادل نخواستہ حلف برداری کی رسم ادا کرتا ہو تو اگرچہ مستحلف کا عقیدہ ونظریہ بائبل پر ہو لیکن حالف اپنی نیت کی بنا پر اس سے بری ہوگا اور ایسی صورت میں مظلوم اور مکرہ پر قیاس کرتے ہوئے مذکورہ حلف برداری کی گنجائش ہوگی۔

(۷-۸) سیکولر یا مسلم دشمن پارٹیوں میں مسلمانوں کی شمولیت کا حکم:

غیروں کے غلبہ اور مسلم اقلیت والے ملک میں جہاں سبھی بڑی پارٹیاں اسلامی اصولوں کے مطابق نہیں ہوتیں، کیونکہ وہ کافروں اور سیکولر ذہن والوں کی بنائی ہوئی یا ان کے غلبہ والی پارٹیاں ہوتی ہیں ان سے یہ توقع فضول ہے کہ وہ صد فیصد اسلامی اصول کی پاسداری کریں اور مسلمان اس پوزیشن میں نہیں ہوتے کہ وہ اسلامی آئین اور شرعی قوانین کے مطابق سیاسی اقتدار اور غلبہ حاصل کر کے خالص اسلامی نظام نافذ کرسکیں۔ ایسی حالت میں ملک کی وہ سیکولر پارٹیاں جو نسبتاً جمہوری آئین کے مطابق سب کے حقوق تسلیم کرتی ہوں اور مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے زیادہ مناسب ہوں۔ خواہ ان کے منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفاد کے خلاف ہی ہوں جبکہ اس کا نعم البدل موجود نہ ہو تو ایسی پارٹیوں میں مسلمانوں کی شمولیت، ان پارٹیوں کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل رہنا جائز و درست ہوگا اور یہ حکم غیروں کے غلبہ اور مسلمانوں کے مغلوب ہونے کے سبب عارضی حکم کہلائے گا جیسا کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے حوالے سے یہ بات عرض کی جاچکی ہے اس سلسلہ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''موجودہ حالات میں افسوس اور نہایت افسوس ہے کہ مسلمانوں کی ایسی جماعت نہ موجود ہے اور نہ قریب میں اس کی توقع ہے۔ (اس لیے ایسے حالات میں عارضی حکم یہی ہے) اور اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ موجودہ (سیاسی) جماعتوں میں سے کسی جماعت میں داخل ہوں اور قواعد شرعیہ کی رو سے ان میں جو نقص ہو اس کی اصلاح کریں اور اگر ان میں ایک کی اصلاح آسان ہو اور دوسرے کی دشوار ہو تو مذکورہ قاعدہ کے مطابق اس میں داخل ہوجائیں جس کی اصلاح آسان ہو۔ بس مسلمانوں کو اطمینان وتوکل کے ساتھ ایسی جماعت میں داخل ہوجانا چاہیے، پھر ان میں جو اہل قوت واہل اثر ہیں ان کو اپنی قوت واثر سے اس کی اصلاح کی کوشش کرنا چاہیے، اور اصلاح کے طریقوں میں علماء محققین سے مدد لیتے رہیں۔ (یہ حکم عارضی

ہے)اور جب کوئی جماعت مسلمہ منظّم، صاحب قوت، صاحبِ اثر تیار ہو جائے اس کے ساتھ مل کر کام کریں۔ موافق مخالف ہر ایک کے ساتھ اسلامی اخلاق کو اپنا شعار رکھیں'' (افادیتِ اشرافیہ در مسائل سیاسیہ ص ۲۷)۔

خلاصہ یہ کہ پارٹیوں کے نقائص ونقصانات اور ان کے اسلام مخالف منشور ودفعات کے پیش نظر کم سے کمتر خرابی کا انتخاب کرتے ہوئے جب تک حالات مسلمانوں کے حق میں سازگار نہیں ہیں ان کے ساتھ مل کر حکومت سازی والیکشن وغیرہ میں حصہ لیتے رہنے کی گنجائش ہے۔ اس کے برعکس زیادہ مضر اور موذی پارٹیاں جو کھلے طور پر مسلم دشمنی پر آمادہ ہیں اور ان کے منشور و پروگرام میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہو، ایسی پارٹیوں میں شرکت ناجائز ہے اور اعلانیہ طور پر تعاون علی الاثم ہے۔

(۹) مسلمانوں کی علاحدگی اور سیاسی جماعت کا قیام:

مسلمانوں کا سیاسی حیثیت سے مستحکم ومتحد ہونا اشد ضروری ہے اور اس کے لیے ممکنہ سعی وتدبیر اختیار کرنا بھی لازم ہے اور سیاسی طور پر تابع رہنے کے بجائے متبوع بننے کی کوشش بھی اسلامی فریضہ ہے، اس کے لیے مسلمانوں کو شدید استحکام کے ساتھ منظّم ہونے کی سخت ضرورت ہے اور ان کے تمام مصالح ومنافع کی حفاظت اور تمام مضار ومفاسد سے صیانت و حفاظت بھی اس تنظیم پر موقوف ہے، لیکن ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور مسلمان اگر اپنی الگ سیاسی پارٹی بھی بناتے ہیں تو ان کو بھی جمہوریت کی دہائی دینا لازم ہے، وہ سیکولر ایجنڈے سے باہر نہیں جاسکتے۔ ایسی صورت میں ان کی پارٹی سے مسلمانوں کا خاص بھلا نہیں ہو پاتا بلکہ بعض دفعہ سخت نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لیے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ مسلم سیاسی پارٹی کے قیام کا حکم ہر جگہ کے احوال وکوائف کے اعتبار سے علاحدہ ہوگا۔

دراصل یہ بحث جواز وعدم جواز سے بڑھ کر سیاسی مبصرین کے تجربات پر موقوف ہے اور ہر مقام وعلاقہ کے اعتبار سے مختلف حکم کی متقاضی ہے، کہیں اس کی افادیت غالب ہوگی اور کہیں مضرت کا غلبہ ہوگا۔ افادیت ومضرت کے غلبہ کے اعتبار سے اس کے جواز وعدم جواز کا فیصلہ ہوگا۔

حکیم الامت تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''سیاست کے دو حصے ہیں: ایک سیاست کے شرعی احکام یہ بے شک شریعت کا جزو ہے اور کوئی عالم اس سے ناواقف نہیں، چنانچہ ابواب فقہیہ میں کتاب السیر کا ایک مستقل جزو ہے جس کی درس وتدریس کا پابندی سے اہتمام ہے۔

دوسرا حصہ سیاست کا تجرباتی تدبیریں ہیں جو ہر زمانہ کے حالات وواقعات اور آلات وغیرہ کی تبدیلی سے بدلتی رہتی ہیں، اور یہ حصہ شریعت کا جزو نہیں ہے اور علماء کا اس میں ماہر ہونا ضروری نہیں، اسکی مہارت کے دوسرے ذرائع ہیں جن کا حاصل تجربہ اور خاص مناسبت ہے (البدائع ص ۳۴۔ غیر اسلامی حکومت ص ۱۲۰، مرتبہ مفتی محمد زید صاحب)۔

غرضیکہ الگ پارٹی بنانے کا مسئلہ علاقوں کی نوعیت سے سیاسی مبصرین اور درد مند اہل تجربہ کی رائے اور صوابدید پر موقوف ہے۔

(۱۰) الیکشن میں خواتین کا کردار:

خواتین کے سلسلے میں اسلام کا موقف ڈھکا چھپا نہیں ہے، اسلام چاہتا ہے کہ خواتین گھر کی چہار دیواری میں گھریلو نظام اور اولاد کی تعلیم وتربیت اور امور خانہ داری کا نظام سنبھالیں، کیونکہ فطری اور خلقی وضع کے اعتبار سے مرد وعورت میں جو امتیاز ہے اسلام نے اس کا بھی بھرپور خیال رکھا ہے اور معاشرے میں دونوں کی جداگانہ حیثیت متعین کردی ہے اور اس حیثیت کے مطابق ان کے حقوق وفرائض بھی بیان کردیئے ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں عورت کی قیادت وسیادت اور سربراہی کے متعلق فیصلہ کن ارشاد ہے: ''**لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة**'' (بخاری ۴/۱۶۱) (وہ قوم ہرگز فلاح یاب نہیں ہوسکتی جو اپنے معاملات کی ذمہ داری کسی عورت کے سپرد کردے)۔

یہی وجہ ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کی حیات طیبہ میں بے شمار غزوات ہوئے، لیکن کسی میں بھی عورت کو امیر الجیش بنا کر روانہ نہیں کیا گیا۔ آپ ﷺ جب خود جہاد میں تشریف لے گئے تو اپنی عدم موجودگی میں کسی خاتون کو اپنا جانشین نہیں مقرر فرمایا۔ اسی طرح کسی خاتون کو کبھی امیر الحج بھی نہیں بنایا گیا اور حدتو یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے نبوت ورسالت کے لیے بھی عورت کو منتخب نہیں فرمایا۔ غرضیکہ شریعت نے عورت کو کسی ایسے حکم کا پابند نہیں بنایا جو اس کے اصل مقام کے منافی ہو۔ اس کے کاندھے پر کوئی ایسی ذمہ داری نہیں ڈالی جس میں اسے گھر سے باہر نکلنا پڑے۔ اسی لیے اس پر جمعہ فرض نہیں، جہاد فرض نہیں، جماعت سے نماز پڑھنا واجب نہیں، اگر عورت تنہا ہے کوئی محرم نہیں ہے تو اس پر مالدار ہونے کے باوجود حج فرض نہیں ہے۔ عام اسفار بھی بلا محرم کے جائز نہیں۔ جنازے کی مشایعت بھی جائز نہیں اس کی اذان منع۔ امامت منع۔ اقامت منع۔ ولایت صحیح نہیں باپ ہی کو ولایت نکاح ووصیت وغیرہ حاصل ہے۔ غرضیکہ درجنوں مسائل وامثال سے یہ بات واضح ہے کہ خواتین کا دائرہ عمل مردوں سے بہرحال مختلف ہے اور مختلف رہنا ہی چاہیے اور اسی بنا پر فقہائے امت اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ کسی اسلامی حکومت میں سربراہی کے منصب کی ذمہ داری کسی عورت کے حوالہ نہیں کی جاسکتی۔ علامہ ابن حزم نے صاف لکھا ہے:

واتفقوا أن الإمامة لا تجوز امرأة'' (مراتب الاجماع ص ۱۲۶) (فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی عورت کے لیے امارت وامامت جائز نہیں)۔

مذکورہ بالا تمہید سے یہ مسئلہ تو منقح ہوگیا کہ جہاں مسلم مرد کو الیکشن میں امیدوار بنایا جا سکتا ہے اور وہ سیٹ خواتین کے نام پر ریزرو نہیں ہے وہاں کسی مسلم خاتون کا الیکشن میں کھڑا ہونا درست نہیں، اس سے جہاں عورت کا اپنے حدود سے تجاوز لازم آتا ہے، وہیں مردوں کی حق تلفی کو بھی مستلزم ہے۔ مفتی کفایت اللہ صاحب کے فتاویٰ میں ہے:

''بطور امیدوار کھڑا ہونا عورتوں کے لیے مستحسن نہیں، کیونکہ اس ضروریاتِ شرعیہ کی رعایت کے ساتھ کونسل یا اسمبلی کی شرکت عورتوں کے لیے متعذر رہے'' (کفایت المفتی ۹/ص ۳۰۸)۔

جہاں تک ووٹنگ میں حصہ لینے کی بات ہے تو اس کے لیے فوٹو شناختی کارڈ بنوانا اور اس کو دکھلا کر ووٹ دینا بھی ایک ناگزیر ضرورت ہے، کیونکہ اگر مسلم خواتین کو انتخابی عمل سے دور کر دیا جائے تو مسلمان رائے دہندگان کا نصف حصہ ووٹ دینے سے محروم رہ جائے گا جس سے مستقبل میں ناقابل تلافی نقصانات اور اس کے منفی اثرات مرتب ہوں گے۔

مسلم خواتین کا امیدوار ہونا اور ووٹنگ میں حصہ لینا دونوں کا حکم علیحدہ علیحدہ ذکر کیے جانے کے بعد اس سلسلے کا سب سے پیچیدہ مسئلہ ان حلقوں اور علاقوں کا ہے جہاں حکومت نے انتخاب کے لیے خواتین کو مختص کر دیا ہے یا تعداد کے اعتبار سے خواتین کی نمائندگی کو یقینی بنانے کے لیے خواتین کا کوٹہ مقرر کر دیا ہے، ایسی جگہوں میں اور ایسی صورتحال میں مسلم خواتین الیکشن میں امیدوار ہو سکتی ہیں یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اولاً اصولی بات تو یہی ہے کہ حکم اصلی عدم جواز کا ہے، کیونکہ عورت کا امیدوار ہونا بہت سے مفاسد کو بھی مشتمل ہے اور مرد و عورت کے لیے جو فطری تقسیم کار منجاب اللہ ہے اس کی بھی خلاف ورزی ہے۔ نیز عورتوں کے مرد کی جگہ لے لینے سے مردوں کی حق تلفی ہے پھر عموماً اہلیت کا فقدان ہونے کے سبب جس قانون ساز ادارہ یا کونسل یا میونسپلٹی وغیرہ کی رکن بنے گی وہ شعبہ بھی خلل کا شکار ہوگا۔ غرضیکہ خواتین کا الیکشن میں امیدوار بن جانا چند در چند مفاسد پر مشتمل ہونے کے سبب شرعاً بالکل جائز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ الیکشن کی سرگرمی اور ہنگاموں میں جس طرح امیدوار سڑکوں پر بے آبرو نظر آتے ہیں، مسلم عورتوں کی یہ بے آبروئی اسلام برداشت نہیں کر سکتا۔ لیکن اس حکم اصلی کے ساتھ ہی ایک نظر ملکی و سیاسی حالت اور اغیار کی سازش پر رکھنی ہوگی اور ان حلقوں میں جہاں مرد کے الیکشن میں کھڑے ہونے پر پابندی لگا کر عورت کو ہی امیدوار ہونے کا موقع باقی رکھا گیا ہے، اگر مسلم خواتین وہاں حصہ نہ لیں تو مرد تو پہلے ہی محروم کیے جا چکے، خواتین حکم شرع کی بنا پر اس میں حصہ نہ لیں گی تو آئندہ اس کے نتائج یہ ہوں گے کہ مسلم نمائندگی صفر کے برابر ہو جائے گی اور اپنی کوئی آواز اٹھانے والا اس محکمہ میں نہ ہوگا۔ کفار و اغیار کی اسلام کو اور مسلمانوں کو کمزور سے کمزور تر کرنے کی جو سازشیں ہیں وہ بروئے کار لائیں گے، اس لیے حکم شرع کی خلاف ورزی کا نقصان اور الیکشن میں حصہ نہ لینے سے قومی و ملی اجتماعی نقصان دونوں کا موازنہ کیا جائے تو عارضی حکم یہی ہوگا کہ صرف دفع مضرت کی خاطر جب مردوں کو اس سیٹ کے لیے موقع

باقی نہ رہے تو مسلم خواتین کے ذریعہ اس خلا کو پر کیا جائے، اغیار اور دشمنوں کے لیے وہ سیٹ بالکل نہ چھوڑ دی جائے اور اپنے حق سے بالکل دستبردار نہ ہوا جائے، یہ رائے فقہاء کے اصول سے ہی مستنبط ہوتی ہے وہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے الفاظ میں یہ ہے:

''اور یہ شرعی وعقلی قاعدہ ہے کہ جس جگہ دو قسم کے ضرر (نقصان) جمع ہوں ایک اشد، دوسرا اہون، تو اہون کو اختیار کرلینا چاہیے، یعنی جہاں دونوں شقوں میں مفسدہ ہو مگر ایک میں اشد ایک میں اخف تو اشد سے بچنے کے لیے یا اس کو دفع کرنے کے لیے اخف کو گوارہ کرلیا جاتا ہے اور ہے تو یہ بھی بُرا، مگر دوسرے مفسدہ کے مقابلہ میں پھر بھی اخف ہے'' (ملفوظات اشرفیہ ص: ۱۴)۔

الیکشن میں حصہ داری-موجودہ تناظر میں

مفتی عبدالرحیم الحسنی الکشمیری ☆

۱،۲-الف-موجودہ جمہوری نظام کے مفاسد میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں انسان کو خود عہدہ ومنصب کا طلبگار بننا پڑتا ہے اور چونکہ ہمارا قومی نظام بھی اسی اصول پر مبنی ہے، اس لیے نہ صرف سیاسی انتخابات، بلکہ مذہبی جماعتوں اور ملی تنظیموں میں بھی عہدہ ومنصب کی طلب کا یہی رویہ عام ہوگیا ہے، جو نہایت ہی بدبختانہ بات ہے، تاہم موجودہ سیاسی نظام میں اس کے سوا چارہ نہیں کہ امیدوار خود الیکشن میں کھڑے ہوں، ان حالات میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ کم سے کم ایسا ہو کہ جب تک عام لوگ الیکشن میں امیدوار بننے کے لیے اصرار نہ کریں اور ان کی طرف سے مطالبہ نہ ہو، امیدوار بننے سے گریز کیا جائے۔

کسی شخص کو ووٹ دینا اس کو اپنا نمائندہ نامزد کرنا ہے، کیسے شخص کو اپنا نمائندہ بنایا جائے اور کس شخص کو کس عہدہ پر مامور کیا جائے؟ اس کے لیے قرآن نے ایک بنیادی بات بتائی ہے کہ جس کو ذمہ داری سپرد کی جائے اس میں دو باتیں ضرور پائی جانی چاہئیں: ایک تو صلاحیت واہلیت دوسرے امانت ودیانت: ”ان خیر من استأجرت القوی الامین“ (القصص: ۲۶)۔ صلاحیت سے مراد یہ ہے کہ مجالس قانون ساز میں پہنچنے کے بعد وہ شخص صحیح موقف کی رہنمائی کرسکے، صحیح موقف سے مراد یہ ہے کہ اس کی رائے قرآن وحدیث اور شریعت اسلامی کے مخالف نہ ہو، دوسرے اسمیں مسلمانوں کے ملی مفادات کی رعایت ہو، تیسرے اس کی رائے ملک اور ملک کے تمام شہریوں کے لیے خیر خواہی پر مبنی ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب اس میں شعور وآگہی ہو، وہ ضروری حد تک شریعت کے احکام سے واقف ہو، زمانہ شناس اور عصری تقاضوں سے آگاہ ہو، دوسرے اپنی بات کو مؤثر طریقہ سے پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ یہ سنت نبوی بھی ہے کہ کسی بات کے کہنے کے لیے مناسب شخص کا انتخاب کیا جائے، افسوسناک بات یہ ہے کہ اکثر اوقات ایسے مسلمان منتخب ہوکر مجالس قانون ساز میں پہنچتے ہیں کہ خود ان کے شعور وآگہی کی سطح بہت پست ہوتی ہے، ان میں مدلل طریقہ پر سوال اٹھانے اور مخالف سوال کا سامنا کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی، ظاہر ہے کہ عوام میں جذباتی تقریر کرنا آسان ہے، لیکن دلیل کی زبان میں اپنی بات کو ثابت کرنا اسی قدر دشوار۔

☆ صدر مفتی ومہتمم دارالعلوم المصطفوی محلّہ توحید گنج بارہ مولہ کشمیر۔

دوسرا ضروری وصف ''امانت ودیانت'' امانت ایک جامع لفظ ہے، یہ صرف مال ہی سے متعلق نہیں ہے، بلکہ انسان کا ہر قول وفعل اس کی وسعتوں میں داخل ہے، فکر وسوچ میں بھی امانت مطلوب ہے، فکر کی امانت یہ ہے کہ انسان قومی نمائندہ ہونے کی حیثیت سے ذاتی مفاد کے بجائے قومی اور ملی مفاد کے پس منظر میں سوچے، امانت زبان سے بھی متعلق ہے، زبان کی امانت یہ ہے کہ سچی اور درست بات کہی جائے، جھوٹ، بہتان تراشی اور اپنی پارٹی اور حکومت کی خوشامد وچاپلوسی سے بچا جائے، قول وعمل میں تضاد نہ ہو، زبان اور دل ایک دوسرے کے رفیق ہوں اور یقیناً امانت ودیانت کا تعلق مال ومتاع سے بھی ہے، ایک زمانہ میں چھوٹے درجہ کے ملازمین کو کرپٹ اور رشوت خور سمجھا جاتا تھا، لیکن آج لوگوں کو یقین ہے کہ سیاسی قائدین اس میدان میں سب پر سبقت لے گئے ہیں، اگر اسکنڈل اور رشوت خوری بھی فن کہلانے کا مستحق ہے تو ہمارے ملک کے بعض وزراء، بلکہ وزیر اعظم تک ایسے گذرے ہیں کہ یقیناً وہ اس بات میں انعام کے مستحق ہیں (اسلام اور جدید فکری مسائل ص: ۳۳۰، ۳۳۱)۔

ب-انتخابات میں ووٹ کی شرعی حیثیت:

۱-اپنے ووٹ کا استعمال کرنا شرعاً ضروری ہے:

پہلی غلطی تو سیدھے سادے لوگوں میں اپنی طبعی شرافت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، اس کا منشاء اتنا برا نہیں، لیکن نتائج بہت برے ہیں، وہ غلط فہمی یہ ہے کہ آج کی سیاست مکر وفریب کا دوسرا نام بن چکی ہے، اس لیے شریف آدمیوں کو نہ سیاست میں کوئی حصہ لینا چاہئے، نہ الیکشن میں کھڑا ہونا چاہئے اور نہ ووٹ ڈالنے کے خرخشے میں پڑنا چاہیے۔

یہ غلط فہمی خواہ کتنی نیک نیتی کے ساتھ پیدا ہوئی ہو، لیکن بہرحال غلط اور ملک وملت کے لیے سخت مضر ہے۔ ہماری سیاست بلاشبہ مفاد پرست لوگوں کے ہاتھوں گندگی کا ایک تالاب بن چکی ہے، لیکن جب تک کچھ صاف ستھرے لوگ اسے پاک کرنے کے لیے آگے نہیں بڑھیں گے اس گندگی میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا، پھر ایک نہ ایک دن یہ نجاست خود ان کے گھروں تک پہنچ کر رہے گی، لہٰذا عقلمندی اور شرافت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ سیاست کی اس گندگی کو دور سے برا کہا جاتا رہے بلکہ عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ سیاست کے میدان کو ان لوگوں کے ہاتھ سے چھیننے کی کوشش کی جائے جو مسلسل اسے گندہ کر رہے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ سرور کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''**الناس إذا رأوا الظالم فلم یاخذوا علیٰ یدیه أوشک أن یعمهم الله بعقاب**'' (جمع الفوائد ۲/۵۱ بحوالہ ابوداؤد وترمذی) (اگر لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا عذاب عام نازل فرمائیں)۔

اگر آپ کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ ظلم ہو رہا ہے اور انتخابات میں سرگرم حصہ لے کر اس ظلم کو کسی نہ کسی درجے میں مٹانا آپ کی قدرت میں ہے تو اس حدیث کی رو سے آپ کا فرض ہے کہ خاموش بیٹھنے کے بجائے ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اس ظلم کو روکنے کی مقدور بھر کوشش کریں۔

بہت سے دین دار لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم اپنا ووٹ استعمال نہیں کریں گے، تو اس سے کیا نقصان ہوگا؟ لیکن سنئے: کہ سرکار دو عالم ﷺ کیا ارشاد فرماتے ہیں، حضرت سہل بن حنیفؓ سے مسند احمد میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من أذل عنده مؤمن فلم ينصره وهو يقدر علىٰ أن ينصره أذله الله علىٰ رؤوس الخلائق (جمع الفوائد ۲/۵۱ بحوالہ ابوداؤد و ترمذی) (جس شخص کے سامنے کسی مومن کو ذلیل کیا جا رہا ہو اور وہ اس کی مدد کرنے پر قدرت رکھنے کے باوجود مدد نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے میدان میں برسرعام ذلیل کرے گا)۔

ووٹ نہ دینا حرام ہے:

شرعی نقطۂ نظر سے ووٹ کی حیثیت شہادت اور گواہی کی سی ہے، اور جس طرح جھوٹی گواہی دینا حرام اور ناجائز ہے، اسی طرح ضرورت کے موقع پر شہادت کو چھپانا بھی حرام ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

ولا تکتموا الشهادة ومن يكتمها فانه آثم قلبه (جس کسی کو شہادت کے لیے بلایا جائے پھر وہ اسے چھپائے تو وہ ایسا ہے جیسے جھوٹی گواہی دینے والا)۔

بلکہ گواہی دینے کے لیے تو اسلام نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ کسی کے مطالبہ کرنے سے پہلے ہی انسان اپنا یہ فریضہ ادا کر دے، اور اس میں کسی کی دعوت یا ترغیب کا انتظار بھی نہ کرے، حضرت زید بن خالدؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ألا أخبركم بخير الشهداء الذى يأتى بشهادته قبل أن يسألها (جمع الفوائد ۱/۶۲۱ بحوالہ مالک و مسلم وغیرہ) (کیا میں تمہیں نہ بتاؤں بہترین گواہ کون ہے؟ وہ شخص ہے جو اپنی گواہی کسی کے مطالبہ کرنے سے پہلے ہی ادا کر دے)۔

ووٹ بھی بلاشبہ ایک شہادت ہے، قرآن و سنت کے یہ تمام احکام اس پر بھی جاری ہوتے ہیں، لہٰذا ووٹ کو محفوظ رکھنا دینداری کا تقاضا نہیں ہے، اس کا زیادہ سے زیادہ صحیح استعمال کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے، یوں بھی سوچنے کی بات ہے کہ اگر شریف، دیندار اور معتدل مزاج کے لوگ انتخابات کے تمام معاملات سے بالکل یکسو ہو کر بیٹھ جائیں تو اس کا مطلب اس

کے سوا کیا ہوسکتا ہے کہ وہ پورا میدان شریروں، فتنہ پردازوں اور بے دین افراد کے ہاتھوں میں سونپ رہے ہیں، ایسی صورت میں کبھی بھی یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ حکومت نیک اور اہلیت رکھنے والے افراد کے ہاتھ میں آئے، اگر دین دار لوگ سیاست سے اتنے بے تعلق ہوکر رہ جائیں تو پھر انہیں ملک کی دینی اور اخلاقی تباہی کا شکوہ کرنے کا بھی کوئی حق نہیں پہنچتا، کیوں کہ اس کے ذمہ دار وہ خود ہوں گے اور ان کے حکام کا سارا عذاب وثواب ان ہی کی گردن پر ہوگا اور خود ان کی آنے والی نسلیں اس شر وفساد سے کسی طرح محفوظ نہیں رہ سکیں گی جس پر بند باندھنے کی انہوں نے کوئی کوشش نہیں کی۔

الیکشن میں حصہ لینا:

موجودہ انتخابی نظام کے غیر اسلامی ہونے اور ان تمام خرابیوں کے باوجود جن کی نشاندہی کی جاتی ہے جب یہ بات تسلیم کرلی گئی کہ غیر مسلم ممالک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور اسلامی نظام حکومت برپا کرنے کے امکانات نہیں ہیں، مسلمانوں کا مفاد اسی میں ہے کہ مذہبی آمریت کے بجائے جمہوریت کی تائید کریں اور جمہوری نظام کا سب سے زیادہ بنیادی حصہ انتخابی سیاست ہے تو مسلمان انتخابی عمل اور الیکشن سے صرف نظر کیسے کرسکتے ہیں، لہذا الیکشن میں مسلمانوں کا حصہ لینا درست ہے (اقتباس از مضمون مفتی عتیق احمد قاسمی صاحب در سہ ماہی ''بحث ونظر'' شمارہ ۱۴ / ۵۲ جنوری - مارچ ۲۰۰۱ء جلد ۴ / ۱۳ ص ۳۴)۔

ج: انتخابات میں ووٹ کی شرعی حیثیت کم از کم ایک شہادت کی ہے جس کا چھپانا بھی حرام ہے اور اس میں جھوٹ بولنا بھی حرام اس پر کوئی معاوضہ لینا بھی حرام، اس کو محض ایک سیاسی ہار جیت اور دنیا کا کھیل سمجھنا بڑی بھاری غلطی ہے، آپ جس امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں شرعا آپ اس کی گواہی دیتے ہیں، کہ یہ شخص اپنے نظریہ اور علم وعمل اور دیانت داری کی رو سے اس کام کا اہل اور دوسرے امیدواروں سے بہتر ہے جس کام کے لیے یہ انتخابات ہورہے ہیں اس میں حقیقت کو سامنے رکھیں تو اس سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

۱- آپ کے ووٹ اور شہادت کے ذریعہ جو نمائندہ کسی اسمبلی مین پہنچے گا وہ اس سلسلے میں جتنے اچھے یا برے اقدامات کرے گا ان کی ذمہ داری آپ پر بھی عائد ہوگی۔ آپ بھی اس کے ثواب یا عذاب میں شریک ہوں گے۔

۲- اس معاملے میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ شخصی معاملات میں کوئی غلطی بھی ہوجائے تو اس کا اثر بھی شخصی اور محدود ہوتا ہے ثواب وعذاب بھی محدود، قومی اور ملکی معاملات سے پوری قوم متاثر ہوتی ہے اور اس کا ادنی نقصان بھی بعض اوقات پوری قوم کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے، اس لیے اس کا ثواب وعذاب بھی بہت بڑا ہے۔

۳- سچی شہادت کا چھپانا از روئے قرآن حرام ہے، اس لیے آپ کے حلقہ انتخاب میں اگر کوئی صحیح نظریہ کا حامل و

دیانت دار نمائندہ کھڑا ہے تو اسی کو ووٹ دیتے ہیں۔ کوتاہی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

۴- جو امیدوار نظام اسلامی کے خلاف کوئی نظریہ رکھتا ہے اس کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔

۵- ووٹ کو پیسوں کے معاوضے میں دینا بدترین قسم کی رشوت ہے اور چند ٹکوں کی خاطر اسلام اور ملک کے خلاف بغاوت ہے، دوسروں کی دنیا سنوارنے کے لیے اپنا دین قربان کر دینا کتنے ہی مال و دولت کے بدلے میں کوئی دانشمندی نہیں ہوسکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ شخص سب سے زیادہ خسارے میں ہے جو دوسرے کی دنیا کے لیے اپنا دین کھو بیٹھے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (ماخوذ از جواہر الفقہ ۲/ ۲۹۴،۲۹۵)۔

ضروری وضاحت: لیکن یہاں پر یہ بات بھی خاص طور پر ملحوظ نظر رکھنی ضروری ہے کہ بعض مرتبہ استعماری و قابض قوتیں عالم اسلام کے مختلف ممالک اور مقامات میں اپنے خوفناک مظالم اور بھیانک تہذیبی، سیاسی، اخلاقی اور جنگی جرائم پر پردہ ڈالنے نیز اقوام عالم و انصاف پسند طبیعتوں کو گمراہ کرنے کے لیے دھونس، دباؤ، لالچ اور دیگر سامراجی ہتھکنڈے استعمال کر کے انتخاب اور ریفرنڈم وغیرہ کا ڈھونگ رچاتی ہیں جو صرف اپنے جابرانہ قبضے کو طور دینے اور اقوام عالم سے مظلومین و مستضعفین (کمزوروں) پر اپنے مظالم و جرائم کو بدستور جاری رکھنے کے لیے حمایت حاصل کرنے کی بدترین سیاسی چال ہوتی ہے، لہٰذا اس قسم کے انتخابات و ریفرنڈم یا استصواب رائے میں حصہ لینا بھی **تعاون علیٰ الاثم والعدوان** کی بنا پر درج بالا وجوہات و دلائل کی روشنی میں حرام و ناجائز ہے۔

اس سلسلہ میں ہمارا استدلال غاصب برطانوی حکومت کے زیر سایہ قائم ہونے والی نام نہاد کونسلوں کے متعلق فتاویٰ امارت شرعیہ میں درج شدہ ذیل کے اس اہم ترین فتویٰ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ترک کونسل کے وجوہ حسب ذیل ہیں:

الف- کونسل قانونی ہو یا انتظامی اس کا مقصد نظام حکومت کا استحکام و انصرام ہے جو کھلم کھلا حکومت کی معاونت ہے۔

ب- کونسل میں اکثر غیر شرعی قانون وضع کیے جاتے ہیں جن کی تحریک یا تائید یا اس پر سکوت باوجود قدرت مخالفت کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں۔

قال رسول اللہ ﷺ: من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه۔

مگر مسلم ممبران کونسل یہ سب کچھ کرتے ہیں جس کے شواہد و واقعات ماضیہ اور خود موجودہ قوانین کا نفاذ ہے۔

ج- کونسل میں قوم انگریزی بھی ہوتی ہے جو ظالم و دشمن دین ہے اور ایسی قوم کے ساتھ اعزازی نشست شرعاً حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظلمین (انعام) پس یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ مل کر نہ بیٹھ۔
د- کونسل میں ممبران کے لیے حکومت کی وفاداری اطاعت شعاری وبہی خواہی کی قسم شرعاً حرام اور گنا کبیرہ ہے (فتاویٰ امارت شرعیہ ج ۱ ص ۲۷۴، ۲۷۵)۔

۳-الف- **قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم** (سورہ یوسف ۵۵) (یوسف علیہ السلام نے) کہا مجھے ملک کے خزانوں پر مامور کردیجئے میں دیانت بھی رکھتا ہوں، علم بھی رکھتا ہوں۔
یہ عہدہ آج کل کی اصطلاح میں ریونیو منسٹر (وزیر محاصل و مالگذاری) اور فائنانس منسٹر (وزیر مالیات وخزانہ) کا جامع معلوم ہوتا ہے۔
خزائن الارض: بعض مفسرین نے ارض کے معنی بجائے ملک کے زمین لے کر خزائن الارض کے معنی زمین کی پیداواروں کے لیے ہیں (روح المعانی)، فقہاء ومفسرین نے لکھا ہے کہ جب مقصود نفع رسانی ہو نہ کہ نفس پروری، اور خدمت خلق کی یہی ایک صورت کھلی رہ جائے تو اپنے کو عہدہ ومنصب کے لیے پیش کردینا ناجائز نہیں، یہاں تک کہ فاسق بلکہ کافرانہ نظام حکومت کے ماتحت بھی عہدہ ومنصب قبول کرلینا حرام نہیں رہ جاتا۔

وفیه دلیل علی جواز طلب التولیة والإظهار أنه مستعد لها والتولی من ید الکافر إذا علم أنه لا سبیل إلیٰ إقامة الحق وسیاسة الخلق إلا بالاستظهار به (بیضاوی) **وفیه دلیل علی أنه یجوز أن یتولی الإنسان عمالة من ید سلطان جائر، وقد کان السلف یتولون القضاء من جهة الظلمة وإذا علم النبی ﷺ أو العالم أنه لا سبیل إلی الحکم بأمر الله تعالیٰ ورفع الظلم إلا بتمکین الملک الکافر أو الفاسق فله أن یستظهر به** (مدارک) **فإن کان الملک کافر ولا سبیل إلی الحکم بأمر الله ورفع الظلم إلا بتمکینه فللمتولی أن یستظهر به** (بحر) **وفی هذه الآیة ما یبیح الرجل الفاضل أن یعمل للرجل الفاجر والسلطان الکافر بشرط أن یعلم أنه یفوض إلیه۔** اور ایسے ہی اقوال کبیر وغیرہ میں بھی ملتے ہیں۔
توریت میں اس مقام پر ہے: ''فرعون نے یوسف سے کہا کہ دیکھ میں نے تجھے ساری زمین مصر پر حکومت بخشی اور فرعون نے اپنی انگشتری اپنے ہاتھ سے نکال کر یوسف علیہ السلام کے ہاتھ میں پہنادی...... تب اس کے آگے منادی کی گئی، سب ادب سے رہو، اور اس نے اسے مصر کی ساری مملکت پر حاکم کیا، اور یوسف کو کہا: میں فرعون ہوں اور بغیر تیرے مصر کی ساری زمین میں کوئی انسان ہاتھ یا پاؤں نہ اٹھائے گا'' (پیدائش۔۴۱، ۴۱، ۴۱۔ ۴۴)۔
مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں دلالت ہے کہ منصب وحکومت کی درخواست جبکہ اس میں مخلوق کا نفع ہو، اور خود

اپنا یہ ضرر نہ ہو کہ غیر اللہ میں مشغول ہو جائے، قادح کمال نہیں۔

ب-حکمرانی کی طلب ناجائز ہے:

چونکہ حکمرانی ایک مسؤلیت و ذمہ داری ہے، حق نہیں ہے، اس لئے اس کا طلب کرنا جائز نہیں ہے، یہ ایسی چیز ہے ہی نہیں جسے حاصل کرنے کے لئے انسان بڑھ چڑھ کر جدوجہد کرے کہ میں کسی طرح حاکم بن جاؤں، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عبدالرحمان بن سمرہؓ سے ارشاد فرمایا:

"لا تسأل الإمارة فإنک إن أوتيتها عن مسألة وكلت إليها، وإن أوتيتها من غير مسألة أعنت عليها" (بخاری حدیث نمبر ۶۶۲۲ کتاب الایمان)۔

(امیر بننے کی طلب نہ کرو، کیونکہ اگر تمہیں تمہاری طلب پر امارت دی گئی، تو تمہیں اسی کے حوالہ کر دیا جائے گا (یعنی تمہیں اس کی ذمہ داریاں خود بھگتنی ہوں گی) اور اگر تمہیں یہ امارت طلب کے بغیر دی گئی تو (اللہ کی طرف سے) تمہاری مدد کی جائے گی)۔

اسی قسم کی بات حضور ﷺ نے قاضی کے عہدہ کے بارے میں بھی ارشاد فرمائی ہے جس سے مذکورہ بالا حدیث کی مزید تشریح ہوتی ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من ابتغى القضاء وسأل فيه شفعاء وكل الى نفسه، ومن أكره عليه انزل الله عليه ملكا يسدده" (ترمذی کتاب الاحکام حدیث نمبر ۱۳۲۳ کتاب الاقضیہ، ابوداؤد حدیث نمبر ۳۵۷۸ مسند احمد ۱۲۱۸۴)

(جو شخص قاضی بننے کی طلب کرے، اور اس کام کے لئے سفارش کرنے والوں کو تلاش کرے، اسے خود اپنے حوالے کر دیا جاتا ہے، اور جس کسی کو اس منصب پر مجبور کیا جائے، اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ نازل فرما دیتے ہیں جو اسے سیدھے راستے پر رکھتا ہے)۔

اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ میرے قبیلے کے دو آدمیوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ انہیں حکومت کا کوئی منصب عطا کر دیا جائے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

"إنا لا نولى هذا من سأله ولا من حرص عليه" (بخاری باب ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ حدیث نمبر: ۷۱۴۹) (ہم کسی ایسے شخص کو یہ منصب نہیں دیتے جو اس کی طلب کرے یا اس کی حرص کرے)۔

یہ احادیث بڑی صراحت کے ساتھ واضح کر رہی ہیں کہ امارت کو خود طلب کرنا ناجائز ہے، اور جو اس کا طالب ہو، وہ

درحقیقت اس منصب کا اہل ہی نہیں ہے، نیز ایک حدیث میں جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے، یہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

تجدون من خير الناس أشدهم كراهية لهٰذا الشان حتىٰ يقع فيه (بخاری شریف کتاب المناقب حدیث نمبر ۳۴۹۶) (تم بہترین انسان ان لوگوں کو پاؤ گے جو اس معاملے (یعنی امیر بننے) کو ناپسند کرتے رہیں، الا یہ کہ وہ اس میں مبتلا ہوجائیں)۔

ج-اس میں شبہ نہیں کہ الیکشن میں امیدواری اور عوام سے ووٹ کی بھیک مانگنا اسلامی نقطہ نظر سے ایک ناروا بلکہ غیر شریفانہ حرکت ہے، رسول اللہ ﷺ نے عہدہ کے طلب کرنے کو منع فرمایا ہے، کہ جب کوئی شخص مانگ کر عہدہ حاصل کرتا ہے تو اس سے اللہ کی مدد اٹھ جاتی ہے اور جب بغیر طلب کے کوئی ذمہ سر پر آجائے تو اللہ کی مدد شریک حال ہوجاتی ہے (مسلم عن عبدالرحمان بن سمرہ ج ۲ ص ۳۱)۔

لیکن اگر کوئی عہدہ طلب کئے بغیر نہ حاصل ہونے پائے اور اس عہدہ سے دین وملت کا مفاد وابستہ ہو، بلکہ بعض جائز مفادات ومصالح اس پر موقوف ہوں، تو یہاں بھی از راہ ضرورت ان مفادات کے تحفظ کی نیت سے عہدہ طلب کرنا، امیدوار بننا اور ووٹ مانگنا جائز ہے، اور اس کی سب سے واضح نظیر حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہے، جنہوں نے قحط کے حالات میں عامۃ الناس کے مفادات کے تحفظ کے لیے ملک کے خزانہ کی ذمہ داری طلب کی تھی اور فرمایا تھا: "**اجعلني علىٰ خزائن الأرض**" (سورہ یوسف:۵۵)۔

چنانچہ امام فخر الدین رازیؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"**وإذا ثبت هذا القول: انه عليه السلام كان مكلفا برعاية مصالح الخلق في هذه الوجوه وما كان يمكنه رعايتها إلا بهذا الطريق ولا يتم الواجب إلا به فهو واجب فكان هذا الطريق واجبا عليه ولما كان واجبا عليه سقطت الأسئلة بالكلية**" (مفاتیح الغیب للرازی ۹/۸۲)۔

(جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام ان امور میں بھی خلق کی مصلحتوں کی حفاظت کے مکلّف تھے اور یہاں مصلحتوں کا تحفظ اسی طریقہ پر ممکن تھا، اور جس کے بغیر واجب حاصل نہ ہوسکتا ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے، پس یہی صورت اختیار کرنی ان پر واجب تھی اور جب یہ بات ان پر واجب تھی تو اب کلیتاً کسی سوال کی گنجائش نہیں رہی)۔

پس چونکہ ہندوستان میں عوامی نمائندگی کے شعبہ میں جانے کی صورت الیکشن اور انتخابی قوانین کے تحت الیکشن میں اپنے آپ کو امیدوار کی حیثیت سے پیش کئے بغیر چارہ نہیں، اس لیے ان خصوصی حالات کے پیش نظر مسلمانوں کے لیے الیکشن میں حصہ لینا اور قانونی ضرورت کی تکمیل کے لیے بدرجہ مجبوری دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا جائز ہوگا۔ موجودہ انتخابی

نظام کو اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں، لیکن مصالح کے تحت مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا اور امیدوار بننا جائز ہے (اقتباس از مضمون مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب در سہ ماہی بحث ونظر شمارہ ۱۳ / ۱۵ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۰ رجب تا رمضان ۱۴۲۱ھ ص ۴۱، ۴۲)۔

د- موجودہ جمہوری نظام کے مفاسد میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں انسان کو خود عہدہ ومنصب کا طلبگار بننا پڑتا ہے اور چونکہ ہمارا قومی نظام بھی اسی اصول پر مبنی ہے، اس لیے نہ صرف سیاسی انتخابات، بلکہ مذہبی جماعتوں اور ملی تنظیموں میں بھی عہدہ ومنصب کی طلب کا یہی رویہ عام ہو گیا ہے، جو نہایت ہی بدبختانہ بات ہے، تاہم موجودہ سیاسی نظام میں اس کے سوا چارہ نہیں کہ امیدوار خود الیکشن میں کھڑے ہوں، ان حالات میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ کم سے کم ایسا ہو کہ جب تک عام لوگ الیکشن میں امیدوار بننے کے لیے اصرار نہ کریں اور ان کی طرف سے مطالبہ نہ ہو، امیدوار بننے سے گریز کیا جائے (اسلام اور جدید فکری مسائل ص ۳۳۰ ناشر ھدی بک ڈسٹری بیوٹرس اشاعت ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ نومبر ۲۰۱۱ء)۔

۴، ۵ - الف- یہ بات ''دو اور دو چار'' کی طرح واضح ہے کہ دور حاضر میں مروجہ جمہوریت اور سیکولرزم کے تصورات ونظریات اسلامی تعلیمات سے جوڑ نہیں کھاتے، اس سے بڑی کوئی گمراہی نہیں ہوگی کہ انہیں اسلامی نظریات سمجھ کر قبول کرلیا جائے، لیکن یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ ''**من ابتلی ببلیتین فلیختر أهونهما**'' اس قاعدہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر دو برائیوں میں کسی ایک کو اختیار کرنا ناگزیر ہو جائے تو ضروری ہے کہ ان دونوں میں جو ہلکی برائی ہے اس کو اختیار کیا جائے۔

جمہوری اور سیکولر ملکوں میں جہاں مسلمان اسلامی نظام حکومت جاری کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں اور نہ مستقبل قریب میں اس پوزیشن میں آنے کی امید ہے، وہاں دو ہی امکان ہیں: (۱) سیکولر جمہوری حکومت قائم ہو (۲) مذہبی یا غیر مذہبی آمریت قائم ہو، ایسے ممالک کے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنا وزن سیکولر جمہوری حکومت کے پلڑے میں ڈالیں، کیونکہ دونوں برائیوں میں ہلکی برائی یہی ہے، اگر مسلمان تماشہ بین بنے رہے اور ان کے کنارے کھڑے رہنے کی وجہ سے مذہبی یا غیر مذہبی آمریت کو اقتدار میں آنے کا موقع مل گیا تو گویا انہوں نے بڑی برائی کو دعوت دی، سیکولر جمہوری حکومت کی تائید اس لئے نہیں ہے کہ سیکولرزم اور جمہوریت اسلامی چیزیں ہیں بلکہ صرف اس لیے اس کی تائید کی جائے گی کہ آمریت کے مقابلہ میں چھوٹی برائی ہے، جمہوری نظام میں مسلمانوں کو اس کا موقع ضرور رہے گا کہ اسلام کی تبلیغ واشاعت کے ذریعہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کریں اور تقریر وتحریر کی آزادیوں سے فائدہ اٹھا کر اسلامی معاشرتی اقدار کی ترویج کے لیے فضا کو ہموار کریں۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ساتویں صدی ہجری کے ممتاز فقیہ ومصلح سلطان العلماء شیخ عزالدین ابن عبد السلام (متوفی ٦٦٠ھ) کو، انہوں نے اپنی مشہور کتاب ''قواعد الاحکام فی مصالح الانام'' میں بڑی وضاحت کے ساتھ ایسے

متعدد مشکل مسائل کی گرہ کشائی کی ہے، موصوف لکھتے ہیں:

"اذا تفاوت رتب الفسوق فی حق الأئمة قدمنا اقلهم فسوقا مثل إن كان فسق أحد الأئمة بقتل النفوس وفسق الآخر بانتهاک حرمة الأبضاع وفسق الآخر بالتضرع للاموال: قدمنا المتضرع للاموال على المتضرع للدماء والابضاع فان تعذر تقديمه قدمنا المتضرع للابضاع على من يتعرض للدماء، وكذالک يترتب التقديم على الكبير من الذنوب والصغير منها والأصغر على اختلاف رتبها، فان قيل: أيجوز القتال مع أحدهما لإقامة ولاية وإدامة تصرفه مع اعانته على معصيته؟ قلنا نعم دفعا لما بين مفسدتی الفسوقين من التفاوت ودرأ للافسد فالافسد وفی هذا وقفة واشكال من جهة إنا نعين الظالم على فساد الاموال دفعا لمفسدة الابضاع وهی معصية وكذالک نعين الآخر على فساد الابضاع دفعا لمفسدة الدماء وهی معصية، ولكن قد تجوز الاعانة على المعصية لا لكونها معصية بل لكونها وسيلة الی تحصيل المصلحة الراجحة، وكذالک اذا حصل بالاعانة مصلحة تربی على مصلحة تفويت المفسدة كما تبذل الاموال فی فدی الاسری الاحرار المسلمين من ايدی الكفرة والفجرة" (قواعد الاحکام ۱/ ۷۴، ۷۵)۔

(امامت کے دعوے داروں میں اگر فسق کے مراتب متفاوت ہوں تو ان میں سے جس کا فسق سب سے ہلکا ہوا سے ہم آگے بڑھائیں گے، مثلاً ایک کے فسق کی نوعیت یہ ہے کہ وہ بے گناہوں کو قتل کرتا ہے، دوسرے کے فسق کی نوعیت یہ ہے کہ وہ عورتوں کی آبرو لوٹتا ہے، تیسرے کے فسق کی نوعیت یہ ہے کہ وہ لوگوں کا مال ناجائز طریقہ پر لے لیتا ہے، تو ہم مال لینے والے کو بے گناہوں کا خون کرنے والے عورتوں کی عزت لوٹنے والے پر مقدم کریں گے، اگر اسے اقتدار میں لانا دشوار ہو تو عورتوں کی آبرو لوٹنے والے کو بے گناہوں کا خون کرنے والے پر مقدم کریں گے۔ اگر سوال کیا جائے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کی حکومت قائم کرنے یا حکومت باقی رکھنے کے لیے اس کے ساتھ قتال کرنا جائز ہوگا، حالانکہ ایسا کرنا اس کے گناہ میں اس کی اعانت ہوگی؟ تو میں کہوں گا ہاں قتال جائز ہوگا تا کہ زیادہ بڑے فساد کو روکا جا سکے، کیونکہ دونوں کے فسق کے مفاسد میں تفاوت ہے، یہاں ایک توقف اور اشکال ہے، اس اعتبار سے ہم ہتک حرمت کے مفسدہ کو دور کرنے کے لیے اس ظالم کی مدد کر رہے ہیں جو لوگوں کا مال ناحق لیتا ہے اور یہ معصیت ہے، اسی طرح ہم بے گناہوں کے خون کے مفسدہ کو دور کرنے کے لیے ہتک حرمت کرنے والے کی اعانت کر رہے ہیں، حالانکہ یہ معصیت ہے، لیکن اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ کبھی کبھی معصیت پر اعانت جائز ہوتی ہے، اس کی معصیت ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ معصیت ایک راجح مصلحت کو

حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، اسی طرح اگر معصیت پر اعانت کرنے سے ایسی مصلحت حاصل ہو رہی ہو جو مفسدہ کو فوت کرنے کی مصلحت سے بڑھ کر ہو، مثلاً کافروں اور فاجروں کے چنگل سے آزاد مسلمان قیدیوں کو چھڑانے کے لیے بطور فدیہ مال دینا)۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

''اور یہ شرعی اور عقلی قاعدہ ہے کہ جس جگہ دو قسم کے ضرر (نقصان) جمع ہوں، ایک اشد (سنگین) دوسرا اہون (یعنی کم درجہ) تو اہون کو اختیار کر لینا چاہئے، یعنی جہاں دونوں شقوں میں مفسدہ ہو مگر ایک میں اشد، ایک میں اخف تو اشد سے بچنے کے لیے یا اس کو دفع کرنے کے لیے اخف (ہلکے) کو گوارہ کر لیا جاتا ہے، اور ہے تو یہ بھی برا مگر دوسرے مفسدہ کے مقابلے میں پھر بھی اخف ہے (ملفوظات اشرفیہ ۱۴۱ بحوالہ مروجہ سیاست کے شرعی احکام ص ۳۴ مرتب محمد زید صاحب)۔

جمہوریت اور آمریت میں قابل ترجیح کون؟

کسی غیر مسلم ملک میں غیر مسلموں کی آمریت کو جمہوریت کے مقابلے میں ترجیح نہیں دینا چاہئے، کیونکہ جہاں دو برائیوں میں سے کسی ایک برائی کو اختیار کرنا ناگزیر ہو جائے، وہاں مسلمانوں پر لازم ہے کہ دونوں میں جو ہلکی ہو اس کو اختیار کرے اور جمہوریت بہر حال غیر مسلم مذہبی آمریت سے ہلکی برائی ہے۔

سیکولرزم کی اصطلاح اور اس کا حکم:

سیکولرزم کسی معنی اور تعبیر میں اسلامی نظریہ نہیں ہے، لہٰذا معتدل حالات میں جہاں مسلمان اسلام کا مبنی بر عدل نظام حکومت برپا کر سکتے ہوں، سیکولرزم دینی اور شرعی اعتبار سے قابل قبول نہیں، ہاں غیر مسلم ممالک میں جہاں جمہوریت اور مذہبی (غیر مسلم مذہبی) آمریت میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی مجبوری ہے، وہاں نسبتاً ہلکی برائی کے طور پر جمہوریت کو اختیار کیا جائے گا تاکہ مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل رہے۔

سیکولرزم کی پہلی تعبیر تو صاحب ایمان کے لئے کسی حال میں قابل قبول نہیں، ہاں دوسری تعبیر جو اس مفہوم میں ہے کہ ریاست کا کوئی مذہب نہیں ہوگا، ریاست مذہب کے معاملات میں مداخلت نہیں کرے گی، مذہبی گروہوں کو اپنے مذہب پر عمل اور اس کی تبلیغ و اشاعت کی آزادی حاصل ہوگی، غیر مسلم ممالک میں عبوری طور پر قابل قبول اور قابل عمل ہے، لیکن یہ بات ذہن میں واضح رہنی چاہئے کہ سیکولرزم اصلاً اسلامی نظریہ نہیں ہے، خواہ اس کی جو بھی تعبیر کی جائے، عبوری مرحلہ اور منزل کا فرق ذہن میں ملحوظ رہنا چاہئے (اقتباس از مضمون مفتی عتیق احمد قاسمی صاحب درسہ ماہی بحث ونظر ص ۳۱ تا ۳۳ جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء)۔

ب- جمہوریت خواہ غیر جانبدارانہ ہو یا غیر مسلموں کی آمریت پر مبنی ہو، دونوں ہی ''نظام کفر'' میں داخل ہیں، لیکن

جہاں مسلمان صورت حال کو بدلنے پر قادر نہ ہوں اور کسی نظام کی تبدیلی ان کے دائرہ اختیار سے باہر ہو، وہاں اصول یہ ہے کہ دو برائیوں میں سے، کمتر برائی کو گوارا کیا جائے گا۔ قانون اسلام کے ماہرین نے اس سلسلے میں متعدد قاعدوں کا ذکر کیا ہے ''لو کان أحدهما أعظم ضررا من الآخر فالأشد يزال بالأخف'' (اگر دو میں سے ایک ضرر دوسرے سے بڑھا ہوا ہوتو کم تر ضرر کو گوارا کر کے نسبتاً شدید ضرر کو دور کیا جائے گا)۔

''اذا تعارض مفسدتان روعی أعظمهما ضررا بار تکاب أخفهما'' (جب دو خرابیوں کا ٹکراؤ ہوتو کم تر کا ارتکاب کر کے بڑے ضرر کی رعایت کی جائے گی)۔

من ابتلى ببليتين وهما متساويان ياخذبايهما شاء فإن اختلفا اختار أهونهما'' (جو دو مصیبت سے دو چار ہوا اور دونوں برابر درجے کے ہوں تو جسے چاہے اختیار کرے، اور اگر دونوں ایک درجہ کی نہ ہوں تو کم تر ضرر کو اختیار کرلے)۔

ان اصولوں کی روشنی میں جمہوری نظام میں مسلمانوں کی شرکت کی بابت یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مسلمان کے قلب کو اس نظام پر مطمئن نہ ہونا چاہئے اور اس کے دل میں ہمہ وقت یہ آرزو باقی رہنی چاہئے کہ اس زمین پر اللہ کی حاکمیت کا قانون نافذ ہو اور کبھی وہ وقت آئے کہ قرآن وحدیث کی بالادستی اس خطہ ارض پر بھی تسلیم کی جائے، لیکن مجبوری کے درجہ میں جو نظام حکومت مروج ہے، ان میں سے ایسے نظام کو قبول کیا جائے جو دینی اور ملی اعتبار سے کم نقصان دہ ہیں، ظاہر ہے کہ ''لا مذہبی جمہوریت'' بمقابلہ غیر مسلموں کی مذہبی حکومت کے کم نقصان دہ ہے، کیونکہ اس میں مسلمانوں کے ضمیر واعتقاد و اظہار رائے اور تبلیغ دین کی آزادی حاصل ہونے کے مواقع زیادہ ہیں، نیز اس نظام کے تحت اسلام کے شخصی قوانین اور مذہبی مقامات کے تحفظ کی بھی زیادہ توقع کی جاسکتی ہے، حبش میں حضرات صحابہؓ کے قیام کو بھی اس کی نظیر بنایا جاسکتا ہے، کیونکہ حبش کی حکومت بھی شاہی اور آمرانی نظام پر مبنی تھی اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا تصور وہاں بھی مفقود تھا، لیکن چونکہ وہاں مسلمان امن وامان کی حالت میں تھے اور عبادت وغیرہ میں ان پر کوئی پابندی نہیں تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس وقت کی صورت حال میں مسلمانوں کے لیے حبش کو مکہ سے زیادہ موزوں سمجھا اور حضرات صحابہؓ کو ہجرت حبش کی اجازت مرحمت فرمائی۔ یہ فیصلہ یقیناً ''اختيار اهون البليتين'' ہی کے اصول پر مبنی تھا۔

سیکولر طرز حکومت میں مسلمانوں کی شرکت کا مسئلہ بھی اسی اصول پر مبنی ہے، اگر مسلمان سیاست سے کنارہ کش ہو جائیں اور جمہوری اصولوں پر انہیں جو سیاسی حقوق حاصل ہیں ان سے اپنا رشتہ توڑ لیں تو اندیشہ ہے کہ مذہبی اور قومی سطح پر مسلمان اور بھی زیادہ پریشان ہو جائیں گے، پارلیمنٹ میں کوئی آواز نہ ہوگی جو انکے حق میں اٹھے، وہ اپنے مذہبی، تعلیمی اور

سماجی نیز معاشی حقوق کا تحفظ کرنے سے بالکل ہی معذور ہوں گے اور تمام تر دوسری قوموں پر انحصار ہوگا، خاص کر ہندوستان میں برادران وطن جس طرح مسلمانوں کو اپنی تہذیب اور کلچر میں جذب کر لینا چاہتے ہیں، اگر مسلمان سیاسی اعتبار سے مفلوج ہو جائیں تو مخالفین اسلام کے لیے اس مقصد کا حاصل کرنا آسان ہو جائے گا، اس لیے گو یہ جمہوری نظام کفر پر مبنی ہے لیکن مسلمانوں کا اس حکومت میں دینی اور ملی مفادات کے تحفظ کی نیت سے شریک رہنا نہ صرف جائز بلکہ حق واجب ہے۔ اس پر اس معاہدے سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پہنچنے کے بعد یہودیوں اور دوسرے قبائل کے درمیان کیا تھا، یہ معاہدہ بقاء باہم کے اصولوں پر مبنی تھا کہ ہر طبقہ کو اپنے مذہب پر چلنے کی آزادی ہوگی، البتہ مدینہ کی حفاظت اور دفاع تمام قبائل کی مشترک ذمہ داری ہوگی، بنو قریظہ کی جنگ تک عموماً اور بنو قینقاع کی جلاوطنی تک خصوصاً مدینہ کی حیثیت ایک اہم مذہبی ریاست کی تھی، اور یہودی نہ صرف عائلی قوانین بلکہ جرم و سزا کے قوانین میں بھی اپنے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد تھے، ان کی عبادت گاہیں تھیں، درسگاہیں تھی، قلعے تھے اور مدافعت کا اپنا ایک انتظام تھا، گو مسلمان غالب تھے، مگر ظاہر ہے کہ جمہوری نظام میں ابھی اکثریت کو غلبہ حاصل ہوتا ہے، اس لئے کثیر مذہبی اور تہذیبی جمہوریت میں شرکت پر ایک حد تک اس واقعہ سے بھی استدلال ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ اسلام سے پہلے حلف الفضول کی تحریک میں آپ ﷺ کی شرکت اور بعثت کے بعد بھی آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ اگر آج بھی مجھے اس کی طرف بلایا جائے تو میں اسے قبول کروں گا **"ولو ادعی به فی الاسلام لاجبت"** (سیرت ابن ہشام ج ا ص ۱۳۴) سے بھی فی الجملہ ایسے سماجی نظام پر استدلال کیا جا سکتا ہے جو کسی ایک مذہب کی بالادستی کے اصول پر قائم نہ ہو، بلکہ مختلف مذہبی اکائیاں بقاء باہم کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ساتھ رہیں (اقتباس از مضمون مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب در سہ ماہی بحث و نظر اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۰ ص ۳۸ تا ۴۱)۔

ج- مصالحت اور آشتی کے ساتھ زندگی گزارنا اور تجارت، زراعت، صنعت اور سیاست میں اشتراک عمل کرنا جائز اور بعض حالات میں واجب بھی ہو جاتا ہے۔ خصوصاً ایسے مقامات میں جہاں مسلم اور غیر مسلم آبادی مشترک ہو یا غیر مسلم آبادی کی کثرت ہو۔ بہر حال یہ لازم ہے کہ مسلمان اپنے مذہبی احکام کے پابند رہیں اور مذہبی شعائر کی عزت و حرمت محفوظ رہے۔ ورنہ پھر مسلمان پر مذہب کے تحفظ اور اس کا احترام قائم رکھنے کے فرائض عائد ہوں گے۔ (محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی، کتاب السیاسیات کفایۃ المفتی ج ۹ ص ۳۳۶)۔

حلف وفاداری کے سلسلہ میں میثاق مدینہ کی درج ذیل دفعات میں بھی واضح رہبری موجود ہے مثلاً:

د-۱۱- مسلمانوں کو پابندی عہد میں اعلیٰ مقام پر رہنا اور ارفع ترین مکارم اخلاق کا ثبوت دینا لازمی فرض ہے۔

۱۲- جن مسلمانوں نے اس معاہدہ کو مان کر اس کی پابندی کا اقرار کر لیا ہے اور خدائے قدوس پر ایمان رکھتے ہیں،

ان کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ وہ اس کی دفعات میں تغیر یا کوئی نئی بات پیدا کریں اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ کسی ایسے شخص سے معاملہ رکھیں جو عہد نامہ ھذا کا احترام نہ کرتا ہو۔

۱۳- اگر کسی امر میں تمہارے آپس میں اختلاف ہو جائے تو خدا (قرآن مجید) اور رسول ﷺ (حدیث شریف) کی طرف رجوع کر کے اس کا فیصلہ کرالو۔

(خطبۂ صدارت بموقعہ اجلاس ہشتم جمعیۃ علمائے ہند بمقام پشاور بتاریخ ۲ تا ۴ دسمبر ۱۹۲۷ء مطابق ۶ تا ۸ جمادی الآخر ۱۳۴۶ھ از محدث عصر حضرت علامہ انور شاہؒ کشمیری ص ۳۹ تا ۴۰) ایضاً (عہد نبوی میں نظام حکمرانی از ڈاکٹر حمید اللہ ص ۱۰۳)۔

ھ- جو قوانین شریعت کے خلاف وضع کئے جائیں ان کی پوزیشن انگریزی موجودہ قوانین جیسی ہے، حکومت کے موجودہ قوانین میں کس قدر قوانین شریعت کے خلاف ہیں اور آئے دن لجسلیٹو اسمبلی میں قوانین غیر مشروعہ مسلم لیگ کی تائید و حمایت سے پاس ہو رہے ہیں۔ ابھی آرمی بل کا معاملہ سامنے ہے۔ جمعیۃ العلماء تو ہر خلاف شرع قانون کے خلاف انتہائی جد وجھد کریگی اور کر چکی ہے اور کر رہی ہے اس کے ابھی حال کے جلسہ کی تجاویز پڑھئے اور دیکھئے کہ اس نے کانگریسی حکومتوں سے کس قدر سخت احتساب کیا ہے اور جمعیۃ کے محترم ارکان کا مدح صحابہؓ قضیہ میں طرز عمل سامنے رکھئے تو آپ کو جمعیۃ کا مطمح نظر صاف معلوم ہو جائیگا (کتاب السیاسیات کفایۃ المفتی ۴۰۶/۹)۔

ز- مسلمانوں کا جمہوی حکومت کا تعاون کرنا:

مسلمان نا مذہبی (سیکولر) جمہوری ملک میں حکومت کے جائز اقدامات کی تائید کریں اور ان کی عمل آوری میں تعاون کریں، اور حکومت کے ناجائز اقدامات کی تائید نہ کریں بلکہ جمہوری حدود میں انہیں روکنے کی کوشش کریں، حکومت کے ناجائز فیصلوں اور اقدامات کی تائید ہرگز جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "**لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق**" (خالق کی نافرمانی کرنے میں مخلوق کی اطاعت درست نہیں)۔

مسلمانوں کو حکومت کے ایسے اقدامات کی ضرور مخالفت کرنی چاہئے جن کا مقصد مسلمانوں کا تہذیبی انضمام ہو، لیکن مخالفت میں جذباتیت اور اشتعال کا راستہ اپنانے کے بجائے وہ طریقے اپنانے چاہئیں جو زیادہ سے زیادہ مؤثر اور مسلمانوں کے لئے کم سے کم ضرر رساں ہوں۔

سیکولر ملک کی مخالفت کی حدود:

سیکولر ممالک کی مجالس قانون ساز، مقامی اداروں، کمیشنوں اور کمیٹیوں میں اگر اسلام یا مسلمانوں کے مخالف

ظالمانہ قوانین کی تدوین کی جائے یا اسلام مخالف اقدامات کے فیصلے کئے جائیں تو ان میں شامل مسلم ارکان کی کم از کم ذمہ داری یہ ہے کہ ان قوانین اور اقدامات کی بھرپور مخالفت کریں، انہیں رکوانے کی کوشش کریں، برائے نام اظہار اختلاف کافی نہیں ہے، ان کے استعفاء دینے کے اگر اچھے نتائج برآمد ہونے کا ظن غالب ہو تو اس میں بھی دریغ نہ کریں، لیکن استعفاء کا اقدام کرنے سے پہلے پوری طرح سوچ لیں اور مشورہ کرلیں کہ ان کا استعفاء دینا اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں ہے یا استعفاء نہ دینا (اقتباس از مضمون عتیق احمد قاسمی صاحب در سہ ماہی بحث ۵ ۳ تا ۶ ۳ تا مارچ ۲۰۰۱)۔

اس بحث میں درج ذیل اہم اقتباس بھی بہت جامع اور بصیرت افروز ہے۔

ح-حکومت کے اقدامات کی موافقت اور مخالفت:

حکومت جو اقدامات کرے گی ان کی درج ذیل صورتیں ہوسکتی ہیں:

الف-حکومت کا اقدام براہ راست مذہبی مسائل سے نہ ہو اور اس کا مقصد عوامی فلاح و بہبود ہو تو اس میں مسلمان تعاون کریں گے۔

ب- ایسا نظام جو مذہبی مسائل سے براہ راست تعلق نہ رکھتا ہو اور اجتماعی سطح پر مضرت اور نقصان کا اندیشہ ہو تو مسلمان ارکان کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ ان کی مخالفت کریں، کیونکہ "لاضرر ولاضرار" کے اصول کے تحت مسلمان تمام انسانیت کو ضرر سے بچانے کی سعی و کوشش کرنے کے مکلّف ہیں۔

ج: ایسے اقدامات کہ جو کچھ لوگوں کے حق میں اور کچھ لوگوں کے خلاف ہوں، اس میں قرآن کا بنیادی اصول موجود ہے کہ مسلمان تقاضائے عدل پر عمل کرنے کا مکلّف ہے اور عدل کے تقاضے یکساں نہیں ہوتے، بعض اوقات شخصی مفاد ایک گروہ کی خواہش کے مقابلہ میں زیادہ قابل احترام ہوتا ہے اور اکثر اوقات اجتماعی مفاد کی اہمیت شخصی مفاد سے زیادہ ہوتی ہے، بحیثیت مسلمان ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس خاص معاملہ میں اپنے نور بصیرت اور شریعت کی ہدایت کی روشنی میں اس بات کو طے کریں کہ یہ اقدام تقاضائے عدل کے مطابق ہے یا نہیں؟ اور اس کے لحاظ سے تائید یا مخالفت کا پہلو اختیار کریں۔

د-حکومت کے اقدامات ان مذہبی امور سے متعلق ہوں جن پر دارالکفر میں بھی مسلمانوں کے لیے عمل کرنا واجب ہے، تو اگر وہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے تو مسلمانوں کو اس کی مخالفت اور اس کو پرامن طریقہ سے روکنے کی کوشش کرنا واجب ہے، اور اگر حکومت کے اقدامات اسلامی تعلیمات سے مطابقت رکھتے ہوں تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو اس کی تائید کرنی چاہئے (اقتباس از مضمون مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب سہ ماہی بحث و نظر شمارہ ۱۳/۱۵۱ اکتوبر، دسمبر ۲۰۰۰ء جلد ۴/ ۱۳ ص ۴۳، ۴۴)

سوال: ۷-ج-شوریٰ میں غیر مسلموں کی شمولیت:

''آیا مجلس شوریٰ میں کوئی غیر مسلم بھی رکن ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں ایک بات تو قرآن کریم نے ارشاد فرمائی ہے:

''یا أیها الذین آمنوا لا تتخذوا بطانة من دونکم لا یألونکم خبالا ودوا ما عنتم قد بدت البغضاء من أفواههم وما تخفی صدورهم أکبر'' (آل عمران: ۱۱۸)۔

(اے ایمان والو! اپنے علاوہ دوسرے لوگوں (غیر مسلموں) میں سے کسی کو راز دار نہ بناؤ، یہ لوگ تمہاری خرابی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے، جس چیز سے تمہیں تکلیف ہو، یہ اسے پسند کرتے ہیں، بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے، اور جو کچھ انہوں نے اپنے سینوں میں چھپا رکھا ہے، وہ زیادہ سنگین ہے)۔

اس آیت کی بنا پر بعض حضرات نے استدلال فرمایا ہے کہ غیر مسلموں کو شوریٰ میں شامل نہیں کیا جا سکتا، لیکن یہ استدلال اتنا واضح نہیں ہے۔ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ جو غیر مسلم مسلمانوں کی دشمنی پر اترے ہوئے ہوں، ان کو اپنے خاص معاملات میں اپنا راز دار بنانا جائز نہیں۔ علامہ آلوسیؒ نے اس آیت کے تحت جو روایتیں بیان فرمائی ہیں ان میں سے بعض میں فرمایا گیا ہے کہ کچھ مسلمان جاہلیت کی قدیم دوستیوں کی وجہ سے بعض یہودیوں سے ایسے تعلقات رکھتے تھے کہ ان پر مسلمانوں کے راز افشاء ہو جاتے تھے، اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت نے مسلمانوں کو منافقین سے راز دارانہ تعلقات رکھنے سے منع فرمایا ہے (روح المعانی ۴/۳۷)۔

اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کے دشمن ہوں، انہیں نہ راز دار بنانا جائز ہے اور نہ انہیں شوریٰ میں شامل کیا جا سکتا ہے، لیکن جو غیر مسلم اسلامی ریاست کے پر امن باشندے ہوں، انہیں شوریٰ میں شریک کرنے کو فقہائے کرامؒ نے جائز قرار دیا ہے۔

چنانچہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد مبارک میں بعض مرتبہ جب مجلس شوریٰ طلب فرمائی، تو اس میں کچھ ذمی بھی حاضر ہوئے اور یہ بات امام سرخسیؒ نے اپنی کتاب مبسوط میں نقل فرمائی ہے۔ علامہ سرخسیؒ حضرت عمرؓ کی مجلس شوریٰ کا ایک واقعہ نقل کر کے فرماتے ہیں کہ:

وفیه دلیل علی انه لاباس باحضار بعض اهل الکتاب مجلس الشوریٰ، فان النصرانی الذی قال ما قاله قد کان حضر مجلس عمرؓ للشوریٰ، ولم ینکر علیه (المبسوط للسرخسی ج ۲۴ ص ۷)۔

(اس واقعے سے یہ دلیل ملتی ہے کہ بعض اہل کتاب کو مجلس شوریٰ میں بلایا جا سکتا ہے، کیونکہ اس نصرانی نے حضرت عمرؓ سے جو کچھ کہا وہ حضرت عمرؓ کی مجلس شوریٰ میں حاضر تھا اور اس بات پر کوئی نکیر نہیں کی گئی)۔

۸-الف-جن سیاسی جماعتوں کا خاص مقصد اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت ہے اور جن کے ایجنڈے میں اسلام مخالف کا ذکر صراحۃ موجود ہے، کسی مسلمان کا ایسی جماعت کا امیدوار بننا درست نہیں (اقتباس از مضمون مولانا عتیق احمد صاحب قاسمی درسہ ماہی بحث ونظر مذکورہ ص ۳۴)۔

ب-کسی غیر مسلم ملک میں غیر مسلموں کی آمریت کو جمہوریت کے مقابلے میں ترجیح نہیں دینا چاہیے، کیونکہ جہاں دو برائیوں میں سے کسی ایک برائی کو اختیار کرنا ناگزیر ہو جائے، وہاں مسلمانوں پر لازم ہے کہ دونوں میں جو ہلکی ہو اس کو اختیار کرے اور جمہوریت بہرحال غیر مسم مذہبی آمریت سے ہلکی برائی ہے (اقتباس از مضمون مولانا عتیق احمد صاحب قاسمی درسہ ماہی بحث ونظر مذکورہ ص ۳۳)۔

ج-جن سیاسی جماعتوں کا مقصد ہی اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت ہے، مسلمانوں کو ایسی جماعتوں میں شمولیت اور اس کا امیدوار بننا قطعا درست نہیں ہے (اقتباس از مضمون مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب درسہ ماہی بحث ونظر مذکورہ ص ۴۲)۔

د-فسطائی جماعتوں کا ساتھ دینا اور ان میں شرکت کرنا قطعا جائز نہیں، اس سے ان کو مزید طاقت حاصل ہوگی اور ان کے اس مذموم پروگرام کہ ''مسلمانوں کو فکری اور تہذیبی اعتبار سے اکثریتی فرقہ کے ساتھ ضم کرلیا جائے'' کو تقویت پہنچے گی (اقتباس از مضمون مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب درسہ ماہی بحث ونظر مذکورہ ص ۴۷)۔

میثاق مدینہ کی درج ذیل دفعات سے مسئلہ زیر بحث پر روشنی پڑتی ہے۔

ھ-دفعہ:۴-مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ وہ ہر ایسے شخص کی علی الاعلان مخالفت کریں جو کہ فتنہ وفساد برپا کرتا اور مخلوق سے ظلماً تاوان وصول کرتا اور خلق خدا کو ستاتا ہو، تمام مسلمانوں کو متفق ہو کر اس کے خلاف کام کرنا لازم ہے، اگر چہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

دفعہ:۹-چونکہ تمام مسلمانوں کی صلح ایک ہے، اس لیے کسی مسلمانوں کو جائز نہیں کہ وہ صرف اپنی رائے سے کسی قوم کے ساتھ بدون مشورہ باقی مسلمانوں کے صلح کریں مگر جب کہ اس نے تمام قوم کے رجحان اور تمام قوم کے ساتھ انصاف اور مراعات اور حقوق کا لحاظ کرلیا ہو تو کرے (اقتباس از خطبۂ صدارت بموقعہ اجلاس ہشتم جمعیۃ علمائے ہند بمقام پشاور بتاریخ ۲۲ تا ۴ دسمبر ۱۹۲۷ء مطابق ۶ تا ۸ جمادی الآخر ۱۳۴۶ھ از محدث عصر حضرت علامہ انور شاہؒ کشمیری ص ۳۸ تا ۳۹) ایضا (اقتباسات از عہد نبوی میں نظام حکمرانی از ڈاکٹر حمید اللہ ص ۱۰۱، ۱۰۲)۔

۹-الف-علاحدہ سیاسی جماعت:

مسلمانوں کی علاحدہ سیاسی جماعت ہو یا عام سیاسی جماعت، جب دونوں کو ملک کے آئین کے ڈھانچہ میں کام کرنا ہے اور وہ بنیادی نظام حکومت میں کوئی تبدیلی نہیں لاسکتے تو میرے خیال میں ان دونوں کی نوعیت میں کچھ زیادہ فرق نہیں، اور

یہ مسلمانوں کی مفادات پر موقوف ہوگی کہ وہ کیا طریقہ اختیار کریں؟ دونوں صورتوں میں کچھ فوائد بھی ہیں اور کچھ نقصانات بھی، علاحدہ جماعت میں یہ فائدہ ہے کہ وہ ہمارے نقطۂ نظر کی مکمل ترجمان ہوگی اور نقصان یہ ہے کہ ایسی جماعتوں سے منتخب ہونے والے افراد کی تعداد اتنی کم ہوگی کہ وہ حکومت پر اثر انداز نہیں ہوسکے گی اور دوسری جماعتوں کو مسلمانوں کے مسائل سے کوئی سروکار نہ ہوگا، کیونکہ ان کو مسلم ووٹ ملنے کی امید ہی نہ ہوگی، عام جماعتوں میں شریک ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ چونکہ ان کو مسلمان ووٹ بھی ملیں گے، اس لیے اس جماعت میں اکثریتی فرقہ کے لوگ بھی اپنے سیاسی مفادات کے پیش نظر مسلم مسائل پر توجہ دیں گے اور ان کو حل کرنے کی کوشش کریں گے، نقصان یہ ہوگا کہ مسلمان ارکان کو بھی پارٹی کے نقطہ نظر کا پابند رہنا ہوگا اور بعض اوقات وہ مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ کرنے سے قاصر رہیں گے۔

اس لیے میرے خیال میں یہ اپنے اپنے حالات پر موقوف ہے، جہاں علاحدہ سیاسی جماعت بنا کر مسلمان اپنا سیاسی توازن برقرار رکھ سکتے ہیں وہاں ان کو اپنی علاحدہ جماعت بنانی چاہیئے، ہندوستان میں اس کی ایک مثال ریاست کیرلا ہے، اور جہاں مختلف سیاسی جماعتوں میں رہ کر زیادہ دباؤ بنائے رکھنے کا امکان ہو اور دوسری سیاسی جماعتوں کے ساتھ مل کر اپنے ملی مفاد کے تقاضوں کو پورا کیا جاسکتا ہو وہاں علاحدہ سیاسی تنظیم بنانا مناسب نہیں ہوگا (اقتباس از مضمون مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب درسہ ماہی بحث ونظر شمارہ ۱۳/۱۵۱ اکتوبر، دسمبر ۲۰۰۰ء جلد ۴/ص ۴۲، ۴۳)۔

ب- غیر مسلم ممالک میں آباد مسلم اقلیتوں کی ذمہ داری ہے کہ اجتماعی زندگی گذاریں، اپنی اجتماعیت اور اتحاد کو مضبوط کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں، کسی صاحب علم، مخلص و بابصیرت شخص کو اپنا لیں جو ارباب حل وعقد کے مشورے سے زندگی کے تمام میدانوں میں مسلمانوں کی شیرازہ بندی کی کوشش کریں۔

۱۰-عورت حکمراں نہیں بن سکتی: اہل علم کی تصریحات:

امام قرطبیؒ آیت کریمہ: "إني جاعل في الأرض خليفة" کے ذیل میں خلیفہ کے شرائط ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"السابع: أن يكون ذكراً...... وأجمعوا علىٰ أن المرأة لا يجوز أن تكون إماماً وان اختلفوا في جواز كونها قاضية فيما تجوز شهادتها فيه" (القرطبی: الجامع لاحکام القرآن ج:۱ص:۲۷۰)۔

(ساتویں شرط یہ ہے کہ خلیفہ مرد ہو، اور اہل علم کا اجماع ہے کہ عورت امام (حکومت کی سربراہ) نہیں بن سکتی، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ جن امور میں اس کی گواہی جائز ہے، ان میں قاضی بن سکتی ہے یا نہیں)۔

"شرح عقائد نسفی" میں ہے:

"ویشترط أن یکون من أهل الولایة المطلقة الکاملة أی مسلماً، حراً، ذکراً، عاقلاً، بالغاً... إلی قوله.... والنساء ناقصات عقل ودین" (شرح عقائد ص:۱۵۸، مطبوعہ مکتبہ خیر کثیر کراچی)۔

(امام (حکمران اعلیٰ) کے لیے شرط ہے کہ وہ کامل ومطلق ولایت کا اہل ہو، یعنی مسلمان، آزاد، مرد، عاقل اور بالغ ہو، (اس کے بعد ہر شرط کے ضروری ہونے کی وجہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: عورت اس لیے امام نہیں بن سکتی، کیونکہ عورتیں دین وعقل میں ناقص ہیں)۔

فقہ حنفی کی معروف کتاب "درمختار" میں ہے:

"ویشترط کونه مسلماً، حراً، ذکراً، عاقلاً، بالغاً، قادراً" (درمختار ج:۱ ص:۵۴۸)۔

(اور امامت کبریٰ (ملک کی حکمرانی) میں امام کا مسلمان، آزاد، مرد، عاقل، بالغ اور قادر ہونا شرط ہے)۔

فقہ مالکی کی مستند کتاب "منح الجلیل شرح مختصر الخلیل" میں ہے:

"(الإمام الأعظم) الخلیفة عن رسول الله ﷺ امامة الصلوٰة الخمس والجمعة والعیدین، والحکم بین المسلمین، وحفظ الاسلام، واقامة حدوده، وجهاد الکفار، والامر بالمعروف، والنهی عن المنکر فیشترط فیه العدالة، والذکورة، والفطنة، والعلم" (منح الجلیل ج:۸ ص:۲۶۳)۔

(امام اعظم (سربراہ حکومت) رسول اللہ ﷺ کا نائب ہے، نماز پنجگانہ اور جمعہ وعیدین کی امامت میں، مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں، اسلام کی پاسبانی اور اس کی حدود قائم کرنے میں، کفار سے جہاد کرنے میں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بجالانے میں، اس لیے اس میں درج ذیل اوصاف کا پایا جانا شرط ہے: عادل ہو، مرد ہو، سمجھدار ہو، عالم ہو)۔

فقہ شافعی کی کتاب "مجموع شرح مہذب" میں ہے:

"ولایجوز أن یکون امراة لقوله ﷺ: "ماافلح قوم اسند واامرهم الی امراة۔" ولانه لابد للقاضی من مجالسة الرجال من الفقهاء والشهود والخصوم، والمرأة ممنوعة من مجالسة الرجال لما یخاف علیهم من الافتنان بها" (تکملہ مجموع شرح مہذب ج:۲۰ ص:۱۲۷)۔

(اور جائز نہیں کہ قاضی عورت ہو، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے حکومت عورت کے سپرد کردی اور اس لئے بھی کہ قاضی کے لئے مردوں کے ساتھ ہم نشینی لازم ہے، فقہاء کے ساتھ، گواہوں کے ساتھ اور مقدمے کے فریقوں کے ساتھ، اور عورت کو مردوں کی ہم نشینی ممنوع ہے کہ اس کی وجہ سے اس کے حق

میں فتنے کا اندیشہ ہے)۔

اہل ظاہر کے امام حافظ ابن حزم اندلسیؒ ''المحلّی'' میں لکھتے ہیں:

''وأما من لم یبلغ والمرأۃ فلقول النبی ﷺ: ''رفع القلم عن ثلاث'' وذکر الصبی حتّٰی یبلغ، ولأن عقود الإسلام إلی الخلیفۃ، ولا عقد لغلام لم یبلغ ولاعقد علیہ،..... وعن أبی بکرۃ رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: لن یفلح قوم اسندوا امرھم الیٰ امراۃ'' (المحلّی ۳۶۰/۹)۔

(نابالغ اور عورت کو خلیفہ بنانا صحیح نہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:'' تین شخصوں سے قلم اٹھالیا گیا'' ان تین میں بچے کو ذکر فرمایا جب تک کہ وہ بالغ نہ ہوجائے، اور اسلئے بھی کہ اسلام کے عقود خلیفہ کے سپرد ہیں اور نابالغ بچے کا کوئی عقد صحیح نہیں، اور حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا:'' وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے حکومت عورت کے حوالے کردی۔'' (لہٰذا عورت کی خلافت بھی صحیح نہیں)۔

ان حوالوں سے واضح ہے کہ تمام اہل علم اور مذاہب اس پر متفق ہیں کہ حکومت و مملکت کی سربراہی کے لئے مرد ہونا شرط ہے، لہٰذا زمام حکومت کسی عورت کے ہاتھ میں تھمادینا جائز نہیں۔

مجلس شوریٰ میں خواتین کی رکنیت:

یہاں ایک سوال یہ اٹھایا گیا ہے کہ مجلس شوریٰ میں خواتین بھی رکن ہوسکتی ہیں یا نہیں؟ اس کے بارے میں بھی جن معاصر علماء نے سیاست اسلامیہ پر کلام کیا ہے، ان کی آراء مختلف ہیں۔ ایک گروہ کا کہنا یہ ہے کہ عورتوں کے مجلس شوریٰ کے رکن ہونے میں کوئی مانع نہیں اور وہ استدلال کرتے ہیں کہ بسا اوقات جناب نبی کریم ﷺ نے خواتین سے بھی مشورہ کیا ہے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ وہ قربانی اور حلق کرکے احرام کھول دیں تو تین مرتبہ اعلان کرنے کے باوجود کوئی بھی نہیں اٹھا، یہ ایک غیر معمولی بات تھی کہ آپ ﷺ کے ایک اشارہ پر جان دینے والے صحابہؓ آپ ﷺ کے بار بار اعلان کے باوجود تعمیل کے لیے انہیں اٹھ رہے تھے۔ اس پر آپ ﷺ اندر تشریف لے گئے اور حضرت ام سلمہؓ سے یہ بات ذکر فرمائی تو حضرت ام سلمہؓ نے مشورہ دیا کہ آپ مزید کچھ کہنے کے بجائے خود اپنے جانوروں کو قربان کرکے حلق کرنے والے کو بلائیں اور حلق کروالیں، چنانچہ آپ ﷺ نے اسی مشورہ پر عمل فرمایا، اور جب صحابہؓ نے آپ کو یہ عمل کرتے دیکھا تو سب صحابہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر قربانی اور حلق کرنے لگے (بخاری حدیث: ۲۷۳۲) اگرچہ اس واقعہ میں حضرت ام سلمہؓ کے مشورہ پر آپ نے عمل فرمایا، لیکن اس سے خواتین کو

مجلس شوریٰ کا باقاعدہ اور مستقل رکن بنانے پر استدلال کمزور ہے۔ دوسرا ایک استدلال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ جب حضرت فاروق اعظمؓ نے خلیفہ کے انتخاب کے لیے چھ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنادی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے یہ فرمایا کہ میں اپنی خلافت سے دستبردار ہوجاتا ہوں اور میں خود لوگوں کی آراء معلوم کرکے کسی کو متعین کروں گا۔ باقی سب نے کہا ٹھیک ہے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ تین دن تک لوگوں کی رائے معلوم کرتے رہے، چنانچہ تاریخ میں ہے کہ:

''عبدالرحمٰن بن عوفؓ اٹھے اور ان دونوں (یعنی حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ) کے بارے میں لوگوں سے مشورہ کیا اور مسلمانوں کی آراء جمع کرنی شروع کی ...... یہاں تک کہ پردہ نشیں عورتوں کے پاس بھی ان کے پردہ کے ساتھ گئے(البدایۃ والنہایۃ سنۃ اربع وعشرین ۵/ ۲۲۷)۔

لہٰذا ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ خواتین شوریٰ کی رکن ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، بشرطیکہ خواتین حدود حجاب کے ساتھ ہوں، لیکن یہ استدلال بھی اتنا مضبوط نہیں ہے، اس لیے کہ اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ:

"**وحتی سأل الولدان في المکاتب**"(یہاں تک کہ انہوں نے مکتبوں میں لڑکوں سے بھی جا کر سوالات کیے)۔

اب ظاہر ہے کہ اس سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ مکتب میں پڑھنے والے بچوں کو بھی شوریٰ کا رکن بنایا جاسکتا ہے۔

دوسرے حضرات کا یہ کہنا ہے کہ عورت کا شوریٰ کا رکن بننا شریعت کے مطابق نہیں ہے، اس کی وجہ وہ حدیث ہے جو پہلے گذ چکی ہے اور جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "**وأمورکم إلی نسائکم فبطن الأرض خیر لکم من ظهرها**" (ترمذی باب ۷۸، حدیث نمبر ۲۲۶۶، وقال ہذا حدیث غریب)(جب معاملات عورتوں کے حوالے ہوجائیں تو زمین کا پیٹ تمہارے لیے زمین کی پشت سے بہتر ہے)۔

لیکن اس حدیث سے استدلال بھی محل نظر ہے، کیونکہ حدیث میں جس عورت کی مذمت فرمائی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ تمام تر فیصلے عورتوں ہی کے حوالے کردیے جائیں اور انہی کی رائے کو فیصلہ کن قرار دیا جائے اور مرد ہر معاملہ میں عورتوں کے پیچھے چلنے لگیں، لیکن اس سے یہ مطلب نکالنا درست معلوم نہیں ہوتا کہ ان سے کبھی مشورہ ہی لینا جائز نہیں۔

بہرحال! اس مسئلے میں دونوں طرف کچھ دلائل ہیں لیکن کوئی ایسی واضح نص موجود نہیں ہے جس کی بنا پر یہ کہا جائے کہ انہیں شوریٰ میں شامل نہیں کیا جاسکتا، البتہ یہ بات طے ہے کہ اگر انہیں شوریٰ میں شامل کیا جائے تو حجاب شرعی کے احکام کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہوگا (اسلام اور سیاسی نظریات از مفتی تقی عثمانی ص ۲۱۰، ۲۶۷ تا ۲۶۹)۔

ج- اس میں شبہ نہیں کہ اگر یہ تجویز (عورتوں کے ریزرویشن برائے عوامی نمائندگی) قانون بن جاتی ہے تو مستقبل کی سیاست پر اس کے دوررس اثرات مرتب ہوں گے، پسماندہ اقوام اور اقلیتوں کے لئے یہ ضرب کاری کا درجہ رکھتی ہے، ان

طبقات میں خواتین کا تعلیمی تناسب اتنا معمولی ہے کہ بہ ظاہر مناسب خاتون امیدواروں کا ملنا دشوار ہے، پھر جو خواتین منتخب ہوں گی، وہ پارلیمنٹ میں کما حقہ ان کمزور طبقات کی ترجمانی کر سکیں، یہ اس سے زیادہ دشوار ہے، یہ بات بھی بعید نہیں کہ سیاست میں حصہ لینے والی خواتین کے خلاف جرائم کا رجحان بڑھ جائے، جیسا کہ پچھلے دنوں مغربی بنگال میں ہوا ہے، کیونکہ آج کل سیاست میں پڑھے لکھے اور باکردار افراد کے بجائے شر پسند عناصر اور کندۂ ناتراش قسم کے لوگوں کا غلبہ ہے، بڑا لیڈر بننے کے لیے اسی درجہ کا غنڈہ اور مکروفریب کا ماہر ہونا بھی ضروری ہے، ایسے لوگ احساس محرومی کا شکار ہو کر ان خواتین کو اپنا نشانہ بنائیں جو سیاست میں ان کی رقیب بنتی ہوں تو کچھ عجیب نہیں۔

د-عورت کے ووٹ دینے اور ممبر اسمبلی بننے کا حکم:

عورتوں کا ووٹر بننا ممنوع نہیں ہے، ہاں ووٹ دیتے وقت شرعی پردہ کا لحاظ رکھنا لازم ہوگا اور بطور امیدوار کھڑا ہونا عورتوں کے لیے مستحسن نہیں ہے، کیونکہ اس میں ضروریات شرعیہ کی رعایت کے ساتھ کونسل یا اسمبلی کی شرکت عورتوں کے لیے متعذر رہے (کفایت المفتی ص ۹/۱۷۳)۔

ھ: اگر پولنگ اسٹیشن پر عورتوں کے لیے پردہ کا انتظام ہو اور غیر محرم مرد منتظم نہ ہوں بلکہ پیپر دینے لینے والی عورتیں کام کرتی ہوں تو عورتوں کو ووٹ دینے کے لیے جانا جائز ہے اور غیر محرم مرد ہوں تو عورتیں نہ جائیں بلکہ مطالبہ کریں کہ ان کے لیے زنانہ منتظم مقرر کیے جائیں (کفایت المفتی ۹/۳۸۰)۔

و-۱-کونسلوں اور اسمبلیوں میں جہاں مسلم عورتوں کی نشست محفوظ ہو عورتوں کا ممبر بننا جائز ہے یا نہیں؟

۲-میونسپل کمیٹی کی مسلم امیدوار عورتوں کو ووٹ دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: عورتوں کا کونسل میں جانا کچھ زیادہ مفید نہ ہوگا، لیکن اگر جائیں تو حجاب کے ساتھ جانا ضروری ہوگا۔

۲-اگر اس کا اطمینان ہو کہ عورتیں حجاب شرعی کی رعایت رکھیں گی اور کسی نامشروع فعل کی مرتکب نہ ہوں گی تو ان کو ووٹ دینا مباح ہوگا (کفایت المفتی ج ۹ ص ۴۵۵،۴۵۶ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)۔

ز-ان احادیث اور نصوص شرعیہ کے باوجود ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ شریعت نے سارے مسائل میں ''بعض خاص حالتوں'' کی رعایت رکھی ہے، اسی رعایت کو اصول فقہ میں ''الضرورات تبیح المحظورات'' یعنی (ضرورتیں ناجائز امور کو جائز بنادیتی ہیں) ''اعظم ضرر ایزال بالاخف'' (چھوٹے نقصان کے ذریعے بڑے نقصان کو دور کیا جائے گا) اور **یتحمل الضرر الخاص لاجل دفع الضرر العام**'' عمومی ضرر اور نقصان کو دفع کرنے کے لئے خصوصی

نقصان کو گوارہ کیا جائے گا وغیرہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مولانا عبدالماجدؒ دریا آبادی نے ''صدق جدید'' میں لکھا:

''لیکن شریعت نے عورت کی حاکمانہ حیثیت کو پسند نہیں کیا ہے اور یہ مرتبہ اسلام کے عام مزاج وروح کے منافی ہے، لیکن حرمت قطعی بھی وارد نہیں ہوئی ہے، اس لئے مخصوص اور غیر معمولی حالات میں کچھ نہ کچھ گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔

دارالعلوم کے صدر مفتی جناب مولانا مہدی حسن صاحبؒ نے اپنے فتوی الف ۶۷۸ میں لکھا ہے:

''جب عورت کے حصہ لینے میں دینی مصالح بھی مضمر ہوں'' تو عورت کا حصہ لینا مباح ہے، بشرطیکہ عورت پردہ میں رہے اور دینی مصالح کا حصول یقینی ہو، ورنہ عورت کو بربنائے حدیث مذکور کے حاکم بنانا جائز نہیں، صرف وہم پر بنانا حدیث مذکور کے خلاف ہے۔

فقہی کانفرنس شمالی امریکہ کا فیصلہ:

دنیا کی قیادت کا دعوی کرنے والے دیس امریکہ میں جب مسلمانوں کے سامنے مخصوص قسم کے جدید مسائل اٹھنے لگے تو وہاں کے علماء کی تنظیم ''رابطة علماء الشرعية بامريكا الشمالية'' نے اپنی کانفرنس میں ''المجلس الفقہی'' کے قیام کا اعلان کیا، جس کی پہلی کانفرنس امریکا کے شہر ڈیٹرائٹ میں ۱۹ تا ۲۲ نومبر ۱۹۹۹ء کو منعقد ہوئی ہے۔

اس تین روزہ پہلی فقہی کانفرنس میں جو فیصلہ'' سیاست میں شرکت'' سے متعلق باتفاق آراء طے پایا اس کا اردو ترجمہ ذیل میں دیا جارہا ہے، زیر نظر فیصلہ شمالی امریکہ کی مجلس فقہی کا ہے جس کو اہل علم کی اطلاع کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔

سیاسی زندگی میں شرکت:

۱- امریکہ اور دیار مغرب کے مسلمانوں کے پاس لوگوں کی صحیح رہنمائی اور انسانیت کی فلاح و بہبود کا ایک پیغام ہے، اور اس پیغام کے نفاذ کا ایک اہم ذریعہ شرعی آداب کے ساتھ سیاسی زندگی میں شرکت ہے۔

۲- اصل یہ ہے کہ ایسے تمام میدانوں میں سیاسی شرکت جائز ہے جن میں شمولیت سے شہریوں اور دیگر باشندوں بشمول مسلمانوں کو عمومی نفع پہنچتا ہے، جیسے اسمبلیوں، علاقائی حکومتوں، عوامی نمائندگان، ایگزیکٹیو اداروں، امدادی اور انٹرنیشنل کمیٹیوں کے لئے انتخاب میں حصہ لینا اور امیدوار بننا، کیونکہ اس طرح اندرون ملک مسلمانوں کے مصالح کی حفاظت ہوتی ہے اور عملی سرگرمیوں وطریقوں نیز اسلامی اور انسانی عادلانہ مسائل میں تعاون کے ذریعہ اسلام کی تہذیبی تصویر بھی واضح ہوتی ہے۔

۳- دیگر پارٹیوں، تنظیموں اور اداروں کے ساتھ گٹھ جوڑ اور ان میں شمولیت میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ اس

کے ذریعہ مشترکہ مفادات کی تکمیل ہوتی ہو جیسے حقوق انسانی، آزادیاں، کمزور ومحتاج طبقات کی نگہداشت، ماحولیات کا تحفظ، منشیات اور اخلاقی وسماجی انارکی کا مقابلہ اور مصیبت زدگان کی امداد وتعاون۔

۴- سیاسی زندگی میں شرکت کے لیے شرعی آداب بالخصوص مندرجہ ذیل امور کی پابندی ضروری ہوگی:

الف- شریعت کے غیر متبدل احکام اور لچک کو سیاسی رواج کے ساتھ اس طرح ہم آہنگ کیا جائے کہ ان احکام میں کہیں خلل نہ پیدا ہو۔

ب- مصالح کا حصول اور مفاسد کا ازالہ مقصود ہو نہ کہ ذاتی مفادات کی تحصیل۔

ج- سیاسی شرکت کے مواقع میں وسائل اور مقاصد کے مشروع ہونے کا لحاظ رکھا جائے۔

د- سیاسی شرکت کے نتیجہ میں محرمات کی تائید یا مسلمانوں کے مصالح کو ضرر نہ پہنچتا ہو۔

ہ- شرکت کی کوششوں کی کامیابی اور مؤثر قوت کے اظہار کے لئے منظّم اور اجتماعی طور پر اجتماعی طریقہ اپنایا جائے، ناپسندیدہ انتشار واختلاف سے بچا جائے۔

و- غیر مسلموں سے سیاسی خطاب یا ذرائع ابلاغ میں تہذیبی اسلوب اختیار کرنے کی ضرورت ہے، اس کے لئے گفتگو اور مناقشہ کا ایسا بہترین انداز اپنایا جائے جس سے ان کے دلوں میں جوڑ اور ان کے اندر اسلام کی رغبت پیدا ہو، اور وہ ہمارے ساتھ تعاون اور ہمارے منصفانہ مسائل میں حمایت کرنے پر آمادہ ہوں۔

ز- سیاسی زندگی میں شرعی آداب کے ساتھ شرکت کی اہمیت کا احساس عام مسلمانوں کے اندر پیدا کیا جائے اور سیاسی کاز کی قیادت کے لئے باشعور حکمت عملی کے ذریعہ افراد کی تربیت کی جائے (اقتباسات از بحث ونظر شمارہ ۴۸ ۳/ تا مارچ ۲۰۰۰ء شوال تا ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ ج ۱/ ۱۲ ص ۵۲، ۵۳، ۵۸، ۵۹)۔

الیکشن-اسلامی تناظر میں

مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی

ووٹ کی شرعی حیثیت:

ووٹ (Vote) انگریزی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا عربی متبادل ہے: انتخاب، تصویت اور اس کا اردو متبادل ہے: نمائندہ چننا، حق رائے دہی کا استعمال کرنا، جمہوری ممالک میں پارلیمنٹ، اسمبلی، کونسل، بلدیہ یا اس جیسے اداروں کے لیے عوام کے ذریعہ نمائندہ چننے کا عمل ووٹ پر منحصر ہوتا ہے، چونکہ یہ اصطلاح مستحدث اور نئی ہے، حکومت سازی کے لیے انجام دیا جانے والا یہ عمل چونکہ عہد سلف میں موجود نہیں تھا، اس لیے اس کا استعمال قرآن کریم اور احادیث میں نہیں ہوا ہے۔ لیکن معنوی اور اصولی طور پر اس کے لیے ذخیرہ شریعت میں ہدایتیں موجود ہیں۔

ووٹ کی شرعی نقطہ نظر سے متعدد حیثیتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) شہادت:

شہادت کا مفہوم ہے: عینی مشاہدہ یا بصیرت کی بنیاد پر کسی چیز کے برحق ہونے کی گواہی دینا۔ **قول صادر عن علم حصل بمشاهدة بصر أو بصيرة** (راغب، جرجانی) ایک لحاظ سے ووٹ کی حیثیت عرفی شہادت اور گواہی کی ہے، اس لیے کہ ووٹر ووٹنگ یا حق رائے دہی کے استعمال کے وقت یہ سمجھتا ہے کہ فلاں امیدوار اس عہدہ کے لائق ہے جس کے لیے اس نے اپنے آپ کو پیش کیا ہے، یا پارٹی کی طرف سے اسے امیدوار نامزد کیا گیا ہے اور وہ پوری دیانت داری کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے سکتا ہے وہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ وہ امیدوار اس مقصد کے لیے موزوں اور 'قوی اور امین' ہے۔ چاہے وہ دوسرے کاموں کے لیے موزوں نہ ہو۔

(۲) مشورہ:

ووٹ کی ایک حیثیت مشورہ کی بھی ہے، گویا کہ الیکشن کمیشن ہر حلقہ کے رائے دہندگان سے اس سلسلہ میں رائے

اورمشورہ لیتا ہے کہ جوافراد ان کے حلقہ میں بطور امیدوار کھڑے ہیں، کیا وہ افراد اس لائق ہیں کہ پارلیمنٹ، اسمبلی اور کونسل یا اس جیسے اداروں کا رکن بن کر دیانت داری کے ساتھ ملک اور قوم کی خدمت کرسکیں اور اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دے سکیں؟ یا وہ اس لائق نہیں ہیں؟ اس کے مطابق ان کے اہل ہونے یا نااہل ہونے کے سلسلہ میں ووٹرس اپنی رائے اورمشورہ کا اظہار کرتے ہیں۔

(۳) سفارش:

ووٹ کی ایک حیثیت سفارش کی بھی ہے۔ گویا کہ ووٹر کسی متعین امیدوار کے سلسلہ میں مجاز اتھارٹی سے یہ سفارش کرتا ہے کہ وہ ممبر پارلیمنٹ یا ممبر اسمبلی بننے کے لائق اور اہل ہے اور وہ اس عہدہ اور منصب کی ذمہ داریوں کو بہتر طور پر انجام دے سکتا ہے، لہٰذا میں اس کے انتخاب کے لیے سفارش کرتا ہوں۔ سفارش کے بارے میں قرآن کریم کا حکم یہ ہے: **من یشفع شفاعة حسنة یکن له نصیب منها و من یشفع شفاعة سیئة یکن له کفل منها و کان الله علی کل شیئ مقیتا** (النساء:۸۵)۔

ووٹ دینے کا شرعی حکم:

ہندوستان کے آئین نے یہاں کے ہر شہری کو ووٹ دینے اور امیدوار بننے اور دیگر انتخابی عمل میں شرکت کا حق دیا ہے (بھارت کا آئین ص:۸۰)۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ ہندوستان کے ایک شہری کی حیثیت سے انتخابی عمل میں شرکت کا کیا حکم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ووٹ دینا اور دوسرے انتخابی عمل میں شرکت کرنے کا حکم حالات اور موقع ومحل کے لحاظ سے مختلف ہے۔ بعض حالات میں انتخابی عمل میں شرکت کرنا اور ووٹ ڈالنا محض جائز ہوتا ہے اور کبھی مستحب اور واجب ہوتا ہے۔ ہندوستان کے موجودہ حالات میں الیکشن میں شرکت کرنا واجب لغیرہ ہے اور دنیا کے جن ممالک کے احوال ہندوستان سے مشابہ ہوں ان ممالک میں بھی الیکشن میں شرکت کرنا واجب لغیرہ ہوگا۔

وجوب کے دلائل:

۱- جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے کہ ووٹ کی حیثیت شہادت کی ہے، شہادت حق شریعت کا ایک اہم حکم ہے۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم میں شہادت اور اس کے مشتقات کا استعمال ایک سو ساٹھ سے زیادہ مقامات پر ہوا ہے، ان میں سے مقصد کے لحاظ سے واضح چند آیات کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **و لاتکتموا**

الشهادة و من یکتمها فانه آثم قلبه (البقرہ۲۸۳)(اور گواہی کومت چھپاؤ اور جس نے گواہی کو چھپا دیا تو یقیناً اس کا دل گنہگار ہے)۔

اس آیت کے تحت امام قرطبی مالکیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شہادت اور گواہی کے چھپانے سے منع فرمایا ہے۔متعدد قرائن کی بنیاد پر اس ممانعت کو وجوب پر محمول کیا جائے گا۔ان میں سے ایک قرینہ یہ ہے کہ اس پر گنہگار ہونے کی وعید آئی ہے۔انہوں نے بطور استدلال حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول پیش فرمایا ہے: **علی الشاهد أن یشهد حیثما استشهد** (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۳/ ۴۱۵) یعنی گواہ کو جب گواہی کے لیے طلب کیا جائے تو اس کے لیے گواہی دینا ضروری ہے۔امام طبریؒ نے اس ضمن میں اس کی بھی وضاحت فرمائی کہ گواہی چھپانے کی ممانعت اس شکل میں ہے جب کسی حق کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو(تفسیر الطبری ۶/ ۹۹)۔

۲-اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **و لا یاب الشهداء اذا ما دعوا** (البقرہ: ۲۸۲)اور گواہوں کو جب گواہی کے لیے مدعو کیا جائے تو چاہیے کہ وہ انکار نہ کریں۔علامہ ابن عطیہؒ فرماتے ہیں کہ جب گواہ کو معلوم ہو کہ گواہی میں اس کی تاخیر کی وجہ سے کسی کا حق تلف ہو جائے گا تو اس پر گواہی کی ادائیگی لازم ہے(تفسیر ابن عطیہ: ۲/ ۵۱۳)۔

امام طبریؒ نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ مذکورہ آیت میں امر استحباب کے لیے ہے،لیکن اخیر میں امام موصوف اس کی وضاحت بھی فرماتے ہیں کہ ''اگر انسان ایسی جگہ پر ہو جہاں اس کے علاوہ شہادت کے لیے کوئی اور شخص دستیاب نہ ہو تو اس کے لیے اداءِ شہادت فرض ہوگا۔''

ہندوستان کا پس منظر:

اس پس منظر میں اگر ہندوستان کی صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں حکومت کی بنیاد الیکشن پر ہے اور الیکشن میں فتحیاب افراد سے پارلیمنٹ کی تشکیل ہوتی ہے اور حکومت سازی وہ پارٹی کرتی ہے جسے معمولی اکثریت یعنی نصف سے زائد کم از کم ایک ممبر کی تائید حاصل ہو جس طرح امیدواروں کی جیت بسا اوقات چند ووٹوں کے فرق سے ہوتی ہے،اسی طرح حکومت کا بننا اور بگڑنا بھی محض ایک ووٹ سے ہوتا ہے اور پارلیمنٹ میں محض ایک ووٹ کا فرق پوری حکومت کی فتح یا شکست کا ذریعہ بن جاتا ہے اور مآل کار کبھی ایسی ناپسندیدہ پارٹی یا افراد مسند اقتدار پر فائز ہو جاتے ہیں جو مسلمانوں کے لیے سم قاتل کے مانند ہوتے ہیں اور مناسب اور موزوں افراد مقابلہ میں پچھڑ جاتے ہیں۔واقعات گواہ ہیں کہ ہندوستان میں متعصب پارٹیوں کی گورنمنٹ محض چند ووٹوں کے فرق سے تختہ اقتدار پر فائز ہوگئی اور اس نے ایسے فیصلے کیے جو آج بھی

مسلمانوں کے لیے سوہان روح ہیں۔اور یہ حکومت کبھی گیارہ دن میں اور کبھی گیارہ مہینے میں چند ووٹوں کے ذریعہ گر بھی گئی۔ لہٰذا جمہوری ممالک میں الیکشن میں ووٹ ڈالنے کے عمل کو محض مباح نہیں بلکہ واجب سے کم درجہ نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح اگر ووٹ کی دوسری حیثیت کو پیش نظر رکھا جائے تو بھی ووٹ ڈالنا اور امیدواروں میں سے بہتر کا انتخاب کرنا شرعاً لازم ہوگا، اس لیے کہ ووٹ کی ایک حیثیت مشورہ کی ہے اور مشورہ دینے والے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **المستشار مؤتمن** (ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۰) یعنی جس سے مشورہ لیا جارہا ہے وہ امین ہے اور اس پر لازم ہے کہ پوری دیانت داری کے ساتھ مشورہ دے۔ گویا مشورہ امانت ہے اور امانت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: **إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها وإذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل** (النساء: ۵۸) (یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو)۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **أد الأمانة إلى من ائتمنك ولا تخن من خانك** (ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۱۱) یعنی جس نے تمہارے پاس امانت رکھا ہے اسے ادا کرو، لیکن اگر کسی نے تم سے خیانت کی ہے تو بھی تم اس کے ساتھ خیانت مت کیا کرو۔ لہٰذا ووٹنگ کے عمل کو بھی پوری دیانت داری کے ساتھ ادا کرنا چاہیے اور اس سلسلہ میں کسی وقتی طمع، حرص اور لالچ کا شکار نہیں بننا چاہیے۔

اس کے علاوہ ووٹ دینا گویا امیدوار کے انتخاب کے لئے رائے اور مشورہ دینا ہے اور مسلمانوں کی صفت یہ ہے کہ اس کے تمام امور مشورے سے طے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وأمرهم شورى بينهم** (شوری ۳۸) چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ خیر القرون میں مسلمانوں کے اہم معاملات خاص طور پر خلیفہ کا انتخاب ارباب حل وعقد کے مشورہ سے ہوا کرتا تھا۔ خود آنحضرت ﷺ اگرچہ مشورے کا محتاج نہیں تھے اس کے باوجود آپ امت کی تعلیم کے لیے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا کرتے تھے، اسی طرح عہد خلفاء راشدینؓ میں بھی اکابر صحابہؓ کی مجلس شوریٰ تھی جن سے حضرات خلفاء راشدینؓ مشورہ کیا کرتے تھے۔

اسی پس منظر میں بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ سلف صالحین کے زمانے میں ارباب حل وعقد کی شناخت آسان تھی، اس لیے انتخاب کے لیے امیدواری اور ووٹنگ کی ضرورت نہ تھی، لیکن موجودہ زمانے میں یہ عمل مشکل تر ہوگیا ہے، لہٰذا ارباب حل وعقد کی شناخت کے لیے الیکشن اور ووٹنگ کی ضرورت پیش آئی اور الیکشن کی معنویت شوریٰ کی معنویت سے ہم آہنگ ہے۔ چنانچہ علامہ یوسف قرضاوی فرماتے ہیں: **عندنا شيئ اسمه اهل الحل والعقد۔ كيف نصل الى اهل الحل و العقد الذين هم أهل الشورى؟ زمان كان ممكن تعرف اهل الحل والعقد۔ الناس اخترعوا وسيلة**

للمعرفة۔ هذه الوسيلة هی الانتخابات۔ الوسائل لها حكم مقاصدها مادمنانستخدمها فی مقصد نبیل فلا حرج۔ الاسلام أمر بالشوری ولكن لم يحدد كيفيتها، هذه من رحمة الله لو حددلنا لجمدنا (الخلاصة فقه الاقليات ۱/ ۳۳) یعنی ذخیرہ شریعت میں ایک چیز موجود ہے جسے ارباب حل وعقد کہتے ہیں: لیکن ارباب حل و عقد تک کیسے پہنچا جائے؟ جو اہل شوریٰ ہوتے ہیں، ایک زمانہ تھا جب کہ اہل شوریٰ کی شناخت آسان تھی۔ لوگوں نے اس شناخت کا طریقہ ایجاد کرلیا۔ اسی طریقہ کو انتخابات کہتے ہیں، وسائل کا حکم ان کے مقاصد سے وابستہ ہے، جب تک ہم اس کا نیک مقصد کے لیے استعمال کرتے رہیں گے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسلام نے مشورہ کا حکم دیا لیکن اس کی کیفیت کو مقرر نہیں کیا۔ یہ اللہ کی رحمت ہے، اگر طریقہ مقرر شدہ ہوتا تو ہم حرج میں مبتلا ہوجاتے۔

ووٹ دینا اضافہ قوت کی ایک شکل:

جمہوری ممالک میں افرادی قوت کی بڑی اہمیت ہے اور اقلیتوں کے لیے ووٹ بہت بڑی طاقت ہے جس کے ذریعہ کوئی بھی قوم اقلیت میں ہونے کے باوجود بادشاہ نہیں تو بادشاہ گر بننے کی صلاحیت ضرور رکھتی ہے۔ مسلمان بہت سے ممالک میں مضبوط اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں اور اپنے ووٹ کی قوت کے ذریعہ اپنے حقوق کی حفاظت کرسکتے ہیں، لہٰذا ایسے حالات میں ووٹ سے کنارہ کشی اختیار کرنا درحقیقت اپنی سیاسی قوت کو کمزور کرنا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہر حال میں اپنی قوت بڑھانے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم وآخرين من دونهم لا تعلمونهم الله يعلمهم** (الانفال: ۶۰) یعنی اور اپنے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لیے جس قدر بھی ہوسکے سامان تیار رکھو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے جن کے ذریعہ سے تم اپنا رعب اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر رکھتے رہو اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جنہیں تم نہیں جانتے پر اللہ ان کو جانتے ہیں۔

آیت کریمہ میں قوت کا لفظ بہت جامع ہے جو ان تمام قوتوں کو شامل ہے جو نتائج اور فیصلوں پر اثر انداز ہوسکیں۔ یہ طاقت فوجی بھی ہوسکتی ہے، اسلحہ اور ساز وسامان کی بھی اور علم ودانش کی قوت بھی ہوسکتی ہے۔ بالیقین جمہوری ملک میں ووٹ کی قوت دشمنوں کے عزائم خاک میں ملانے کے لیے اہم طاقت ہے، اسے ہر حال میں استعمال کرنا ہے۔

الیکشن میں اپنے آپ کو بہ حیثیت امیدوار پیش کرنے کا حکم:

الیکشن میں اپنے کو امیدوار کے طور پر پیش کرنا چند شرطوں کے ساتھ جائز ہے: اول یہ کہ کوئی دوسرا آدمی عوامی نمائندہ

بننے کے لیے تیار ہے،لیکن وہ اس عہدہ کے لیے غیر مناسب یا غیر موزوں ہے اور اپنے بارے میں اسے یقین ہو کہ وہ اس کام کے لیے فراہم افراد میں سب سے بہتر اور لائق ترین ہے اور وہ اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کو ادا کر کے ملک وقوم کی بہتر خدمت انجام دے سکتا ہے اور ان امور کو انجام دیتے وقت اسے اپنے عقیدہ اور ایمان کی حفاظت کا پورا یقین ہو اور اس کام کے لیے آمادگی کا سبب حب مال اور حب جاہ نہ ہو بلکہ خلق اللہ کی صحیح خدمت اور انصاف کے ساتھ ان کے حقوق کو ادا کرنا مقصود ہو۔ تو ایسے افراد کے لیے اپنے آپ کو عہدہ کے لیے پیش کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہوگا۔علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں: **أما إذا تعین بأن لم یکن أحد غیره یصلح للقضاء وجب علیه الطلب صیانة لحقوق المسلمین** (رد المحتار:۸ر۴۰) کہ اگر کوئی شخص عہدہ قضا کے لیے متعین ہو جائے بایں طور کہ اس کے علاوہ کوئی شخص قضا کی اہلیت نہیں رکھتا ہو تو ایسے شخص پر عہدہ قضاء کا طلب کرنا واجب ہے تا کہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت ہو سکے اور ظالموں کے ظلم کو دور کیا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت یوسفؑ کے بارے میں یہ بیان کیا کہ خشک سالی اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات سے نمٹنے کے لیے انہوں نے اپنی خدمات کو پیش کرتے ہوئے فرمایا:**قال اجعلنی علی خزائن الأرض إنی حفیظ علیم** (یوسف:۵۵) کہ یوسف علیہ السلام نے کہا کہ مجھے ملکی خزانوں پر مامور کر دیجئے میں نگہبان ہوں اور خوب واقف کار بھی۔

رہے وہ افراد جو ان اوصاف سے عاری ہوں،ان کے لیے عہدہ طلبی اور الیکشن میں امیدوار بننا مناسب نہیں ہے۔ علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:**یجوز تقلید الطالب لأنه یقدر علی القضاء بالحق لکن ینبغی أن یقلد لأن الطالب یکون متهما** (بدائع الصنائع ۱ر۳) یعنی عہدہ کے طلبگار کو بھی قضاء کی ذمہ داری سونپنا درست ہے، اس لیے کہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے پر وہ قادر ہے،لیکن اسے ذمہ داری سونپنی مناسب نہیں ہے، اس لیے کہ عہدہ کا خواہشمند متہم ہو سکتا ہے۔اس سلسلہ میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **انا واللہ لانولی علی هذا العمل أحدا سأله ولا أحدا حرص علیه** (صحیح مسلم، کتاب الامارة رقم الحدیث: ۱۷۳۳) کہ خدا کی قسم ہم کسی حریص اور عہدہ کے خواہشمند کو عہدہ نہیں سونپیں گے۔اس کے برعکس جسے بغیر مانگے عہدہ مل جائے تو اس کے لیے تائید غیبی کی پیشین گوئی بھی آپ ﷺ نے فرمائی ہے۔جابر بن سمرہؓ کو مخاطب بنا کر آپ نے فرمایا کہ: ’’کبھی کوئی امارت طلب نہ کرو، کیونکہ خود سے طلب کر کے تم نے عہدہ حاصل بھی کر لیا تو اللہ کی تائید نہیں ہوگی جس کے ذریعہ تم لغزشوں اور خطاؤں سے بچ سکو اور اگر بغیر درخواست اور طلب کے تم کو عہدہ مل گیا تو اللہ کی طرف سے تمہاری تائید اور مدد ہوگی جس کی وجہ سے تم عہدہ کے سارے حقوق ادا کر سکو گے (مسلم، کتاب الامارۃ)۔

علامہ ماوردیؒ نے الاحکام السلطانیہ میں نقل کیا ہے کہ بعض حضرات نے حضرت یوسف علیہ السلام کے مذکورہ عمل کی بنا پر کافر اور ظالم حکمرانوں کا عہدہ قبول کرنا اس شرط کے ساتھ جائز رکھا ہے کہ خود اس کو کوئی کام خلاف شرع نہ کرنا پڑے،

کیونکہ انہوں نے اس زمانہ سے فرعون کے عہدہ کو قبول کیا تھا اور بعض حضرات نے اس کو بھی جائز نہیں رکھا ہے مگر جمہور علماء اور فقہاء نے جواز کے قول کو ہی اختیار فرمایا ہے (الاحکام السلطانیہ: ۱/ ۱۳۰ تفسیر قرطبی)۔

اس کے علاوہ مشہور قاعدہ: **مالایتم الواجب الابه فهو واجب** (الاشباه والنظائر لابن نجيم، ۹۱، الاشباه والنظائر للسيوطی ۹۷) یعنی واجب کی تکمیل جس پر موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے۔ چونکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور جس وطن میں انسان رہتا ہے اس وطن کی اصلاح کی کوشش کرنا ہر ایک مسلمان کے ذمہ واجب ہے اور ان امور کی انجام دہی کے لیے الیکشن کے عمل میں شرکت کرنا لازم ہے، لہٰذا الیکشن میں شرکت کو بھی واجب لغیرہ کہا جائے گا۔ اگر چہ برائیوں سے روکنے کے الگ الگ درجات ہیں جن کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے: **من رأى منكم منكرا فليغيره بيده وإن لم يستطع فبلسانه وإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الايمان** (ابوداؤد ۱/ ۴۴۳) یعنی تم میں سے جو کسی برائی کو دیکھے تو چاہیے کہ وہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے اور اس کی صلاحیت نہ ہو تو پھر زبان سے اس کو بدلنے کی کوشش کرے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دل سے اس کو بدلنے کی کوشش کرے اور یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔

نظام طاغوت میں شرکت کا اعتراض:

اس ضمن میں بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ الیکشن میں شرکت کا مطلب ہے لادینی نظام میں شرکت اور امیدواروں کے فسق اور بعض اوقات ان کے کفر سے راضی ہونا، اور یہ شرعاً ممنوع ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ نظام باطل کے بعض اجزاء کا اختیار کرنا جو کسی مسلمان یا پوری مسلم قوم کے لیے نفع بخش ہو بالکلیہ ممنوع نہیں ہے، بلکہ بعض حالات میں اس کی اجازت ہے۔ خود سرور کائنات ﷺ اور صحابہ کرام سے اس طرح کا استفادہ کرنا ثابت ہے، مثلاً عربوں میں خاص کر مکہ کے کافرانہ نظام میں 'جوار' یعنی کسی پڑوس میں رہ کر اسے پناہ دینے کا قانون رائج تھا جب کوئی شخص پناہ دے دیتا تھا تو پوری قوم کے لیے وہ معصوم الدم اور ان کی شرارتوں سے محفوظ ہو جاتا تھا اور جوار میں لینے والا بھی اس کی حفاظت کا ضامن ہوتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ جب طائف کے المناک سفر سے واپس آرہے تھے تو آپ نے مطعم کا جوار حاصل کیا (طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۴۲، عیون الاثر ۱/ ۱۳۶)۔

اسی طرح جب کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آکر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مکہ کو چھوڑ کر حبشہ ہجرت کرنا چاہی تو راستہ میں ان کی ملاقات ابن الدغنہ سے ہوئی اور انہوں نے آپ کو اپنے جوار میں لے لیا، اسی طرح حضرت عمر بن خطابؓ کو عاص بن وائل سہمی نے اپنے جوار میں لیا اور انہوں نے ان کے جوار کو قبول کیا۔ معلوم ہوا کہ اگر کافروں کے غلبہ والے کسی ملک میں الیکشن منعقد ہو اور اس ملک کا دستور مسلمانوں کو ووٹ دینے کا اختیار دیتا ہو تو مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ اس حق کا استعمال

کرے اور پارلیمنٹ یا اسمبلی کی رکنیت کے لیے اگر کوئی مضبوط مسلم امیدوار نہ ہو تو غیر مسلم امیدوار کا انتخاب بھی صحیح ہوگا جب اس امیدوار یا پارٹی کے انتخاب سے اندرون ملک یا بیرون ملک مسلمانوں کے عمومی مصالح وابستہ ہوں کہ وہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرے گا یا ان کے حق کی آواز بلند کرے گا یا علی الاقل وہ ہمارے دشمنوں کی مدد نہیں کرے گا اور اگر اس حلقہ میں کوئی مضبوط مسلم امیدوار موجود ہو تو اس کے حق میں ووٹ دینا لازمی ہوگا۔ جہاں تک سرے سے ووٹ نہ دینے یا الیکشن سے بائیکاٹ کرنے کا نظریہ ہے تو اس میں مسلمانوں کے لیے کوئی مصلحت نہیں ہے بلکہ بسا اوقات انتخابی عمل سے مسلمانوں کے الگ تھلگ رہنے کی صورت میں بعض ایسے متعصب افراد کے منتخب ہونے کا امکان ہوتا ہے جو موقع ملنے پر مسلم دشمنی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے جو یقیناً مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لیے جلب منفعت اور دفع مضرت اور حرج اور تنگی کو دور کرنا مقاصد دین میں سے ہے۔

بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انتخاب میں بسا اوقات فاسق فاجر امیدوار نامزد ہوتا ہے اور انتخاب کے بعد ایسے افراد خلاف شریعت قوانین بناتے ہیں جس سے نظام طاغوت کی تائید ہوتی ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ فاسق و فاجر کے اندر بھی بسا اوقات مثبت پہلو اور بہتر اخلاق اور فنی بصیرت ہوا کرتی ہے جس کو بروئے کار لا کر وہ ملک وقوم کی اور اپنی جماعت کی بہتر خدمات انجام دے سکتا ہے اور بسا اوقات وہ کمزور نیک افراد کے مقابلہ میں بہتر انداز میں اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کو انجام دیتا ہے، چنانچہ حضرت رسول کریم ﷺ نے پیشین گوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ: **إن الله ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر** (صحیح بخاری، کتاب الجہاد رقم ۳۰۶۲) اللہ تعالیٰ فاسق وفاجر افراد کے ذریعہ اپنے دین کی مضبوطی کا سامان فراہم کرے گا۔

لہٰذا انتخابات کے موقع پر مناسب اور صالح افراد کی عدم موجودگی میں غیر صالح افراد کے انتخاب میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے جب اس امر کا ظن غالب ہو کہ جن مقاصد کے لیے ان کا انتخاب کیا گیا ہے وہ اس کو پوری قوت اور امانت داری کے ساتھ ادا کرے گا۔ اس سلسلہ میں متعدد فقہی نظیریں ہیں، چنانچہ علامہ ابن حزم اندلسی تحریر فرماتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کا قائد فاسق وفاجر ہو تو اس کی قیادت میں بھی دشمنوں سے جنگ کی جائے گی تاکہ مسلمانوں کی عزت وآبرو اور ان کی زمین دشمنوں کے تسلط سے محفوظ رہے، اس لیے کہ قائد کے فسق وفجور کا حساب کسی اور سے نہیں بلکہ صرف قائد سے لیا جائے گا (المحلی: ۳۰۰/۷)۔

یہی مسلک امام محمد بن حسن شیبانی، ابن قدامہ مقدسی، ابن تیمیہ اور علامہ شاطبی کا ہے۔ (دیکھئے: السیر الکبیر للشیبانی، ۱۶۵/۱، المغنی ۳۵۰/۸، السیاسۃ الشرعیہ ۸: الموافقات ۱۵/۲) امام جوینی شافعی فرماتے ہیں کہ جب کفار کی طرف سے کسی اسلامی علاقہ پر حملہ ہو جائے اور فوج کشی کے بغیر چارہ نہ ہو اور فوج کا امیر بننے کے لیے کوئی اور نہیں بلکہ فاسق وفاجر شخص دستیاب ہو تو ہم اسی

کو امیر بنالیں گے، اس لیے کہ اس کے امیر مقرر کرنے میں عامۃ المسلمین کی بھلائی ہے (الغیاثی للجوینی:۲۲۷)۔

جہاں تک ممبران پارلیمنٹ کے ذریعہ مخالف شریعت قانون بنانے کا معاملہ ہے تو اگر مسلم ممبران پارلیمنٹ اس عمل میں شریک نہ ہوں تب بھی ایسے قوانین منظور ہوں گے، اسی طرح اگر بالکلیہ الیکشن کا بائیکاٹ کر دیا جائے تو بھی جس انداز کا نظام یہاں نافذ ہے ایسے قوانین بن بھی سکتے ہیں اور پاس بھی ہو سکتے ہیں۔ مسلمانوں کی شرکت یا عدم شرکت سے اس میں چنداں فرق نہیں پڑتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں اگر مسلمان الیکشن میں حصہ لیتے ہیں بالفرض اگر اسلام کے خلاف کوئی قانون بنتا ہے تو مسلم ممبران پارلیمنٹ کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ اس کے خلاف ایوان کے اندر اور باہر بھرپور آواز بلند کریں اور اس کے باوجود اگر وہ قانون پاس ہو گیا تو اس کی ذمہ داری ان پر نہیں ہوگی اور وہ ان قوانین کی تشریح یا اس کی منظوری کا بنیادی عنصر نہیں ہوں گے۔ اگر پارٹی اپنے ممبران کو پابند بنانے کے لیے وہیپ جاری کرتی ہے تو بھی مسلمان ہونے کے ناطے ایم پی کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ پارٹی لائن سے اوپر اٹھ کر وہیپ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مخالف شرع قانون کے خلاف ووٹ دے، اگرچہ اس کا ووٹ ضائع کیوں نہ ہو جائے، اس لیے کہ وہ اس سے زیادہ کا مکلّف نہیں ہے: **لایکلف الله نفسا الا وسعھا** (البقرہ:۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلّف نہیں بناتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے: **یا قوم اعملوا علی مکانتکم إنی عامل فسوف تعلمون من تکون له عاقبة الدار** (الانعام:۱۳۵) یعنی اے قوم تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کر رہا ہوں۔ پس عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس کا انجام بہتر ہوتا ہے۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ مسلمان کو حقیقت پسند ہونا چاہیے۔ محض مفروضات وخدشات کی وجہ سے بے عملی کا شکار نہیں ہونا چاہیے بلکہ پر امید ہو کر اپنا کام کرتے رہنا چاہیے۔ **لعل الله یحدث بعد ذلک أمرا**۔ شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی بہتر صورت حال پیدا فرما دے۔

اس سلسلہ میں دوسرا جواب قواعد فقہیہ اور دیگر شرعی نظائر سے اس طرح دیا جا سکتا ہے کہ پارلیمنٹ کے ذریعہ اسلام مخالف قانون سازی منکر ہے لیکن کسی مسلمان کا ممبر پارلیمنٹ بننا اس متوقع منکر میں شرکت کے لیے نہیں ہو رہی ہے بلکہ اپنی قوم کے وجود اور ان کے حقوق کی حفاظت اور انہیں درپیش خطرات سے نمٹنے کے لیے پارلیمنٹ میں شرکت ہوتی ہے۔ (یہاں ان حضرات سے بحث نہیں ہے جو سیاست میں آنے کے بعد اپنے دین، ایمان اور ضمیر کو فروخت کر چکے ہوتے ہیں) لیکن شرکت کے بعد اس کی خواہش کے علی الرغم بہرحال منکر کے ارتکاب کا خدشہ برقرار رہتا ہے، لیکن اس کے باوجود شرکت کو ناجائز نہیں بلکہ جائز اور بسا اوقات واجب قرار دیا جائے گا۔ اس لیے کہ قاعدہ ہے: **الضرر الاشد یزال بالضرر الاخف** (الاشباہ والنظائر لابن نجیم ۸۸: وللسیوطی:۹۶، والموافقات للشاطبی ۲/ ۱۴) لہٰذا بادل نخواستہ اسلام مخالف قانون کے حق میں ووٹنگ پر مجبور ہونے کے خطرہ کے باوجود ان اداروں کا ممبر بننا درست ہوگا، اس لیے کہ عدم شرکت کا ضرر بہت بڑھا ہوا ہے، اس متوقع ضرر

سے خاص طور پر ان حالات میں جبکہ ہندوستان میں مسلمانوں کی عزت وآبرو ان کے ملی وجود، ان کی شناخت، ان کے شعائر، مذہبی مقامات اور دینی وعصری اداروں کو زبردست خطرات لاحق ہیں، یہ سارے امور ''ضرر اشد'' ہیں اور ان سے مقابلہ کے لیے اگر چھوٹے اور ہلکے ضرر کو برداشت کرنا پڑے تو شریعت اس کی اجازت دیتی ہے۔ مسلمانوں کی جان، مال، عزت وآبرو کی حفاظت ہر حال میں ضروری ہے۔ حضرت عمر بن خطاب کا ارشاد ہے: **لان استقذ رجلا من المسلمین من ایدی الکفار احب الی من جزیرة العرب** (کتاب الخراج لابی یوسف:۱۹۶) کہ میں کسی مسلمان کو کفار کے نرغے سے بچالوں یہ مجھے زیادہ پسندیدہ ہے پورے جزیرۃ العرب کے مقابلہ میں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں: **علی الناس ان یفدوا الاساری و لو استغرق ذلک جمیع اموالهم** کہ عامۃ المسلمین پر فرض ہے کہ وہ اپنے قیدیوں کو چھڑائیں اگر چہ اس میں ان کا پورا مال لگ جائے۔ حالانکہ ایک خطیر رقم دشمنوں کو دینے میں ظالم کی مدد ہے، لیکن یہاں ظالم کی مدد کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ یہاں ایک مسلمان کی آزادی رہائی دلانا مقصود ہے۔ اسی بنیاد پر علامہ عز بن عبد السلام نے فرمایا: **قد تجوز المعاونة علی الإثم والعدوان والفسوق لامن جهة کونه معصیة بل من جهة کونه وسیلة إلی مصلحة ومنها ما یبذل فی افتکاک الأساری فإنه حرام علی آخذیه مباح لباذلیه** (قواعد الاحکام للعز بن عبد السلام ۱/۱۲۹) (بعض اوقات گناہ یا ظلم پر تعاون درست بھی ہوجاتا ہے، اس لحاظ سے نہیں کہ وہ گناہ ہے بلکہ اس لحاظ سے کہ وہ اس سے بڑی کسی مصلحت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اس کی ایک مثال وہ رقم ہے جو قیدیوں کو چھڑانے کے لیے صرف کیا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ لینے والے کے لیے حرام ہے اور دینے والے کے لیے مباح ہے، علامہ نے اس کی دوسری مثال ذکر فرمائی کہ اگر کوئی کسی پر مال چھیننے کے مقصد سے چڑھائی کردے ورنہ وہ قتل کرنے پر آمادہ ہوجائے تو اس کے لیے اسے مال دے کر اپنی جان بچانا ضروری ہوگا۔ یہاں کسی کافر دشمن کی مالی مدد کرنا مقصود نہیں ہوتا کہ اس مال سے اس کے فسق وفجور میں اور اضافہ ہوگا)۔

ممتاز عرب عالم شیخ محمد صالح منجد کا فتویٰ ہے کہ بسا اوقات شرعی مصلحت ووٹ ڈالنے کا تقاضا کرتی ہے، تقلیل شر اور ضرر کو کم کرنے کے نقطۂ نظر سے۔ مثال کے طور پر اگر امیدوار غیر مسلم ہے، لیکن ان میں سے ایک مسلمانوں کے لیے نرم پالیسی رکھتا ہے جبکہ دوسرا سخت دشمن ہے اور اس نرم خو امیدوار کے حق میں مسلمانوں کے ووٹ سے فائدہ ممکن ہو تو اس کو ووٹ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور کسی کے لیے درست نہیں کہ وہ یہ اعتراض کرے کہ ووٹنگ میں شرکت کے قائلین نظام کفر کی تائید کر رہے ہیں۔ نہیں ایسا محض مسلمانوں کی مصلحت کے لیے ہے، کفر اور کفار کی محبت میں قطعاً نہیں اور صحابہ کرام نے اہل فارس پر رومیوں کی فتح پر خوشی کا اظہار کیا تھا، نیز جو صحابہ حبشہ کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے انہوں نے نجاشی کی اپنے دشمن ملک کی فتح پر خوشی منائی تھی جیسا کہ سیرت کی کتابوں میں مشہور ہے (فتاوی الاسلام سوال جواب)۔

کیا دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا درست ہے؟

اس سے متعلق شرعی حکم جاننے سے قبل بہتر ہے کہ یہ جان لیا جائے کہ حلف اور قسم کسے کہتے ہیں؟ حلف اور یمین مترادف الفاظ ہیں: **الحلف والیمین من الأسماء المترادفة الواقعة علی مسمی واحد**" (بدائع ۹۹۱/۶)، شرعاً حلف ایسے معاملہ کو کہتے ہیں جس سے کرنے یا نہ کرنے پر حلف لینے والے کے عزم کی پختگی کا اظہار ہوتا ہو۔ اسے پختہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ذاتی یا صفاتی نام میں سے کسی کے ساتھ قسم کھائی جاتی ہے، اگر غیر اللہ کے نام سے قسم کھائی جائے تو شرعاً قسم منعقد نہیں ہوتی ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے: **أما الیمین بغیر الله فنوعان أحدهما الیمین بالآباء والأنبیاء والصوم والصلاة وسائر الشرائع والکعبة والحرم والکعبة وزمزم ونحو ذلک، ولا یجوز الحلف بشیء من ذلک** (۵۱/۲) گویا اللہ کے نام یا اس کی صفات کا ذکر کرنا حلف شرعی کے لیے رکن ہے، اس کے بغیر اس حلف کا انعقاد ہی نہیں ہوگا، اس سلسلہ میں احادیث و آثار میں ممانعت موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **لا تحلفوا بآبائکم ولا بالطواغیت فمن کان منکم حالفا فلیحلف بالله أو لیدع** (بدائع ومصنف عبدالرزاق رقم ۱۵۹۲۵)، حضرت قتادہ فرماتے ہیں: **یکره أن یحلف إلا بالله وکره أن یحلف بالمصحف** (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث ۱۵۹۳۲) **أما رکن الیمین فذکر اسم الله أو صفاته** (ہندیہ ۵۱/۲)۔

شرعی نقطہ نظر سے حلف لینے کی کئی شکلیں ہیں: پہلی یہ کہ کسی گزشتہ چیز پر صحیح سمجھتے ہوئے قسم کھائے۔ حالانکہ وہ خلاف واقعہ ہوا سے یمین لغو کہتے ہیں۔ دوسری شکل ہے جسے غموس کہتے ہیں، یعنی جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا اور تیسری صورت ہے یمین منعقدہ کی یعنی مستقبل میں کسی چیز کے کرنے یا نہیں کرنے پر قسم کھانا۔ پارلیمنٹ اور اس جیسے دوسرے اداروں میں حلف برداری کے وقت الگ الگ الفاظ اور الگ الگ جملوں کا استعمال کیا جاتا ہے اور عام طور پر صدق دل سے یہ اقرار کرتا ہوں کہ یا یہ عزم کرتا ہوں یا یہ عہد کرتا ہوں جیسے جملے استعمال کیے جاتے ہیں اور اس میں اللہ کا نام نہیں لیا جاتا ہے اور کبھی کبھار اللہ کا نام لی بھی جاتی ہے۔ کیا اللہ کے نام کے بغیر محض اقرار یا عزم کو شرعاً حلف کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ چونکہ اللہ کے نام یا اس کی صفات میں سے کسی ایک کا ذکر کرنا حلف اور قسم کے لیے رکن ہے، لہٰذا علماء کی ایک جماعت جن میں امام زفر شامل ہیں، ایسے الفاظ کو شرعاً قسم نہیں قرار دیتی اور اس پر قسم کے احکام بھی جاری نہیں کرتی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ محض وعدہ ہے قسم شرعی نہیں۔ **وقیل: لابد منها لاحتمال العدة (ای الوعد) والیمین بغیر الله** (ہدایہ ۴۸۰/۲)۔

دوسرے حضرات جن میں ہمارے ائمہ ثلثہ شامل ہیں اللہ کے نام یا صفات کے ذکر کو ضروری تو قرار دیتے ہیں، لیکن

اگر کسی جملہ میں اللہ کا نام یا ان کی صفت لفظاً مذکور نہیں ہے تو وہاں وہ معنوی یا مجازی طور پر اسے مذکور مان لیتے ہیں و الاسم قد یکون مذکورا وقد یکون محذوفا والمذکور قد یکون صریحا وقد یکون کنایة (بدائع)۔

لیکن جمہوری ملک میں جہاں آزمائشوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسلم ممبران پارلیمنٹ کے ان الفاظ کو اس وقت تک قسم نہ قرار دیا جائے جب تک وہ صراحتاً اللہ کے نام یا صفات کے ساتھ قسم نہ کھائیں۔ محض اقرار یا عزم کے الفاظ کو وعدہ قرار دیا جائے اور شریعت میں اگرچہ وعدہ کے پاس داری کے احکامات بھی دیے گئے ہیں: أوفوا بالعقود (الانعام)۔ مگر ناجائز امور کے وعدہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے، لہٰذا دستور کے اس حصہ کے متعلق ان کا وعدہ واجب الوفا ہوگا جو شریعت سے متصادم نہیں ہے اور اگر اللہ کے نام کے ساتھ قسم کھایا گیا ہے تو قسم تو منعقد ہوگا مگر شریعت سے متصادم حصوں کے سلسلہ میں ان کا قسم قابل نفاذ نہ ہوگا، بلکہ ان کی ذمہ داری ہوگی کہ قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کریں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اذا حلفت علی یمین فرأیت غیرھا خیرا منھا فکفر عن یمینک وآت بالذی ھو خیر (بخاری، مسلم) اور اگر اس کے خلاف کرنا مصلحت عامہ کے خلاف ہو اور اس میں ضرر لاحق ہونے کا خدشہ ہو تو اس حال میں اس کے لیے بلا تفصیل حلف لینا درست ہوگا جیسا کہ قاعدہ ہے: لاضرر و لاضرار (ابن ماجہ رقم ۲۳۴۰) اور یہ بھی کہ إذا ابتلی ببلیتین یختار أھونھما (الاشباہ والنظائر لابن نجیم ۱/۸۹) الضرر الخاص یتحمل للضرر العام (ایضاً)۔

بائبل پر حلف لینے کا حکم:

تورات اور انجیل اپنی حقیقت کے لحاظ سے ان چار مقدس آسمانی صحیفوں میں شامل ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل کیا ہے، لیکن قرآن کریم کے نزول کے بعد یہ کتابیں منسوخ ہوگئیں۔ مزید یہ کہ مرور زمانہ کے ساتھ ان آسمانی کتابوں میں بے پناہ تحریفات بھی ہوگئیں، گویا ان کے تقدس کی حیثیت بھی مجروح ہوگئی، لہٰذا ایک مسلمان کے لیے اس پر ہاتھ رکھ کر حلف لینے کا مطلب ہے اس مجموعے کے تقدس کا اعتراف کرنا جو کسی بھی حال میں درست نہیں ہے، ہمارے لیے وہی حصے لائق تقدیس ہیں جو تحریف سے پاک ہیں، پورا مجموعہ نہیں۔ اس سلسلہ میں علامہ ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی کا بیان قابل ذکر ہے: سائل نے دریافت کیا کہ ''قسم کو پختہ کرانے کے وقت تورات خاص یہود کے ہاتھ میں دے کر اور انجیل خاص نصاریٰ کے ہاتھ میں دے کر اس کی طرف اشارہ کرنا چاہیے یا نہیں تو اس کے جواب میں علامہ نے فرمایا اور استدلال کے طور پر ہندیہ کی یہ عبارت پیش فرمائی: لایحلف بالاشارة الی مصحف معین بأن یقول بالله الذی أنزل ھذا الإنجیل وھذا التوراة لأنه مثبت تحریف بعضھا فلا یؤمن ان الاشارة الی المحرف فیکون

التحلیف به تغلیظا مالیس بکلام اللہ عزوجل۔ جب عیسائی اور یہودی سے ایسا کروانا درست نہیں ہے تو ایک مسلم کے لیے کیسے درست ہوگا؟ اس سلسلہ میں اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے پانچویں سمینار میں صادر شدہ یہ فیصلہ بھی قابل ذکر ہے کہ اللہ کے سوا کسی چیز کی قسم کھانی جائز نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: جسے قسم کھانی ہو وہ اللہ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے۔ قسم کھاتے وقت مصحف، توریت یا انجیل پر ہاتھ رکھنا قسم کے صحیح ہونے کے لیے ضروری نہیں ہے۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ قسم کھاتے وقت توریت یا انجیل پر ہاتھ رکھے، اس لیے کہ آج جو نسخے رائج ہیں وہ محرف ہیں' (اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فیصلے، ص: ۱۲۰)۔

لیکن اگر کسی ملک کے ضابطہ کی وجہ سے مسلمان انجیل پر حلف لینے پر مجبور ہو تو اصل مذہب حنفیہ کے لحاظ سے یہ فتویٰ دیا جاسکتا ہے کہ اس کا حلف شرعاً منعقد ہی نہیں ہوا، اس لیے کہ متون حنفیہ کی روایت کے مطابق بائبل تو کجا خود قرآن کریم کی قسم بھی شرعاً معتبر نہیں ہوتی، چنانچہ علامہ عبدالحیؒ فرنگی محلیؒ فرماتے ہیں: قرآن کی قسم اگرچہ بعض کے نزدیک معتبر ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے، مگر اصحاب متون نے اس قسم کو شرعاً معتبر نہیں مانا ہے۔ **قال محمد في الأصل: لو قال: والقرآن لا یکون یمینا ذکرہ مطلقا** (فتاویٰ عبدالحیٔ، ص: ۴۵۲) اس سلسلہ میں اسلامی فقہ اکیڈمی کے مذکورہ فیصلہ میں یہ اضافہ بھی درج ہے کہ: اگر غیر اسلامی مملکت کی عدالت قسم لینے والے کے لیے توریت یا انجیل یا ان دونوں پر ہاتھ رکھنا ضروری قرار دیتی ہو تو مسلمان پر لازم ہے کہ وہ عدالت سے قرآن کریم پر ہاتھ رکھنے کا مطالبہ کرے، اس کا مطالبہ نہ مانا جائے تو اسے مجبور سمجھا جائے گا اور دونوں یا کسی ایک پر تعظیم کی نیت کے بغیر ہاتھ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا (اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فیصلے: ص: ۱۲۰)۔

سیکولر پارٹی میں شرکت اور اس کی طرف سے امیدوار بننا:

سیکولر پارٹی میں شمولیت اور اس کی طرف سے پارلیمنٹ، اسمبلی یا بلدیہ کے انتخابات میں ممبر بننے کی مشروط اجازت ہے اور شرائط وہی ہیں جن کا تفصیل کے ساتھ گزشتہ سطور میں تذکرہ ہو چکا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اپنے ایمان اور عقیدہ کے تحفظ کا یقین ہو، اگر ان کے اختیار میں ہو تو پارٹی میں شمولیت اختیار کرنے والے مسلمانوں کے لیے الگ دفعات وضع کرا دیے جائیں، ممکن نہ ہو تو اس پارٹی میں تو شمولیت اختیار کی جائے اور اس کے اسلام مخالف دفعات سے برأت ظاہر کی جائے اور ان میں تبدیلی لانے کی کوشش کی جائے۔ پارٹی کی وفاداری سے زیادہ قوم کی وفاداری اس کو عزیز ہو اور قوم کی خدمت کا جذبہ ہر جذبہ پر غالب ہو (دلائل گزر چکے ہیں) بہتر ہے کہ اس طرح کی سیکولر سیاسی پارٹیوں میں شرکت باضابطہ تحریری طور پر معاہدہ کے ذریعہ عمل میں آئے جیسا کہ میثاق مدینہ میں آنحضور ﷺ نے مدینہ کے اور آس پاس کے یہود اور مشرک قبائل سے معاہدہ کیا تھا۔

مسلم دشمن سیاسی پارٹیوں میں شرکت:

جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہے، کسی مسلمان کے لیے درست نہیں کہ ایسی پارٹی میں شامل ہو یا ان پارٹیوں کی طرف سے الیکشن کے موقع پر امیدوار بنے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **یا أیها الذین آمنوا لاتتخذوا الذین اتخذوا دینکم هزوا ولعبا من الذین أوتوا الکتاب من قبلکم والکفار أولیاء واتقوا الله إن کنتم مؤمنین** (المائدہ:۵۷) یعنی اے ایمان والو جن لوگوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے، یعنی تم سے پہلے کے اہل کتاب اور کفار ان کو دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرو اگر تم واقعی ایمان والے ہو۔ دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: **لا ترکنوا إلی الذین ظلموا فتمسکم النار ومالکم من دون الله من أولیاء ثم لا تنصرون** (ہود:۱۳) یعنی اور ان لوگوں کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں ورنہ تمہیں بھی جہنم کی آگ پکڑ لے گی اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی کارساز نہیں ہوگا اور تمہاری مدد بھی نہیں کی جائے گی۔ سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **یا ایها الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم أولیاء** (المائدہ:۵۱) (اے ایمان والو نہ بناؤ میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست)۔

مذکورہ آیات میں اسلام کے دشمنوں کے ساتھ دوستی قائم کرنے کو سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے، لہٰذا وہ سیاسی پارٹیاں جو اسلام اور مسلم دشمنی کو اپنا شعار بنائے ہوئی ہیں منظّم فسادات بھڑکا کر مسلمانوں کی جان و مال اور عزت وآبرو سے کھلواڑ کرتی ہیں، ان کے مقدس مقامات کو تباہ کرتی ہیں اور اس پر خوش بھی ہوتی ہیں، ایسی پارٹیوں میں مسلمانوں کی شمولیت احکام الٰہی کی صریح خلاف ورزی ہے۔ رہے وہ افراد جو ایسی اسلام مخالف پارٹیوں میں شامل ہو کر ان کے ایجنڈے اور منشور کو تبدیل کرنا چاہیں تو تجربہ شاہد ہے کہ ایسے افراد اپنے مفروضہ مقاصد میں کامیاب نہیں ہوتے بلکہ اپنے دین وایمان اور غیرت ملی کا جنازہ بدست خود نکال لیتے ہیں، لیکن پارٹی کا ایجنڈہ اور مسلم دشمن عزائم میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

علیحدہ مسلم سیاسی جماعت کا قیام:

مسلمانوں کی ایک باکردار مثال سیاسی بصیرت رکھنے والے اور قربانی دینے والے افراد پر مشتمل ایک علاحدہ سیاسی جماعت ضرور ہونی چاہیے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے دروازے سیکولرزم میں یقین رکھنے والے ہر مذہب وملت سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے کھلے رہیں، لیکن اس کی قیادت اور نظریہ سازی ہر حال میں مسلمانوں کے عمل دخل میں رہے اور اس پلیٹ فارم سے مسلمان اسلام کے مثالی عدل وانصاف، رعایا پروری، خدمت خلق اور مداہنت فی الدین کے بغیر رواداری کا بھرپور مظاہرہ کریں، اس سے مسلم مخالف ووٹ کے مرتکز ہونے کا خدشہ بھی معدوم ہو جائے گا یا کم ہو جائے گا اور ان اوصاف

کا مظاہرہ کر کے دیگر محبّ وطن سیکولر شہریوں کے دل میں ایسی پارٹی کا وقار بھی پیدا ہوگا۔ فرقہ پرست جماعتیں اسی وقت اپنا شیطانی کھیل کھیلنے میں کامیاب ہوتی ہیں جبکہ پارٹی خود اپنی شبیہ بھی فرقہ پرستی والی بنا ڈالی اور بدعنوانی اور بے کرداری کا شکار ہوجائے، اگر اپنی شبیہ خدمت ملک وقوم ہوتو انشاء اللہ کامیابی ملے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لاينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم فى الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم إن الله يحب المقسطين** (الممتحنۃ:۸) یعنی اللہ تعالیٰ تم کو منع نہیں فرماتے ان لوگوں سے جوتم سے نہیں لڑے دین کے معاملے میں اور تمہیں اپنے گھروں سے نکالا کہ تم ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرو۔ علامہ قرطبی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: یہ آیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کے ساتھ صلہ یعنی تعلق قائم کرنے کے بارے میں رخصت پر دلالت کرتی ہے جولوگ اہل ایمان سے دشمنی نہیں کرتے، اوران سے جنگ وجدال بھی نہیں کرتے ہیں۔ سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وإن جنحوا للسلم فاجنح لها** (۶۱) کہ اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی ان کی طرف جھکئے۔

اس سلسلہ میں بانی امارت شرعیہ مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کے ذریعہ قائم کردہ مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی اور الیکشن سے لیکر حکومت سازی تک کے تجربات کو بھی اپنایا جاسکتا ہے۔ جبکہ ریاست بہار میں آزادی سے قبل اس پارٹی نے الیکشن میں نمایاں کامیابی حاصل کی اور مولانا سجاد کی نگرانی میں محمد یونس نے وزیر اعظم کے طور پر حلف برداری کی اور کامیابی کے ساتھ یہ حکومت ایک عرصہ تک حکومت کرتی رہی۔ اس تجربے سے اور حال میں مولانا بدرالدین اجمل قاسمی کے ذریعہ کیے گئے یونائیٹڈ ڈیموکریٹک فرنٹ کے تجربات سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

الیکشن میں خواتین کا کیا کردار ہونا چاہیے:

بعض پیدائشی اورفطری اسباب کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے مردوں اورعورتوں کے درمیان تقسیم کار کا اصول قائم کیا ہے اوراسی کے پیش نظر مردوں کوعورتوں پر قوامیت عطا کی گئی ہے اوراسے شرم وحیا کا مجسم پیکر قرار دے کر ہراس چیز کی ممانعت کی گئی ہے جوان کی فطری حیا اور پیدائشی اوصاف سے متصادم ہو۔ باہر نکلنے، غیر محرموں کے سامنے جانے اور پردہ کرنے کے سلسلہ میں عورتوں کے خصوصی مسائل ہیں۔ ان کے بارے میں قرآن کریم اوراحادیث شریفہ میں خاص احکامات بیان کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **الرجال قوامون على النساء بمافضل الله بعضهم على بعض** (النساء:۳۴) (مرد نگہبان ہیں عورتوں کے اس سبب سے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے)۔ سورہ احزاب میں اللہ کا ارشاد ہے: **وقرن فى بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى** (احزاب:۳۳) (اورتم اپنے گھروں میں ٹھہری رہواور پچھلی

جاہلیت کی طرح بناؤ سنگار کر کے مت نکلا کرو)۔حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **المرأة عورة إذا خرجت من بيتها استشرفها الشيطان** (خواتین مکمل طور پر پردہ کی چیز ہیں جب وہ گھر سے نکلتی ہیں تو شیطان ان کے پیچھے پڑ جاتا ہے)۔**ما تركت بعدی فتنة أضر علی الرجال من النساء** (متفق علیہ) (میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے مضرت رساں فتنہ عورت سے بڑھ کر کسی اور چیز کو نہیں چھوڑا)۔ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا سربراہ بنالیا ہے تو آپ نے فرمایا: **لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة** (بخاری) (وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جو کسی عورت کو اپنا سربراہ بنالے)۔

ان امور کے پیش نظر علماء امت نے یہ مسئلہ اخذ کیا کہ عورت سربراہ مملکت نہیں بن سکتی، لیکن وہ پردہ کی اور دیگر شرعی حدود کی رعایت کرتے ہوئے وہ تمام گھریلو اور سماجی امور انجام دے سکتی ہے جن امور میں اجنبی مرد وعورت کے اختلاط کا امکان ہو ان امور کی ان کے لیے اجازت نہیں ہے۔عورت حدود وقصاص کے علاوہ دیگر معاملات کو فیصل کرنے کے لیے امام ابوحنیفہ کی رائے میں قاضی بھی بن سکتی ہے۔ (المرأة بین الفقہ والقانون:۳۹) وہ پردہ میں رہ کر ووٹ بھی دے سکتی ہے اور حکومت کے اعلیٰ امور میں مشورہ بھی دے سکتی ہے۔مثلاً صحابیاتؓ نے حضور اکرم سے بیعت کی اور بیعت عقبہ میں باضابطہ شامل ہوئیں۔چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے بعد خلیفہ چننے کی ذمہ داری چھ افراد پر مشتمل ایک منتخب جماعت کے سپرد کیا جن میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی تھے جو اس معاملہ میں مستقل تین دنوں تک مشورہ لیتے رہے، اس درمیان پردہ نشین خواتین سے بھی مشورہ کیا۔علامہ لکھتے ہیں کہ اجتہاد کرنا اور فتویٰ دینا مردوں پر منحصر نہیں بلکہ خواتین بھی ان اوصاف کی حامل ہوتی ہیں، چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضرت ام سلمہؓ کے مشورہ پر سب سے پہلے آپ ﷺ نے اپنے جانور کو ذبح فرمایا اور صحابہ کرامؓ نے آپ کی اتباع کی۔اسی طرح حضرت خولہ بنت ثعلب نے حضرت عمر بن خطابؓ کو نصیحت فرمائی جبکہ آپ خلیفۃ المسلمین تھے (الانتخابات واحكامها فی الفقه الاسلامی ۲/ ۴۹۴،منہاج السنۃ۶/ ۹۰۵۳)۔

اگر خواتین کے لیے مردوں سے علاحدہ نشست کا انتظام ہو اور وہ مکمل پردے میں ایوان کی کارروائی اور دیگر سیاسی وسماجی سرگرمیوں میں شرکت کرسکیں اور دیگر شرعی حدود کی رعایت کرسکیں یا غیر مناسب مقامات پر شوہر کے لیے ان کی نمائندگی کی اجازت ہو تو اس صورت میں ان کے لیے امیدوار بننا درست ہوگا (دیکھیں حجن نغمہ کے استفتاء کے جواب میں دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کا فیصلہ) اور اگر وہ ان حدود شرعیہ کی رعایت نہ کرسکیں تو ان کے لیے سیاسی سرگرمیوں میں شرکت درست نہیں ہے۔واللہ اعلم بالصواب

الیکشن سے مربوط شرعی مسائل

مفتی تنظیم عالم قاسمی ☆

۱-ووٹ کی شرعی حیثیت:

جمہوری حکومت کی تشکیل ووٹنگ کے ذریعہ ہوتی ہے، اس لیے سب سے پہلے سوال یہ ہے کہ ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس سلسلہ میں اگر غور کیا جائے تو ووٹ کی مختلف حیثیتیں بنتی ہیں، تاہم بنیادی طور پر ووٹ کی حیثیت شہادت اور گواہی کی ہے، اس لیے کہ ووٹ دینے کا مطلب اس بات کی شہادت دینا ہے کہ وہ جس امیدوار کو ووٹ دے رہا ہے اس کے علم ودانست میں وہ قوم وملت کا خیر خواہ، جذبۂ خدمت خلق اور نمائندگی کی صلاحیت میں دوسروں سے بہتر ہے، وہ متعلقہ ذمہ داری کو نبھانے کی قابلیت رکھتا ہے اور اس میں امانت ودیانت داری بھی ہے، اگر ووٹ دینے والے نے جاننے کے باوجود کسی نااہل کو ووٹ دیا حالانکہ اس سے بہتر کوئی دوسرا شخص موجود تھا پھر بھی تعلق، قرابت، رشتہ داری یا اور کسی بنیاد پر غدار، خائن، ظالم اور نااہل شخص کو ووٹ دے دیا تو یہ جھوٹی گواہی ہوگی، جو سخت گناہ کبیرہ اور دنیا وآخرت کے لیے وبال جان ہے، رسول اکرم ﷺ نے ایک موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

کیا میں تم کو سب سے بڑا گناہ نہ بتا دوں؟ صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھیک سے بیٹھ گئے۔ حالانکہ اس سے پہلے ٹیک لگائے ہوئے تھے اور فرمایا: سنو! شہادت زور یعنی جھوٹی گواہی اور برابر دہراتے رہے، یہاں تک کہ ہم لوگوں کو خیال ہوا کہ کاش آپ ﷺ خاموش ہوجاتے (صحیح بخاری، باب ماقیل فی شہادۃ الزور: ۱/ ۳۶۲)۔

اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں بتوں کی گندگی سے بچنے کی طرح اس سے بھی اجتناب کا حکم دیا۔ ارشاد باری ہے:

فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا اقول الزور (الحج: ۳۰) (سو بتوں کی گندگی سے بچتے رہو اور جھوٹی بات سے بچتے رہو)۔

☆ دار العلوم سبیل السلام، حیدر آباد۔

ووٹ کی دوسری حیثیت شفاعت کی ہے۔ ووٹر جس کے حق میں ووٹ ڈال رہا ہے وہ گویا اس کے حق میں سفارش کر رہا ہے کہ اسے اس علاقہ کا نمائندہ بنادیا جائے، اب اگر ووٹر نے صحیح سفارش کی ہے تو اسے ثواب ملے گا اور جان بوجھ کر غلط اور نااہل آدمی کو ووٹ ڈالا تو یہ بری سفارش ہوگی اور اس پر وہ گنہگار ہوگا بلکہ جس ظالم اور نااہل کو اس نے ووٹ ڈالا ہے، اگر وہ کامیاب ہوگیا تو اس منصب اور نمائندگی کے عہدہ پر رہ کر جو ظلم وزیادتی کرے اور لوگوں کے حقوق تلف کرے گا ان سب گناہ میں ووٹر برابر کا شریک رہے گا، اس لیے کہ سفارش جتنی اہم چیز کی ہوتی ہے اور جس قدر اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں، اسی اعتبار سے سفارشی ثواب وعتاب کا مستحق ہوتا ہے۔

من يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها ومن يشفع شفاعة سيئة يكن له كفل منها (النساء:۸۵)

(جو کوئی اچھی سفارش کرے گا اس کو اس میں حصہ ملے گا اور جو کوئی بری سفارش کرے گا اس پر اس میں سے بار رہے گا)۔

ووٹرس کو چاہیے کہ نااہل، نالائق، فاسق اور ظالم کو ووٹ نہ دیں، کیونکہ یہ بری سفارش ہوگی اور وہ گنہگار ہوں گے، اگر خدانخواستہ وہ کامیاب ہوگیا تو جب تک وہ اس منصب پر رہتے ہوئے ظلم اور حق تلفی کرتا رہے گا ووٹرس گنہگار ہوتے رہیں گے۔

ووٹ کی تیسری شرعی حیثیت وکالت کی ہے، وکالت میں ایک انسان اپنے کام کا کسی کو نمائندہ اور وکیل بناتا ہے، اسی طرح یہاں بھی ووٹ دینے والا اپنے حلقے کے لیے سیاسی امور میں وکیل بناتا ہے کہ فلاں امیدوار اس حلقے سے حکومت کی تشکیل کرنے اور وزیراعظم منتخب کرنے کے لیے وکیل ہے، اب اگر وکالت کسی ایسی چیز کی ہوتی جس کا نفع اور نقصان موکل کی ذات تک محدود ہوتا تو کوئی حرج نہیں تھا، لیکن یہ ایسی چیز کی وکالت ہے جس کا نفع اور نقصان عام ہے اور پوری قوم پر اس کی اچھی اور بری وکالت کا اثر پڑنے والا ہے، اس لیے اگر اس نے عمداً غلط ووٹ ڈالا تو اسے پوری قوم کے حقوق پامال کرنے کا گناہ ہوگا۔

ووٹ کی ایک چوتھی حیثیت مشورے کی بھی ہے، یعنی وہ جس کو ووٹ ڈال رہا ہے اس کے متعلق مشورہ دے رہا ہے کہ اسے اس حلقے کا نمائندہ منتخب کیا جائے جس سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے وہ امین ہوتا ہے، اسے چاہیے کہ اپنے علم وتحقیق کے مطابق صحیح مشورہ دے، غلط مشورہ دینے پر مواخذہ ہوگا بالخصوص ایسی جگہ جہاں غلط مشورہ دینے سے بھاری نقصان اٹھانا پڑے، ایک ووٹ بھی کبھی فیصلہ کن ثابت ہوتا ہے، اس لیے جو باصلاحیت، اخلاق وکردار کا پیکر، فرض شناس، قوم وملت کا ہمدرد ہو اس کو ووٹ دیا جائے، کسی خائن اور نااہل کو ہرگز ووٹ نہ دے کہ اس کا نقصان صرف اس کی ذات کو نہیں بلکہ پورے ملک اور پوری قوم کو اٹھانا پڑے گا اور اس میں چونکہ عمد کا دخل ہے، اس لیے اس غلط مشورے کا گناہ بھی ہوگا۔

ووٹ میں اگرچہ شہادت، سفارش، وکالت اور مشورہ کی حیثیتیں موجود ہیں، لیکن شہادت کی حیثیت سب سے

نمایاں ہے، اسی لیے دور حاضر کے مشہور محقق اور ممتاز فقیہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی نے ووٹ کی شرعی حیثیت میں صرف شہادت کا ہی ذکر کیا ہے (دیکھیے: فقہی مقالات: ۲/ ۲۸۷، طبع کتب خانہ نعیمیہ دیوبند)۔

۲- ووٹ اگر شہادت کے درجہ میں ہے تو اس کا حکم شرعی کیا ہوگا؟

ادائے شہادت سے متعلق قرآن کریم میں مختلف آیات ہیں:

ولا تکتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه (البقرہ: ۲۸۳) (اور شہادت ہرگز نہ چھپاؤ، جو شہادت چھپاتا ہے اس کا دل گناہ میں آلودہ ہے)۔

وأقيموا الشهادة لله (الطلاق: ۲) (اور (اے گواہ بننے والو!) گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے لیے ادا کرو)۔

ادائے شہادت بعض صورتوں میں فرض عین ہے اور یہ اس وقت ہے جبکہ حق کی بازیابی شاہد کی شہادت پر موقوف ہو، گواہی دینے میں اس کی شمولیت کے بغیر مقصد پورا نہ ہو سکے:

”**و قد يكون أداء الشهادة فرض عين إذا كان لايوجد غيره ممن يقع به الكفاية وتوقف الحق على شهادته، فانه يتعين عليه الأداء لأنه لا يحصل المقصود إلا به**“ (حوالہ سابق)۔

ووٹ دینا ادائے شہادت کے درجے میں ہے، اس لیے اس کا بھی حکم وہی ہوگا جو گواہی دینے کا ہے، یعنی عام حالات میں جبکہ ملک میں پرامن ماحول ہو، جان و مال، عزت وآبرو کی حفاظت میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، دین وشریعت پر چلنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے اور نہ ہی اسلام کے خلاف کوئی قانون وضع کیا جاتا ہو اور نہ کسی ایسی جماعت کے برسراقتدار آنے کا یقین یا ظن غالب ہو جو اسلام اور مسلمانوں کا کھلم کھلا دشمن ہے تو ان صورتوں میں ووٹ دینا فرض کفایہ ہوگا، یعنی اگر کچھ لوگوں نے ووٹ دے دیا اور حکومت تشکیل پا گئی تو مقصد حاصل ہو گیا، لہذا سارے لوگ بری الذمہ ہو جائیں گے۔

لیکن اگر ملک کے حالات بہتر نہ ہوں، مسلمان اور ان کے دین و مذہب کو مٹانے کی سازشیں کی جاتی ہوں، اندیشہ ہو کہ اگر سارے مسلمان متحدہ طور پر ووٹ میں حصہ لے کر کسی پارٹی کو حکومت نہ سونپیں تو پارلیمنٹ اور حکومت پر اسلام دشمن طاقتوں کا قبضہ ہو جائے گا اور ایسے لوگوں کے ہاتھ میں حکومت چلی جائے گی جو مسلمانوں کی جان و مال، عزت وآبرو سے کھلواڑ کریں گے اور اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے، ایسے وقت ووٹ ڈالنے میں شریک ہونا ہر مسلمان پر فرض ہوگا، تاکہ مقصد شریعت کی حفاظت ہو سکے۔ بستی اور شہر کے چند لوگوں کی ووٹنگ میں شرکت سے باقی افراد سے ذمہ ساقط نہیں ہوگا، بلکہ وہ ترک فرضیت کے گنہگار رہوں گے۔

ہاں البتہ اگر کوئی شخص ووٹ میں شرکت سے معذور ہو جیسے کوئی بیمار یا نہایت ضعیف ہے، نابینا اور بے سہارا ہے، سواری کا انتظام نہیں اور ووٹ کا مرکز بہت دور ہے یا اور کوئی علت شرعی موجود ہو تو اس سے یہ فریضہ ساقط ہوگا۔

"وإذا وجب أداء الشهادة على إنسان ولكنه عجز لبعد المسافة كأن دعى من مسافة القصر أو كان سيلحقه ضرر فى بدنه أو ماله أو أهله، فلا يلزمه الأداء لقول الله تعالى: "ولا يضار كاتب ولا شهيد" (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲/ ۳۴۱)۔

اسی طرح اگر امیدوار صحیح کردار کا حامل، نمائندگی کا اہل اور فرض شناس نہ ہو تو بھی ادائے شہادت فرض نہ ہوگا:

"كذلك قال بعض الفقهاء لا يجب الأداء إذا كان الحاكم غير عدل، قال الإمام أحمد: كيف أشهد عند رجل ليس عدلا، لا أشهد" (حوالہ سابق)۔

اسی لیے معاصر فقہاء کرام نے ووٹ دینے کو واجب قرار دیا ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ امیدوار دیانت دار اور فرض شناس ہو۔ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ ووٹ کی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے بطور خلاصہ لکھتے ہیں:

"سچی شہادت کا چھپانا از روئے قرآن حرام ہے، اس لیے آپ کے حلقہ انتخاب میں اگر کوئی صحیح نظریہ کا حامل و دیانت دار نمائندہ کھڑا ہے تو اس کو ووٹ دینے میں، کوتاہی کرنا گناہ کبیرہ ہے" (جواہر الفقہ: ۲/ ۲۹۵)۔

فقیہ وقت حضرت مولانا محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ ورعاہ کا بھی یہی خیال ہے (فقہی مقالات: ۲/ ۲۹۳)۔

دونوں بزرگوں نے اگرچہ مطلقاً ووٹ کو شرعی فریضہ اور ادنیٰ کوتاہی کو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے، لیکن راقم الحروف کے خیال میں ان دونوں کے پیش نظر وہ حالات ہوں گے جن میں تمام مسلمانوں کے ووٹ میں شرکت نہ کرنے کی صورت میں اسلام دشمن قوت کا برسر اقتدار آنے کا ظن غالب یا یقین ہو، ورنہ عام حالات میں اسے واجب اور فرض کہنا شہادت سے متعلق فقہاء کے بیان کردہ مدارج کے خلاف ہے۔

۳- الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا کیا حکم ہے؟

امیدوار اپنے آپ کو عہدہ اور منصب کے لیے از خود پیش کرتا ہے اور منصب کا طالب ہوتا ہے اور اس مقصد کے لیے وہ اپنی پوری طاقت صرف کر دیتا ہے۔ حالانکہ اسلام میں کسی عہدہ کے طلب کرنے کو ناپسند کیا گیا ہے، چنانچہ عبدالرحمٰن بن سمرہ سے مروی ہے:

"قال لی رسول الله ﷺ: يا عبد الرحمن! لا تسأل الإمارة فإنک إن أعطيتها عن مسئلة

وکلت إلیه وإن أعطیتها عن غیر مسئلة أعنت علیه'' (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ: ۱۲۰/۲) (عبدالرحمٰن! عہدہ اور حکومت کی طلب مت کرو، کیونکہ اگر تجھے طلب سے ملے گا تو خدا تجھے چھوڑ دے گا اور جو بغیر طلب کے ملے تو اللہ تعالیٰ اس پر تیری مدد کرے گا)۔

اقتدار کی ہوس اور حرص کے علاوہ اور بھی اس میں کئی منکرات ہیں، جیسے ایک دوسرے پر الزام تراشی اور بہتان طرازی، خودستائی نام ونمود، اپنی خدمات کی بے جا تعریف، ہزاروں قسم کے جھوٹے وعدے، ووٹوں کی خرید وفروخت، اپنی تشہیر میں حد سے زائد اخراجات وغیرہ۔ ان منکرات کا تقاضا ہے کہ بحیثیت امیدوار اپنے آپ کو پیش کرنا درست نہ ہو، لیکن آج کی گندی سیاست کی یہ تمام چیزیں لازمی جز بن گئی ہیں، اگر ان گناہوں اور منکرات کو دیکھتے ہوئے مسلمان الیکشن میں حصہ لینا چھوڑ دیں تو ملک سے مسلمانوں کا وقار ختم ہوجائے گا۔ سیاسی وقومی سطح پر ان کی کوئی اہمیت ہی باقی نہیں رہے گی۔ پارلیمنٹ کے تمام ممبران غیر مسلم ہوں گے، قانون ساز مجالس پر غیروں کا قبضہ ہوگا۔ وہ جب اور جس طرح چاہیں گے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف قانون بنائیں گے پھر یکساں سول کوڈ، تعدد ازدواج، وندے ماترم، شاہ بانو کیس اور ہم جنسی کے نکاح کی اجازت وغیرہ جیسے سیکڑوں اسلام کے خلاف مسائل جنم لیں گے جو اسلام اور مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا نقصان ہے، اس لیے موجودہ حالات میں الیکشن کی گندگیوں سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے اس سے دور رہنا اور کنارہ کش ہوجانا دانشمندی کے خلاف ہے۔

امیدوار بننا اور الیکشن کی راہ سے جمہوری ملک کے نظم ونسق پر اثر انداز ہونا اور قیادت تک پہنچنا بہت آسان ہے اور یہ بہت سے مسائل کا حل ہے، اس لیے امیدوار بننے اور انتخابی مہم میں شرکت درست ہوگی۔ البتہ امیدوار کو چاہیے کہ مذکورہ منکرات اور انتخابی مفسدات سے اپنے آپ کو پاک رکھے، اخلاق وکردار کا پیکر، فرض شناس، قوم وملک کا ہمدرد بن کر اخلاص کے ساتھ امیدوار بنے اور نیک جذبہ کے تحت اس میں شرکت کرے، جیسا کہ فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر کوئی مخلص بندہ کسی خاص موقع پر محسوس کرے کہ اس اہم خدمت کو اللہ کی توفیق سے اچھی طرح انجام دے سکتا ہے، اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے کو پیش کردے۔

حضرات فقہاء نے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس قول سے استدلال کیا ہے:

''قال اجعلنی علی خزائن الأرض إنی حفیظ علیم'' (یوسف:۵۵) (یوسف علیہ السلام نے کہا: مجھ کو ملک کے خزانوں پر مقرر کر، میں نگہبان ہوں، خوب جاننے والا) (ترجمہ شیخ الہند)۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فيه دليل على جواز طلب التولية وإظهار أنه مستعد لها التولى من يد الكافر اذا علم انه لاسبيل الى اقامة الحق و سياسة الخلق الا بالاستظهار به" (تفسیر بیضاوی:ص:۱۱،۳۱۱،مطبوعہ:لبنان)۔

(ان آیات سے عہدے کا مطالبہ، اس کے لیے اپنی رضا مندی کا اظہار اور کافرانہ نظام کے تحت عہدے پر فائز ہونے کا جواز معلوم ہوتا ہے، جبکہ اس کے بغیر اقامت حق اور خدمت خلق کی کوئی گنجائش نہ ہو)۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

"ودلت الآية أيضا على جواز أن يطلب الإنسان عملا يكون له أهلا" (انسان جس کام کی اہلیت رکھتا ہو اس کو طلب کر سکتا ہے)۔

اور آگے چل کر لکھتے ہیں:

"و هذا الحكم اليوم، لو علم إنسان من نفسه أنه يقوم بالحق فى القضاء والحسبة ولم يكن هناك من يصلح ولا يقوم مقامه لتعين ذلك عليه، ووجب أن يتولاها ويسأل ذلك، ويخبر بصفاته التى يستحقها به من العلم والكفاية وغير ذلك" (تفسیر قرطبی:۹/۱۴۲)۔

(آج بھی یہی حکم ہے کہ اگر کوئی شخص قضاوغیرہ میں حق قائم کرنے پر قادر ہو اور اس کے علاوہ اس کام کو انجام دینے والا کوئی دوسرا نہ ہو تو وہ شخص اس کے لیے متعین ہو جائے گا اور ضروری ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کرے اور والی بن جائے اور اپنے ان صفات کو بیان کرے جن کی وجہ سے وہ مستحق عہدہ ہے)۔

صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ آیت سے ماخوذ مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وأما إن لم يكن فى البلد من يقوم مقامه فإنه يتعين عليه لكونه من فروض الكفاية"(الہدایۃ:۳/۱۳۳)

(اگر شہر میں کوئی ایسا شخص نہ ہو جو اس کے امور کو انجام دے سکے تو وہ اس کے لیے متعین ہو جائے گا، فرض کفایہ کی وجہ سے)۔

ان اقوال کا حاصل یہ ہے کہ قضا، بادشاہت، خلافت یا کوئی اور عہدہ طلب کیا جا سکتا ہے اور اس کے لیے اپنے آپ کو پیش کر سکتا ہے، بشرطیکہ اس میں اس عہدہ کے فرائض نبھانے کی پوری صلاحیت موجود ہو، اور اس عہدے کے مطالبہ کا مقصد خدمت خلق، حقوق کی ادائیگی، غربا و مساکین کی خبر گیری وغیرہ ہو اور اگر مقصد نفس پروری، حب جاہ و مال وغیرہ ہو تو مطالبہ جائز ہے اور نہ ہی اس نیت کے ساتھ کسی عہدے کو قبول کرنا درست ہے، جن احادیث میں عہدے کے مطالبہ سے منع کیا گیا ہے ان سے مراد بد نیتی اور فساد غرض ہے، چونکہ عام طور پر لوگوں سے عہدہ قبول کرنے کا مقصد حب جاہ و مال ہے، اس لیے عمومی احوال کے پیش نظر حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا، لیکن اگر کوئی ایسا مخلص، اللہ کا نیک بندہ، خدا ترس ہو جو محض قوم و

ملت کے فائدے کے لیے اس کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو بلا کراہت درست ہے بلکہ اگر اس کے علاوہ وہاں کوئی اس کا اہل نہ ہو تو مطالبہ واجب ہوگا۔

"إن طلب الإمارة والقضاء من حيث الإمارة الحكومة لحب المال والرياسة والشرف منهى عنه مطلقا سواء كان بالقلب وحده أو باللسان أيضا لكونه من ناحية الدنيا لا الدين، و اما طلبها لامن حيث الامارة بل لإرادة الإصلاح بين الناس وإقامة العدل فيهم والقضاء بالحق لما فى العدل من الاجر الجزيل، فليس منهى عنه لا بالقلب ولا باللسان لقوله ﷺ: "لا حسد إلا فى اثنين" ولما كان الغالب فى العادة أن طلب الولاية وإرادتها والرغبة فيها لا تكون إلا من حيث الولاية والإمارة لحب المال والشرف والرياسة وطلبها لمصلحة الناس وحاجتهم لا لحفظ النفس نادرا أشد النكرة" (اعلاء السنن: ۱۵/ ۴۴)۔

۴- غیر مسلم ملکوں میں اور بہت سے مسلم ملکوں میں بھی قانون ساز ادارے مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں، ایسی صورت میں ان اداروں کا ممبر بننا درست ہوگا یا نہیں؟

اس کا جواب جاننے کے لیے صلح حدیبیہ کے واقعہ اور اس سے ملنے والے پیغام پر ایک نظر ڈالنی چاہیے۔ ۶ھ میں رسول اکرم ﷺ پندرہ سو صحابہ کرامؓ کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مکہ تشریف لے جا رہے تھے، اہل مکہ نے آپ ﷺ کو راستے میں ہی روک دیا، باہمی گفتگو کے بعد مقام حدیبیہ میں آپس میں صلح ہوئی۔ اس صلح میں کفار مکہ کی طرف سے جو شرطیں لگائی گئی تھیں، وہ بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں، اسی لیے حضرت عمرؓ کو اس پر اعتراض بھی ہوا، لیکن رسول اکرم ﷺ نے بظاہر ذلت ومغلوبیت کی اس صلح کو منظور کرلیا، کیونکہ مکہ میں ایسے لوگوں کی اچھی خاصی تعداد تھی جو اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھی، اگر جنگ ہوتی تو یہ لوگ بھی مارے جاتے اور مسلمانوں کا بڑا نقصان ہوتا، اسی لیے بڑے نقصان سے بچنے کے لیے چھوٹی مضرت قبول کرلی گئی اور اس کو قرآن نے 'فتح مبین' سے تعبیر کیا، اسی واقعہ سے استشہاد کرتے ہوئے فقہائے کرام نے بیان کیا ہے کہ اگر دو مفاسد سامنے ہوں اور دونوں سے بچنا ممکن نہ ہو تو پھر کمتر درجہ کے مفسدہ کو گوارہ کیا جاسکتا ہے۔ مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نظیر میں سیرت بن ہشام کے واسطہ سے ایک واقعہ درج کیا ہے کہ:

"جس زمانہ میں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے ہجرت کر کے حبشہ میں قیام کرلیا تھا تو حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے کسی دشمن نے اسی زمانہ میں نجاشی کے خلاف فوج کشی کی، اس موقع پر صحابہ کرامؓ نے نجاشی کی فتحیابی کے لیے بڑے اخلاص اور الحاح سے دعائیں کیں اور مہاجرین کے اس قافلہ کے سردار حضرت زبیرؓ نے اس معرکہ میں کوئی ایسا کارنامہ بھی انجام دیا، جس

کی وجہ سے نجاشی کے ہاں ان کا اعتماد اور زیادہ بڑھ گیا۔ اس واقعہ سے متعلق حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مفصل روایت میں تصریح ہے کہ نجاشی کے ساتھ ہماری یہ ہمدردی اس لیے تھی کہ ہم سمجھتے تھے کہ نجاشی کا دشمن اگر کامیاب ہوگیا تو اس کا سلوک ہمارے ساتھ اتنا اچھا نہ ہوگا جتنا اچھا کہ نجاشی کا ہے'' (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سیرت ابن ہشام: ۳۶۱/۱، بحوالہ دین وشریعت: ص: ۲۶۲)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی خیال ہے کہ اگر چند مفسدات جمع ہو جائیں تو نسبتاً جس میں کم خرابی ہو اس کو اختیار کرنا چاہیے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جب ایران کے آتش پرستوں اور روم کے عیسائیوں میں جنگ ہو رہی تھی تو اگر چہ دونوں فریق کافر تھے، لیکن چونکہ رومی عیسائی بہ نسبت مجوسیوں کے اسلام سے قریب تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو عیسائیوں کی فتح کی خبروں سے خوشی ہوتی تھی۔ سورۂ روم اسی سلسلہ میں نازل ہوئی، عبارت اس طرح ہے:

''وقد كان النبی ﷺ وأصحابه يفرحون بانتصار الروم والنصارى على المجوس وكلاهما كافر، لأن أحد الصنفين أقرب إلى الإسلام وأنزل الله فی ذلک سورة الروم'' (الحسبۃ فی الاسلام لابن تیمیہ: ص: ۱۳، دار الفکر لبنان)۔

ان ہی واقعات کے پیش نظر ارباب علم وفقہ نے درج ذیل قواعد بیان کیے ہیں:

''إذا تعارضت مفسدتان روعی أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما'' (جب دو مفاسد کا تعارض ہو تو چھوٹے ضرر کا ارتکاب کرتے ہوئے بڑے ضرر سے بچنے کو ملحوظ رکھا جائے گا)۔

''الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف'' (کم تر نقصان کے ذریعہ بڑے درجہ کے نقصان کو دور کیا جائے گا)۔

''لو كان أحدهما اعظم ضررا من الآخر فإن الأشد يزال بالأخف'' (اگر دو ضرر در پیش ہوں اور ان میں سے ایک دوسرے کے مقابلہ میں بڑا ہو تو کمتر ضرر کو گوارہ کرکے بڑے ضرر سے بچا جائے گا)۔

علامہ ابن تیمیہ اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''إذا تعارضت المصالح والمفاسد والحسنات والسيئات أو تزاحمت فإنه يجب ترجيح الراجح منها فيما إذا ازدحمت المصالح والمفاسد وتعارضت المصالح والمفاسد فإن الأمر والنهی وإن كان متضمنا لتحصيل مصلحة ودفع مفسدة فينظر فی العارض له فإن كان الذی يفوت من المصالح أو يحصل من المفاسد أكثر لم يكن مأمورا به بل يكون محرما إذا كانت مفسدته أكثر من مصلحته'' (مجموع الفتاوی شیخ الاسلام: ۱۲۹/۲۸)۔

(جب مصالح ومفاسد، خوبیوں اور خامیوں میں تعارض اور ٹکراؤ ہوجائے تو ضروری ہے کہ ترجیح سے کام لیا جائے، اس لیے کہ امر اور نہی اگر چہ کسی مصلحت کے حاصل کرنے اور کسی مفسدہ کے دور کرنے کو ہی شامل ہوتا ہے، لیکن اس کے ساتھ جو عارض سامنے آرہا ہے اس پر غور کیا جائے، چنانچہ اگر فوت ہونے والی مصلحتیں اور پیدا ہونے والے مفاسد زیادہ ہوں تو وہ مامور بہ نہیں ہوں گے بلکہ حرام ہوں گے، بشرطیکہ اس کا مفسدہ مصلحت سے زیادہ ہو)۔

ان سارے قواعد سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اگر کہیں نفع اور نقصان دونوں پہلو ہو، لیکن نفع کا پہلو غالب ہو تو کمتر درجہ کا نقصان نفع کے حصول کے لیے برداشت کرلیا جائے گا، قانون ساز اداروں کے ممبر بننے میں نفع زیادہ ہے اور نقصان کم۔ نقصان تو یہ ہے کہ ایسے ادارے کبھی کبھی شریعت کے خلاف قوانین بناتے ہیں، اس کا ممبر بننا بظاہر اس میں تعاون کرتا ہے، بالخصوص جبکہ پارٹی اپنی پالیسی کے مطابق ووٹ دینے کا پابند بنادے اور نفع کا پہلو یہ ہے کہ وہ ایسے قوانین کی طرفداری کرے گا جن سے مسلمانوں کی جان ومال، عزت وآبرو کا تحفظ ہوسکے۔ مساجد، مدارس، عبادت گاہوں اور دین شریعت کی حفاظت ہوسکے۔ ایسے اصول وقوانین بنانے پر وہ زور دے گا جن سے سماج ومعاشرہ سے برائیاں ختم ہوکر اخلاق وانسانیت کا چراغ جلے، جو اسلام کی آمد کا مقصد ہے، مسلمان قانون ساز اداروں میں رہیں گے تو ملک میں مسلمانوں کا وقار بحال رہے گا، اگر قابل لحاظ تعداد میں مسلمان رہیں تو دوسرے لوگ آزادی کے ساتھ شریعت کے خلاف قوانین نہیں بنا سکیں گے اور اگر ان مجالس سے دوری اختیار کرلی جائے تو ان پر غیروں کا قبضہ ہوگا، پھر ان کے لیے مخالف شریعت قوانین بنانے میں کوئی ہچکچاہٹ بھی نہیں ہوگی، اس لیے شریعت کی حفاظت ان قانون ساز اداروں کے ممبر بننے ہی میں ہے، محض شریعت کے خلاف قوانین وضع کیے جانے کے خدشہ اور وہم سے ان قانون ساز مجالس کا ترک ہرگز مناسب نہیں ہے، بلکہ اگر ممبر بنتے ہوئے یقین بھی ہو کہ یہ قانون ساز ادارہ شریعت کے خلاف قانون بنائے گا تو بھی اس کا ممبر بننا درست ہے، کیونکہ اس ادارہ میں داخل ہوکر ہی اس فساد کو دور کیا جاسکتا ہے، دور رہنے سے یہ مفسدہ بڑھتا جائے گا اور اس میں استحکام ہوتا جائے گا، ہاں البتہ ان ممبران کے لیے ضروری ہے کہ وہ حصول منفعت ومصالح کی نیت کریں اور قوم اور شریعت کی خدمت کا عزم رکھیں۔

۵- جو لوگ قانون ساز اداروں کے رکن منتخب ہوں، انہیں دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے اور دستور میں بہت سی دفعات خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں تو یہ عمل کہاں تک درست ہوگا؟

جب قانون ساز ادارے کا رکن بننا جائز ہے تو دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا بھی درست ہوگا، خواہ وہ دستور خلاف شریعت قوانین پر ہی مشتمل کیوں نہ ہو، اس لیے کہ قاعدہ ہے: "إذا ثبت الشيء ثبت بلوازمه" "یعنی" شی اپنی تمام لوازمات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے" البتہ مسلم ممبران بادل نخواستہ ایسے دستور سے حلف لیں، قلبی رضامندی کے ساتھ خلاف

شریعت قوانین پر مشتمل دستور سے حلف اٹھانا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ ان دفعات سے رضامند ہونا لازم آئے گا جو شریعت کے خلاف ہیں اور ایک مسلمان کے لیے خلاف شریعت دستور و دفعات سے راضی ہونا "الرضا بالکفر کفر" کی وجہ سے جائز نہیں۔

مسلم ممبران کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے دستور سے حلف اٹھاتے ہوئے ان دفعات کی نیت کریں جو شریعت سے ہم آہنگ ہوں "**الأمور بمقاصدها**" اور "**إنما الأعمال بالنيات**" جیسے ضابطہ شرعی کی وجہ سے یہ درست ہوگا اور کوئی گناہ بھی نہیں ہوگا، جیسا کہ یہ جزئیہ ہے:

"**وقالوا الكافر إذا تترس بمسلم فإن رماه مسلم فإن قصد قتل المسلم حرم وإن قصد قتل الكافر لا**" (الاشباہ والنظائر، ص:۵۵)۔

اسی طرح اس دستور سے حلف اٹھانے کا مفسدہ کم ہے اور مصالح زیادہ ہیں، اس لیے "**اهون البليتين**" اور "**يجوز في الضرورة مالا يجوز في غيرها**" (الام:۴/۱۶۸) کی روشنی میں یہ درست ہوگا۔

۶- بعض عیسائی ملکوں میں ہر ممبر کو بائبل پر حلف لینا پڑتا ہے خواہ وہ کسی مذہب کا ہو تو کیا مسلم ارکان کے لیے یہ عمل درست ہوگا؟

قرآن کے علاوہ تمام آسمانی کتابیں محرف ہیں۔ یہودی یا عیسائیوں کے پاس آج جو بھی تورات یا انجیل کا نسخہ ہے وہ اصل نہیں تحریف کردہ ہے، اس لیے اصلاً اس پر حلف لینا مسلم ممبران کے لیے جائز نہیں ہونا چاہیے، لیکن اگر حلف نہ لیا جائے اور اس مفسدہ سے دور رہا جائے تو بڑی خرابی پیدا ہوگی۔ سیاسی اور قومی سطح پر مسلمانوں کا بڑا نقصان ہوگا، ان کی جان و مال، عزت و آبرو محفوظ نہیں رہے گی۔ دین و شریعت کی بھی حفاظت خطرے میں پڑ جائے گی، مسلمان عیسائی ممالک میں اقلیتوں میں ہوتے ہیں، ان کے تحفظ کے لیے خود مسلمانوں کو آگے آنے کی ضرورت ہے۔ وہ جمہوریت سے فائدہ اٹھا کر اگر وہاں کی حکومت میں اپنا اثر ورسوخ بنا سکیں تو ساری مسلم قوم کا فائدہ ہوگا، سب کے حقوق محفوظ رہیں گے۔ مقاصد شریعت کا بھی تحفظ ہوگا اور اس طرح مسلسل سیاست سے وابستگی کی بنیاد پر غیر اسلامی ملکوں میں بھی رہ کر مسلمان اپنی قوت محسوس کریں گے۔ حکومت کی نظر میں ان کی اہمیت ہوگی اور حکومت آزادانہ طور پر اسلام کے خلاف قوانین وضع نہیں کر سکے گی۔ بائبل پر ہاتھ رکھ کر حلف لینا یقیناً غیر شرعی عمل ہے، لیکن اس کے مقابلے میں منفعت اور مصالح زیادہ ہیں، اس لیے اس چھوٹے مفسدہ کو قبول کر لیا جائے گا، البتہ مسلم ممبران کو چاہیے کہ وہ پہلے اس غیر اسلامی حکومت سے قرآن کریم پر ہاتھ رکھنے کا مطالبہ کریں، اگر ان کا مطالبہ نہ مانا جائے تو بائبل کی تعظیم کی نیت کے بغیر ہاتھ رکھ کر حلف لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ "**الضرورات تبيح**

المحظورات‘‘ ’’یجوز فی الضرورة ما لا یجوز فی غیرھا‘‘ ’’إذا ثبت الشیء ثبت بلوازمه‘‘ ’’یتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام‘‘ ’’یختار اھون الشرین‘‘ وغیرہ قواعد پر سوال نمبر ۴ کے جواب کے تحت تفصیلی طور پر ذکر کیے گئے ہیں، ان سے بھی اس کا جواب واضح ہوجاتا ہے۔

مکہ مکرمہ کی فقہ اکیڈمی نے منعقدہ ۸ تا ۱۶ / ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ میں باتفاق آراء غیر اسلامی مملکت میں عدالت کی جانب سے مکلّف بنائے جانے پر تورات یا انجیل یا ان دونوں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانے کو جائز قرار دیا ہے، فیصلہ کی عبارت یہ ہے

’’اگر کسی غیر اسلامی مملکت کی عدالت قسم لینے والے کے لیے توریت یا انجیل پر یا ان دونوں پر ہاتھ رکھنا ضروری قرار دیتی ہو تو مسلمان کو چاہیے کہ وہ عدالت سے قرآن کریم پر ہاتھ رکھنے کا مطالبہ کرے، اگر اس کا مطالبہ نہ مانا جائے تو اسے مجبور سمجھا جائے گا اور دونوں یا کسی ایک پر تعظیم کی نیت کے بغیر ہاتھ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا‘‘ (مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے: ص: ۱۲۰)۔

عدالت کی جانب سے پابند بنائے جانے پر حلف اٹھانا جائز ہے جبکہ اس میں صرف شخصی فائدہ ہے تو ملکی دستور کی جانب سے مکلّف بنائے جانے پر بھی ان کتابوں کا حلف اٹھانا بدرجہ اولیٰ درست ہوگا، اس لیے کہ اس میں پوری قوم کے مفاد کا تحفظ ہے اور اس میں اسے مکرہ سمجھا جائے گا، حالت اکراہ میں اگر کوئی شخص زبان سے کلمہ کفریہ بھی کہے تو توحید پر قلب کے اطمینان کی صورت میں درست ہے، اسی طرح یہاں بھی بائبل پر حلف اٹھاتے ہوئے مسلم ارکان دل سے اسے ناپسند کریں اور محض دستور کی ایک رسم انجام دینے کی نیت سے اس پر ہاتھ رکھیں اور دل میں یہ یقین پیدا کریں کہ یہ تحریف شدہ کتاب ہے اور منسوخ ہے، خدا اور اس کی کتاب قرآن پر قلبی اطمینان ہو، ان شرائط کے ساتھ مسلم ارکان کے لیے بائبل پر حلف لینا درست ہوگا۔

۷- بعض سیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں، لیکن ان کے منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغائر ہوتی ہیں، کیا ایسی پارٹیوں میں شریک ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونا جائز ہوگا؟

کسی امیدوار یا سیاسی جماعت کی تائید کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ جس جماعت کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی بات نہ ہو اور اس کا گزشتہ ریکارڈ بھی اچھا ہو، مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کرتی ہو، ان کے ساتھ متعصّبانہ رویہ نہ ہو، ایسی پارٹی اور اس کے تحت کھڑے ہونے والے امیدوار کا بھرپور تعاون کیا جائے گا، ایسی سیاسی جماعت میں شرکت کی جائے گی، اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو ووٹ دینا اور دوسری جماعت میں شرکت کرنا خیانت اور فریب ہے، یہ گناہ اور معصیت پر تعاون ہوگا جو کسی بھی حال میں جائز نہیں، اگر سیاسی میدان میں دو مختلف سیاسی پارٹیاں ہوں، لیکن دونوں

کے ایجنڈے اور منشور میں اسلام مخالف دفعات موجود ہوں تو اس صورت میں 'أھون البلیتین' پر عمل ہوگا جو پارٹی نسبتاً مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو اس کا تعاون کیا جائے گا اور یہ اس کے عزائم، منشور کے دفعات اور ماضی کے ریکارڈ سے معلوم ہو سکے گا کہ کون اسلام اور مسلمانوں کے حق میں بہتر ہے، فرائض منصبی کون اچھی طرح انجام دے سکتی ہے، قرائن اور حالات کے اعتبار سے معلوم کرنے کے بعد جو مسلمانوں کے لیے نسبتاً مخلص ہو، اس پارٹی میں شرکت کی جا سکتی ہے، مسلمان اگر متحدہ طور پر ایسی پارٹی کا ساتھ دیں اور قابل لحاظ ارکان منتخب ہو کر آئیں تو پارٹی کا رویہ تبدیل ہوگا اور مسلمانوں کے حق میں اس کا معاملہ مزید بہتر ہوگا اور پھر رفتہ رفتہ اسلام مخالف دفعات بھی منشور سے ختم کیے جانے کی راہ ہموار ہوگی۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"**والواجب انما هو فعل المقدور وقد قال النبیﷺ أو عمر بن الخطابؓ: من قلد رجلا علی عصابة وهو یجدفی تلک العصابة من هو أرضی منه فقد خان الله وخان رسوله وخان المؤمنین فالواجب إنما هو الأرضی من الموجود**" (الحسبة فی الاسلام لابن تیمیہ: ص:۱۲)۔

لیکن اگر موجود تمام سیاسی پارٹیاں اپنے عزائم اور گزشتہ ریکارڈ کے اعتبار سے یکساں حیثیت کی حامل ہوں تو امیدوار کے بہتر اور غیر بہتر یا کم اور زیادہ ہونے کے اعتبار سے فیصلہ کیا جائے گا، مسلمانوں کے علاقے سے جتنے امیدوار کھڑے ہیں ان میں نسبتاً جو امیدوار بہتر، فرض شناس، قوم و ملک کا ہمدرد اور مسلمانوں کے حق میں بھلا معلوم ہو اس کو ووٹ دیا جائے، یہ آخری درجے کی بات ہے، ورنہ عام حالات میں امیدوار کے بجائے پارٹی اور اس کے منشور و ایجنڈے کو دیکھا جائے گا، اس لیے کہ ہر امیدوار اپنی پارٹی کے منشور کا پابند ہوتا ہے، کسی امیدوار کو ووٹ دینا گویا اس جماعت کو مستحکم کرنا ہے جس سے وہ وابستہ ہے۔

۸- جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمان کی مخالفت شامل ہو، کیا کسی مسلمان کے لیے اس پارٹی میں شریک ہونا جائز ہوگا؟

ایسی جماعتیں جنہوں نے اعلانیہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت اپنا نصب العین بنالیا ہو ان کی رکنیت جائز نہیں، یہ گناہ اور معصیت پر تعاون ہے، قرآن نے اس سے صاف طور پر منع کیا ہے:

"**ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا الله ان الله شدید العقاب**" (المائدہ:۲) (اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے)۔

ان کے علاوہ متعدد نصوص ہیں جن میں مسلمانوں کو سختی سے منع کیا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ، کفار اور اسلام کی مخالفت

کرنے والوں کو اپنا دوست نہ بنائیں، ان کے قریب نہ جائیں، ان کو اپنا رازدار یا شریک وسہیم نہ بنائیں، اللہ کے نزدیک عزت اور خزانہ ہے، اسی کا سہارا تمام سہاروں سے بڑھا ہوا ہے، مسلمانوں کی سرگرمیوں کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہونا چاہیے۔ ایسی جماعت جس کی بنیاد ہی اسلام کی مخالفت پر رکھی گئی ہو، اس کے ساتھ شریک ہونا گویا اس کی حوصلہ افزائی اور اس کی اسلام دشمنی میں تعاون کرنا لازم آئے گا جو مذکورہ نصوص کی بنیاد پر درست نہیں۔

اگر کوئی شخص پارٹی میں شریک ہوکر ایجنڈے میں تبدیلی لانے کی نیت کرتا ہے تو بھی اس پارٹی میں شرکت کی گنجائش نہ ہوگی، کیونکہ نیت اگرچہ ان کی صحیح ہے، لیکن وقوع کے اعتبار سے یہ محال ہے، کسی ایک فرد کے لیے پوری پارٹی ہی کے منشور کو بدل دینے کا عزم محض یہ ایک خواب ہے جو حقیقت سے بہت دور ہے، ایسی جماعت بنتی ہی ہے اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں جو بھی اس میں آئے گا، یہی مخالفت کا عزم لے کر آئے گا، دوسری پالیسی پر عمل ناممکن ہے، اس لیے کہ اگر کوئی اچھی تبدیلی لائی جائے تو پارٹی کا وجود ہی ختم ہوجائے گا، جیسا کہ امریکہ کا صدر جو بھی بنتا ہے وہ اسی پالیسی کا پابند ہوتا ہے جو وہاں متعین ہے، صدر کی شخصی صالحیت کوئی کام نہیں دیتی اور یہ دیکھا بھی گیا ہے کہ جو بھی مسلمان بی جے پی اور اس کے حلیف پارٹیوں کے ممبر بنے دنیوی اعتبار سے اس کو عہدہ تو مل گیا لیکن وہ ایمان کھو بیٹھا، وہ اسلام اور مسلمانوں کے حق میں بولنے کے بجائے ان کی مخالفت میں ہی بولنے لگا، اس سے مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے بجائے ان کو سخت نقصان پہنچا چونکہ ان ممبران کو پارٹی کے صدر اور اعلیٰ ذمہ داروں کی نظر میں سرخروئی حاصل کرنا مقصد ہوتا ہے اور ان کو اسی میں اپنی بقا نظر آتی ہے۔

۹- ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، مسلمانوں کے لیے علاحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا جائز ہوگا؟

رسول اکرم ﷺ جب مکہ سے مدینہ ہجرت فرمارہے تھے اس وقت آپ ﷺ کو جو دعا سکھائی گئی وہ یہ تھی:

واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا (بنی اسرائیل: ۸۰) (اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنادے)۔

اس دعا کا مطلب ایک مکمل سلطنت وحکومت کی اللہ سے طلب ہے، اس لیے کہ جب سلطنت وحکومت رہے گی تو اس کی مدد سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آسان ہوگا، خدا کے عادلانہ نظام کا نفاذ اور شرعی احکام کی پیروی آزادانہ طور پر ہوسکے گی۔ مقاصد شریعت کا تحفظ ہوگا اور جان ومال، عزت وآبرو کی مکمل حفاظت ہوگی، اگر مستقل حکومت وسلطنت حاصل نہ ہو تو حکومت میں موثر طریقے سے شرکت اور شمولیت سے بھی بہت سی رکاوٹیں دور ہوجاتی ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کا تحفظ ہوجاتا ہے، حکومت وسلطنت کی پشت پناہی کے بغیر فواحش ومنکرات سے ملک کو پاک کیا جاسکتا ہے اور نہ دین وشریعت کی حفاظت ہوسکتی ہے۔

اس لیے جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور وہاں حکومت اسلامی کا قیام مشکل ہے، وہاں مسلمانوں کو چاہیے کہ علیحدہ

سیاسی جماعت قائم کریں، یہ جائز ہی نہیں بلکہ موجودہ حالات میں مستحسن اقدام ہوگا۔ سارے مسلمان متحد ہوکر اس جماعت کو کامیاب کریں گے اور سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کو غیر معمولی قوت حاصل ہوگی۔ پارلیمنٹ میں مخالف اسلام باتوں پر یہ آواز اٹھا سکیں گے اور اگر برسر اقتدار حکومت میں یہ شامل ہوجائیں تو مزید مسلمانوں کے وقار میں اضافہ ہوگا اور ان کے سماجی و شرعی مسائل حل ہوسکیں گے، اس کا تجربہ آندھرا پردیش کے باشندگان کو ہے۔ یہاں 'مجلس اتحاد المسلمین' کے نام سے ایک مسلم سیاسی جماعت قائم ہے جس کے حیدرآباد میں سات ایم ایل اے اور ایک ایم پی ہیں۔ اکثریتی تعداد میں بلدیہ کے ممبران ہیں، اس کی وجہ سے پورے شہر میں مسلمانوں کی ایک شان وشوکت ہے، یہاں مسلمان اپنے آپ کو طاقتور محسوس کرتے ہیں۔ دشمنوں کی مسلسل کوششوں کے باوجود یہاں کے مسلمانوں کی جان و مال، عزت وآبرو اور دین و شریعت محفوظ ہے اور اس مسلم سیاسی جماعت کے مقابلے میں تمام فرقہ پرست تنظیمیں متحد بھی ہوجاتی ہیں، اس کے باوجود اس کو شکست نہیں ہوتی اور بڑی تیزی سے یہ جماعت آندھرا پردیش اور دوسری ریاستوں میں فروغ پارہی ہیں، اسی طرح حال ہی میں آسام میں مولانا بدرالدین اجمل قاسمی نے 'یوڈی ایف' کے نام سے سیاسی جماعت قائم کی ہے جس کے بھی سیاسی افق پر اچھے اثرات مرتب ہوئے ہیں، کیرالہ میں بھی بعض مسلم سیاسی جماعتیں ہیں جن پر مسلمانوں نے اعتماد کیا ہے اور سیاسی میدان میں ان جماعتوں نے اچھا رول ادا کیا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان جماعتوں کو ملکی سطح پر لایا جائے اور مسلم نمائندے ہمدرد و مخلص ہوں، اپنے عہدہ سے زیادہ اسلام اور مسلمان انہیں عزیز ہوں، مسلمانوں میں اتحاد پیدا کیا جائے، ہاں البتہ جن علاقوں میں مسلم آبادی کم ہے وہاں مصلحتاً کوئی سیاسی جماعت قائم کرنے کے بجائے سیکولر پارٹی کا تعاون ہی مناسب ہوگا۔

۱۰- الیکشن میں خواتین کا کیا کردار ہونا چاہیے، کیا انہیں ووٹنگ میں حصہ لینا چاہیے، کیا ان کے لیے الیکشن میں امیدوار بننا جائز ہے، کیا وہ قانون ساز اداروں کی ممبر بن سکتی ہیں؟

خواتین کو قرآن کریم میں بارہا ہدایت دی گئی ہے کہ وہ گھر میں رہیں اور بلاضرورت شدیدہ گھر سے باہر نہ نکلیں، خدا کی طرف سے مرد اور عورتوں کے درمیان فطری طور پر یہ نظام تقسیم کیا گیا ہے کہ مرد گھر کے باہر کام کریں اور عورتیں امور خانہ داری کو انجام دیں، اسی میں حسن اور عزت کی حفاظت ہے، اسی لیے عورتوں سے کسب معاش کو وابستہ نہیں کیا گیا، بلکہ ان کے ولی یا شوہر کو اس کا ذمہ دار بنایا گیا۔ ابن جوزی لکھتے ہیں:

"ینبغی للمرأة أن تحذر من الخروج مهما امكنها فانها ان سلمت فی نفسها لم يسلم الناس منها" (کتاب احکام النساء: ص: ۲۰۹) (جہاں تک ممکن ہو عورتوں کو باہر نکلنے سے گریز کرنا چاہیے، اگر وہ فی نفسہ محفوظ رہے بھی تو لوگوں کا اس سے محفوظ رہنا ضروری نہیں ہے)۔

فقہاء نے عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے کی چند شرائط کے ساتھ اجازت دی ہے جن میں سے چند یہ ہیں:

۱-تستر تام کے ساتھ گھر سے نکلے۔ **یدینن علیھن من جلابیبھن** (احزاب)۔

۲- اگر شادی شدہ ہو تو شوہر کی اجازت اور غیر شادی شدہ ہو تو والدین یا اولیاء کی اجازت ضروری ہے، خواہ مسافت قصر کے برابر دوری کے لیے نکلے یا اس سے کم، اجازت ہر حال میں ضروری ہے (کتاب احکام النساء:۲۰۹)۔

۳- راستے کے ایک کنارہ سے جائیں اس طرح کہ اختلاط رجال نہ ہوسکے، چونکہ اصل فتنہ اختلاط سے ہوتا ہے، جب اختلاط نہ ہوگا تو خوف فتنہ کم ہوگا۔

ان میں بنیادی طور پر دو شرطیں قابل لحاظ ہیں: ایک تو یہ کہ کام کرنے کی جگہ مردوں سے اختلاط نہ ہو، دوسرے یہ کہ تستر تام ہو۔

ووٹ دینے میں ان دونوں کا لحاظ رکھا جاسکتا ہے، اس لیے کہ ووٹ دینے میں عورتوں کا قطار الگ ہوتا ہے، حکومت کی جانب سے عورت کارندے موجود رہتی ہیں اور اس کا مکمل نظم ہوتا ہے اور جمہوری نظام میں ایک ایک ووٹ قیمتی ہوتا ہے، اس سے صرف ووٹ ڈالنے والی عورت کا ہی نہیں بلکہ پوری قوم کے حقوق کا تحفظ ہوتا ہے، اس لیے عورتوں کے لیے ووٹ ڈالنا نہ صرف جائز بلکہ فتنہ سے مامون رہنے کی صورت میں مردوں کی طرف عورتوں پر بھی بعض صورتوں میں فرض کفایہ اور بعض مخصوص حالات میں فرض عین ہوگا۔

البتہ الیکشن میں امیدوار بننا یا قانون ساز اداروں کی ممبر بننا درست نہیں ہے، چونکہ امیدوار یا ممبر بننے کی صورت میں ان عورتوں کا مردوں سے اختلاط یقینی ہے، پارلیمنٹ یا اسمبلی میں نمائندگی کے لیے ان کو بیٹھنا ہوگا، پھر ممبر بننے کے بعد اچھے اور برے، اپنے اور غیر، مسلم اور غیر مسلم سب ان کے پاس آئیں گے اور ہر ایک سے ملنا، سب کے مسائل کو سننا اور ان کی ضرورتوں کو پوری کرنا ان کا منصبی فریضہ ہے، میٹنگوں اور جلسہ وجلوس میں شرکت ان کے لیے لازم ہوگی، جس پارٹی کے تحت وہ الیکشن میں حصہ لیں گی اس کے اعلیٰ عہدیداروں سے ملاقات اور ربط ضروری ہوگا، اس طرح بہت سے مفسدات کا دروازہ کھل جائے گا، ان پر قابو پانا ممبری کے عہدہ پر رہتے ہوئے ناممکن ہے، امیدوار بننے کی صورت میں بھی اختلاط مع الرجال کے ساتھ تقریباً یہی خرابیاں موجود ہیں۔

امیدوار بننے یا ممبر بننے کی صورت میں تستر تام بھی نہیں ہوسکتا، اس میں چہرہ بہر حال کھولنا پڑتا ہے۔ ان کی آواز جو ستر ہے اور اسی ستر کی وجہ سے اذان واقامت وغیرہ سے انہیں روکا گیا ہے، یہ آواز اجنبی مردوں تک پہنچے گی اور یہ تمام چیزیں نصوص سے ثابت ہیں، اس لیے کسی مصلحت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

رسول اکرم ﷺ نے عورتوں کی حکمرانی سے منع فرمایا، ارشاد فرمایا:

لن يفلح قوم أسندوا أمرهم إلى امرأة (مسند احمد بن حنبل: حدیث نمبر: ۲۰۴۷۴) (وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے اپنا معاملہ کسی عورت کے سپرد کردیا)۔

جب اہل فارس نے کسریٰ کی لڑکی کو ملک کی سربراہ کی حیثیت سے تسلیم کرلیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة (صحیح البخاری، باب کتاب النبی ﷺ الی کسریٰ وقیصر، حدیث نمبر: ۲۰۴۷۴) (جس قوم نے اپنے ملک کی حکومت عورت کو سپرد کردیا وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی)۔

جہاں تک مسئلہ ہے خواتین کے لیے سیٹیں ریزرو کیے جانے کا تو محض اس کی وجہ سے نصوص سے ثابت شدہ مسئلہ میں کوئی تسہیل نہیں کی جاسکتی، البتہ اس کا حل یہ نکالا جاسکتا ہے کہ حکومت پر دباؤ ڈالا جائے کہ خواتین کے لیے سیٹیں ریزرو نہ کرے، کیونکہ اسلامی نقطہ نظر سے خواتین ممبر نہیں بن سکتیں، جس طرح دیگر مسلم پرسنل لاء ہندوستان میں موجود ہے اور حکومت اسے قبول کرتی ہے۔ شاہ بانو کیس، وندے ماترم، ہم جنس کا نکاح اور بھی بہت سے مسائل ہیں جن کی مسلمانوں نے بھرپور مخالفت کی اور وہ کامیاب ہوئے، اسی طرح اس معاملے میں بھی سنجیدگی کے ساتھ حکومت کو بتایا جائے اور مکمل کوشش کی جائے اور ان ہی خدشات اور مسائل سے حفاظت کے لیے تو کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کو متحدہ طور پر کوئی سیاسی محاذ قائم کرنا چاہیے یا کسی سیکولر پارٹی کے ساتھ سیاست میں سرگرم حصہ لینا چاہیے تاکہ مسلمان کی عزت وآبرو محفوظ رہے۔

الیکشن میں شرکت خصوصی حالات کے تناظر میں

مولانا شوکت ثنا قاسمی ☆

ووٹ کی شرعی حیثیت:

ووٹ کی شرعی حیثیت شہادت وگواہی کی ہے، جب کوئی شخص کسی امیدوار کے حق میں ووٹ دیتا ہے تو گویا وہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کا امیدوار تمام امیدواروں میں امانت ودیانت، جذبہ خدمت خلق اور قوم وملت کے حق میں نسبتاً دوسروں سے بہتر ہے (کتاب الفتاوی: ۲۶۰/۶) اس لیے کسی ایسے شخص کو ووٹ دینا جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ شخص کرپٹ اور رشوت خور، امانت ودیانت کے وصف سے عاری اور خدمت خلق کے جذبہ سے خالی ہے۔ جھوٹی شہادت کے مترادف ہے، جو کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: **فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور** (سورۃ الحج: ۳۰) (پھر بتوں کی ناپاکی سے بچو اور جھوٹی بات سے پرہیز کرو)۔

اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا: **والذین لا یشھدون الزور** (سورۃ الفرقان: ۷۲) (اور (اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں) جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے)۔

رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ اور جھوٹی گواہی کی سخت مذمت فرماتے ہوئے اس کو شرک کے ہم درجہ قرار دیا۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا:

أکبر الکبائر الإشراک باللہ وعقوق الوالدین وشھادۃ الزور وشھادۃ الزور ثلاثا أو قول الزور فما زال یکررھا حتی قلنا لیتہ سکت (بخاری: باب اثم من اشرک باللہ وعقوبتہ فی الدنیا والاخرۃ قال اللہ تعالی: ان الشرک لظلم عظیم ۶۴۰۸)۔

کسی امیدوار کو نامناسب جانتے ہوئے صرف اس بنیاد پر ووٹ دینا کہ وہ اس کے خاندان کا یا رشتہ دار ہے یا اس کے علاقہ یا شہر کا یا اس سے اس کی شخصی ضروریات وابستہ ہیں یہ عمل بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی صریح خلاف ورزی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا

☆ جامعہ عائشہ نسواں، حیدرآباد۔

ارشاد ہے: **وأقيموا الشهادة لله** (سورۃ الطلاق: ۳) (اور (اے گواہ بننے والو) گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے لیے ادا کرو)۔

جس طرح جھوٹی گواہی دینا ناجائز، حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اسی طرح بوقت ضرورت گواہی نہ دینا بھی ناجائز وحرام اور کتمان حق ہے اور خاص طور پر جب کسی حلقہ سے کئی امیدوار میدان میں ہوں، اس میں ایک امیدوار دوسروں کے مقابلہ میں نسبتاً صالح کردار کا حامل ہو، اور اگر اس کو ووٹ نہ دیا جائے تو فرقہ پرست طاقت یا غیر صالح کردار کے حامل افراد کے جیت جانے کا امکان ہو تو ایسی صورت میں ووٹ دینا واجب ہے اور بغیر کسی شدید عذر کے ووٹ دینے سے احتراز کرنا گناہ ہے، اور عنداللہ اس پر سخت مواخذہ کا اندیشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ولاتكتموا الشهادة و من يكتمها فإنه آثم قلبه والله بما تعملون عليم** (سورۃ البقرۃ: ۲۸۳) (اور شہادت ہرگز نہ چھپاؤ، جو شہادت چھپاتا ہے اس کا دل گناہ میں آلودہ ہے، اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے)۔

الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنا:

قبل ازیں یہ بات آ چکی ہے کہ لوگوں سے ووٹ کی بھیک مانگنا اور اس بات کی خواہش کرنا کہ ہمیں اس عہدہ وذمہ داری کے لیے منتخب کرو، ایک غیر اسلامی بلکہ غیر اخلاقی طریقہ ہے، لیکن موجودہ جمہوریت میں خود امیدوار بننے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، کیونکہ عوام اس کو ووٹ دے سکتی ہے، اپنی خواہش ومرضی سے کوئی اقتدار وعہدہ نہیں دے سکتی ہے، اس لیے اگر کوئی قابل وباصلاحیت شخص اپنے آپ کو بذات خود امیدار نہ بنے، تو سارے خراب لوگ سیاست کے میدان میں کود پڑیں گے اور سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔

اسی لیے مندرجہ ذیل شرائط پائے جانے کی صورت میں الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کی گنجائش ہوگی:

الف- اسمبلی یا پارلیمنٹ میں قابل وباصلاحیت مسلمان کے آگے نہ بڑھنے کی صورت میں فرقہ پرست ذہنیت کے حامل افراد کی کثرت رہی ہو۔

ب- یا کسی حلقہ سے قابل وباصلاحیت مسلمان شخص کی امیدوار نہ بننے کی صورت میں فرقہ پرست شخص کی کامیابی کا امکان ہو۔

ج- امانت ودیانت، جذبہ خدمت خلق اور قوم وملت کے حق میں مفید شخص کے آگے نہ بڑھنے کی شکل میں کرپٹ اور رشوت خور، امانت ودیانت کے وصف سے عاری فرد کی جیت کا امکان ہو۔

د- الیکشن میں بحیثیت امیدوار پیش کرنے والا امانت و دیانت، جذبہ خدمت خلق سے سرشار ہو، اور وہ عوام کی مشکلات ومسائل سے واقف اور ان کے حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور اپنی بات کو موثر انداز میں اور قانون ومنطق کی زبان میں پیش کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔

ہ- الیکشن میں بحیثیت امیدوار پیش کرنے والے کو اس بات کا اندازہ ہو کہ وہ اس ذمہ داری کو بخوبی انجام دے سکے گا اور وہ خلق اللہ کی صحیح خدمت اور انصاف کے ساتھ ان کے حقوق ان تک پہنچائے گا حب مال وجاہ مقصود نہ ہو۔

ان ہی مقاصد کے پیش نظر سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے ملکی خزانوں پر مامور کرنے کی درخواست کی تھی۔

قال اجعلني على خزائن الأرض إني حفيظ عليم (سورۂ یوسف:۵۵) (یوسف نے فرمایا کہ ملکی خزانوں پر مجھ کو مامور کردو، میں نگہبان ہوں اور خوب جاننے والا)۔

رسول اللہ ﷺ سے عہدہ قضاء اور امارت کے طلب گاروں کی سخت مذمت کے باوجود غالباً ان ہی افراد کے لیے یہ بشارت وخوشخبری بھی ثابت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے مسلمانوں کا قاضی بننا طلب کیا پھر اس کا انصاف اس کے ظلم پر غالب رہا تو اس کے لیے جنت ہے اور اگر اس کا ظلم انصاف پر غالب رہا تو اس کے لیے دوزخ ہے: **من طلب قضاء المسلمين حتى يناله، ثم غلب عدله جوره، فله الجنة، و من غلب جوره عدله فله النار** (ابوداؤد: باب فی القاضی یخطئ: ۳۵۷۵، السنن الکبری للبیہقی: ۲۰۱۶۵)۔

مخالف شریعت قوانین بنانے والے قانون ساز اداروں کی ممبری:

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تکلیف مالا یطاق کا مکلّف نہیں بنایا ہے، اس لیے ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ حتی الامکان ظلم وزیادتی کو دفع کرنے یا کم کرنے کی کوشش کرے اور جہاں تک ممکن ہو سکے فریادرسی کرے، مظلوم کی مدد کرے، اور کمزوروں کا تعاون کرے، اور ان مقاصد کی تکمیل کے لیے غیر مسلم یا غیر مسلم ممالک کے ایسے قانون ساز ادارے جو مختلف قوانین بنانے کے ساتھ بعض مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں، کا ممبر بننا درست ہوگا، البتہ جہاں تک ممکن ہو سکے ایسے قوانین کی تبدیلی یا ترمیم کی کوشش کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: **لايكلف الله نفسا إلا وسعها** (سورۂ بقرہ:۲۸۶) (اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا)۔ دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: **فاتقوا الله ما استطعتم** (سورۃ التغابن:۱۶) (پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرو)۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **وإذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم** (مسلم: باب فرض الحج مرۃ فی العمر: ۲۳۸۰، بخاری: ۶۷۴۴) (جب میں تم کو کوئی حکم دوں تو حتی الامکان اس کو بجالاؤ)۔

مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ نور اللہ مرقدہ نے بھی غالباً مذکورہ بالا مقصد کے مدنظر انگریز کے دور حکومت میں جبکہ وہ خود جمعیت علماء کے ساتھ ان کے خلاف برسرپیکار تھے، نے مسلمانوں کو ممبر اسمبلی بن کر حکومت میں شامل ہونے کی اجازت دی تھی۔ چنانچہ وہ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہندوستان میں حکومت کا معاملہ بڑی نزاکت اختیار کر چکا ہے، اس لیے اس کے متعلق احکام دینا بہت مشکل اور پیچیدہ ہوگیا ہے، میرا خیال ہے کہ علماء اور مشائخ اسمبلیوں میں ممبر بن کر جائیں تو بہتر ہے، اس کے لیے جواز کا فتویٰ دیتا ہوں، اسمبلی میں جس عہدنامے پر دستخط کیے جاتے ہیں اس میں اتباع شریعت کے پختہ عہد کے ساتھ دستخط کیے جاسکتے ہیں (کفایت المفتی: ۳۹۱/۹، کتاب السیاسیات)۔

دستور سے وفاداری کا حلف:

اگر دستور و منشور قرآن وسنت کے موافق ہو تو اس کی وفاداری کا حلف اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر دستور قرآن وسنت کے خلاف ہو تو اس کی وفاداری کا حلف اٹھانا جائز نہیں ہوگا، البتہ بوقت ضرورت شدیدہ اتباع شریعت کے پختہ عہد کے ساتھ حلف لیا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **من كفر بالله من بعد إيمانه إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان ولكن من شرح بالكفر صدرا فعليهم غضب من الله ولهم عذاب عظيم** (سورۃ النحل: ۱۰۶) (جو کوئی ایمان لانے کے بعد اللہ سے منکر ہوا مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو اور لیکن وہ جو دل کھول کر منکر ہوا تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے)۔

مسلم ارکان کا بائبل پر حلف لینا:

غیر مسلم ممالک میں اگر مسلم ارکان کو حلف لینا پڑے تو ایسی صورت میں اس کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حلف اور قرآن پر ہاتھ رکھ کر حلف لے، لیکن اس کی اجازت نہ مل سکے تو بائبل پر حلف لینے کی گنجائش ہوگی، اور یہ حلف معتبر ہوگا اور واضح ہو کہ قرآن یا دیگر کتب سماوی پر ہاتھ رکھنا قسم کے لزوم وصحت کے لیے ضروری نہیں ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن بن محمد عوض الجزیری لکھتے ہیں:

وکذلک ینعقد الحلف بالتوراة أو الإنجیل أو الزبور أو الفرقان أو صحف إبراهیم وموسی فهی کلام اللہ تعالی وینصرف الیمین إلی غیر المبدل منها (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ: ۱۰۹/۴، نیز دیکھئے: شرح منتہی الارادات: ۳۹۴/۳)۔

(اوراسی طرح توراۃ، انجیل، زبور، فرقان، صحف ابراہیم اور صحف موسیٰ کی قسم کھانے سے حلف منعقد ہو جائے گا۔ یہ سب کلام اللہ ہیں اور یمین غیر تبدیل شدہ کلام کی طرف لوٹے گا)۔

سیکولر پارٹی میں مسلمانوں کی شرکت:

وہ سیکولر پارٹیاں جو مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے زیادہ مناسب و بہتر ہوں، ان میں مسلمانوں کی شرکت اوران کی طرف سے انتخاب لڑنا اوران کی حکومت میں شامل ہونا جائز و درست ہے، اگرچہ کہ ان کے منشور کی بعض دفعات مسلم مفادات کے مغائر ہوں۔

مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

حامداومصلیاً: اگر اس حصہ لینے سے آپ کو احکام اسلام پر عمل کرنے میں رکاوٹ پیدا نہ ہواور آپ حصہ لے کر اہل اسلام کی خدمت کرسکیں اوران کو ظلم سے بچا کر حقوق دلاسکیں تو حصہ لے سکتے ہیں (فتاویٰ محمودیہ: ۵۷۰/۴)۔

فرقہ پرست اسلام و مسلم دشمن پارٹیوں میں مسلمانوں کی شرکت:

جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اوران کے منشور میں اسلام اور مسلمان کی مخالفت شامل ہو، ایسی پارٹی میں مسلمانوں کی شرکت خواہ اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی نیت سے ہی کیوں نہ ہو درست نہیں، اس لیے کہ عام طور پر مشاہدہ یہ ہے کہ جن مسلمانوں نے ایسی پارٹیوں میں شرکت کی انہوں نے اس پارٹی کے منشور و دستور کو تو نہ بدل سکے، البتہ اسلامی حمیت وغیرت سے محروم ہوگئے اور قوم وملت کے لیے مفید ثابت ہونے کے بجائے مضر ونقصان دہ ثابت ہوئے اور غیر مسلم فرقہ پرست سے جتنا مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچتا جتنا کہ ان سے نقصان پہنچتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا:

جس ملک میں مسلمان اقلیت میں ہوں وہاں مسلمانوں کے لئے علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا جائز ہوگا، البتہ اپنا امیدوار صرف انہی علاقوں سے کھڑا کرے جن علاقوں میں مسلمانوں کی ایک معتد بہ تعداد ہو اور جن علاقوں میں مسلمانوں کی

تعداد کم ہو وہاں دیگر سیکولر پارٹیوں کی مدد کریں تا کہ فرقہ پرست پارٹیوں کو فائدہ نہ پہنچے۔

ہندوستان کے اکابر علماء نے بھی مسلمانوں کے علیحدہ سیاسی جماعت کی تائید وسرپرستی کی ہے اور مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی جماعت نے ان کی سرپرستی میں انتخاب میں حصہ لیا ہے۔ چنانچہ جنگ آزادی سے قبل کے انتخابات میں بہار کا ایک انتہائی موقر ادارہ امارت شرعیہ کی انڈیپینڈنٹ پارٹی جس کے رکن ابوالمحاسن حضرت مولانا سجاد صاحب نائب امیر شریعت نوراللہ مرقدہ تھے، نے ان کی نگرانی میں انتخاب میں حصہ لیا تھا، چنانچہ اس سے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ نوراللہ مرقدہ لکھتے ہیں:

امارت شرعیہ کی انڈیپنڈنٹ پارٹی یونائیٹڈ پارٹی سے بہتر ہے یونائیٹڈ پارٹی کے امیدوار کو ووٹ دینا سرکار کی تائید کرنا ہے، ان دونوں پارٹیوں کے امیدوار کا مقابلہ ہو تو انڈیپنڈنٹ پارٹی کے امیدوار کو ووٹ دینا لازم ہے (کفایت المفتی: کتاب السیاسیات: ۹/ ۳۵۳)۔

اتر پردیش وغیرہ میں شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں جمعیۃ علما نے بھی ۱۹۳۵ء یا ۱۹۳۶ء میں انتخاب میں حصہ لیا تھا، اس وقت ایک شخص نے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا تھا کہ کانگریس، احرار، خاکسار، جمعیۃ علماء میں سے کس کو ووٹ دیا جائے تو آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ جمعیۃ علماء جس شخص کو کھڑا کرے اس کو ووٹ دینا چاہیے، کیونکہ جمعیۃ علما کا مقصد مسلمان قوم کی بہتری ہے ذاتی غرض کچھ نہیں (کفایت المفتی: کتاب السیاسیات: ۹/ ۳۹۳)۔

خواتین کا ووٹنگ میں حصہ لینا:

ووٹ کی شرعی حیثیت شہادت وگواہی کی ہے اور جس طرح مرد کسی کے حق میں گواہی دے سکتا ہے، عورت بھی گواہی دے سکتی ہے۔

مفتی اعظم حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

عورتوں کا ووٹر بننا ممنوع نہیں ہے، ہاں ووٹ دیتے وقت شرعی پردہ کا لحاظ رکھنا لازم ہوگا (کفایت المفتی: کتاب السیاسیات: ۹/ ۳۴۹)۔

خواتین کا الیکشن میں شریک ہونا اور قانون ساز ادارے کا ممبر بننا:

خواتین شریعت کے مکلّف، اقامت دین، فرائض کی ادائیگی، ممنوع وحرام چیزوں سے اجتناب، دعوت الی اللہ،

امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں وہ مردوں کی طرح ہیں اور شارع کے عمومی خطاب جیسے: "یا ایھا الناس" یا "یا ایھا الذین آمنوا" میں یہ بھی داخل ہیں۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے بالکل واضح کر دیا ہے کہ مرد وعورت کے لیے ایک ہی قانون ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

فاستجاب لھم ربھم أنی لا أضیع عمل عامل منکم من ذکر أو أنثی بعضکم من بعض (سورۃ آل عمران: ۱۹۵) (جواب میں ان کے رب نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں، خواہ مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو)۔

اور رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: **إنما النساء شقائق الرجال** (سنن ابی داؤد: باب فی الرجل یجد البلۃ فی منامہ، ۲۳۶، سنن ترمذی: ۱۱۳) (عورتیں مردوں کے ہی مثل ہیں)۔

مذکورہ بالا نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام شریعت میں مرد وعورت یکساں ہیں، البتہ اگر کسی کے استثناء اور خصوصیت پر دلیل قائم ہو جائے تو پھر وہ حکم اسی کے ساتھ خاص ہوگا۔

علاوہ ازیں شریعت کے بعض احکام زمان ومکان، احوال وعرف کے بدلنے سے بھی بدل جاتے ہیں۔ ان تفصیلات کی روشنی میں اس مسئلہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا خواتین کے لیے الیکشن میں شریک ہونا اور قانون ساز ادارے کا ممبر بننا درست ہے؟

بعض علماء کرام اس کے جواز اور بعض اس کے عدم جواز کے قائل ہیں:

مانعین کے دلائل اور اس کا تجزیہ:

جو حضرات خواتین کے لیے قانون ساز ادارے یا مجلس شوریٰ کے ممبر بننے کو جائز نہیں سمجھتے ان کی سب سے اہم دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الأولی وأقمن الصلاۃ وآتین الزکاۃ وأطعن اللہ ورسولہ إنما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس أھل البیت ویطھرکم تطھیرا (سورۃ الاحزاب: ۳۳)۔

اس آیت سے مانعین استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو قرار فی البیوت کا حکم دیا ہے، لہٰذا بلاضرورت شدیدہ اور بلا کسی حاجت شرعی کے گھر سے باہر نکلنا درست نہیں اور خواتین کے لیے قانون ساز ادارے یا مجلس شوریٰ میں شرکت نہ ضرورت شدیدہ میں داخل ہے اور نہ حاجت شرعیہ میں، اس لیے ان کا ان محکموں میں شریک ہونا جائز

نہیں ہے۔

اس آیت سے اس موقف پر استدلال کئی اعتبار سے مضبوط نہیں ہے۔

الف-آیات کا سیاق وسباق ازواج مطہرات سے متعلق غیر معمولی احکام وفضائل پر مشتمل ہے، جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرار فی البیوت کا حکم بھی انہیں کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ ایک عمل صالح پر دوہرا اجر اور ایک عمل بد پر دوہرا عذاب وسزا کا حکم کہ یہ صرف امہات المومنین کے ساتھ خاص ہے۔

ب-قرار فی البیوت کے حکم کے باوجود جب سیدۃ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کی شرعی واجبات میں سے سمجھا تو گھر سے ہی نہیں بلکہ مدینہ سے بصرہ کی طرف خروج کیا، اور اس فوج کی قیادت کی جس میں دو عشرہ مبشرہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے علاوہ صحابہ کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔

ج-خواتین آج کل مختلف شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ ہیں، شرعی حدود میں رہتے ہوئے خواتین کو تعلیم وتدریس اور طب کے میدان میں خدمات انجام دینے کی اجازت دی گئی۔ خود اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے عورتوں کے لیے ملازمت کو جائز قرار دیا ہے (اٹھارہواں فقہی سمینار (مدورائی) ۲/مارچ ۲۰۰۹ء)۔

دوسری دلیل:

الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما أنفقوا من أموالهم (سورۃ النساء: ۳۴) (مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں)۔

مانعین اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر حاکم قرار دیا ہے، خواتین کے قانون ساز ادارے یا مجلس شوریٰ میں شرکت کی وجہ سے قلب موضوع لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں ہے۔

لیکن اس آیت سے استدلال تام نہیں ہے، کیونکہ آیت میں جس قوامیت کا تذکرہ ہے اس کا تعلق معاشرتی اور خانگی زندگی سے ہے، قانون ساز ادارے یا مجلس شوریٰ کے ممبر بننے کی وجہ سے خواتین کو مردوں پر قوامیت یا ولایت عامہ حاصل نہیں ہوتی ہے، اس لیے اس آیت سے مذکورہ بالا استدلال درست نہیں ہے۔

تیسری دلیل:

جو حضرات کہتے ہیں کہ عورتوں کا قانون ساز ادارے کا رکن بننا شریعت کے مطابق نہیں ہے، ان کی ایک دلیل یہ

حدیث بھی ہے جن میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **وأمورکم إلی نسائکم فبطن الأرض خیر لکم من ظهرها** (جامع الترمذی: ۵ ۲۲۴۳ قال ابوعیسیٰ: ہذا حدیث غریب)۔ ''یعنی جب معاملات عورتوں کے سپرد کردیے جائیں تو زمین کا پیٹ اس کی پشت سے بہتر ہے۔''

لیکن اس حدیث سے استدلال بھی محل نظر ہے، کیونکہ حدیث میں جس صورت کی مذمت فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ تمام تر فیصلے عورتوں ہی کے حوالے کردیے جائیں اور انہی کی رائے کو فیصلہ کن قرار دیا جائے اور مرد ہر معاملے میں عورتوں کے پیچھے چلنے لگیں، لیکن اس سے یہ مطلب نکالنا درست معلوم نہیں ہوتا کہ ان سے کبھی مشورہ لینا جائز نہیں۔

بلکہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے بعض معاملات میں اور خاص طور سے ان کی شادی کے وقت ان کے شوہر کے سلسلہ میں مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے (سنن ابوداؤد: باب فی الاستیمار)۔

چوتھی دلیل:

لما بلغ رسول الله ﷺ أن أهل فارس قد ملکوا علیهم بنت کسری۔ قال: لن یفلح قوم و لوا أمرهم امرأة (بخاری: باب الفتنۃ التی تموج کموج البحر) (جب نبی کریم ﷺ کو خبر ملی کہ فارس کے لوگوں نے کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنالیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے حکومت عورت کے سپرد کردی)۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے مانعین نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے فرمان سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس قوم کو فلاح وکامیابی نصیب نہیں ہوسکتی ہے جس کی سربراہی عورت کے سپرد ہو، اس لیے خواتین کے لیے قانون ساز ادارے یا مجلس شوریٰ میں شرکت کرنا جائز نہیں ہوگا۔

مانعین کا اس روایت سے بھی استدلال ناقص ہے، کیونکہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنے ملک کا بادشاہ اور سربراہ اعلیٰ بنالیا تھا اور اس دور کے بادشاہ وسربراہ اعلیٰ اپنے ملک کے سیاہ وسپید کے مالک ہوا کرتے تھے، وہ عام طور سے کسی قانون کے پابند نہیں ہوا کرتے تھے، وہ قانون سازی میں خودمختار اور اپنی مرضی کے مالک ہوا کرتے تھے۔ اسلام ایسی بادشاہت اور سربراہی کو نہ تسلیم کرتا ہے اور نہ ہی اس کی اجازت دیتا ہے۔ اسلام میں اسلامی قوانین کی پابندی ہر ایک کے لیے لازم وضروری ہے۔

جمہوری ملک میں قانون سازی کا اختیار کسی ایک فرد وشخص کو نہیں ہوتا بلکہ پارلیمنٹ کو ہوا کرتا ہے جو متعدد موافق و مخالف پارٹیوں کے افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان حالات میں اگر کوئی خاتون ممبر پارلیمنٹ یا ممبر اسمبلی یا قانون ساز ادارے کا

ممبر بن جائے تو نہ ان کو تن تنہا قانون سازی کا اختیار حاصل ہوگا اور نہ ہی نفاذ قانون کا۔ زیادہ سے زیادہ قانون سازی کے وقت رائے دینے کا اختیار ہوگا، الحاصل یہ کہ خاتون کا پارلیمنٹ یا ممبر اسمبلی یا قانون ساز ادارے کا ممبر بننے سے اس کو ولایت کبریٰ و عامہ حاصل نہیں ہوتی ہے جس کی شرعاً ممانعت ہے۔

مجوزین کے دلائل:

بعض علماء کا خیال ہے کہ خواتین کے لیے شرعی حدود میں رہتے ہوئے پارلیمنٹ، اسمبلی اور قانون ساز ادارے کا ممبر بننا جائز ہے۔ ان کا خیال ہے کہ بعض خواتین عقل وشعور کے لحاظ سے مردوں پر بھی فائق ہوتی ہیں اور ان کی رائے وقت وحالات اور ماحول سے زیادہ ہم آہنگ ہوا کرتی ہے اور بسا اوقات خود نبی اکرم ﷺ نے بھی عورتوں سے مشورہ لیا ہے اور اس پر عمل بھی کیا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ مشہور ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ وہ قربانی اور حلق کر کے احرام کھول دیں تو تین مرتبہ اعلان کرنے کے باوجود کوئی بھی نہیں اٹھا۔ چونکہ بظاہر دب کر کی گئی صلح کی وجہ سے صحابہ کرام مغموم و بے چین تھے، شدت غم کی وجہ سے ان کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، اس لیے ان سے یہ عمل سرزد ہوا، یہ ایک غیر معمولی بات تھی کہ آپ کے ایک اشارے پر جان دینے والے صحابہؓ آپ ﷺ کے بار بار اعلان کے باوجود تعمیل کے لیے فوراً نہیں اٹھ رہے تھے، اس پر آپ ﷺ اندر تشریف لے گئے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ بات ذکر فرمائی تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے مشورہ دیا کہ آپ مزید کچھ کہنے کے بجائے خود اپنے جانوروں کو قربان کر کے حلق کرنے والے کو بلائیں اور حلق کر لیں، چنانچہ آپ نے اسی مشورے پر عمل فرمایا اور صحابہؓ نے آپ ﷺ کو یہ عمل کرتے دیکھا تو سب صحابہؓ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر قربانی اور حلق کرنے لگے (باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع الحرب وکتابۃ الشروط)۔

دوسری دلیل:

مجوزین کی طرف سے دوسرا استدلال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ جب حضرت فاروق اعظمؓ نے خلیفہ کے لیے چھ افراد پر مشتمل ایک ایک کمیٹی بنادی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے یہ فرمایا کہ میں اپنی خلافت سے دستبردار ہوجاتا ہوں اور میں خود لوگوں کی آراء معلوم کر کے کسی کو متعین کروں گا، باقی سب نے کہا ٹھیک ہے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ تین دن تک لوگوں کی رائے معلوم کرتے رہے، چنانچہ تاریخ میں ہے:

”ثم نهض عبدالرحمن بن عوف رضی الله تعالیٰ عنه یستشیسر الناس فیهما و یجمع رای المسلمین...... حتی خلص الی النساء المخدرات فی حجابهن“ (البدایہ والنہایۃ:۷/۱۶۷)(عبدالرحمٰن بن عوفؓ اٹھے اوران دونوں (حضرت عثمانؓ اورحضرت علیؓ) کے بارے میں لوگوں سے مشورہ شروع کیا اور مسلمانوں کی آراء جمع کرنی شروع کیں...... یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں کے پاس بھی ان کے پردے کے ساتھ پہنچ گئے)۔

لہٰذا ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اگر خواتین شوریٰ کی رکن ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، بشرطیکہ خواتین حدود حجاب کے ساتھ ہوں۔

تیسری دلیل:

مجوزین کی دلائل میں سے ایک اہم دلیل سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ مشہور خطبہ بھی ہے جس میں انہوں نے مہر کے سلسلہ میں یہ اعلان کیا تھا کہ کوئی بھی شخص چالیس اوقیہ سے زیادہ مہر مقرر نہ کرے، جو بھی اس سے زیادہ مہر مقرر کرے گا اس زیادتی کو میں بیت المال میں رکھ دوں گا۔ اس پر ایک خاتون نے اعتراض کرتے ہوئے کہا عمر! تجھے یہ اختیار کیوں کر ہے؟ تو حضرت عمر نے فرمایا کیوں نہیں؟ تو اس خاتون نے کہا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں پہنچا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وإن أردتم استبدال زوج مكان زوج وآتيتم إحدا هن قنطارا فلا تأخذوا منه شيئا أ تأخذونه بهتانا وإثما مبينا وكيف تأخذونه وقد أفضى بعضكم إلى بعض وأخذن منكم ميثاقا غليظا** (سورۃ النساء:۲۱-۲۲، کنز العمال:۴۵۸۰۰، مصنف عبدالرزاق:۱۰۴۲۰)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس خاتون کے اس معقول اعتراض کو تسلیم کیا اور دوبارہ خطبہ کے لیے لوگوں کو جمع کیا اور برملا اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے فرمایا: **امرأة أصابت و رجل اخطا** اور اپنا بیان واپس لے لیا۔ شاید یہ کہ اگر اس خاتون کی طرف سے یہ اشکال نہ ہوتا تو اس کو قانونی حیثیت حاصل ہو جاتی، ظاہر ہے کہ اس مجمع عام میں اہل علم کی ایک بڑی تعداد ہوگی لیکن اس کے باوجود اس کی طرف ایک عورت کی نگاہ گئی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات جس مسئلہ کی طرف سے بڑے بڑے صاحب علم مرد کی نظر نہیں پہنچتی وہاں تک ایک عورت کی نظر پہنچ سکتی ہے، اس لیے قانون ساز ادارے میں خواتین کی رائے سے استفادہ کیا جا سکتا ہے اور اس کے لیے ان کو ممبر بننے کی بھی گنجائش ہونی چاہیے۔

چوتھی دلیل:

مجوزین کی ایک اہم دلیل سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ فیصلہ اور قانون بھی ہے جو انہوں نے فوجیوں

کے بارے میں کیا تھا کہ کسی بھی فوجی کومحاذ جنگ پر چار ماہ سے زیادہ نہ روکا جائے، حسب معمول رات میں گشت کرتے ہوئے آپؓ کا گزر ایک مکان سے ہوا، اس مکان سے ایک خاتون کے عشقیہ اشعار پڑھنے کی آواز آرہی تھی، صبح میں جب آپ نے تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا شوہر کئی مہینوں سے اس سے دور جہاد میں مصروف ہے۔ اس لیے وہ شدت جذبات سے مغلوب ہوکر اشعار پڑھ رہی تھی۔ آپؓ نے اپنی صاحبزادی ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ ایک شادی شدہ عورت اپنے شوہر کے بغیر کتنے دنوں تک صبر کرسکتی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا چار ماہ۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے تمام فوج کے ذمہ داروں کو حکم نامہ جاری کیا کہ کسی بھی فوجی کو چار ماہ سے زیادہ محاذ پر نہ روکا جائے۔ اس واقعہ میں ایک عورت کی رائے کو باضابطہ قانون کی شکل دے دی گئی اور چاروں دبستان فقہ نے اس قانون کو تسلیم کیا ہے، جب کسی عورت کی رائے کو قانونی حیثیت حاصل ہوسکتی ہے تو پھر عورتوں کے لیے قانون ساز ادارے کا ممبر بننا جائز کیوں کر نہیں ہوسکتا ہے؟

پانچویں دلیل:

خواتین منصب اجتہاد وافتاء پر بلا اختلاف فائز ہوسکتی ہے جیسا کہ سیدۃ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس مقام پر فائز تھیں۔ **لا يشترط فى المفتى الحرية والذكورة والنطق اتفاقا، فتصح فتياالعبد والمرأة والأخرس** (الموسوعۃ الفقہیہ: مادۃ فتوی) (مفتی کے سلسلہ میں مذکر ہونا، اور قادر علی الکلام ہونا بالاتفاق شرط نہیں ہے لہذا غلام، عورت اور گونگے کا فتویٰ دینا صحیح ہے)۔

اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک حدود وقصاص کے علاوہ دیگر معاملات میں قاضی بھی ہوسکتی ہے، چنانچہ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

وأما الذكورة فليست من شرط جواز التقليد فى الجملة، لأن المرأة من أهل الشهادت فى الجملة إلا أنها لا تقضى بالحدود والقصاص (البدائع: کتاب ادب القاضی)۔

جب ایک عورت مفتی وقاضی کا عہدہ حاصل کرسکتی ہے تو اگر وہ شرعی حدود کی رعایت کرتے ہوئے قانون ساز ادارے کا ممبر بنتی ہے تو اس کی بھی اجازت ہونی چاہیے۔

چھٹی دلیل:

سیدنا حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں بازار کے ایک محکمہ کی ذمہ داری حضرت شفاء بنت عبداللہؓ کو دی تھی، بعض محققین اس واقعہ کو تسلیم نہیں کرتے ہیں، لیکن یہ بات تو مسلم ہے کہ حضرت شفاء بنت عبداللہؓ اپنے زمانہ کے ایک

انتہائی عقلمند باشعور خاتون تھیں اور سیدنا حضرت عمر فاروقؓ ان کی رائے کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

و كان عمر رضى الله عنه يقدمها فى الراى ويرضاها (اسد الغابۃ: ۷/۱۷۷)۔

مجوزین حضرات کا خیال ہے کہ سیدنا حضرت عمر فاروقؓ نے اکابر صحابہ کی موجودگی میں اس اہم ذمہ داری کے لیے ایک خاتون کا انتخاب درحقیقت ان کی قابلیت وعقل وشعور اور اس میدان کے مسائل سے آگہی اور اسلام میں اس کی گنجائش تھی اس لیے ہی کیا ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی عورت کے اندر صلاحیت وقابلیت ہو اور وہ شرعی حدود کی رعایت کر سکتی ہو تو اس کے لیے قانون ساز ادارے وغیرہ کا ممبر بننے کی گنجائش ہونی چاہیے۔

ہند و پاک کی بعض علماء کی تحریوں سے خاص حالات میں خواتین کے کونسل وغیرہ کے ممبر بننے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

عورتوں کا کونسل میں جانا کچھ زیادہ مفید نہ ہوگا، لیکن اگر جائیں تو حجاب کے ساتھ جانا ضروری ہوگا (کفایت المفتی: ۷/۴۱۹)۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

اسلامی نقطۂ نظر سے عورت الیکشن میں امیدوار نہیں ہوسکتی، البتہ اگر ہندوستان میں خواتین کے لیے سیٹیں مخصوص کردی جائیں تو یہاں کے خصوصی حالات میں اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا کہ اگر مسلمان اس قانون کے روکنے پر قادر نہ ہوں تو کمتر درجہ کی برائی سمجھتے ہوئے خواتین کو بھی انتخابی امیدوار بنائیں (راہ عمل: ۳/۱۲۶، نئے مسائل اور اسلامی نقطہ نظر)۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم فریقین کے دلائل پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

بہرحال اس مسئلہ میں دونوں طرف کچھ دلائل ہیں، لیکن کوئی ایسی واضح نص بھی موجود نہیں ہے، جس کی بنا پر یہ کہا جائے کہ انہیں شوری میں شامل نہیں کیا جاسکتا، البتہ یہ بات طے ہے کہ اگر انہیں شوریٰ میں شامل کیا جائے تو حجاب شرعی کے احکام کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہوگا۔

الیکشن کے شرعی مسائل

مفتی محمد عارف باللہ القاسمی☆

ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جمہوری نظام میں عوام کے انتخاب سے حکومت قائم ہوتی ہے، اس لیے حکومت اور پارلیمنٹ میں عوامی نمائندگی کے طلبگار لوگوں کے بارے میں عوامی رائے معلوم کرنا جمہوری طرز حکومت کا ایک اہم عمل ہے اور اسی مقصد کی خاطر الیکشن کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے تا کہ اس میں عوام اپنی مرضی اور اختیار کے مطابق ووٹ دے کر کسی کو اپنا نمائندہ منتخب کرلیں۔

ووٹ کے ذریعہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ فلاں شخص میری نظر میں اس عہدہ کے لیے مناسب اور موزوں ہے، اور ووٹ دینے والا ووٹ کے ذریعہ اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ یہ شخص میری نظر میں دوسروں کے بالمقابل اسمبلی کی رکنیت یا حکومت کا زیادہ اہل ہے، اس لیے ووٹ شرعی اعتبار سے ایک شہادت ہے، کیونکہ شہادت کی حقیقت اس پر صادق آتی ہے۔ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

الشهادة فی اللغة البيان والإظهار لما يعلمه، وشرعا: إخبار عن ثبوت الحق للغير على الغير (الموسوعۃ الفقہیہ ۱/۲۳۵) (شہادت لغت میں اس بات کا بیان اور اظہار ہے جو وہ جانتا ہو، اور شرعاً کسی ایک کے بجائے دوسرے کے لیے حق کے ثبوت کی خبر دینا شہادت ہے)۔

إخبار حاكم من علم ليقضی بمقتضاه (الشرح الکبیر ۴/۱۶۴) (علم کے مطابق حاکم کو خبر دینا تا کہ وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے)۔

ظاہر ہے کہ ووٹ میں ووٹ دہندہ اسی بات کا اظہار کرتا ہے کہ فلاں امیدوار کے بالمقابل اس منصب کا حقدار میرے علم کے مطابق فلاں شخص ہے، اسی لیے میں اس کی تائید کرتا ہوں۔ اس لیے ووٹ شرعی اعتبار سے شہادت ہے، اور اس پر شہادت کے احکام جاری ہوں گے، عصر حاضر کے معروف فقیہ حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

☆ مدرسہ اسلامیہ دارالعلوم الربانیہ، حیدرآباد۔

''شرعی اعتبار سے ووٹ ایک شہادت ہے، آپ جس کو ووٹ دیتے ہیں گویا اس کے بارے میں یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ شخص آپ کی نظر میں اسمبلی کی رکنیت یا حکومت کا اہل ہے اور آپ کے حلقہ انتخاب میں آپ کے نزدیک اس منصب کے لیے اس شخص سے زیادہ کوئی موزوں نہیں ہے، لہٰذا ووٹ پر شرعی اعتبار سے وہ تمام احکام جاری ہوتے ہیں جو شہادت پر جاری ہوتے ہیں'' (اسلام اور سیاست حاضرہ:۸)۔

ووٹ دینے کا حکم:

ووٹ چونکہ ایک شہادت ہے اور ادائے شہادت کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ وہ فرض کفایہ ہے، یعنی اگر چند لوگ جن سے مقصد شہادت کی تکمیل ہوجاتی ہے، اگر شہادت دے دیں تو بقیہ سارے لوگوں سے شہادت کی ذمہ داری ساقط ہوجاتی ہے۔

الشهادة فرض تلزم الشهود ولا يسعهم كتمانها إذا طالبهم المدعى لقوله تعالى: "ولا يأب الشهداء إذا ما دعوا" وقوله تعالى: "ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه" (ہدایہ:۱۱۶/۳)۔

(شہادت ایک فرض ہے جو گواہوں پر لازم ہے اور مدعی کی جانب سے مطالبہ کی صورت میں اس کو چھپانے کی گنجائش نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: گواہان کو جب بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں، اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: شہادت کو مت چھپاؤ جو اس کو چھپائے وہ دل کا گنہگار ہوگا)۔

''اداء شہادت فرض کفایہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**وأقيموا الشهادة لله**" (اللہ تعالیٰ کے لیے شہادت قائم کرو، اور ارشاد ہے: "**ولا يأب الشهداء إذا ما دعوا**" (اور گواہان نہ انکار کریں جب ان کو بلایا جائے)۔ جب ایک جماعت نے شہادت کا تحمل کرلیا اور ان میں سے اتنے لوگوں نے گواہی دے دی جن کا گواہی دینا کافی ہے تو باقی لوگوں کے ذمہ سے 'اداء شہادت' کا فریضہ ساقط ہوگیا، کیونکہ شہادت کا مقصد حقوق کی حفاظت ہے اور یہ مقصد بعض لوگوں کے گواہی دینے سے حاصل ہوجاتا ہے اور اگر سب لوگ گواہی دینے سے انکار کردیں تو سب گنہگار ہوں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: شہادت کو مت چھپاؤ جو اس کو چھپائے گا وہ دل کا گنہگار ہوگا'' (الموسوعۃ الفقہیہ ۳۴۰/۲)۔

لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ جمہوری طرز حکومت میں جو حکومت بھی برسر اقتدار آتی ہے وہ انتخاب میں کثرت رائے کی بنا پر اقتدار کے منصب تک پہنچتی ہے اور اس میں ایک ایک ووٹ کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، کیونکہ بہت سی مرتبہ ایک ووٹ کی کمی کی وجہ سے مناسب اور موزوں شخص منصب سے محروم رہ جاتا ہے اور نا اہل کو منصب مل جاتا ہے، گویا عام قضایا میں چند

لوگوں کی گواہی سے حقدار کو حق مل جاتا ہے، لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے کہ یہاں ووٹ کا مقصد منصب کے لیے متعدد امیدواروں میں سے سب سے زیادہ موزوں کو منصب کا حقدار بتانا اور اس کو منصب دلانے کی کوشش کرنا ہے اور ایک ووٹ بھی موزوں شخص کو محروم کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے، کیونکہ اس میں بقول اقبالؒ ''بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے'' گویا یہاں صورت حال یہ ہے کہ ووٹ دینے میں ایک شخص کی کوتاہی کی وجہ سے بھی مقصد کے حصول میں رکاوٹ پیدا ہوسکتی ہے اور فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر چند لوگوں کی شہادت سے مقصد حاصل نہ ہو تو پھر سارے لوگوں پر شہادت فرض عین ہوجاتی ہے۔

وقد يكون أداء الشهادة فرض عين اذا كان لايوجد غيره ممن يقع به الكفاية، و توقف الحق على شهادته فانه يتعين عليه الاداء، لانه لايحصل المقصود الابه (الموسوعۃ الفقہیہ: ۲/۳۴۰)۔

(گواہی دینا کبھی فرض عین ہوجاتا ہے، جب اس کے علاوہ کوئی گواہ نہ ہو جس کی گواہی کافی ہو اور اس کی گواہی پر حق ثابت ہونا موقوف ہو تو ایسی صورت میں متعین طور پر اس کے لیے گواہی دینا لازم ہے، کیونکہ اس کے بغیر شہادت کا مقصد حاصل نہ ہوگا)۔

ظاہر ہے کہ ایک ایک ووٹ موزوں شخص کے آگے بڑھانے کے لیے ضروری ہے اور ایک ووٹ کی کمی بھی اس کی ناکامی کا ذریعہ بن سکتی ہے، اس لیے ووٹ دینا فرض عین ہے اور ہر ہر فرد کا شرعی، اخلاقی، قومی اور ملی فریضہ ہے کہ وہ ووٹ دے کر موزوں شخص کو منصب تک لانے کی کوشش کرے، تاکہ ملک کی قیادت صحیح ہاتھوں میں جاسکے۔

البتہ اگر حالات سازگار نہ ہوں اور ووٹ ڈالنے کے لیے جانے میں جان و مال کا خطرہ لاحق ہو جیسا کہ موجودہ زمانہ میں بعض مرتبہ ایسے حالات ہوجاتے ہیں تو پھر اس صورت میں یہ فرضیت ساقط ہوجائے گی۔ اس لیے کہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر دوسروں کو نفع پہنچانا لازم نہیں ہے اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

ولا يضار كاتب ولا شهيد (سورۃ البقرہ: ۲۸۲) (کاتب اور گواہ کو ضرر نہ پہنچایا جائے)۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

لاضرر ولاضرار (موطا امام مالک: ۲۸۹۵) (نہ ضرر پہنچانا ہے اور نہ ہی ضرر اٹھانا ہے)۔

الیکشن میں بحیثیت امیدوار خود کو پیش کرنے کا حکم:

الیکشن میں بحیثیت امیدوار خود کو پیش کرنا درحقیقت منصب وعہدہ کو طلب کرنا ہے اور شریعت اسلامیہ میں عام حالات میں منصب وعہدہ کی طلب ناپسندیدہ ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول

اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یا عبد الرحمن بن سمرة! لا تسأل الإمارة فإن أعطیتها عن مسألة وکلت إلیها وإن أعطیتها عن غیر مسألة أعنت علیها (بخاری: ۷۱۴۷) (اے عبدالرحمٰن بن سمرہ! امارت مت مانگو، کیونکہ اگر تمہیں مانگ کر امارت ملے گی تو تم اس کے حوالے کر دیے جاؤ گے اور اگر بغیر مانگے مل جائے تو اس کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں تمہاری مدد کی جائے گی)۔

لیکن بعض ایسے احوال میں جبکہ مصلحت کا تقاضا ہو کہ انسان خود کو بحیثیت امیدوار پیش کرے اور وہ خود کو دوسروں کے بالمقابل اس منصب کے لیے زیادہ بہتر سمجھتا ہو اور اسے اس بات کا احساس ہو کہ اس کے بجائے کسی دوسرے کو اس منصب کے ملنے کی صورت میں قوم وملت کا نقصان ہوگا اور یہ منصب پر آ کر لوگوں کو نفع پہنچا سکے گا اور لوگوں کے حقوق کا تحفظ کر سکے گا تو ایسی صورت میں برائے مصلحت خود کو امیدوار کی حیثیت سے پیش کرنا شرعاً ناپسندیدہ نہیں ہے، بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے طرز عمل سے اس کی تائید ہوتی ہے، قرآن کریم میں اللہ عزوجل نے آپ کی اس بات کو نقل کیا ہے:

قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم (سورہ یوسف:۵۵) (انہوں نے (عزیز مصر سے) کہا: مجھے زمین کے خزانے پر نگراں مقرر کر دیجئے، میں حفاظت کرنے والا اور جاننے والا ہوں)۔

نیز حضرت عثمان بن العاص ثقفی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، انہوں نے فرمایا:

یا رسول الله! اجعلنی إمام قومی، فقال النبی ﷺ: أنت إمامهم، واقتد بأضعفهم، واتخذ موذنا، لا یأخذ علی أذانه أجرا (مسند احمد:۱۵۶۷۶، ترمذی:۲۰۹)۔

(یا رسول اللہ مجھے میری قوم کا امام بنا دیجئے، نبی ﷺ نے فرمایا: تم اس کے امام ہو اور کمزوروں کی رعایت کرنا اور کسی ایسے شخص کو موذن بنا لینا جو اذان دینے کی اجرت نہ لے)۔

اور شاید ایسی حالت میں ضرورت ومصلحت کے تقاضے کے پیش نظر خود کو عہدہ ومنصب کے لیے پیش کرے اور عہدہ ملنے کے بعد عدل وانصاف قائم کرنے والوں کے حق میں رسول اللہ ﷺ کی یہ بشارت ہے:

من طلب قضاء المسلمین حتی یناله ثم غلب عدله جوره فله الجنة ومن غلب جوره عدله فله النار (سنن ابی داؤد:۱۰۶، عن ابی ہریرہؓ) (جس نے مسلمانوں کے عہدہ قضاء کو طلب کیا، اور اسے وہ عہدہ مل بھی گیا اس کے بعد اس کا عدل اس کے ظلم پر غالب رہا تو اس کے لیے جنت ہے، اور جس کا ظلم وجور اس کے عدل پر غالب ہو گیا تو اس کے لیے جہنم ہے)۔

اورالموسوعۃ الفقہیہ کی عبارت سے تو یہ وضاحت بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر ایک شخص کے سوا کوئی بھی مناسب اور موزوں نہ ہوتو اس پر اس عہدہ کو طلب کرنا واجب ہو جائے گا۔

يختلف الحكم باختلاف حال الطالب، فإن كان لايصلح لها إلا شخص وجب عليه أن يطلبها...... وإن كان هناك من هو أولى منه كره له طلبها وإن كان غير صالح لها حرم عليه طلبها
(الموسوعۃ الفقہیہ ۶/۲۱۸، تحفۃ المحتاج ۷/۵۴۰ واسنی المطالب ۴/۱۰۸)۔

(عہدہ کو طلب کرنے کا حکم طالب کی حالت کے اعتبار سے مختلف ہے، چنانچہ اگر اس کے لیے صرف ایک ہی شخص مناسب وموزوں ہو تو اس پر عہدہ کو طلب کرنا واجب ہے اور اگر کوئی دوسرا شخص اس سے زیادہ موزوں ہو تو اس کے لیے اس کو طلب کرنا مکروہ ہے اور اگر اس میں اس کی صلاحیت نہیں ہے تو اس کے لیے اس کو طلب کرنا حرام ہے)۔

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

''حقوق کی حفاظت اور ظلم سے بچاؤ کے لیے انتخابی الیکشن میں حصہ لینا بھی درست ہے'' (فتاوی محمودیہ:۲۱/۴۱۰)۔

مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم اپنے ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں:

عام اسلامی حکم یہی ہے کہ از خود کسی سرکاری عہدے یا منصب کو اپنے لیے طلب کرنا جائز نہیں اور ایسا شخص مطلوبہ منصب کا اہل نہیں ہوتا، لیکن بعض استثنائی صورتوں میں جہاں یہ بات واضح ہو کہ اگر کوئی شخص خود اس منصب کو طلب نہیں کرے گا تو نا اہل اور ظالم لوگ اس پر قبضہ کر کے لوگوں پر ظلم کریں گے تو ایسے وقت میں عہدے کو طلب کرنے کی شرعاً اجازت ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا اجعلنی علی خزائن الارض کہنا اسی صورت پر محمول ہے، اس شرعی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے موجودہ انتخابات کا حکم معلوم کیا جاسکتا ہے کہ طلب اقتدار کی بنیاد پر پورا نظام حکومت قائم کرنا اصلاً جائز نہیں ہے اور اگر منشاء صرف طلب اقتدار ہو یا دوسرے اہل لوگ موجود ہوں یا کسی اور طریقے سے غلط نظام کو بدلنا ممکن ہو تو ایسے نظام انتخابات میں امیدوار بننا جائز نہیں، لیکن اگر موجودہ نظام کو بدلنے کا اس کے سوا کوئی راستہ نہ ہو تو صالح اور اہل افراد اگر طلب اقتدار کے جذبے کے بجائے اصلاح حال کی غرض سے اس میں شامل ہوں تو اس کی گنجائش ہے، بشرطیکہ مفاسد سب وشتم، غیبت اور دوسرے محرمات ومنکرات سے مکمل پرہیز کا اہتمام ہو جو اس دور میں شاذ ونادر ہے (فتاوی عثمانی ۳/۵۰۷)۔

مخالف شریعت قانون بنانے والے قانون ساز اداروں کا ممبر بننا:

جمہوریت کی خرابیوں میں سے ایک خرابی یہ ہے کہ اس میں قانون سازی کا اختیار انسانوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے

اوراس میں ایک ادارہ قانون ساز ہوتا ہے جو قانون بناتا ہے اور بنائے جانے والے بہت سے قوانین شریعت اسلامیہ کے صریح خلاف ہوتے ہیں جبکہ کسی مسلمان کے لیے کسی ایسی قانون سازی میں شرکت جائز نہیں ہے جو خلاف شرع ہو، کیونکہ اللہ اوراس کے رسول ﷺ کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ بہت بڑی معصیت اور کھلی گمراہی ہے اور اللہ کے فیصلہ کو نافذ کرنا ایسا فریضہ ہے کہ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی أنفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما (النساء:۶۵) (تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کردو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے)۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلاف شریعت قانون سازی بہت بڑی معصیت ہے اور ایسی جماعت میں شامل ہونا جو معصیت کرتی ہو اور جس میں شرکت معصیت میں مبتلا کرنے والی ہو ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے۔

لیکن یہاں ایک قابل غور بات یہ ہے کہ قانون ساز اداروں کے بنائے ہوئے قوانین تمام شہری کے لیے ہوتے ہیں اور بسا اوقات مسلمانوں کے لیے ناقابل عمل یا نقصان دہ ہوتے ہیں اور ایسے اداروں میں کوئی مسلمانوں کا نمائندہ ہو تو وہ اس طرح کے قوانین کے خلاف آواز اٹھا سکتا ہے اور اس قانون کی اصلاح کی کوشش کرسکتا ہے اور اس طرح قانون سازی کے دوران اس کی اصلاح ہوسکتی ہے اور بڑے نقصان کو دور کیا جاسکتا ہے اور ان ممالک میں جہاں مسلمانوں کے اقلیت میں ہونے کی وجہ سے اسلامی قوانین کا نفاذ ممکن نہیں یا جہاں مسلم اکثریت ہونے کے باوجود وضعی قوانین کا تسلط ہے، وہاں اس کی اہمیت بہت ہی بڑھ جاتی ہے اور احوال وواقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے اداروں میں نیک اور خدا ترس افراد کے نہ ہونے کی وجہ سے بسا اوقات پوری قوم آزمائش میں مبتلا ہوجاتی ہے اور بسا اوقات ایک شخص کی رکاوٹ بڑی راحت اور فائدہ کا باعث بن جاتی ہے۔ اس پہلو کا تقاضا یہ ہے کہ اس مقصد کے تحت اس ادارے میں ایک مسلمان کی شمولیت جائز ہونی چاہیے، جیسا کہ کئی وجوہ سے اس کے جواز کا اشارہ ملتا ہے۔

۱- اس میں مصالح مرسلہ کی رعایت ہے، کیونکہ اس میں شرکت سے ہی مسلمانوں کے دین، جان ومال اور عزت وآبرو پر آنے والے خطرات کو ٹالنے کی کوشش کرنا یا خلاف شرع قانون کو قانون کا درجہ دینے سے روکنے کی سعی کرنا ممکن ہوسکتا ہے۔

چنانچہ اسی مصلحت اور ضرورت کے پیش نظر مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ نے اپنے انیسویں فقہی سمینار منعقدہ مکہ مکرمہ میں اس بات کو جائز قرار دیا کہ غیر مسلم ممالک میں مقیم مسلمان وہاں کے انتخابات میں شرکت کرسکتے ہیں۔ فیصلہ کے الفاظ یہ ہیں:

يجوز للمسلم الذى يتمتع بحقوق المواطنة فى بلد غيرمسلم المشاركة فى الانتخابات النبابية ونحوها لغلبة ما تعود به مشاركته من المصالح الراجحة مثل تقديم الصورة الصحيحة عن الاسلام والدفاع عن قضايا المسلمين فى بلده، وتحصيل مكتسبات الاقليات الدينية والدنيوية، وتعزيز دورهم فى مواقع التاثير، والتعاون مع أهل الاعتدال والانصاف لتحقيق التعاون القائم على الحق والعدل، وذلک وفق الضوابط الآتية:

أولا: أن يقصد المشارک من المسلمين بمشاركته الإسهام فى تحصيل مصالح المسلمين، ودرء المفاسد والإضرار عنهم۔

ثانيا: أن يغلب على ظن المشاركين من المسلمين أن مشاركتهم تفضى إلى آثار إيجابية، تعود بالفائدة على المسلمين فى هذه البلاد، من تعزيز مركزهم، وإيصال مطالبهم إلى أصحاب القرار ومديرى دفة الحكم والحفاظ على مصالحهم الدينية والدنيوية۔

ثالثاً: ألا يترتب على مشاركة المسلم فى هذه الانتخابات ما يودى إلى تفريطه فى دينه ۔

دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا:

جس طرح آئندہ کسی کام کے کرنے پر حلف اٹھانا جائز ہے، اسی طرح دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا بھی جائز ہے، البتہ اس دستور میں بہت سی دفعات چونکہ خلاف شرع ہوتی ہیں ان کی وجہ سے اس حلف کے جواز پر سوالیہ نشان پیدا ہوتا ہے، کیونکہ کسی معصیت کے کرنے کی قسم کھانا جائز نہیں ہے، گرچہ کہ وہ قسم بھی منعقد ہوجاتی ہے، اور اس قسم کو پورا کرنے کے بجائے توڑنا لازم ہے۔

نوع منها يجب اتمام البرفيها و هو ان يعقد على فعل طاعة امربه،او امتناع عن معصية، و ذلک فرض عليه قبل اليمين، وباليمين يزداد وكادة، ونوع لا يجوز حفظها، وهو أن يحلف على ترک طاعة أو فعل معصية (الفتاوی الہندیۃ ۵۲/۲)۔

(منعقد قسم میں ایک قسم وہ ہے جو پورا کرنا واجب ہے وہ کسی ایسی نیکی کے کرنے کی قسم کھانا ہے جس کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا کسی معصیت سے بچنے کی قسم کھانا، قسم سے پہلے بھی یہ چیز اس پر فرض تھی، قسم سے اس کی تاکید اور بڑھ جاتی ہے۔ منعقد قسم کی ایک نوع وہ ہے جو پورا نہ کرنا واجب ہے اور یہ کسی نیکی کے نہ کرنے یا کسی معصیت کے کرنے کی قسم کھانا ہے)۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ دستور میں موجود دفعات میں غالب دفعات خلاف شرع نہ ہونے کی صورت میں قاعدہ شرعیہ: **العبرة للغالب** (مجلۃ الاحکام العدلیۃ: مادہ:۴۲) کے تحت غلبہ کا اعتبار کرتے ہوئے یہ حلف اٹھانا درست ہوگا، جیسا کہ بہت سے مسائل میں فقہاء نے مغلوب کے بجائے غلبہ کا اعتبار کرتے ہوئے جواز یا عدم جواز کا حکم نافذ کیا ہے۔

نیز یہاں دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانے میں منتخب مسلم رکن اس اعتبار سے ایک گونہ مظلوم ہے کہ ملکی قانون میں اسلامی قوانین کی رعایت نہ ہونے کی وجہ سے وہ خلاف شرع دفعات سے عدم وفاداری کا اظہار نہیں کرسکتا اور ایسا کرنے کی صورت میں وہ اس حق سے محروم کردیا جائے گا جو صرف اس کی محرومی نہیں بلکہ پوری قوم کی محرومی ہوگی اور جس کے منفی اثرات بھی مرتب ہوسکتے ہیں، اس لیے اس کے لیے اس بات کی گنجائش ہوگی کہ وہ شریعت سے غیر متصادم دفعات سے ہی وفاداری کی نیت کے ساتھ کلمات حلف زبان سے ادا کرے اور اگر حالف مظلوم ہو تو فقہاء کے نزدیک حلف میں اس کی نیت کا اعتبار کیا گیا ہے۔

الیمین علی نیة الحالف اذا کان مظلوما (فتاویٰ ہندیہ ۲/۵۹) (قسم کھانے والے کی نیت کے مطابق قسم منعقد ہوگی اگر وہ مظلوم ہو)۔

بائبل یا تورات پر حلف لینا:

بائبل یا تورات سے مقصود وہ کلام الٰہی ہے جو حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام پر اللہ نے نازل کیا تھا اور اسی نسبت کی وجہ سے اس پر حلف لیا جاتا ہے اور اللہ کی صفات میں سے ایک صفت کلام ہے اور جس طرح اللہ کے نام کی قسم کھانا درست ہے، اسی طرح اللہ کی صفات کی قسم کھانا درست ہے۔

الحلف بصفة الذات یکون حلفا بالله فیکون یمینا (بدائع الصنائع: ۳/۹) (اللہ کی صفت ذاتی کی قسم اللہ کی قسم ہوگی اور وہ (منعقد) قسم ہوگی)۔

قرآن کریم کی قسم کو فقہاء نے اسی لیے جائز مانا ہے کہ وہ کلام الٰہی ہے اور اس کی قسم درحقیقت اللہ کی صفت کی قسم ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

لو حلف بالمصحف أو وضع یده علیه وقال: وحق هذا فهو یمین (مجمع الانہر ۱/۵۴۴، شامی ۳/۱۳)۔
(اگر کسی نے مصحف کی قسم کھائی یا اس پر ہاتھ رکھ کر کہا: اس کے حق کی قسم تو یہ قسم ہے)۔

علامہ عبدالرحمٰن بن محمد الجزیری لکھتے ہیں:

والحلف بالقرآن وبکلام الله ینعقدبه الیمین، لانه صفة من صفات الله تعالیٰ کعزة الله و جلاله و قد تعورف الحلف به(الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/۶۸)۔

(قرآن کی اور اللہ کے کلام کی قسم کھانے سے قسم منعقد ہوجاتی ہے، اس لیے کہ یہ اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے، جیسے کہ اللہ کی عزت وجلال کی قسم اور اس صفت کے ذریعہ قسم کھانا متعارف ہے)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بائبل یا تورات پر حلف لینا بھی درست ہے۔ فقہاء احناف کی کتابوں میں اس کی صراحت تونہیں ملی، گرچہ کلام الٰہی کی قسم کے جواز سے ان کے نزدیک بھی بائبل وغیرہ کی قسم کا جواز معلوم ہوتا ہے، لیکن شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کی کتابوں میں تورات اور انجیل کی قسم کے جواز کی صراحت مذکور ہے۔

علامہ زکریا بن محمد بن زکریا شافعی لکھتے ہیں:

إذا حلف المسلم بآیة منسوخة من القرآن أو بالتوراة أو بالإنجیل انعقد یمینه، لأنه کلام الله ومن صفات الذات (اسنی المطالب فی شرح روض الطالب ۴/۲۴۴)۔

(اگر مسلمان نے قرآن کی کسی منسوخ آیت یا تورات یا انجیل کی قسم کھائی تو قسم منعقد ہوجائے گی، اس لیے کہ یہ بھی اللہ کا کلام ہے اور اللہ کی ذاتی صفات میں ہے)۔

علامہ بن یوسف بن ابوالقاسم مالکی لکھتے ہیں:

ومن حلف بالتوراة والانجیل فی کلمة واحدة فعلیه کفارة واحدة (التاج والاکلیل ۴/۴۰۰) (جس نے تورات کی یا انجیل کی ایک ہی کلمہ میں قسم کھائی تو اس پر ایک کفارہ ہے)۔

صاحب اقناع موسی بن احمد حنبلی لکھتے ہیں:

وإن حلف بکلام الله أو بالمصحف أو بالقرآن أو بسورة منه أو بآیة أو بحق القرآن فهی یمین فیها کفارة واحدة وکذا لو حلف بالتوراة والإنجیل ونحوهما من کتب الله (الاقناع ۴/۳۳۱) (اگر کسی نے اللہ کے کلام کی یا مصحف کی یا قرآن کی یا اس کی کسی سورت یا آیت کی یا قرآن کے حق کی قسم کھائی تو یہ (منعقد) قسم ہوگی، ایسا ہی جبکہ تورات یا انجیل یا ان کی طرح اللہ کی کتابوں میں سے کسی کتاب کی قسم کھایا (تو قسم درست ہوگی)۔

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ قرآن کی طرح بائبل اور تورات وغیرہ پر حلف لینا ائمہ اربعہ کے نزدیک درست ہے، اس لیے کسی عیسائی ملک میں منتخب مسلم رکن کو بائبل پر حلف لینا پڑے تو اس کے لیے یہ عمل درست ہوگا۔

مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ کرنے والی سیکولر جماعت میں شمولیت کا حکم:

بعض سیاسی جماعتیں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کی راہ میں مناسب اور موزوں سمجھی جاتی ہیں، لیکن ان کے منشور کی بعض دفعات اسلام سے متصادم ہوتی ہیں، ایسی جماعت میں کسی مسلمان کی شرکت اور اس کی طرف سے انتخاب لڑنا جائز ہے، اس لیے کہ اس جماعت کے مسلم مفادات کو ترجیح دینے کی وجہ سے اس کی رکنیت قوم مسلم کے لیے مفید ہوگی، رہی بات اسلام مخالف بعض دفعات کی تو چونکہ عموماً ایسے دفعات میں غالب درجہ نہیں ہوتے، اس لیے ان کی وجہ سے شرکت ممنوع نہیں ہوگی، بلکہ شرکت کے ذریعہ یہ بھی ممکن ہے کہ مسلم رکن اپنی افادیت اور اہمیت کو ثابت کر کے اور مقام و مرتبہ حاصل کر کے منشور کی دفعات میں تبدیلی کی راہ ہموار کر لے، اس لیے ایسی جماعت میں شامل ہونا جائز ہے، کیونکہ قوم مسلم کی سیاسی مسائل کی قیادت کے لیے کسی نہ کسی جماعت سے وابستگی تو اختیار کرنی ہی ہوگی، اور یہ جماعت جو مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ کرتی ہے، بہر حال اس جماعت سے تو بہتر ہی ہوگی جو مسلم دشمنی کے حوالے سے معروف ہو اور فقہی قاعدہ: **الضرر يدفع بقدر الإمكان، يختار أهون الشرين، الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف** وغیرہ سے اسلامی مزاج یہی معلوم ہوتا ہے کہ جہاں ضرر ہی ضرر ہو اور اسلام کی کامل موافقت کی کوئی راہ نہ ہو تو وہاں اسلام سے قریب تر جو راہ ہو اور جس میں ضرر کے اندیشے کم ہوں اس کو اختیار کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے مشرکین کے خلاف یہود سے معاہدہ کیا، حالانکہ یہود بھی اسلام دشمن تھے، لیکن چونکہ ان سے معاہدہ سیاسی طور پر مسلمانوں کے حق میں مفید تھا کہ اس کی وجہ سے مدینہ میں امن کا ماحول پیدا ہوا اور ان کی دشمنی سے مسلمانوں کو راحت ملی اور مشرکین کے مقابلہ میں قوت میں استحکام پیدا ہوا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان سے معاہدہ کیا (الرحیق المختوم ۱/ ۱۷۳)۔

مسلم دشمن سیاسی جماعت میں شمولیت کا حکم:

وہ سیاسی جماعت جو کھلے طور پر مسلم دشمن ہو، اور جس کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہو اس میں شریک ہونا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں شرکت درحقیقت ضرر اخف کو چھوڑ کر ضرر اشد کو اور اہون الشرین کے بجائے اشد الشرین کو اختیار کرنا ہے، جو کہ مزاج اسلام کے بالکل برعکس ہے۔ نیز اس میں شامل ہونا درحقیقت ان کی مسلم دشمن پالیسیوں میں سے ان کی مدد کرنا ہے اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کسی مسلمان کو تکلیف پہنچائے یا تکلیف پہنچانے والوں کی مدد کرے۔ رہی بات یہ کہ اگر کوئی ان کی پالیسیوں میں تبدیلی کی نیت سے شامل ہونا چاہے تو کیا حکم ہوگا؟ حقیقت یہ ہے کہ ایسی جماعتیں جو کھلم کھلا دشمنی پر اتری ہوں ان کی دشمنی کو کم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، بلکہ ایک گونہ ناممکن ہے اور عموماً

ایسا ہی ہوتا ہے کہ ایسی جماعت میں شامل ہونے والا تھک ہار کر اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دینے پر مجبور ہوتا ہے اور قوم کے مفاد کو بھول جاتا ہے، اس لیے محض اس مفروضہ کی وجہ سے اس کو جائز نہیں کہا جا سکتا جبکہ مسلمانوں کے دشمن کا تعاون صریح حرام ہے اور ایسے ظالمین کے معاونین کے حق میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

إنها ستكون بعدى أمراء يكذبون ويظلمون، فمن دخل عليهم، فصدقهم بكذبهم، وأعانهم على ظلمهم، فليس منى، ولست منه وليس بوارد على الحوض، ومن لم يصدقهم بكذبهم و يعنهم على ظلمهم، فهو منى وأنا منه، و هو وارد على الحوض (مسند احمد:۱۸۱۲۶)۔

(بے شک میرے بعد ایسے امراء ہوں گے جو جھوٹ بولیں گے اور ظلم کریں گے، جو شخص ان کے پاس جائے گا ان کے جھوٹ کی تصدیق کرے گا اور ان کے ظلم میں ان کی مدد کرے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی میرا اس سے کوئی تعلق ہے اور اس کو حوض کوثر کی حاضری نصیب نہ ہوگی اور جو شخص ان کے جھوٹ کی تصدیق کرے گا اور نہ ہی ان کے ظلم میں ان کی مدد کرے گا تو اس کا مجھ سے تعلق ہے اور میرا اس سے تعلق ہے اور اس کو میرے حوض کوثر پر حاضری نصیب ہوگی)۔

مسلمانوں کے لیے علاحدہ سیاسی جماعت کا قیام:

اسلامی تعلیم یہ ہے کہ دنیا کے جس کسی خطے میں بھی مسلمان مقیم ہوں، وہاں اپنے درمیان کسی کو اپنا حاکم و امیر مقرر کریں اور ایک امیر کے جھنڈے تلے سارے مسلمان جمع ہوں، اور ایک امیر کی نگرانی میں ان کا متحدہ پلیٹ فارم ہو۔

إنهم لم يختلفوا فى وجوب نصب إمام للمسلمين (الموسوعۃ الفقہیہ ۶/۲۱۷)(مسلمانوں کے لیے کسی امام کے انتخاب کے واجب ہونے میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں ہے)۔

لیکن موجودہ زمانے میں امت کے مختلف بنیادوں پر افتراق و انتشار اور نظریاتی و مسلکی تناؤ نے امت کو اتحاد کی قوت سے محروم کر دیا ہے اور پورے عالم میں بالخصوص ان ممالک میں جہاں مسلم اقلیت میں ہیں مسلمانوں کو اتنا کمزور کر دیا ہے کہ الامان والحفیظ۔ اور پھر اس کا برا انجام ہر سال ایسا بھیانک ظاہر ہو رہا ہے جو توقع سے کہیں زیادہ ہے۔ ان حالات میں واقعی اس بات کی ضرورت اور بڑھ جاتی ہے کہ مسلمانوں کا کوئی متحدہ سیاسی پلیٹ فارم ہو جو مسلمانوں کے مسائل کی نمائندگی کرے اور ان کو حل کرنے کی کوشش کرے اور اس پلیٹ فارم کو اتحاد کی ایسی قوت حاصل رہے کہ اس کی آواز صدائے بازگشت کے بجائے موثر ہو۔

لیکن ماضی کے حالات اور مسلمانوں کے موجودہ باہمی اختلافات کے پس منظر میں ایسی کسی جماعت کا وجود نہ ہو تو ممکن ہے اور نہ ہی مناسب ہے، کیونکہ کسی ایسی جماعت کو پوری امت کی تائید نہ حاصل ہونے کی وجہ سے اس کو قوت حاصل

نہیں ہوسکتی۔ ظاہر ہے کہ جہاں مسلم اقلیت میں ہوں وہاں ایسی بے قوت جماعت کا کیا فائدہ جسے خود اپنوں کی تائید حاصل نہ ہو، بلکہ اس کا منفی اثر یہ یقیناً ہوگا (جیسا کہ ماضی میں ہوا) کہ مسلمان مخالف ووٹ متحد ہوجائیں گے اور پھر اس اتحاد سے فرقہ پرست طاقتیں ابھر کر سامنے آئیں گی اور سیکولر جماعتیں بھی اپنی پالیسیوں میں تبدیلی کر کے اکثریت کے ووٹ کو حاصل کرنے والی شکل اختیار کریں گی۔ ظاہر ہے کہ صورت حال اس سے اور بھی ابتر ہوگی۔

الیکشن میں خواتین کا کردار:

اللہ نے مردوں اور عورتوں میں صنفی فرق رکھا ہے اور اس کے مطابق ذمہ داریاں دی ہے۔ مردوں میں طاقت وقوت رکھا ہے، اس لیے اس کے مناسب امور ان کے ذمہ لگائے ہیں اور عورتوں میں مردوں کے بہ نسبت طاقت وقوت کم رکھا ہے تو ان کو ان کی صنفی نزاکت کے مطابق ایسی ذمہ داریاں دی ہے جن میں طاقت وقوت کی ضرورت نہیں۔

لیکن موجودہ زمانہ میں آزادی نسواں کے پرفریب نعروں نے مختلف مسائل پیدا کیے ہیں اور ہر میدان میں (چاہے وہ عورتوں کی صنفی نزاکت سے کتنا ہی ناموافق کیوں نہ ہو) عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ لاکھڑا کیا ہے، انہیں میدانوں میں سے ایک میدان میدان قیادت ہے جس میں عورتوں کو اتارا ہی نہیں جارہا ہے بلکہ اس میں عورتوں کے آنے کے لئے جبری حالات پیدا کیے جارہے ہیں جس کی ایک مثال خواتین کے لیے سیٹوں کا ریزرو کرنا ہے۔

اسلام میں جہاں مردوں کو اپنے امیر وحاکم، نگراں اور رہبر ورہنما کے انتخاب کے سلسلہ میں اپنا ووٹ دینے کا حق ہے، وہیں عورتوں کو بھی اس شہادت اور ووٹ کا حق حاصل ہے اور انہیں بھی اس شرعی فریضہ کو ادا کرنے کے لیے ووٹ دینا چاہیے۔ بشرطیکہ اس سے کسی فتنہ اور ان کی عصمت وعفت پر آنچ آنے کا اندیشہ نہ ہو۔

عورتوں کو یہ حق اس لیے حاصل ہے کہ ووٹ شہادت کے حکم میں ہے اور عورتیں بھی اہل شہادت میں ہیں، کیونکہ اہل شہادت ہونے کے لیے مذکر ہونا شرط نہیں ہے اور قرآن کریم وحدیث میں ان کی شہادت کو معتبر مانا گیا ہے۔

امیر کے انتخاب میں عورتوں کی رائے کی اہمیت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ کے انتخاب کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کی طرف سے نامزد اصحاب شوری نے جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو یہ ذمہ داری دی کہ وہ عام لوگوں کی رائے معلوم کریں تو انہوں نے مردوں کے ساتھ عورتوں کی رائے بھی معلوم کی (نهض عبدالرحمن بن عوف رضی الله عنه، يستشير الناس فيهما و يجتمع برئوس الناس و اجنادهم، جميعا واشتاتا، مثنى وفرادى ومجتمعين، سرا وجهرا، حتى خلص، الى النساء المخدرات فى حجالهن، البدایۃ والنہایۃ ۲۱۱/۱۰)۔

اور ووٹ ڈالنے کے لیے عورت کا گھر سے نکلنا اور ووٹنگ سینٹر تک جانا بھی جائز ہوگا، بشرطیکہ وہ گھر سے نکلنے کے تمام شرعی آداب کا اہتمام کرے اور اس کے وہاں جانے میں کسی فتنہ وفساد کا امکان نہ ہو، فتویٰ مفتی محمودؒ (شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم ملتان) کے ایک فتویٰ میں مذکور ہے: ''رفتن زنان بموضع ووٹ کہ دراں بے پردگی و مانع شرعی دیگر نہ باشد باذن شوہر جائز است'' (فتاوی مفتی محمودؒ ۳۷۰/۱۱)۔

اب رہی بات کہ کیا عورتیں خود کو امیدوار کی حیثیت سے پیش بھی کر سکتی ہیں اور ان کو عہدہ ومنصب دیا جا سکتا ہے؟

اس سلسلہ میں بخاری شریف میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت ہے فرماتے ہیں:

لما بلغ رسول الله ﷺ أن أهل فارس قد ملكوا عليهم بنت كسرى، قال: "لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة" والمنع من أن تلى الامارة والقضاء قول الجمهور وأجازه الطبرى وهى رواية عن مالك وعن أبى حنيفة تلى الحكم فيما تجوز فيه شهادة النساء (فتح الباری: ۱۲۸/۸)۔

(جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا سربراہ بنالیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جنہوں نے اپنا سربراہ عورت کو بنالیا)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو امارت دینا اور عہدہ ومنصب عطا کرنا درست نہیں ہے، چنانچہ اسی کے مطابق علامہ خطابی اور بقول ابن حجر عسقلانی جمہور علماء اسی بات کے قائل ہیں کہ عورتوں کو امامت وقضا کا منصب دینا درست نہیں ہے، جبکہ طبری اور امام مالک کے نزدیک درست ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جن چیزوں میں عورتیں گواہی دے سکتی ہیں ان میں قاضی بھی بن سکتی ہیں (احکام القرآن: ۴۸۲/۳)۔

یعنی ابن جریر طبری اور امام مالک علیہما الرحمۃ کے نزدیک مطلقاً ان کو امارت وقضا کا منصب دینا درست ہے اور امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے اس روایت کی ممانعت سے قضا وغیرہ کے مناصب کو جن میں وہ کسی کے تابع ہوتی ہے مستثنیٰ مانا ہے، لیکن علامہ ابوبکر ابن العربی اس کو متفقہ طور پر ناجائز قرار دیتے ہیں اور امام ابوحنیفہ اور امام طبری سے منقول جواز کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهذا نص فى أن المرأة لا تكون خليفة، ولاخلاف فيه، ونقل عن محمد بن جرير الطبرى امام الدين أنه يجوز أن تكون المرأة قاضية، ولم يصح ذلك عنه، ولعله كما نقل عن أبى حنيفة أنها تقضى فيما تشهد فيه وليس بأن تكون قاضية على الإطلاق، ولا بان يكتب لها منشور بأن فلانة مقدمة على الحكم، إلا فى الدماء والنكاح، وإنما ذلك كسبيل التحكيم، أو الاستبانة فى القضية الواحدة،

بدلیل قوله ﷺ: لن یفلح قوم ولوا أمرهم امرأة" و هذا هو الظن بأبی حنیفة ابن جریر (ردالمحتار ۵/۴۴۰)۔

(یہ حدیث اس بات کی تصریح ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہوسکتی ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور امام محمد بن جریر طبری سے نقل کیا گیا ہے کہ عورت کا قاضی ہونا صحیح نہیں ہے، شاید یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ عورت جن امور میں شہادت دے سکتی ہے ان میں فیصلہ بھی کرسکتی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ علی الاطلاق قاضی بن جائے یا یہ کہ اس کے نام پروانہ جاری کردیا جائے کہ فلاں عورت کو حدود اور نکاح کے علاوہ اور دیگر امور میں منصب عدالت پر مقرر کیا جاتا ہے، عورت کے فیصلہ کے صحیح ہونے کی بس یہی صورت ہوسکتی ہے کہ کسی معاملہ میں دو فریق اس کو حکم مان لیں یا کبھی کسی قضیہ میں اس کو نائب بنادیا جائے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے امر حکومت عورت کے سپرد کردیا، امام ابوحنیفہ اور امام جریر کے بارے میں یہی گمان کیا جاسکتا ہے)۔

اس عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام ابوحنیفہ بھی اس کے جواز کے قائل نہیں ہیں، اسی لیے درمختار میں حدود وقصاص کے علاوہ میں عورت کے فیصلہ کو قبول کیے جانے کی صراحت کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ اس کو قاضی اور والی بنانے والا گنہگار ہوگا۔

والمرأة تقضی فی غیر حد وقود وإن أثم المولی لها، لخبر البخاری: لن یفلح قوم ولوا أمرهم امرأة (فتح القدیر ۷/۲۹۸) (عورت غیر حدود وقصاص میں فیصلہ کرسکتی ہے، اگرچہ عورت کو قاضی بنانے والا گنہگار ہوگا، کیونکہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے: "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے امر حکومت عورت کے سپرد کردیا)۔

گویا حدود وقصاص کے علاوہ امور میں عورت کو قاضی بنانا عمل معصیت اور باعث گناہ ہے، پھر بھی اگر ایسا کیا گیا تو اس کے فیصلہ کو اس لیے قبول کیا جائے گا کہ وہ اہل شہادت میں ہے، گویا امام اعظم عورت کو منصب دیے جانے کے مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ سے الگ نہیں ہیں بلکہ ان کے نزدیک بھی یہ ایسا ہی ناجائز ہے جیسا کہ ان تینوں حضرات کے نزدیک ناجائز ہے، اختلاف صرف اس میں ہے کہ اگر غیر حدود وقصاص میں اتفاقاً کسی خاص حالت میں اس کو فیصلہ کرنا پڑا اور اس نے موافق شریعت فیصلہ کیا تو اس کا یہ فیصلہ جائز ہوگا یا نہیں؟ امام ابوحنیفہؒ اس کو جائز مانتے ہیں جبکہ ائمہ ثلاثہ اس کو ناجائز مانتے ہیں۔

علامہ ابن ہمام علیہ الرحمۃ کی عبارت سے یہ حقیقت اور بھی واضح ہوجاتی ہے:

ویجوز قضاء المرأة فی کل شیء إلا فی الحدود والقصاص و قال الأئمة الثلاثة: لایجوز لأن المرأة ناقصة العقل لیست أهلا للخصومة مع الرجال فی محافل الخصوم، قال ﷺ: لن یفلح قوم ولوا أمرهم امرأة رواه البخاری، والجواب أن ما ذکر غایة ما یفید منع أن تستقضی وعدم حله،

والكلام فيما لو وليت وأثم المقلد بذلک أو حكمهما خصمان فقضت قضاء موافقا لدين الله أكان ينفذ أم لا؟ لم ينتهض الدليل على نفيه بعد موافقته ما انزل الله (فتح القدیر ۷ / ۲۹۸)۔

(عورت کو قضا ہر چیز میں صحیح ہے مگر حدود وقصاص میں صحیح نہیں ہے اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ عورت ناقص العقل ہے اور وہ خصوم کی محفلوں میں مردوں کے ساتھ خصومت کی اہل نہیں ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے امر حکومت عورت کے سپرد کر دیا (بخاری) اور جواب یہ ہے کہ جو دلائل ذکر کیے گئے ہیں ان سے زیادہ سے زیادہ جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ عورت کو قاضی بنانا ممنوع ہے، حلال نہیں ہے اور ہماری گفتگو اس صورت میں ہے کہ اگر عورت کو قاضی بنا دیا گیا اور بنانے والا گنہگار رہوا، یا دو فریقوں نے اسے حکم بنا لیا، اور عورت نے ایسا فیصلہ کر دیا جو اللہ کے دین کے موافق ہے تو کیا اس کا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟ اس کی نفی پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی جبکہ وہ فیصلہ ما انزل اللہ (شریعت) کے موافق بھی ہو)۔

اس عبارت سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ائمہ ثلاثہ کی طرح امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک بھی عورت کو قاضی بنانا یا منصب دینا درست نہیں، اس لیے عورت کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہوسکتا کہ وہ خود کو منصب کی طلب کے میدان میں اتارے، جبکہ اس میدان میں آنے کے لیے اسے یقیناً بے شمار محرمات کا بھی ارتکاب کرنا پڑے گا، لازما اسے بے پردہ ہونا پڑے گا، مردوں کی محفلوں میں بے محابا اسے شرکت کرنی ہوگی اور بھی دیگر غیر شرعی امور کو اسے اختیار کرنا ہوگا جن میں قدم قدم پر اس کی عفت وعصمت کو یقینی خطرات سے دوچار ہونا پڑے گا اور یہ امور شریعت اسلامیہ میں قطعاً ممنوع ہیں، اس لیے عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ خود کو امیدوار کی حیثیت سے پیش کرے۔

الیکشن سے مربوط شرعی مسائل

مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی ☆

۱- ووٹ شرعی اعتبار سے شہادت ہے، اس لیے کہ فقہائے کرام نے شہادت کی تعریف یوں کی ہے: **الإخبار بحق للخير على الغير فی مجلس القضاء** (الموسوعة الفقهيه۲۱۶/۱۶) (مجلس قضاء میں کسی دوسرے کے خلاف کسی اور دوسرے کے حق کی خبر دینا شہادت ہے)۔

الیکشن میں ووٹ دہندہ ووٹ دیتے وقت اپنے پسندیدہ امیدوار کے لیے مندرجہ ذیل امور میں سے تمام کے یا ان سے زائد کے یا ان میں سے بعض کے حقدار ہونے کی خبر دیتا ہے:

۱- میرا امیدوار موجودہ تمام امیدواروں میں سب سے زیادہ انصاف پسند، ایماندار اور لائق امیدوار ہے۔

۲- میرا امیدوار عوام کی نمائندگی کا اہل ترین امیدوار ہے۔

۳- میرا امیدوار وزارت کے منصب پر فائز ہونے کا اہل ہے۔

۴- میرا امیدوار عوام کا ہمدرد وغمگسار ہے۔

۵- اس امیدوار کے ہارنے سے عوام کو دینی، جانی، مالی یا اخلاقی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

اس طرح ووٹ **الاخبار بحق للغير على الغير فی مجلس القضاء** ہے، یہاں مجلس قضاء الیکشن کمیشن ہے، اس لیے کہ وہی ووٹوں یعنی شاہدوں کے تعداد کی گنتی کرتا ہے اور ووٹ کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کرتا ہے اور جب کوئی انتخابی مسئلہ الیکشن کمیشن سے حل نہیں ہوتا تب ملک کی عدالتوں سے اس کا فیصلہ ہوتا ہے۔

نیز فقہائے عظام نے شہادت کے پانچ ارکان بتائے ہیں۔ **ارکان الشهادة عند الجمهور خمسة أمور: الشاهد، والمشهود له، والمشهود عليه، والمشهود به، والصيغة** (مغنی المحتاج ۲۶/۴ للامام النووی دار احياء التراث العربی بيروت لبنان)۔

☆ الجامعہ الاسلامیہ شانتاپورم پیرکاڈ، کیرالہ۔

شہادت کے یہ پانچوں ارکان الیکشن میں بھی پائے جاتے ہیں:

۱-الشاہد: انتخاب میں ووٹر شاہد ہے۔

۲-مشہود لہ: ووٹر کا پسندیدہ امیدوار مشہود لہ ہے۔

۳-مشہور علیہ: وہ امیدوار ہیں جن کو امیدوار نے پسند نہیں کیا اور انہیں ووٹ نہیں دیا۔

۴-مشہود بہ: ووٹر کے پسندیدہ امیدوار کی وہ قابلیتیں اور لیاقتیں ہیں جن کی بنیاد پر ووٹر نے اسے ووٹ دیا ہے۔

۵-صیغہ: آج کل ووٹنگ کے مختلف طریقے ہیں اگر زبان سے ووٹنگ ہورہی ہے تو ووٹنگ کے لیے جس کلمے کا یا جس لفظ کا انتخاب کیا گیا ہے وہی کلمہ یا لفظ شہادت کے صیغے کے قائم مقام ہوگا اور اگر تحریری طور پر ووٹنگ ہورہی ہے تو ووٹنگ کے لیے متعین تحریر ہی شہادت کا صیغہ مانا جائے گا اور اگر بٹن دبا کر ووٹنگ ہورہی ہے (جو کہ فی زمانہ الیکشن کا عام طریقہ ہے) تو بٹن دبانا بھی زبان سے ادا کیے گئے شہادت کے صیغے کے قائم مقام ہوگا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان سورہ مائدہ کی آٹھویں آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اسی طرح اسمبلیوں اور کونسلوں وغیرہ کے انتخاب میں کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی ایک شہادت ہے جس میں ووٹ دہندہ کی طرف سے اس کی گواہی ہے کہ ہمارے نزدیک یہ شخص اپنی استعداد اور قابلیت کے اعتبار سے بھی اور دیانت وامانت کے اعتبار سے بھی قومی نمائندے بننے کے قابل ہے۔

مولاناؒ نے ووٹ کو شفاعت اور وکالت بھی کہا ہے اور ووٹ کے تینوں حیثیتیں بالتفصیل پیش کرنے کے بعد خلاصہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں: خلاصہ یہ کہ ہمارا ووٹ تین حیثیتیں رکھتا ہے: ایک شہادت، دوسرے شفاعت اور تیسرے حقوق مشترکہ میں وکالت، تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک صالح اور قابل آدمی کو ووٹ دینا موجب ثواب عظیم ہے اور اس کے ثمرات اس کو ملنے والے ہیں۔اسی طرح نااہل اور غیر متدین شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری شفاعت بھی ہے اور ناجائز وکالت بھی اور اس کے تباہ کن ثمرات بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے۔

اس لیے ہر مسلمان ووٹر پر فرض ہے کہ ووٹ دینے سے پہلے اس کی تحقیق کرلے کہ جس کو ووٹ دے رہا ہے وہ کام کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں اور دیانت دار ہے یا نہیں (معارف القرآن ۲/۳۷ بیت الحکمت دیوبند ۱۹۸۲ء)۔

۲-جب ہم نے ووٹ کو شہادت مان لیا تو ووٹ کے احکام بھی وہی ہوں گے جو شہادت کے ہیں، لہٰذا جس طرح شہادت فرض کفایہ ہے، اسی طرح ووٹ دینا بھی واجب کفایہ ہوگا اور جس طرح عدد کافی کی گواہی سے پوری جماعت گناہ سے بچ جائے گی، اسی طرح عدد کافی کی ووٹنگ سے پوری جماعت گناہ سے بچ جائے گی، مگر چونکہ ووٹنگ کے وقت یہ پتہ نہیں چلتا

کہ کامیاب ہونے کے لیے کتنے ووٹوں کی ضرورت ہے، اس لیے ووٹ دینا ہر مسلمان پر واجب ہے اور جس طرح گواہی کی ادائیگی میں اگر ضرر ہو تو گواہی لازم نہیں ہوگی، اسی طرح ووٹ دینے میں اگر ضرر ہو تو ووٹ دینا لازم نہیں ہوگا مثلاً ماحول کشیدہ اور ووٹنگ بوتھ تک جانے اور وہاں ووٹ ڈالنے میں جان و مال یا عزت وآبرو کا خطرہ ہو تو ووٹ دینا واجب نہیں ہوگا۔

تحمل شہادت اور اس کی ادائیگی فرض کفایہ ہے:

تحمل شہادت اور اس کی ادائیگی فرض کفایہ ہے، اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **ولایاب الشهداء اذا مادعوا** (البقرہ ۲۸۲) (جب گواہوں کو گواہی کے لیے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: **وأقيموا الشهادة لله** (الطلاق: ۲) (اور اللہ کے واسطے گواہی سیدھی ادا کرو)، یعنی یہ گواہوں کو ہدایت ہے کہ شہادت کے وقت ٹیڑھی ترچھی بات نہ کریں، بلکہ صاف صاف اور حق بات کہیں۔ کسی دباؤ میں نہ آئیں، نیز حکم خداوندی ہے: **ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه** (البقرہ:۲۸۳) (اور گواہی کو مت چھپاؤ اور جو شخص اس کو چھپادے تو بے شک اس کا دل گنہگار ہے) اور اس لیے کہ شہادت ایک امانت ہے جس کی ادائیگی دوسری امانتوں کی طرح لازم ہے، لہٰذا عدد کافی جب اس امانت کو ادا کردے گا تو پوری جماعت سے اس کا ادا نہ کرنے کا گناہ ساقط ہوجائے گا اور اگر سب لوگ گواہی سے رک گئے تو سب لوگ گنہگار ہوں گے۔

ووٹ دینا واجب کفایہ ہے:

چونکہ ووٹ بھی شہادت ہے یا شہادت کے قائم مقام ہے، لہٰذا ووٹنگ بھی واجب کفایہ ہوگی، یعنی اگر کسی نیک اور قابل شخص کو اتنے لوگوں نے ووٹ دے دیا کہ وہ کامیاب ہوگیا تو سارے لوگوں کی طرف سے ووٹنگ نہ کرنے کا گناہ ساقط ہوجائے گا اور اگر کوئی نیک اور اہل ترین امیدوار ہار جاتا ہے تو ان لوگوں کو ووٹنگ نہ کرنے کا گناہ ہوگا جن لوگوں نے بغیر کسی عذر کے ووٹ نہیں ڈالا یا جان بوجھ کر اپنے ووٹ کو خراب کردیا۔

ایماندار، متقی اور قیادت کے لائق امیدوار کو اتنے لوگوں کا ووٹ دینا واجب ہوگا جتنے لوگوں کے ووٹ دینے سے وہ کامیاب ہوجائے، باقی لوگوں کو ووٹ دینا مستحب ہوگا۔ مگر چونکہ انتخاب میں پہلے سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کامیاب ہونے کے لیے کتنے ووٹوں کی ضرورت ہے، اس لیے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ایسے امیدوار کو ووٹ دے جو اسلام اور مسلمانوں کے حق میں سب سے بہتر ہو اور اس کے کامیاب ہونے کے امکانات بھی ہوں۔

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی امیدوار فی نفسہ سب سے اچھا ہوتا ہے، مگر وہ بہت زیادہ مقبول نہیں ہوتا یا اس کی پارٹی عوام میں کوئی اثر نہیں رکھتی اور اس کو ووٹ دینے سے ایک ایسے امیدوار کے کامیاب ہونے کے امکانات بڑھ جاتے

ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے حق میں سب سے زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ ہندوستانی انتخابات میں کئی بار کا مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ جہاں مسلمان تیس تا پچاس فیصد ہیں وہاں افضل اور بہتر کا صحیح انتخاب نہ ہو پانے اور مسلمانوں کے ووٹوں کے بکھراؤ کی وجہ سے ایسی پارٹی کے امیدوار کامیاب ہوجاتے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کی کھلی دشمن ہے۔

گواہی سے رک جانا گناہ ہے:

جب گواہ کی گواہی مشہود لہ کے لیے مفید ہو اور گواہی دینے میں کوئی ضرر بھی نہ ہو تو گواہی سے رک جانا گناہ ہے، اس لیے کہ حکم خداوندی ہے: **ولا تکتموا الشهادة ومن یکتمها فإنه اثم قلبه** (البقرہ/۲۸۳) (اور گواہی کو مت چھپاؤ اور جو شخص اس کو چھپائے تو بے شک اس کا دل گنہگار رہے)۔

اور جب بار گواہی اٹھانے یا اس کی ادائیگی میں ضرر ہو یا اس کی شہادت مفید نہ ہو، اس طرح کہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جن کی شہادت قابل قبول نہیں ہوتی تو اس کے اوپر گواہی لازم نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ولا یضار کاتب ولا شهید** (البقرہ/ ۲۸۲) نہ تو لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **لا ضرر ولا ضرار** (ابن ماجہ ۲/ ۷۸۴ ط الحلبی)۔

۳- الیکشن موجودہ زمانہ کا جہاد ہے، جس طرح پہلے زمانے میں طاقت کا فیصلہ تلواروں سے ہوتا تھا اور آج بھی بندوقوں، توپوں، ٹینکوں، میزائلوں اور بمبار جہازوں کا بہت اثر ہے، مگر آج کے زمانے میں ہتھیاروں کے ذریعے بہت دنوں تک حکومت نہیں کی جاسکتی، بلکہ اس کے لیے عوامی حمایت یا دوسرے لفظوں میں عوامی گواہی کی ضرورت پڑتی ہے۔

جہاد کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہوتا ہے۔ اگر الیکشن کا مقصد بھی اعلائے کلمۃ اللہ ہوجائے، تو الیکشن بھی جہاد بن جائے گا اور چونکہ الیکشن جہاد کی ایک شکل ہے، لہٰذا جو احکام جہاد کے ہیں، وہی احکام الیکشن کے ہوں گے۔

ارشاد رسول اکرم ﷺ: **إنما الأعمال بالنیات** (فتح الباری ۱/ ۱۵ دار العلوم ریاض سعودیہ) کی رو سے اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے، لہٰذا الیکشن میں امیدوار بننے کی مندرجہ ذیل صورتیں ہوسکتی ہیں اور اس کے مندرجہ ذیل احکام ہوسکتے ہیں:

الیکشن میں امیدوار بننا واجب ہے:

اگر الیکشن میں امیدوار بننے سے اسلام اور مسلمانوں کو نفع پہنچنے کا یقین یا گمان غالب ہو تو الیکشن میں امیدوار بننا واجب ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة** (الانفال/ ۶۰) (ان کے ساتھ لڑائی کے واسطے حسب طاقت قوت جمع کرو)۔

امیدوار بننا مستحب ہے:

اور اگر الیکشن میں امیدوار بننے سے اسلام اور مسلمانوں کو نفع پہنچنے کا یقین یا گمان غالب تو نہ ہو مگر امید ہو کہ میرے الیکشن میں امیدوار بننے سے اسلام اور مسلمانوں کو نفع پہنچ سکتا ہے۔ تو اس صورت میں امیدوار بننا مستحب ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وابتغوا من فضل الله** (الجمعة ۱۰/) (اور اللہ کا فضل ڈھونڈو)۔ سیاسی قوت وطاقت بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، بلکہ یہ فضل تو بہت سارے فضلوں کا دروازہ ہے۔

مندرجہ بالا دونوں صورتوں میں الیکشن لڑنا بھی جہاد ہے۔

امیدوار بننا جائز ہے:

اور اگر امیدوار بننے سے اسلام اور مسلمانوں کا کوئی نقصان نہ ہو مگر اس کا اپنا ذاتی فائدہ ہو تو یہ اس کے لیے کسب معاش کا ایک ذریعہ ہوگا اور یہ اس کے لیے صرف جائز ہوگا، اس لیے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے: **الأصل فی الأشیاء الإباحة** (شرح منظومة القواعد الفقهية للسعدی ۳/۴)۔

امیدوار بننا ناجائز ہے:

اور اگر امیدوار بننے سے اسلام اور مسلمانوں کا نقصان ہو تو اس صورت میں امیدوار بننا ناجائز ہے، اس لیے کہ یہ اسلام دشمنی ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: **ومن يشاقق الله ورسوله فان الله شديد العقاب** (الانفال ۱۳/) (اور جو کوئی مخالف ہو اللہ کا اور اس کے رسول کا تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے)۔

اور ارشاد ہے: **ولا تكونوا كالذين خرجوا من ديارهم بطرا ورئاء الناس ويصدون عن سبيل الله والله بما يعملون محيط** (الانفال ۴۷/) (اور ان جیسے مت ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کے لیے نکلے اور وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے تھے)۔

۴- اصل تو یہ ہے کہ جن جن اداروں اور حکومتوں میں مخالف شریعت قوانین بنائے گئے ہیں ان ان اداروں اور حکومتوں میں مسلمانوں کے لیے شامل ہونا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

۱- **وماكان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمرا أن يكون لهم الخيرة من أمرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبينا** (الاحزاب: ۳۶) (اور (دیکھو) کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ

صریح گمراہی میں پڑے گا)۔

مگر مندرجہ ذیل چند مصالح کے پیش نظر اس اصل سے خروج کیا جاسکتا ہے:

تقلیل الشر والظلم مطلوب بقدر الاستطاعة (بقدر استطاعت ظلم اور برائی کو کم کرنا مطلوب ہے)۔

(۱) **فاتقوا الله ما استطعتم فاسمعوا وأطيعوا** (التغابن/۱۶) (پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور سنتے اور مانتے چلے جاؤ)۔

(۲) **إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم** (متفق علیه) (جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو بقدر استطاعت اسے بجالاؤ)۔

(۳) **لا يكلف الله نفسا إلاوسعها** (البقرہ:۲۸۶) (اللہ نے ہر جان کو اس کی وسعت کے بقدر ہی مکلّف بنایا ہے)۔

(۴) نجاشی نے اسلامی نظام قائم نہیں کیا اور رسول اللہ نے اسے ناپسند نہیں کیا۔

(۵) **كل شئ أولا شئ** کا فلسفہ شرعاً اور عملاً مرفوض ہے۔

(۶) دوسری مصلحت ارتکاب اخف الضررین ہے۔

مندرجہ بالا اصولوں کے پیش نظر اسلام اور مسلمانوں کے مصالح کے پیش نظر ان قانون ساز اداروں کا ممبر بننا بھی درست ہے جو مخالف شریعت قوانین بناتے ہیں۔

البتہ مسلمان ممبر پر واجب ہوگا کہ وہ حکمت کے ساتھ مخالف شریعت قوانین کو پاس ہونے سے روکے، یا جو مخالف شریعت قوانین بنے ہوئے ہیں ان کو حتی الامکان کالعدم کرنے کی کوشش کرے، اسے ہر وقت یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ مجاہد اسلام ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ کب کتنی قوت سے کہاں ضرب لگانی ہے۔ اسلام کا بہترین مجاہد تو وہی ہوتا ہے جو دل میں بھی ایمان رکھتا ہے اور لڑنے کے فن سے بھی واقف ہوتا ہے۔

وہیپ کا استعمال بہت کم ہوتا ہے اور وہیپ سے ڈر کر کسی مناسب پارٹی کا ممبر نہ بننا ایسا ہی ہے جیسے کوئی سانپ، بچھو یا کتّے سے ڈر کر گھر سے نہ نکلے اور روزی کمانا چھوڑ دے اور گھر میں بیٹھا بیٹھا بھوک سے مرجائے۔ ایک صاحب ایمان، باحمیت اور عقلمند مسلمان ایسا نہیں کرسکتا۔ بلکہ وہ تو کوہ منزل میں آنے والے تمام خطرات کا مردانہ وار مقابلہ کرے گا اور حکمت ودانائی کے ساتھ اپنے ایمان وجان کی حفاظت کے ساتھ ساتھ دوسروں کے قلوب کو بھی ایمان کی روشنی سے منور کرے گا، نیز ان کی جانی ومالی حفاظت کے اسباب فراہم کرے گا۔

اس کے اوپر ضروری ہے کہ وہ حتی الامکان اسلام مخالف وہیپ جاری ہونے سے روکے اور اگر اسلام مخالف وہیپ جاری بھی ہوجائے تو یہ دیکھے کہ اس کا اس پارٹی میں رہنا اسلام اور مسلمانوں کے لیے مفید ہے یا نہیں، اگر اس کا اسی پارٹی میں رہنا اسلام اور مسلمانوں کے لیے مفید ہو تو الضرورات تبیح المحظورات بقدر الضرورات کے پیش نظر وہیپ کے مطابق کام کرے، مگر دل سے اسے برا سمجھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **من كفر بالله من بعد إيمانه إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان ولكن من شرح بالكفر صدرا فعليهم غضب من الله ولهم عذاب عظيم** (النحل:۱۰۶) (جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو۔ مگر جو لوگ کھلے دل سے کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہیں کے لیے بہت بڑا عذاب ہے)۔

۵- خلاف شریعت دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا اصلاً جائز نہیں ہے اور اس کے دلائل بھی وہی ہیں جو میں نے سوال نمبر ۴ کے جواب میں تحریر کیا ہے۔

مگر تقلیل الشر والظلم مطلوب بقدر الاستطاعۃ، ارتکاب اخف الضررین اور سنت تدرج جیسے اصولوں کے پیش نظر بدرجۂ مجبوری خلاف شریعت دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا جائز ہے اور اس کے دلائل بھی وہی ہیں جو میں نے سوال نمبر ۴ کے جواب میں تحریر کیا ہے۔

۶- موجودہ بائبل پر حلف لینا گویا موجودہ بائبل کو صحیح سمجھنا اور اس کی تعظیم کرنا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بائبل محرف ہے، لہٰذا اصل کے اعتبار سے بائبل پر حلف لینا جائز نہیں ہے۔ مگر یہاں بھی بدرجۂ مجبوری اخف الضررین اور اہون البلیتین پر عمل کرتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں بائبل پر حلف لینا بھی جائز ہے۔ مگر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ اپنے اس عمل کو دل سے برا سمجھے اور حکمت و دانائی کے ساتھ حتی الامکان کوشش کرے کہ اس طرح کے جابرانہ اور ظالمانہ قوانین ختم ہوجائیں۔

۷- جو سیاسی پارٹیاں سیکولر ہیں اور مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں، مگر ان کے منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام یا اسلامی مفادات کے مغائر ہوتی ہیں۔ ان پارٹیوں میں شریک ہونے، ان کی طرف سے انتخاب لڑنے اور ان کی حکومت میں شامل ہونے سے پہلے یہ دیکھنا پڑے گا کہ وہ مسلمانوں کے کن مفادات کی تحفظ کرتی ہیں اور کن کن اسلامی اور مسلم مفادات کی مخالفت کرتی ہیں۔ ہندوستان میں کمیونسٹ پارٹیاں مسلمانوں کی ہمدرد سمجھی جاتی ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ فکری اعتبار سے اسلام اور مسلمانوں کو جتنا نقصان کمیونسٹوں نے پہنچایا ہے، اتنا نقصان کسی بھی غیر اسلامی تحریک سے اسلام اور مسلمانوں کو نہیں پہنچا ہے۔ مسلم قوم کے ہزاروں عقلاء اور دانشور کمیونزم کے دجالی فتنہ میں مبتلا ہوئے اور اپنی دنیا اور عقبیٰ دونوں کو برباد کرلیا۔

کمیونسٹوں نے مسلمانوں کو معاشی اعتبار سے بھی نقصان پہنچایا ہے۔ سوویت یونین، یوگو سلاویہ اور چین میں کمیونسٹوں نے مسلمانوں کو ہر طرح سے نقصان پہنچایا۔

خود ہمارے ملک کے صوبہ بنگال میں کمیونسٹوں کے ۳۵ سالہ دورِ اقتدار میں مسلمان ہر اعتبار سے کمزور ہوئے ہیں۔

نیز یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ کیا اس پارٹی کا نعم البدل ہے یا نہیں؟ نیز یہ دیکھنا بھی ضروری ہوگا کہ اس پارٹی میں شامل ہونے، ان کی طرف سے انتخاب لڑنے اور ان کی حکومت میں شامل ہونے سے اسلام اور مسلمانوں کے مفادات وابستہ ہیں یا نہیں؟

اگر اس طرح کی پارٹیوں میں شریک ہونے، ان کی طرف سے انتخاب لڑنے اور ان کی حکومت میں شامل ہونے سے اسلام اور مسلمانوں کے مفادات وابستہ ہوں تو ان کی طرف سے انتخاب لڑنا، اور حکومت میں شامل ہونا جائز ہوگا، ورنہ نہیں اور اس کے دلائل بھی وہی ہیں جو میں نے سوال نمبر ۴ کے جواب میں تحریر کیا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ ہندوستان میں دائیں بازوں کی جماعتیں (ہندو فرقہ پرست پارٹیاں) اور بائیں بازو کی جماعتیں (کمیونسٹ پارٹیاں) یہ دونوں طرح کی جماعتیں اسلام اور مسلمانوں کی دشمن ہیں، اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس طرح کی جماعتوں کی کوئی مدد نہ کریں بلکہ ان کے مقابلے میں ان سیکولر پارٹیوں کی حمایت کریں جو دین اسلام کو احترام کی نظروں سے دیکھتی ہوں اور جن کا منشور مسلم مخالف نہ ہو۔ نیز پارٹی کا اندرونی ماحول بھی ایسا ہو جو اسلام پسند مسلم لیڈروں کو اپنے اندر سمونے اور انہیں اسلامی اعتقادات کے مطابق قوم وملت کی خدمت انجام دینے کے مواقع دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو کسی ایک سیکولر پارٹی کا غلام اور بندھوا مزدور بن کر نہیں رہنا چاہیے بلکہ ہمیشہ بہتر سے بہتر کی تلاش میں سرگرداں رہنا چاہیے اور جو پارٹی موجودہ حالات میں اسلام اور مسلمانوں سے سب سے زیادہ قریب ہو اس پارٹی کی حمایت کرنی چاہیے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اصل کے اعتبار سے اس طرح کی پارٹیوں میں شریک ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ ان کے منشور کی بعض دفعات اسلام مخالف یا مسلم مفادات کے مغائر ہیں اور ان پارٹیوں میں شامل ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونا تعاون علی الاثم والعدوان ہے اور تعاون علی الاثم والعدوان جائز نہیں، اس لیے کہ ارشاد خداوندی ہے: **تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان** (۳۱) (نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم وزیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو)۔

نیز ارشاد ہے: **ولا ترکنوا إلی الذین ظلموا فتمسکم النار ومالکم من دون اللہ من أولیاء ثم**

لاتنصرون (ہود:۱۱۳) (دیکھو ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکنا ورنہ تمہیں بھی (دوزخ کی) آگ لگ جائے گی اور اللہ کے سوا تمہارا مددگار نہ کھڑا ہو سکے گا اور نہ تم مدد کیے جاؤ گے)۔

مگر اگر اس طرح کی پارٹیوں میں شریک ہونے، ان کی طرف سے انتخاب لڑنے، اور ان کی حکومت میں شامل ہونے سے اسلام اور مسلمانوں کے مفادات وابستہ ہوں تو **تقلیل الشر والظلم مطلوب بقدر الاستطاعة، ارتکاب اخف الضررین** اور سنت تدرج جیسے اصولوں کے پیش نظر بدرجۂ مجبوری اس طرح کی پارٹیوں میں شامل ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا، اور ان کی حکومت میں شامل ہونا نہ صرف جائز ہوگا بلکہ بعض حالات میں واجب بھی ہوگا۔ ذرا اندازہ لگایئے اگر آزادی کے وقت کانگریس میں مولانا ابوالکلام آزادؒ، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰنؒ، مولانا حسرتؔ موہانی، رفیع احمد قدوائی جیسے لوگ نہ ہوتے تو کیا ہندوستان کے قوانین اتنے متوازن ہوتے جتنے متوازن آج ہیں۔ نیز ذرا غور کیجیے اگر آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزادؒ نہ ہوتے تو کیا ہوتا۔ اس کا اندازہ لگانے کے لئے مشہور ہندو فرقہ پرست پارٹی اینڈ کمپنی کے زیر اقتدار صوبوں کے تعلیمی نظام کا مطالعہ کیجیے۔ نیز کیرل کا تعلیمی نظام بھی دیکھئے جہاں کانگریس محاذ حکومت میں مسلم لیگ کا مسلمان ممبر اسمبلی وزیر تعلیم ہوتا ہے جبکہ کمیونسٹ حکومت میں ہمیشہ کوئی عیسائی وزیر تعلیم ہوتا ہے اور جیسا کہ سب کو معلوم ہے یہاں ہر پانچ سال میں حکومت بدل جاتی ہے۔ پانچ سال کانگریس محاذ (UDF) کی تو دوسرے پانچ سال کمیونسٹ محاذ (LDF) کی حکومت ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس طرح کی پارٹیوں میں شامل ہونے، ان کی طرف سے انتخاب لڑنے، اور ان کی حکومت میں شامل ہونے سے مسلمانوں کی دینی، اخلاقی یا معاشی فائدہ پہنچنے کا یقین یا گمان غالب ہو تو اس طرح کی پارٹیوں میں شامل ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونا واجب ہے۔ تاکہ تعاون علی البر اور تقلیل شر پر عمل ہو سکے۔

۸- جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور ان کے منشور میں بھی اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہے، ایسی سیاسی پارٹیوں کا ممبر بننا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم أولياء تلقون إليهم بالمودة وقد كفروا بما جائكم من الحق** (الممتحنہ:۱) (اے ایمان والو! میرے اور خود اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم تو دوستی کر کے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ وہ اس سچے دین کے منکر ہیں جو تمہارے پاس آچکا ہے)۔

اگر کوئی مسلمان اسلام دشمن اور مسلم دشمن پارٹی میں اس نیت سے شامل ہوتا ہے کہ وہ اس کے اسلام اور مسلم مخالف ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا اگر وہ واقعۃً اپنے اس نیت میں مخلص ہے اور اس کے اندر اس قدر ایمانی جذبہ ہے کہ وہ غیروں سے متاثر نہیں ہوگا اور اس کے اندر اس قدر سیاسی قابلیت ہے کہ وہ مسلم اور اسلام دشمن پارٹی پر کسی طرح بھی اثر انداز

ہوسکتا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچا سکتا ہے تو تقلیل الشر والظلم مطلوب بقدر الاستطاعة کے اصول کے تحت اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس پارٹی میں شامل ہوجائے۔ مگر وہ اپنے مقصد کو کبھی نہ بھولے۔ دشمن پارٹی میں شامل ہونے کی وجہ سے اگر قوم اسے برا بھلا کہتی ہے تو وہ اسے برداشت کرے، اس لیے کہ وہ بظاہر دشمن پارٹی میں ہے اور وہ کسی نہ کسی درجے میں اس دشمن پارٹی سے اپنی وفاداری کا اظہار بھی کرتا ہوگا، اس لیے کہ اظہار وفاداری کے بغیر پارٹی میں نہیں رہ سکتا، لہٰذا قوم کا اسے برا بھلا کہنا بھی جائز اور مناسب ہے۔

۹- جہاں مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی جماعت کا قیام خود مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ہو اور مسلم سیاسی جماعت کے نتیجے میں اسلام دشمن طاقتیں متحد ہوجائیں اور ان کے متحد ہونے کے نتیجے میں مسلمانوں کے ایمان، جان ومال اور عزت وآبرو پر خطرات کے بادل منڈلانے لگ جائیں تو وہاں مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی جماعت کا قیام جائز نہیں ہوگا، اس لیے کہ یہ فتنہ وفساد کا سبب ہوگا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ولا تفسدوا فی الأرض بعد إصلاحها (الاعراف:۵۶) (زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد مت پھیلاؤ)۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے: والفتنة أشد من القتل (البقرہ/۱۹۱) (اور فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے)۔

مسلم اقلیتی ممالک میں مسلمان کیا کریں؟

جہاں مسلمانوں کو علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا ممکن نہ ہو تو وہاں مسلمان خاموش تماشائی نہ بنے رہیں بلکہ حتی الامکان سیاست پر اثر انداز ہونے کی کوشش کریں اور اگر ممکن ہو تو وہ اپنی قیادت میں ایک ایسی سیاسی پارٹی بنائیں جس کا منشور تو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو، مگر اس کے دروازے ہر ایک کے لئے کھلے ہوتے ہوں اور اس پارٹی کو برادران وطن کے سامنے اس طرح پیش کیا جائے کہ یہ پارٹی صرف مسلمانوں کی نہیں ہے بلکہ ہر اس شخص کی ہے جو ظلم کا مخالف اور انصاف پسند ہے۔

ہندوستان جیسے بڑے ملک میں جہاں سرکاری اعداد وشمار کے حساب سے مسلمان صرف ساڑھے تیرہ فیصد ہیں، ایک ایسی سیاسی پارٹی ہی ملکی سطح پر کامیاب ہوسکتی ہے۔ الحمد للہ بعض مسلم قائدین نے اس طرف توجہ دی ہے اور گزشتہ چند سالوں میں اس طرح کی کئی سیاسی پارٹیاں ہندوستانی سیاست کے افق پر نمودار ہوئی ہیں۔ جن میں سے بعض مشہور پارٹیاں یہ ہیں:

۱- پارٹی انڈیا یونائیٹڈ ڈیموکریٹک پارٹی (AIUDF)۔

۲- سوسل ڈیموکریٹک پارٹی (SDPI)۔

۳-ویلفیئر پارٹی آف انڈیا۔

۴-پیس پارٹی۔

۱۰-اگر خواتین کو ووٹ کا حق ہو اور خواتین کو ووٹنگ بوتھ تک جانے میں اور ووٹ دینے میں عزت وآبرو اور جان کا کوئی خطرہ نہ ہو تو جس طرح عام حالات میں مردوں پر ووٹنگ واجب ہے، اسی طرح عام حالات میں خواتین پر بھی ووٹنگ واجب ہے۔اس لئے کہ جس طرح مردوں پر شہادت کا تحمل اور اس کی ادائیگی فرض کفایہ ہے، اسی طرح خواتین پر بھی شہادت کا تحمل اور اس کی ادائیگی فرض کفایہ ہے، اس لیے کہ **أقیموا الشهادة لله** (الطلاق:۲) (اللہ کے واسطے گواہی قائم کرو) کے مخاطب مرد وخواتین دونوں ہیں اور مردوں کے تخصیص کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے اور جیسا کہ میں سوال اول کا جواب میں تحریر کر چکا ہوں کہ ووٹ شہادت ہے اور سوال دوم کے جواب میں تحریر کر چکا ہوں کہ جس طرح شہادت فرض کفایہ ہے، اسی طرح ووٹ دینا بھی واجب کفایہ ہے۔

خواتین کے الیکشن میں امیدوار بننے کا حکم:

اسلام نے خواتین کا دائرۂ عمل گھر کو بنایا ہے اور بلا کسی شرعی یا طبعی ضرورت کے ان کا باہر نکلنا پسند نہیں کیا ہے اور انہیں حکم دیا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں قرار سے رہیں۔

ارشاد خداوندی ہے: **وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الأولی وأقمن الصلوٰة وأتین الزکوٰة وأطعن الله ورسوله** (الاحزاب:۳۳) (اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو، اور نماز ادا کرتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت گزاری کرو)۔

مشہور مفسر علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

اور (قرن سے متعلق) تمام قرأتوں کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے امہات المومنین رضی اللہ عنہا کو ہمیشہ گھر میں رہنے کا حکم دیا ہے اور یہ کام تمام عورتوں سے مطلوب ہے۔ترمذی اور بزار نے ابن مسعودؓ کی روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عورت مستور رہنے کے قابل چیز ہے، جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے اور اللہ کی رحمت سے قریب تر وہ اس وقت ہوتی ہے جبکہ وہ اپنے گھر میں ہو۔

بزارؒ نے حضرت انسؓ کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ عورتیں حضور اکرم ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ساری فضیلت تو مرد لے گئے وہ خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں بڑے بڑے کام کرتے ہیں ہم کیا عمل کریں کہ ہمیں بھی مجاہدین کے برابر اجر مل جائے۔تو ان کے جواب میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’جو تم میں سے گھر

میں بیٹھے گی وہ مجاہدین کے عمل کو پالے گی'' (روح المعانی ۱۱/ ۸۸-۸۷ ادار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)۔

مشہور اہل حدیث عالم علامہ صلاح الدین یوسف وقرن فی بیوتکن کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یعنی ٹک کر رہو اور بغیر ضروری حاجت کے گھر سے باہر نہ نکلو۔ اس میں وضاحت کر دی گئی کہ عورت کا دائرہ عمل امور سیاست و جہانبانی نہیں، معاشی جھمیلے بھی نہیں۔ بلکہ گھر کی چہار دیواری کے اندر رہ کر امور خانہ داری سرانجام دینا ہے'' (قرآن کریم مع ترجمہ از مولانا محمد جوناگڑھی وتفسیری حواشی از مولانا صلاح الدین یوسف پاکستانی۔ شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ پریس سعودیہ)۔

مندرجہ بالا تفاصیل کی روشنی میں میرا موقف یہ ہے کہ خواتین کو صرف خواتین کے لیے محفوظ سیٹوں پر امیدوار بننے کی اجازت ہے اور اگر ایسی محفوظ سیٹوں پر مسلم خواتین کا کامیاب ہونا یقینی ہو یا کامیاب ہوجانے کا گمان غالب ہو تو وہاں سے کسی ایک مسلم خاتون کا امیدوار بننا واجب کفایہ ہے تاکہ وہ کامیاب ہو کر اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کر سکے، برائی کو کم کر سکے اور بھلائی کو عام کر سکے۔ اگر خواتین کے لیے محفوظ سیٹوں پر مسلم خواتین امیدوار نہیں بنیں گی تو لامحالہ غیر مسلم خواتین وہاں سے کامیاب ہوں گی اور اس کا دو نقصان ہوگا: پہلا نقصان یہ ہوگا کہ اسمبلی یا پارلیمنٹ وغیرہ میں مسلمانوں کا تناسب کم ہوجائے گا۔ مثلاً ہندوستانی پارلیمنٹ لوک سبھا ۵۴۳ رکنی ہے۔ اس میں اگر ایک تہائی سیٹیں خواتین کے لیے محفوظ ہوجائیں تو ۱۸۱ سیٹیں خواتین کے لیے محفوظ ہوجائیں گی جس میں مسلم خواتین کا حصہ ۲۵ ہوگا، اس لیے کہ سرکاری اعداد وشمار کے حساب سے مسلمان ہندوستان میں ساڑھے تیرہ فیصد ہیں۔ جبکہ مسلمانوں کا عام تاثر یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمان کم از کم پچیس فیصد ہیں، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سرکاری اعداد وشمار کے حساب سے بھی خواتین کے لیے ایک تہائی ریزرویشن ہونے کی صورت میں کم از کم ۲۵ فیصد مسلم خواتین کو پارلیمنٹ کا ممبر بننا چاہئے، اب اگر حقیقی اور متدین مسلم خواتین ۲۵ پارلیمانی حلقوں سے کامیاب نہیں ہوتی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ غیروں کو اپنا حق دے کر ان کو من مانی کرنے کی چھوٹ دے رہی ہیں اور جس طرح مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنا مال شرابیوں کو شراب پینے کے لیے دے دیں، اسی طرح مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنا کوئی سیاسی حق ان لوگوں کو دے دیں جو غیر اسلامی کام کرتے ہیں، یا اسلام دشمن اور مسلمان دشمن ہوں۔ اس لئے کہ مسلمان کو تعاون علی البر کا حکم دیا گیا ہے اور تعاون علی الاثم سے روکا گیا ہے اور اپنا سیاسی حق غیروں کو دے دینا بھی تعاون علی الاثم میں شامل ہے۔

دوسرا نقصان معاشی ہے۔ آج کل ممبران پارلیمنٹ کو بھی بڑی بڑی تنخواہیں ملتی ہیں، نیز ان کو بہت سارے سرکاری فنڈ ملتے ہیں جنہیں وہ اپنے حلقے کی ترقی کے لئے خرچ کرتے ہیں، لہٰذا جتنے مسلمان ممبران پارلیمان کم ہوں گے اتنا کم مال مسلمانوں کے پاس آئے گا اور بے مائگی یا کم مائگی سے مسلمانوں کے اندر جہالت بڑھے گی، جس کے نتیجے میں مسلمان قوم

تعلیم وتربیت میں دوسری قوموں سے پچھڑ جائے گی۔ اور یہ واقعہ بھی ہے کہ ہندوستان میں آزادی سے پہلے دوسری قوموں کے مقابلے میں مسلمانوں میں اعلیٰ تعلیم کا تناسب سب سے زیادہ تھا، مگر آج سب سے کم ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جو مسلمان معاشی اعتبار سے اور اعلیٰ تعلیم کے اعتبار سے آگے تھے وہ یا تو پاکستان چلے گئے یا فسادات کا شکار ہوئے۔ یا ہندوستانی سرکاری عتاب نے انہیں ذلت کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا، اس لئے مسلم قائدین پر یہ بھی ضروری ہے کہ معاش کے حلال مراکز کی طرف امت کی رہنمائی فرمائیں۔

خلاصہ یہ کہ اگر کامیاب ہونے کا یقین یا گمان غالب نہ ہوتو مسلمان خواتین کے لئے جائز ہے کہ وہ خواتین کے لئے محفوظ سیٹوں پر امیدوار بنیں اور اگر کامیاب ہونے کا یقین یا گمان غالب ہوتو امیدوار بننا واجب کفایہ ہے۔ مگر ہر دوصورت میں مندرجہ ذیل شرائط کا لحاظ ضروری ہے:

۱- ولی یا شوہر کی اجازت شامل ہو۔

۲- شرعی پردہ کی مکمل رعایت ہو۔

۳- لباس دبیز اور مکمل ساتر ہو۔

۴- لباس اس قدر بھڑکیلا نہ ہو کہ مردوں کے لیے کشش کا باعث بنے۔

۵- خوشبو کے استعمال سے بچیں۔

۶- پائل یا چھلوں کے پہننے سے بچیں۔

۷- مردوں سے اختلاط بالکل نہ ہو۔

۸- اگر کبھی اجنبی اور غیر مردوں سے بات کرنے کی ضرورت آن پڑے تو لہجے میں کرختگی ہو۔

۹- شوہر اور بچوں کے حقوق سے بے اعتنائی نہ ہو۔

۱۰- محارم میں سے کوئی ایک ہر وقت اس کے ساتھ ہو۔ بہتر یہ ہے کہ سیاست کرنے والی اور الیکشن میں امیدوار بننے والی ہر عورت اپنے محارم یا شوہر میں سے کسی ایک کو اپنا پرسنل سکریٹری بنالے جو عوامی مجالس اور مردوں کے درمیان اس کی وکالت کرے۔

۱۱- بلاضرورت شدیدہ کے پوسٹروں اور پمفلٹوں پر اپنی تصویر کا استعمال نہ کرے۔

الیکشن سے مربوط اہم مسائل

مولانا عبدالرب عبدالوہاب خان واپی سعادتی ☆

(۱)-ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

نصوص شرعیہ میں غور کرنے سے ووٹ کی متعدد حیثیتیں معلوم ہوتی ہیں:

پہلی حیثیت شہادت:

ووٹر جس شخص کو ووٹ دے رہا ہے، وہ دراصل اس کے متعلق یہ گواہی دے رہا ہے کہ یہ شخص فلاں عہدہ کا اہل ہے، ملک وملت کا خیر خواہ ہے، ساتھ ساتھ امانت دار و دیانت دار بھی، اس کے اندر خدمت خلق کا جذبہ بھی ہے، ایسے امیدوار کو ووٹ دینا سچی گواہی ہے، اس کے برعکس نااہل، ملک وملت کے غدار، مجرم پیشہ اور خودغرض امیدوار کو ووٹ دینا جھوٹی گواہی ہے، جو سخت کبیرہ گناہ ہے اور دنیا وآخرت میں وبال کا باعث ہے، چنانچہ قرآن وحدیث میں جھوٹی گواہی پر بے شمار وعیدیں بیان کی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور" (سورۃ الحج: ۳۰) بخاری شریف کی روایات میں آپ ﷺ نے جھوٹی گواہی کو اکبر الکبائر میں شمار فرمایا ہے (بخاری کتاب الشہادت، باب ما قیل فی شہادۃ الزور ۱/ ۳۶۲/حدیث نمبر ۲۶۵۳)۔

ایک طرف جھوٹی گواہی کو سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے، تو دوسری طرف سچی گواہی کو واجب ولازم قرار دیا گیا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: " یاأیها الذین آمنوا کونوا قوامین لله شهداء بالقسط" (سورۃ المائدہ: ۸) بلکہ سچی گواہی کے چھپانے کو جرم عظیم قرار دیا گیا: "ولا تکتموا الشهادة، ومن یکتمها فإنه آثم قلبه" (سورۃ البقرہ: ۲۸۳) اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "من کتم شهادة اذا دعی الیها کان کمن شهد بالزور" (جمع الفوائد بحوالہ طبرانی مطبوعہ ادارۃ القرآن پاکستان ۲/ ۶۹۸) چونکہ ووٹ بھی ایک شہادت ہے تو قرآن وسنت کے یہ تمام احکام اس پر بھی

☆ خادم جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ، گجرات۔

جاری ہوں گے، لہٰذا نااہل امیدوار کو ووٹ دینے سے احتراز اور باصلاحیت امیدوار کو ووٹ دینا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

دوسری حیثیت سفارش:

ووٹر جس شخص کو ووٹ دے رہا ہے، اس کے بارے میں الیکشن کمیشن بورڈ سے سفارش کرتا ہے کہ یہ شخص پارلیمنٹ کا ممبر بننے کا اہل ہے اور آیت کریمہ: "**من یشفع شفاعة حسنة یکن له نصیب منها، ومن یشفع شفاعة سیئة یکن له کفل منها وکان الله علی کل شئی مقیتا**" (سورۃ النساء الآیۃ ۵۸) کی رو سے جو ووٹر باصلاحیت اور امانت دار امیدوار کو ووٹ دے گا، وہ عنداللہ ماجور ہوگا، خواہ وہ امیدوار ناکام ہی کیوں نہ ہو، اس کے برعکس جو شخص نالائق، فاسق وظالم کو ووٹ دے گا تو وہ گنہگار اور عنداللہ مسئول ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ووٹوں سے کامیاب ہونے والا امیدوار اپنے پانچ سالہ دور میں جو نیک یا برے کام کرے گا، ہم بھی اس کے ثواب وعقاب میں شریک سمجھے جائیں گے۔

تیسری حیثیت مشورہ:

ووٹ کی تیسری حیثیت مشورہ کی ہے، گویا الیکشن کمیشن نے لوگوں سے اپنے اپنے حلقہ سے حکومت کی تشکیل کے لئے ممبرس منتخب کرنے کے بارے میں مشورہ کیا، تو ووٹر ووٹ کے ذریعہ حکومت کے سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے کہ فلاں شخص کو حکومت کی تشکیل میں شامل کیا جائے، اس لیے کہ وہ زیادہ بہتر اور ایماندار ہے۔

چونکہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کے متعلق ارشاد فرمایا: "**المستشار مؤتمن**" (ابوداؤد کتاب الادب باب فی المشورۃ ۲/ ۶۹۹)۔

یعنی جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ مشورہ دینے کے بارے میں امین ہے، اور امانت کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے: "**إن الله یأمرکم أن تؤدوا الأمانات إلیٰ أهلها**" (سورۃ النساء الآیۃ ۵۸۰) اور علامہ قرطبی نے اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھا ہے کہ امانت کا لفظ تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد کو شامل ہے، چنانچہ متعدد صحابۂ کرام مثلاً: ابن عباس، ابی بن کعبؓ وغیرہ نے فرمایا: "**الأمانة فی کل شئ**" کہ امانت کا تعلق ہر چیز سے ہے (تفسیر قرطبی، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی لبنان ۵/ ۲۵۶)۔

لہٰذا ووٹرس کو چاہیے کہ ایسے امیدوار کے انتخاب پر مہر لگائیں جو باصلاحیت، فرض شناس اور ملک وملت کے لیے

مفید ہو ورنہ نااہل کو ووٹ دینا امانت میں خیانت کے مترادف ہے۔

چوتھی حیثیت وکالت:

ووٹ دینے والا گویا امیدوار کو اپنا وکیل اور نمائندہ بناتا ہے کہ فلاں امیدوار اس حلقہ سے حکومت کی تشکیل کرنے اور وزیر اعظم منتخب کرنے کے لیے وکیل ہے۔

اب اگر یہ وکالت کسی شخص کے حق کے متعلق ہوتی اور اس کا نفع ونقصان صرف موکل کی ذات تک محدود ہوتا، تو اس کا یہ خود ذمہ دار ہوتا، مگر یہاں صورت حال یہ ہے کہ وکالت ایسے حقوق کے متعلق ہے جن میں اس کے ساتھ پوری قوم شریک ہے، اس اعتبار سے اگر کسی نااہل کو اپنی نمائندگی کے لئے ووٹ دے کر کامیاب کیا اور اس امیدوار نے پوری قوم وملت کے حقوق کو پامال کیا تو اس کا گناہ بھی اسی نسبت سے ووٹر کی گردن پر پڑے گا۔

پانچویں حیثیت سیاسی معاہدہ وبیعت:

اگر مسلم ملک ہو تو ووٹ کی حیثیت شہادت، سفارش اور وکالت کے علاوہ سیاسی معاہدہ اور بیعت کی بھی ہوگی، گویا ووٹر کسی پارٹی کے امیدوار کو ووٹ دے کر اس کے ساتھ تحریری معاہدہ اور بیعت کرتا ہے کہ آپ واقعی اہل ہیں، میں آپ کی تائید کرتا ہوں کہ آپ کی پارٹی کی حکومت ضرور بننی چاہیے اور بیعت کے لئے ضروری نہیں کہ ہاتھ سے ہی بیعت کی جائے، چنانچہ امام بخاریؒ نے عبداللہ بن دینار سے دوسندوں سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے عبدالملک بن مروان سے تحریری طور پر بذریعہ مراسلہ بیعت کی ہے صحیح بخاری باب کیف یبایع الامام الناس ۲/۱۰۹)۔

لہٰذا ہمارا معاہدہ سب سے اچھی پارٹی کے امیدوار سے ہونا چاہیے، تاکہ لوگوں کے حقوق پامال نہ ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ووٹ کی حیثیت شہادت، سفارش، مشورہ اور حقوق مشترکہ میں وکالت کی ہے، جس طرح باصلاحیت، ایماندار امیدوار کو ووٹ دینا واجب اور موجب ثواب عظیم ہے، اسی طرح نااہل کو ووٹ دینا ناجائز اور حرام ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: جواہر الفقہ از مفتی شفیع ۲/۲۹۱-۲۹۳ ۔مطبوعہ مکتبہ تفسیر القرآن دیوبند اور فقہی مقالات از مفتی محمد تقی عثمانی ۲/۲۸۷-۲۹۰ اور جدید فقہی مسائل از مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی ۱/۴۳۱)۔

(۲)-اگر ووٹ شہادت کے درجہ میں ہے تو اس کا حکم شرعی کیا ہوگا؟ ووٹ دینا صرف جائز ہوگا، یا مستحب، یا واجب؟

شرعی نقطۂ نظر سے ووٹ کی حیثیت شہادت اور گواہی کی ہے جیسا کہ اوپر تفصیل سے ذکر آچکا ہے اور جب حق کو

حاصل کرنے اور ظلم کو روکنے کے لئے گواہی دینی ضروری ہوجائے، جیسا کہ موجودہ صورت حال ہے، تو ووٹ دینا کتمان شہادت ہوگا، اس لئے موجودہ حالات میں بحیثیت مسلمان ووٹ دینا ہمارے لئے ایک مذہبی فریضہ کے درجہ میں ہے، ووٹ کے حق کا استعمال کرنا ہر مسلمان پر فرض وواجب ہے۔

چنانچہ مفتی شفیع صاحبؒ اپنے رسالہ ''انتخابات میں ووٹ، ووٹر اور امیدوار کی شرعی حیثیت'' میں رقمطراز ہیں: ''جس طرح قرآن وسنت کی رو سے یہ واضح ہوا کہ نااہل، ظالم، فاسق اور غلط آدمی کو ووٹ دینا گناہ عظیم ہے، اسی طرح ایک اچھے، نیک اور قابل آدمی کو ووٹ دینا ثواب عظیم ہے، بلکہ ایک فریضۂ شرعی ہے۔ قرآن کریم نے جیسے جھوٹی شہادت کو حرام قرار دیا ہے، اسی طرح سچی شہادت کو واجب ولازم بھی فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **''کونوا قوامین لله شهداء بالقسط''** (سورۃ المائدہ: ۸) اور دوسری جگہ ارشاد ہے: **''کونوا قوامین بالقسط شهداء لله الخ''** (سورۃ النساء: ۱۳۵) ان دونوں آیتوں میں مسلمانوں پر فرض کیا ہے کہ سچی شہادت سے جان نہ چرائیں، اللہ کے لیے ادائیگی شہادت کے واسطے کھڑے ہوجائیں، تیسری جگہ سورۂ طلاق میں ارشاد ہے: **''وأقیموا الشهادة لله''** (سورۃ الطلاق: ۲) یعنی اللہ کے لئے سچی شہادت کو قائم کرو، اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ سچی بشارت کا چھپانا حرام اور گناہ ہے، ارشاد ہے: **''ولا تکتموا الشهادة ومن یکتمها فإنه آثم قلبه''** (سورۃ البقرہ: ۲۸۳) یعنی شہادت کو نہ چھپاؤ اور جو چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہے۔

ان تمام آیات نے مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد کردیا ہے کہ سچی گواہی سے جان نہ چرائیں۔ ضرور ادا کریں (جواہر الفقہ مطبوعہ مکتبہ تفسیر القرآن دیوبند ۲/ ۲۹۳-۲۹۴)۔

بلکہ گواہی (جس میں ووٹ بھی شامل ہے) دینے کے لئے تو اسلام نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ کسی کے مطالبہ کرنے سے پہلے ہی انسان اپنا یہ فریضہ ادا کردے، اس میں کسی کی دعوت یا ترغیب کا انتظار نہ کرے۔ حضرت زید بن خالدؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **'' ألاأخبر کم بخیر الشهداء الذی یأتی بشهادته قبل أن یسألها''** (جمع الفوائد بحواله مالک ومسلم، ج: ۲/ص: ۶۸۸) لہٰذا ووٹ کو محفوظ رکھنا دینداری کا تقاضہ نہیں، اس کا زیادہ سے زیادہ صحیح استعمال کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہندوستان اور اس جیسے جمہوری ممالک میں انتخابات میں مسلمانوں کی شرکت اور ووٹ دینا شرعاً واجب ہوگا، کیونکہ موجودہ ہندوستان بلکہ عالمی حالات کے تناظر میں غیر مسلم جمہوری ممالک میں آباد مسلمانوں کے ملی اور مذہبی مفادات کی حفاظت اور جان ومال اور عزت کی صیانت، ووٹ دینے کے ساتھ وابستہ ہے اور مذہب، جان، مال اور عزت ان مقاصد شریعت میں سے ہیں، جن کی حفاظت مسلمانوں پر واجب ہے اور ان مقاصد شریعت کا حصول انتخابات

میں شرکت اور ووٹنگ کے بغیر مشکل ہے۔ اور قاعدہ مسلمہ ہے: "**ما لایتم الواجب الابه فهو واجب**" (القواعد الفقہیۃ للدکتور علی احمد الندوی مطبوعہ دار القلم دمشق، ص:۱۰۶) اس لیے انتخابات میں مسلمانوں کی شرکت اور ووٹ دینا شرعاً واجب ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۳)-الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا کیا حکم ہے؟

موجودہ انتخابی نظام میں امیدوار الیکشن کمیشن کے پاس نامزدگی کے کاغذات داخل کرتا ہے، گویا کہ خود اپنے آپ کو عہدہ کے لئے پیش کرتا ہے اور منصب کا طالب ہوتا ہے۔

چونکہ منصب ایک مسئولیت ہے، حق نہیں، اس لئے اس کا طلب کرنا اصولاً ناجائز ہونا چاہیے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے ارشاد فرمایا: "**لا تسأل الأمارة، فان اعطيتها عن مسئلة و كلت إليها، وإن أعطيتها عن غير مسئلة اعنت عليها**" (صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب النہی عن طلب الامارۃ والحرص علیہا ۱۲۰/۲) اسی طرح حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**من ابتغى القضاء وسأل فيه شفعاء وكل إلى نفسه ومن أكره عليه أنزل الله عليه ملكه يسدده**" (ترمذی کتاب الاحکام حدیث نمبر ۱۳۲۳، ابوداؤد الأضحیۃ حدیث نمبر: ۳۵۷۸، مسند احمد: ۱۲۱۸۴) اور حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں: میرے قبیلہ کے دو آدمیوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ انہیں حکومت کا کوئی منصب عطا کر دیا جائے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "**إنا لانولّي هذا من سأله ولامن حرص عليه**" (صحیح البخاری باب ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ حدیث نمبر: ۷۱۴۹)۔

ایک طرف یہ احادیث ہیں، جو طلب منصب کی ممانعت پر دال ہیں اور دوسری طرف ایک حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے: "**من طلب قضاء المسلمين حتى يناله، ثم غلب عدله جوره فله الجنة**" (سنن ابی داؤد کتاب الأقضیۃ باب فی القاضی یخطی ویصیب حدیث نمبر: ۳۵۷۵) اس میں لفظ طلب سے صراحۃً طلب کا جواز معلوم ہوتا ہے، لیکن اس روایت کی سند پر کلام ہے۔

بعض حضرات طلب کے جواز پر یوسف علیہ السلام کے اس ارشاد سے استدلال کیا کرتے ہیں، جو انہوں نے فرعون مصر سے کہا تھا: "**اجعلني علىٰ خزائن الأرض، إني حفيظ عليم**" (سورۃ یوسف الآیۃ: ۵۵) چنانچہ مشہور مفسر علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "**ودلت الآية أيضا علىٰ جواز أن يطلب الإنسان عملا يكون له أهلا**" (تفسیر قرطبی مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان ۲۱۶/۹)۔

الغرض بظاہر نصوص میں تعارض ہے، علماء نے دونوں میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ اصل حکم تو یہی ہے کہ طلب

منصب جائز نہیں، لیکن بعض مرتبہ ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے کہ جس میں انسان کو بدیہی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر میں اس منصب کو طلب نہیں کروں گا، تو اس کے نتیجے میں ایسے لوگ اس منصب پر آ جائیں گے، جن سے لوگوں کے حقوق ضائع ہوں گے اور بے دینی پھیلے گی، تو ایسی مجبوری کی حالت میں طلب کی بھی گنجائش ہے، بشرطیکہ وہ اس عہدہ کی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دینے کی قابلیت وصلاحیت رکھتا ہو، طلب جاہ مقصود نہ ہو۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی طلب اور ابوداؤد کی روایت اسی استثنائی حالت پر محمول ہے۔

قاضی ابو یعلی حنبلی نے السیاسۃ الشرعیۃ میں یہی موقف اختیار کیا ہے، اور بعد کے علماء نے اس کی تائید کی ہے، چنانچہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے بھی اعلاء السنن میں اس موقف کو ترجیح دی ہے (اسلام اور سیاسی نظریات از مفتی تقی عثمانی مطبوعہ دار الکتاب دیوبند، ص: ۲۱۷)۔

بہر حال عام حالات میں امیدوار بننا بظاہر درست نہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ آج کل تو انتخابات کا پورا ڈھانچہ امیدواری کے نظام پر مبنی ہے؟ اگر حکومتی مناصب کی طلب ناجائز ہو تو پھر کوئی امیدوار ہی نہ رہا تو انتخابات کا طریقہ کیا ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بقول مولانا تقی عثمانی صاحب زید مجدہ: ''امیدواروں کا متبادل طریقہ یہ ہے کہ ہر حلقۂ انتخابات کے عوام کو دعوت دی جائے کہ وہ اپنے حلقے کی نمائندگی کے لیے از خود افراد تجویز کریں۔ ان افراد کی صفات اہلیت بھی متعین کر دی جائیں ...... پھر جس شخص کا نام حلقے کے لوگوں کی ایک متعین تعداد مثلاً پانچ سو یا ایک ہزار آدمیوں نے (صفات اہلیت کے مطابق) تجویز کیا ہے، الیکشن کمیشن اس کا جائزہ لے کر کہ کیا یہ تجویز حقیقی ہے؟ اور کیا واقعی تجویز کرنے والے متعین تعداد میں پانچ سو سے ایک ہزار ہیں؟ اور اس میں کوئی جعلسازی تو نہیں ہوئی ہے؟ نیز جس شخص کا نام تجویز کیا گیا ہے وہ ان اوصاف کا حامل ہے، جو نامزدگی کے لیے طے کی گئی ہیں؟ ان باتوں کا اطمینان کرنے کے بعد اس کے کاغذات نامزدگی منظور کیا جائے ......اور مجوزہ افراد کو اعتدال کے ساتھ متعارف کرانے کی ذمہ داری الیکشن کمیشن اٹھائے اور کسی کو الیکشن کمیشن کے ذرائع کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے تشہیر یا ترغیب کے مروجہ طریقے اختیار کرنے کی اجازت نہ ہو، پھر ان کے درمیان انتخابات کے لیے ان نامزد افراد کے بارے میں ووٹ ڈلوائے جائیں (اسلام اور سیاسی نظریات ص: ۲۱۷-۲۱۹)۔

لیکن ہندوستان جیسے ممالک کے موجودہ حالات کے تناظر میں مسلم امیدوار کی شرکت الیکشن میں بحیثیت اجتماعی واجب ہونی چاہیے، اس لئے کہ عصر حاضر میں چونکہ ووٹ بہت بڑی طاقت ہے، اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے، یہ ایک مؤثر ہتھیار ہے، کیونکہ ووٹ ہی سے سیاسی اور سماجی زندگی میں قوموں کا درجہ ومقام متعین ہوتا ہے، ان کے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے اور قرآن کریم نے مسلمانوں کو قوت بڑھانے کا حکم دیا ہے: ''وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة'' (سورۃ الانفال: ۶۰)۔

اور بقول مفتی خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم: ''قوت کا لفظ ایک جامع لفظ ہے جس میں وہ تمام طاقتیں شامل ہیں، جو نتائج اور فیصلوں پر اثر انداز ہو سکیں، یہ طاقت فوج کی بھی ہو سکتی ہے، افرادی قوت اور تعداد کی بھی اور علم ودانش کی بھی (شمع فروزاں حصہ اول ص:۵۶)۔

الغرض! ہندوستان جیسے جمہوری ممالک میں الیکشن میں شرکت سے بے شمار قومی وملی مفادات ومقاصد وابستہ ہیں اور کہیں تو اس کے بغیر ملت کا تشخص اور دین اسلام کی حفاظت بھی خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔

اس کے علاوہ جمہوری لاء میں اسلام کے خلاف بنے ہوئے دفعات وقوانین کو پارلیمنٹ میں چیلنج کرنا، اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا اور منسوخی کا مطالبہ کرنا اور پارلیمنٹ میں اسلام کے خلاف بنائے گئے نئے قوانین کو پاس ہونے سے روکنا یا اس کی کوشش کرنا، مجالس قانون ساز کی نمائندگی الیکشن میں شرکت کے ذریعہ ہی ممکن ہے اور دوسری طرف الیکشن میں امیدوار کی حیثیت سے شرکت نہ کرنے کے مفاسد شرکت وشمولیت کے مفاسد سے بڑھے ہوئے ہیں اور اصول مشہور ہے: ''**إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما**'' (الاشباہ والنظائر لابن نجیم مطبوعہ المکتبۃ العصریۃ بیروت لبنان، ص:۱۱۱)۔

لہٰذا حفاظت دین اور خدمت کے جذبہ سے ہندوستان کے موجودہ حالات کے تناظر میں از خود امیدوار بننا، دوسرے امیدوار کے لیے جائز حدود میں رہتے ہوئے انتخابی مہم چلانا جائز ہی نہیں بلکہ بحیثیت اجتماعی واجب ہونی چاہیے۔

چنانچہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے چودھویں فقہی سمینار منعقدہ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد مؤرخہ: ۲۰/۲۲ جون ۲۰۰۴ء میں ووٹ سے متعلق جو تجاویز منظور ہوئی ہیں، ان میں سے ایک تجویز یہ ہے: ''اسلام کا اپنا ایک مستقل نظام حکمرانی ہے، لیکن موجودہ عالمی حالات میں دوسرے غیر اسلامی نظامہائے حکومت کے مقابلہ میں مروج جمہوری نظام ہی مسلم اقلیتوں کے لئے قابل ترجیح ہے، لہٰذا اس نظام کے تحت مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا، امیدوار بننا، ووٹ دینا اور کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا جائز ہے (غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل، مطبوعہ: ایفا پبلی کیشنز، ص:۴۹)۔

(۴)- غیر مسلم ملکوں میں اور بہت سے مسلم ملکوں میں بھی قانون ساز ادارے مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں، ایسی صورت میں ان اداروں کا ممبر بننا درست ہوگا یا نہیں؟

یہاں پر دو مفسدے کا اجتماع ہے: ایک تو قانون ساز اداروں کے ممبر بننے کا مفسدہ، اور وہ یہ ہے کہ ایسے ادارے کا تعاون، جو بعض دفعہ شریعت کے خلاف قانون بناتے ہیں بظاہر تعاون علی الاثم ہے جو ناجائز ہے اور دوسرا مفسدہ ایسے قانون ساز اداروں یعنی پارلیمنٹ میں شرکت نہ کرنے کا مفسدہ اور وہ یہ کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پارلیمنٹ میں قوانین وضع

ہوں گے اور مسلمانوں کی طرف سے دفاع کرنے والا وہاں کوئی نہیں ہوگا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان کو اسلام کے خلاف قوانین پر عمل کرنے پر مجبور کیا جائے گا، نیز مسلمانوں کی جان، مال اور عزت وآبرو محفوظ نہیں رہیں گی، دوسروں کے ماتحت رہیں گے، انہیں مذہبی اور قومی حقوق سے محروم ہونا پڑے گا وغیرہ وغیرہ۔

اگر غور کیا جائے تو پارلیمنٹ کے ممبر بننے کا مفسدہ کمتر ہے، عدم شرکت کے مفسدے سے اور فقہ اسلامی کا مشہور ضابطہ ہے: "إذا تعارض مفسدتان روعی أعظمهما ضررا بارتکاب اخفهما" (الاشباہ والنظائر لابن نجیم مطبوعة المکتبة العصرية بيروت ص: ۱۴۹) لہٰذا بظاہر قانون ساز اداروں کا ممبر بننا درست ہوگا، بشرطیکہ پارلیمنٹ میں جانے کی نیت بھی یہ ہو کہ میں اپنی قوم وملت کے حقوق کی حفاظت کروں گا (کفایت المفتی مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان، ج: ۹/ص: ۳۷۲) اب اگر پارلیمنٹ میں شریعت کے خلاف قوانین پاس بھی ہوئے تو یہ اس کے روکنے کا مؤثر ذریعہ ہوگا کہ اس پلیٹ فارم سے اس کے برعکس کی وکالت کی جائے۔

(۵)- جو لوگ قانون ساز اداروں کے رکن منتخب ہوں، انہیں دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے اور دستور میں بہت سی دفعات خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں، تو یہ عمل کہاں تک درست ہوگا؟

ماقبل میں گزر چکا ہے کہ مشہور قاعدہ: "اذا تعارض مفسدتان الخ" کی رو سے پارلیمنٹ میں شرکت صالح مقاصد کے پیش نظر درست ہے۔

اب رہی یہ بات کہ پارلیمنٹ کے تمام اراکین کو ملک کے دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے، جس میں بعض دفعات خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ وفاداری کا حلف اس شرط اور نیت سے کہ جہاں تک خدا اور رسول اور شریعت کی نافرمانی نہ ہو، میں وفاداری کروں گا، اٹھا لینے میں مضائقہ نہیں (کفایت المفتی ۹/ ۳۷۲، مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان)۔ ہندوستان جیسے ملکوں کے دستور کا حلف اٹھانے میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ اس کی بنیاد الحاد اور انکار خدا پر نہیں ہے، بلکہ عقیدے اور مذہب پر عمل کی آزادی اس کی بنیادی دفعات میں سے ہے، مسلمان اس کا حلف مذکورہ بالا نیت سے اٹھائے گا (غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل، ص: ۵۲۹)، اور حدیث مشہور ہے: "إنما الأعمال بالنيات" (صحیح بخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ حدیث نمبر: ۱)۔

(۶)- بعض عیسائی ملکوں میں ممبر کو بائبل پر حلف لینا پڑتا ہے، خواہ وہ کسی مذہب کا ہو، تو کیا مسلم ارکان کے لئے یہ عمل درست ہوگا؟

مجمع الفقهی الاسلامی مکہ مکرمہ کے پانچویں سمینار منعقدہ مکہ مکرمہ مؤرخہ ۸-۱۴ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ میں اکیڈمی عدالت میں حلف اٹھاتے وقت توریت یا انجیل یا دونوں پر ہاتھ رکھنے کے حکم کے سلسلہ میں جس نتیجہ پر پہنچی تھی وہ حسب ذیل ہے:

۱- اللہ کے سوا کسی اور چیز کی قسم کھانی جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”جسے قسم کھانی ہو وہ اللہ کی قسم کھائے، ورنہ خاموش رہے۔“

۲- قسم کھاتے وقت مصحف، توریت یا انجیل وغیرہ پر ہاتھ رکھنا قسم کی صحت کے لئے ضروری نہیں ہے، البتہ اگر حاکم قسم کو پختہ کرانا چاہتا ہو، تاکہ قسم کھانے والا جھوٹ بولنے سے ڈرے، تو ایسا کرنا جائز ہے۔

۳- کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ قسم کھاتے وقت توریت یا انجیل پر ہاتھ رکھے، اس لیے کہ آج جو نسخ رائج ہیں، وہ محرف ہیں اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہونے والے اصل نسخے نہیں ہیں اور حضرت محمد ﷺ پر نازل ہونے والی شریعت نے پچھلی شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے۔

۴- اگر کسی غیر اسلامی مملکت کی عدالت قسم لینے والے کے لیے توریت یا انجیل پر یا دونوں پر ہاتھ رکھنے کو ضروری قرار دیتی ہے تو مسلمان کو چاہیے کہ وہ عدالت سے قرآن کریم پر ہاتھ رکھنے کا مطالبہ کرے، اگر اس کا مطالبہ نہ مانا جائے تو اسے مجبور سمجھا جائے گا اور دونوں یا کسی ایک پر تعظیم کی نیت کے بغیر ہاتھ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔

اس پر شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز، صالح بن عثیمین، محمد بن عبداللہ بن السبیل، مصطفیٰ احمد الزرقاء، حسنین محمد مخلوف اور مولانا ابوالحسن علی الحسنی الندوی وغیرہ علمائے کبار کے دستخط موجود ہیں (مجمع الفقہی الاسلامی مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے ترجمہ: مولانا محمد فہیم اختر ندوی، ناشر: ایفا پبلی کیشنز نئی دہلی)۔

خلاصہ یہ کہ اولاً مسلمان عدالت سے قرآن کریم پر ہاتھ رکھنے کا مطالبہ کرے، اگر نہ مانا جائے تو مجبوراً بلا نیت تعظیم بائبل پر ہاتھ رکھنا درست ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۷)- بعض سیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں، لیکن ان کے منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغایر ہوتی ہیں، کیا ایسی پارٹیوں میں شریک ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونا جائز ہوگا؟

موجودہ حالات کے تناظر میں وہ غیر مسلم سیکولر سیاسی پارٹیاں، جو مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں، ان میں شرکت اور ان کی طرف سے انتخاب لڑنا بظاہر درست ہونا چاہیے اور شرعی طور پر اس کو عہد اور معاہدے کی حیثیت حاصل ہوگی۔

اب حالات کے اعتبار سے کبھی معاہدہ کرنا واجب ہوگا اور یہ اس وقت جب کہ مسلمانوں کے ملی مفادات کی حفاظت غیر مسلم سیاسی پارٹیوں سے معاہدہ کرنے پر منحصر ہو جائے، کیونکہ ایسی صورت میں مقاصد شریعت دین و ایمان، جان

ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کا مسئلہ پیدا ہوگا اور مقاصد شریعت کی حفاظت وحمایت واجب ہے (المستصفی للغزالی مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت، ص: ۲۸۷، نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی للفکر الاسلامی، ص: ۱۴۶، للدکتور احمد الریسونی مطبوعہ المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ص: ۱۴۶)،

اور کبھی معاہدہ کرنا مستحب ہوگا جب کہ ملی مفادات کی حفاظت معاہدہ پر منحصر نہ ہو اور چونکہ یہ معاہدے مسلمانوں کے امور عامہ سے متعلق ہیں، لہٰذا مسلمانوں کے مفادات عامہ کے خلاف معاہدے کرنا درست نہیں ہوگا، بلکہ وہ معاہدے از روئے شرع غیر معتبر قرار پائیں گے، فقہ اسلامی کا مشہور اصول ہے: "**تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة**" (الاشباہ والنظائر لابن نجیم مطبوعہ المکتبۃ العصریۃ بیروت، ص: ۱۴۹)۔

اور اگر وہ پارٹی معاہدہ کی خلاف ورزی کرے تو ان سے الگ ہوجانا ضروری ہوگا، کیونکہ وہ خائن ہے، ان پر بھروسہ کرنا اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے اور گویا اپنی موت آپ مرنا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: "**وإما تخافن من قوم خيانة فانبذ إليهم على سواء إن الله لا يحب الخائنين**" (سورۃ الانفال: ۵۸)۔

اور اگر ان سیکولر پارٹیوں کے منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغایر ہوں، تو ظاہر ہے کہ ایسی پارٹیوں میں شرکت اور عدم شرکت دونوں میں ضرر ہے، اس لئے کہ اگر شرکت کرتے ہیں تو مخالف اسلام دفعات کی بالواسطہ تائید لازم آتی ہے اور اگر شرکت نہ کی جائے تو سیاسی اور قومی سطح پر مسلم کشی کے مترادف ہوگا، ان کی جان، مال اور عزت محفوظ نہیں رہے گی، دوسروں کے سہارے جینے اور غلامانہ زندگی اپنانے پر مجبور ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ شرکت کا مفسدہ عدم شرکت کے مفسدہ سے کمتر ہے، اس لئے موجودہ حالت کے تناظر میں بقاعدۂ مشہور: "**إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضررا بارتكاب اخفهما**" (الاشباہ والنظائر لابن نجیم، ص: ۱۱۱) موجودہ سیکولر سیاسی جماعتوں میں سے کسی جماعت میں شمولیت اختیار کی جائے اور اس جماعت میں جو نقائص ہوں، بقدر استطاعت ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے، لیکن یہ عارضی حکم ہے، پھر جب کوئی مسلمان جماعت (جو صاحب قوت اور صاحب اثر بھی ہو) تیار ہوجائے تو اس میں شمولیت اختیار کی جائے، چنانچہ حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانویؒ رقم طراز ہیں:

"موجودہ حالات میں افسوس اور نہایت افسوس ہے کہ مسلمانوں کی ایسی جماعت (جو خالص اسلامی جماعت اور غلبہ وقوت والی ہو) نہ موجود ہے اور نہ قریب میں اس کی توقع ہے، (اس لئے ایسے حالات میں عارضی حکم یہی ہے اور) اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ مسلمان موجودہ جماعتوں میں سے کسی جماعت میں داخل ہوں اور قواعد شرعیہ کی رو سے ان میں جو نقص ہو، اس کی اصلاح کریں اور اگر ان میں ایک کی اصلاح آسان ہو اور دوسرے کی دشوار ہو تو مذکورہ قاعدہ کے مطابق اس میں داخل ہوجائیں، جس کی اصلاح آسان ہو"۔

پھران میں جواہل قوت اوراثر والے ہیں،ان کو اپنی قوت واثر سے اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے اور جواہل قوت نہیں وہ اہل قوت کو وقتاً فوقتاً یاددہانی کے تقاضے کے ساتھ ان سے اصلاح کی درخواست کرتے رہیں (مروجہ سیاست کے شرعی احکام،مرتب: مولانا زید مظاہری ندوی،ص:۳۴-۳۷،مستفاداز امدادالفتاوی ۴/ ۶۳۰)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ غیر مسلم سیکولر سیاسی پارٹیوں سے ملی مفادات کے تحت معاہدے کرنا،ان میں شرکت کرنا اوران کی حمایت کرنا درست ہے، چنانچہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے چودھویں فقہی سمینار منعقدہ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد، مؤرخہ:۲۰/ ۲۲/رجون ۲۰۰۴ءکو ووٹ سے متعلق جوتجاویز منظور ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:''جمہوری سیکولر سیاسی پارٹیوں سے ملی مفادات کے تحت معاہدے کیے جاسکتے ہیں'' (غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل،ص:۴۹)۔

(۸)- جوسیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اوران کے منشور میں اسلام اور مسلمان کی مخالفت شامل ہو، کیا کسی مسلمان کے لیے اس پارٹی میں شریک ہونا جائز ہوگا؟ نیز اگر کسی کی نیت ہو کہ وہ پارٹی میں شریک ہو کر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا، تو کیا اس کے لئے اس پارٹی میں شریک ہونے کی گنجائش ہوگی؟

وہ سیاسی پارٹیاں جن کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہواوران کی اسلام دشمنی واضح ہوتوان میں مسلمانوں کی شرکت وشمولیت جائز نہیں،خواہ کسی کی نیت اس میں شامل ہوکر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی ہو، کیونکہ افراد کی ذاتی رائے پارٹی کے منشور یا فیصلوں پر اثرانداز نہیں ہوتی،تن تنہا کوئی کچھ نہیں کرسکتا، بلکہ وہ خود بھی جماعت کے تابع ہوجاتا ہے۔''**الاعتبار للأكثر لا للأقل**''۔

بہرحال اسلام اور مسلم دشمن پارٹی میں شمولیت ناجائز ہے، اس لیے کہ یہ شمولیت بالواسطہ اس کے باطل عزائم اورنظریات کی تائید کرنا ہے اور یہ شرعاً معصیت کی تائید اوراس پر تعاون ہے جو کہ ناجائز اورحرام ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:''**ولا تعاونوا على الإثم والعدوان واتقوا الله إن الله شديد العقاب**''۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن (۲/ ۵۰،۵۱) میں نہایت جامع انداز میں تعلقات کی مختلف شکلوں پر روشنی ڈالی ہے،جس کا خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ غیر مسلمین (خواہ وہ اشخاص ہوں یا جماعتیں) کے ساتھ تعلقات کے مختلف درجات ہیں:

۱-موالات: (قلبی مودت) یہ صرف مومنین کے ساتھ مخصوص ہے، غیر مؤمنین کے ساتھ مؤمن کا یہ تعلق کسی حال میں قطعاً جائز نہیں۔

۲-مواسات: (ہمدردی، خیرخواہی اور نفع رسانی) یہ بجز کفار اہل حرب کے جو مسلمانوں سے برسرپیکار ہیں، باقی

سب غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے۔

۳- مدارت: (ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ) یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، جبکہ اس سے مقصود ان کو دینی نفع پہنچانا ہو، یا وہ اپنے مہمان ہوں، یا ان کے شر اور ضرر رسانی سے اپنے آپ کو بچانا ہو مقصود ہو۔

۴- معاملات: (مثلاً تجارت، ملازمت اور صنعت وحرفت کے معاملات) یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، بجز ان کے کہ ان معاملات سے تمام مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو۔

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ وہ غیر مسلم سیاسی پارٹیاں جو اسلام اور مسلم دشمنی میں مشہور ہیں، ایسی سیاسی پارٹیوں سے معاہدے، کسی طرح کا سمجھوتہ، ان میں شمولیت اور ان کی حمایت کرنا شرعاً حرام اور ناجائز ہے۔

چنانچہ اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کے چودھویں فقہی سمینار منعقدہ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد مؤرخہ: ۲۰/۲۲ جون ۲۰۰۴ء میں ووٹ سے متعلق جو تجاویز منظور ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:

''جن سیاسی جماعتوں نے اعلانیہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنی جماعت کا مقصد بنالیا ہو، ان میں مسلمانوں کی شمولیت جائز نہیں اور ان کے کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی جائز نہیں، خواہ وہ ذاتی طور پر نیک خصلت ہو (غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل، ص: ۴۹)۔

(۹)-ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، مسلمانوں کے لیے علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا جائز ہوگا؟

مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد میں شرکت تو سب کے نزدیک لازمی ہے، مگر طریقۂ عمل کے سلسلہ میں رائے مختلف ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی الگ سیاسی جماعت کی تشکیل کی جائے، مگر کیا ایسا ہوسکتا ہے؟

لہٰذا یہ موقف بالکل صحیح ہے کہ مسلمانوں کی الگ سیاسی جماعت سے فرقہ پرستوں کو فائدہ پہنچے گا اور مسلمانوں کو اس کا نقصان اٹھانا پڑے گا، مسلمانوں کو دوسرے مذہب کے لوگوں کے ساتھ مل کر سیاسی پلیٹ فارم تشکیل دینا چاہیے، اس لیے کہ ہمارے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، خاص طور پر ہندوستان میں فرقہ وارانہ صورت حال بڑی حساس ہے، یہ ممکن ہی نہیں کہ مسلمان متحد ہوکر اپنی علیحدہ سیاسی پارٹی بنائیں اور فرقہ پرست طاقتیں اس اتحاد کو غلط رخ دے کر اپنے حق میں استعمال نہ کریں، یعنی مسلمانوں کی اجتماعیت کا حوالہ دے کر ہندوؤں کو آسانی کے ساتھ ایک پلیٹ فارم پر لایا جاسکتا ہے، اور کچھ صوبوں کے الیکشن میں اس کا تجربہ بھی ہوا ہے، محاذ بنالیں گی اور اس طرح مسلمانوں کا اتحاد بظاہر بے اثر ہوجائے گا۔

اور یہ سب کچھ اس صورت میں ہے جب مکمل اتحاد اور یکجہتی کا مظاہرہ ہو، کوئی ایک فرد بھی اس دائرے سے باہر کھڑا نظر نہ آئے، لیکن یہ محض تصوراتی چیز ہے، حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ خود مسلمان ذات برادری میں بکھرا ہوا ہے، مسلکی تعصب اور گروہ بندی کا شکار ہے، ہر مسلم تنظیم کسی نہ کسی پارٹی کے ساتھ سیاسی اور نظریاتی اعتبار سے وابستہ ہے۔ ظاہر ایہ ممکن ہی نہیں کہ مسلمان مسلکی اور سیاسی اختلاف سے بالاتر ہو کر کسی ایک شخص کی قیادت پر متفق ہو جائیں۔ إلا أن يشاء الله۔

(۱۰)-الیکشن میں خواتین کا کیا کردار ہونا چاہیے؟ کیا انہیں ووٹنگ میں حصہ لینا چاہیے؟ کیا ان کے لیے الیکشن میں امیدوار بننا جائز ہے؟ کیا وہ قانون ساز اداروں کی ممبر بن سکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو مختلف مقاصد کے لئے پیدا فرمایا اور جس مقصد کے لئے کسی مخلوق کی تخلیق ہوئی، اس کے مناسب اسے صلاحیتیں عطا فرمائی، دیگر مخلوق کی طرح مرد وعورت کو بھی حق تعالیٰ نے جداگانہ صلاحیتوں سے نوازا اور دونوں کو جداگانہ مقاصد کے لئے پیدا فرمایا، منجملہ ان کے امور سلطنت، ملکی نظم ونسق اور قیادت وپیشوائی کا منصب مردوں کو عطا کیا گیا، چنانچہ ارشاد باری ہے: "**الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما أنفقوا**" (سورۃ النساء:۳۴)

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: "**ولذا خصصوا بالرسالة والنبوة على الأشهر، وبالأمانة الكبرى والصغرى وإقامة الشعائر كالأذان والإقامة والخطبة والجمعة**" (روح المعانی ۵/۲۳)۔

ظاہر ہے کہ یہ عظیم ذمہ داری مردوں کو ان کی عقل وفہم اور قوت فیصلہ نیز ان کی اہم جو یانہ فطرت کی وجہ سے دی گئی ہے اور عورتیں ان صفات سے عموماً عاری ہوتی ہیں، اس لئے وہ ملک کے نظم ونسق کو بہتر طریقے سے سنبھال نہیں سکتیں، یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ ایرانیوں نے کسری کی بیٹی کو اپنا سربراہ بنالیا ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة**" (صحیح بخاری کتاب المغازی، باب کتاب إلی کسری حدیث نمبر/۴۴۲۵)۔ اس کے علاوہ قرآن وسنت کے بہت سے دلائل اس پر موجود ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی کا رسالہ "عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت" مطبوعہ: مکتبہ ادارۃ المعارف کراچی از ص:۶ تا ۲۰ اور مولانا محمد یوسف لدھیانوی کا رسالہ "عورت کی سربراہی" مطبوعہ مکتبہ بینات کراچی)۔

قرآن وحدیث کے انہی دلائل کی وجہ سے چودہ سو سال سے امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ عورت خلیفہ یا امیر نہیں بن سکتی، چنانچہ ابن حزم نے مراتب الاجماع میں، امام الحرمین نے الارشاد میں، بغوی نے شرح السنۃ میں اور مشہور مفسر قرآن علامہ محمد بن شنقیطی نے اضواء البیان میں اور دیگر بہت سے حضرات نے اس پر اجماع نقل کیا ہے (حوالہ سابق)۔

اب سوال یہ ہے کہ خواتین مجلس شوریٰ یا قانون ساز اداروں کی ممبر بن سکتی ہیں یا نہیں؟ الیکشن میں امیدوار بن سکتی ہیں یا نہیں؟ اس کے جواب میں جن علماء نے سیاست اسلامیہ پر کلام کیا ہے ان کی آراء مختلف ہیں:

الف- ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور وہ استدلال کرتے ہیں اس واقعہ سے جو بخاری

شریف میں بالتفصیل مذکور ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد جب آپ ﷺ نے شرائط صلح کے مطابق واپسی کے لئے صحابۂ کرام سے اعمال تحلیل یعنی قربانی اور حلق کر کے احرام کھولنے کا حکم دیا، تو تین مرتبہ اعلان کرنے کے باوجود کوئی نہیں اٹھا، اس پر آپ ﷺ اندر تشریف لے گئے اور ام سلمہؓ سے اس کا تذکرہ کیا تو ام سلمہؓ نے مشورہ دیا کہ آپ ﷺ کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ خود حلق اور قربانی کر کے حلال ہو جائیں، آپ ﷺ نے یہ مشورہ قبول فرما کر اس پر عمل بھی کیا اور نتیجہ بھی خاطر خواہ ظاہر ہوا (صحیح بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ حدیث نمبر: ۲۷۳۲)۔

لیکن اس حدیث سے خواتین کو قانون ساز اداروں کا باقاعدہ ممبر بنانے پر استدلال کمزور ہے جیسا کہ بعض علماء نے کیا ہے (اسلام کا سیاسی نظام از: مولانا محمد اسحاق صدیقی مطبوعہ مجلس دعوت وتحقیق اسلامی کراچی، ص: ۳۶۱، ۳۱۷)۔

ب- بعض حضرات کا کہنا ہے کہ عورتوں کا لیڈری کرنا، قانون ساز اداروں کا ممبر بننا درست نہیں اور وہ دلیل میں مشہور روایت پیش کرتے ہیں، جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**إذا كان أمراؤكم شراركم وأغنياؤكم بخلاءكم وأموركم إلى نسائكم فبطن الأرض خير لكم من ظهرها**" (جامع الترمذی ابواب الفتن حدیث نمبر: ۲۲۶۶، وقال الترمذی ہذا حدیث غریب)۔

لیکن اس حدیث سے بھی استدلال محل نظر ہے، کیونکہ حدیث میں جس صورت کی مذمت فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ تمام تر فیصلے عورتوں ہی کے حوالے کر دیئے جائیں اور انہیں کی رائے کو فیصلہ کن قرار دیا جائے اور مرد ہر معاملہ میں عورتوں کے پیچھے چلنے لگیں، لیکن اس سے یہ مطلب نکالنا درست نہیں معلوم ہوتا کہ ان سے کبھی مشورہ لینا ہی جائز نہیں ہے۔

بہر حال اس مسئلہ میں دونوں طرف کچھ دلائل ہیں، لیکن کوئی ایسی واضح نص بھی موجود نہیں ہے، جس کی بناء پر یہ کہا جائے کہ انہیں قانون ساز اداروں میں شامل نہیں کیا جا سکتا، البتہ یہ بات طے ہے کہ اگر انہیں شامل کیا جاتا ہے تو حجاب شرعی کے احکام کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے، ورنہ غیر مردوں کے ساتھ میل جول کی صورت میں انتخابات لڑنا، لیڈری کرنا وغیرہ ہرگز جائز نہیں، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد واضح طور پر حدیث میں موجود ہے: "**المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان**" (جامع الترمذی ابواب النکاح حدیث نمبر: ۱۱۸۳)۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ خواتین کے لئے الیکشن میں امیدوار بننا، قانون ساز اداروں کا ممبر بننا، وزیر یا کوئی بھی سیاسی نمائندہ بننا، غیر مردوں کے ساتھ میل جول اور بے حجابی وغیرہ معاصی کو مستلزم ہونے کی وجہ سے ممنوع اور ناجائز ہے۔

البتہ عورت ووٹ ڈال سکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں بھی فقہاء کی دونوں رائیں ہیں:

الف- بعض حضرات عورت کو ووٹ ڈالنے کی اجازت دیتے ہیں، کیونکہ یہ عام انسانی حقوق میں سے ہے، لہٰذا کسی عورت

کو اس سے محروم کرنا درست نہیں ہوگا (المرأة بين الفقه والقانون، ص: ۱۵۵ / بحوالہ خواتین کے شرعی مسائل از: منور سلطان ندوی، ص: ۵۳۰)۔

ب- بعض دیگر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ انتخاب گواہی اور وکالت کے ساتھ مذکورہ منصب کے لئے مناسب مرد کا چننا ہوتا ہے، اور یہ کام عورت سے نہیں ہوسکتا ہے، لہٰذا عورت کے لئے ووٹ ڈالنا درست نہیں ہوگا (ولاية المرأة، ص: ۴۵۷، بحوالہ خواتین کے شرعی مسائل، ص: ۵۳۰)۔

کفایت المفتی میں ہے کہ بظاہر درست یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کا ووٹ دینا درست ہے، بشرطیکہ پولنگ اسٹیشن پہ شرعی پردے کا خاص لحاظ رکھا گیا ہو، اگر پیپر دینے والے اور ووٹر کے ان پڑھ ہونے کی صورت میں انگوٹھا پکڑ کر نشان لگانے والے غیر محرم ہوتو جائز نہیں (کفایت المفتی ۹/ ۳۸۰)۔

اور ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی اپنی کتاب "المرأة بين الفقه والقانون"، میں لکھتے ہیں: ''عورت کے ووٹ ڈالنے میں مردوں سے میل جول ضروری ہے، جبکہ شریعت نے اختلاط سے منع کیا ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ عورتوں کے لئے ووٹ کے مراکز الگ قائم کیے جائیں، ایسی صورت میں عورت ووٹ دینے جاسکتی ہے'' (المرأة بين الفقه والقانون، ص: ۱۵۵ بحوالہ خواتین کے شرعی مسائل، ص: ۵۳۰)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عورتوں کا ووٹر بننا ممنوع نہیں، ہاں ووٹ دیتے وقت شرعی پردے کا لحاظ رکھنا لازم ہوگا اور بطور امیدوار کھڑا ہونا عورتوں کے لئے مستحسن نہیں ہے، کیونکہ اس میں ضروریات شرعیہ کی رعایت کے ساتھ اسمبلی کی شرکت عورتوں کے لئے متعذر رہے (کفایت المفتی ۹/ ۳۷۱)۔

الیکشن اور اسلام

مولانا محمد ارشد علی رحمانی ☆

سوال: ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

حامدا ومصلیاً: ووٹ کی شرعا تین حیثیت ہوسکتی ہے، اولا ووٹ کی حیثیت شہادت کی ہے، قرآن کریم میں ارشاد باری ہے: **ولاتکتموا الشهادة ومن يكتمها فانه آثم قلبه** '' (النساء ۲۸۳) گویا جو لوگ الیکشن میں کھڑے ہوتے ہیں، وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ میں اس عہدے کا حقدار ہوں، اس منصب کے لائق ہوں، اب ووٹ دینے والا اس کے حق میں ووٹ دیکر اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ امیدوار واقعی اس عہدے کا حقدار ہے اور ظاہر ہے کہ کسی دعویٰ کی حمایت یہ گواہی ہے، لہٰذا ووٹ بھی اس اعتبار سے شہادت ہے (فقہی مقالات: ۲/ ۲۸۸، جواہر الفقہ: ۲/ ۲۹۱، کتاب الفتاویٰ: ۶/ ۲۵۷، وہکذا فی تفسیر معارف القرآن: ۱/ ۶۲۵ تا ۶۲۷)۔

ووٹ کی دوسری حیثیت شفاعت یعنی سفارش کی ہے، اس طور پر کہ ووٹ دینے والا اپنا ووٹ امیدوار کے حق میں ڈال کر اس کی سفارش کرتا ہے کہ واقعی یہ امیدوار اس کا اہل ہے کہ اس کو اس عہدے پر فائز کیا جائے اور اسے کامیاب بنایا جائے، اب یہ بات الگ ہے کہ اگر وہ سفارش واقعی امیدوار کو دیکھ کر سچی اور صحیح سفارش کرتا ہے تو وہ ثواب کا مستحق ہوگا اور اسے دین ودنیا میں اس کا فائدہ بھی حاصل ہوگا، لیکن اگر اس نے محض کسی دنیاوی غرض کی بنیاد پر امیدوار کی سفارش کی ہے جبکہ امیدوار کسی بھی طرح اس کا مستحق نہیں ہے، تو اسے اس کی غلط سفارش کا بہت برا بدلہ بھی بھگتنا پڑے گا، اور اگر چہ بظاہر اسے اس کی سفارش کی وجہ سے کچھ دنیاوی فائدہ حاصل ہو بھی جائے تو آخرت میں اسے اس کا بہت برا بدلہ ملے گا، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمان باری ہے: **ومن يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها ومن يشفع شفاعة سيئة يكن له كفل منها** (النساء/ ۸۵، جواہر الفقہ: ۲/ ۲۹۲)۔

ووٹ کی ایک تیسری حیثیت وکالت کی ہے، گویا ووٹ دینے والا اپنا ووٹ دے کر امیدوار کو اپنے معاملات کا وکیل

☆ جامعہ ابوبکر صدیق، جودھپور۔

بنا تا ہے، لیکن چونکہ اس وکالت کا تعلق محض ووٹ دینے والے کی ذات تک محدود نہیں ہے بلکہ پوری قوم وملت کو عام ہے، لہٰذا اگر وہ امیدوار واقعی مستحق وکالت ہے تو اس ووٹ دینے والے کو اس کا اجر ملے گا اور دین دنیا کی بھلائی حاصل ہوگی، لیکن اگر وہ اس کا مستحق نہیں ہے تو پھر اس کے ووٹ کی وجہ سے پوری ملت کا نقصان ہے، اس لیے اس کو اس کا بدلہ بھی ملے گا (جواہر الفقہ: ۲/ ۲۹۳)۔

سوال: اگر ووٹ شہادت کے درجہ میں ہے، تو اس کا حکم شرعی کیا ہوگا، ووٹ دینا صرف جائز ہوگا یا مستحب یا واجب؟

ووٹ کی حیثیت تو شرعاً شہادت کی ہے ہی چونکہ ووٹ دینے والا امیدوار کے اس دعویٰ کی تائید کرتا ہے جو اس نے قوم وملت کے سامنے کیا ہے، البتہ چونکہ گواہی اتنی نازک شئی ہے اور اس قدر عظیم المرتبت کام ہے کہ اس میں بہت سوچ سمجھ کر ہی قدم اٹھانا چاہیے، اس لیے کہ قرآن وحدیث میں جہاں ایک طرف گواہی دینے کا حکم ہے، وہیں دوسری طرف غلط اور جھوٹی گواہی دینے پر بہت سخت وعیدیں بھی وارد ہوئی ہیں، کتب احادیث میں جھوٹی گواہی دینے والے کو مستحق جہنم تک بتایا گیا ہے، سنن ابوداؤد کی ایک روایت میں اللہ کے نبی محمد عربی ﷺ کا فرمان ہے کہ جھوٹی گواہی اور شرک دونوں برابر ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: **"عدلت شهادة الزور بالاشراک بالله ثلاث مرات"** (سنن ابی داؤد: ۲/۵۰۷) بخاری شریف میں بھی اللہ کے نبی محمد عربی ﷺ کا بہت سخت فرمان منقول ہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ گناہ کبیرہ شمار کروا رہے تھے۔ شمار کراتے ہوئے جب جھوٹ کا ذکر آیا تو آپ ﷺ بار بار فرمانے لگے: **"ألا وقول الزور ألا وقول الزور يكررها حتى قلنا ليته سكت"** صدیق اکبر فرماتے ہیں کہ نبی کی حالت دیکھ کر ہم دل ہی دل میں کہنے لگے کاش کہ آپ خاموش ہو جاتے (الصحیح البخاری: ۱/ ۳۶۲)۔

البتہ یہ بات بھی واضح رہے کہ جہاں جھوٹی گواہی کی بڑی قباحت وشناعت بیان کی گئی ہے، وہیں سچی باتوں کی سچی اور صحیح گواہی کے سلسلے میں بہت سی آیات اور احادیث بھی وارد ہوئی ہیں، بطور استشہاد چند آیتیں اور روایتیں زیر بحث لائی جاتی ہیں، ایک مقام پر شہادت کے بارے میں ارشاد باری ہے: **"كونوا قوامين شهداء لله بالقسط"** اسی طرح ایک اور مقام پر ہے: **"كونوا قوامين بالقسط شهداء لله"** دونوں آیتوں میں شہادت کو فرض قرار دیا گیا ہے، ایسے ہی سورہ طلاق میں ہے: **"وأقيموا الشهادة لله"** اور سورہ بقرہ کی ایک آیت میں سچی شہادت کے چھپانے کو حرام قرار دیا گیا ہے: **"ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه"** (البقرہ: ۲۸۳) اسی طرح سورہ نساء میں فرمان باری ہے: **"ان الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها"** (النساء: ۵۸) اور حدیث پاک میں ہے کہ اللہ کے نبی محمد عربی ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ بہترین گواہ کون ہے؟ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہترین گواہ وہ ہے جو اپنی گواہی کسی کے مطالبہ

کرنے سے پہلے ادا کردے: "ألا أخبركم بخير الشهداء الذى يأتى بشهادته قبل أن يسألها (الصحیح لمسلم، باب بیان خیر الشھداء: ۲/۷۷، مشکوۃ ۳۲۷، سنن ابی داؤد: ۲/۵۰۶، فقہی مقالات: ۲/۲۸۸) ایک دوسری حدیث میں ہے: "من كتم شهادة اذا دعى اليها كان كمن شهد بالزور" (جمع الفوائد ۱، ۲۶۱) کہ جس کو شہادت کے لیے بلایا جائے پھر وہ اس کو چھپائے وہ ایسا ہے جیسے جھوٹی گواہی دینے والا (فقہی مقالات: ۲/۲۸۸)۔

مذکورہ بالا آیات واحادیث کے پیش نظر کھل کر یہ بات سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں پر سچی گواہی کا ادا کرنا ایک مکمل فریضہ ہے، لہٰذا اگر کوئی امیدوار واقعی ایماندار، سچا اور دیانتدار ہے تو پھر ایسے امیدوار کو ووٹ دینا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے، چونکہ ایسی صورت میں ووٹر ایک سچی گواہی دے رہا ہے اور آیات واحادیث سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ سچی گواہی کا ادا کرنا ضروری ہے: "ومن هٰهنا استفيد أن تحمل الشهادة فرض كفاية (ولا يأب الشهداء إذا ما دعوا) للأداء لحقيقة قوله الشهداء والشاهد حقيقة فيمن تحمل فاذا دعى لأدائها فعليه الاجابة اذا تعينت والا فهو فرض كفاية" (تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۳۸) دوسری ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نبی علیہ السلام نے بھی سچی گواہی کے چھپانے پر سخت وعید فرمائی ہے جیسا کہ اوپر حدیث ذکر کی گئی ہے، ہاں اگر امیدوار جھوٹا، فاسق وفاجر، بے ایمان اور بد دیانت ہو، ساتھ ہی دین کا دشمن بھی ہو تو پھر ووٹ نہ دینے میں بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ اگر سب کے سب ایک ہی طرح کے فاسق وفاجر، بدمعاش اور بے ایمان ہوں، لیکن ان سب میں کوئی ایسا ہو جو لوگوں کو اس کا حق دلاتا ہو، غریب، یتیم، مظلوم، بے بس اور بے سہارا لوگوں کی خبر گیری کرتا ہو، دین کی مخالفت بھی نہ کرتا ہو، تو اس امیدوار کو (ایسے امیدوار کے مقابلے میں ووٹ دینا جو لوگوں پر ظلم کرتا ہو، غریبوں اور مظلوموں کو ستاتا ہو) اسے ظلم سے روکنے کے لیے اور ایک امیدوار کو جو انصاف کا قائل ہو اسے آگے کرنے کے لیے تاکہ لوگوں کو ان کے حقوق ملیں اور غریب وبے بس لوگ بھی سکون سے زندگی گزاریں، اپنا ووٹ دینا نہ صرف جائز بلکہ واجب علی الکفایہ ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے: "من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه وان لم يستطع فبقلبه هذا هو أضعف اليمان" (مشکوۃ: ۲/۴۳۶ باب الامر بالمعروف) بیان القرآن میں حضرت تھانویؒ نے آیت کریمہ "ولا تكتموا الشهادة" کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ جب کسی حقدار کا حق بدون اس کی شہادت کے ضائع ہونے لگے اور وہ درخواست بھی کرے تو اس وقت ادائیگی شہادت سے انکار کرنا حرام ہے (بیان القرآن: ۱/۱۷۲) اسی طرح انوار البیان میں حضرت مولانا عاشق الٰہی بلندشہریؒ نے "ولا يأب الشهداء إذا ما دعوا" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے: تو گنہگار رہوں گے (انوار البیان: ۱/۵۳۳)، مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: کہ اس جمہوری ملک میں ووٹ اسلام اور کفر کی بنیاد پر نہیں دیئے جاتے ہیں، نہ

ہی اس بنیاد پر الیکشن لڑائے جاتے ہیں، جس شخص کے متعلق یہ توقع ہو کہ وہ صحیح خدمت کرے گا، نفع پہنچائے گا، حقوق دلوائے گا، ظلم کو روکے گا اس کو ووٹ دیا جائے (فتاویٰ محمودیہ: ۶۱۸/۴) حضرت مفسر وقت مولانا ومفتی محمد شفیع عثمانی نوراللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: ''سچی شہادت کا چھپانا ازروئے قرآن حرام ہے، اسی لیے آپ کے حلقۂ انتخاب میں اگر کوئی صحیح نظریہ کا حامل ودیانتدار نمائندہ کھڑا ہے تو اس کو ووٹ دینے میں کوتاہی کرنا گناہ کبیرہ ہے'' (جواہر الفقہ: ۲۹۵/۲) فقیہ العصر حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی نے کئی آیات واحادیث اس تعلق سے نقل فرمائی ہیں، پھر جمع الفوائد کی ایک حدیث: ''**ألا أخبركم بخير الشهداء الذى يأتى بشهادته قبل أن يسألها**'' (مسلم شریف: ۷۷/۲، جمع الفوائد ۲۶۱/۱) نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ووٹ بھی بلاشبہ ایک شہادت ہے۔ قرآن وسنت کے یہ تمام احکام اس پر بھی جاری ہوتے ہیں، لہٰذا ووٹ کو محفوظ رکھنا دینداری کا تقاضا نہیں، اس کا زیادہ سے زیادہ استعمال کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے (فقہی مقالات: ۲۸۸/۲) اسی کتاب میں مولانا ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ مروجہ نظام میں ایک ایک ووٹ قیمتی ہے اور یہ ہر فرد کا شرعی، اخلاقی، قومی اور ملی فریضہ ہے کہ وہ اپنے ووٹ کو اتنی ہی توجہ اور اہمیت کے ساتھ استعمال کرے جس کا وہ فی الواقع مستحق ہے (فقہی مقالات: ۲۹۳/۲) اور کچھ اسی طرح کی تفصیل حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے بھی اپنی کتاب کتاب الفتاویٰ میں لکھی ہے (۲۷۶/۶)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مذکورہ تمام آیات واحادیث اور اقوال فقہاء وعلماء کی روشنی میں ووٹ دینا شرعاً واجب ہے، اور ہندوستان جیسے ملک میں حالات کے پیش نظر ضروری ہے، کیونکہ یہ ووٹ ہی کی قوت ہے کہ اکثریتی فرقہ کے قائدین اور ارباب اقتدار مسلمانوں کا سامنا کرتے ہیں، ان کے آنسو پونچھنا چاہتے ہیں اور ان سے عہدوپیمان باندھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مسلمان اگر اپنے آپ کو حق رائے دہی سے روک لیں اور اس کی خبر ارباب اقتدار کو ہوجائے کہ مسلمان صرف ان سے لینا چاہتے ہیں ان کو کچھ دینا نہیں چاہتے، تو پھر وہ مسلمانوں کی طرف پھٹک کر بھی نہ دیکھیں اور جو کچھ مسلمانوں کے مذہبی حقوق محفوظ ہیں ان سے بھی محروم ہونا پڑے، اس لیے ہندوستان میں بالخصوص ووٹ دینا بنظر مصلحت ضروری ہے، یعنی واجب علی الکفایہ ہے۔

سوال ۲: الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا کیا حکم ہے؟

حامداً ومصلیاً: حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے صراحت کے ساتھ امارت کے طلب کرنے سے منع فرمایا ہے، صحیح بخاری اور دیگر تمام کتب احادیث میں روایت موجود ہے: ''**عن الحسن قال: حدثنا عبدالرحمٰن بن سمرة** ؓ **قال: قال النبى** ﷺ: **يا عبد الرحمن بن سمرة! لا تسأل الإمارة فإنك إن تؤتيتها عن مسألة وكلت**

إليها وإن أوتيتها عن غير مسألة أعنت عليها" (الصحيح البخاری:باب من تسأل الامارة وكل اليها، ۱۰۵۸/۲، وهكذا فی سنن ابی داؤد :باب ماجاء فی طلب الامارة، ۴۰۶/۲، وهكذا فی سنن النسائی :باب النهی عن مسألة الامارة، ۲۵۸/۲) لہٰذا حدیث صریح کی روشنی میں بذات خود کسی عہدہ کا طلب کرنا یا کسی عہدے کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنا شرعاً درست نہیں ہے، البتہ اگر کسی کو کسی عہدہ کے لیے پیش کش کی جائے تو اس کے لیے قبول کرنا جائز و درست ہے، جیسا کہ حدیث پاک میں حضرت معاذ بن جبلؓ کا قاضی مقرر کیا جانا اور ان کا اسے قبول کرنا تمام کتب احادیث میں صراحتاً مذکور ہے، لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ اس کے اندر اہلیت موجود ہو، اسی لیے اگر اس کے اندر بالکل اہلیت نہ ہو تو پھر اس کے لیے اسے قبول کرنا بھی درست نہیں ہے، ہاں اگر اس شہر میں کوئی بھی اس عہدے کے لائق نہ ہو سب کے سب فاسق و فاجر ہوں اور کوئی آدمی اس امید پر اپنے آپ کو امیدوار بنا کر پیش کرے کہ وہ اس عہدے کا حق ادا کرسکتا ہے، ظالم کو ظلم سے روک کر، مظلوم کو اس کا حق دلا کر، بے سہاروں کا سہارا بن کر اور ہر صاحب حق کو اس کے حقوق دلا کر تو پھر ایسی صورت میں اس کے لیے اس عہدہ کا طلب کرنا درست ہوگا تاکہ خدا کی اس زمین پر انصاف قائم ہو اور ظلم کا خاتمہ ہو۔

چنانچہ عہدہ قضا کے سلسلے میں کچھ اسی طرح کی تفسیر اسلامی عدالت میں کی گئی ہے، بطور استشہاد عبارت پیش نظر ہے، مصنف تحریر فرماتے ہیں: "پس اگر حالات ایسے ہوں کہ صاحب صلاحیت لوگوں کا فقدان ہو اور ایک شخص یہ محسوس کرتا ہو کہ وہ منصب قضا کی ذمہ داری کو پورا کرسکتا ہے اور کوئی دوسرا شخص اس کا اہل موجود نہ ہو، یا اگر وہ کھڑا نہ ہو تو یہ منصب غیر اہل کے پاس چلا جائے گا تو ایسی صورت میں مصالح المسلمین کے اس اہم شعبہ کی بقاء اور حقوق الناس کے تحفظ کی خاطر نیز اس فرض کفایہ کی ادائیگی کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ شخص جو اس کا اہل ہے اور حالات نے اس کو اس عہدہ کے لیے متعین کردیا ہے، اس کے لیے نہ صرف یہ کہ اس عہدے کا طلب کرنا جائز ہوگا بلکہ واجب ہوگا (اسلامی عدالت/۲۰۰) اور کچھ اسی طرح کی وضاحت علامہ شامیؒ نے بھی کی ہے: **"وأما إذا تعين بأن لم يكن أحد غيره يصلح للقضاء وجب عليه الطلب صيانة لحقوق المسلمين ودفعا لظلم الظالمين"** (شامی: ۴۲۵/۴) البتہ یہ اس وقت ہے جبکہ اس کے اندر اہلیت موجود ہو، لیکن اگر اس نے محض جاہ و منصب حاصل کرنے یا ناجائز فائدہ اٹھانے کے لیے اپنے آپ کو امیدوار بنا کر پیش کیا ہے جبکہ وہ خود بھی اس کا اہل نہیں ہے تب تو شرعاً اس کے لیے طلب کرنا بھی جائز نہیں ہوگا (معین الحکام/۱۱)، البتہ اس زمانے میں جبکہ اولاً لوگوں میں بہت کم ہی ایسے ملتے ہیں جو واقعی تقویٰ و طہارت کے پابند اور واقعی دیندار ہوں، آج تو پوری ملت فساق و فجار سے بھری ہے اور جو لوگ متقی ہیں بھی تو انہیں اس سیاسی لائن سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں اگر کوئی فاسق اپنے آپ کو امیدوار بنا کر پیش کرے اور واقعتا اس کے اندر یہ خوبیاں ہوں کہ وہ ظالم کو ظلم سے روکے گا، مظلوم کو اس کا حق دلائے گا اور

شریعت کے کسی امر میں ناجائز مداخلت نہ کرے گا نہ کرنے دے گا، تو پھر ایسے آدمی کے لیے شرعاً اپنے کو امیدوار بنا کر پیش کرنے کی گنجائش ہوگی، فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: "الأمور بمقاصدها" (الاشباہ والنظائر) اور اگر چہ اپنے کو امیدوار بنا کر پیش کرنا درست نہیں لیکن مصلحتاً گنجائش ہوسکتی ہے۔

سوال: غیر مسلم ملکوں میں اور بہت سے مسلم ملکوں میں بھی قانون ساز ادارے مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں، ایسی صورت میں ان اداروں کا ممبر بننا درست ہوگا یا نہیں؟ خاص کر ان حالات میں کہ ہندوستان کے موجودہ قوانین کے مطابق اگر کوئی پارٹی ایسے ممبروں کے لیے کوئی وہیپ جاری کردے تو وہ پارٹی کی پالیسی کے مطابق ووٹ دینے کا پابند ہوجاتا ہے اور اپنے ضمیر کی آواز پر ووٹ دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔

حامداً ومصلیاً: ممالک خواہ مسلم کے ہوں یا غیر مسلم کے موجودہ دور میں تقریباً تمام ممالک میں جمہوری قانون کا اجراء اور نفاذ ہے، اور ظاہر ہے کہ جمہوری قانون کسی شریعت اور مذہب کا پابند نہیں ہوتا بلکہ وہ عوام الناس کو سامنے رکھ کر ان کے حالات کی مناسبت سے وضع کیا جاتا ہے، اب جس ملک میں عوام کی جو حالت ہوتی ہے اس کے مطابق قانون ساز ادارے قانون وضع کرتے ہیں، چونکہ شریعت یا مذہبیت ان کے پیش نظر نہیں ہوتا اس لیے کچھ قانون اس طرح کے بھی بن جاتے ہیں جو شریعت اور مذہب کے خلاف ہوتے ہیں، البتہ قانون کے جمہوری ہونے کی وجہ سے اگر چہ قانون نافذ ہوجائے پھر بھی شریعت کے ماننے والوں کی اپیل سنی جاتی ہے اور بسااوقات اپیل کے مطابق رعایت بھی کی جاتی ہے، بالخصوص ہندوستان میں تو بہت حد تک شریعت اسلامی کی رعایت کی جاتی ہے اور ممکن حد تک مسلمانوں کو تحفظ ملتا ہے، اور اس کی واضح دلیل مسلم پرسنل لاء کا تحفظ ہے، جو بحمد اللہ اپنی پوری جامعیت کے ساتھ ہندوستان میں باقی ہے، اور فقہ کا مشہور اصول ہے کہ خاص قسم کے نقصان کو عام نقصان سے بچنے کے لیے برداشت کیا جائے "يتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر العام" (الاشباہ والنظائر ر ۸۷) لہٰذا خاص طور پر ہندوستان جہاں مسلمانوں کی آبادی صرف پندرہ سے سولہ فیصد ہے، اس کے باوجود اتنی رعایتیں حکومت کی جانب سے ملتی ہیں جو اور ملکوں میں بہت مشکل ہے، اور ظاہر ہے کہ اس کی ایک بڑی وجہ مسلمانوں کا الیکشن میں ووٹ ڈالنا اور ممبر سازی میں حصہ لینا ہے اور حکومت بھی مسلمانوں کو اسی وجہ سے اہمیت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور رعایت فراہم کرتی ہے، لہٰذا ایسی صورت حال میں جبکہ ملک کفار ومشرکین کی ۸۰ فیصد تعداد کو مشتمل ہے، پھر بھی ہمیں رعایتیں اور مکمل مذہبی آزادی مل رہی ہے، تو محض اس بنیاد پر کہ قانون ساز اداروں کے کچھ قانون مخالف شریعت ہیں، ممبر سازی کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا، بلکہ اسے جائز سے آگے بڑھ کر ضروری کہنا چاہیے، چونکہ اگر ہم نے ممبر سازی کو بالکلیہ ناجائز قرار دیدیا اور مسلمانوں کو اس سے روک دیا تو پھر نتیجہ یہ ہوگا کہ ابھی تو کچھ قانون ہی مخالف شرع ہیں، بعد میں سارے قانون مخالف شرع

بنیں گے اور پھر اس وقت ہمیں ان تمام قانون کو برداشت کرنا پڑے گا اور اس کے سامنے چارہ جوئی کا کوئی حق بھی نہیں ہوگا، ویسے اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وقت وحالات اور مصلحت کی بنیاد پر بعض وہ چیزیں بھی برداشت کی جاسکتی ہیں جو قانون شریعت کے خلاف ہوں، بالخصوص آپ صلح حدیبیہ کا پس منظر دیکھیں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ وہ صلح بالکلیہ شریعت اسلامی کے خلاف ہوئی اور حدتو یہ ہوئی کہ کفار مکہ نے صلح نامہ پر نبی کا نام بھی رسول کے ساتھ نہیں لکھنے دیا، اس کے باوجود آپ ﷺ نے وقت اور حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اس صلح نامہ کو قبول کرلیا، اور کفار ومشرکین کی ساری باتیں تسلیم کرلیں، اسی طرح آپ ﷺ نے حضرات صحابۂ کرام کو حبشہ ہجرت کرنے کا حکم دیا جبکہ خود حبشہ میں بھی کفار ہی کی حکومت تھی، لیکن چونکہ وہاں کے بادشاہ نے مسلمانوں کو مذہبی آزادی دے دی، اس لیے آپ ﷺ نے وہاں ہجرت کا حکم دیا تاکہ وہاں جاکر شریعت کے احکام پر عمل کرسکیں، اس لیے ہندوستان جہاں مسلمانوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی مکمل آزادی ہے اور تقریباً سارے قوانین بھی محفوظ ہیں، ایک دو یا چند قانون کے مخالف شرع ہونے کی وجہ سے ممبر سازی سے اپنے کو الگ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ احقر کی رائے تو یہ ہے کہ ممبر سازی میں اپنی تعداد جہاں تک ممکن ہو بڑھانی چاہیے، تاکہ ہمارا ایک رعب اور دبدبہ حکومت کی نگاہ میں ہمیشہ قائم رہے۔ کچھ ایسی ہی تفصیل کتاب الفتاویٰ میں بھی موجود ہے۔

سوال: بعض عیسائی ملکوں میں ہر ممبر کو بائبل پر حلف لینا پڑتا ہے، خواہ وہ کسی مذہب کا ہو، تو کیا مسلمان کے لیے یہ عمل درست ہوگا؟

حامداً ومصلیاً: شرعاً اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانا درست نہیں ہے، حدیث پاک میں ہے: **قال النبی ﷺ: "لا تحلفوا إلا باللّٰہ"** (سنن ابی داوٗد: ۲/۴۶۳) حضرات فقہاء نے بھی اس سلسلے میں واضح انداز میں فرمایا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا شرعاً ناجائز ہے، **"والقسم باللّٰہ تعالیٰ أو باسم من أسمائه کالرحمٰن والرحیم والحق اوبصفة من صفاته تعالیٰ کعزة اللّٰہ وجلاله وکبریائه وعظمته ولایقسم بغیر اللّٰہ تعالیٰ کالنبی والقرآن والکعبة"** (الدر علی الرد: ۲/۲۹۱)، وھٰکذا فی فتاویٰ عالمگیری: ۱/۶۴۴، وھٰکذا فی البحر الرائق: ۴/۴۸۰ تا ۴۸۱، وھٰکذا فی مجمع الانھر، کتاب الایمان: ۲/۲۶۰، وھٰکذا فی فتاویٰ محمودیہ: ۱۴/۳۵ تا ۳۶) لہٰذا حدیث اور عبارات فقہاء کی روشنی میں بائبل کی قسم کھانا درست نہیں ہے، البتہ اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اگر حکومت کی طرف سے اتنی پابندی ہو کے اس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہ ہو تو پھر بطور مجبوری دل میں یہ خیال رکھتے ہوئے کہ قسم تو صرف اللہ کی کھائی جاتی ہے، مگر مجبوری میں بائبل پر ہاتھ رکھ کر کھا رہا ہوں، قسم کھا سکتا ہے اور اسے اکراہ پر محمول کرتے ہوئے جواز کی گنجائش ہے، لیکن قسم کھانے والا اس کے بعد توبہ واستغفار بھی کرلے۔

سوال: بعض سیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں، لیکن ان کے منشور کے بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغائر ہوتی ہیں، کیا ایسی پارٹیوں میں شریک ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونا جائز ہوگا؟

حامداً ومصلیاً: وہ سیکولر پارٹیاں جو مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے کام کرتی ہیں اور مسلمانوں کے خیالات سے حد درجہ اتفاق رکھتی ہیں، ایسی پارٹیوں میں اگر چہ بعض چیزیں مسلمانوں کے مفادات کے خلاف شامل ہوتی ہیں، لیکن وہ اس قدر نقصان دہ نہیں ہیں جس طرح وہ پارٹیاں نقصان دہ ہیں جن کے اکثر دستور وقوانین مسلم مخالف ہیں، اس لیے وہ پارٹیاں جو مسلم مفادات کا زیادہ خیال رکھتی ہیں اور جن کے دستور میں مسلمانوں کی زیادہ رعایت کی گئی ہے وہ اس پارٹی کے مقابلے بہتر ہے جس کے اکثر قوانین مسلم مخالف ہیں، اور پھر ہندوستان جیسے ملک میں جہاں تقریباً ساری پارٹیاں غیر مسلموں کی ہیں اور ساری پارٹیوں کے سربراہان غیر مسلم ہیں، اور غیر مسلم ہونے کے ناطے تقریباً سب کا نقطۂ نظر بھی ایک ہی ہے، تو ایسی صورت میں اگر کوئی ایسی پارٹی ابھر کر سامنے آتی ہے جو مسلم مفادات کا خیال رکھتی ہے، اپنے دستور وقوانین میں مسلمانوں کی رعایت کرتی ہے اور ممکن حد تک مسلمانوں کے مفادات میں کام کرتی ہے تو ایسی پارٹی کو سپورٹ کرنا، اس پارٹی میں شامل ہونا اور اس کے ساتھ مل کر الیکشن لڑنا اور اس کی حکومت میں شامل ہونا فقہ کے اصول جب دو مفسدہ ایک جگہ جمع ہو جائیں تو ہلکے مفسدہ کو برداشت کر کے بڑے مفسدہ سے بچا جائے۔ ''یتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام (الاشباہ والنظائر/۸۷) کے تحت عمل کرنا ہوگا، اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہندوستان میں اکثر سیاسی پارٹیوں کے دستور زیادہ تر مسلم مخالف ہیں اور اس کی وجہ بھی صاف ہے کہ یہاں کا نظام جمہوری ہے اور ظاہر ہے کہ جمہوری نظام میں کسی ایک مذہب کی پوری رعایت نہیں ہو سکتی اور جب ایسا ہے تو پھر جس پارٹی کے زیادہ قوانین اسلام اور مسلمانوں کے مفادات میں ہوں اسے ہلکا ضرر سمجھتے ہوئے اسے سپورٹ کرنا ہی شرعی نقطۂ نظر سے بہتر ہے، احقر کی رائے بھی یہی ہے کہ ایسی پارٹی کو ہی اپنا رہنما بنایا جائے جو اپنی اور اپنے مذہب کی ممکنہ حد تک رعایت کرے۔

سوال: جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمان کی مخالفت شامل ہو، کیا کسی مسلمان کے لیے ایسی پارٹی میں شریک ہونا جائز ہوگا؟ نیز اگر کسی کی نیت ہو کہ وہ پارٹی میں شریک ہو کر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا تو کیا اس کے لیے اس پارٹی میں شریک ہونے کی گنجائش ہوگی؟

حامداً ومصلیاً: جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور جن کے دستور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہیں، ان کا تعاون کرنا اور ان کی حمایت کرنا یہ تعاون علی الاثم کے مترادف ہے جو بالکلیہ ممنوع ہے، لہٰذا اگر تحقیق سے یہ بات

ثابت ہوجائے کہ واقعی اس پارٹی کے دستور مسلمان اور اسلام کے مخالف اور مغائر ہیں تو پھر اس پارٹی میں شامل ہونے سے احتراز کرنا ہی بہتر ہے، ایک خاص بات یہ ہے کہ کسی بھی ممبر کو پارٹی میں شریک ہونے کے بعد اسے پارٹی کے دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے، اور اس کے دستور کے مطابق کام کرنا ایک غلط کام پر اس کا تعاون اور حمایت کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ غلط اور ظلم پر تعاون بھی ظلم ہے جس کی شرعاً گنجائش نہیں ہے، قرآن کریم میں ہے: ''**ومن يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها ومن يشفع شفاعة سيئة يكن له كفل منها**'' (النساء ۸۵) دوسری بات یہ ہے کہ جب ایسی پارٹیاں موجود ہیں جس کے اکثر دستور میں مسلمانوں کی رعایت کی گئی ہے اور جو مسلمانوں کے مفادات میں کام کرتی ہیں تو ایسی پارٹی کے رہتے ہوئے اس پارٹی کی حمایت کرنا جس کے سارے دستور مسلمانوں کے خلاف ہوں اور جو کھلم کھلا مسلمانوں کے خلاف کام کرتی ہو اس کی حمایت کرنا بالکلیہ ناانصافی ہے اور شریعت میں ناانصافی سے منع کیا گیا ہے، قرآن کریم میں ہے: ''**ولا يجرمنكم شنآن قوم علىٰ أن لا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوىٰ**'' (المائدہ) کہ کسی قوم کے بھڑکانے پر تم ناانصافی نہ کرو انصاف کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

اس کے علاوہ حدیث پاک میں حضور اکرم ﷺ نے پوری وضاحت فرمادی ہے کہ جو جیسے طریقے کو ایجاد کرے گا اس کو اس کا بدلہ ملے گا، اگر کوئی نیک کام کا ایجاد کرے گا تو اسے اس کا بدلہ ملے گا اور جو لوگ اس کے ایجاد کیے ہوئے راستے پر چلیں گے تو اس کے عمل کرنے کی وجہ سے جتنا اس کو ثواب ملے گا اتنا ہی ایجاد کرنے والے کو بھی ملے گا، اسی طرح اگر کوئی برائی کو ایجاد کرے گا تو اس کو اس کا بدلہ ملے گا اور جو لوگ اس راستے پر چلیں گے تو اس پر چلنے والے کے برابر گناہ اس ایجاد کرنے والے کو بھی ہوگا، تو اس حدیث کی روشنی میں بھی ایک ایسی پارٹی میں شریک ہونا جو مسلمانوں کا کھلا دشمن ہو اس کی گنجائش مشکل ہے۔ البتہ ایک حدیث جو صحیح بخاری و مسلم اور دیگر تمام کتب احادیث میں موجود ہے: **عن انسؓ قال قال النبی ﷺ: انصر اخاک ظالما ومظلوما قال رجل: يا رسول الله! أنصره مظلوما فكيف أنصره ظالما؟ قال: تمنعه من الظلم فذلك نصرك إياه متفق عليه** (الصحیح البخاری: ۱/۲۳۰، مشکوۃ: ۲/۴۲۳) اس حدیث میں اللہ کے نبی محمد عربی ﷺ نے فرمایا: کہ مظلوم کی بھی مدد کرو اور ظالم کی بھی، ایک صحابیؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ! ظالم کی مدد کیسے کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے ظلم سے روک کر اس کی مدد کرو، اسی طرح ایک اور حدیث جس کے راوی حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''**الناس إذا رأوا الظالم فلم يأخذوا على يديه أوشك أن يعمهم الله العقاب**'' (جمع الفوائد: ۲/۵۱) کہ اگر لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ ان سب پر عذاب عام نازل فرمادیں، مذکورہ بالا دونوں حدیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکنا چاہیے اور روکنے کی پوری

کوشش کرنی چاہیے، لہٰذا اگر کوئی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ کوئی پارٹی ظلم کر رہی ہے اور انتخابات میں حصہ لے کر اس ظلم کو کسی نہ کسی درجہ میں مٹانا اس کی قدرت میں ہے تو ان احادیث کی رو سے نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ فرض ہے کہ خاموش بیٹھنے کے بجائے انتخابات میں پوری دلیری سے حصہ لے اور ظالم کو ظلم سے روکنے کی بھرپور کوشش کرے (فقہی مقالات: ۲/۲۸۶)۔

سوال: ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، مسلمانوں کے لیے علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا جائز ہوگا؟ جبکہ اسے سیکولر ایجنڈے کے تحت ہی کام کرنا پڑتا ہے، نیز ایک احساس یہ بھی ہے جہاں مسلمانوں کی آبادی مرتکز نہیں ہوتی، وہاں خصوصاً اور دوسرے علاقوں میں عموماً مسلم سیاسی جماعت کا قیام مسلمان مخالف ووٹ کو متحد کر دیتا ہے، اور اس سے فرقہ پرست تنظیمیں فائدہ اٹھا لیتی ہیں۔

حامداً و مصلیاً: قرآن کریم میں مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کا حکم دیا گیا ہے اور افتراق و انتشار، فرقہ پرستی اور اختلاف سے منع کیا گیا ہے ارشاد باری ہے: ”واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا“ (القرآن) ایک اور جگہ ارشاد ہے: ”ولاتنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم واصبروا ان الله مع الصابرين“ (الانفال:۴۶) اسی طرح حدیث پاک میں اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ” لاتباغضوا ولا تحاسدوا وكونوا عباد الله إخواناً “(مشکوٰۃ ۲/۴۲۷) اللہ کے نبی ﷺ نے بغض و حسد سے منع فرما کر بھائی بھائی بن کر رہنے کا حکم فرمایا، اور قرآن و حدیث میں مختلف مواقع پر مختلف انداز میں فرقہ پرستی سے بچنے اور اتحاد کے ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا ہے، اور ایک موقع پر اللہ رب العزت نے ایک ساتھ رہنے کا طریقہ بھی بیان فرمایا: ”يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولی الأمر منكم“ کہ ایمان والو! تم ایک آدمی کو اپنا امیر منتخب کرلو اور اس کے حکم پر ایک ساتھ زندگی گزارو، اسی طرح ایک حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم امیر کی اطاعت کرو اگر چہ تمہارا امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، تو ان آیات و احادیث کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ایک سربراہ کی سربراہی اور ایک رہنما کی رہنمائی میں زندگی گزارنی چاہیے، اور مسلمانوں کو مستقل اپنی حکومت بنانی چاہیے، البتہ ہندوستان جہاں مسلمانوں کے لئے اپنی حکومت بنانا نہ صرف یہ کہ مشکل بلکہ ناممکن ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ ملک جمہوری ہے اور اس کے دستور میں یہ بات شامل ہے کہ یہاں بسنے والے ہر شخص کو سیکولر ایجنڈا کے تحت رہ کر ہی کام کرنا پڑے گا اور ظاہر ہے کہ جب سیکولر ایجنڈا کے تحت رہ کر ہی کام کرنا پڑے گا تو پھر اپنی پارٹی الگ بنانے کا کوئی خاص فائدہ بھی نظر نہیں آتا، چونکہ اپنی پارٹی بنانے کا ایک خاص مقصد مسلمانوں کے ذہن میں جو ہو سکتا ہے وہ یہی ہے کہ مسلمان اپنے مذہب کے مطابق قانون بنا سکے اور ظاہر ہے کہ یہ بات اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ ہر پارٹی کو قانون بنانے کا اختیار کلی حاصل ہو، جبکہ کسی بھی جمہوری ملک میں ایسا کرنے کی گنجائش کسی پارٹی کے لیے نہیں ہے۔ ہر پارٹی سیکولر ایجنڈے کی

پابند ہے اوراس کے تحت ہی قانون بنانا ہوتا ہے، لہٰذا اس نقطۂ نظر سے کہ اپنے مذہب کے مطابق قانون بنے پارٹی بنانا بیکار ہے، اب ایک دوسری صورت یہ ہے کہ اس نیت سے پارٹی بنائی جائے کہ اپنی قوت ہوگی اور اپنی حکومت بنے گی تو اس سلسلے میں سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ مسلمانوں کی آبادی کتنی ہے، اگر آپ تحقیق کریں گے تو معلوم ہوگا کہ اس ملک میں مسلمانوں کی آبادی بمشکل سولہ سے سترہ فیصد ہے، اب ظاہر ہے کہ اتنی قلیل تعداد میں رہنے والی جماعت اگر پارٹی بنا کر اپنی قوت کا اظہار کرنا چاہے اور اپنی حکومت بنانے کا خواب دیکھے تو یہ ایک ایسا خواب ہے جو شرمندۂ تعبیر نہ ہونے والا ہے، ایک تیسری صورت یہ ہے کہ محض اس نیت سے پارٹی بنائی جائے کہ اپنی بھی ایک پارٹی ہونی چاہیے تو پھر ہمیں غور کرنا چاہیے کہ اس میں ہمارا کتنا فائدہ ہے اور کتنا نقصان؟ اور ظاہر ہے کہ جب ہم اس پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ علاقے جہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے وہاں تو ہم کامیاب ہو پاتے ہیں اور وہ بھی نہ کے درجے میں اور اس کے بالمقابل جہاں ہماری آبادی کم ہے (اور اکثر علاقہ ایسا ہی ہے) تو وہاں ہمیں نہ صرف یہ کہ ناکامی ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات اتنا بڑا تاثر ہندوستانی عوام لیتی ہے کہ پوری قوم یکجا طور پر ہماری مخالفت پر اتر جاتی ہے اور پھر اس کے نتیجے میں جو بری فضا بنتی ہے اس کو قلم بند کرنا بہت مشکل ہے، دو لفظوں میں اگر لکھا جائے تو یہ لکھنا بجا ہوگا کہ اپنی پارٹی الگ بنانے کی صورت میں وہ علاقے جہاں مسلمانوں کی آبادی برائے نام ہے اور وہ غیر مسلم بھائیوں کے نظر کرم کے ساتھ ہی جیتے ہیں ان کے لئے نہ صرف یہ کہ خوف وہراس اور بے چینی ہوتی ہے بلکہ ان کی جان ومال اور عزت وآبرو کا بھی کوئی محافظ نہیں ہوتا اور پھر ان کے لئے زندگی کا ہر لمحہ زہر بن جاتا ہے اور اتنی مشکلیں آتی ہیں کہ ان کا سامنا کرنا دشوار ہو جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ اپنی پارٹی بنانے کا جو ایک موہوم غرض اپنی قوت کا حصول اور اپنے مذہب کی بالادستی ہے وہ تو نہ حاصل ہوتی ہے اور نہ حصول کی امید ہے، البتہ اس کے نتیجے میں وہ برے نتیجے جس کا خوف ہے وہ سامنے آ کر رہتا ہے اور شریعت مطہرہ میں حصول منفعت کے مقابل مفاسد کو دور کرنا ضروری ہے حدیث پاک میں ہے: "إذا أمرتکم بشئی فاتو منه مااستطعتم واذا نهیتکم عن شئی فاجتنبوه" اور فقہ کا مشہور اصول ہے: "درء المفاسد أولی من جلب المصالح" (الاشباه والنظائر / ۹۰ القاعدة الرابعة) لہٰذ مذکورہ بالا حدیث اور فقہ کے اس مشہور اصول کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں اپنی پارٹی بنانے کے نتیجے میں مفاسد کا خطرہ ہے، وہاں پارٹی نہ بنانا ہی بہتر ہے۔

سوال: ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ الیکشن میں خواتین کا کیا کردار ہونا چاہیے، کیا انہیں ووٹنگ میں حصہ لینا چاہیے، کیا ان کے لئے الیکشن میں امیدوار بننا جائز ہے، کیا وہ قانون ساز اداروں کا ممبر بن سکتی ہیں؟

حامداً ومصلیاً: قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے عورتوں کے سلسلے میں جو احکام نازل فرمائے ہیں ان سے

اندازہ ہوتا ہے کہ عورت سراپا پردہ ہے اور اسے پردہ ہی میں رہنا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: "**المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشیطان**" کہ عورت سراپا پردہ ہے جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے (ترمذی ۱/۲۲۲) اسی طرح اللہ نے اپنے نبی کو مخاطب کر کے فرمایا: "**یا أیها النبی قل لأزواجک وبناتک ونساء المؤمنین یدنین علیهن من جلابیبهن ذلک أدنی أن یعرفن فلا یؤذین**" (الاحزاب/ ۵۹) (کہ اے نبی اپنے بیویوں، بیٹیوں اور مسلمان کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنے اوپر چادر اور گھونگھٹ ڈال لیا کریں، اس سے امید ہے کہ وہ پہچان لی جائیں گی، پھر انہیں ستایا نہیں جائے گا)، اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد باری ہے: "**وقرن فی بیوتکن ولاتبرجن تبرج الجاهلیة الأولی**" (کہ تم اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ رہو اور زمانہ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار نہ کرو) (الاحزاب/ ۳۲۰) ایک مقام پر اللہ نے عورتوں کو مخفی زینت کے اظہار سے بھی منع فرمایا: "**ولا یضربن بأرجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن**" (النور/ ۳۱) (عورتیں زمین پر پاؤں مارتے ہوئے نہ چلیں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہیں وہ معلوم ہو جائیں)، اسی طرح حدیث پاک میں ہے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی لعنت ہو ایسی عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں اور ایسے مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں (ترمذی) الغرض قرآن کریم کے زریں اصول اور حدیث پاک کے خوبصورت اسلوب سے اتنی بات تو کھل کر سامنے آتی ہے کہ عورت بہرحال پردہ کی چیز ہے، اسی لئے علماء امت کا اجماع ہے کہ سربراہی عورت کی جائز نہیں ہے۔ "**واتفقوا علی أن الإمامة لا تجوز لامرأة**" (جواہر الفقہ ۷/ ۱۸۴ تا ۱۸۶) امام الحرمین علامہ جوینی لکھتے ہیں: "**وأجمعوا علی أن المرأة لا تکون إماماً**" کہ عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر اجماع ہے، انہوں نے اپنی دوسری کتاب غیاث الامم للجوینی میں سربراہی کرنے والے کی شرائط لکھی ہے، "**ومن الصفات اللازمة المعتبرة: الذکورة والحریة**" (۸۲، بحوالہ جواہر الفقہ ، ۷/ ۱۸۸) اسی طرح ادب وانشاء اور تاریخ کے امام علامہ نقشبندی بھی سربراہ کی شرط بیان کرتے ہوئے سب سے پہلی شرط لکھتے ہیں: "**الاول الذکورة...... والمعنی فی ذلک ان الامام لایستغنی عن الاختلاط بالرجال والمشاورة معهم فی أمور، والمرأة ممنوعة من ذلک، ولأن المرأة ناقصة فی امرنفسها حتی لاتملک النکاح فلا تجعل الیها الولایة لغیرها**" (جواہر الفقہ: ۷/ ۱۸۹) اس کے علاوہ امام بغویؒ، قاضی ابوبکر ابن العربیؒ، علامہ قرطبیؒ، امام غزالیؒ، علامہ تفتازانیؒ جیسے عظیم علماء نے بھی سربراہ قوم کی بنیادی شرطوں میں یہ شرط لکھی ہے کہ وہ مرد ہو، یعنی عورت سربراہ نہیں ہو سکتی، اور عہد حاضر کے بعض محققین جنہوں نے اسلامی سیاست کے موضوع پر کتابیں لکھی ہیں وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ عورت کے سربراہ بننے کے عدم جواز پر امت کا اتفاق ہے (جواہر الفقہ: ۷/ ۱۹۱) آج کل بعض حضرات عورت کی سربراہی کے جواز میں تاریخ کی بعض مثالیں پیش

کرتے ہیں کہ فلاں فلاں موقع پر فلاں عورت سربراہ رہی، لیکن ظاہر ہے کہ تاریخ میں جائز وناجائز ہر طرح کے واقعات ہوئے ہیں۔ یہ واقعات دین میں کوئی سند نہیں ہیں، سند قرآن وسنت ہیں، لہٰذا اگر کہیں اکا دکا واقعات عورت کی سربراہی کے پیش آئے ہیں تو ان کی بنیاد پر قرآن وسنت کے واضح احکام اور دلائل کو چھوڑا نہیں جا سکتا، اور پھر ان حکومتوں کے دور میں بھی کسی فقیہ یا عالم نے عورت کی سربراہی کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا (جواہر الفقہ: ۷/ ۲۱۳)۔

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا مباحث کی روشنی میں احقر کے نزدیک عورتوں کا الیکشن میں بطور امیدوار حصہ لینا شرعاً جائز نہیں ہے، اسی طرح عورتوں کا ممبر پارلیمنٹ بننا بھی شرعاً درست نہیں ہے۔ اب رہی بات کہ ووٹ ڈال سکتی ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں تھوڑی تفصیل یہ ہے کہ اگر حالات کچھ اس طرح کے ہوں کے ووٹ ڈالنا بالکل ضروری ہو، مثلاً اگر ایک صالح اور دوسرا غیر صالح امیدوار ہو اور عورتیں ووٹ نہ دیں تو غیر صالح کے جیتنے کی امید ہو تو ایسی صورت میں شرعی پردے کے ساتھ اس کی گنجائش ہو سکتی ہے، جیسا کہ صاحب احسن الفتاویٰ نے بھی وضاحت فرمائی ہے (احسن الفتاوی: ۸/ ۳۱)۔

الیکشن سے مربوط چند مسائل

مولانا محمد فاروق غفرلہٗ☆

اسلام ایک کامل، جامع اور ہمہ گیر مذہب ہے، جو اپنے دامنِ وسیع وعریض میں شئون عالم کو سمیٹے ہوا ہے، اور ہر وقت ہرطرح کی ضروری رہنمائی کرتا ہے، ان ہی شئونِ عالم میں سے سیاست بھی ایک اہم جزء ہے، جس سے اسلامیات کا ایک گہرا اور مضبوط رشتہ ہے، بلکہ اسلام میں اس کی حیثیت چولی دامن کی ہے، جس پر آپ ﷺ کی تیئیس سالہ چوکس قیادت اور آپ ﷺ کے بعد خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی امارت وخلافت شاہد عدل ہیں، بلکہ اسلامی سیاست کے اہم ترین ابواب ''کتاب السیر والجہاد'' میں ہر صاحب فہم وفراست اس کی جھلک دیکھ سکتا ہے، لہٰذا سیاست اور اس کے اہم ترین حصے ''ووٹ وانتخاب'' کے ہر پہلو میں اسلام کا نقطۂ نظر اور رہنمائی موجود ہے، جس کو بروئے کار لاکر طریقۂ ناروا سے احتراز اور راہِ راست سے سرفراز ہوا جاسکتا ہے۔

چونکہ اس موضوع پر ماضی قریب اور عصر حاضر میں متعدد تصنیفات مختصراً اور مفصلاً معرض شہود پر آچکی ہیں، جیسے کہ حضرت تھانویؒ کے سیاسی افکار، حضرت مفتی شفیع صاحب کا رسالہ جواہر الفقہ میں ووٹ کی شرعی حیثیت، مفتی تقی عثمانی صاحب زید مجدہ کی کتاب ''اسلام اور سیاسی نظریات'' مولانا عبد الرحمٰن کیلانیؒ کی ''خلافت وجمہوریت''، مولانا مصطفیٰ عبد القدوس صاحب کی کتاب ''ووٹ ووٹرس، امیدوار کے آداب واحکام وغیرہ'' اس لئے بندہ سوال کے مطابق مختصر عرضِ جوابات پیش کرتا ہے:

ووٹ کا لغوی مفہوم:

ووٹ Vote یہ انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کو عربی میں الصوت، یا الرأئی فی الانتخاب اور ہندی زبان میں ernku کہتے ہیں، جس کا مفہوم کسی معاملہ کے لیے رائے دینا ہے (فیرز اللغات)۔

☆　جامعہ دار الاحسان بارڈولی، سورت، گجرات۔

عرفی مفہوم:

عرف وعادت میں ایک منصب وعہدہ کے لیے متعدد امیدواروں میں سے کسی ایک لائقِ منصب کے لیے مستحق منصب ہونے کی رائے دینا، ووٹ دینا کہلاتا ہے۔

منصب وعہدہ کی حقیقت:

تعلیم اسلام کے مطابق حکومت کی سربراہی کرنا، منصب وعہدہ پر فائز ہونا، نہ کوئی حق ہے اور نہ مفاد خاص ہے کہ اس کے حصول کے لئے انسان جدوجہد اور کوشش کرے، بلکہ یہ ایک انتہائی سخت ذمہ داری کا بوجھ ہے، جس سے حتی الامکان علیحدہ رہنا بہتر ہے، الا یہ کہ کسی ضرورت کی وجہ سے انسان پر آ پڑے تو اسے ایک امانت اور ذمہ داری سمجھ کر نبھائے۔ جیسا کہ مسلم شریف میں حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے جناب نبی کریم ﷺ سے خواہش ظاہر کی۔ انہیں کسی جگہ کی حکومت سونپ دی جائے تو اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”**يا أباذر إنک ضعيف وإنها أمانة وإنها ليوم القيمة خزى وندامة إلا من أخذها بحقها وأدى الذي عليه فيها**“ (مسلم شریف ص ۱۸۲۵) (اے ابوذر تم کمزور ہو اور یہ حکومت ایک امانت ہے اور قیامت کے دن رسوائی وپشیمانی، الا یہ کہ کوئی شخص برحق طریقے سے یہ امانت لے اور اس پر اس کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں، انہیں ٹھیک ٹھیک ادا کرے)۔

اور امام مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: ”**يا أباذر إني أراک ضعيفا وإني أحبّ لک ما أحب لنفسي لا تامرنّ على اثنين ولا تولين مال يتيم**“ (مسلم شریف ص ۱۸۲۶) (اے ابوذر میں تمہیں کمزور دیکھتا ہوں اور میں تمہارے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔ تم کبھی دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا اور نہ کسی یتیم کے مال کی ذمہ داری قبول کرنا)۔

اس مضمون کی بہت سی روایتیں ذخیرۂ احادیث میں موجود ہیں جن میں اس منصب کی ذمہ داری اور آخرت میں سخت بازپرسی کی بات واضح ہوتی ہے۔

اسی لئے حضرت خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کا وہ زریں قول جو اپنے فرزند عبداللہؓ کے برسرِ اقتدار ہونے سے متعلق ارشاد فرمایا تھا، تاریخ کے اوراق نے اپنے سینہ میں محفوظ رکھا ہے، جس سے اس عہدہ کی حقیقت اور اس کی ذمہ داری کا بخوبی ظہور ہوتا ہے، تاریخ طبری میں ہے:

"بحسبِ آل عمر أن يحاسب منهم رجل واحد ويسأل عن أمة محمدٌ لقد جهدت نفسي وحرّمت أهلي، وإن نجوت كفافا لا وزر ولا أجر إني لسعيد" (۲۷۳/۳)۔

(عمر کے خاندان کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ان میں سے صرف ایک ہی شخص سے حساب لیا جائے اور امت محمدیہ کے بارے میں باز پرس کی جائے۔ میں اپنے آپ کو اس مشقت میں ڈال چکا ہوں......اور میں نے اس کو اپنے گھر والوں کے لیے حرام کر دیا ہے اور اگر میں اس طرح برابر برابر چھوٹ جاؤں کہ نہ گناہ ہو نہ ثواب تو میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھوں گا (اسلام اور سیاسی نظریات ۱/ ۲۱۲)۔

مذکورہ اقتباسات سے واضح ہو گیا کہ منصب حکومت اور سربراہی ایک سخت انتہائی ذمہ داری و امانت کی چیز ہے، جس سے حتی المقدور بچنے کی ضرورت ہے۔

ووٹ کی شرعی حیثیت:

جب منصبِ حکومت کی حقیقت واضح ہوگئی کہ یہ ایک اہم ترین، حساس، نازک اور محتاط ذمہ داری کا نام ہے تو اس کے امیدوار کیسے ہونے چاہئیں اور ان میں کیا لیاقتیں ہونی چاہئیں، ان کا جاننا اور اس کے مطابق اپنے ووٹ کے ذریعہ اس امیدوار کی تشکیل کرنا پوری عوام کے لئے عموماً اور امت مسلمہ کے لیے خصوصاً ضروری ہے، لہٰذا جب کوئی آدمی کسی امیدوار عہدہ کو اپنے ووٹ کے ذریعہ دوسرے امیدواروں پر ترجیح دیتا ہے تو اس پر ترجیحی پہلو اور رائے دینے کو شریعت کے متعدد خانہ میں داخل کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے اس کی تین حیثیتیں متعین فرمائی ہیں:

۱-شہادت، ۲-شفاعت، ۳-وکالت۔

ان تینوں حیثیتوں میں ایک ووٹر جس امیدوار کو ووٹ دے کر دیگر امیدواروں پر ترجیح دیتا ہے، گویا یہ شہادت دیتا ہے اور سفارش کرتا ہے کہ یہ نمائندگی کے لائق اور اس منصب کے مطابق ہے۔ اور ووٹر خود اپنی اور پوری قوم کی جانب سے اس کو حکومت کے روبرو ترجمانی کرنے کا وکیل بناتا ہے، لہٰذا مذکورہ تینوں صورتوں میں اگر وہ امیدوار واقعی منصب کے لائق، قوم وملت کا ہمدرد اور امانت دار ہے تو اس کو ووٹ دینا جہاں موجبِ ثواب عظیم ہے وہیں اس کے کارہائے خیر اور امت کے فلاح و بہبود سے متعلق جملہ امور میں ووٹرس بھی اس کے ساتھ برابر کے شریک ہیں، اس لئے کہ امیدوار کے جملہ اعمال خیر ووٹرس کی رہنمائی اور ان کے انتخاب سے ہوئے ہیں، لیکن اگر امیدوار نااہل غیر متدین ہے، حفاظت، امانت اور ادائیگی ذمہ داری سے کوسوں دور ہے تو ایسے امیدوار کو ووٹ دینا جس طرح جھوٹی شہادت ہے، اسی طرح بری شفاعت اور ناجائز توکیل بھی ہے، لہٰذا ایسے امیدوار، منصب پر فائز ہو کر جو جور وظلم، حق تلفی اور قوم وملت کی مادی و دینی خیانت کریں گے، اس میں ووٹرس بھی

برابر کے شریک ہوں گے، کیونکہ بد دیانتی کے یہ سب واقعات ووٹر کے مرہون منت ہیں اور حدیث پاک میں موجود ہے:

"من دعا إلی هدی کان له من الأجر مثل أجور من اتبعه لا ینقص من أجورهم شیئا، ومن دعا إلی ضلالة فغلبه من الإثم مثل أثام من اتبعه لا ینقص ذلک من أثامهم شیئاً" (ابن ماجہ شریف ص ۲۰۶)۔

یعنی جس نے کسی کو ہدایت کی دعوت دی تو اس کے لیے اتباع کرنے والے کے ہم مثل اجر ہوگا اور اتباع کرنے والے کے اجروں میں سے کچھ بھی کم نہ ہوگی، اور جس نے گمراہی کی دعوت دی تو اس کے لیے اتباع کرنے والے کے ہم مثل گناہ ہوگا اور ان کے گناہوں میں کچھ بھی کمی نہیں ہوگی۔

معلوم ہوا کہ ووٹ دیتے وقت امیدوار کی لیاقت کا مکمل خیال رکھنا ضروری ہے تاکہ اس کے برے کرتوت کے وبال میں مبتلا نہ ہو۔

ووٹ دینا ضروری ہے یا نہیں؟

جب اوپر ثابت ہوگیا کہ ووٹ شفاعت ووکالت کے ساتھ ساتھ شہادت بھی ہے اور جس طرح جھوٹی گواہی دینا حرام وناجائز ہے، اسی طرح ضرورت کے موقع پر شہادت کو چھپانا بھی حرام ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ولا تکتموا الشهادة ومن یکتمها فإنه آثم قلبه" (سورۃ البقرہ: ۲۸۳)۔

نیز حضرت ابو موسی اشعری سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من کتم شهادة إذا دعی إلیها کان کمن شهد بالزور" (مجمع الزوائد ۴/ ۲۵۹)۔

یعنی اداءِ شہادت کیلئے بلائے جانے کے وقت جس نے شہادت چھپائی وہ ایسا ہے جیسے کہ کسی نے جھوٹی گواہی دی، اس کے علاوہ حضرت زید بن خالد جہنی کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ألا أخبر کم بخیر الشهداء الذي یأتي بشهادته قبل أن یسألها" (مسلم شریف ۴۴۹۴)۔

کیا میں تمہیں بہترین گواہ کی خبر نہ دوں، وہ ہے جو طلبِ شہادت سے قبل شہادت پیش کردے، معلوم ہوا کہ جب امانت دار امیدوار موجود ہو تو اس کو ووٹ دے کر لائق عہدہ ہونے کی شہادت دینا واجب وضروری ہے، اگر ایسے وقت میں ووٹ کو محفوظ کرلیا اور اس سے احتراز کیا تو وہ گنہ گار رہے (جواہر الفقہ ۲/ ۲۹۳، فقہی مقالات ۲/ ۲۸۷)۔

غیر متدین، نالائق امیدوار کی صورت میں ووٹ دینے کا حکم:

اگر تمام امیدوار غیر متدین، خائن اور نااہل ہوں جیسا کہ آج پارلیمنٹ اور اسمبلی میں اکثریت اس قسم کے لوگوں

کی ہے، تو پھر ووٹ دینے میں بڑے غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ان امیدواروں میں سے جو مضرت کے اعتبار سے اشد ہو، اور جس کی بد دیانتی اور خیانت حد سے بڑھی ہوئی ہو اس کو ترک کیا جائے اور اخف مضرت کے حامل کا تعاون کیا جائے، کیونکہ اس دور میں یہ تو بہت مشکل ہے کہ ایسے امیدوار میسر ہوں جو سو فیصد اہلیت کے حامل ہوں، اور ہمارا مذہبی شخص نزاکتوں کے پورے طور سے پاسدار ہوں، لیکن اگر ہم نے نااہل سمجھ کر کسی کو ووٹ نہیں دیا تو ایسا نہیں ہوتا کہ وہ منصب خالی رہ جائے گا بلکہ کوئی نہ کوئی اس منصب پر ضرور آئے گا، اور بہت ممکن ہے کہ ایسا جابر وظالم اسلام مخالف بہیمیت صفت انسان اس پر آجائے جو ہمارے وہم وگمان سے کہیں بدتر ہو۔ پھر جو نتائج سامنے آئیں گے وہ الامان الحفیظ، اس لئے اس موقع پر ضروری ہوگا کہ ووٹ دینے میں جو ایک طرح کا مفسدہ اور مضرت ہے، اس کو برداشت کرتے ہوئے ووٹ نہ دینے میں جو زائد اور اشد مضرت ہے اس سے بچا جائے، اور ایسے امیدوار جو غیر متدین، بد دیانت ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے خیر خواہ اور ان کے حقوق کی حفاظت کے اہل ہوں ان کو ترجیح دی جائے، اور اپنے ووٹ سے حتی المقدور فائدہ اٹھایا جائے، تاکہ امیدوار اور پارٹی کو مسلمانوں کے ووٹ کی قیمت معلوم ہو اور اس احسان میں مسلمانوں کے تحفظ کے تدابیر پر متوجہ ہوں—الاشباہ والنظائر میں ہے:

"**إن من ابتلى ببليتين وهما متساويان يأخذ بأيتهما شاء، وإن اختلفتا يختار أهونهما، لأن مباشرة الحرام لا تجوز إلا للضرورة، ولا ضرورة في حق الزيادة**" (الاشباہ والنظائر لابن نجیم ۱/۱۱۱، بیروت)۔

یعنی جو شخص دو آزمائشوں میں مبتلا ہو اور وہ دونوں مساوی ہوں تو اسے اختیار ہے جسے چاہے اختیار کرلے، لیکن اگر دونوں آزمائش شدت وخفت میں مختلف ہوں تو دونوں میں سے اخف کو اختیار کرے گا، اس لئے کہ حرام کا ارتکاب صرف ضرورت کی وجہ سے جائز ہے، اور اخف پر عمل ممکن ہونے کی صورت میں زیادتی پر عمل کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اسی طرح فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے اس معنیٰ کے سلسلے میں یعنی متعدد قاعدے ہیں، جن سے مفسد اخف کو اختیار کر کے مفسد اشد کو ختم کرنے کی اجازت دی گئی ہے جیسا کہ شرح المجلہ میں ہے:

— **الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف**

— **إذا تعارض المفسدتان روعي أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما**

— **يختار أهون الشرين** (شرح المجلۃ ۱/۳۱، المادۃ ۲۷، ۲۸، ۲۹)۔

معلوم ہوگیا کہ مذکورہ صورت میں بھی ووٹ دینا ضروری ہے۔

مخالف شرع قانون سازادارے اور پارٹی کی ممبری:

کسی بھی ادارہ یا پارٹی کی ممبری اختیار کرنے یا اسکی رہنمائی کرنے کا اسلامی اصول وضابطہ قرآن کریم نے "تعاونوا علی البر والتقوی ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان" (سورہ مائدہ:۲) کو قرار دیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایسی پارٹی یا ادارہ جس کے بنیادی منشور برّ وتقوی پر مبنی ہو وہ لائق تائید وتقلید ہے، اور جس کے بنیادی اصول اثم وعدوان پر مبنی ہو وہ قابل احتراز واجتناب ہے، کیونکہ ایسے ادارہ کی ممبری اختیار کرنا یا ووٹ کے ذریعہ تعاون کرنا، اس کے شانہ بشانہ رہنا اور اس کے جملہ اسلام مخالف قانون میں شریک ہونا ہے، حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "من مشی مع ظالم لیقویه وهو یعلم إنه ظالم فقد خرج من الإسلام" (مشکوۃ شریف/۴۳۶)۔

یعنی جو شخص ظالم کے ساتھ اس کی تائید وتقویت کے لئے چلے جبکہ وہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ لیکن مذکورہ نظریہ اسلام کی حقانیت کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک مسلم حقیقت ہے کہ ایسے ممالک جہاں کے مسلمان اقلیت میں ہیں تاہم ان کی تعداد قابلِ اہمیت ہے کہ وہ بالاتفاق جس پارٹی کے امیدوار کے ساتھ ہوجائے وہ ترجیح پاجائے، ایسے ملکوں میں ایسی پارٹی یا ادارہ کا وجود جس کے بنیادی دستور پورے اسلامی ہوں، اگرچہ محال نہیں لیکن دشوار ضرور ہے، ایسی جگہوں پر اگر کسی پارٹی سے اپنا تعلق نہ ہو اور پارلیمنٹ واسمبلی کی ممبری سے یا ووٹ دینے سے اجتناب ہو تو یقیناً مسلمانوں کے لیے ہر میدان میں غیر معمولی نقصان سامنے آئے گا۔ مسلمانوں کے حقوق پامال ہوں گے، ان کے دینی فکری نظریات پر یلغار ہوں گی، لیکن اگر مسلمانوں کا میدان سیاست میں شمول ہوگا خواہ ووٹ دینے کے ذریعہ ہو یا ممبر بننے کے ذریعہ تو ان کا ایک اثر ہوگا اور ایسے ادارہ آئندہ مغلوبیت کے خوف سے آواز سنیں گے اور نہ مکمل مگر قدرِ مروّت کی نظر سے ضرور دیکھیں گے اور اس واسطے سے مسلمان اپنے مذہبی تشخصات کی بہت حد تک حفاظت کرسکیں گے۔

نیز اگر اپنے ممبر ہوں گے تو وہ غیر اسلامی قانون کے خلاف آواز اٹھائیں گے اور یقیناً یہ آواز جس قدر مضبوط ہوگی، اسی قدر اسلام مخالف منشور کمزور اور ضعیف نظر آئیں گے، جیسا کہ یہ بارہا دیکھا گیا ہے کہ جس علاقہ کے ممبران غیور مسلمان ہیں، وہاں دفاتر ومحکمات میں مسلمانوں کے ساتھ کم سے کم بے جا معاملات سننے کو ملتے ہیں جبکہ جس علاقہ کے تمام ذمہ دار کٹر اسلام مخالف ہیں وہاں آئے دن دل دہلا دینے والے واقعات رونما ہو رہے ہیں۔

اس لئے ایسے موقع پر فقہاء کے قواعد الضرر الأشد یزال بالضرر الأخف وغیرہ سے سہارا لیتے ہوئے مخالف شرع قانون سازادارے اور پارٹی کی ممبری کی گنجائش ہوگی تاکہ سیاست میں نہ ہونے سے جو غیر معمولی ضرر پہنچ سکتا ہے، اس سے بچا جائے اور ایسی پارٹی کی شرکت سے نسبتاً کم ضرر کو برداشت کیا جائے، نیز اس قسم کی پارٹی وادارہ کی شرکت ممبر کی حد تک

خصوصی ضرر کا باعث ہوگی، لیکن اس سے امت مسلمہ کی ملی رفاہی حقوق محفوظ ہوں گے اور فقہاء کا قاعدہ ہے: "**يتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام**" (شرح المجلۃ ۱/۳۱، المادۃ ۲۶)۔

جبکہ حضرت امام ابوبکر جصاص رازی نے مقام منکر پر اپنے حق کی حصولیابی کے لئے منکر پر نکیر کرتے ہوئے جانے کی اجازت فرمائی ہے اور منکر کی وجہ سے اپنے حق کو ترک کرنے کی اجازت نہیں دی ہے، تو ظاہر سی بات ہے کہ مذکورہ ادارے اگر چہ منکر پر مشتمل ہیں مگر اس سے دوری اپنے حقوق کا گلا گھونٹنا ہے، اس لئے ایسے ادارہ سے تعلق رکھ کر اپنے حق کی آواز بلند کرنا اور اسلام مخالف منشور کے خلاف احتجاج کرنا ضروری ہے اور اس سے کسی بھی طرح علیحدہ رہنا درست نہیں۔ چنانچہ علامہ رازی احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

"**فإن قيل: فهل يلزم من كان بحضرته منكر أن يتباعد عنه وأن يصير بحيث لا يراه ولا يسمعه؟ قيل له: قد قيل في هذا أنه ينبغي له أن يفعل ذلک إذا لم يكن في تباعده وترک سماعه ترک الحق عليه، من نحو ترک الصلاة في الجماعة لأجل ما يسمع من صوت الغنا والملاهي (إلى قوله)، فإذا لم يكن هناک شيء من ذلک فالتباعد عنه أولى، وإذا كان هناک حق يقوم به، لم يلتفت إلى ما هناک من المنكر وقام بما هو مندوب إليه من حق بعد إظهاره لإنكاره وكراهته**" (احکام القرآن للجصاص ۲/ ۲۶۳)۔

(اگر یہ اشکال کیا جائے کہ کیا جس آدمی کی موجودگی میں کوئی منکر ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ وہاں سے دور ہو جائے اور ایسا ہو جائے کہ وہ اس کو نہ دیکھ سکے اور نہ اس کو سن سکے، اسے جواباً کہا جائے گا کہ اس سلسلہ میں یہی قول ہے کہ اس کے لیے دور رہنا مناسب ہے، بشرطیکہ اس سے دور رہنے اور اس کے ترکِ سماع سے واجبی حق متروک نہ ہو، جیسے کہ لہو ولعب اور غنا کی وجہ سے نماز با جماعت متروک نہ ہو، لیکن جب وہاں پر واجبی حقوق میں سے کچھ بھی نہ ہو تو اس منکر سے دور رہنا اولیٰ ہے اور جب وہاں ادائیگی کے لائق کوئی حق ہو تو منکر کی طرف توجہ کئے بغیر اس مندوب الیہ حق کو پورا کرے گا۔ بعد اس کے کہ پہلے اس منکر پر انکار اور اظہار کراہت کرے)۔

حاصل کلام یہ کہ ووٹ دینے یا ممبر بننے کیلئے اولاً ایسی پارٹی کا انتخاب ہو جس کا ضابطہ برّ وتقویٰ پر مبنی ہو۔ ورنہ جس پارٹی کے قوانین اسلام اور مسلمانوں سے جتنے ہم آہنگ ہوں اس کو اختیار کیا جائے، البتہ مسلمانوں میں سے اگر کوئی ناگزیر حالت میں مذکورہ ادارے یا پارٹی کی شرکت کرے، تو ان کے لئے حسب ذیل شرطوں کی رعایت ضروری ہوگی:

——— یہ شرکت اسلام اور مسلمانوں کو نقصانات سے بچانے کیلئے ہو۔

——— جو دستور مخالف اسلام ہو اس کے خلاف احتجاج کرنے اور منکر پر نکیر کرنے کیلئے ہو۔

——اسلام اور مسلمانوں کی دینی فکری ترجمانی کیلئے ہو۔

——اپنی مصلحت اور منفعتِ مال وجاہ کیلئے نہ ہو۔

——سیاسی جماعتوں اور حکومتوں پر اپنا اثر ورسوخ قائم کرنے کیلئے ہو۔

خلافِ شرع دفعات پر حلف:

حلف برداری کے سلسلے میں شریعت غرّاء میں جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اسماء وصفات سے حلف ضروری ہے، وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ حلف ان ہی امور پر ہو جو مشروع ہوں، اگر امرِ غیر مشروع پر حلف لی، تو اس کو فوراً ترک کرنا اور قسم کا کفارہ ادا کرنا ضروری ہے، اللہ کے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: **من حلف علی یمین فرأی خیراً منها فلیکفر عن یمینه و لیفعل** (مشکوٰۃ شریف/۲۹۶)۔

لہٰذا اگر کوئی کسی ایسے قانون ساز ادارے کا رکن بنے جس کے بعض دستور غیر مشروع ہو تو اس سے وفاداری کا حلف لینا غیر مشروع پر حلف لینا ہے جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

تاہم اگر حالف اس شرط ونیت سے حلف لے کہ جہاں تک خدا اور رسول اور شریعت کی نافرمانی نہ ہو میں وفاداری کروں گا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، جیسا کہ حضرت مفتی کفایت اللہؒ نے اس طرح حلف کی اجازت دی ہے (کفایت المفتی ۹/۵۰ ۳زکریا)۔

نیز ہماری کتب فقہیہ میں موجود ہے کہ اگر حالف ظالم ہے تو مستحلف کی نیت معتبر ہے، اور اگر مستحلف ظالم ہے تو حالف کی نیت معتبر ہے، تو ایسے حالات جس میں اسمبلی وغیرہ کی ممبری وقت کی ضرورت ہے، اور ہم اس کے غیر مشروع دستور میں ترمیم کرنے سے عاجز ہیں، جبکہ ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں ہر ایک مکتبۂ فکر کو اپنے مذہب کے مطابق زندگی گذارنے کا حق ہے تو ہمیں غیر مشروع دستور سے حلف اٹھانے کا مکلّف کرنا ہمارے اوپر ظلم کرنا ہے، اس لئے ہمیں ایسے وقت میں اپنی شریعت کے مطابق نیت کر کے حلف لینے کی اجازت ہوگی۔ جیسا کہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"والحاصل أنه لو حلف ظالم ونوی تخصیص العام وغیر ذلک مما هو خلاف الظاهر وعلم القاضي بحاله لا یقتضي علیه بل یصدقه أخذاً بقول الخصاف" (شامی ۵/۵۸۶)۔

یعنی حاصل کلام یہ کہ اگر کسی سے کوئی ظالم قسم کھلائے اور حلف میں عام کی تخصیص یا اس کے علاوہ خلاف ظاہر کی نیت کر لے، اور قاضی کو اس کی حالت معلوم ہو تو قاضی امام خصاف کے قول کے مطابق اس کے خلاف فیصلہ نہیں کرے گا بلکہ اس کی تصدیق کرے گا، اسی طرح الاشباہ والنظائر میں ہے:

”والفتوی علی اعتبار نية الحالف إن كان مظلوماً، لا إن كان ظالماً كما في الولوالجية“ (الاشباہ والنظائر ۱/ ۱۰۷، بیروت)۔

رہی بات اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے علاوہ کسی اور چیز کی مثلاً قرآن، کعبہ، نبی وغیرہ کی قسم کھانا تو اس کی اجازت نہیں ہے، بلکہ یہ قسم موجب گناہ ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

”ولا ينعقد القسم بغيره تعالیٰ أي غير أسمائه وصفاته ولو بطريق الكناية كما مر، بل يحرم كما في القهستاني، بل يخاف عنه الكفر“ (شامی ۴/ ۴۸۴)۔

البتہ فقہاء کی ایک جماعت نے قرآن پاک کی قسم کو تعارف اور صفتِ کلام مان کر یمین قرار دیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اگر کوئی آدمی قرآن پاک کی قسم کھائے تو معتبر ہے، جیسا کہ ہندیہ میں ہے:

”قال محمد في الأصل: لو قال والقرآن لا يكون يميناً (إلى قوله) وقد قيل هذا في زمانه، أما في زماننا فيكون يميناً، وبه نأخذ ونأمر ونعتقد ونعتمد، وقال محمد بن مقاتل الرازي: لو حلف بالقرآن قال: يكون يميناً، وبه أخذ جمهور مشائخنا رحمهم الله كذا في المضمرات“ (ہندیہ ۲/ ۵۹، اتحاد)۔

معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی قسم بالکل جائز نہیں اور قرآن مقدس کی قسم کو جن لوگوں نے منعقد مانا ہے وہ بھی اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے قرآن پاک کو اللہ کی صفات میں سے ایک صفت کلام مان لیا ہے، اور اس سے قسم کھانے کا تعارف بھی ہے، اور جس نے قرآن پاک کو صفت کلام قرار نہیں دیا، بلکہ الفاظ قرآن قرار دیا ہے ان کے نزدیک قرآن پاک کی قسم جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ تکملہ فتح الملہم میں ہے:

”أما الحلف بالقرآن فجوّزه بعض الفقهاء لأنه صفة من صفات الله، وأنكر بعضهم لأنه يراد به ألفاظ القرآن وأنها ليست بصفة“ (تکملۃ فتح الملہم ۸/ ۱۵۸)۔

واضح ہو گیا کہ بائبل اور دیگر کتب سماویہ سے حلف اٹھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ جس طرح محرّف ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی صفت کلام نہیں ہے، اسی طرح سے قسم کھانے کا تعارف بھی نہیں ہے، لہٰذا حلف قرآن کے جواز کی جو علت ہے اس سے بالاتفاق بائبل وغیرہ کی قسم کا عدم جواز ثابت ہوتا ہے۔

البتہ اگر ایسا عیسائی ملک جس میں ممبر بننا وقت کی اہم ترین ضرورت ہو اور حلف اٹھاتے وقت بائبل کی تصریح باللسان ضروری ہو تو حلف کیلئے ظاہراً بائبل اٹھانے کی اجازت ہونی چاہئے، کیونکہ قسم کیلئے کسی کتاب کا صرف ہاتھ میں لینا کافی نہیں ہے بلکہ قسم قرآن کی یا قسم فلاں کتاب کی کہنا ضروری ہے۔ كما في الدر المختار وركنها اللفظ المستعمل

فیھا (الدرالمختار مع الشامی ۵/ ۳۷۴)۔

خلاصہ یہ کہ قانون سازاداروں میں دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا اس نیت سے درست ہوگا کہ جہاں تک شریعت کی مخالفت نہ ہووفاداری کروں گا، نیز حلف اٹھانے کیلئے اگراللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات جن سے قسم کھانے کی اجازت ہے ممکن نہ ہوتو قرآن پاک کی قسم کھائی جائے،تاہم بائبل یادیگر دوسری کتاب سے حلف اٹھانا درست نہیں، الا یہ کہ بائبل پر ہاتھ رکھ کر دوسرے طریقۂ مشروع کے مطابق حلف اٹھائے تو اس کی اجازت ہے۔

مسلمانوں کا انفرادی سیاسی محاذ:

حق تو یہی ہے کہ مسلمان اسلامی سیاست کے اعتبار سے خودکفیل ہو، اورشرعی، معاشرتی اور اصلاحی ضرورتوں کو دفع کرنے اورحکومت پر اپنا رعب ودبدبہ ڈالنے کیلئے اپنی مستقل پارٹی رکھتے ہوں، تاکہ یہ پارٹی ترقیات انسانی کی ضامن اور ملک وملت کیلئے صالح نظری نظام کا ذریعہ ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا**'' (آل عمران: ۱۰۳)۔

اس آیت کے ذیل میں حضرت مفتی شفیع احمد صاحب فرماتے ہیں:

اگر مسلمانوں کی مختلف پارٹیاں قرآن کریم کے نظام پر متفق ہوجائیں تو ہزاروں گروہی نسلی، وطنی اختلافات ایک لحظہ میں ختم ہوسکتے ہیں جوانسانیت کی ترقی کی راہ میں حائل ہیں (معارف القرآن ۲/ ۱۳۰)۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ایک ایسا ملک جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور آبادی کا اوسط بھی ہرجگہ مساوی نہ ہو ایسے ملک میں مسلمانوں کی انفرادی پارٹی کس قدر مفید ہوگی اس کا اندازہ سیاست کے ماہرین اوراس سلسلے میں گہری بصیرت رکھنے والے لوگ جب کہ صحیح العقیدہ سلیم الفکر ہوں، زیادہ کر سکتے ہیں، اس لئے کہ مسلم لیگ اپنی سیاست ونتائج کے اعتبار سے ہمارے سامنے ہے، جس کے ماضی کی کارکردگی تاریخ سے اورحال کے مشاہدہ سے کی جاسکتی ہے، اس لئے اس موقع پر اصولِ اسلامی کے مطابق پارٹی قائم کرنے کے لئے ماہرین کے مشورہ کی ضرورت ہے۔

سیاست میں خاتون کا کردار:

مغربی تہذیب نے جہاں زیستِ انسانی کے مختلف گوشوں کو متاثر کیا، وہیں مردوزن کو شانہ بشانہ ایک صف میں کھڑا کردیا، اور پورے عالم کو یہ تصوّر دیا کہ عورت مرد ہی کی طرح ہرعہدہ ومنصب کی حقدار ہوسکتی ہے، چنانچہ اس تصور کو دنیا کے بہت سے ممالک نے قبول کیا اور پارلیمنٹ سے لے کر نیچے تک کے عہدوں کی زینت عورتوں کی بنادیا، لیکن یہ تصور اسلام

کے تصور سے میل نہیں کھاتا، کیونکہ اسلام نے عورت ومرد کے مقاصد میں ایسا ہی فرق کیا ہے جیسا کہ شب وروز اور آتش وآب کا فرق ہے، اللہ تعالیٰ نے مردوں کو نبی، امام، حدود وقصاص کے گواہ بننے اور جمعہ واعیاد قائم کرنے کے لئے پیدا کیا ہے، تو عورتوں کو فراش بننے، بچہ دینے اور امور خانہ داری یعنی تدبیر منزل کی ذمہ داریوں سے نوازا ہے، اسی فرق مقاصد کی وجہ سے فقہاء رحمہم اللہ نے دونوں کو مختلف جنس قرار دیا ہے اور دونوں کی داخلی وخارجی ذمہ داریوں میں غیر معمولی فرق رکھا ہے، قرآن وحدیث میں کچھ عبادات ضرور یہ کے علاوہ عام طور سے دونوں کو یکساں اور مساوی قرار نہیں دیا، اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مردوں کی طرح عورتیں ممبر سازی کے لئے ووٹ دے سکتی ہیں؟ یا خود میدان سیاست میں ایک امیدوار ہو کر کھڑی ہو سکتی ہیں؟ تو بعض علماء نے کسی بھی طرح عورت کو شریعت کی اجازت نہیں دی، نہ تو ووٹ دینے کے لئے، اور نہ ممبر بننے کیلئے، جیسا کہ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی فرماتے ہیں:

عہد نبوی سے لے کر خلافت راشدہ کی پوری تاریخ پڑھ جایئے آپ کو کوئی ایسی مثال نہ مل سکے گی کہ عورت نے ووٹ دیا ہو مجلس شوریٰ کی ممبر ہو، یا کوئی کلیدی اسامی اس کے سپرد ہو، یا میدان امامت وسیاست میں اس کا کسی قسم کا عمل دخل ہو (خلافت وجمہوریت/۱۰۶)۔

رہی بات حضرت عائشہؓ کی کہ جنگ جمل میں ان کی شمولیت وقیادت منقول ہے جس سے میدان سیاست میں کسی عورت کے حصہ لینے کا ثبوت ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شمولیت حضرت عثمانؓ کے قصاص کے لئے تھی، نہ کہ سیاسی معاملات میں دلچسپی کے لئے، جب کہ اکابر صحابہؓ نے اس شمولیت کو مناسب نہیں سمجھا اور بعد میں اس غلطی پر خود حضرت عائشہؓ رویا کرتی تھیں جیسا کہ ابن قتیبہ نے حضرت علیؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے، چنانچہ اس وقت حضرت علیؓ نے حسب ذیل تحریر کی تھی:

”فإنک خرجتِ غاضبة لله ولرسوله تطلبين أمرا كان عليک موضوعاً، ما بال النسوة والحرب وإصلاح بين الناس“ (الامامة والسیاسة، لابن قتیبة/۷۰ بحوالہ خلافت وجمہوریت/۱۰۶)۔

یعنی آپ اللہ اور رسول کے احکام قصاص کے لیے غضب ناک ہو کر ایک ایسے مسئلہ کے لیے نکلی ہیں جس کی ذمہ داری سے آپ سبکدوش تھیں۔ بھلا عورتوں کا جنگ اور لوگوں کی مصالحت سے کیا تعلق ہے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی برأت کا اظہار اس طرح سے فرمایا: **”إن بيت عائشةؓ خير لها من هودجها“** (الامامة والسیاسة/۶۱، بحوالہ خلافت وملوکیت)۔ یعنی حضرت عائشہؓ کا گھر ان کے لیے ہودج سے بہتر ہے۔

نیز تفہیم القرآن میں حضرت مسروق سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ تلاوت قرآن کرتے ہوئے اس آیت پاک

وقرن في بیوتکن (احزاب ۳۳) پر پہنچتیں تو بے اختیار رو پڑتی تھیں، یہاں تک کہ دوپٹہ بھیگ جاتا تھا، کیونکہ اس آیت پروہ خطا یاد آجاتی تھی جو جنگ جمل میں ہوئی تھی (تفہیم القرآن)۔

معلوم ہوا کہ عورتیں مطلقاً سیاست میں حصہ نہیں لے سکتیں۔

البتہ دوسرے فریق کے نزدیک عورتیں سیاست میں بھی شریک ہوسکتی ہیں، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے شروط وقیود کے ساتھ عورتوں کو ووٹ دینے کی اجازت دی ہے، تاہم ممبر اسمبلی بننے کی اجازت نہیں دی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

عورتوں کا ووٹر بننا ممنوع نہیں ہے، ہاں ووٹ دیتے وقت شرعی پردہ کا لحاظ رکھنا لازم ہوگا اور بطور امیدوار کھڑا ہونا عورتوں کے لیے مستحسن نہیں، کیونکہ اس میں ضروریات شرعیہ کے ساتھ کونسل یا اسمبلی کی شرکت عورتوں کے لیے متعذر ہے (کفایۃ المفتی ۹/۳۴۹)۔

حاصل کلام یہ کہ عورت کے شریک سیاست ہونے کی تین صورتیں ہیں:

۱-سربراہ حکومت ہونے کی حیثیت سے۔

۲-اسمبلی یا کونسل کی ممبر ہونے کی حیثیت سے۔

۳-ووٹر ہونے کی حیثیت سے۔

اس بات پر تقریباً سب کا اتفاق ہے کہ اسلام میں سربراہ حکومت کے لیے مرد ہونا شرط ہے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**لن یفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة**" (بخاری شریف ۴۴۲۵)۔

یعنی وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنے اوپر کسی عورت کو حاکم بنالیا ہو۔

یہ بات آپ ﷺ نے اس وقت ارشاد فرمائی جب کہ ایرانیوں نے ایک عورت کو بادشاہ بنالیا تھا، نیز جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"**إذا کانت أمراؤکم شرارکم وأغنیاؤکم بخلاءکم وأمورکم إلی نسائکم فبطن الأرض خیر لکم من ظهرها**" (ترمذی شریف ۲۲۶۶)۔

یعنی جب تمہارے اوپر تم میں سے بدترین لوگ ہوں اور تمہارے مالدار لوگ تم میں سے بخیل لوگ ہوں اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے حوالہ ہوجائیں تو زمین کا پیٹ تمہارے لئے زمین کی پشت سے بہتر ہے۔

اس کے علاوہ دلیل معقول یہ ہے کہ شریعت میں سربراہی کی حیثیت امامت کی ہے، اور امامت کی دو قسمیں ہیں: امامت صغریٰ یعنی نماز کی امامت، اور دوسری امامت کبریٰ یعنی حکومت کی سربراہی اور یہ بات متحقق ہے کہ عورت امامت صغریٰ

انجام نہیں دے سکتی تو امامت کبریٰ کیسے کرسکتی ہے؟ (اسلام اور سیاسی نظریات/۲۲۵)۔

اسی لئے حضرت امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

"**هذا نص في أن المرأة لا تكون خليفة ولا خلاف فيه**" (الجامع لاحکام القرآن ۷/۱۴۰)۔

یعنی حدیث مذکور **لن يفلح قوم** الخ اس باب میں صریح ہے کہ عورت خلیفہ نہیں بن سکتی، اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں، خاص طور سے جب کہ اہل لیاقت مرد موجود ہو، اس لئے کہ عورت کا مردوں کے ساتھ زینت مجلس بننا اور ایک ممبر ہونے کی حیثیت سے آنکھ میں آنکھ ڈال کر باتیں کرنا ایسا امر ہے جس میں شریعت کے احکام کی پابندی کرنا ممکن نہیں، جیسا کہ امام قرطبیؒ عورت کے حاکم بننے اور عہدۂ قضا وغیرہ پر فائز ہونے کی ہونے کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"**فإن المرأة لا يتأتى منها أن تبرز إلى المجلس ولا تخالط الرجال ولا تفاوضهم مفاوضة النظير للنظير**" (ایضاً ۷/۱۴۰)۔

یعنی عورت سے یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ مجلس میں جلوہ افروز ہو، اور مردوں سے اختلاط کرے، اور نہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ مردوں سے اس طرح بات کرے کہ جس طرح خود مرد مرد سے بات کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ عورت حدودِ شرع میں رہ کر ممبری کا حق ادا نہیں کرسکتی، اس لیے ممبری کے لیے کھڑا ہونا درست نہیں، البتہ عورت کا ووٹر بننا جس طرح حضرت مفتی کفایت اللہؒ کے نزدیک چند شرطوں کے ساتھ درست ہے وہی بندہ کے نزدیک بھی راجح ہے، اس لیے کہ ووٹ کی شرعی حیثیت شہادت ہے جیسا کہ ماقبل میں گذری اور عورت بجز چند امور حدود وقصاص کے شہادت کی اہلیت رکھتی ہے:

"**وما سوى ذلک من الحقوق يقبل شهادة رجلين أو رجل وامرأتين سواء كان الحق مالا أو غير مال**" (ہدایہ ۳/۱۵۴)۔

یعنی حدود وقصاص کے علاوہ دیگر حقوق مالی میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت قبول کی جائے گی۔

معلوم ہوا کہ عورت ووٹر بن سکتی ہے، لیکن ضروری ہے کہ آمد ورفت اور ووٹنگ میں مردوں سے اختلاط نہ ہو بلکہ عورتوں کا نظام مستقل طور سے الگ ہو۔

الیکشن سے مربوط شرعی مسائل اوران کا حل

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی☆

ووٹ کی شرعی حیثیت:

الیکشن میں ایک ایک ووٹ کی اہمیت ہے، اسی پر ہار جیت کا مدار ہے، ہر امیدوار انتخابی مہم کے دوران لوگوں سے ووٹ لینے کے لئے مختلف وعدوں سے کام لیتا ہے، اس نازک وقت میں راہ حق سے پھسلنے کے تمام ہی راستے کھلے رہتے ہیں۔ اس لیے علماء نے ووٹ کی شرعی حیثیت متعین کرتے ہوئے تین مختلف رائیں اختیار کی ہیں:

۱- پہلی رائے میں ووٹ کی حیثیت شہادت کی ہے، گویا ہر ووٹر اپنا ووٹ استعمال کرکے اپنے کنڈیڈیٹ کے سلسلے میں شہادت دے رہا ہے کہ ملکی مفاد پر کھرا اترنے والا عوامی دکھ و درد کو دل و جان سے محسوس کرنے والا ہمارا نمائندہ ہے۔

لیکن راقم کو اس رائے سے اتفاق نہیں ہے، اس لئے کہ عوامی الیکشن میں ووٹ دینے کا حق ایسے شخص کو بھی ہوتا ہے جس کو اسلامی شریعت کی رو سے نااہل قرار دیا گیا ہے، عوامی الیکشن میں تو ہر انسان جو کہ حکومت کے مقرر کردہ حدود میں بلوغ کو پہنچ گیا ہے اس کو ووٹ دینے کا حق ہے خواہ وہ شریعت کی نگاہ میں کتنا ہی کیوں نہ معتوب ہو حتی کہ خود اپنے لئے اور اپنے اصول وفروع کے لئے بھی ووٹ دینے کا حق ہے، جبکہ شریعت کا عام قاعدہ ہے: ”**والزوجة لزوجها وهو لها والفرع لأصله وبالعكس وسيد لعبده ومكاتبه والشريك لشريكه فيما هو من شركتهما لأنها لنفسه من وجه**“ (الدرالمختار: ۸/ ۱۹۵-۱۹۶ کتاب الشہادت باب القبول وعدمہ)۔

(قبول نہیں ہوگی شہادت بیوی کی شوہر کے لئے، اور نہ شوہر کی بیوی کے لئے، نہ اولاد کی آباء کے لئے، نہ آباء کی اولاد کے لئے، نہ آقا کی غلام ومکاتب کے لئے، نہ ایک شریک کی اپنے شریک کے لئے ایسے معاملہ میں جس میں دونوں کی شرکت ہے۔ اس لئے کہ یہ من وجہ اپنے لئے ہی شہادت ہے)۔

لہٰذا اس کو شہادت ماننا مشکل ہے۔

☆ استاذ حدیث وفقہ مدرسہ حسینیہ کائم کلم کیرلا۔

۲- دوسرا نظریہ یہ ہے کہ ووٹ کے عمل کو، ووٹر کی جانب سے شفاعت سمجھا جائے کہ ہر ووٹر اپنے نمائندہ کے لئے مطلوبہ منصب کی سپردگی کی خاطر سفارش کرتا ہے، بظاہر یہ رائے اچھی معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ عوامی جمہوریت میں عوام کو پورا حق ہے کسی کے لئے سفارش کرے، لیکن اس پر بھی شرح صدر نہیں ہوتا، اس لئے کہ جمہوری الیکشن کا مدار عوامی اکثریت پر ہے، جس جانب اکثریت ہے وہی جانب حتمی ویقینی ہے، اس کے خلاف کرنا قانوناً جرم بلکہ اس کی وجہ سے بڑی سے بڑی سزا کے لئے تیار رہنا ہوگا حالانکہ شفاعت اسلامی نقطۂ نظر سے مطلوب وپسندیدہ ضرور ہے لیکن اس کو قبول کرنا کوئی ضروری نہیں ہے، بلکہ حاکم وسربراہ کی صوابدید پر موقوف ہے چاہے تو قبول کرے اور چاہے تو رد کردے۔ بخاری کی روایت ہے: **إذا جاء رجل يسأل أو طالب حاجة أقبل علينا بوجهه فقال: اشفعوا فلتوجروا وليقض الله على لسان نبيه ماشاء** (بخاری ۲/۸۹۰ کتاب الادب، باب تعاون المؤمنین بعضهم بعضاً) (جب کوئی حاجت مند یا سائل آتا تو رسول اللہ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوتے اور ارشاد فرماتے: تم لوگ سفارش کرو اجر دیئے جاؤ گے، اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے جو چاہے گا فیصلہ کروائے گا)۔

جس کا مطلب یہی ہے کہ فیصلہ شفاعت پر موقوف نہیں ہے، ہاں اجرت کا استحقاق ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ اس قربت میں بخل سے کام نہ لو، جہاں تک فیصلہ کا تعلق ہے تو وہ قوت دلیل کی بنا پر ہوگا، حضرت بریرہ وحضرت مغیث رضی اللہ عنہما کا واقعہ بھی شاہد عدل ہے کہ مشورہ کو قبول کرنا سربراہ کیا عام انسان کے لئے بھی ضروری نہیں ہے۔ حضرت بریرہ کو حضور علیہ الصلوۃ والتسلیم نے قانونی حکم نہیں دیا تھا بلکہ مشورہ کے طور پر ہی فرمایا تھا کہ رجوع کرلو، لیکن انہوں نے یہ کہتے ہوئے مسترد کردیا کہ اگر مشورہ ہے تو قبول نہیں کرتی۔

ظاہر ہے کہ جمہوری الیکشن کی روح، شفاعت کے اس مسلمہ ضابطہ کے بالکل خلاف ہے، اس لئے اس کو شفاعت کہنا بھی مناسب نہیں ہے۔

۳- تیسری رائے یہ ہے کہ ہر ووٹر اپنا نمائندہ اور وکیل بناتا ہے، کیونکہ ہر شخص کی رسائی پارلیمنٹ یا اسمبلی تک ہونا مشکل بھی ہے اور انتظامی لحاظ سے دشوار گزار عمل بھی، لہٰذا ہر حلقہ کے افراد اپنا اپنا نمائندہ بنا کر ایوان تک روانہ کرتے ہیں تاکہ ملک کا نقشہ اور اس کا انتظام ہر ووٹر کے منشاء کے مطابق کیا جائے اور اس طرح ملک کی ترقی وپستی میں ہر فرد برابر کا سہیم وشریک ہو۔ راقم کا خیال ہے کہ یہ نظریہ زیادہ صحیح ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر کنڈیڈیٹ کو نمائندہ ہی کہا جاتا ہے **العرف قاض** کے اصول پر یہ درست معلوم ہوتا ہے کہ ووٹ دینا اپنا نمائندہ چننا ہے اور وکیل بنانا ہے۔

ووٹ دینے کا حکم:

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ووٹ دینا محض توکیل ہے اور نمائندہ بنانا ہے، نیز توکیل کا عمل صرف

جائز ہوتا ہے،اس لئے عام حالات میں ووٹ دینا جائز ہوگا۔لیکن ووٹ سے چونکہ ایوان اقتدار تک پہنچنے کا فیصلہ ہوتا ہے جو بعض اوقات حق رائے دہی سے گریز کے نتیجے میں ایسے شخص کے لئے میدان ہموار ہوتا ہے جو بالکل موزوں نہیں ہوتا بلکہ قوم وملت کے لئے نقصان دہ اور ضرر رساں ثابت ہوتا ہے۔اگر صورت حال ایسی ہی ہوتو ہر مسلم ووٹر کے لئے اپنا حق استعمال کرنا واجب ہوگا تاکہ ضرر کو دور کیا جاسکے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کے وجوہ سبعہ کے ثبوت وجواز کے باوجود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک وجہ پر سب کو جمع کر دیا گیا۔"الضرر یزال"فقہ کا بہت اہم دفعہ ہے،اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ضرر عام سے بچنے کے لئے ضرر خاص کو برداشت کرلیا جائے۔یہاں تو ووٹ دینے میں ضرر خاص بھی نہیں ہے، ہاں ایک ضرر کو دور کرنا ہے، لہٰذا بطریق اولی ایسے حالات میں ووٹ ڈالنا واجب ہوگا۔لیکن دونوں ہی امیدوار مساوی ظلم وجور سے متصف ہوں،قوم وملت کو کچھ زیادہ فائدہ یا کچھ زیادہ نقصان سے دوچار نہ ہونا پڑتا ہوتو ایسے وقت میں اگر کوئی شخص اپنے حق کو استعمال نہ کرے تو کوئی ملامت بھی نہیں ہوگی ان شاءاللہ۔

الیکشن میں اپنے آپ کو امیدوار بنانا:

حکمرانی حق نہیں بلکہ امانت یا ذمہ داری ہے، اگر حق ہوتا تو اس میں دوڑ دھوپ کو سراہا جاسکتا تھا،لیکن ذمہ داری یا امانت کا مقتضا تو یہی ہے کہ طلب کرنا خیر وبرکت کو کھو دیتا ہے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی ہی وضاحت کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کو خطاب کرکے فرمایا:"**لاتسأل الإمارة فإن أعطيتها عن مسألة وكلت إليها وإن أعطيتها عن غير مسألة أعنت عليها** الخ (بخاری:۱۰۵۸/۲ کتاب الاحکام،باب:من سأل الإمارہ وکل إلیہا)(امارت کے طالب مت رہو،اس لئے کہ اگر سوال کے بعد امارت حاصل ہوگی تو تجھ کو اس کے حوالہ کر دیا جائے گا،اور اگر بے غیر طلب حاصل ہوگی تو اعانت شامل حال ہوگی)۔

لیکن ایسی بعض استثنائی صورت بھی ہے جس میں طلب منصب کو بنظر استحسان دیکھا گیا۔خاص طور پر جبکہ یقین ہو کہ اس ذمہ داری کو نبھانے کا اس سے زیادہ کوئی اور اہل نہیں، اگر کوئی اور اس منصب تک پہنچ گیا تو ظلم وعدوان سے کام لے گا تو ایسے موقع پر شرعاً اجازت ہوگی کہ اپنا نام بطور امیدوار پیش کرے۔حضرت یوسف علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بادشاہ مصر سے کہا تھا:"**اجعلني على خزائن الأرض**"(مجھے وزیر مالیات بنادیں)، لہٰذا ایسی استثنائی صورت میں امیدوار بنا صحیح ہوگا، علامہ شامی طلب قضاء پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:**أما إذا تعين بأن لم يكن أحد غيره يصلح للقضاء وجب عليه الطلب صيانة لحقوق المسلمين ودفعاً لظلم الظالمين ولم أرحكم ما إذا تعين ولم يول إلا بمال هل يحل بذله وينبغي أن يحل بذله للمال كماحل طلبه** (ردالمحتار ۴۰/۸ کتاب القضاء مطلب طریق التنقل عن المجتهد)

(بہر حال جب عہدۂ قضا متعین ہوجائے بایں طور کہ قضاء کے لئے اس کے علاوہ کوئی اور نہ ہوتو مطالبہ کرنا واجب ہے۔ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور ظالموں کے ظلم کو دفع کرنے کے لئے، میں نے اس صورت کا حکم کہیں نہیں دیکھا جبکہ متعین ہو اور مال کے بغیر یہ عہدہ حاصل نہ ہوسکے تو کیا مال خرچ کرنا جائز ہے؟ جس طرح طلب کرنا جائز ہے۔ مال خرچ کرنا بھی جائز ہونا چاہیے)۔

شامی اختیار کے حوالہ سے لکھتے ہیں: **لکن صرح فی الاختیار بأن من تعین له لافترض علیه ولو امتنع لا یجبر علیه** (شامی: ۸/۴۱ کتاب القضاء مطلب طریق التنقل عن المجتهد) (لیکن اختیار میں تصریح ہے کہ جو شخص قضاء کے لئے متعین ہوجائے اس کے لئے فرض ہوجاتا ہے، لیکن اگر نہ کرے تو جبر نہیں کیا جائے گا)۔

کسی بھی پارٹی کا ممبر بننا: آج کی ہر پارٹی زمانۂ جاہلیت کی خاندانی وقبائلی عصبیت کی بنیاد پر بنے جتھے کا نمونہ ہے، جس میں حق خاندانی اور عہد تحالف کو ہر صورت میں ادا کرنا پڑتا تھا، اسلام نے اس پر ضرب کاری لگاتے ہوئے اعلان کیا: **لاحلف فی الاسلام** (بخاری: ۲/۸۹۸ کتاب الادب، باب الإخاء والحلف)۔

اسلام میں جاہلی حلف کی گنجائش نہیں:

آج کی ہر پارٹی پر ہائی کمان کا حکم مسلط رہتا ہے، کسی کو اس کے خلاف خواہ ظلم وجور ہی کا ارتکاب کیوں نہ کرنا پڑے، کرنے کا حق نہیں، اس کا تقاضا تو یہی ہے کہ جمہوری پارٹی میں شرکت کی اجازت ہی نہ ہو، لیکن بالکلیہ کنارہ کشی بھی بہت سے طوفان کو دعوت دے گی بلکہ بسا اوقات اچھے افراد نہ ہونے سے اور بھی اعلیٰ کمان کو من مانی کرنے کا موقع ملتا ہے، لہٰذا کسی میں اتنی طاقت ہو کہ پارٹی میں شامل ہوکر حق کی آواز کو بلند کرے گا، ناحق کی صدا کو دبائے گا تو کچھ بعید نہیں کہ ایسا شخص اگر پارٹی میں شامل رہا تو قوم کو فائدہ پہنچے گا، یا کم از کم نقصان سے بچایا جاسکے گا، تو اس طرح پارٹی میں شمولیت کی اجازت ہوگی، بشرطیکہ اُھون البلتین کے اصول پر ایسی پارٹی میں شمولیت اختیار نہ کرے جو مسلم دشمنی ہی کا مزاج رکھتی ہو، ظلم وبربریت ہی اس کا طرۂ امتیاز ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **أوفوا بحلف الجاهلیة فإنه لایزیده یعنی الإسلام إلا شدة ولا تحدثوا حلفا فی الإسلام** (ترمذی: ۱/۲۸۷، کتاب السیر، باب ماجاء فی الحلف حدیث حسن صحیح) (جاہلیت کے معاہدہ کو پورا کرو، کیونکہ اسلام مزید پختگی کو پیدا کرتا ہے اور اسلام میں زمانۂ جاہلیت والا معاہدہ شروع مت کرو)۔

اس میں وہی معاونت اور حلف مراد ہے جو حق کی بنیاد پر ہو، اس کا مقتضا بھی ہے کہ پارٹی میں شمولیت تو جائز ہے لیکن پارٹی کی ہر آواز پر لبیک کہنا اور آنکھ بند کرکے حمایت کرنا جائز نہیں۔

رکن منتخب ہونے پر حلف برداری:

جہاں دستور میں بہت سے دفعات خلاف شریعت ہوتے ہیں، اکثر وہ دفعات بھی ہوتے ہیں جو شریعت کی روح ومزاج سے ہم آہنگ ہوں، اب ایک ممبر بڑی ہی جدوجہد کے بعد ایوان تک پہنچا ہے، جو عام مسلمانوں کی ضرورت نہ سہی حاجت کے درجے میں یقیناً ہے۔ **والحاجة تنزل منزلة الضرورة** (اشباہ القاعدۃ السادسۃ:۱۴) نیز **الضرورات تبیح المحظورات** (الاشباہ:۱۰۷، النوع الاول من القواعد الکلیۃ) سے ہدایت مل رہی ہے کہ ایسے شخص کے لئے حلف برداری جائز ہے، ہاں نیت ان دفعات کی کرے جو کہ شریعت کے خلاف نہ ہو۔ نیت کا اعتبار تو فقہاء نے دیانتاً کیا ہی ہے۔

نية تخصيص العام تصح ديانة إجماعاً، فلو قال: كل امرأة أتزوجها فهي طالق ثم قال: نويت من بلد كذا لايصدق قضاء (درمختار:۵/ ۵۸۴ كتاب الأيمان مطلب نية تخصيص العام تصح ديانة لاقضاء)۔

(عام میں تخصیص کی نیت فی مابینہ وبین اللہ صحیح ہے پس اگر کہا: "**كل امرأة أتزوجها فهي طالق**" پھر اس نے کہا کہ میں نے فلاں شہر کی عورت کا قصد کیا تھا تو قضاء تصدیق نہیں ہوگی)۔

علامہ شامی لکھتے ہیں: **ظاهره أنه يصدق ديانة** اس کا ظاہر یہ ہے کہ دیانتاً تصدیق کی جائے گی۔ علامہ خصاف کی رائے اس سلسلے میں یہ ہے کہ قضاء بھی اس کی نیت معتبر ہوگی۔ یہ اس وقت جبکہ عام مذکور ہو اگر عام مذکور نہیں تو بھی خصاف کے نزدیک دیانتاً معتبر ہے۔ علامہ شامی رقم طراز ہیں: **والحاصل أن نية تخصيص العام تصح في ظاهر الرواية ديانة فقط، وعند الخصاف تصح قضاء ايضاً وهذا إذا كان العام مذكوراً وإلا فلا تصح نية تخصيصه أصلاً في ظاهر الرواية وقيل: يدين...... فصار حاصل ما اختاره الخصاف في المذكور أنه يصدق ديانة وقضاء وفي غيره ديانة فقط** (ردالمحتار:۵/ ۵۸۵ کتاب الایمان مطلب نیۃ تخصیص العام الخ)۔

(خلاصہ یہ ہے کہ عام کی تخصیص کی نیت ظاہر الروایۃ میں صرف دیانتاً صحیح ہے، علامہ خصاف کے نزدیک قضاء بھی صحیح ہے اور یہ اس وقت ہے جبکہ عام عبارت میں مذکور ہو، ورنہ تخصیص کی نیت ظاہر الروایۃ میں بالکل صحیح نہیں، اور کہا گیا ہے کہ دیانۃً صحیح ہے، پس خصاف کے اختیار کردہ مسلک کا خلاصہ یہ ہوا کہ عام مذکور میں دیانتاً وقضاء دونوں طرح معتبر ہے اور مذکور نہ ہونے کی صورت میں صرف دیانۃً معتبر ہے)۔

ظالم کے ظلم کے خوف کے وقت تو حصکفی وشامی دونوں کی رائے ہے کہ مفتی بہ قول خصاف ہی کا ہونا چاہیے۔ یہ اختلاف بھی اس وقت ہے جبکہ اس کی یمین سے حق العبد متعلق ہو رہا ہو، اگر حق العبد متعلق نہیں بلکہ اللہ کی قسم کھائی

جوصرف کفارہ یا گناہ کی مقتضی ہےتو وہاں قضاء کی ضرورت ہی نہیں بلکہ مسئلہ صرف دیانت کا ہے ایسے وقت میں ضرورت کی وجہ سے حلف کرنے میں عنداللہ بھی ماخوذ نہیں ہوگا ان شاء اللہ، علامہ شامی لکھتے ہیں: **وأما الحلف بالله تعالیٰ فليس للقضاء فيه دخل، لأن الكفارة حقه تعالیٰ لاحق فيها للعبد حتى يرفع الحالف إلى القاضي كما في البحر، لكنه إن كان مظلوماً تعتبر نيته فلا يأثم لأنه غير ظالم وقد نوى ما يحتمله لفظه فلم يكن غموساً لا لفظاً ولا معنى** (شامی:۵/۵۸۷ کتاب الایمان مطلب نیۃ تخصیص العام)۔

(بہرحال اللہ تعالیٰ کی قسم تو قضاء کواس میں کوئی دخل نہیں ہے، اس لئے کہ کفارہ اللہ کا حق ہے اس میں بندے کا حق نہیں کہ معاملہ قاضی تک لے جایا جائے (بحر)، لیکن اگر وہ مظلوم ہوتو اس کی نیت معتبر ہوگی پس گنہگار نہ ہوگا، اس لئے کہ ظالم نہیں ہے، اوراس نے ایسی شئی کی نیت کی ہے لفظ جس کا احتمال رکھتا ہے، لہٰذا غموس بھی نہیں ہوگا نہ لفظاً نہ معنیً)۔

بائبل پر حلف:

قسم کا مدار لفظ پراور محلوف بہ میں عرف پر ہے، صرف ہاتھ رکھ دینے سے قسم کا تحقق نہیں ہوتا ہے، لیکن حلف برداری میں خواہ حقیقۃ قسم نہ ہو لیکن صورت قسم کی ہوتی ہے، کیونکہ غیر اللہ کے نام پر حلف برداری کی صورت میں غیر اللہ کی تعظیم مستلزم ہوتی ہے جو کہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ قسم اللہ اوراس کے صفات کی کھائی جاتی ہے۔ غیر اللہ خواہ نبی ہی کیوں نہ ہو قسم کھانا جائز نہیں بلکہ اندیشہ کفر بھی پایا جاتا ہے۔

لا ينعقد القسم بغيره تعالیٰ أى غير أسمائه وصفاته ولو بطريق الكناية بل يحرم كما في القهستاني بل يخاف منه الكفر في نحو حياتي وحياتك (شامی:۵/۴۸۴ کتاب الایمان)۔

(قسم غیر اللہ کی منعقد نہیں ہوتی ہے، یعنی اللہ کے اسماء وصفات کے علاوہ کی اگر چہ کنایہ کے طور پر ہو، بلکہ حرام ہے جیسا کہ قہستانی میں ہے، بلکہ ''وحیاتی وحیاتک'' جیسے جملہ میں تو کفر کا اندیشہ ہے)۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: **أحدهما اليمين بالآباء والأنبياء والملائكة والصوم والصلاة وسائر الشرائع والكعبة والحرم وزمزم ونحو ذلك، ولا يجوز الحلف بشئ من ذلك** (ہندیہ:۲/۵۱ کتاب الایمان ،الباب الاول) (ایک یہ ہے کہ یمین، آباء، انبیاء، ملائکہ، صلاۃ وصوم دیگر اشیاء کعبہ، حرم اور زمزم وغیرہ کی ہوتو اس میں سے کچھ بھی جائز نہیں ہے)۔

لہٰذا بائبل پر حلف برداری جائز نہیں ہوگی، اس میں جہاں یمین کی مطلوبہ شرط کا فقدان ہے، اہل کتاب کے ساتھ

تشبیہ بھی ہے جس کی وجہ سے ناجائز ہی ہونا چاہیے۔

البتہ اگر انصاف دلانا اسی پر موقوف ہوتو بادل نخواستہ اگر بائبل پر ہاتھ رکھ لے تو گنجائش ہونی چاہیے، لیکن یہ بات کہ انصاف دلانا ان حالات میں اسی پر موقوف ہے۔مقامی علماء ودانشوران سے معلوم کر کے فیصلہ کیا جانا چاہیے۔

نیز اس صورت میں بھی اولاً یہی کوشش ہو کہ کسی طرح عدالت سے اجازت لے لیں کہ وہ قرآن پہ ہاتھ رکھے گا اگر عزم مصمم ہوتو کچھ بعید نہیں کہ اجازت مل جائے شرط دل سوزی ہے محض ہوس اقتدار نہ ہو، لیکن اپنی پوری کوشش کر لینے کے بعد بھی اجازت نہیں مل سکی تو مکرہ ومجبور کے درجے میں رکھتے ہوئے اجازت ہونی چاہیے بعد میں توبہ واستغفار بھی کرتا رہے۔

سیکولر پارٹی میں شرکت:

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان جیسے سیکولر ملک میں ہر شخص کو اپنی پارٹی بنانے کا دستوری حق ہے جس کے لئے منشور، واغراض ومقاصد سیکولر ضابطے کے دائرہ میں وضع کئے جاسکتے ہیں، بلکہ بعض منشور تو عین الیکشن کے وقت بھی جاری کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آزادی سے لے کر آج تک کیڑے مکوڑوں کی تعداد میں پارٹی وجود میں آئی، بعض اس میں نسبتاً سیکولر ذہن وکردار کے حامل بھی ہیں، لیکن کچھ مسلم دشمن اور کٹر مخالف اسلام بھی ہیں جو وقتاً فوقتاً اپنی بیزاری کا اظہار گفتار وکردار سے کرتی رہتی ہے۔ جب مسلمانوں کو اس ملک میں رہنے کا حق ہے تو اس کے عوام اور باشندہ ہونے کے ناطے ملک کے دستوری عمل اور حکومت سازی میں بھی حصہ لینے کا پورا حق ہے، بلکہ عائلی قانون یا مذہبی آزادی میں رخنہ ڈالنے والوں کے خلاف کھل کر سامنے آنے کا بھی حق قانوناً اور عملاً ہے، تو اب ایسے موقع پر مسلمانوں کو أهون البليتين پر عمل کرنا چاہئے اور ایسی پارٹی میں شرکت کی اجازت ہونی چاہیے جو نسبتاً سیکولر اور مسلمانوں کے مفاد میں کام کرنے والی ہو، بلکہ اس کی طرف سے الیکشن لڑنا، اس پارٹی میں شامل ہو کر اس کو تقویت پہنچانا بھی جائز ہوگا، اس سلسلے میں بڑی ہدایت ہندو پاک تقسیم سے قبل لیگ وکانگریس میں شمولیت پر علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی ایک تقریر سے ملتی ہے۔ حضرت کا رجحان لیگ کی طرف تھوڑی تاخیر سے ہوا اس پر انہوں نے فقہی لحاظ سے ایک لطیف استدلال کیا کہ خوارج جن کی بابت احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے صاف ارشادات موجود ہیں: يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية (وہ (خوارج) دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کا جسم چھید کر صاف نکل جاتا ہے)۔

حضور ﷺ نے فرمایا: لئن أدركتهم: لأقتلتهم قتل عاد وثمود (اگر میں نے ان کو پالیا تو عاد وثمود کی طرح استیصال کروں گا)، نیز فرمایا: هم شر الخلق (وہ بدترین مخلوق ہیں)۔ مسلمانوں کے تئیں ان کے نظریات ہیں:

یستحلون دماء المسلمین وأموالهم ویکفرون الصحابة (خوارج مسلمانوں کےخون اوران کےاموال کوحلال سمجھتے ہیں اور صحابہ کو کافر کہتے ہیں)، لیکن ان سب نصوص کے باوجود امام محمد رحمہ اللہ السیر الکبیر میں رقم طراز ہیں کہ ان کا مقابلہ اگر بت پرستوں سے ہوجائے تو ساتھ خوارج کا دینا چاہیے، کیوں کہ کلمہ گو ہونے کے اعتبار سے اہون البلیتین ہیں۔ حضرت کے الفاظ بعینہ نقل ہے:

''راقم الحروف خود ایک مدت دراز تک اسی شش وپنج میں رہا اور یہی وجہ ہے کہ خاصی تاخیر سے میں نے لیگ کی حمایت میں قلم اٹھایا۔ میں نے اپنی قدرت کی حد تک مسئلہ کی نوعیت پر قرآن وسنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں غور وفکر کیا، اللہ سے دعائیں کیں اور استخارے کئے بالآخر ایک چیز میرے اطمینان اور شرح صدر کا سبب بنی اور وہ حضرت امام محمد بن حسن شیبانی (تلمیذ امام اعظم ابوحنیفہ) رحمہ اللہ علیہ کی ایک تصریح ہے جو ان کی کتاب السیر الکبیر میں موجود ہے اور آپ جانتے ہوں گے کہ فقہ حنفی کا سارا مدار انہیں امام محمد کی تصنیفات پر ہے۔

پھر خوارج کی تفصیل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:

اب خیال فرمائیے کہ ایسے فرقے سے کس طرح تعلقات رکھنا، ان کی مدد کرکے ان کی شوکت بڑھانا کہاں تک صحیح ہوسکتا ہے، ان تمام امور کے باوجود حضرت امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر ان خوارج کی جنگ مشرکین بت پرستوں کے ساتھ ہوجائے تو اہل حق مسلمانوں کو کچھ مضائقہ نہیں کہ ان کفار ومشرکین کے مقابلہ میں ان کی مدد کریں، کیونکہ وہ اس وقت کفر کے فتنہ کو دفع کرنے اور نقش اسلام کو ظاہر کرنے کے لئے لڑ رہے ہیں۔ غور کیجئے کہ خوارج کی یہ امداد کیا ان کی تقویت کا سبب نہ بنے گی (تجلیات عثمانی، ۳۶۰-۳۶۱ مؤلف پروفیسر انوار الحسن انوشیر کوٹی، مطبوعہ: ادارہ نشر المعارف چہلک ملتان شہر ۱۹۵۷ء)۔

مسلم مخالف پارٹی میں شمولیت:

قرآن کریم کی آیت: **إن الذین توفاهم الملائکة ظالمی أنفسهم** کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے حضرت ابن عباس ارشاد فرماتے ہیں:

إن أناساً من المسلمین کانوا مع المشرکین یکثرون سواد المشرکین علی رسول الله ﷺ فیأتی السهم فیرمی فیصیب أحدهم فیقتله فأنزل الله: إن الذین توفاهم الملائکة ظالمی أنفسهم (بخاری ۱۰۴۹/۲ کتاب الفتن، باب من کره ان یکثرسواد الفتن والظلم) (غزوہ بدر میں) کچھ مسلمان مشرکوں کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کے مقابل تکثیر سواد کر رہے تھے، تو تیر آتا اور ان میں سے کسی کو لگتا اور قتل کر دیتا، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی)۔

اسی حدیث سے استنباط کر کے حضرت عکرمہ نے ابوالاسود کو فوج میں شرکت سے منع کر دیا وہ فوج مدینہ پر چڑھائی کے لئے جارہی تھی۔

حافظ ابن حجر نے مسند ابویعلی سے اسی معنی کی ایک اور مرفوع روایت نقل کی ہے جس کے راوی حضرت ابن مسعود ہیں: **من کثر سواد قوم فھو منھم، ومن رضی عمل قوم کان شریک من عمل به** (فتح الباری:۱۳/۴۷کتاب الفتن، باب من کرہ ان یکثرسواد الفتن الخ:۱۰۸۵) (جس نے کسی قوم کی تعداد کو بڑھایا تو وہ انہی میں سے ہے اور جو کسی قوم کے عمل سے راضی ہے تو وہ عامل کے ساتھ شرکت کرنے والا ہے)۔

علامہ عینی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **کان غرض عکرمة من نھیه أبا الأسود أن الله ذمھم بتکثیر سوادھم مع انھم کانوا لایریدون بقلوبھم موافقتھم** (عمدۃ القاری:۹/۱۸۸ کتاب التفسیر، باب إن الذین توفاھم الملائکۃ الخ) (حضرت عکرمہ کا مقصود ابوالاسود کو روکنے سے یہ تھا کہ اللہ نے ان کی تکثیر سواد کی مذمت کی ہے۔حالانکہ اپنے دل سے وہ ان کی موافقت کرنا نہیں چاہتے تھے)۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: **وفیه تخطیة من یقیم بین أھل المعصیة باختیارہ لالقصد صحیح من إنکار علیھم مثلاً أورجاء إنقاذ مسلم من ھلکة۔ کما وقع للذین کانوا أسلموا...... ثم کانوا یخرجون مع المشرکین لا لقصد قتال المسلمین بل لإیھام کثرتھم فی عیون المسلمین فحصلت لھم المؤاخذة بذلک** (فتح الباری:۱۳/۴۷ کتاب الفتن، حدیث:۲۰۸۵) (اس میں ان حضرات کو خطا کار بتانا ہے جو اہل معصیت کے مابین اپنی خوشی سے رہتے ہیں، کوئی صحیح مقصد نہیں ہوتا، مثلاً ان پر نکیر کرنا یا کسی مسلمان کو ہلاکت سے بچانا، جیسا کہ ان مسلمانوں کو ہوا جو مشرکوں کے ساتھ قتال کی نیت سے نہیں بلکہ انکی کثرت مسلمانوں کی نگاہ میں زیادہ کرنے کی نیت سے نکلے۔لہٰذا اس کی وجہ کر ان سے مواخذہ ہوا)۔

امام بخاری کا ترجمۃ الباب اس بات کی طرف مشیر ہے کہ جو حکم کافروں کے ساتھ شرکت کا ہے، وہی حکم ظالموں کے ساتھ شرکت کا ہے، معلوم ہوا کہ تکثیر سواد، بذات خود ممنوع ہے الا یہ کہ کوئی اس جذبہ سے ان کے مابین اپنائے تا کہ ان کی اصلاح کی جا سکے۔ یا مسلمانوں کو ان کے ظلم وزیادتی سے محفوظ رکھا جا سکے۔ظاہر بات ہے کہ زبان سے دعویٰ کرنا آسان ہے، عملی جامہ پہنانا مشکل ہے، پس فالعبرۃ للغالب اعتبار اکثریت وغالبیت کا ہے، اس لئے ایسی پارٹی میں شمولیت جائز نہیں۔

البتہ کوئی اپنے اندر اتنی قوت اور زور رکھتا ہے جو واقعتاً کچھ نہ کچھ مسلمانوں کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔نقصان کا خطرہ نہیں ہے تو نیک نیتی سے شرکت کی گنجائش نکلے گی لیکن ایسی نیک نیتی کا تحقق شاذ ونادر ہے۔

اس لئے کہ اس میں تعاون علی المعصیت ہے اور وہ تعاون علی المعصیت جو بالقصد خواہ صریحاً ہو یا حکماً (جس کی تفصیل رامپور سمینار میں آچکی ہے) ممنوع وحرام ہے (احکام القرآن: ۳/۷۷ مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ، الکلام فی الاعانۃ علی المعصیۃ)۔

بالقصد میں اس معصیت کی نیت کرنا اور حکماً میں بوقت شمولیت ظلم وزیادتی کا عہد وپیمان کرنا یا پھر اس کی شمولیت ہی ظلم وزیادتی کا عنوان بن جائے داخل ہے، نہ کہ ہر قسم کا تعاون۔

لیکن ان سب کے باوجود صرف شمولیت کی اجازت ہوگی، اس کی ورکری وپرچار کر کے تقویت پہنچانے کی اجازت نہیں ہوگی کہ یہ تعاون حکماً میں شمار ہوگا۔

علاحدہ سیاسی جماعت کا قیام:

ہندوستان کے سیکولر ماحول میں قبل ازیں بھی مسلم سیاسی جماعت کا وجود ہوا لیکن نتیجہ کیا رہا۔ بدنامی وناکامی کیونکہ مسلمان واسلام کے نام پر بننے والی جماعت وپارٹی ذہنی طور پر اکثری فرقہ کو مشتعل کرتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ دائرہ سمٹتا جاتا ہے، اور انجام کار نام ونشان تک باقی نہیں رہ پاتا، اس لئے ایسے ماحول میں کسی مسلم سیاسی جماعت کی تشکیل مناسب نہیں، ویسے اس سلسلے میں مسلم دانشوران وتجزیہ کرنے والوں سے مشورہ کرنا چاہیے، البتہ ایسا کیوں نہ ہو کہ مسلم سیاست داں اور باخبر دانشوران سامنے آئیں اور وہ اسلام کے نام پر نہیں بلکہ سیکولر نام پر ایسی پارٹی کی تشکیل دیں جس میں بالادستی مسلمانوں کی ہو شرکت کی اجازت سب کو ہو، اصول وضوابط ایسے مرتب ہوں جو سب کے لئے قابل قبول ہوں، ملک ووطن کا مفاد ہی بنیاد ہو، لیکن اس میں بھی ماحول کی سازگاری اور تجزیہ کاروں کے مشورہ ہی پر انحصار کرنا چاہئے۔

الیکشن میں عورت کی حصہ داری:

الیکشن میں عورتوں کی شرکت دو نوعیت کی ہے: (۱) بحیثیت ووٹر (۲) بحیثیت امیدوار، ووٹر کی حیثیت میں اگر حدود شرعیہ کی رعایت کی جائے تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ حق رائے دہی ہے اور اپنا نمائندہ منتخب کرنے کا حق جس طرح مردوں کو ہے عورتوں کو بھی ہے کہ اپنا نمائندہ بنائے، خاص طور پر ہندوستانی ماحول میں جہاں ایک ایک ووٹ پر ملک کی قسمت معلق ہے۔

البتہ امیدوار بننا اور دنیا کی جہاں بانی کے لئے کمر کس لینا نہ یہ کہ بہت سے مفاسد وفتنوں کا سرچشمہ ہے، تخلیق فطرت کی خلاف ورزی بھی ہے۔ حاکمیت وسرداری تو مردوں کا حصہ ہے، قرآن نے کتنے کھلے لفظوں میں تنبیہ کیا ہے: ''الرجال قوامون علی النساء،، عقل وخرد ہو یا قوت وطاقت سب میں تو عورتیں ناقص ہی قرار دی گئی ہیں۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے عقل کی پختگی مان لی جائے حالانکہ وہ عقل کی پختگی نہیں بلکہ تجربہ کی کثرت ہے تو بھی سربراہی ولیڈری جن چیزوں کا

تقاضا کرتی ہے صنف نازک کو شرعی طور پر اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔ جگہ جگہ اختلاط بلکہ مصافحہ وخلوت تک کی نوبت پہنچ چکی ہے، بے پردگی کو تو روکے بھی نہیں روک سکتے یہ سب چیزیں آئے دن مشاہدہ کی ہے علامہ شامی امامت کبری کے شرائط کے ضمن میں لکھتے ہیں:

ویشترط کونه مسلماً حراً ذکراً عاقلاً بالغاً قادراً قرشیاً، ولأن نساء أمرن بالقرار فی البیوت فکان مبنی حالهن عل الستر وإلیه أشار النبی ﷺ حیث قال: کیف یفلح قوم تملکهم امرأة (شامی:۲/۲۸۰ کتاب الصلوۃ باب الإمام مطلب شروط الإمامة)۔

(سربراہ ہونے کے لئے شرط ہے کہ مسلمان آزاد، مرد، عاقل، بالغ، قادر اور قریشی ہو (مرد ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ) عورتوں کو گھروں میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے، لہذا ان کے مناسب حال ستر ہے، اسی کی طرف رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مشیر ہے: کس طرح ایسی قوم فلاح پاسکتی ہے جس کا مالک ایک عورت ہو)۔

حدیث کا ارشاد اس قصے سے متعلق ہے جبکہ اہل فارس نے کسری کی بیٹی کو اپنا حاکم بنایا تھا (بخاری شریف: ۲/۷۳۶ کتاب المغازی باب کتاب النبی ﷺ)۔

ہوا بھی کچھ ایسا ہی، ہر میدان میں فارس شکست کھاتا گیا، ایک تو نبی ﷺ کی بددعا دوسرے عورت کی سربراہی کی خطا نے فارس کو بالخصوص 'بویت' مقام پر چور چور کردیا، بالآخر اس عورت کو معزول کر کے بڑی مشکل سے اکیس سالہ نوجوان 'یزدجرذ' کو لایا گیا اور حکومت کی باگ ڈور حوالہ کی گئی۔ تاریخ کہتی ہے کہ فارس کو سنبھلنے کا موقع ملا، کمزوری پھر قوت میں تبدیل ہونے لگی، مملکت کا نظام مستحکم ہو گیا لیکن نبوی بددعا کے اثر سے دور عثمانی میں تباہ وبرباد ہو گیا (البدایہ والنہایہ ۷/۳۰)۔

اس کے علاوہ خیر القرون سے کوئی مثال بھی تو نہیں پیش کی جاسکتی کہ کسی خاتون نے حاکمیت کا دعویٰ کیا ہو، یا اس کی حکومت وقیادت کے لئے کسی نے ادنیٰ کوشش بھی کی ہو، زیادہ سے زیادہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جنگ جمل کی حصہ داری سے دھوکہ ہوسکتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے کبھی بھی خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔ ان کی ساری کارروائی کے پیش نظر صرف اور صرف مطالبہ قصاص کی تقویت تھی، پھر صحابہ کرام نے اور خود دوسری ازواج مطہرات نے تو اس اقدام کو بھی پسند نہیں کیا، ابن عمر رضی اللہ عنہ سمیت متعدد صحابہ نے خطوط لکھے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا خط تو بہت ہی دل سوزی پر مشتمل ہے۔ ان سب کو پڑھ کر حضرت عائشہؓ کی کیا کیفیت ہوئی، علامہ ذہبی لکھتے ہیں: **ولاریب أن عائشه ندمت ندامة کلیة علی مسیرها إلی البصرة وحضورها یوم الجمل، وماظنت أن الأمر یبلغ ما بلغ** (سیر اعلام النبلاء: ۲/۱۷۷) (اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عائشہؓ اپنے بصرہ کے سفر اور جنگ جمل میں شرکت پر بہت نادم ہوئیں،

ان کا خیال یہ نہیں تھا کہ معاملہ وہاں تک پہنچ جائے گا جہاں تک پہنچا)۔اس پر اتنا روتی تھیں کہ اوڑھنی آنسو سے تر ہوجاتی تھی۔

یہاں پر حضرت بلقیس کا قصہ چھیڑنا بالکل نامناسب ہے، کیونکہ ان کی سیادت کا زمانہ حالت شرک کا زمانہ ہے۔نیز قصہ سابقہ شریعت کا ہے اس لیے استدلال صحیح نہیں ہوگا۔

اب اتنی شدید وعید کے ہوتے ہوئے عورتوں کی سربراہی کا مسئلہ ہی ختم ہوجاتا ہے،اوران کو لیڈر چننا، پنچایت کا ممبر،مکھیا،سرپنچ یا چیئرمین منتخب کرنا یااس کے لئے کوشش کرنا سراسر غلط ہوگا۔واللہ اعلم۔

الیکشن سے مربوط شرعی مسائل اوران کا حل

مولانا غلام رسول منظور القاسمی ☆

ووٹ کی شرعی حیثیت:

ماضی قریب کے فقہائے امت میں سے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نوراللہ مرقدہ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ اور ہم عصر فقہائے کرام میں سے شیخ الاسلام علامہ محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ، فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی نے کسی امیدوار کو الیکشن میں ووٹ دینے کی ازروئے قرآن وسنت تین حیثیتیں بیان کی ہیں:

۱- شہادت وگواہی: ووٹ دینے کی پہلی حیثیت شہادت وگواہی کی ہے کہ ووٹ دینے والا جس امیدوار کو اپنا قیمتی ووٹ دے رہا ہے گویا وہ اس کے بابت اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ یہ شخص میرے علم ودانش کے مطابق قوم وملت اور ملک کے لیے خیرخواہ ہے اور یہ شخص صفت امانت ودیانت کے ساتھ متصف ہے، میرے نزدیک یہ شخص راست باز، پاک باز، حق گو اور صفت صداقت وحقانیت کے ساتھ متصف ہے اور اس کے لیے نہایت موزوں اور مناسب شخص ہے۔

۲- شفاعت وسفارش: شرعی نقطہ نظر سے ووٹ کی دوسری حیثیت شفاعت وسفارش کی ہے، گویا ووٹرس امیدوار کے بارے میں اپنے ووٹ اس کے حق میں ڈال کر اس کے بارے میں شفاعت وسفارش کرتا ہے کہ یہ شخص ملک وقوم کے لیے خیرخواہ ہے اور وقت ضرورت قوم ووطن کی خدمت کے لیے اپنے تن من دھن کی بازی لگایا کرے گا، لہٰذا اس کو اس خدمت کے لیے چانس دیا جائے اور میں اس کے حق میں سفارش کرتا ہوں، اس شفاعت وسفارش کے بارے میں ہر ووٹ ڈالنے والے کو اپنے ووٹ ڈالنے سے پہلے قرآن مجید کا یہ پاک فرمان عالیشان پیش نظر رہنا چاہیے، اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ومن يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها و من يشفع شفاعة سيئة يكن له كفل منها (القرآن)، یعنی جو شخص نیکی اور اچھی چیز کے بارے میں شفاعت کرتا ہے تو اس میں اس کو بھی حصہ ملتا ہے اور کوئی بری چیز کے بارے

☆ پھراوی، جامعہ کوثریہ کیرالا۔

میں شفاعت کرتا ہے تو اس کی برائی میں سے بھی اس کا حصہ ہے، الہٰذا ووٹ ڈالنے سے قبل خوب غور وخوض کرلے جس امیدوار کے حق میں اپنا ووٹ ڈال رہا ہے آیا وہ امانت دار اور دیانت دار ہے بھی یا نہیں، اپنے رعایا اور ماتحتوں کے حقوق کو صحیح طور پر ادا کرے گا یا نہیں؟ اس ووٹ استعمال کرنے سے پہلے خوب سوچ سمجھ لیں ورنہ امیدوار کی کامیابی کے بعد اگر اس نے ظلم وستم کا بازار گرم کیا، لوگوں کے حقوق تلف کیے تو اس جرم عظیم میں ووٹر بھی برابر کا شریک ہوگا، اس لیے نہایت عقل ودانش اور فہم وفراست سے کام لینے کی از حد ضرورت ہے۔

۳-وکالت: اگر دیکھا جائے تو ووٹ کی ایک شرعی اور اسلامی حیثیت وکالت کی بھی ہے۔ گویا ووٹر اس امیدوار کو اپنا وکیل اور نمائندہ منتخب کرتا ہے، لیکن یہ وکالت صرف اس کی شخصی حق کے ساتھ متعلق نہیں ہے اور اس کا نفع ونقصان صرف ووٹر کی ذات تک محدود نہیں رہتا ہے، بلکہ اس نفع ونقصان میں اس کے ساتھ ساتھ پوری قوم وملت اور پورا ملک شریک ہے، اس لیے اگر کسی نااہل اور نالائق، خائن، کذاب اور ظالم کو اپنا ووٹ دے کر نمائندہ بنایا تو پوری قوم کے حقوق تلفی کرنے کا اثم وگناہ ووٹ ڈالنے والے کی گردن پر بھی ہوگا، اس لیے اس میدان میں سوچ سمجھ کر حق ووٹ استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔

بوقت ضرورت ووٹ دینا شرعاً واجب:

ماضی قریب اور حال کے اکثر فقہائے کرام نے چونکہ ووٹ کو شرعی نقطہ نظر سے ایک شہادت قرار دیا ہے کہ ووٹ ڈالنے والا شخص جس کے حق میں اپنا ووٹ استعمال کر رہا ہے، گویا اس کے بارے میں شرعی اعتبار سے اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ یہ شخص ہر اعتبار سے موزوں اور منصب وعہدہ کے لائق وفائق ہے، امانت ودیانت کی صفت حسنہ سے متصف اور خدمت قوم وملت کے جذبہ سے سرشار ہے، الہٰذا ووٹر جس کے بارے میں اپنے علم وفہم اور عقل ودانش کے اعتبار سے اچھا سمجھے اور دوسروں کے مقابلے میں بہتر جانیں ان کے حق میں ووٹ دینا شرعی اعتبار سے لازم اور ضروری ہے، اس لیے کہ جس طرح جھوٹی شہادت دینا حرام اور ناجائز ہے، اسی طرح بوقت حاجت وضرورت شہادت کو چھپانا بھی حرام ہے، قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه والله بما تعملون عليم“ (البقرہ:۲۸۳)۔

(اور نہ چھپاؤ تم گواہی کو اور جو کوئی چھپائے گا گواہی کو تو اس کا دل گنہگار ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو تم کرتے ہو)۔

قرآن وحدیث میں جس طرح سچی شہادت کو چھپانے کی حرمت کا بیان ہے، اسی طرح سچی شہادت ادا کرنے کی

تاکید بھی متعدد مقامات پر قرآن مجید میں موجود ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

"یا أیها الذین اٰمنوا کونوا قوامین بالقسط شهداء لله ولو علی أنفسکم أو الوالدین والأقربین إن یکن غنیا أو فقیرا فالله أولی بهما فلا تتبعوا الهوی أن تعدلوا وإن تلووا أو تعرضوا فإن الله کان بما تعملون خبیرا" (سورۃ النساء:۱۳۵)۔

(اے ایمان والو! قائم رہو انصاف پر، گواہی دو اللہ کی طرف کی اگر چہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ یا قرابت والوں کا، اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ ان کا خیر خواہ تم سے زیادہ ہے، سو تم پیروی نہ کرو دل کی خواہش کی انصاف کرنے میں اور اگر تم زبان ملو گے یا بچا جاؤ گے تو اللہ تمارے سب کاموں سے واقف ہے) (ترجمہ شیخ الہند)۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ اس آیت کی تفسیر میں فوائد عثمانی میں لکھتے ہیں: یعنی گواہی سچی اور اللہ کے حکم کے موافق دینی چاہیے۔ اگر چہ اس میں تمہارا یا تمہارے کسی عزیز وقریب کا نقصان ہوتا ہو جو حق ہو اس کو صاف ظاہر کر دینا چاہیے۔ دنیوی نفع کے لیے آخرت کا نقصان نہ لو یعنی سچی گواہی دینے میں اپنی کسی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو کہ مالدار کی رعایت کر کے یا محتاج پر ترس کھا کر سچ کو چھوڑ بیٹھو، جو حق ہو سو کہو اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ اور ان کے مصالح سے زیادہ واقف ہے اور اس کے یہاں کس چیز کی کمی ہے......(تفسیر عثمانی صفحہ ۱۳۰)۔

انتخابات میں بحیثیت نمائندہ ازخود کھڑے ہونے کا حکم شرعی:

رسول اکرم ﷺ نے ازخود عہدہ ومنصب طلب کرنے، اس کے واسطے سفارش کروانے اور اس کی خواہش کرنے سے منع فرمایا ہے۔ قرآن وسنت کا عام حکم یہی ہے کہ ازخود کسی سرکاری عہدے اور منصب کو اپنے لیے طلب کرنا جائز نہیں ہے اور شریعت کی نظر میں ایسا شخص مطلوبہ عہدے کا اہل نہیں ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جو ازخود اپنے لیے کسی خدمت وذمہ داری اور عہدے کا طالب ہوتا اور آپ سے اس کا سوال اور درخواست کرتا تو آپ اس کو اس کام پر مقرر نہ فرماتے، کیونکہ کسی عہدہ ومنصب کا طالب ہونا حب جاہ پر دلالت کرتا ہے جو آخر کار طالب کے حق میں خرابی کا باعث ہوتا ہے (مسلم کتاب الامارۃ باب النہی عن طلب الامارۃ والحرص علیہا ۲/ ۱۲۰، رقم الحدیث، ۴۶۹۴)۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاریؓ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے کسی عہدے ومنصب کی خواستگار اور طلب گار ہوئے تو آپ نے از راہ شفقت ومحبت حضرت ابوذر غفاریؓ کے مونڈھے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: ابوذر! تم کمزور اور ناتواں ہو اور یہ حکومت وسیادت خدا کی طرف سے ایک عظیم امانت ہے جس کے ساتھ

بندوں کے حقوق متعلق ہیں، اس میں خیانت نہیں کرنی چاہیے اور یہ حکومت وسیادت اور قضا و امارت کل قیامت کے دن رسوائی وپشیمانی کا باعث ہوگی، اس لیے اے ابوذر! اس سے دور ہی رہو تو بہتر ہے اے ابوذر! میں تمہارے لیے اس چیز کو پسند کرر ہا ہوں، جو میں خود اپنے لیے پسند کرتا ہوں تم کسی دو آدمیوں کا حاکم اور سردار نہ بننا اور نہ کسی یتیم کے مال کی نگرانی قبول کرنا (مسلم الامارۃ باب کراہۃ الامارۃ بغیر ضرورۃ ۲/ ۱۲۰، رقم الحدیث: ۴۶۹۶، ۴۶۹۷)۔

بوقت ضرورت منصب وعہدہ کی طلب:

البتہ بعض استثنائی صورتوں میں جہاں یہ بات واضح ہو کہ اگر کوئی شخص از خود عہدہ ومنصب طلب نہیں کرے گا تو نااہل اور ظالم لوگ اس پر قبضہ کر کے لوگوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائیں گے۔ ملک وملت کو نقصان پہنچائیں گے، اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا اس عہدہ ومنصب کے لائق اور اہل بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں از خود عہدے کا طالب ہونا اور قوم و ملک کا نمائندہ بن کر کھڑے ہونے اور لوگوں سے ووٹ کا مطالبہ کرنے کی شرعاً گنجائش ہے، بشرطیکہ محض اقتدار و کرسی اور جاہ ومنصب کے حصول کے لیے نہ ہو بلکہ قوم وملت کی خدمت کے جذبے اور سماج ومعاشرہ میں پھیلے ہوئے مفاسد کو ختم کرنے کے حوصلہ سے ہو، اور اس کے اندر بھی یہ شرط ہے کہ اپنے حریف پارٹی کی غیبت، سب وشتم اور عیب جوئی نہ ہو (مستفاد فتاویٰ عثمانی ۳/ ۵۰۷، درس ترمذی ۴/ ۲۶۰)۔

خلاف شریعت قانون سے وفاداری کا حلف اٹھانا:

اگر کسی ادارہ یا جماعت و پارٹی کے دستور ومنشور اور اصول وقانون، روح شریعت اور قرآن وحدیث کے اصول کے بالکل خلاف ہو اور اس میں شمولیت ورکنیت اختیار کرنے والوں کے لیے خلاف شریعت قانون سے بھی وفاداری کا عہد و پیمان کرنا پڑے تو کسی صاحب ایمان کلمہ گو شخص کے لیے اس طرح کے دفعات وقوانین سے وفاداری کا حلف لینا اور اس کا عہد و پیمان کرنا کہ میں اس ادارے کے تمام قوانین کا پاس ولحاظ کروں گا خواہ وہ خلاف شریعت ہی کیوں نہ ہو جائز نہیں، اس لیے کہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ جہاں قرآن وسنت اور دین اسلام کے قوانین کی پامالی اور بے عزتی ہو اور خالق کی نافرمانی لازم آئے وہاں کسی بھی مخلوق کی اطاعت وفرمانبرداری جائز نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

عن النواس بن سمعان قال قال رسول الله ﷺ: لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق (شرح السنة ۱۰/ ۴۴، رقم الحدیث ۲۴۵۵، المعجم الکبیر ۱۸/ ۱۷۰، رقم الحدیث ۳۸۱، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲/ ۵۴۶، رقم الحدیث ۳۴۴۰۶)۔

(حضرت نواس بن سمعانؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس مسئلہ میں خالق اللہ رب العزت

کی نافرمانی لازم آتی ہو اس میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں)۔

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ امیر و حاکم کی بات کو سننا اور اطاعت کرنا اسی طرح کسی ادارے اور جماعت و پارٹی کے قوانین واصول کے ساتھ وفاداری اس وقت تک جائز ہے جب تک وہ قرآن وحدیث کے مخالف نہ ہوں، اگر ادارہ یا جماعت و پارٹی کا کوئی حکم وقانون شریعت مطہرہ کے حدود سے متجاوز ہو اور اس کی اطاعت سے اللہ رب العزت کی معصیت لازم آتی ہو تو اس صورت میں اس کے ساتھ وفاداری کا عہد کرنا یا اس کے لیے حلف اٹھانا کسی کلمہ گو شخص کے لیے جائز نہیں۔ حضرات فقہاء کرام ومجتہدین اسلام کے اقوال وعبارات بھی اسی کے مؤید ہیں، البتہ اگر مسلم ممبران کو دستور وقوانین کے حلف برداری اور وعدہ ایفاء سے مستثنیٰ رکھا جائے اور اس کو قوانین پر عمل کرنے کا پابند نہ بنایا جائے تو پھر اجمالی طور پر ایفاء قانون کا حلف لینے کی گنجائش ہے۔

مسلم ارکان کے لیے بائبل اور انجیل پر حلف لینا شریعت کی نظر میں:

کسی شی پر ہاتھ رکھ کر حلف لینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حالف کے اعتقاد کے مطابق وہ مکرم اور قابل احترام ہے اور وہ اس کا دل وجان اور قلب وجگر کی گہرائیوں سے قابل تعظیم اور لائق احترام واکرام ہونے کا یقین رکھتا ہے اور یہ بات روز روشن کی طرح عیاں اور دلائل وبراہین سے واضح ہو چکی ہے کہ موجودہ زمانے میں جو تورات اور انجیل اس روئے زمین پر موجود ہے وہ اصلی اور اوریجنل نہیں ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، بلکہ اس وقت روئے زمین کے کسی خطے پر بھی اصلی بائبل اور انجیل موجود نہیں ہے بلکہ جتنے بھی انجیل کے نسخے اس وقت پائے جاتے ہیں اور عیسائیوں کے پاس موجود ہیں وہ سب کے سب محرف شدہ اور ردوبدل کردہ ہیں، کوئی ایک نسخہ بھی دنیا میں بالکل اصلی موجود نہیں ہے، بلکہ تمام نسخے افتراء علی اللہ اور تحریف وتغیر سے پر ہیں، اس لیے کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ان کتابوں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائیں، اس لیے کہ ان کتابوں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانے کا مطلب ان کے منجانب اللہ ہونے اور ان کے برحق ہونے کی تصدیق کرنا ہے جو جائز نہیں، البتہ اگر کوئی مسلمان اس پر مجبور ہو اور اس کے بغیر حصول انصاف اور ظلم وستم سے بچنا ناممکن ہو تو بادل نخواستہ کراہت خاطر کے ساتھ اس کی تعظیم وتوقیر اور احترام واکرام کے اعتقاد کے بغیر دفع مضرت کی نیت سے ہاتھ رکھ کر حلف لینے کی گنجائش ہے، چنانچہ رابطہ عالم اسلامی کی زیر نگرانی اسلامک فقہ اکیڈمی کی پانچویں سمینار منعقدہ ۸-۱۶ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ میں علماء امت جن نکات پر متفق ہوئے ان میں سے ایک یہ ہے:

إذا كان القضاء في بلد ما حكمه غير اسلامي يوجب على من توجهت عليه اليمين وضع يده

على التوراة او الانجيل او كليهما فعلى المسلم ان يطلب من المحكمة وضع يده على القرآن فإن لم يستجب لطلبه يعتبر مكرها ولا بأس عليه أن يضع يده عليهما أو على أحدهما دون أن ينوى بذلك تعظيما (قرارات مجلس المجمع الفقہی الاسلامی ۱۴۰۲ھ/۸۵ بحوالہ جدید فقہی مسائل ۱/۴۰۷)۔

اگر کسی غیر اسلامی مملکت کی عدالت قسم لینے والے کے لیے تورات یا انجیل یا ان دونوں پر ہاتھ رکھنا ضروری قرار دیتی ہو تو مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ عدالت سے قرآن کریم پر ہاتھ رکھنے کا مطالبہ کرے، اگر اس کا مطالبہ نہ مانا جائے تو ایسے کو مجبور سمجھا جائے گا اور دونوں یا کسی ایک پر تعظیم کی نیت کے بغیر ہاتھ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فیصلے، ص ۱۲۰)۔

مسلم مخالف پارٹی میں مسلمانوں کی شمولیت اور اس کی طرف سے انتخاب لڑنا:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فی زمانہ ہندوستان میں کوئی بھی سیاسی جماعت مسلمانوں کے لیے مکمل اور کلی طور پر تحفظ کے لیے نہیں ہے بلکہ تمام پارٹیاں اور جماعتیں مسلمانوں کے دشمن اور سم قاتل ہیں، ایسی سیاسی جماعتوں اور پارٹیوں میں مسلمانوں کے لیے شرکت کوئی مفید اور کارآمد نہیں، اور نہ کوئی مسلمان اس میں شریک وشمولیت اختیار کرکے اس کے اصول و قوانین کی اصلاح کرسکتا ہے اور نہ اس کی توقع کی جاسکتی ہے، کیونکہ اس کی بنیاد ہی مسلم دشمنی پر رکھی گئی ہے، اس لیے اس پارٹی اور جماعت میں کسی بھی مسلمان کے لیے شرکت کرنا اور اس کی جانب سے الیکشن میں انتخاب لڑنا باعث گناہ عظیم اور حرام ہوگا اور تعاون علی الاثم والعدوان کے مترادف ہوگا اور مسلمانوں کی دشمنی میں کافروں کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا (کفایت المفتی، ۲۵۶/۹)۔

اگر کوئی شخص اس نیت سے اس مسلم دشمن اور اسلام مخالف پارٹی میں شریک ہوتا ہے کہ اس میں داخل ہوکر اس کے ایجنڈے اور اصول کو بدلنے کی سعی وکوشش کرے گا تو ظاہر ہے کہ اس کی حسن نیت کے مطابق اس میں شمولیت کی اجازت بوقت ضرورت دی جاسکتی ہے، بشرطیکہ وہ خود اس میں شریک ہوکر اسی کا آلہ کار بن کر نہ رہ جائے، اور اس کے اندر ایجنڈے کے بدلنے کی طاقت وقوت ہو۔ حضرت سہل بن حنیفؓ سے مسند احمد اور معجم کبیر وغیرہ میں روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من أذل عنده مؤمن فلم ينصره ويقدر على أن ينصره أذله الله على رؤوس الأشهاد يوم القيامة (المعجم الکبیر ۶/۷۳، رقم الحدیث، ۵۵۵۴، شعب الایمان ۶/۱۱۰، رقم ۷۶۳۳، مسند احمد ۲۵/۳۶۱، رقم الحدیث: ۱۵۹۸۵)۔

(جس شخص کے سامنے کسی مومن کو ذلیل اور رسوا کیا جارہا ہو اور وہ اس کی مدد پر قدرت رکھنے کے باوجود مدد نہ

کرے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن (میدان محشر میں) رسوا وذلیل کرے گا)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اسلام مخالف ایجنڈے کے بدلنے پر قدرت رکھتا ہے اور وہ اس مسلم مخالف واسلام دشمنی پر بنائی گئی پارٹی میں اصلاح کی نیت سے شریک ہوتا ہے تو اس کی گنجائش ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ اس میں مسلمانوں کی اکثریت ہو، ایک مسلمان جا کر کچھ بھی نہیں کرسکتا، پھر یہ کہ پارٹی کے قوانین اسلام دشمنی پر اس قدر سخت ہیں کہ اس میں ترمیم کی کوشش کرنا، آسمان سے ستارے توڑنے کے مترادف ہے، اس لیے اس طرح کی جماعت و پارٹی میں مسلمانوں کی شرکت سے اجتناب کرنا ہی اولیٰ ہے۔

سیکولر سیاسی پارٹی میں مسلمانوں کی شرکت اور انتخاب لڑنا:

ہاں ہندوستان میں بعض سیاسی پارٹیاں ایسی ہیں جو اپنے آپ کو سیکولر کہلاتی ہیں اور ان کے دستور و دفعات میں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ اور مسلمانوں کو اپنے دین و مذہب پر آزادانہ طور پر عمل کرنے کی باتیں اور اپنے حقوق رفتہ کی بازیابی کے لیے قانون کے دائرہ میں صدائے احتجاج بلند کرنے اور قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق دیا جاتا ہے، ان پارٹیوں کے دفعات وقوانین میں مسلمانوں کے تحفظ کے دفعات بھی اصولی اعتبار سے مکتوب ہوتے ہیں، ان کی بنیاد مسلم دشمنی اور اسلام مخالفت پر نہیں ہوتی ہے اور ان کے دستور اساسی میں اسلام دشمنی اور مسلمان دشمنی کا خمیر شامل نہیں ہوتا ہے۔ تاہم اس کے بعض جزوی قانون واصول اسلام کے مخالف یا مسلم مفادات کے مغائر ہوتے ہیں، کھلم کھلا اسلام دشمنی پر مبنی پارٹیوں کے مقابلے میں یہ پارٹیاں اہون ہوتی ہیں، اس لیے کہ فقہ میں اس اصول، ''إذا ابتلیت فاختر أھونھما'' کے پیش نظر اس میں مسلمانوں کے لیے شرکت کرنا جائز ہوگا اور ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت، ریاست اور وزارت میں شامل ہونا جائز ہوگا تاکہ جب کوئی قانون یا بل مسلمانوں کے خلاف پاس ہو تو وہ سینہ سپر ہو کر قانون کے دائرہ میں رہ کر اس کی مخالفت کرسکے گا، اگر بالکلیہ طور پر مسلمان سیاسی پارٹیوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیں اور کسی بھی سیکولر پارٹی میں شرکت کو زہر ہلاہل اور سم قاتل سمجھ کر علیحدگی اختیار کرلیں تو یہ مسلمانوں کے حق میں زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ہے، اس صورت میں غیروں کو زیادہ سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کام کے مواقع فراہم ہوں گے، اس لیے مسلمانوں کے حق میں آواز بلند کرنے اور مسلمانوں کی آواز کو ایوان حکومت اور ارباب اقتدار تک پہنچانے اور اسلام مخالف اور مسلم دشمنی پر مبنی قانون پر قدغن لگانے کے لیے سیکولر جماعت میں شرکت مسلمانوں کے لیے وقت کا اہم تقاضہ ہے اور شرعاً اس کی گنجائش ہے۔

ہندوستان میں خالص مسلم سیاسی جماعت کا قیام غیر مناسب:

ہندوستان دنیا کا سب سے بڑا جمہوری ملک ہے، جہاں مختلف اور متعدد سیاسی سیکولر اور غیر سیکولر پارٹیاں اور جماعتیں موجود ہیں جن کی قیادت وسیادت غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہے اور اس ملک میں مسلمان نہایت اقلیت میں ہے اوران کو کوئی خاص سیاسی اثر ورسوخ ملک کے اندر حاصل نہیں ہے، مزید برآں مسلمان مختلف اور متعدد جماعتوں، فرقوں، تنظیموں اور دھڑوں میں بکھرے ہوئے ہیں، کوئی جماعت دوسری جماعت کو اپنا مقتدا اور رہنما ماننے کے لیے تیار نہیں بلکہ ہر جماعت اور ہر فرقہ ڈیڑھ انچ کی مسجد اپنی الگ بنانا چاہتا ہے اور دوسرے پر اپنا تفوق وبرتری چاہتا ہے، مسلمانوں کے درمیان اجتماعیت، اتفاقیت اور شیرازہ بندی نہیں ہے، ایسی صورت حال میں خالص مسلم سیاسی اور اسلامی پارٹی کا قیام موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لیے نامناسب اور غیر موزوں ہوگا۔

ہاں اگر کبھی ایسی صورت حال پیدا ہوجائے (خدا کرے ایسی صورت پیدا ہو) کہ تمام مسلم قوم تسبیح کے دانے کی طرح ایک لڑی میں پیرودیا جائے اور تمام مسلمان اتحاد واتفاق اور یگانگت وبھائی چارگی کا نمونہ بن جائے اور کسی ایک قائد کے جھنڈے تلے جمع ہوجائیں اور بکھرے ہوئے شیرازہ متحدہ ومتفق ہوجائے اور کسی ایک امام کی آواز پر لبیک کہیں اور ان کی آواز کو صدا بصحرا ہونے نہ دیں، کسی کے کہنے پر دائیں بائیں نہ دیکھیں تو اس وقت مسلمانوں کے لیے سیاسی جماعت کا علیحدہ قیام موزوں ہوگا اور جب سارے مل کر اپنے کسی ایک اور نمائندہ کو ووٹ ڈالیں گے اور اپنے ووٹ کو بکھرنے اور منتشر ہونے سے بچائیں گے تو اس وقت انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی وکامرانی مسلمانوں کے قدم چومے گی اور ان کا نمائندہ ممبر اسمبلی وممبر پارلیمنٹ کی شکل میں ایوان اقتدار کے اندر نمایاں نظر آئیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب

عورتوں کا الیکشن میں کسی پارٹی کی طرف سے امیدوار بن کر کھڑے ہونے کا شرعی حکم:

ولایت وحکمرانی کا اہل اور وزارت وامامت کے لائق مرد ہی ہوسکتا ہے، عورت منصب وزارت وامامت اور حکومت وسیاست کا اہل نہیں، عورتوں کو ولایت وحکمرانی دینے، منصب وزارت وقیادت پر فائز کرنے اور انتخاب میں امیدوار بن کر کھڑے ہونے میں بہت سارے شرعی مفاسد اور امور منکرہ کا ارتکاب لازم آتا ہے۔ مثلاً محرم مردوں کے ساتھ اختلاط، اسٹیج پر عوام کے سامنے خطاب، بلا محرم دور دراز کا سفر، کونسلوں اور اسمبلیوں میں غیر محرم اجنبی مردوں کے سامنے روبرو ہوکر بیٹھنا وغیرہ وغیرہ، اس لیے عورتوں کا انتخاب میں امیدوار بننا شرعاً ممنوع اور روح شریعت کے منافی ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ لکھتے ہیں: عورتوں کا ووٹر بننا ممنوع ہے، ہاں ووٹ دیتے وقت شرعی پردہ کا لحاظ رکھنا لازم ہوگا اور

بطور امیدوار کھڑا ہونا عورتوں کے لیے مستحسن نہیں، کیونکہ اس میں غیر ضروریات شرعیہ کی رعایت کے ساتھ کونسل یا میونسپلٹی میں شرکت عورتوں کے لیے متعذر رہے (مستفاد از کفایت المفتی ۹/ ۳۴۹، فتاوی عثمانی ۳/ ۵۱۳)۔

عورتوں کا پولنگ پر جاکر ووٹنگ کرنا:

ہاں عورت شرعی حدود کی رعایت کرتے ہوئے باپردہ ہوکر جس امیدوار کو اہل اور لائق سمجھے اپنا ووٹ ڈال سکتی ہے، ضروری ہے کہ پولنگ بوتھ پر باقاعدہ طور پر عورتوں کے لیے پردے کا معقول انتظام ہو، غیر محرم، اجنبی مرد حضرات منتظم نہ ہوں، بلکہ وہاں کاغذات دینے والی عورتیں ہی مقرر ہوں، تو اس صورت میں مسلمان عورتوں کے لیے ووٹ ڈالنے کے لیے جانا جائز ہے، اور اگر وہاں غیر محرم مرد ہوں تو اس صورت میں عورت کے لیے ووٹ ڈالنے کے لیے جانا جائز نہیں ہے، بلکہ وہ مطالبہ کریں کہ ان کے لیے زنانہ منتظم مقرر کیے جائیں اور اگر زنانہ منتظم نہ ہوں تو عورت کے ساتھ اس کا شوہر یا کوئی محرم شرعی ہو تو بھی جاکر ووٹ دے سکتی ہے بشرطیکہ اجنبی مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو (مستفاد از کفایت المفتی ۹/ ۳۵۷)۔

الیکشن میں شرکت اور اسلام کا نقطہ نظر

مفتی محمد جہانگیر حیدر قاسمی☆

ووٹ کی شرعی حیثیت:

ووٹ کے مسئلہ پر قرآن وحدیث کی روشنی میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ووٹ کی چار حیثیتیں ہیں:۱-شہادت، ۲-سفارش، ۳-وکالت، ۴-مشورہ۔

۱-ووٹ بحیثیت شہادت:

کسی مجلس کی ممبری کے لیے کوئی امیدوار کھڑا ہوتا ہے یا کسی پارٹی اور تنظیم کی طرف سے نامزد کیا جاتا ہے تو درحقیقت وہ دو چیزوں کا دعویدار ہوتا ہے: ایک یہ کہ اس کام کی لیاقت وصلاحیت اس میں ہے، دوسرے یہ کہ وہ اس کام کو امانت ودیانت کے ساتھ بخوبی انجام دے گا۔ ووٹ دینے والے اس کے بارے میں یہ شہادت دیتے ہیں کہ مفوضہ ذمہ داریوں کو بحسن واحسان ادا کرنے کی اہلیت اس میں ہے (جو کسی بھی منصب کے لیے شرط اول ہے) امانت ودیانت اس کی پہچان ہے، قوم وملت کا بہی خواہ اور عوام کا ہمدرد وغم خوار ہے۔

اگر واقع میں امیدوار ان اوصاف کا حامل ہے تو ایسے امیدوار کو ووٹ دینا حقیقت میں سچی شہادت دینا ہے۔ اس کے برعکس ایسے امیدوار کو ووٹ دینا جس میں یہ صفات نہیں ہیں جھوٹی شہادت ہے۔

اس لیے نااہل غیر مناسب امیدوار کو ووٹ دینے سے گریز کرنا اور لائق وباصلاحیت امیدوار کو ووٹ دینا واجب ہے۔

۲-ووٹ بحیثیت سفارش:

سفارش کی حقیقت یہ ہے کہ جس سے سفارش کی جائے اس کے نزدیک سفارش کرنے والے کی اہمیت اور عزت و

☆ استاد حدیث وصدر شعبہ افتا جامعہ نور الہدیٰ، حیدر آباد۔

وقار کا اظہار ہو اور جس کی سفارش کی جائے اسے نفع پہنچے۔

علامہ قرطبیؒ تحریر فرماتے ہیں: ”**فھی علی التحقیق إظھار لمنزلة الشفیع عند المشفع وإیصال المنفعة إلی المشفوع له**“ (تفسیر قرطبی ۵/۱۹۰)۔

سفارش دو طرح کی ہوتی ہے: (۱) درست سفارش (۲) غیر درست سفارش۔

اس میں سفارش کرنے والا اور جس کے حق میں سفارش کی گئی دونوں ماجور ہوتے ہیں، کیونکہ یہ ایک ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا اور اس کا حق دلانا ہے یا کم از کم اس کے لیے سعی کرنا ہے، اگر اس کی سفارش قبول نہیں ہوتی۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: ”**والشافع یوجر فیما یجوز وإن لم یشفع، لأنه تعالیٰ قال: من یشفع ولم یقل یشفع وفی صحیح مسلم: اشفعوا توجروا ولیقض اللہ علی لسان نبیه ما أحب**“ (تفسیر قرطبی ۵/۱۹۱)۔

۲- غیر درست سفارش: یعنی ایسی سفارش جس سے نقصان ہو اور جو ناجائز امور میں ہو اور اس سے حق تلفی ہوتی ہو۔

اس صورت میں سفارش کرنے والا بھی مجرم و گنہگار رہوگا اور اللہ کی بارگاہ میں ماخوذ۔

قرآن مجید میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”**من یشفع شفاعة حسنة یکن له نصیب منھا ومن یشفع شفاعة سیئة یکن له کفل منھا وکان اللہ علی کل شئ مقیتا**“ (جو کوئی اچھی سفارش کرے گا اس کو اس میں حصہ ملے گا اور جو کوئی بری سفارش کرے گا اس میں سے بار ہوگا اور اللہ ہر چیز پر طاقت رکھنے والا ہے)۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مجاہد، حسن اور ابن زید وغیرہ نے انسانی حاجتوں اور ضرورتوں میں کی جانے والی سفارشوں کو شامل مانا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

”**ھی فی شفاعات الناس بینھم فی حوائجھم، فمن یشفع ینفع فله نصیب ومن یشفع لبصر فلهٗ کفل**“ (تفسیر قرطبی ۵/۱۹۰)۔

ووٹ کی ایک حیثیت سفارش کی ہے۔ ووٹر جس امیدوار کو ووٹ دیتا ہے اس کے بارے میں وہ الیکشن کمیشن سے سفارش کرتا ہے کہ یہ بلدیہ، اسمبلی، پارلیمنٹ یا کسی اور محکمہ کی ممبری کے لیے موزوں ہے۔ عہدہ کی ذمہ داریوں کو وہ بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہے اور صلاحیت ولیاقت میں دوسروں پر فائق ہے۔

لہٰذا اگر ایمان دار، امانت پیشہ، اخلاق مند، خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار، قوم وملت کا بہی خواہ عوام الناس کا خیر خواہ، امن وآشتی کا پیامبر اور باصلاحیت قابل ولائق امیدوار کو ووٹرس ووٹ دیں تو اچھی سفارش کی بنا پر وہ عنداللہ ماجور

ہوں گے خواہ امیدوار کامیاب ہو یا ناکام۔ اگر وہ کامیاب ہوگیا اور اس نے رفاہی، سماجی، دینی اور نیکی کے کام کیے اور عوام کو ان کے جائز حقوق دلائے تو اس کے ثواب میں ووٹرس بھی حصہ دار ہوں گے اور اگر کامیابی نہ مل سکی تب بھی ووٹرس کو نیک کام کے لیے سعی کرنے کا ثواب ضرور ملے گا۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

”**والشافع یوجر فیما یجوز وإن لم یشفع، لأنه تعالیٰ قال: من یَشْفَعْ ولم یقل یُشَفَّع**“ (تفسیر قرطبی ۱۹۱/۵)۔

اور مسلم شریف میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”**اشفعوا توجروا**“۔

علامہ قرطبیؒ نے سفارش کی ایک شکل دعا بھی ذکر کی ہے، یعنی قابل، حقدار اور اہل شخص کے حق میں کامیابی کی دعاء کرنا بھی اچھی سفارش اور اجر وثواب کا باعث ہے۔ نااہل اور غیر مناسب امیدوار کے لیے دعا کرنا بری سفارش اور گناہ کا سبب ہے۔

اس لیے الیکشن میں اہل امیدوار کے حق میں دعا کرنا جائز اور کار ثواب ہوگا اور نااہل امیدوار کے حق میں کامیابی کی دعا کرنا ناجائز اور گناہ کا ذریعہ ہوگا۔ ”**وقیل: یعني بالشفاعة الحسنة الدعاء للمسلمین والسیئة الدعا علیهم**“ (تفسیر قرطبی ۱۹۰/۵)۔

ووٹ بحیثیت وکالت:

جمہوری نظام میں حکومت کی تشکیل اور وزراء سمیت وزیر اعظم کا انتخاب بھی عوام کا حق ہے اور عوام ہی اپنے ووٹوں سے یہ کام مرحلہ وار تنظیمی طور پر انجام دیتے ہیں اور تشکیل حکومت کے بعد نومنتخب شدہ اراکین حکومت کی باگ ڈور سنبھالتے ہیں اور وہ عوام کے حقوق کے محافظ ہوتے ہیں اور ان کی ضروریات بہم پہنچاتے ہیں، اس لیے ووٹرس جب کسی کے حق میں ووٹ ڈالتے ہیں تو گویا انھیں اپنے اور قوم وملت کی طرف سے امور مملکت اور کارہائے حکومت میں وکیل نامزد کرتے ہیں کہ وزیر اعظم کے تقرر سے لے کر دیگر فرائض حکومت انجام دینے، عوام کے حق میں بہتر فیصلے لینے، فلاح وصلاح کے لیے قوانین وضع کرنے اور اسکیمات تیار کرنے اور ان کے نفاذ تک میں وہ ان کے نمائندے اور وکیل ہیں۔

بنیادی طور پر معاملات میں وکالت کی اجازت شریعت نے دی ہے، فقہ کا مشہور ضابطہ ہے:

”**الأصل عند أبي لیلیٰ أن من ملک شیئاً بنفسه ملک تفویضاً إلی غیره، وعندنا یجوز أن یملک فی بعض المواضع ولایملک فی بعضها** (اصول المسائل خلافیہ ص ۱۴)۔

وکالت کی ایک صورت تو یہ ہے کہ انسان اپنے ذاتی معاملات میں کسی کو وکیل بنائے، اس میں نفع ونقصان کا دائرہ محدود ہوتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ انسان اجتماعی معاملات اور قومی وملی امور میں وکیل مقرر کرے، اس صورت میں نفع و نقصان کا اثر وسیع ہوتا ہے۔ ووٹ کا تعلق دوسری صورت سے ہے۔ اس لیے کسی قابل اور لائق امیدوار کو ووٹ دینا شرعاً جائز ہوگا اور کسی نااہل امیدوار کو ووٹ دینا اور اس طریقے سے اسے وکیل بنانا جائز نہیں ہوگا کہ وہ کامیاب ہو کر قوم وملت کے حقوق پامال کرے گا۔

ووٹ بحیثیت مشورہ:

ووٹ کی ایک حیثیت مشورہ کی ہے، یعنی الیکشن کمیشن ووٹرس سے اسمبلی یا پارلیمنٹ کی ممبری کے لیے امیدواروں میں سے انتخاب اور نامزدگی کے بارے میں مشورہ کرتا ہے تو کثرت رائے کی بنیاد پر ہی سہی عوام کے جذبات کے رخ پر فیصلہ صادر کرتا ہے اور کسی ایک کو کامیاب قرار دیتا ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے تشکیل حکومت اور امور مملکت کی انجام دہی میں ''مشورہ'' کی کافی اہمیت ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو مشورہ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''**وشاورهم فی الأمر**''۔

یعنی اہم امور میں صحابہ سے مشورہ لیتے رہئے۔ علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ گو آپ ﷺ کو مشورہ کرنے کی حاجت نہیں تھی، لیکن صحابہ کی رائے جاننے اور تعلیم امت کے لیے آپ کو یہ حکم دیا گیا، چنانچہ بہت سے مواقع پر آپ ﷺ صحابہ اور مسلمانوں سے مشورہ کیا کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب آیت: ''**وشاورهم فی الأمر**'' نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دیکھو خدا اور اس کا رسول مشورہ سے بالکل مستغنی ہیں، لیکن خدا تعالیٰ نے اس کو اس امت کے لیے رحمت کا سبب بنایا ہے، میری امت میں سے جو شخص مشورہ سے کام کرے گا، رشد وہدایات اس کے ساتھ رہے گی اور جو اسے چھوڑ دے گا، گمراہی وکجروی اس کے ہمراہ ہوگی (روح المعانی ۱۶۶/۳)۔

قرآن واحادیث میں جہاں مشورہ کے اہتمام کرنے کا حکم ہے، وہاں صحیح مشورہ دینے کا بھی حکم ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: فرماتے ہیں: ''**المستشار مؤتمن**''، یعنی جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ مشورہ دینے میں امین ہے (ابوداؤد شریف ۹۹۶/۲ باب فی المشورة)۔

اور امانت کا تقاضا ہے کہ صحیح اور مفید مشورہ دے، اپنے ذاتی مفادات یا عداوتوں کو جگہ نہ دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها“ (سورۂ نساء:۸۵) یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ذمہ داریاں ان کے اہل کو سپرد کرو۔

علامہ قرطبیؒ نے امانت کے وسیع تر معنی بیان کیے ہیں کہ امانت کا لفظ تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد کو شامل کرتا ہے۔ حضرت براء بن عازب، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس اور ابی بن کعب رضوان اللہ علیہم اجمعین کا فرمان ہے: ”الأمانة فی كل شیء“ (امانت کا تعلق ہر چیز سے ہے) (تفسیر قرطبی ۵/۲۶۱)۔

ووٹ دینا جائز، مستحب یا واجب؟

ا۔ ہندوستان اور اس جیسے جمہوری ملکوں میں مسلمانوں کے لیے ووٹ دینا واجب ہوگا، اس لیے کہ جان و مال، عزت و آبرو اور ملی و مذہبی مفادات کا تحفظ اس کے بغیر ممکن نہیں اور جان و مال، عزت و نسل اور مذہب کی حفاظت مقاصد شریعت میں سے ہے اور ان کا تحفظ شرعاً واجب ہے۔ اصول ہے کہ جس کے بغیر واجب کا اتمام نہ ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے ”ما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب“ لہٰذا ووٹ دینا بھی واجب ہوگا کہ اسی میں واجب کا اتمام ہے۔

نیز ووٹ کی ایک حیثیت شہادت کی ہے۔ حصول مقاصد، تحفظ حقوق اور دفع ظلم کے لیے اہل، قابل، دیانت دار، قوم وملت کے بہی خواہ کو ووٹ دینا دراصل اس کے حق میں شہادت دینا ہے اور یہ واجب ہے اور ووٹ نہ دینا یا اس کے مخالف کو ووٹ دینا شہادت چھپانا یا جھوٹی گواہی دینا ہے جو گناہ اور ناجائز ہے۔

الیکشن میں بحیثیت امیدوار کھڑا ہونا:

الیکشن میں خود کو بحیثیت امیدوار پیش کرنا درحقیقت عہدہ و منصب کا مطالبہ ہے۔ اسلامی نظریہ سے کسی عہدہ یا منصب کی طلب درست نہیں ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: ”لا تسأل الإمارة فإن أعطيتها عن مسألة وكلت إليها وإن أعطيتها عن غير مسألة أعنت عليها“ (مسلم شریف ۲/۱۲۰، باب النہی عن طلب الامارۃ والحرص علیہا) (عہدہ اور حکومت کا مطالبہ مت کرو، کیونکہ اگر عہدہ تجھے طلب سے ملے گا تو خدا تجھے چھوڑ دے گا اور اگر بغیر طلب کے دیا جائے گا تو اس پر تیری مدد کی جائے گی)۔

مخالف شریعت قانون ساز اداروں کا ممبر بننا:

قانون سازی کا اختیار کلی طور پر اللہ تعالیٰ کا ہے اور انسان کی طرف سے کسی قانون کی تشریح یا تفصیل و تطبیق یا ایسے

مباح اعمال وافعال سے متعلق اصول وقواعد کی تدوین جن کا تعلق دنیاوی اغراض ومقاصد سے ہے اور جن کا اختیار اللہ نے انسانوں کو دے رکھا ہے، اسی شرط پر معتبر اور قابل تقلید ہے کہ وہ شریعت کے متعین کردہ اصول وقواعد کے مطابق ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"ومن لم یحکم بما أنزل الله فأولئک هم الکفرون" (سورہ مائدہ: ۴۴) (اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اتارا سو وہی لوگ کافر ہیں)۔

قانون ساز اداروں میں جو قوانین بنائے جاتے ہیں وہ تمام شریعت کے خلاف نہیں ہوتے۔ اکثر کا تعلق از قبیل مباحات ہوتا ہے جو شرعاً جائز ہے۔ ہاں کچھ ایسے قوانین بھی وضع کیے جاتے ہیں جو اسلامی مزاج ومذاق اور روح شریعت کے مخالف ہوتے ہیں، اس طرح کی قانون سازی بالکل جائز نہیں۔

رہا یہ سوال کہ اس طرح کے اداروں کا ممبر بننا کیسا ہے؟ تو اس سلسلے میں قابل غور پہلو یہ ہے کہ اس قسم کے اداروں کے قیام کا مقصد اسلام دشمن قوانین کی وضع نہیں ہے۔ یہ ادارے عام طور پر دنیاوی اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لیے مباحات کے دائرے میں قانون سازی کرتے ہیں اور شریعت میں مقاصد کا اعتبار ہوتا ہے۔ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: "الأمور بمقاصدها" اس لیے فی نفسہ ان اداروں کا قیام اور مسلمانوں کے لیے ان کی ممبری جائز ہوگی، البتہ مسلم ممبران کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ اسلام متصادم قانون کی بھرپور مخالفت کریں اور اس قسم کے قوانین وضع کرنے سے اراکین وممبران کو باز رکھنے کی ہمہ تن کوشش کریں۔

اگر پارٹی وہیپ جاری کردے اور پارٹی کا تجویز کردہ قانون غیر اسلامی ہو، یعنی قانون الٰہی کے ہوتے ہوئے قانون سازی کی جارہی ہو تو مسلم ممبران کے لیے جائز نہیں ہوگا کہ وہ پارٹی کے اصولوں کی رعایت کرتے ہوئے پارٹی کے نظریہ کی حمایت کریں، بلکہ اس کی مخالفت ضروری ہوگی "لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق" اگر نوبت پارٹی سے عملی علیحدگی یا معطّلی کی آجائے تو اسے ترجیح دینا اور خود کو ایسی پارٹی سے الگ کرنا ضروری ہوگا، اس لیے کہ صاحب استطاعت کے لیے منکر پر نکیر واجب ہے اور یہ اس کی ایک صورت ہے۔

جمہوری دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا:

جو لوگ قانون ساز اداروں کے رکن منتخب ہوتے ہیں، انھیں دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے اور دستور میں بعض دفعات خلاف شریعت ہوتی ہیں لیکن اکثر دفعات موافق شریعت ہوتی ہیں۔ ایسی صورت میں جو دفعات شریعت کے موافق ہوتی ہیں ان سے وفاداری کا حلف لینا جائز ہے اور وہ دفعات جو شریعت کے خلاف ہوتی ہیں ان کو بروئے کار لانے کی

قسم کھانا جائز نہیں، کیونکہ یہ معصیت ہے اور معصیت کی قسم کھانے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے:

"من حلف على يمين فرأى غيرها خيراً منها فليأت بالذى هو خير وليكفر عن يمينه" (رواہ احمد فی مسندہ ومسلم عن ابی ہریرہ)۔ یعنی اگر کوئی خلاف شریعت چیز کی قسم کھاتا ہے تو اس کو پورا کرنا جائز نہیں، بلکہ ضروری ہے کہ وہ اس قسم کو توڑ دے اور اس کا کفارہ ادا کرے۔

لہٰذا مذکورہ صورت میں بحالت مجبوری حلف اٹھاتے وقت ان دفعات کی نیت کرے جو موافق شرع ہیں اور ان دفعات کی نیت نہ کرے جو خلاف شرع ہیں۔ جیسے حالت اکراہ میں ضرورتاً ایمان پر اطمینان قلب کے ساتھ زبان سے اظہار کفر کی اجازت ہے۔

بائبل پر حلف لینا:

قسم دراصل عہد و پیمان کی توثیق کے لیے کھائی جاتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ قسم اس کی کھائی جائے جس کی تعظیم وحرمت قسم کھانے والے کی نظر میں ہو، اسی لیے اللہ کے نام وصفات کے علاوہ کسی چیز کی قسم کھانا معتبر نہیں ہے۔ آپ کا ارشاد ہے: "فمن كان حالفاً فليحلف بالله أو ليذر" اخرجه اصحاب الكتب الستة، مالك و احمد والبيهقى عن ابن عمر (جامع الاصول ۱۱/ ۲۹۲، نصب الرایہ ۳/ ۵۹۲)۔

بائبل کو موجودہ حالت میں مسلمان محرف اور تبدیل شدہ سمجھتے ہیں۔ اس پر حلف لینا، گویا اس کے مضامین کے منجاب اللہ ہونے کی تصدیق کرنا ہے اور اس کی تقدیس کو بھی مستلزم ہے، اس لیے کسی ممبر آف پارلیمنٹ کے لیے یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ اس پر حلف اٹھائے بلکہ قرآن پر حلف اٹھانا ضروری ہوگا اور اگر انھیں اس کی اجازت نہ ہو اور بائبل پر حلف لینا ہی ضروری ہو جائے تو اکراہ کی حالت تصور کرتے ہوئے بکراہت خاطر اس پر حلف اٹھانا جائز ہوگا۔

سیکولر پارٹیاں اور مسلمان:

وہ سیکولر پارٹیاں جو مذہبی اعتبار سے متعصب نہیں سمجھی جاتی ہیں، تمام مذاہب کے اقدار و تہذیب اور تشخص و امتیاز کی قدر کرتی ہیں، بالخصوص مسلم مفادات کے تحفظ کی ضمانت دیتی ہیں اور ان کے منشور کی بنیاد اسلام دشمنی پر نہیں ہے، گو منشور کی بعض دفعات اسلام یا مسلمان مخالف ہیں۔ فی الجملہ ان پارٹیوں میں مسلمانوں کی سیاسی بقا کا راز مضمر ہے اور مقاصد شریعت کا تحفظ بھی اسی صورت میں ممکن ہے، چنانچہ صلح پسند اور بقائے باہم کے اصول پر مبنی نظریات کے حامل غیر مسلمین سے سیاسی وسماجی تعلقات قائم کرنے اور مصالحت کی اجازت اللہ تعالیٰ نے دی ہے:

"**لاینهکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم أن تبروهم وتقسطوا إلیهم إن الله یحب المقسطین**" (سورہ ممتحنہ:۸) (اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان لوگوں سے جو لڑے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تمہارے گھروں سے کہ ان سے کرو بھلائی اور انصاف وسلوک بیشک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو)۔

اسلام دشمن اور مسلم مخالف سیاسی پارٹیوں کے خلاف سیکولر پارٹیوں سے مصالحت اور ہمہ جہت شرکت اسی نوعیت کی ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کے خلاف (جن کی دشمنی ظاہر تھی) قبیلہ خزاعہ سے معاہدہ فرمایا تھا۔

اسلام دشمن پارٹیاں اور مسلمان:

وہ سیاسی پارٹیاں جو کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہے۔ اسلامی احکام وشعائر ان کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتے ہیں اور مسلمانوں کا مذہبی وجود انھیں بالکل گوارہ نہیں۔ ایسی پارٹیوں میں مسلمانوں کا شریک ہونا جائز نہیں، اس لیے کہ یہ عدوان اور سرکشی کی حمایت کرنا اور دشمنان اسلام کو اسلام کے خلاف مضبوط کرنا ہے، جو قطعاً ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**وتعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان واتقوا الله إن الله شدید العقاب**" (سورہ مائدہ:۲)۔

دیگر سیکولر پارٹیوں کی موجودگی میں مسلم دشمن پارٹیوں میں شمولیت مسلمانوں کے لیے نہ تو سیاسی مجبوری ہے اور نہ ہی اسلامی ضرورت، لہٰذا مسلمانوں کا ایسی سیاسی پارٹیوں سے مربوط ہونا جائز نہیں۔

مسلمانوں کے لئے علاحدہ سیاسی جماعت کا قیام:

گزشتہ اوراق میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا کہ جمہوری ملکوں میں ووٹ کی طاقت مسلم ہے اور ہمارے ملک ہندوستان میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، ووٹ ان کی سب سے بڑی طاقت ہے، مسلم ووٹ کا متحد رہنا نہایت ضروری ہے، اسی سے ان کی طاقت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مسلمان جہاں بھی ہوں انھیں کلمہ اور ایمان کی بنیاد پر متحد رہنے کا حکم ہے۔

"**واعتصموا بحبل الله جمیعاً ولاتفرقوا**" اور حضور ﷺ نے فرمایا: "**المؤمن کالبنیان یشد بعضه بعضا**"۔

لہٰذا سیاسی سطح پر ایسا کوئی قدم اٹھانا مسلمانوں کے لیے صحیح نہیں ہوگا جس سے ان کا شیرازہ بکھر جائے اور ان کی طاقت ٹوٹ جائے۔

الیکشن میں خواتین کا کردار:

اسلامی یا شخصی اور بااختیار حکومت میں عورت کا سربراہ بننا بالا جماع جائز نہیں ہے۔ علامہ ابن حزمؒ مراتب اجماع میں لکھتے ہیں: ''واتفقوا أن الإمارة لا تجوز للمرأة'' (مراتب الاجماع ص۶۲۱)۔

جمہوری نظام حکومت میں کسی ایک فرد کو اختیار کل نہیں ہوتا، اراکین مملکت اور ممبران پارلیمنٹ کے مشورے سے احکام طے ہوتے ہیں، اراکین اور ممبران کی حیثیت مشیر کی ہوتی ہے اور اسلام میں عورتوں سے مشورہ لینا جائز ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کے مشورے پر عمل کیا۔ واقعہ افک کی تحقیق کے سلسلے میں آپ ﷺ نے زینب بنت جحش اور ابوہریرہ سے مشورہ لیا۔ بہت سے مسائل میں صحابہ کرامؓ نے حضرت عائشہ اور دیگر ازواج مطہرات سے مشورہ فرمایا۔

اس لیے عورتوں کا شرعی شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے سرکاری اداروں کا ممبر یا مشیر بننا اور اس کے لیے بحیثیت امیدوار خود کو پیش کرنا جائز ہوگا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جمہوری نظام حکومت میں اراکین کی مذکورہ حیثیت کے پیش نظر جمہوری حکومت میں عورت کی سربراہی و قیادت کو ممنوع صورت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور حدیث: ''لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة'' کا اسے مصداق تسلیم نہیں کیا ہے (تفصیل کے لیے دیکھیے امداد الفتاویٰ ۲۹/۵)۔

حضرت مفتی رفیع عثمانیؒ کے تنقید و تجزیہ کے مطابق جس کی تفصیل احسن الفتاوی (۸۱/۷) میں ہے۔

عورت کی قیادت کو جمہوری نظام میں بھی ناجائز قرار دیا جائے کہ بحیثیت وزیر اعظم سربراہ مملکت کو اختیار کلی ہوتا ہے اور ممنوع دائرہ میں آتا ہے، تو بھی کم از کم بحیثیت رکن و ممبر جمہوری نظام میں عورتوں کی شرکت جائز ہونی چاہیے۔

بطور خاص ہندوستانی ماحول میں جہاں عورتوں کے لیے پنچایت یا اسمبلی کی سطح پر سیٹیں ریزرو کی گئی ہیں، اگر پارلیمنٹ اور مقننہ کے لیے بھی سیٹیں ریزرو کی جائیں اور اسے قانونی درجہ حاصل ہو جائے تو یہ مسلمانوں کے لیے سیاسی مجبوری کے علاوہ شرعی عذر بھی ہوگا، لہٰذا ''الضرورات تبيح المحظورات'' کی روشنی میں شرعی شرائع (پردہ محرم وغیرہ) کا خیال کرتے ہوئے عورتوں کا الیکشن میں شریک ہونا پنچایت، اسمبلی یا پارلیمنٹ کی ممبری کے لیے خود کو بحیثیت امیدوار پیش کرنا جائز ہوگا۔

الیکشن میں شرکت اور ووٹ کے شرعی احکام

مولانا ریحان مبشر مئوی قاسمی☆

الیکشن کا پس منظر:

افراد کم ہونے کی وجہ سے پہلے الیکشن کا تصور اور طریقۂ کار بہت محدود اور تنگ ہوا کرتا تھا اور معاشرہ کے ارباب حل وعقد اور دانشوران حکومت کی تشکیل میں پیش پیش رہتے تھے، اور صرف انہیں کی آراء کو قوت حاصل تھی جس سے رئیس قوم نامزد ہوجاتا تھا اور عمومی انتخاب اور عمومی الیکشن کی حاجت نہ ہوتی تھی، عورتیں، غلام اور اجنبی افراد اس سے محروم رہتے تھے، ادھر دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ زندگی تغیر پذیر واقع ہوئی ہے اس کو ایک حالت پر قرار نہیں، آبادی میں بھی مسلسل اضافہ ہوا، ایسی صورت میں اس قدیم طرز کو اپنانے میں دقت ہوئی تب عوام کی آراء کو بھی اہمیت حاصل ہوئی تاکہ پرامن طریقہ سے کسی کو قوم کا امیر منتخب کرلیا جائے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے انگلینڈ نے وسعت ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے ۱۲۶۵ء میں عوامی طور پر انتخابات منعقد کرائے اور اکثریت والی پارٹی یا حلقے کو امیر مقرر کردیا، پھر فرانس نے اخوت ومساوات اور آزادی کا نعرہ بلند کرتے ہوئے ۱۷۹۱ء میں اسے قانونی حیثیت دی، مگر عورتیں اس وقت بھی اپنی رائے ظاہر کرنے کی مجاز نہ تھیں۔ اس کو آگے بڑھاتے ہوئے نیوزی لینڈ نے ۱۹/ستمبر ۱۸۹۳ء کو عورتوں کو بھی حکومت ساز افراد میں شامل کرتے ہوئے انہیں حق انتخاب سے مالا مال کیا۔ اس طرح وہ دنیا کا پہلا ملک بنا جہاں عورتوں کو ووٹ دینے کا حق ملا اور آئندہ ہونے والے انتخاب میں نومبر ۱۸۹۳ء میں عورتوں نے اپنے اس حق کا مکمل طور پر استعمال کیا، اس کے بعد امریکہ نے ۱۹۱۲ء اور برطانیہ نے ۱۹۲۸ء میں عورتوں کو یہ حق دے دیا (روزنامہ انقلاب ۱۹/ستمبر ۲۰۱۲ء چہارشنبہ)۔

☆　استاذ جامعہ گلزار حسینیہ اجراڑہ، میرٹھ۔

الیکشن کی شرعی حیثیت:

جمہوریت میں امیر کا طریقہ انتخاب ''الیکشن'' اسلامی افکار و اسلامی سیاسی نظام کے مغائر و مخالف ہے، بلکہ ایک طبقہ اسے ان عظیم مہلک اور سنگین فتنوں میں شمار کرتا ہے جو امت مسلمہ کے درمیان اتحاد و اتفاق کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کی مستحکم اور نا قابل تسخیر دیواروں کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ اس نظریہ کے حاملین نے اس کے مفاسد کی ایک طویل فہرست بنائی ہے، جن کی تعداد چالیس تک پہنچتی ہے، اس عقیدے کے حاملین لکھتے ہیں کہ جمہوریت کا ارتکاز تین چیزوں پر ہے: قانون سازی، قضا اور احکام کا نفاذ۔

قانون سازی: جمہوریت سے وابستہ حضرات قانون سازی کے مجاز ہوتے ہیں جبکہ قانون بنانے والی ذات صرف اور صرف اللہ رب العزت کی ہے۔

إن الحكم إلا لله (انعام:۵۷، یوسف:۴۰۔۶۷)۔

ألا له الخلق والأمر تبارک الله رب العالمين (اعراف:۵۴)۔

قضا: دوسری بنیاد قضا ہے، اس نظام میں ارباب حل وعقد کو اسی کے دستور کے موافق فیصلہ کرنا لازم ہوتا ہے، اس کے خلاف فیصلہ کرنے سے فیصلہ کنندگان پر فرد جرم بھی عائد کر دیا جاتا ہے۔ خواہ وہ فیصلہ اسلامی دستور سے میل نہ کھاتے ہوں اور یہ چیز نص قرآنی سے جائز نہیں:

ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئک هم الكافرون (مائدہ:۴۴)۔

ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئک هم الظالمون (مائدہ:۴۵)۔

تنفیذ: تیسری چیز احکام کا نفاذ ہے، اس میں صرف انہیں احکام کا نفاذ ممکن ہے جو آئین جمہوریت کے موافق ہوں، اسلام سے موافقت رکھتے ہوں یا نہیں، اس کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔

ظاہر بات ہے کہ مذکورہ بالا تینوں چیزیں اسلامی نصوص سے متصادم و معارض ہیں، اس لئے جزئیات سے مل کر جو شئ مرکب ہوگی وہ بھی ناجائز ہوگی، کیونکہ ناجائز چیز کا مجموعہ بھی ناجائز ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ہم ایسے ملک میں ہیں جہاں مسلمانوں کی تعداد بیس فیصد سے متجاوز نہیں، یہ آبادی بھی بکھری ہوئی ہے، یہاں کے مسلمان یقیناً اس موقف میں نہیں ہے کہ بحالت موجودہ اس خطہ میں اسلامی حکومت قائم کرسکیں۔ اب دو ہی راستے رہ جاتے ہیں، اول: جمہوری نظام سے کنارہ کش ہو جائیں اور مسلمان الیکشن میں حصہ ہی نہ لیں، اس صورت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارا ملک ''ہندو راشٹر'' بن جائے گا اور پورا نظام

ہندوانہ طرز پر چلے گا۔اس طرح نہ ہمارے عائلی قوانین محفوظ رہ سکیں گے، نہ تبلیغ مذہب کی اجازت ہوگی اور کوئی بھی شرعی قانون جو ہندوازم سے متصادم ہوگا وہ ممنوع قرار پائے گا اور سرکاری طور پر ہندوازم کا ہی بول بالا ہوگا۔جس کی واضح نظیر ہمارا پڑوسی ملک نیپال ہے۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم جمہوریت کو اختیار کرلیں اور الیکشن میں حصہ لیں، جو فسطائی طاقتوں کو آگے بڑھنے سے روکنے کا مؤثر ذریعہ ہے، اگرچہ اس صورت میں دستور قانون سازی کی لگام انسان کے ہاتھ میں دینا اور انسان کے لیے حاکمیت کا اعتراف کرنا ہے مگر یہ بمقابلہ پہلے کے اہون ہلکا اور کم درجے کی خرابی ہے اور قاعدہ یہی ہے کہ جہاں دو شر ہوں وہاں کمتر درجہ کے شر کو قبول کیا جائے۔قرآن حدیث میں خود اس کی مثالیں موجود ہیں:

اکراہ کی صورت میں کلمۂ کفر کی اجازت دی گئی (سورہ نحل:۱۰۶)۔

اضطرار کی حالت میں حرام کھانے کی اجازت ہے (سورہ بقرہ:۱۷۳)۔

کفار مکہ سے آپ ﷺ کا حدیبیہ کے مقام پر صلح کرنا جو دس سال تک کے لئے کفار کو کعبۃ اللہ پر غلبہ دینا ہے (بخاری: کتاب الصلح، باب الصلح مع المشرکین صفحہ ۲۵۰۰) انہیں نصوص کے پیش نظر فقہائے کرام نے اس قاعدہ کا استخراج کیا ہے کہ جب دو برائیاں مقابل ہوں تو کم والے کا ارتکاب کر کے بڑے مفسدہ سے بچا جائے گا، چنانچہ الاشباہ میں ہے:

إذا تعارض مفسدتان روعی أعظمهما ضرراً بارتكاب أخفهما (الاشباه مع الحموی:۱/۲۶۱ الفن الاول فی القواعد الكليه)۔

مسلمانوں کے لئے اس الیکشن میں حصہ لینا درج ذیل دلائل سے بھی ثابت ہوتا ہے:

۱-حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر سے ولایت طلب کی تھی: **قال اجعلني على خزائن الأرض إني حفيظ عليم** (یوسف:۵۵)۔

حضرت یوسف علی نبینا علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک کافر شخص سے ولایت طلب کی ہے جو بلاد غیر اسلامیہ میں مخالف اسلام طرز انتخاب میں شرکت کے جواز کی دلیل ہے۔

۲- جب حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے اسلام قبول کرلیا تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کو حکومت ترک کرنے یا حبشہ سے ہجرت کرنے کا حکم نہیں فرمایا، جبکہ آپ کو معلوم تھا کہ وہ اپنی نصرانی قوم پر اسلامی احکامات کو نافذ نہیں کر پائیں گے۔

۳-ان انتخابات میں شرکت نہ کرنے سے کسی حکم کا فرکو تبدیل نہیں کیا جاسکتا، ہاں اگر شرکت کی جائے تو مسلمانوں

کے لئے کچھ مصالح اورفوائد ضرور بارآور ہو سکتے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ بعض مصالح کو ثابت کرنا جمیع مصالح کے ترک کردینے سے بہتر اور احسن ہے۔

۴- شریعت کے اصول جلب مصالح اور دفع مفاسد کے درمیان دائر ہوتے ہیں۔ ان انتخابات میں شرکت کرنے سے مصالح کی تحصیل ہوسکتی ہے اور مفاسد کو بھی دور کیا جاسکتا ہے، اس لئے ان میں حصہ نہ لینے کی کوئی وجہ معقول نہیں معلوم ہوتی۔

اگر اسلامی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو چند ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے ''الیکشن'' ایک درجہ میں میل کھاتا نظر آتا ہے۔ گو بنیادی طور پر فرق ہے، مگر اس سے بھی راہنمائی مل سکتی ہے:

۱- بیعت نقباء: مسند احمد میں اس کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، مختصر یہ ہے کہ براء بن معرور اور کعب بن مالک اپنے اصحاب کے ساتھ ایک مسئلہ کے لئے دربار نبوی میں حاضر ہوئے تھے اور انہوں نے بیعت کی تمنا ظاہر کی تو آپ نے ان سے اس وقت فرمایا تھا: أخرجوا إلي منكم اثنى عشر نقيباً يكونون على قومهم بما فيهم (مسند احمد:۱۵۸۳۶) نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے بارہ افراد کو منتخب کرنے کو کہا تھا، لیکن کسی طریقہ کی تخصیص نہیں فرمائی تھی اور نہ ہی عام لوگوں کو اس میں شرکت کرنے سے منع کیا تھا۔

۲- حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ثالث کی تعیین کے لئے لوگوں کی آراء معلوم کی تھی، اکثریت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں تھی، اور انہیں کو لوگوں نے اپنا پیشوا منتخب کرلیا (بخاری: کتاب الاحکام، باب کیف یبایع الامام الناس صفحہ ۶۷۸۱)۔

۳- مشورہ سے جس طرح لوگوں کا انتخاب ہوتا تھا، اسی طرح ارباب حکومت کی معزولی بھی عمل میں آتی تھی، چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبیداللہ بن زیاد کو بصرہ کا والی مقرر کیا، کچھ دنوں کے بعد وہ معزز اور مشرف لوگوں کے ساتھ حضرت معاویہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سارے لوگوں نے ان کی تعریف کی سوائے احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کے۔ یہ حلم و بردباری میں ضرب المثل تھے۔ ان کے سکوت پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبیداللہ کو معزول کرتے ہوئے کہا: تم لوگ خود ہی ایسے والی کا انتخاب کرلو جس سے تم راضی ہو (البدایہ والنہایہ:۸/۱۰۲ داراحیاء التراث العربی)۔

ان سارے واقعات سے گو موجودہ نظام مکمل طور پر میل نہیں کھاتے ہیں مگر کچھ نہ کچھ ہم آہنگ ضرور معلوم ہوتا ہے، تاہم دونوں میں کئی وجوہ سے بنیادی فرق بھی ہے۔

موجودہ صدارتی انتخاب میں پوری عوام کی رائے کا سامنے آنا ضروری ہے، لیکن اسلامی سیاست میں صرف ارباب

حل وعقد کا ہونا کافی ہوتا ہے، جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کے سلسلے میں ہوا۔

اسلامی سیاست کمیت وافراد پر مبنی نہیں جبکہ موجودہ نظام میں ووٹ کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور اسی بنیاد پر فیصلے ہوجاتے ہیں۔

ووٹ کی شرعی حیثیت:

ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے، اس سلسلے میں مختلف آراء ہیں، جو درج ذیل ہیں:

ا- یہ تزکیہ وشہادت ہے: ووٹ دینے والا یہ گواہی دیتا ہے کہ امیدوار ولایت اور عہدہ کا اہل ہے، لہٰذا اس ووٹ کا استعمال کرنا ہوگا، کیونکہ جس طرح جھوٹی گواہی دینا حرام ہے، اسی طرح ضرورت کے موقع پر شہادت کو چھپانا بھی حرام ہے۔ **ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه** (بقرہ:۱۸۳)۔

حدیث شریف ہے: **عن أبى موسى الأشعرى قال قال رسول الله ﷺ: من كتم شهادة إذا دعي إليها، كان كمن شهد بالزور** (کنز العمال: ۷/ ۱۴)۔

جب یہ شرعی شہادت ہے تو قرآن وسنت کے سارے احکامات اس پر بھی جاری ہوں گے، پس ووٹ کو محفوظ رکھنا دین داروں کا تقاضہ نہیں بلکہ اس کا زیادہ سے زیادہ صحیح استعمال کرنا ہر مسلمان پر فرض ہوگا۔

لیکن مذکورہ آیت تحمل شہادت، ادائیگی اور کتمان کے سلسلے میں وارد ہوئی ہے، آیت میں اس بات کی طرف اشارہ نہیں کہ ووٹ شہادت ہے، پس مدعیٰ اور دلیل میں موافقت معلوم نہیں ہوتی، اگر ہم اس کو بالفرض شہادت تسلیم کرلیں تب بھی یہ اشکال سے خالی نہیں، کیونکہ شہادت ماننے کی صورت میں یہ لازم ہوگا کہ اس سلسلے میں عورتوں کے ووٹ کو بعض قرآنی آیات اور باجماع امت نصف تسلیم کریں۔

اسی طرح ووٹ دینے والے میں شاہد کی تمام شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، مثلاً بلوغ، آزادی، بینائی، قوت گویائی پر قادر ہونا، نیز عادل ہونا وغیرہ۔

اسی طرح شہادت صرف قاضی کی مجلس میں ہوتی ہے، اس کے علاوہ مقامات پر نہیں: **هي إخبار صدق لإثبات حق بلفظ الشهادة في مجلس القاضي** (الدر المختار: ۸/ ۱۷۲ کتاب الشہادات: زکریا)۔

اس طرح اسے تزکیہ وشہادت کہنا اشکال سے خالی نہیں۔

دوسری رائے: بعض لوگوں نے اس کو وکالت کہا ہے کہ ووٹ دینے والا امیدوار کو اپنا وکیل بناتا ہے۔ وکالت میں

انسان اپنے کام کا کسی کو نمائندہ یا وکیل بناتا ہے: **وهو إقامة الغير مقام نفسه في تصرف جائز معلوم** (الدر المختار مع رد المحتار: ۸/۲۴۱ کتاب الوکالت: زکریا)۔

ووٹ ایک حق ہے جس کو استعمال کرتے ہوئے سیاسی امور میں کسی کو نامزد کرتے ہیں کہ فلاں شخص ہمارے حلقے سے حکومت کی تشکیل اور وزیر اعظم کے انتخاب میں ہماری طرف سے وکیل ہے۔

لیکن اس کو وکالت کہنا بھی اشکال سے خالی نہیں۔

مؤکل کو حق حاصل ہے کہ اپنے وکیل کو جب چاہے معزول کردے، لیکن انتخاب میں ووٹ دینے کے بعد ممبر پارلیمنٹ کو عوام یا ووٹ دہندگان کو معزول کرنے کا حق نہیں ہوتا ہے۔

تیسری رائے: بعض لوگوں نے اس کی حیثیت سفارش کی بتلائی ہے۔

سفارش کہتے ہیں: **هي السؤال في التجاوز عن الذنوب من الذي وقع الجناية في حقه۔**

جس امیدوار کو ووٹ دینا ہے اس کے بارے میں ووٹ دینے والا الیکشن کمیشن بورڈ سے سفارش کرتا ہے کہ فلاں شخص ممبر پارلیمنٹ کا اہل ہے اور اس میں اس عہدہ کی ذمہ داری کو بہ حسن وخوبی نبھانے کی قابلیت وصلاحیت موجود ہے، قرآن کریم نے سفارش وشفاعت کو دو حصوں پر تقسیم کیا ہے:

شفاعت حسنہ: بصورت دیگر درست سفارش اس میں شافع اور مشفوع دونوں ماجور ہوتے ہیں۔

شفاعت سیئہ: دوسری قسم شفاعت سیئہ بری سفارش ہے، اس میں سفارش کرنے والا مشفوع کے ساتھ جرم میں شامل متصور ہوتا ہے، اللہ کے یہاں دونوں کا مواخذہ ہوگا۔ **من يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها ومن يشفع شفاعة سيئة يكن له كفل منها وكان الله على كل شئ مقيتا** (نساء: ۸۵)۔

اب ووٹ دینے والا اپنی آخرت اور انجام کو دیکھ کر ووٹ دے، محض رسمی مروت یا کسی طمع ولالچ کی وجہ سے اپنے آپ کو اس وبال میں مبتلا نہ کرے، ووٹ کے سلسلے میں شفاعت حسنہ یہی ہے کہ ایسے امیدوار کے حق میں سفارش کرے جو امانت داری اور دیانت داری کے ساتھ اپنی ذمہ داری کو ادا کرسکتا ہو۔ اس میں قوم وملت کے لیے درد ہو، خدمت خلق کے جذبے سے سرشار ہو اور مخلوق خدا کے حقوق صحیح طور پر ادا کرسکتا ہو۔ شفاعت سیئہ یہ ہوگی کہ نااہل نالائق ظالم شخص کی سفارش کرکے اس کو خلق خدا پر مسلط کردے۔ اس طرح یہ بات واضح ہوجاتی ہے ہمارے ووٹوں سے کامیاب ہونے والا امیدوار اپنے دور اقتدار میں جو نیک یا بدعمل کرے گا۔ اس میں شریک ومساہم سمجھا جائے گا۔

چوتھی رائے: ایک حیثیت اس کی مشورہ کی بتلائی گئی ہے۔ مشورہ سے حکومت کا قیام اور امور مملکت کو انجام دینا

اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس سلسلے میں اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ارباب حل وعقد اپنا خلیفہ منتخب کرلیں اورعوام ان کے تابع ہوں۔خلیفہ ثانی کے انتخاب میں یہی طریقہ اختیار کیا گیا تھا اورحضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی خلیفہ ثالث کے انتخاب کے لیے ارباب حل وعقد کی ایک کمیٹی چھ سات افراد پر مشتمل تشکیل دی تھی۔جس میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے بعد میں لوگوں کی آراء کو بھی معلوم کیا تھا۔

ٹھیک اسی طرح عوام امیدواروں کے سلسلے میں الیکشن کمیشن کو یہ مشورہ دیتی ہے کہ ہماری طرف سے یا ہمارے حلقے سے فلاں شخص کو منتخب کرلیا جائے۔

حدیث شریف میں صحیح مشورہ دینے کا حکم ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:**المستشار مؤتمن** (ابوداؤد، کتاب الادب باب فی المشورہ) یعنی جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ مشورہ دینے کے بارے میں امین ہے اورامانت کا تقاضہ یہ ہے کہ صحیح اور درست مشورہ دیا جائے۔

ہندوستان کے موجودہ حقیقی تناظر میں ووٹ کی حیثیت شہادت کی نہیں بلکہ دومفسدوں میں اخف کا ارتکاب کرکے ملی قومی اورمذہبی مفادات کے پیش نظر انتخاب میں حصہ لیتے ہوئے ووٹ دینا ضروری ہوگا۔

فتاویٰ دار العلوم کا یہ جزیہ اس بات میں نمایاں حیثیت کا حامل ہے جس کو نقل کرنا یہاں فائدہ سے خالی نہیں۔

''گورنمنٹ کی کونسلوں کی ممبر میں ووٹ دینا اورووٹ دلانے میں کوشش کرنا شرعاً نہ فرض ہے نہ واجب۔''

دوسری جگہ مذکور ہے:

''اہل محلّہ کو ووٹ دینے پر مجبور کرنا اوران سے حلف لینا درست نہیں''۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہندوستان کے موجودہ رائج نظام میں ووٹ کی حیثیت شہادت کی نہیں،لیکن ملکی،قومی، ملی اور مذہبی تشخصات کی بقاءاورمذہبی مفادات کے پیش نظر ووٹ کا استعمال کرنا ضروری ہوگا۔

مجمع الفقہ الاسلامی نے ۱۲ تا ۲۶ شوال ۱۴۲۲ھ میں الیکشن کے تعلق سے ایک سمینار منعقد کیا تھا،اس میں جوقرارداد پاس ہوئی تھی ان پر نظر ثانی کے لئے دوبارہ ۲۲ تا ۲۶ شوال المکرّم ۱۴۲۸ھ بہ مطابق ۳،۸ نومبر ۲۰۰۷ء سمینار کا انعقاد کیا تھا، اس سابقہ تجویز پر بحث ومباحثہ اور پیش کردہ مقالے پر مناقشات کے بعد مجلس نے جو تجویز پاس کی تھی، اس کا نقل کردینا افادیت سے خالی نہیں،اس لئے بغرض فائدہ نقل کی جاتی ہے:

غیر مسلم ممالک میں کفار کے ساتھ انتخابات میں مسلمانوں کا شریک ہونا ان سیاسی شرعی مسائل میں سے ہے جن کا حکم مصالح ومفاسد کے مابین موازنہ کی روشنی میں طے کیا جاسکتا ہے اوراس سلسلے میں فتویٰ زمانے، مقامات اوراحوال کے

اعتبار سے مختلف ہوگا۔

غیر مسلم ممالک میں نیشنلٹی سے بہرہ ور ہونے والے مسلم افراد کے لیے پارلیمانی یا دیگر الیکشنوں میں شرکت کرنا جائز ہے، جس میں شرکت کرنے سے یقینی منافع حاصل ہوسکتے ہوں۔ اسلام کا صحیح چہرہ پیش کرنا مسلمانوں کو اس ملک میں پیش آنے والے حادثات و مسائل کو یقینی بنانے کے لیے انصاف پسند لوگوں کی مدد کرنا اور ان ساری چیزوں کا حصول حسب ذیل قواعد کے موافق ہے:

۱- مسلمانوں کو اسمیں شرکت کرنے کا اولین مقصد، مسلمانوں کے فوائد کی تحصیل میں حصہ داری بنانا اور ان سے مفاسد اور نقصان کو دور کرنا ہو۔

۲- ان الیکشنوں میں شرکت کرنے سے مسلمانوں کو یہ یقین کامل ہو کہ ان کے اشتراک سے مثبت نتائج مثلاً مسلمانی مراکز کی تنظیم، اپنے مطالبات کو اعلیٰ افسران تک پہنچائے جانے کا امکان اور اپنے دینی و دنیوی مصالح کی حفاظت سے عظیم منافع مرتب ہوں گے۔

۳- ان انتخابات میں شرکت مسلمانوں کے اپنے دینی افراط کی طرف مؤدی نہ ہو۔

الیکشن میں اپنے آپ کو پیش کرنا:

ہمارا ملک جمہوری نظام پر قائم ہے جس میں الیکشن کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، اس نظام میں امیدوار از خود اپنے رفقاء اور حمایت کنندگان کے ساتھ الیکشن کمیشن بورڈ میں پرچہ نامزدگی داخل کرتے ہیں اور بہ ظاہر دعویٰ کرتے ہیں کہ اس منصب کے اہل ہم ہیں۔ اس کی ذمہ داریوں کو نبھانے کی مکمل صلاحیت ہمارے اندر موجود ہے اور در پردہ وہ اپنے آپ کو اس عہدہ کے لیے پیش کر کے اس عہدہ کے طلب گار ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ امیدوار کا بزبان خود مدعی وطالب ہونا اسلامی تعلیمات کے مغائر ومتصادم ہے، کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے قول وعمل سے امت کو تعلیم دی ہے کہ طالب عہدہ کو منصب سے سرفراز نہ کیا جائے، چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا:

لا تسأل الإمارة فإن أعطيتها عن مسئلة و كلت إليها و إن أعطيتها عن غير مسئلة أعنت عليها
(مسلم: کتاب الامارۃ، باب النہی عن طلب الامارۃ صفحہ ۴۸۱۹)۔

اس لیے مناسب صورت اور بہتر طریق کار یہ ہے کہ کوئی شخص خود مدعی بن کر کھڑا نہ ہو، بلکہ مسلمانوں کی کوئی جماعت اس کو اس کام کا اہل سمجھ کر نامزد کردے۔

ملک کی اس وقت جو سیاسی حالت ہے، یعنی جمہوری نظام کے موافق امور مملکت کو انجام دینا۔ ظاہر بات ہے اس جمہوری نظام کے عہدے اور مناصب اسلامی مملکت کے عہدوں سے من کل الوجوہ میل نہیں کھاتے، البتہ ان مناصب عہدوں کے طلب کرنے کا حکم ضرور استخراج کیا جا سکتا ہے۔

الیکشن کے تعلق سے امیدوار کا اپنے آپ کو پیش کرنا جائز ہے یا نہیں، معاصر علماء کا اس سلسلے میں اختلاف ہے۔

عبدالکریم زیدان کہتے ہیں: الیکشن میں امیدوار بنا طلب ولایت کے قبیل سے ہے۔ چاہے وہ امامت عظمیٰ کا طلب گار ہو یا اس سے فروتر عہدہ کا، اس لیے یہ جائز نہیں۔

علامہ یوسف قرضاوی اور ان کے مثل کچھ دیگر معاصر علماء کہتے ہیں کہ الیکشن میں امیدوار بنا ممنوعہ طلب ولایت کے باب سے نہیں، اس لیے کہ یہ ایک محدود دائرے میں رہ کر قوم وملت کی ترجمانی ہے، لہٰذا اس کو اس طلب امارت پر قیاس نہیں کریں گے، جس کی احادیث میں مذمت بیان کی گئی ہے، کیونکہ نائب نہ تو امیر ہے نہ وزیر نہ والی حکمراں۔

لیکن احناف کے نزدیک چونکہ کسی بھی عہدہ کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنا درست نہیں، جیسا کہ شامی کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا، اس لیے الیکشن میں بھی اپنے آپ کو پیش کرنا ممنوع ہوگا۔

البتہ اگر کوئی امیدوار ذاتی مفاد کے پرے قوم وملت کے منافع ومصالح کو ترجیح دیتے ہوئے کھڑا ہو اور اس میں اس عہدہ کی ذمہ داریوں کو نبھانے کی قابلیت موجود ہو اور اس کو دیانت داری کے ساتھ ادا کرنے پر بھی قادر ہو تو اس کو امیدوار بن کے اپنے آپ کو پیش کرنا جائز ہے، اس کی سب سے بڑی دلیل حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ فرمان ہے۔ جس کو قرآن کریم نے یوں بیان کیا ہے: **قال: اجعلنی علی خزائن الأرض إنی حفیظ علیم** (یوسف:۵۵)۔

اس آیت کے اندر حضرت یوسف علیہ السلام نے کسی بھی عہدہ کو سنبھالنے کے لیے بنیادی طور پر دو خوبیاں بیان کی ہیں: حفیظ ہونا، علم ہونا، حفیظ سے حقوق کی حفاظت ونگہبانی اور امانت داری کی طرف اشارہ کیا اور علیم سے فرائض منصبی کو بروئے کار لانے کی صلاحیت کی طرف توجہ دلائی ہے۔

قانون ساز اداروں کا ممبر بننا:

مخالف شریعت قوانین وضع کرنے والے اداروں کا ممبر بننا جب کہ منتخب ممبر کو اپنی رائے ظاہر کرنے کا حق نہ ہو، اس کا ممبر بننا درست نہیں۔

اسی طرح قانون ساز اداروں کے منتخب ارکان جن کو وفاداری کا حلف لینا پڑے اور اس سلسلے میں وہ مجبور ہوں کسی

قسم کا احتجاج، مخالفت یا اس قوانین کو بدلنے کے تئیں آواز اٹھانے کا حق نہ رکھتے ہوں تو اس کا ممبر بننا بھی صحیح نہیں ہوگا۔ دلائل درج ذیل ہیں:

اس میں شمولیت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تعاون، دشمنان اسلام کے بازو کو مزید مستحکم وطاقت ور بنانا ہوگا اور ایسا کرنا ناجائز ہے اور یہ بالواسطہ اس کے باطل عزائم اور نظریات کی تائید کرنا ہے اور معصیت پر اعانت کرنا ہے جو نص قرآنی سے حرام ہے: **ولا تعاونوا على الإثم والعدوان واتقوا الله إن الله شديد العقاب** (مائدہ:۲)۔

البتہ اگر ممبر بننے سے اس بات کا امکان ہو کہ ان مخالف اسلام قوانین کے خلاف آواز اٹھانے اور ان کو تبدیل کرنے کا حق ہوگا تو اس کی اجازت ہوگی! کیونکہ یہاں دو مفسدے ہیں:

۱-ممبر بننا جس کے ضمن میں وفاداری کا حلف، اسلام کے خلاف سازش رچنے میں شریک ہونا۔

۲-ایسے قانون کا پاس ہوجانا جس کے نتیجے میں سارے لوگوں کو اس پر عمل کے لیے مجبور ہونا پڑے۔ ظاہر بات ہے کہ ان میں ثانی بڑا مفسدہ ہے، اس لیے اس کی رعایت کرتے ہوئے اخف مفسدہ (شرکت کا جواز) کا ارتکاب کیا جائے گا۔

بائبل پر حلف لینا:

فقہ میں قرآن کے سوا دیگر کتب سماویہ، توریت اور زبور وغیرہ کے تعلق سے عموماً تین مسئلے آتے ہیں: جنابت کی حالت میں ان کا چھونا اور نماز میں قرأت قرآن کے بجائے زبور وغیرہ کی تلاوت کرنا۔ ان کے ذریعہ سے قسم کھانا۔

پہلا مسئلہ: جنابت کی حالت میں ان کو مس کرنا۔ اس کے متعلق درمختار میں ہے:

يحرم به أي بالأكبروبالأصغر مس مصحف، أي مافيه أية كدرهم وجدار، وهل مس نحو التوراة كذلک؛ ظاهر كلاهم لاو فی هامشه لكن قدمنا آنفا عن المجتبى أنه لا يجوز (الدر المختار: ۱/۳۱۵ کتاب الطہارۃ) **نعم! ينبغي أن يحضر بما إذاها يبدل كما سيأتي نظيره** (ردالمحتار: ۱/۳۱۵ زکریا)۔

(حدث اکبر اور حدث اصغر کے ساتھ مصحف کا چھونا حرام ہے، یعنی وہ جس میں قرآن کی آیت ہو جیسے: درہم دیوار وغیرہ اور کیا تورات کا چھونا ایسا ہی ہے؟ فقہاء کے کلام کا ظاہر یہی ہے کہ یہ حرام نہیں۔ لیکن علامہ شامی لکھتے ہیں: ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ اس کا چھونا بھی جائز نہیں۔

اور جنبی کے لیے تورات، انجیل اور زبور کی تلاوت مکروہ ہے، کیونکہ سب اللہ تعالی کا کلام ہے، اور جس حصے میں تحریف ہوئی ہے وہ غیر متعین ہے)۔

دوسرا مسئلہ: قرأت قرآن کے بجائے اگر کوئی زبور اور انجیل میں سے تلاوت کرے تو کیا یہ کلام الناس سے ہوکر نماز فاسد ہوگی یا نماز درست ہوگی، اس سلسلے میں درمختار میں ہے:

قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل إن قصة تفسد وإن ذكرا لا (الدرالمختار: ۲/۱۸۵زکریا)۔

(فارسی میں قرأت کی، یا تورات وانجیل سے پڑھا، اگر قصے ہوں تو نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر ذکر واذکار ہوں تو نماز فاسد نہیں ہوگی)۔

بحر میں یہی مسئلہ ہے، لیکن ابن نجیم نے اس کی قرأت کو مطلقاً کلام الناس میں شمار کیا ہے، اسی وجہ سے اسے مفسد صلاۃ قرار دیا ہے۔

ودخل فی التکلم المذکور قرائة التوراة والإنجيل فإنه يفسد كما فی المجتبیٰ وفي جامع الكرخي: مفسدة (البحر زکریا: ۲/۵۰۴) (مذکورہ تکلم میں تورات اور انجیل کی قرأت بھی داخل ہے، کیونکہ یہ بھی نماز کو فاسد کردیتی ہے)۔

مگر علامہ شامیؒ نے نہر الفائق سے نقل کیا ہے کہ یہ حکم اس نسخے کے ساتھ خاص ہے جس میں تحریف اور تبدیلی ہوگئی ہو، کیونکہ ماسبق میں یہ بات آچکی ہے کہ غیر محرف کا پڑھنا جنبی پر حرام ہے۔

قال في النصر أقول يجب حمل ما في المجتبى على المبدل منها إن لم يكن ذا ذكرا وقد سبق أن غير المبدل يحرم على الجنب قراءته (ردالمحتار زکریا: ۲/۳۷۱)۔

تیسرا مسئلہ: اگر کوئی انجیل، تورات اور زبور کی قسم کھائے تو یمین منعقد ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلے میں شامی میں ہے:

ولو قال فهو برئ من القرآن وبرئ من التوراة وبرئ من الإنجيل وبرئ من الزبور، فهی أربعة أيمان (ردالمحتار زکریا: ۵/۵۸۴)۔

(اگر کوئی کہے کہ وہ قرآن سے بری ہے اور تورات سے بری ہے اور انجیل سے بری ہے اور زبور سے بری ہے تو یہ کل چار قسم ہوجائیں گی)۔

مالکیہ کے نزدیک بھی تورات اور انجیل سے یمین منعقد ہوجاتی ہے۔

وقال المالكية: ينعقد القسم بالتوراة وبالإنجيل وبالزبور (موسوعہ فقہیہ: ۷/۲۵۶)۔

شوافع کے نزدیک بھی قسم منعقد ہوجاتی ہے، بشرطیکہ ان کے الفاظ کو نہ مراد لیا جائے۔

وقال الشافعية: تنعقد اليمين بكتاب الله والتوراة والإنجيل مالم يرد الألفاظ (موسوعہ فقہیہ: ۷/۲۵۶)۔

حنابلہ کے نزدیک کلام اللہ، تورات، انجیل اور زبور سے قسم کھانا یمین ہے۔

وقال الحنابلة: الحلف بكلام الله تعالىٰ والمصحف والقرآن والتوراة والإنجيل والزبور يمين (موسوعہ فقہیہ: ۷/۲۵۶)۔

مذکورہ مسئلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ محرف اور غیر محرف میں فرق ہے، غیر محرف کو اہمیت وفوقیت حاصل ہے۔

لیکن موجودہ نسخ محرف اور مبدل ہیں، اس لیے ان پر کسی مسلمان کے لیے قسم کے وقت ہاتھ رکھنا جائز نہیں، البتہ اگر کسی ملک میں تورات وانجیل پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانا لازم ہو تو ایسی صورت میں مسلمانوں کو چاہیے کہ اس کی جگہ قرآن کا مطالبہ کریں۔ اگر سنوائی نہ ہو تو ایسا شخص مکرہ ہوگا اور ایسے شخص کے لیے ان دونوں یا کسی ایک پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانا جب کہ ان کی تعظیم وتقدیس کا ارادہ نہ ہو جائز ہوگا، تفصیل کے لئے دیکھئے: (موقع مجمع الفقہ الاسلامی/الفتاوی/حکم وضع الید علی التوراۃ تاریخ النشر: ۲۳/رجب المرجب ۱۴۳۳ھ)۔

غیر مسلم پارٹیوں میں شرکت کرنا:

ہندوستان جمہوری ملک ہے جس میں بہت سی پارٹیاں ہیں، بعض پارٹیاں ایسی ہیں کہ جو اعلانیہ طور پر مسلم دشمنی کا مظاہرہ کرتی ہیں اور ان کے منشورات بھی مسلم مخالف ہوتے ہیں۔ بعض سیکولر تصور کی جاتی ہیں اور مسلمانوں کے تحفظ کے واسطے گاہے ڈھال بن جاتی ہیں، گو اپنے مفاد کی خاطر...... مگر ایسی پارٹیوں کے بھی بعض دفعات مغائر اسلام ہوتی ہیں، لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ مسلمانوں کی اپنی کوئی ایسی مستحکم پارٹی نہیں جو ملکی سطح پر محیط ہو اور اس کی دفعات موافق اسلام ہوں اور جمیع افراد اس سے جڑے ہوں۔ اگر اس طرح کی کوئی شکل نکل آوے اور اللہ تعالیٰ مسلمانان ہند کو کسی ایک مسلم جھنڈے کے تحت جمع کردیں تو یہ سب سے بہتر اور اعلیٰ بات ہوگی۔ **وماذالک علی اللہ بعزیز**۔

پہلی قسم کی پارٹی جس نے اعلانیہ مسلمانوں اور اسلام مخالفت کو اپنی جماعت کا مقصد بنالیا ہو اور ان کی اسلام دشمنی اور مسلم عداوت وبغض ظاہر ہو تو ان کی حمایت کرنا یا اس میں شمولیت اختیار کرنا یا کسی بھی نوع سے ان کی امداد کرنا ناجائز ہوگا، خواہ کسی کا ارادہ شمولیت کے ذریعے سے اس کے ایجنڈے تبدیل کرنے کا ہو۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ ایسے افراد کی شمولیت سوائے مسلم دشمنی بڑھانے کے اور کوئی فائدہ نہیں رکھتی، کیونکہ افراد کی وہ ذاتی رائے جس کی بنیاد مذہب پر ہو وہ بھی ایسی پارٹی کے ساتھ جن کی بنا اور تعمیر اسلام کے مخالف ہو کوئی اہمیت وحیثیت نہیں رکھتی اور ایسی آواز صدائے بازگشت ہوکر کفار خانے میں طوطی کی آواز کے مانند ہوکر دیواروں سے اپنا سر ٹکراتی ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے، یہی وجہ ہے کہ نیک ارادہ سے ایسی پارٹیوں میں شمولیت سے جو خاطر خواہ فائدہ ہونا چاہیے وہ اب تک

حاصل نہیں ہو پایا ہے اور نہ ایسے لوگوں کی ریشہ دوانیاں کم ہوتی نظر آتی ہیں، بلکہ الٹے اس میں دن بہ دن اضافہ ہوتا ہے، البتہ ایسی پارٹیوں کو شمولیت سے ضرور فائدہ ہوتا ہے اور افراد کی کثرت سے استحکام ہوتا ہے، اس لیے تعاون علی الاثم کی وجہ سے شمولیت غیر درست ہوگی۔

البتہ جن پارٹیوں کا شیوہ مسلم مخالفت کا نہ ہو، وہ سیکولر ہوں اور محض بعض دفعات ہی متصادم اسلام ہو تو ایسی پارٹیوں میں باعزت معاہدہ کے تحت شمولیت جائز ہوگی، کیونکہ ان میں شمولیت اختیار کر کے سیاسی اعتبار سے مضبوط ہو کر ان بعض مخالف اسلام منشورات کی تبدیلی ممکن ہو سکتی ہے۔

مسلم پارٹی کی تشکیل کا حکم:

ہندوستان جمہوری ملک ہے، جہاں الیکشن کے ذریعے حکومتوں کی تشکیل ہوتی ہے، چنانچہ جس پارٹی کو اکثریت حاصل ہوتی ہے وہی پارٹی حکمراں بنائی جاتی ہے، اس لئے اصولی طور پر ہونا یہ چاہئے کہ مسلمانوں کی ایک علیحدہ پارٹی ہو اور تمام مسلمان متحد ہو کر ایسی ہی پارٹی بنائیں جن کی بنیاد دین اسلام کی آب یاری و چمن اسلام کی پاسبانی پر ہو اور جن کے اصول واساس دین اسلام کے قواعد کے موافق ہوں، جن کے ذریعہ سے مسلمانوں کو اپنی اجتماعی قوت وطاقت کے مظاہرہ کا موقعہ مل سکے، اس سلسلے میں قرآن کریم کی وہ آیات جس میں متحد رہنے اور تفرقہ بازی سے منع کیا گیا ہے۔ مستدل بن سکتی ہیں۔

عصر حاضر کے بعض محققین نے غیر مسلم ممالک میں ایسی اسلامی پارٹیوں کے تاسیس کی اجازت دی ہے جن سے مسلمانوں کا مفاد وابستہ ہو اور جن سے ان کے حقوق کی نگہبانی ہو سکتی ہو۔ اس نظریے کے حاملین میں شیخ ابن سعدی ہیں۔

بعض حضرات نے اس کو مصلحت پر معلق کیا ہے، اگر مصلحت متقاضی ہو تو پارٹی بنائی جائیں ورنہ اس سلسلے میں توقف اختیار کیا جائے (الانتخاب للولایات العامۃ: ۴۱۶)۔

لیکن صحیح بات یہ نظر آتی ہے کہ یہ حکم ہر علاقوں کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ہو، ہر جگہ ایک ہی طریقۂ کار کو نہ اپنائیں ورنہ بہت دقت ودشواری پیش آسکتی ہے۔ علیحدہ مسلم سیاسی پارٹی کا وجود انہیں علاقوں میں مفید ثابت ہو سکتا ہے، جہاں پر مسلمانوں کی آبادی مرتکز ہو یا جہاں مسلم پارٹی کے قیام سے مخالف ووٹ متحد نہ ہوتے ہوں اور انہیں (برادران وطن کو) مسلم پارٹی پر اعتماد کامل ہو اور اس پارٹی کی حمایت کے وہ قائل ہوں، چنانچہ کیرل میں مسلم لیگ اور بعض شمالی ہند میں ایسی پارٹیوں سے مسلمانوں کو فائدہ ملا ہے، اسی طرح آسام میں حضرت مولانا الحاج بدرالدین اجمل صاحب کی پارٹی کو بھی زبردست پوزیشن حاصل ہوئی ہے، لیکن جہاں ایسی آبادی مرتکز نہ ہو وہاں پارٹی کے قیام سے فائدہ کے بجائے نقصان کا زیادہ امکان ہوگا،

کیونکہ ایک دوممبران کے منتخب ہوجانے سے نئی تشکیل پانے والی حکومت پراس کا کوئی اثر نہ پڑے گا، بلکہ اگر انہوں نے یہ محسوس کرلیا کہ انہیں مسلمانوں کا ووٹ ملا ہی نہیں تو اس قیام کا منفی اثر پڑے گا اور وہ مسلمانوں کو گزند پہنچانے کی سعی کریں گے۔ اب اگر وہ علیحدہ پارٹی تشکیل نہ دے سکیں تو ایسے علاقوں کے مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ ایک ایجنڈہ مرتب کرکے اپنے مطالبات کو ایسی سیکولر پارٹیوں کے پاس لے جائیں اوران کی حمایت کریں جو مذہب سے ہٹ کر ملک کی سالمیت کوترجیح دیتی ہوں۔

عورتوں کا الیکشن میں حصہ لینا:

ستر اور پردہ کی بنا پر عورتوں کو فرض عبادات میں بھی ان سارے مقامات سے دور رکھا گیا ہے، جس میں عورتوں کو گھروں سے باہر نکلنا پڑتا ہے اور مردوں سے اختلاط کے مواقع پیدا ہوتے ہیں، مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے میں ستائیس گنا زیادہ ثواب ملتا ہے (بخاری: ۶۴۵)۔

مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے عورتوں کے لیے فرمایا: گھر کے اندر تمہارا نماز پڑھنا اپنے قبیلہ کی مسجد میں نماز ادا کرنے سے بہتر ہے (مسند احمد: ۲۶۵۴۹) اسی لیے:

۱-عورت پر جماعت واجب نہیں۔

۲-اس پر جمعہ وعیدین واجب نہیں۔

۳-اذان واقامت اور مردوں کے واسطے امامت کرنا جائز نہیں۔

۴-تنہا حج کو جانا (بغیر محرم کے) جائز نہیں۔

۵-اس پر جہاد فرض نہیں۔

۶-سب سے اہم اور مقدس عبادت نماز میں وہ صورتیں اختیار کرنے پر مامور ہیں جن میں تستر زیادہ ہو، ان تمام احکام کا منشا یہی ہے کہ عورتیں بلاضرورت گھروں سے باہر نہ نکلیں، البتہ ضرورت اور حاجت کے مواقع ہر جگہ مستثنیٰ ہوتے ہیں، اس لیے عورتوں کو بھی اگر ایسی ضرورت پڑے جس میں نکلنا ناگزیر ہو اور نکلے بغیر سخت حرج ومشقت کا سامنا ہو یا نہ نکلنے میں مسلمانوں کے مفادات عامہ پرزد پڑتی ہو تو ایسے مواقع پر گنجائش ہوتی ہے، اسی کو ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا: **إنه قد أذن لكن أن تخرجن لحاجتكن** (بخاری: ۴۷۹۵) (تم عورتوں کو ضرورت کی وجہ سے باہر نکلنے کی اجازت دی گئی ہے)۔

اسی مضمون کو دوسری حدیث میں بطور اصول یوں فرمایا: **ليس للنساء نصيب في الخروج إلا مضطرة** (کنز العمال: ۴۵۰۶۲) (عورتوں کے لیے گھروں سے نکلنے میں کوئی حصہ نہیں الا یہ کہ وہ نکلنے پر مجبور ہوں)۔

مثلاً معتدۃ الوفات کو تحصیل رزق کے لیے دن میں نکلنے کی اجازت ہے (الدر المختار: ۵/ ۲۲۴ کتاب الطلاق باب العدۃ فصل فی الحداد: زکریا)۔

عورتوں کے الیکشن کے تعلق سے کردار اور ووٹنگ میں شرکت کرنے کے متعلق فقہاء کی دو آراء ہیں:

پہلی رائے یہ ہے کہ عورتوں کو ووٹ دینا جائز ہے اور وہ اپنے اس حق کا استعمال کرنے کی مجاز ہیں۔ اس نظریے کے حامل ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی، فواد احمد وغیرہ ہیں۔

دوسری رائے یہ ہے کہ ان کو ووٹنگ میں حصہ لینا جائز نہیں۔ اس کے قائل جامعہ ازہر کی افتاء کمیٹی کے کبار علماء اور عبدالکریم زیدان وغیرہ ہیں۔

پہلے گروہ نے اپنے نظریے پر قرآن واحادیث وقیاس اور آثار سے استدلال کیا ہے، ارشاد باری ہے: **يا أيها النبي إذا جائك المؤمنات يبايعنك على أن لا يشركن بالله** (ممتحنہ:۱۲)۔

یہ آیت مردوں کے مانند عورتوں سے بیعت پر دلالت کرتی ہے اور عمومی طور پر سارے احکام اس میں داخل ہیں، خواہ وہ کسی نوعیت کے ہوں اور مردوں کو ووٹ دینے کی اجازت ہے تو عورتوں کو بھی ہوگی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر نبی کریم ﷺ کو رائے دی تھی اور آپ انہیں کے کہنے پر احرام سے حلال ہو گئے تھے۔ اور ووٹ اپنی رائے کے اظہار کا نام ہے۔

ووٹ کی شرعی حیثیت مصطفیٰ السباعی کے نزدیک توکیل ہے اور شریعت میں کہیں ایسی نظیر نہیں کہ عورت وکیل نہیں بنا سکتی بلکہ مردوں کی طرح اس کو بھی اختیار دیا گیا ہے، اس لیے اس کو بھی ووٹ میں شرکت کرنا اور ووٹ ڈالنا جائز ہوگا۔

خلیفہ ثالث کے تعین میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا عورتوں سے مشورہ لینا بھی اس سلسلے کی ایک دلیل ہے:

ولهن مثل الذي عليهن بالمعروف وللرجال عليهن درجة والله عزيز حكيم (بقرہ:۲۲۸) (اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے، دستور کے موافق اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے)۔

وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولىٰ (احزاب:۳۳) (اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھاتی نہ پھرو جیسا کہ دکھانا دستور تھا۔ پہلے جہالت کے وقت میں)۔

ان آیات میں یہ بات بتلائی گئی ہے کہ قیادت اور برتری محض مردوں کے لیے ہے اور عورتوں کو اپنے گھروں کو لازم

پکڑنا ہے۔ یہ حکم اگرچہ ازواج مطہرات کو ہے، لیکن باجماع مفسرین اس میں عام عورتیں بھی داخل ہیں۔ اس لیے ان عورتوں کا نکلنا ضروریات اور مستثنیات میں سے ہوگا جس کا جواز بھی بہ قدر ضرورت ہوگا۔ سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لے کر ووٹ دینا کوئی شرعی ضرورت نہیں، اس لیے ان کا گھروں سے نکلنا ناجائز ہوگا۔

کسریٰ کے انتقال کے بعد جب اہل فارس نے اس کی بیٹی کو اس کا جانشین بنایا اور آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا: ایسی قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے اپنے امور کا والی عورتوں کو بنایا ہو: **لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة** (بخاری: کتاب المغازی باب کتاب النبی الی کسریٰ وقیصر صفحہ ۶۶۳)۔

قوم کی عدم فلاح کا سبب مؤنث کا والی ہونا ہے۔ اس لیے عورتوں کو ولایت عامہ کے کسی بھی خانے میں رکھنا موجب خسران وہلاکت ہے اور یہ بدیہی بات ہے کہ ووٹ دینا ولایت عامہ کے قبیل سے ہے۔

تعامل صحابہ: نبی کریم ﷺ کے اس دارفانی سے کوچ کرنے کے بعد بنوساعدہ میں لوگوں کا زبردست ہجوم تھا اور انتخاب خلیفہ اول کا قضیہ تھا، **أمير منا وأمير منكم** جیسا ماحول بن گیا تھا، لیکن اس معاملے میں بھی عورتوں کو نہیں بلایا گیا اور نہ ہی بعد میں ان سے بیعت لی گئی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے مرض الوفات میں چھ لوگوں کو نامزد کر کے کہا تھا کہ یہی لوگ اپنا خلیفہ ثالث چن لیں گے، لیکن اتنے اہم معاملے میں بھی عورتوں کو دعوت نہ دی گئی۔

اس طرح کے اور بہت سے واقعات ہیں جن میں عورتوں کو اس معاملوں سے دور رکھا گیا، اس لیے **أصحابي كالنجوم، ما أنا عليه و أصحابي** کے پیش نظر ان حضرات کے افعال واعمال کی بناء پر عورتوں کو پارلیمانی الیکشن میں بھی حق رائے دہی سے محروم رکھا جائے گا۔

لیکن ہندوستانی حالات کے تناظر میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلمان یہاں اقلیتی طبقے میں آتے ہیں، جن کی اہمیت وحیثیت محض ان کے ووٹ ہی کی وجہ سے قائم ہے، اور اپنی طرف سے مسلمانوں کے ووٹ کو منتقل کرنے کے لیے ارباب حکومت مسلمانوں کے مفاد پر نگاہ رکھتے ہیں اور کچھ سیاسی وعدے کر لیتے ہیں، گو کہ ان میں سے کم ہی پورے کیے جاتے ہوں، ادھر دوسری طرف اس جمہوری نظام میں ووٹ ایک مؤثر ہتھیار بن چکا ہے جن کے ذریعہ فسطائی اور مسلم دشمن، تشدد آمیز جماعتوں کو زیر کیا جاسکتا ہے اور ملک کو انارکی و آمریت سے بچایا جاسکتا ہے۔ اگر مسلمان عورتیں ووٹ ڈالنے سے باز رہیں تو ایک طرف جہاں مسلمانوں کے اقدار واہمیت میں کمی ہوگی، وہیں دوسری طرف ملک کی جمہوریت وسالمیت کو برباد کرنے والی جماعتوں کو آگے بڑھنے کا موقع ملے گا۔ اس طرح مسلم قوم وملت کو زبردست خسارے کا منہ دیکھنا پڑے گا اور پھر

اسلام و مسلمانوں کے خلاف اٹھنے والی آواز سے ٹکر لینے والا کوئی نہ رہے گا، اس لیے اگر کوئی عورت الیکشن میں ووٹ ڈالنا چاہے تو اس کے لیے درج ذیل شرائط کے ساتھ اجازت ہوگی:

۱-مکمل پردہ میں ہو کر باہر نکلے۔
۲-معطر ہو کر نہ نکلے۔
۳-ایسا زیور پہن کر نہ نکلے جس سے آواز آتی ہو۔
۴-لباس جاذب نظر بھڑکاؤ اور پرکشش نہ ہو۔
۵-اگر کبھی اتفاقاً کسی مرد سے گفتگو کی نوبت آ جائے تو سخت لہجہ میں گفتگو کریں، نرم لہجے میں کلام کرنے سے گریز کرے۔
۶-حتی الامکان مردوں کے اختلاط سے پرہیز کرے، مثلاً عورتوں کے مخصوص بوتھ کا ہی رخ کرے۔ اس باب میں احسن الفتاویٰ کا یہ مسئلہ بھی افادیت سے خالی نہیں۔ اس لیے اس کو بھی زیب قرطاس کیا جاتا ہے۔

’’عورتوں کے لیے ووٹ استعمال کرنا اور انتخابات میں حصہ لینا جائز نہیں، خواتین کو کسی عہدے کے لیے تجویز کرنا گناہ ہے، البتہ جب انتخابات اسلامی وغیر اسلامی نظریہ پر مبنی ہو، یا ایک امیدوار صالح اور اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا امیدوار فاسق ہو اور خواتین کا ووٹ استعمال نہ کرانے میں دین کو خطرہ ہو تو استعمال کرانا ضروری ہے (احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۱ دارالاشاعت، دیوبند)۔

عورتوں کا امیدوار اور قانون ساز اداروں کا ممبر بننا:

عورتوں کو جن عہدوں پر فائز کیا جا سکتا ہے اور جن کا تذکرہ فقہ کی کتابوں میں ملتا ہے۔ وہ عمومی طور پر تین قسم کے ہیں:

(۱) امامت عظمیٰ، (۲) وزیر بنانا، (۳) عہدۂ قضا کے لئے نامزد کرنا۔

امامت عظمی کے لئے تین بنیادی شرطیں ہیں:

(۱) ولایت کاملہ کی اہلیت کا ہونا، (۲) عدالت کا ہونا، (۳) کفایت سیاسیہ کا ہونا۔

ولایت کاملہ کے ضمن میں درج ذیل شرائط آتی ہیں:

عاقل ہونا، آزاد ہونا، مذکر ہونا۔

دوسری بنیادی شرط عدالت ہے، مفہوم یہ ہے کہ اس منصب پر فائز ہونے والا شخص گفتار میں سچا ہو، امانت داری

ظاہر ہو، محرمات سے دور رہنے والا ہو، حالت رضا وغضب میں معتدل ہو، جس کسی میں یہ اوصاف پائے جائیں تو وہ اس عظیم عہدہ کا اہل ہوسکتا ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک عدالت کا ہونا صحت وانعقاد دونوں کے لئے ضروری ہے۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک کراہت کے ساتھ فاسق کی تولیت جائز ہے۔

موضوع کے تعلق سے جو شرط ہے وہ ہے مذکر ہونا، اس شرط کے تعلق سے بھی بعض لوگوں نے اختلاف کیا ہے:

جمہور فقہاء کے نزدیک لازم اور ضروری ہے کہ اس منصب کا اہل مذکر ہو، البتہ خوارج کا بعض فرقہ اور بعض معاصر علماء کا نظریہ ہے کہ عورت بھی امامت عظمیٰ کی مستحق بن سکتی ہے اور اس کو یہ عہدہ سپرد کیا جاسکتا ہے۔

جمہور کے دلائل: **الرجال قوامون على النساء** (نساء:۳۴)۔

ولهن مثل الذي عليهن بالمعروف (بقرہ:۲۲۸)۔

وقرن في بيوتكن (احزاب:۳۳)۔

بنیادی طور پر عورتوں کو گھروں میں قرار پکڑنے کا حکم ہے اور منصب امامت میں کھلے رہنے، معاشرہ وافواج کے سامنے آنے اور سیاسی امور میں ارباب حل وعقد سے مشورہ کی ضرورت پڑتی ہے جب کہ عورتوں کو مردوں کے اختلاط سے منع کیا گیا ہے۔ نیز امامت عظمیٰ میں امت کی سیاسی اور شرعی گتھیوں کو سلجھانے، فوج کی نگہداشت، قابل صالح لوگوں کو عہدہ دینا، نااہل کو برخاست کرنا، دشمنوں باغیوں سے صف آرائی اور مقابلہ کرنا، اموال کو ان کے صحیح مصارف میں خرچ کرنا وغیرہ امور کو انجام دینے کی ضرورت ہوتی ہے اور ان اہم امور کو مرد جس طرح بہ حسن وخوبی انجام دے سکتا ہے۔ عورتیں نہیں دے سکتیں۔

منصب وزارت:

وزارت: یہ شرعی ولایت ہے، اسی سے وزیر ہے اور یہ ایسے آدمی سے عبارت ہے جس کے دین پر اعتماد کیا گیا ہو اور خلیفۃ المسلمین پیش آنے والے مسائل میں اس سے مشورہ لیتا ہے۔

پھر اس کی دو قسمیں ہیں: وزارت تفویض اور وزارت تنفیذ۔

وزارت تفویض امام المسلمین کسی آدمی کو وزیر بنائے جس کو اس بات کا اختیار ہو کہ وہ تدبیر امور میں اپنی رائے سے کام کو انجام دے سکے، ایسے شخص کی ذمہ داریاں ہیں قاضی اور والی مقرر کرنا۔ اموال کو ان کے مصارف میں خرچ کرنا، لشکر کو روانہ کرنا اور ان کے علاوہ دیگر امور سلطانیہ کی نگرانی ہوتی ہے جن کو انجام دے کر یہ بادشاہ کو مطلع کرتا ہے۔ پھر امیر اپنی صواب دید پر جس کو چاہتا ہے نافذ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رد کر دیتا ہے۔ وزیر اور امیر المسلمین میں بنیادی طور پر کچھ فرق بھی ہوتا ہے۔

صرف بادشاہ وقت کو ولی عہد مقرر کرنے کا اختیار رہوتا ہے وزیر کو نہیں۔

صرف حاکم وقت کو ائمہ کو معزول کرنے کا اختیار ہوتا ہے وزیر کو نہیں۔

وزیر نے جس آدمی کو عہدہ دیا ہے بادشاہ اس سے سلب کرسکتا ہے لیکن بادشاہ نے اگر کسی کو عہدہ دے دیا تو وزیر ہٹانے کا مجاز نہیں ہوتا۔

یہ عہدہ پارلیمانی طرز کی حکومتوں میں وزیر اعظم سے مشابہ ہوتا ہے (المرأة الحقوق:۲۶۶)۔

دوسری قسم وزارت تنفیذ ہے۔ یہ ایسا شخص ہوتا ہے جس کو بادشاہ وقت نے اپنے اجتہاد سے کام کرنے کی اجازت نہ دی ہو، بلکہ اسے اپنی اطاعت اور فیصلے کے نفاذ اور اپنے احکام کا التزام کرنے کا پابند بنایا ہو۔ ایسا شخص عمومی کاموں کا نگراں ہوتا ہے، امام ماوردیؒ نے اس کے لیے درج ذیل شرائط بیان کی ہیں:

امانت، راست گوئی، قلت طمع، بغض وعداوت سے محفوظ ہونا، تذکیر، ذکاوت، اہل ہوا میں سے نہ ہونا، عدالت وتجربہ، انہوں نے حریت اور اسلام کو شرائط میں نہیں لیا چنانچہ ان کے نزدیک ذمی کو وزیر تنفیذ بنانا جائز ہے۔

مگر فقہائے کرام کی ایک جماعت نے اس کو دلائل کی روشنی میں لازم قرار دیا ہے۔

عورتوں کو وزارت تفویض سپرد کرنے کے سلسلے میں جمہور متقدمین فقہاء کا یہ موقف ہے کہ اسے یہ عہدہ نہیں دیا جاسکتا ہے، اس کے لئے مذکر ہونا ضروری ہے۔ البتہ بعض معاصر علماء عبدالحمید الشوری، ظافر القاسمی کا نظریہ ہے کہ عورت بھی اس عہدہ کی اہلیت رکھتی ہے۔ مذکر ہونا لازمی اور ضروری نہیں۔

جمہور کے دلائل اس سلسلے میں وہی ہیں جو امامت عظمیٰ میں گزر چکے ہیں۔

وزارت تنفیذ بھی عورتوں کو سپرد نہیں کیا جاسکتا اور یہی جمہور علماء کا موقف ہے۔ دلائل وہی ہیں جو سابق میں گزر چکے ہیں۔

عورت کا الیکشن میں امیدوار بننا:

عورت کے پارلیمانی الیکشن میں امیدوار بننے کے تعلق سے تین آراء ہیں:

معاصر علماء میں ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ عورت قوم وملت کے ترجمان کی حیثیت سے ممبر بن سکتی ہے۔ یہ رائے فواد احمد، عبدالحمید متولی اور عبدالحکیم عبداللہ کی ہے۔

دوسری طرف مصر کی جامعہ ازہر کی افتاء کمیٹی اور معاصر علماء میں شیخ زکریا، عبدالأمیر الجمری، حسنین مخلوف اس بات

کی طرف گئے ہیں کہ ان کا امیدور بننا ناجائز ہے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی کا کہنا ہے کہ عورت کو نگراں بننے کی ممانعت اسلام میں نہیں، کیونکہ نگراں ہونے سے قبل معاشرہ کے احوال اور اس پر مطلع ہونے کے واسطے علم سماجیات سے واقف ہونا ضروری ہے، چنانچہ اسی کے نتیجے میں بہت ساری عورتیں عالمہ فاضلہ گزری ہیں، اس لئے عورت کا فی نفسہ نگراں بننا جائز ہے، البتہ خارجی امور، مردوزن کا اختلاط، اسلامی آداب واخلاق کی خلاف ورزی، گھروں میں تنفر وبغاوت کی ہوا کا جنم لینا، عورتوں کا گھروں اور بال بچوں کی نگہداشت میں کمی کے باعث عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ نہ اس وجہ سے کہ اس میں نگراں بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔

جن لوگوں نے منع کیا ہے، انہوں نے اپنے نظریہ پر ان آیات سے استدلال کیا ہے جن میں عورتوں کو پردہ میں رہنے اور اختلاط سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جن کا بیان امامت عظمیٰ میں ہو چکا ہے۔

نیز ان احادیث سے بھی استدلال کیا ہے:

لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة (بخاری:۴۱۶۳)۔

إذا كانت أموركم إلى نسائكم فبطن الأرض خير من ظهرها (ترمذی:۲۲۶۶)۔

المرأة راعية على أهل بيت زوجها وولده وهي مسئولة عنهم (ابوداؤد:۱۹۲۸)۔

ولایت عامہ: جس میں ممبر پارلیمنٹ بھی شامل ہے، کی ذمہ داری شریعت نے صرف مردوں پر ڈالی ہے۔ عورتوں کو اس سلسلے میں دور رکھا ہے اور یہی دستور صدر اول سے چلا آ رہا ہے، جبکہ پچھلے زمانے میں عورتیں مہذب، زیرک، چالاک اور عقل مند ہوا کرتی تھیں، حتیٰ کہ بعض مردوں پر بھی فائق تھیں، مثلاً: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، لیکن اس وقت کسی عورت نے عہدہ کو طلب نہیں کیا اور نہ ہی کسی کو یہ ذمہ داری سونپی گئی، اگر یہ جائز ہوتا تو کسی نہ کسی مرحلے میں اس پر ضرور عمل ہوتا ہے، مگر تاریخ اسلامیہ اس کی نظیر سے خالی پڑی ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ناجائز ہے، اس لئے ان آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں عورت کا الیکشن میں امیدوار بننا ناجائز ہوگا۔ قانون ساز اداروں کی ممبر شپ کا بھی یہی حکم ہے۔

لیکن اس موقع پر جیلانی خان کا وہ مضمون جو خواتین ریزرویشن بل پر ہے نقل کرنے سے مذکورہ حکم پر کافی میانہ روی کے ساتھ راہنمائی مل سکتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اس بل کہ ابتدا دیوگوڑا کی قیادت والی درجنوں چھوٹی بڑی پارٹیوں کے اشتراک سے بنی سرکار نے ۱۲ر ستمبر ۱۹۹۶ء کو کی تھی۔ مگر اس بل پر اتنی مخالفت ہوئی کہ اس پر ڈھنگ سے بحث ہی نہیں ہو پائی، پھر ۱۲ر ستمبر ۱۹۹۶ء کو گیتا مکھر جی کی صدارت والی کمیٹی نے اسے پیش کیا، مگر اس بار بھی ناکامی ہاتھ لگی۔ ۱۹۹۸ء میں جب بی جے پی اقتدار پر قابض ہوئی تو اس

بل کے پاس ہونے کا امکان روشن ہوگیا تھا مگر واجپئی حکومت اسے پاس نہ کرا سکی، یہی حشر ۲۳؍ستمبر ۱۹۹۹ء کو ہوا جب وزیر قانون رام جیٹھ ملانی نے ایوان زیریں میں اسے پیش کیا۔ ۲۰۰۵ء میں حکومت کی باگ ڈور جب کانگریس کے ہاتھ آئی تو کچھ امید ہوئی کہ یہ بل پاس ہوجائے گا مگر اس بار بھی مخالفین غالب رہے۔ پھر ۲۰۰۹ء میں صدر جمہوریہ پرتبھا پاٹل نے ۱۵ویں لوک سبھا سے صدارتی خطبہ میں اس بل کو منظور کرانے کا عزم کیا تو ایسا اندازہ ہو رہا تھا کہ اس بار کانگریس پاس کرا کر دم لے گی، چونکہ سابقہ بل میں کئی نکات باعث تشویش تھے، اس لئے کانگریس نے تھوڑی تبدیلی کے ساتھ فروری ۲۰۱۰ء میں کابینہ سے ہری جھنڈی لے لی۔ ۸؍مارچ ۲۰۱۰ء کو جب وزیر قانون ویرپا موئیلی نے یہ بل پیش کیا تو پورا ایوان مخالفت میں شور سے گونج اٹھا۔ پھر ۹؍مارچ ۲۰۱۰ء کو یہ بل دوتہائی ووٹوں سے منظور کرلیا گیا۔

لیکن حکومت کی یہ مکمل جیت نہیں بلکہ اس کو ابھی ایک اور مرحلہ سے گزرنا ہے، ایوان بالا سے گزرنے کے بعد اس بل کو ایوان زیریں میں پیش کیا جائے گا۔ پھر منظوری کے بعد صدر جمہوریہ سے دستخط کرانی ہوگی۔ ان کے دستخط کے بعد الیکشن کمیشن اس نئے قانون کے مطابق پارلیمانی اور اسمبلی حلقوں کا کردار طے کرے گا، لیکن اس بل میں کئی ایسی بنیادی خامیاں بھی ہیں جن میں سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے مثلاً: دلت، پسماندہ طبقات اور اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کو حاشیہ پر ڈالنے کے لئے یہ ایک مؤثر ذریعہ اور کارآمد ہتھیار ثابت ہوگا، کیونکہ ان طبقات کے مرد ہی سیاسی اعتبار سے بہت پیچھے ہیں۔ عورتوں کا ذکر ہی کیا ہے اور یہ امکان اس وقت زیادہ بارآور ہوگا جب اعلیٰ ذات کے لیڈران اپنی بہو بیٹیوں کو ٹکٹ دلا کر ان کو مستحکم کریں گے، اور ان مٹھی بھر اقلیتوں کے لئے ان اعلیٰ ذات کی عورتوں سے جیت پانا بہت مشکل مرحلہ بن جائے گا، کیونکہ کوئی بھی پارٹی مسلمانوں کو اسی حلقے میں ٹکٹ دیتی ہے، جہاں پر ان کی تعداد ہار جیت میں اثر انداز ہوتی ہے، اگر وہ حلقے جہاں پر عورتوں کی سیٹ مختص ہو اور وہاں کوئی اعلیٰ ذات کی عورت کھڑی ہو تو کیا مسلم عورت کو کسی پارٹی کی طرف سے ٹکٹ ملنے کی امید رہے گی، یہ قضیہ بھی انتہائی قابل غور ہے۔

موجودہ ۱۵ویں لوک سبھا میں صرف پچیس مسلم ارکان ہیں، جبکہ ۱۹۸۴ء میں یہ تعداد ۴۸ تک پہنچی ہوئی تھی۔ (جو اب تک کی غالباً سب سے بڑی تعداد ہے) (ماخوذ از: مضمون ”خواتین ریزرویشن بل: انقلابی قدم یا صرف سیاست از قلم: جیلانی خاں، عالمی سہارا ۱۰؍اکتوبر ۲۰۱۲ء)۔

اولاً: اب آسانی سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اس بل کے پاس ہونے کے بعد کیا مسلم ممبران کی تعداد پچیس کو بھی پہنچ پائے گی اور کیا مسلمانوں کا کھویا ہوا سیاسی وقار انہیں مل پائے گا، سیاسی سطح پر کمزور ہونے کے باعث مسلمانوں کے مسائل آج بھی جوں کا توں ہیں۔ سچر کمیٹی، رنگاناتھ کمیٹی کی سفارشات پر حکومت چپی سادھے بیٹھی ہے۔

ثانیاً: اگر عورتوں کو منع کر دیا جائے تو یہ چیز مسلمانوں کی رہی سہی سیاسی قوت وطاقت کو بہت حد تک کمزور کر دینے کے مترادف ہوگی، کیونکہ اس خاص جگہ پر یا سیٹ پر کسی پارٹی کی طرف سے مسلم عورتوں کو ٹکٹ ملنا ہی مشکل ہوجائے گا۔ فسطائی طاقتوں کو برسر اقتدار آنے کا موقعہ اس وقت مزید متعین ہوجائے گا جب ممانعت کے بعد متدین افراد اس سے کنارہ کش ہوجائیں یا عورتوں کے امیدواری کے تعلق سے احتجاج شروع کر دیں۔

ثالثاً ممانعت کا ایک نہایت خطرناک اثر ان علاقوں پر پڑے گا جہاں مسلمانوں کی تعداد اکثریتی ہو یا وہ علاقے مسلم شناخت واسلامی تہذیب کے علمبردار مانے جاتے ہوں، جہاں پر غیر مسلموں نے ابھی کامیابی کا زینہ طے نہیں کیا ہے۔ اس کی چھوٹی سی مثال مشرقی یوپی کا علم وادب کا گہوارہ، دست کاری اور صنعتی تجارتی مرکز ضلع مئو ہے۔ جس کی آبادی پانچ لاکھ سے متجاوز ہے۔ یہاں بلدیہ انتخابات میں تقریباً ۴ دہائیوں سے مسلم افراد ہی قابض رہے ہیں اور کوئی غیر مسلم چیئر مین نہیں بن سکا ہے۔ حالیہ بلدیہ انتخابات میں وہاں کی سیٹ عورت کے لئے مختص تھی، امسال بھی الحمدللہ مسلمان ہی جیتے۔ اگر وہاں پر منع کر دیا جاتا تو بالیقین جیت کا سہرا غیر مسلموں کے سر بندھتا۔

لہذا اس جاں کنی کے عالم میں کوئی ایسی ثالثی راہ نکالی جائے جو دین اسلام کے مزاج کے خلاف نہ ہو اور اس سے مسلمانوں کو ملکی سطح پر کامیابی کی راہ جو اب ہموار ہورہی ہے، مسدود بھی نہ ہوسکے اجتماعی طور پر غور وفکر کرنے سے اللہ کی ذات سے کچھ بعید نہیں کہ ایسی ہی کوئی راہ نکل آئے۔ (وماذلک علی اللہ بعزیز)

☆☆☆

تیسرا باب

مختصر تحریریں

الیکشن سے مربوط مسائل

قاضی عبدالجلیل قاسمی ☆

آج کل دنیا میں جو جمہوری نظام رائج ہے، اس کے بارے میں عام سوچ یہ ہے کہ جمہوریت دراصل عوام کے ذریعہ عوام پر حکومت کرنے کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ سارے لوگ حکمراں نہیں ہوسکتے ہیں، اس لیے پارلیمنٹ یا اسمبلی وغیرہ میں نمائندگی کے لیے حلقے متعین کردیے گئے ہیں، اس حلقہ کے لوگ اپنا ایک نمائندہ منتخب کرکے پارلیمنٹ یا اسمبلی میں بھیجتے ہیں پھر وہ نمائندے آپس میں کسی کو عہدیدار، صدر جمہوریہ یا وزیر اعظم وغیرہ کا انتخاب کرتے ہیں، اس لیے ووٹ کی اصل حیثیت وکالت کی ہے، منتخب شخص اس علاقہ کا وکیل اور نمائندہ ہوتا ہے۔

اگر مسلمان انتخابات سے کنارہ کشی اختیار کرلیں تو اس سے ان کو شدید نقصان پہنچ سکتا ہے، اس لیے ضروری ہوگا کہ کسی اچھے دیانت دار شخص کو اپنا وکیل بنائیں۔

کہا جاتا ہے کہ ووٹ کی حیثیت شہادت کی بھی ہے، یعنی ووٹر جس شخص کو ووٹ دیتا ہے، اس کے بارے میں گویا شہادت دیتا ہے کہ وہ اس عہدہ کا اہل ہے، لیکن میرے نزدیک اس کی اصل حیثیت وکالت کی ہے۔

اس تفصیل کے بعد جواب درج ذیل ہیں:

۱- ووٹ کی شرعی حیثیت وکالت کی ہے، کسی درجہ میں اس کو شہادت بھی کہہ سکتے ہیں۔

۲- وکالت، یا شہادت دونوں صورت میں ووٹ دینا واجب ہوگا، اس کو صرف مباح یا مستحب قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔

۳- اصلاً عام حالات میں کسی منصب کو طلب کرنا پسندیدہ نہیں ہے، اس لیے کہ منصب کے طالب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد نہیں ہوتی ہے، اگر طلب کے بغیر کوئی عہدہ ملے تو اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوتی ہے، اس کے باوجود کبھی کبھی منصب کا طلب کرنا واجب بھی ہوتا ہے، جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے مذکور ہے، اس لیے بہتر شکل یہ ہے کہ ارباب حل وعقد کی ایک جماعت اس کو نامزد کرے اور اس کو پرچہ نامزدگی داخل کرنے کو کہے، لیکن اگر کوئی شخص

☆ قاضی شریعت دار القضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

اس منصب کا اہل ہو اور وہ محسوس کرے کہ اگر وہ خود امیدوار نہیں بنے گا تو دوسرا کوئی نا اہل منتخب کر لیا جائے گا تو ایسی صورت میں اس کے لیے اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنا جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہوگا۔

۴- قانون ساز ادارہ کا رکن بننا جائز ہوگا، تاکہ وہ شریعت مخالف بننے والے قانون کی خرابیاں بتا کر اس طرح کی قانون سازی کو روکنے کی کوشش کر سکے، اگر کوئی مسلمان رکن نہیں ہوگا تو خلاف شریعت قانون سازی بغیر کسی رکاوٹ کے ہونے لگے گی جس سے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچے گا۔

۵- دستور سے وفاداری کا حلف اٹھائے بغیر وہ قانون ساز ادارے کا رکن نہیں بن سکتا ہے، رکن نہ بننے میں زیادہ نقصان ہے، اس لیے خلاف شریعت دفعات پر عمل نہ کرنے کی نیت کے ساتھ دستور سے وفاداری کا حلف اٹھا سکتا ہے۔

۶- ایک ہے انجیل کی قسم کھانا، ایک ہے ہاتھ میں انجیل لے کر اللہ تعالیٰ کی قسم کھانا، اگر انجیل ہاتھ میں لے کر اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی جائے تو میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہ ہوگا، اس لیے کہ دراصل قسم تو اللہ تعالیٰ کی کھائی جاتی ہے، ہاتھ میں کسی کتاب کے رہنے کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اگر انجیل کی قسم کھانی ہے تو انجیل بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اگرچہ آج کل وہ صحیح حالت میں موجود نہیں ہے، لیکن قسم کھانے والا اللہ تعالیٰ کی کتاب انجیل کی نیت سے اس کی قسم کھا سکتا ہے۔

۷- جو سیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے مناسب سمجھی جاتی ہیں، ان کے منشور کے بعض دفعات اگر خلاف شرع یا مسلم مفادات کے خلاف ہوں تو ان دفعات کی وجہ سے اس پارٹی میں شرکت کو ممنوع نہیں کہا جائے گا، البتہ ان دفعات کو بدلنے کی کوشش کی جائے گی۔

۸- جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں، کسی مسلمان کے لیے اس پارٹی میں شریک ہونا جائز نہ ہوگا۔

۹- جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں وہاں ان کے لیے الگ سیاسی پارٹی بنانا ناجائز تو نہیں ہوگا، لیکن عام طور پر اس سے فائدہ نہیں ہوتا ہے، اس لیے بے سود ہے۔

۱۰- مسلم خواتین ووٹنگ میں حصہ لے سکتی ہیں، امیدوار بھی بن سکتی ہیں، قانون ساز اداروں کی رکن بھی بن سکتی ہیں، البتہ پردہ کا لحاظ رکھنا ہوگا۔

الیکشن میں شرکت کے مسائل

مولانا شیر علی گجراتی ☆

الجواب هو الموفق: حامدا و مصلیاً و مسلماً...

۱- آج کل اسلامی ممالک تو نام کے ہیں، سب طرف جمہوریت غالب ہے اور اقتدار اکثر غیر مسلموں کے قبضہ میں ہے، خاص کر ہندوستان میں ایک بہت بڑی جمہوریت ہے اور اس میں مسلمان اقلیت میں ہیں۔ اقتدار اعلیٰ پر غیر مسلم قابض ہیں، اس لئے ہمارے اختیارات کم اور ان کے اختیارات زیادہ ہیں، اب مسلمانوں کو ان کے ساتھ رہنا ہے اور مسلمانوں کا بھی ملک ہے اور مخالفت ہم کر نہیں سکتے، لہٰذا مسلمان یہ کوشش کریں کہ ان کے ساتھ رہ کر نرمی سے اور ترکیب سے اپنے مفادات حاصل کرتے رہیں اور یہ الیکشن کے ذریعہ سے اور کسی پارٹی کا جو مسلمانوں کے حق میں معتدل ہوں اس کا ممبر بننے سے ہوسکتا ہے اور یہ جائز ہے۔

۲- ہم ووٹ اس لئے دیں گے تا کہ ہم اپنے مفادات کو نرمی سے اور ترکیب سے حاصل کرسکیں، اس لئے ووٹ دینا ضروری ہوگا۔

۳- الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنا ضروری ہے تا کہ ہم اس کے ذریعہ سے اپنے مفادات کو بحسن وخوبی حاصل کریں۔

۴- قانون ساز اداروں کے ہم ممبر بن سکتے ہیں، لیکن ان پارٹیوں کا ممبر بننا چاہیے، جو زیادہ مخالف نہ ہوں بلکہ معتدل ہوں اور جس کا مزاج جمہوریت کا ہو اس پارٹی کا ممبر بننا چاہئے، اس لئے کہ ہم اس ملک میں رہتے ہیں، ہماری حیثیت مصالح کی ہے، پس ہم ملک کے اور مسلم وغیر مسلمین کے مفادات کو کیسے حاصل کریں اس اعتبار سے ہمیں پارٹیوں کا ممبر بننا چاہئے۔

۵- جب ہماری حیثیت مصالح کی ہے تو ہمارا کردار وہی ہونا چاہئے جو کردار اللہ کے نبی ﷺ کا تھا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ کا کردار کیا تھا کہ کفار ومشرکین نے دخول مکہ سے روک لیا تھا اور بالآخر صلح پر آمادہ ہوئے اور

☆ فلاح دارین ترکیسر، گجرات۔

صلح میں ایسی شرطیں لگائیں جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تھیں، اس میں ایک شرط یہ تھی کہ مشرکین میں سے کوئی تمہارے پاس آئے گا تو تم اس کو لوٹا دو گے اور اگر کوئی مسلمان ہمارے پاس آیا تو ہم اسے نہیں لوٹائیں گے (بخاری شریف ۱/۳۷۲)۔

اور یہ اسلام کے خلاف ہے کہ مسلمان کو دوبارہ مشرکین کے حوالہ کیا جائے پھر بھی اللہ کے رسول ﷺ نے اس شرط کو قبول فرمالیا، اس کے علاوہ اللہ کے رسول ﷺ نے متعدد مواقع پر مشرکین کے ساتھ صلح کی ہیں، لہٰذا مسلمانوں کا غیر مسلمین کے ساتھ پارٹی میں شریک ہونا اور غیر شرعی باتوں پر دستخط کرنا درست ہے، اس لئے کہ ہماری حیثیت مصالح کی ہے، ہم صلحاً ایسا کریں گے، مخالفت تو ہمارے لئے مفید نہیں ہے۔

۶- بائبل پر حلف اٹھانا جائز ہے یہ ہم صلح کے طور پر کرتے ہیں۔ شریعت کی مخالفت ہمارا مقصود نہیں ہے (**الأمور بمقاصدها**)۔

۷- یہ جتنے بھی نظام ہیں اور سیاسی پارٹیاں ہیں ان میں ہم شامل ہو سکتے ہیں تاکہ ہم اپنے مفادات کو اور ملک کے مفادات کو حاصل کرسکیں اور ملک میں عدل وانصاف سے ہر فیصلہ ہو۔ حضور کی سیرت ہمارے سامنے ہے۔ بقیہ تفصیل نمبر ۵ پر ملاحظہ ہو۔

۸- جائز ہے نمبر ۵ پر گزر گیا۔

۹- مسلمانوں کے لئے سیاسی پارٹی کا قیام جائز ہے چاہے سیکولر ایجنڈے کے تحت رہ کر ہی کام کرنا پڑے، اس لئے کہ ہماری حیثیت مصالح کی ہے، ہمیں تو مفادات حاصل کرنا ہے اور یہ اس میں شامل ہو کر کرنے سے ہوسکتا ہے۔ مخالفت تو ہم نہیں کر سکتے۔

۱۰- اصل تو عورت کے لئے گھر کا کام کاج کرنا ہے اور گھر میں بچوں کی تربیت کرنا ہے، لیکن اگر اس میں پردہ کے اہتمام کے ساتھ جواز کا فتویٰ دیا جائے تو اس میں مسلمانوں کا فائدہ ہے، اس لئے کہ جب مسلمان عورتیں امیدوار بنیں گی تو مسلمانوں کو سیٹیں زیادہ ملیں گی اس میں مسلمانوں کا فائدہ ہے اور قاعدہ ہے: '**الضرورات تبیح المحظورات**' جس طرح عورتوں کے لئے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنا عورتوں کے علاج کے لئے جائز ہے، اسی طرح یہ بھی جائز ہے اور اسی طرح جب وہ ووٹ دیں گی تو مسلمان امیدوار اور جو مسلمان کے حق میں معتدل ہیں وہ الیکشن جیتیں گے تو بھی مسلمانوں کا فائدہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

الیکشن سے مربوط شرعی احکام

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی ☆

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام نعمتیں انسانوں کے لئے پیدا کی ہیں، لیکن ان کی تقسیم انسانوں کی خواہش کے مطابق نہیں کی جاتی بلکہ مالک حقیقی اپنی مصلحت کے مطابق اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔

اس تقسیم کا اصول یہ رہتا ہے کہ بعض لوگوں کا درجہ بعض لوگوں پر بلند کر دیا جاتا ہے تاکہ ایک دوسرے سے اپنا کام نکال سکیں۔

سیاسی اقتدار بھی اللہ کی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ کبھی اپنی مصلحت کے تحت یہ اقتدار ایمان والے بندوں کو عطا کر دیتا ہے۔

سورۂ انبیاء میں ارشاد ہوا: ”**ولقد كتبنا في الزبور من بعد الذكر أن الأرض يرثها عبادي الصالحون**“ (سورہ انبیا: ۱۰۵) (اور ہم نے زبور میں عام نصیحت کی باتیں بیان کرنے کے بعد یہ لکھا کہ زمین کا اقتدار اس کا مالک حقیقی اپنے نیک بندوں کو عطا کرتا ہے)۔

قرآن کریم نے یہ نہیں کہا کہ زمین کا وارث نہیں بناتا مگر اپنے بندوں کو۔ اللہ تعالیٰ حکومت ظالموں کو بھی عطا کرتا ہے جیسا کہ سورۂ انعام میں ارشاد ہے: ”**وكذلك نولّي بعض الظالمين بعضاً بما كانوا يكسبون**“ (سورۂ انعام: ۱۲۹) (اور ہم اسی طرح بعض ظالموں کو سیاسی اقتدار دے کر بعض ظالموں پر مسلط کر دیتے ہیں۔ ان کے اعمال کی وجہ سے)۔

یعنی ایک ظالم کا زور توڑنے کے لئے دوسرے ظالم کو اس پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔

عالم اسباب میں اقتدار کی نعمت حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے لئے قرآن حکیم اور احادیث نبوی میں عملِ صالح کی اصطلاح استعمال کی گی ہے۔

یعنی اسلامی زندگی کی فطرت اور اس کا مزاج یہی ہے کہ اسے سربلندی کا مقام حاصل رہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی

☆ دارالسلام اسلامی مرکز، مالیر کوٹلہ۔

طرف سے عزت اسی کو حاصل ہوسکتی ہے جو عمل میں صالح ہو یعنی ایمان و عمل کا تقاضا عزت و سربلندی ضرور ہے، لیکن ایمان و عمل کی زندگی کی وہ مناسب حد جس پر یہ انعام و اکرام ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے۔

ایمان والوں کا فرض یہ ہے کہ وہ عمل کی رفتار کو جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کی مصلحت اور اس کے علم کے مطابق جب وہ وقت آجائے گا اللہ کی طرف سے انہیں سیاسی قوت اور حکمرانی حاصل ہوجائے گی۔

اس راہ اور طریقے سے ہٹ کر دھاندلی اور دھوکے سے جو سیاسی اقتدار حاصل ہو وہ خلافت اور اسلامی حکومت نہیں ہے۔

مغربی جمہوریت اور اسلام کے بعض اصولوں میں جو مشابہت نظر آتی ہے وہ ظاہری مشابہت ہے۔

جمہوریت میں عوام اصل فرماں روا اور قانون ساز ہیں جب کہ اسلام میں اللہ کی حاکمیت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

جمہوریت میں بظاہر انفرادی آزادی نظر آتی ہے، لیکن یہ مطلق آزادی فکری اور عملی انارکی کی طرف لے جاتی ہے۔

جمہوریت میں بظاہر مساوات کا پہلو نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں جمہوریت میں اکثریت کی حکومت کا قاعدہ چلتا ہے۔

مغربی جمہوریت میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ حکومت کی تشکیل براہِ راست عوام کے ذریعہ ہوتی ہے جب کہ اکثر ملکوں میں عوام ناخواندہ ہیں۔

مغربی جمہوریت میں منتخب نمائندوں کے لئے کسی طرح کی عملی قابلیت اور اخلاقی خوبی ضروری نہیں ہے۔

جمہوریت میں جماعتی طریقۂ انتخاب ہے جس میں سیاسی فرمانبردار ہوتے ہیں۔

جمہوریت میں سرمائے اور کسی سیاسی پارٹی سے وابستہ ہوئے بغیر کامیابی نہیں مل سکتی، اس لئے وہی لوگ انتخاب میں حصہ لے سکتے ہیں جو خود سرمایہ دار ہوں یا کسی سرمایہ دار سیاسی جماعت کی انہیں حمایت حاصل ہو۔

ان کمزوریوں اور نقائص کے باوجود جمہوریت دوسرے نظاموں کے مقابلے میں قابلِ ترجیح ہے اور بعض لحاظ سے مفید سیاسی نظام ہے۔

اس تمہید اور تبصرے کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱- آپ کا پہلا سوال یہ ہے کہ ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ میرے خیال میں غیر شرعی حکومت میں ووٹ کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ وہ ایک رائے ہے اور رائے کا استعمال سوچ سمجھ کر اس طرح ہونا چاہیے کہ مناسب امیدوار منتخب ہوسکے۔ اس میں برادری یا دوسرے عوامل

شامل نہ ہوں بلکہ جس کا انتخاب کیا جارہا ہے اور جس کے حق میں رائے استعمال کی جارہی ہے وہ ملک وملت کے لئے مفید ہو۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے: "إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها" (اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اس کے سپرد کرو جو اس امانت کے صحیح حق دار ہوں)۔

ووٹ بھی ایک رائے ہے اور رائے میں یہ احتیاط لازم ہے کہ اس کا استعمال اس شخص کے حق میں ہو جو اس ذمہ داری کو جو اس کے سپرد کی جارہی ہے، ادا کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔

۲- آپ کا دوسرا سوال ہے کہ اگر ووٹ شہادت کے درجے میں ہے تو اس کا حکم شرعی کیا ہوگا۔ ووٹ دینا صرف جائز ہوگا یا مستحب اور واجب؟

جیسا کہ عرض کیا کہ ناچیز کی رائے میں ووٹ کی حیثیت ایک رائے کی ہے، اس لئے اپنی رائے کا استعمال کرنا جائز ہوگا بلکہ کرنا چاہیے۔

۳- آپ کا تیسرا سوال ہے کہ الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا کیا حکم ہے؟

اسلامی نقطۂ نظر سے اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا خواہشمند نہیں ہونا چاہئے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: "أنا والله لا نولي على هذا العمل أحداً سئله ولا أحداً حرص عليه" (صحیح بخاری وابوداؤد)۔

(خدا کی قسم میں کسی ایسے آدمی کو انتظام حکومت میں کوئی عہدہ نہ دوں گا جو اس کا خواستگار ہو اور اس کی حرص رکھتا ہو)۔ غالباً موجودہ جمہوریت میں بھی اس بات کو اصولاً تسلیم کیا گیا ہے اور نامزدگی کے فارم بھرتے ہوئے کم سے کم دو آدمیوں کے نام لکھے جاتے ہیں جو ان کو امیدوار بنانا چاہتے ہیں۔

۴- آپ کا چوتھا سوال یہ ہے کہ غیر مسلم ملکوں میں اور بہت سے مسلم ملکوں میں بھی قانون ساز ادارے مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں۔ ایسی صورت میں ان اداروں کا ممبر بننا درست ہوگا یا نہیں؟ خاص کر ان حالات میں کہ ہندوستان کے موجودہ قانون کے مطابق اگر کوئی پارٹی اپنے ممبروں کے لیے فہرست جاری کردے تو وہ پارٹی کی پالیسی کے مطابق ووٹ دینے کا پابند ہو جاتا ہے اور اپنے ضمیر کی آواز پر ووٹ دینے کا اختیار رکھتا ہے۔

یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے اور میں سمجھتا ہوں اس کا حل آسان نہیں ہے، خلاف شریعت قانون بنانے میں ایک مسلمان کی حصہ داری کسی طرح جائز نہیں ہے، اسے صاف طور پر کہہ دینا چاہیے اور اپنا اختلافی نوٹ شامل کردینا چاہیے کہ یہ قانون اسلام کے خلاف ہے میں اس میں حصہ دار نہیں ہوسکتا۔

۵- آپ کا پانچواں سوال یہ ہے کہ جو لوگ قانون ساز اداروں کے رکن منتخب ہوں انہیں دستور سے وفاداری کا

حلف اٹھانا پڑتا ہے اور دستور میں بہت سی دفعات خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں تو یہ عمل کہاں تک درست ہوگا؟

پانچویں سوال کا جواب یہ ہے کہ دستور کی دفعات بدلتی رہتی ہیں اور ان میں ترمیم ہوتی رہتی ہے، جو شخص قانون ساز ادارے کا رکن منتخب ہوا وہ اگر یہ ارادہ رکھتا ہے کہ میں دستور کی ان دفعات کو جو شریعت کے خلاف ہیں بدلنے کی جد وجہد کروں گا تو اس کا دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا اور قانون ساز ادارے کا رکن بننا جائز ہوگا۔

۶- آپ کا چھٹا سوال یہ ہے کہ بعض عیسائی ملکوں میں ہر ممبر کو بائبل پر حلف لینا پڑتا ہے، خواہ وہ کسی مذہب کا ہو تو کیا مسلم ارکان کے لئے یہ عمل درست ہوگا؟

آپ کے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بائبل اگر چہ تحریف شدہ ہے بلکہ اصل کتاب انجیل ہے اور بائبل مختلف کتابوں کا مجموعہ ہے اور اس میں کافی ردوبدل کر دیا گیا ہے مگر پھر بھی اس میں اللہ کا کلام بھی موجود ہے تو اگر کوئی مسلمان کسی عیسائی ملک میں ممبر بنے اور اس کو بائبل پر حلف لینا پڑے تو ایسا کرنا جائز ہوگا۔

۷- آپ کا ساتواں سوال یہ ہے کہ بعض سیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں، لیکن ان کے منشور کی بعض دفعات مخالفِ اسلام یا مسلم مفادات کے مغائر ہوتی ہیں۔ کیا ایسی پارٹیوں میں شریک ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونا جائز ہوگا؟

آپ کے اس ساتویں سوال کا جواب یہ ہے کہ ان پارٹیوں کو جو مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ میں سنجیدہ ہیں، اگر چہ ان کے منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغائر بھی ہیں تاہم ان پارٹیوں کو ترجیح دی جائے گی اور یہ کوشش کی جائے گی کہ اپنے اثر ورسوخ اور پریشر کے ذریعہ وہ دفعات ختم کی جائیں جو اسلام کے مسلمانوں کے خلاف ہیں، کیونکہ یہ معاملہ اھون البلیتین کی روشنی میں دیکھا جائے گا کہ جو کم درجہ کی اور کم نقصان دہ چیز ہو اس کو اختیار کیا جائے۔

۸- آپ کا آٹھواں سوال یہ ہے کہ جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمان کی مخالفت شامل ہو، کیا کسی مسلمان کے لئے اس پارٹی میں شریک ہونا جائز ہوگا؟ نیز اگر کسی کی نیت ہو کہ وہ پارٹی میں شامل ہو کر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا تو کیا اس کے لئے اس پارٹی میں شامل ہونے کی گنجائش ہوگی؟

آپ کے اس آٹھویں سوال کا جواب یہ ہے کہ بعض سیاسی پارٹیاں ایسی ہیں کہ ان کا خمیر ہی مسلم دشمنی اور اسلام کی مخالفت سے تیار ہوا ہے، یعنی وہ پارٹی بنائی ہی اس لیے گئی ہے کہ اسے اس ملک میں مسلمانوں کو رہنے دینا نہیں ہے اور اگر مسلمان رہیں تو اپنے شعار سے دست بردار ہو کر رہیں، ایسی پارٹیوں کے منشور کو بدلنا ممکن نہیں ہے، اس لئے یہ تمنا کہ وہ اس پارٹی میں اس لئے شامل ہو رہا ہے کہ وہ ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا صرف بہلاوے کی بات ہے۔

۹-آپ کا نواں سوال یہ ہے کہ ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، کیا مسلمانوں کے لئے علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا جائز ہوگا؟ جبکہ اسے سیکولر ایجنڈے کے تحت ہی کام کرنا پڑتا ہے، نیز ایک احساس یہ بھی ہے کہ جہاں مسلمانوں کی آبادی مرتکز نہیں ہوتی وہاں خصوصاً اور دوسرے علاقوں میں عموماً مسلم سیاسی جماعت کا قیام مسلمان مخالف ووٹ کو متحد کر دیتا ہے اور اس سے فرقہ پرست تنظیمیں فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔

آپ کے اس نویں سوال کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا یا نہ کرنا اس میں رائیں مختلف ہو سکتی ہیں اور مختلف ہیں اور ہر ایک اپنی رائے کے حق میں دلیل رکھتا ہے۔

مگر جیسا کہ سیاست پارٹی سسٹم پر ہے تو مسلمانوں کی کوئی جماعتی آواز نہ ہونا ان کے لئے سیاسی اعتبار سے سخت نقصان دہ ہے۔ رہا یہ خطرہ کہ مسلمانوں کے متحد ہونے سے یا ان کی جماعت بننے سے مخالف ووٹ متحد ہو جاتے ہیں اور اس سے فرقہ پرست تنظیمیں فائدہ اٹھا لیتی ہیں تو اس خطرے کی وجہ سے مسلمانوں کو متحد ہونے سے روکنا کوئی حکمت کی بات نہیں ہے۔ اب تک کا تجربہ یہی کہتا ہے کہ اپنی جماعت نہ ہونے سے مسلمانوں کو نقصان زیادہ پہنچا ہے، فائدہ کم ہوا ہے۔ گاؤں کی سطح سے لے کر شہر کی سطح تک اس سیاسی پارٹی کا لیڈر رہنا چاہیے تاکہ مضبوط بنیاد پر قائم ہو سکے اس کے لئے پہلے چند سال محنت کرنی ہوگی۔

۱۰-آپ کا دسواں سوال یہ ہے کہ الیکشن میں خواتین کا کیا کردار ہونا چاہئے؟ کیا ان کے لئے الیکشن میں امیدوار بننا جائز ہے؟ کیا وہ قانون ساز اداروں کی ممبر بن سکتی ہیں؟

اس سلسلے میں قابلِ لحاظ یہ بات بھی ہے کہ ہندوستان میں تیزی سے یہ رجحان پنپ رہا ہے کہ سیاست میں عورتوں کی حصہ داری کو یقینی بنایا جائے۔ اس کے لئے مختلف ریاستوں میں اور مختلف سطحوں پر خواتین کے لئے سیٹیں ریزرو کی جارہی ہیں۔ یہاں تک کہ ہندوستان کی بعض ریاستوں میں پنچایت کی سطح پر پچاس فیصد سیٹیں عورتوں کے لئے ریزرو کر دی گئی ہیں اور لوک سبھا میں پارلیمنٹ میں خواتین کے لئے ۳۳ فیصد ریزرویشن کا بل پیش کیا جا چکا ہے اور قوی امید ہے کہ مستقبل میں یہ قانون کی شکل اختیار کر لے گا۔

آپ کے اس دسویں اور آخری سوال کا جواب یہ ہے کہ اصولی طور پر الیکشن میں خواتین کا حصہ لینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اس میں بہت سی شرعی اور معاشرتی قباحتیں موجود ہیں۔

اسلام میں عورت کا ایک دائرۂ کار مقرر ہے اور وہ ہر لحاظ سے فطرت کے عین موافق ہے۔ اگرچہ سوشل اور سماجی کاموں میں عورتیں شرعی حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے اور اپنے فرائض حیات پر کاربند رہتے ہوئے حصہ لے سکتی ہیں، لیکن الیکشن

میں ان کا امیدوار بننا شرعی طور پر بھی جائز نہیں ہے اور یہ عمل ہمارے خاندانوں کو کمزور کر سکتا ہے۔حکومت اگر سیٹیں ریزرو کرتی ہے تو کرتی رہے، لیکن ہمیں اپنی خواتین کی عزت وحرمت ریزرویشن سے کہیں زیادہ عزیز ہونی چاہیے۔

مضمون کے خاتمہ پر ایک بات عرض کرنی ہے کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں سیاست کو اوڑھنا بچھونا بنا لینا اور اپنے آپ کو سیاسی کشمکش میں مبتلا کرنا کچھ زیادہ مفید نہیں ہے۔

اس کے بجائے ہمارے لئے خدمتِ خلق کا میدان اور سماج کے معاملات خاص طور پر تعلیم زیادہ اہم ہونی چاہئے۔ ہمارے سامنے عیسائی اقلیت کی مثال موجود ہے کہ انہوں نے خدمت خلق اور تعلیم کا میدان سنبھال لیا اور اپنے آپ کو سیاسی کشمکش میں مبتلا نہیں کیا۔ وہ مسلمانوں سے زیادہ مؤثر ہیں اور قومی اعتبار سے فائدے میں ہیں۔

الیکشن سے مربوط شرعی احکام

ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام صدیقی ☆

۱-۲- حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں: ''شرعی نقطۂ نظر سے ووٹ کی حیثیت شہادت اور گواہی کی سی ہے اور جس طرح جھوٹی گواہی دینا حرام اور ناجائز ہے، اسی طرح ضرورت کے موقع پر شہادت کو چھپانا بھی حرام ہے: ''ولاتکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ آثم قلبہ'' ۔حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''من کتم شهادة إذا دعي إليها كان كمن شهد بالزور'' (جمع الفوائد بحوالہ طبرانی) اس کے بعد موصوف لکھتے ہیں: ''اس کا زیادہ سے زیادہ صحیح استعمال کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے (فقہی مقالات ۲/ ۲۸۷-۲۸۸) مشہور محقق اور فقیہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم کی تحریر ملاحظہ ہو: ''اگر ایک شخص غیر مستحق آدمی کو ووٹ دیتا ہے تو یہ شہادت زور بھی ہے شفاعت سیئہ بھی اور پوری امت پر ایک نااہل کو مسلط کرنا بھی ہے اور یہ سب کتنے گناہ کی باتیں ہیں وہ ظاہر ہے (قاموس الفقہ ۲/ ۲۴۰)۔

احقر کی رائے یہی ہے کہ ووٹ نہ دینے کی صورت میں تحفظ مسلمین نہ ہوسکے اور مسلمانوں کے حقوق پامال ہونے کا ظن غالب ہو تو ووٹ دینا واجب ہے اور ووٹ دے کر عدم تحفظ یقینی ہو تو نہ دینا واجب ہے۔

۳- از خود کوئی عہدہ یا منصب طلب کرنے کی ممانعت حدیث میں موجود ہے۔ **قال رسول الله ﷺ: لا تسأل الإمارة فإن أعطيتهاعن مسألة وكلت إليها وإن أعطيتها عن غير مسألة، أعنت عليها** (بخاری شریف) (امارت طلب نہ کرو جس نے عہدہ طلب کیا خدا کی نصرت اس پر نہیں ہوتی برخلاف اس شخص کے جسے بدون طلب منصب ملے)۔ **من سأل الإمارة وكل إليها** (بخاری ۲/ ۱۰۵۸)، حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحب علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: ''عام اصول تو یہی ہے کہ طلب قضاء درست نہیں، لیکن احوال کے تغیر یا نیت ومقصد کی وجہ سے اس کے احکام مختلف ہوجاتے ہیں، اگر ایک شخص یہ محسوس کرتا ہو کہ وہ منصب قضاء کی ذمہ داریوں کو پورا کرسکتا ہے اور کوئی دوسرا شخص اس کا اہل موجود نہیں یا اگر وہ

☆ شیخ الحدیث و پرنسپل جامعہ دار العلوم، مئو۔

نہیں کھڑا ہوگا تو یہ منصب غیر اہل کے پاس چلا جائے گا۔ تو ایسی صورت میں اس کے لئے نہ صرف یہ کہ اس منصب کی طلب جائز ہوگی بلکہ واجب ہوگی'' (اسلامی عدالت ۱/۲۰۰)۔ مولانا بدرالحسن صاحب قاسمی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں: ''اس رائے کے مقابلے میں ایک دوسری رائے بھی ہے جو مشارکت کے جواز کی قائل ہے، اس کی دلیل یوسف علیہ السلام کا وہ مطالبہ ہے جو انہوں نے عزیز مصر سے کیا تھا: ''**اجعلني على خزائن الأرض إني حفيظ عليم**'' بعدہٗ موصوف نے اسی آیت کے تحت علامہ آلوسی کی تفسیر روح المعانی ۵/۳ کا ترجمہ رقم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امیدوار کو عدل کے قیام اور دفع شر کا امکان ہو یا یہ کہ وہ وطن اور اہل وطن کے لئے واضح مصلحت سمجھتا ہو تو مطالبہ درست ہے (غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل صفحہ ۲۲۸۔۲۲۹) دکتور نور الدین الخادمی لکھتے ہیں: ''غیر مسلم ممالک کی سیاست میں مسلمان شریک نہ ہوں تو موجودہ تقاضے سے تجاہل برتنے اور ایک ضروری شرط سے عمداً چشم پوشی کرنے کے مترادف ہوگا (حوالہ سابق صفحہ ۲۴۹) اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا فیصلہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے'' غیر اسلامی نظامہائے حکومت کے مقابلہ میں مروج جمہوری نظام ہی مسلم اقلیتوں کے لئے قابل ترجیح ہے، لہٰذا اس نظام کے تحت مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا، امیدوار بننا، ووٹ دینا اور کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا جائز ہے (حوالہ سابق صفحہ ۴۹)۔

۴- اگر کسی منکر پر انکار اس سے بڑھ کر منکر کا باعث بن سکتا ہو تو فقہاء نے اس منکر پر سکوت جائز قرار دیا ہے، نیز اس منکر کی تائید اسے منکر سمجھتے ہوئے کی جاسکتی ہے ''**إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان**''، ''**من رأى منكم منكرا فليغيره بيده ومن لم يستطع فبلسانه وإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان**''، ''**ما لا يدرك كله لا يترك كله**'' کل کا حصول نہ ہوسکے تو جزء کو بھی کھو دینا دانشمندی نہیں۔ ان آیات واحادیث کی روشنی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اداروں کا ممبر بننا درست ہے، ہاں ایسے فیصلے جو شرعی نقطۂ نظر سے درست نہ ہوں مسلمانوں کو اس پر عمل نہ کرنے کی گنجائش ہے **لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق**، (بخاری شریف ۲/۱۰۶۴)، بہر حال جب یہ اندیشہ ہو کہ ممبران آنے والے بل کے خلاف ووٹ دیں گے یا واک آؤٹ کر جائیں گے تبھی وہیپ جاری کیا جاتا ہے۔ بندہ کے خیال میں یہ اکراہ غیر ملجی ہے اور اس اکراہ (خصوصاً اس ملک میں) سے بھی تکلیف شرعی کے سقوط کی گنجائش ملنی چاہئے۔

۵- اولاً غیر شرعی دفعات کے ختم کرنے کا مطالبہ کیا جائے، اگر اس میں ناکامی ہو تو دل سے ان کو برا سمجھتے ہوئے حلف برداری کی گنجائش نکلنی چاہئے۔

۶- اس کے جواب میں مکہ مکرمہ فقہ اکیڈمی کا فیصلہ عرض ہے: ''اگر کسی غیر اسلامی مملکت کی عدالت قسم لینے والے کے لئے توریت یا انجیل پر یا ان دونوں پر ہاتھ رکھنا ضروری قرار دیتی ہو تو مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ عدالت سے قرآن کریم پر

ہاتھ رکھنے کا مطالبہ کریں، اگران کا مطالبہ نہ مانا جائے تو اسے مجبور سمجھا جائے گا اور دونوں یا کسی ایک پر تعظیم کی نیت کے بغیر ہاتھ رکھنے میں کوئی حرج نہ ہوگا'' (اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے صفحہ ۱۲۰)۔

۷- اگر بعض دفعات جو مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغائر ہیں، اپنے منشور سے خارج کرنے پر راضی ہوجائیں تو ان کی حکومت میں شامل ہو سکتے ہیں اور اگر ظن غالب ہو کہ برابر کوشش کرنے سے مستقبل میں کامیابی مل سکتی ہے تو بھی شمولیت کی اجازت ملنی چاہئے، مگر ہاں پارلیمنٹ یا اسمبلی میں ایسا بل پیش ہو تو اس کی تائید ہرگز نہ کی جائے۔

۸- ایک شخص یا چند اشخاص کی رائے سے پارٹی کا ایجنڈہ یا منشور نہیں بدلتا تاوقتیکہ اکثریت کی رائے نہ ہو۔ اس لئے میرے خیال میں یہ خیال خام ہے کہ وہ پارٹی میں شامل ہوکر ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا اور وہ بھی اس طرح کی پارٹیاں جن کے مقاصد سوال میں مذکور ہیں، اس لئے اس طرح کی پارٹی میں شمولیت درست نہیں ہونا چاہئے۔ اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا فیصلہ بھی اس کی تائید میں پیش ہے: ''جن سیاسی جماعتوں نے اعلانیہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنی جماعت کا مقصد بنالیا ہو ان میں مسلمانوں کی شمولیت جائز نہیں اور ان کے کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی جائز نہیں ہے خواہ وہ ذاتی طور پر نیک خصلت ہو (غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل صفحہ ۴۹)۔

مولانا محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی سپرد قلم فرماتے ہیں: ''بہت سارے غیر مسلم ممالک میں ایسے مسلمانوں کے تعاون کے مثبت نتائج نہیں نکلے ہیں بلکہ الٹا انہیں بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا ہے'' (کتاب مذکور صفحہ ۳۲۰)۔

۹- ایسی سیاسی جماعتوں کی تشکیل سے فائدہ کی بہ نسبت نقصان زیادہ ہے۔ حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم کی رائے ان کے شاگرد مفتی اشرف علی قاسمی استاذ المعہد العالی حیدرآباد قاموس الفقہ ۱/ ۲۱۳ پر نقل کرتے ہیں کہ سیاسی پہلو سے آپ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں مسلمانوں کی آبادی مرکوز نہیں ہے، مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی جماعتیں مفید نہیں ہیں، بلکہ یہاں کے حالات میں سیکولر جماعتوں سے مسائل کی بنیاد پر معاہدہ کرکے سیاسی اشتراک زیادہ مناسب ہے۔

۱۱- عورت کی قیادت کی ممانعت صریح روایات سے ثابت ہے: **لن یفلح قوم ولوا أمرھم امرأۃ** (بخاری کتاب المغازی، ترمذی ابواب الفتن) **ما أفلح قوم یلی أمرھم امرأۃ** (مسند امام احمد بن حنبل)۔

مولانا سید جلال الدین انصر عمری دامت برکاتہم عورت اور سیاسی قیادت کے صفحہ ۲۸۵ پر رقم فرماتے ہیں: بعض مفسرین نے اس آیت ''**إني وجدت امرأۃ تملکھم**'' کے ذیل میں صراحت کے ساتھ کہا ہے کہ عورت کی سربراہی اسلام کی رو سے جائز نہیں، چنانچہ بخاری کی روایت کا حوالہ دیتے ہوئے علامہ ابن عربی مالکی کہتے ہیں: ''**ھذا نص فی أن المرأۃ**

لا تکون خلیفة ولا خلاف فیه" سید صاحب موصوف نے اسی کتاب کے صفحہ ۲۸۶ پر علامہ آلوسی کی وہ تفسیر بھی پیش کی ہے جو ماسبق کی موید ہے: "لیس فی الآیة ما یدل علی جواز أن تکون المرأة ملکة ولا حجة فی عمل قوم کفرة علی مثل ھذا المطلب"۔

جو حضرات حضرت عائشہؓ کی جنگ جمل میں شمولیت سے استدلال کرتے ہیں ان کی تردید میں عمری صاحب دامت برکاتہم نے اپنی کتاب عورت اور سیاسی قیادت میں صفحہ ۲۷۰ تا ۲۸۱ پر ایک بحث (جس کی سرخی تاریخ سے ایک غلط استدلال ہے) فرمائی ہے اور اس موضوع کے تعلق سے مفصلاً بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "بہر حال واقعہ انتہائی ہنگامی حالات کا نتیجہ تھا، اس میں حضرت عائشہؓ کو ایسے اقدامات کرنے پڑے جن کی توقع عام حالات میں ان سے ہرگز نہیں کی جاسکتی تھی، اس ایک واقعہ سے قطع نظر رسول اللہ ﷺ کے ارشادات، شریعت کے مزاج، صحابۂ کرام کے تعامل نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت منصب قیادت کی متحمل نہیں بعد کے ادوار میں بھی امت کا فی الجملہ یہی تعامل رہا ہے، اگر کچھ استثنائی مثالیں موجود بھی ہیں تو وہ حجت اور سند نہیں بن سکتیں۔ مشہور فقیہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: ولا تصلح العظمی للإمامة العظمی ولا التولیة البلدان ولھذا لم یول النبی ﷺ ولا أحد من خلفائه ولا من بعدھم امرأة قضاء ولا ولایة بلد فی ما بلغنا ولو جاز ذلک لم یخل منه جمیع الزمان غالبا (المغنی لابن قدامہ ۱۴/ ۱۳) عمری صاحب دامت برکاتہم مزید استثناء کے طور پر اپنی کتاب "عورت اور منصب امامت" کے صفحہ ۲۶۷ پر قاضی شوکانی کی تحریر پیش فرماتے ہیں: "فیه دلیل علی أن المرأة لیست من أھل الولایات، ولا یحل لقوم تولیتھا، لأن تجنب الأمر الموجب لعدم الفلاح واجب"، نیز حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی عبارت بھی بحوالہ اشعۃ اللمعات ۳/ ۳۰۹ پیش کرتے ہیں: "ازایں جا معلوم شد کہ زن قابل ولایت وامارت نیست (حوالہ سابق)۔

ان آراء کی روشنی میں احقر کی یہ رائے ہے کہ خاص حالات میں ایسی خواتین کو جن میں حمیت دینی اور حمایت اسلامی موجود ہو حجاب کی شرط کے ساتھ گنجائش نکلنی چاہئے۔

الیکشن سے مربوط مسائل

مولانا ابوسفیان مفتاحی☆

(۱) وباللہ التوفیق: ووٹ کی مختلف حیثیتیں ہیں: (۱) اس کی حیثیت شہادت کی ہے کہ وہ جس ممبر کو ووٹ دے رہا ہے اس کے بارے میں گواہ ہے کہ اس کو ملک وقوم کے لیے مفید اور خیر خواہ سمجھتا ہے۔ (۲) اس کی حیثیت مشورہ کی ہے کہ وہ حکومت اور نظم ونسق کے سلسلہ میں اپنی لیاقت کا اظہار کرتا ہے کہ کون زیادہ بہتر اور ایمان دار ذمہ دار ہوسکتا ہے۔ (۳) اس کی حیثیت سفارش کی ہے کہ وہ اپنے اس امیدوار کے لیے ایک اہم عہدہ اور ذمہ داری کی سفارش کرتا ہے (۴) اس کی حیثیت وکیل نامزد کرنے کی ہے کہ وہ سیاسی مسائل میں اس کو اپنا وکیل اور نمائندہ نامزد کرتا ہے۔ (۵) نیز اگر مسلم ہو تو ان سب کے علاوہ ووٹ کی حیثیت سیاسی بیعت کی ہے کہ وہ ووٹ کے ذریعہ متعلقہ امیدوار کو وکیل بناتا ہے کہ وہ اس کی طرف سے سربراہ مملکت کا انتخاب کرے، آج اگر وہ خوش قسمت ساعت آئے کہ دنیا کے کسی خطہ میں خلافت علی منہاج النبوۃ قائم ہو تو بظاہر اس کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ عامۃ المسلمین کے بالغ ومکلّف مرد اپنے ووٹ کے ذریعہ نمائندہ منتخب کریں اور پھر وہ باہمی رائے سے امیر کا انتخاب کریں اور تمام لوگوں کی طرف سے وکالۃ اور نیابۃ اس کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ بیعت کے لیے ضروری نہیں ہے کہ ہاتھ ہی سے بیعت کی جائے، چنانچہ امام بخاریؒ نے عبداللہ بن دینارؒ سے دوسندوں سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ عبدالملک بن مروان سے بذریعہ مراسلت بیعت کی ہے۔ ابن عمرؓ نے اس روایت میں اپنی طرف سے سمع وطاعت کا اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ میرے بچوں نے بھی اس کا اقرار کیا ہے (بخاری عن ابن عمر ۲/ ۱۰۹۲، باب کیف یباع الامام الناس)۔

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بات کافی ہے کہ ہر کسی کو بیعت کے لیے وکیل بنائے یا بیعت کرنے والا کسی کو بطور وکیل بھیجے کہ وہ اس کی طرف سے اظہار وفاداری کرے، چنانچہ رسول ﷺ نے ایک دفعہ عبادہ بن صامتؓ کو اپنی طرف سے بیعت لینے کا حکم فرمایا تھا (بخاری عن ابن شہاب ۲/ ۱۰۷۱، باب بیعۃ النساء)۔

☆ صدر مدرس جامعہ مفتاح العلوم، مئو۔

اپنے حق رائے دہی کے استعمال کی حیثیت بڑی نازک اور اہم ہے۔ایک شخص کو غیر مفید سمجھنے کے باوجود اس کو ووٹ دینا شہادت زور، جھوٹا مشورہ اور غلط سفارش جیسے گناہوں کا حامل ہے۔

اسی طرح مکرر ووٹ دینا دھوکہ دینا ہے، اور رائے دہی کی جو عمر متعین ہے اس سے کم عمر کے لوگوں کا ووٹ دینا بھی جائز نہیں۔اس کا اندازہ بعض روایات سے بھی ہوتا ہے: عبداللہ بن ہشامؓ کو ان کی والدہ زینب بنت حمیدؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئیں اور عرض کیا کہ ان کی بیعت فرما لیجئے، اس وقت وہ کم سن تھے، نبی ﷺ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعائیں دیں (بخاری عن عبداللہ بن ہشام ۲/۷۱، باب بیعۃ الصغیر)۔

چونکہ وہ بالغ نہیں ہوئے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے بیعت نہیں لی۔صرف دست شفقت پھیرنے پر اکتفا فرمایا (جدید فقہی مسائل ۱/۴۵۷، ۴۵۵)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ووٹ کی مختلف حیثیتیں ہیں: (۱) شہادت کی، (۲) مشورہ کی، (۳) سفارش کی، (۴) وکیل نامزد کرنے کی، (۵) سیاسی بیعت کی۔

(۲) وباللہ التوفیق: ووٹ شہادت کے درجہ میں ہے، لہٰذا ووٹر کی شہادت سیکولرزم امیدوار اور شریف الطبع اور ملک اور عوام کے حق میں مفید امیدوار کے بارے میں یہ ہے کہ اس کو ووٹ دینا جائز ہے چونکہ وہ بنسبت اور امیدواروں کے بہتر ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں کہ انتخابات میں ووٹ کی شرعی حیثیت کم از کم ایک شہادت کی ہے جس کا چھپانا بھی حرام ہے اور اس میں جھوٹ بولنا بھی حرام، اس پر کوئی معاوضہ لینا بھی حرام ہے، اس کو محض ایک سیاسی ہار جیت اور کھیل سمجھنا بڑی بھاری غلطی ہے، آپ جس امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں شرعاً آپ اس کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ شخص اپنے نظریے اور دیانت داری کی رو سے اس کام کا اہل اور دوسرے امیدواروں سے بہتر ہے جس کام کے لیے یہ انتخابات ہو رہے ہیں، اس حقیقت کو سامنے رکھیں تو اس سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

۱- آپ کے ووٹ اور شہادت کے ذریعہ جو نمائندہ کسی اسمبلی میں پہنچے گا وہ اس سلسلہ میں جتنے اچھے یا برے اقدامات کرے گا، ان کی ذمہ داری آپ پر بھی عائد ہوگی، آپ بھی اس کے ثواب یا عذاب میں شریک ہوں گے۔

۲- اس معاملہ میں یہ بات خاص طور سے یاد رکھنے کی ہے کہ شخصی معاملات میں کوئی غلطی بھی ہو جائے تو اس کا اثر بھی شخصی اور محدود ہوتا ہے۔ثواب وعذاب بھی محدود، قومی وملکی معاملات سے پوری قوم متاثر ہوتی ہے، اس کا ادنیٰ نقصان بھی بعض اوقات پوری قوم کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے، اس لیے اس کا ثواب وعذاب بھی بہت بڑا ہے۔

۳- سچی شہادت کا چھپانا از روئے قرآن حرام ہے، اس لیے آپ کے حلقۂ انتخاب میں اگر کوئی صحیح نظریہ کا حامل اور

دیانتدار نمائندہ کھڑا ہے تو اس کو ووٹ دینے میں کوئی کوتاہی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

۴-جو امیدوار نظام اسلامی کے خلاف کوئی نظریہ رکھتا ہے اس کو ووٹ دینا ایک جھوٹی شہادت ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔

۵-ووٹ کو پیسوں کے معاوضہ میں دینا بدترین قسم کی رشوت ہے اور چند ٹکوں کی خاطر اسلام وملک سے بغاوت ہے۔ دوسروں کی رضا سنوارنے کے لیے اپنا دین قربان کردینا کتنے ہی مال ودولت کے بدلہ میں ہو کوئی دانشمندی نہیں ہوسکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ شخص سب سے زیادہ خسارے میں ہے جو دوسرے کی دنیا کے لیے اپنا دین کھو بیٹھے (جواہر الفقہ ۲/ ۲۹۴، ۲۹۵)۔

(۳) وباللہ التوفیق: کسی مجلس کی ممبری کے انتخابات کے لیے جو امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہو وہ گویا پوری ملت کے سامنے دو چیز کا مدعی ہے: ایک یہ ہے کہ وہ اس کام کی قابلیت رکھتا ہے جس کا امیدوار ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ دیانت وامانت داری سے اس کام کو انجام دے گا۔ اب اگر وہ واقع میں اپنے اس دعویٰ میں سچا ہے یعنی قابلیت بھی رکھتا ہے اور امانت ودیانت کے ساتھ قوم کی خدمت کے جذبہ سے اس میدان میں آیا ہے تو اس کا یہ عمل کسی حد تک درست ہے۔

اور بہتر طریقہ اس کا یہ ہے کہ کوئی شخص خود مدعی بن کر کھڑا نہ ہو بلکہ مسلمانوں کی کوئی جماعت اس کو اس کام کا اہل سمجھ کر نامزد کرے اور جس شخص میں اس کام کی صلاحیت ہی نہیں، وہ اگر امیدوار ہو کر کھڑا ہو تو قوم کا غدار اور خائن ہے۔

اب ہر وہ شخص جو کسی مجلس کی ممبری کے لیے کھڑا ہوتا ہے اگر اس کو آخرت کی فکر ہے تو اس میدان میں آنے سے پہلے خود اپنا جائزہ لے لے اور یہ سمجھ لے کہ اس کی ممبری سے پہلے تو اس کی ذمہ داری صرف اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال ہی تک محدود تھی، کیونکہ بنص حدیث یہ شخص اپنے اہل وعیال کا بھی ذمہ دار ہے اور اب کسی مجلس کی ممبری کے بعد جتنی خلق خدا کا تعلق اس مجلس سے وابستہ ہے، ان سب کی ذمہ داری کا بوجھ اس کی گردن پر آتا ہے اور دنیا وآخرت میں اس ذمہ داری کا مسئول اور جواب دہ ہے (جواہر الفقہ ۲/ ۲۹۱)۔

معلوم ہوا کہ کوئی شخص ممبری کی امیدواری کا خود مدعی بن کر کھڑا نہ ہو، اگر وہ مسلمان ہو تو مسلمانوں کی کوئی جماعت اس کو اس کام کا اہل سمجھ کر نامزد کردے اور اگر وہ ہندو ہو اور اس کے ووٹر مسلمان بھی ہوں تو مسلم اور ہندوؤں کی سیکولر جماعت جو مذہبی عصبیت سے دور ہو اور ملک وقوم کے لئے فائدہ مند ہو اور شریفانہ ذہنیت رکھتا ہے، اس کو اس کام کا اہل سمجھ کر نامزد کردے، جیسے ہندوستان جیسے ہندو اکثریت کے ملک میں۔ اس صفت کے حامل شخص کو الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنا درست ہے۔

(۴) وباللہ التوفیق: جن ملکوں میں قانون ساز ادارے مخالف شریعت قوانین بناتے ہیں، ایسی صورت میں ان

اداروں کا ممبر بنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ تعاون علی الاثم ہے جو بنص قرآن کریم حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف لفظوں میں نہی فرمائی ہے اور نہی تحریم کے لیے ہے وہ آیت کریمہ یوں ہے: **ولا تعاونوا علی الاثم** ۔ اگر ہندوستانی حکومت ایسے قوانین وضع کرے اور مذہب اسلام کے خلاف پالیسی رکھے اور ووٹر کو اپنے مذہب کی بنیاد پر ووٹ دینے کا اختیار نہ ہو تو مسلمانوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس حکومت یا پارٹی کا ممبر بنانے کے لیے ووٹ دے۔

(۵) وباللہ التوفیق: جو لوگ قانون ساز اداروں کے رکن منتخب ہوں، ان کو دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے اور دستور میں بہت سی دفعات خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں، تو مسلم ممبر کے لیے مطلقاً دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانے کا عمل درست نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں تعاون علی الاثم ہے جو مسلمانوں کے لیے بنص قرآن کریم حرام ہے۔

(٦) وباللہ التوفیق: جن عیسائی ملکوں میں ہر ممبر کو بائبل پر حلف لینا پڑتا ہے تو مسلمان ارکان کے لیے بائبل پر حلف لینے کا عمل جائز نہیں ہے۔ چنانچہ جدید فقہی مسائل (۱/ ۴٦۹) میں ہے:

ہندوستان میں عدالتوں میں مسلمانوں سے قرآن اور ہندوؤں سے شاستر اٹھوایا جاتا ہے، لیکن بعض مغربی ممالک میں عدالت میں یہ شخص اس بات پر مجبور ہوتا ہے کہ تورات یا انجیل پر ہاتھ رکھ کر سچ بولنے کا عہدہ کرے، مسلمان چونکہ ان کتابوں کو محرف اور تبدیل شدہ یقین کرتے ہیں اور بحالت موجودہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی نسبت کو افتراء علی اللہ گردانتے ہیں، اس لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان کتابوں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائیں، کیونکہ یہ ان کتابوں کی تعظیم اور بحالت موجودہ ان کے من جانب اللہ ہونے کی تصدیق کرنے کے مرادف ہوگا، البتہ اگر وہ اس پر مجبور ہوں اور انصاف حاصل کرنا اور ظلم سے بچنا اسی پر موقوف ہو تو کراہت خاطر کے ساتھ ہاتھ رکھا جا سکتا ہے۔

چنانچہ رابطہ اسلامی کے تحت اسلامک فقہ اکیڈمی کے اجلاس منعقدہ ۸ تا ١٦ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ میں علماء اس مسئلہ میں جن نکات پر متفق ہوئے ان میں ایک یہ ہے کہ **"إذا كان القضاء في بلد ما حكمه غير إسلامي يوجب على من توجهت عليه اليمين وضع يده على التوراة أو الإنجيل أو كليهما فعلى المسلم أن يطلب من المحكمة وضع يده على القرآن فإن لم يستجب بطلبه يعتبر مكرهاً، ولا بأس عليه أن يضع يده عليهما أو على أحدهما دون أن ينوي بذلك تعظيماً** (قرارات مجلس المجمع الفقہی الاسلامی ۱۴۰۲ھ/ ۸۵)۔

(۷) وباللہ التوفیق: جو سیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں، لیکن ان کے منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغایر ہوتی ہیں اور اس کے متبادل پارٹیاں زیادہ گندی اور خطرناک ہیں اور ان کو اسلام یا مسلم مفادات سے عناد ہے تو اصول فقہ کے اہون البلیتین کی اصل کے مطابق ایسی پارٹیوں

میں شامل ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس شرط سے کہ علماء وفقہاء اور ارباب افتاء رابطہ کے بعد ان کی متفقہ یا اکثریت کی رائے یہی قرار پائی ہو، اور وہ اس کی اجازت دے دیں اور تحریراً و تقریراً عام مسلمانوں سے اس کی اپیل کر دیں اور موجودہ ہندوستان میں اسی کے مطابق عمل ہونا چاہیے۔

اور ایسی پارٹیوں میں شامل ہونے والے، انتخاب لڑنے والے اور ان کی حکومت میں شامل ہونے والے کی نیت ہو کہ ساتھ رہ کر اخلاص کے ساتھ اصلاح کی کوشش ہو کہ جو دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے خلاف ہیں، رفتہ رفتہ نرمی سے مذاہب کی اہمیت ان کے دل و دماغ میں بیٹھا کر ان دفعات کو منشور سے نکلوا دیا جائے یا ان سے چشم پوشی کی جائے، موجودہ ہندوستان میں یہی صورت بہتر ہے۔

(۸) وباللہ التوفیق: جو پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمان کی مخالفت ہو تو کسی مسلمان کے لیے اس پارٹی میں شریک ہونا جائز نہیں ہوگا، اگر کسی کی نیت ہو کہ وہ پارٹی میں شریک ہو کر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا تو اگر اس کو اپنی اس کوشش میں کامیابی کی غالب امید ہو تو اس کے لیے اس پارٹی میں شامل ہونے کی گنجائش ہوسکتی ہے، لیکن واقعہ بالکل اس کے خلاف ہے، کیونکہ ہندوستان میں مشاہدہ ہے کہ جو ایسی پارٹی میں شامل ہوتا ہے، وہ اسی پارٹی کا ہو کر ہی رہ جاتا ہے، لہٰذا اس پارٹی میں شامل ہونے کی گنجائش نہ بنائی جائے۔

(۹) وباللہ التوفیق: جس ملک میں مسلمان اقلیت میں ہیں جیسے ہندوستان وہاں اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں تو اسلام کو ترجیح دینے کے ساتھ اور دیگر مذاہب عدم مخالفت کے ساتھ اور ان کی عوام کی جان و مال کے تحفظ کی ذمہ داری اور عزت و ناموس کی حفاظت کرتے ہوئے تو مسلمانوں کے لیے الگ سیاسی جماعت قائم کرنا درست ہوگا اگر مسلمانوں کی آبادی مرتکز ہو اور جہاں مسلمانوں کی آبادی مرتکز نہ ہو وہاں خصوصاً اور دوسرے علاقوں میں عموماً مسلم سیاسی جماعت کے قیام کی صورت میں مسلمان مخالف ووٹ کے متحد ہونے کا خدشہ ہو اور اس سے فرقہ پرست تنظیمیں فائدہ اٹھالیں تو وہاں مسلم سیاسی جماعت کے قائم کرنے کی اجازت نہ ہونی چاہیے، کیونکہ اس میں مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و ناموس کی بربادی اور خطرہ ہے۔

(۱۰) یہ بات قابل لحاظ ہے کہ موجودہ ہندوستان میں بہت تیزی سے یہ رجحان پنپ رہا ہے کہ سیاست میں عورتوں کی حصہ داری کو یقینی بنایا جائے، اس کے لیے مختلف ریاستوں میں مختلف سطحوں پر خواتین کے لیے سیٹیں ریزرو کی جارہی ہیں۔ یہاں تک کہ ہندوستان کی بعض ریاستوں میں پنچایت کی سطح پر پچاس فیصد سیٹیں عورتوں کے لیے ریزرو کردی گئی ہیں اور لوک سبھا سے پارلیمنٹ میں خواتین کے لیے ۳۳ فیصد ریزرویشن کا بل پیش کیا جاچکا ہے اور قوی امید ہے کہ مستقبل میں یہ قانون

کی شکل اختیار کرلے، نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلم اکثریت کے شہر وقصبہ اور گاؤں میں پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں ممبر منتخب ہونے کے لیے اور چیئر مین پردھان اور مکھیا ہونے کے لیے حکومتی سطح پر مہیلا (عورت کی) سیٹ مقرر کردی جاتی ہے کہ ان میں ممبر عورت ہی ہوسکتی ہے مرد وہاں الیکشن نہیں لڑسکتا، امیدوار نہیں ہوسکتا، اور کبھی اسی کو بدل دیا جاتا ہے۔ان حالات کے مدنظر مسلمانوں کی جان اور عزت وناموس کی حفاظت کے لیے مصلحتاً خواتین کو اجازت دی جائے کہ ووٹنگ میں حصہ لے سکیں اور الیکشن میں امیدوار بنیں اور قانون ساز اداروں کی ممبر بنیں۔

الیکشن سے مربوط احکام

مفتی انور علی الاعظمی ☆

سوال (۱) ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ووٹ کے بارے میں تین حیثیتوں کا ذکر کیا ہے: (۱) شہادت (۲) شفاعت (۳) وکالت۔

ووٹ دینے والا شخص اپنے امیدوار کے حق میں یہ گواہی دیتا ہے کہ یہ اس عہدہ کے لائق ہے اور امانت و دیانت کے ساتھ اپنی ذمہ داری پوری کرے گا یا وہ اس کے لیے لائق و فائق ہونے کی سفارش کرتا ہے یا اسے اپنی طرف سے وکیل بناتا ہے، ان تینوں حیثیتوں میں مفتی شفیع صاحبؒ کے نزدیک زیادہ اہم حیثیت شہادت کی معلوم ہوتی ہے، چنانچہ وہ اپنے رسالہ ووٹ کی شرعی حیثیت میں لکھتے ہیں:

انتخابات میں ووٹ کی شرعی حیثیت کم از کم ایک شہادت کی ہے جس کا چھپانا بھی حرام ہے اور اس میں جھوٹ بولنا بھی حرام ہے اور اس پر کوئی معاوضہ لینا بھی حرام (جواہر الفقہ ۲۹۴)۔

مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے ووٹ کو ایک شہادت تسلیم کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: شرعی نقطہ نظر سے ووٹ کی حیثیت شہادت اور گواہی کی سی ہے جس طرح جھوٹی گواہی دینا حرام اور ناجائز ہے، اسی طرح ضرورت کے موقع پر شہادت کو چھپانا بھی حرام ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے: **ولا تکتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه**'' (اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو شخص گواہی کو چھپائے اس کا دل گنہگار ہے)۔

ہندوستان جیسے ملک میں ووٹ کو شہادت، شفاعت اور وکالت کا درجہ دینے میں بعض جگہوں پر بہت دشواری پیش آتی ہے، کیونکہ کہیں کہیں سارے ہی امیدوار نااہل ہوتے ہیں، اگر ہم ان کے حق میں شہادت دیتے ہیں تو یہ شہادت زور ہوگی جو اکبر کبائر میں ہے اور اگر سفارش کرتے ہیں تو غلط آدمی کی سفارش کرنا بھی گناہ ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

☆ دارالعلوم، مئو۔

ومن یشفع شفاعة سیئة یکن له کفل منها (اور جو شخص بری سفارش کرتا ہے اس میں اس کو حصہ ملتا ہے)، اسی طرح وکالت کا مسئلہ بھی ہے وہ بھی حقوق مشترکہ میں وکالت بحیثیت وکیل جیتنے کے بعد ہمارا امیدوار جو کام کرے گا ہم بھی اس کے حصہ دار ہوں گے۔ چنانچہ مفتی شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں: تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک، صالح اور قابل آدمی کو ووٹ دینا موجب ثواب عظیم ہے اور اس کے ثمرات اس کو ملنے والے ہیں، اسی طرح نااہل یا غیر متدین شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری سفارش بھی ہے اور ناجائز وکالت بھی اور اس کے تباہ کن ثمرات بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے (انتخابات میں ووٹ، ووٹر اور امیدوار کی شرعی حیثیت ۱؍۲۹۳)۔

اس لیے ان تینوں جہات کے ساتھ ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں ایک چوتھے احتمال کی گنجائش بھی نکل سکتی ہے وہ ہے رائے اور مشورہ، یعنی ہم امیدواروں میں اپنی رائے کا استعمال فلاں کے حق میں کرتے ہیں اور ہم موجودہ امیدواروں میں ایمانداری کے ساتھ اس عہدہ کے زیادہ لائق یا نسبتاً زیادہ مناسب فلاں امیدوار کو سمجھتے ہیں، اس لیے اپنے حق رائے دہی کا استعمال اسی کے حق میں کرتے ہیں، ووٹ کا لفظی معنی بھی یہی ہوتا ہے، Vote for لغت میں رائے دینے کو کہتے ہیں اور ووٹر کو رائے دہندہ کہا جاتا ہے۔

سوال (۲) اگر ووٹ شہادت کے درجہ میں ہے تو ووٹ دینا صرف جائز ہوگا یا مستحب یا واجب؟

اس سوال کا جواب اس بات پر موقوف ہے کہ امیدوار کیسا ہے؟ اگر چند امیدواروں میں سب کے سب نااہل ہیں، مال و دولت کے حریص ہیں، اپنے عہدہ کا غلط استعمال کرنے والے ہیں تو ایسی صورت میں ان کے حق میں شہادت دینا شہادت زور ہوگا، اور شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے شہادت زور کو اکبر کبائر میں شمار کیا ہے، لہٰذا اس صورت میں ووٹ دینا ناجائز ہوگا اور اگر ان میں کوئی امیدوار اچھا ہے، اس کے بارے میں گمان غالب ہے کہ وہ جیتنے کے بعد اپنے عہدہ کا صحیح استعمال کرے گا تو اس کے حق میں ووٹ دینا واجب ہوگا، کیونکہ شہادت کو چھپانا بھی گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”ولا تکتموا الشهادة ومن یکتمها فإنه آثم قلبه“ (اور تم شہادت کو نہ چھپاؤ اور جو شخص چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہوگا) اور جہاں امیدوار کی اچھائی کا گمان غالب تو نہ ہو لیکن مجموعی طور پر اس کا جیتنا ملک وملت کے حق میں مفید ہو، اس کو ووٹ دینا جائز ہونے کے ساتھ مستحب ہوگا۔

سوال (۳) الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس سلسلے میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تحریر میں یہ مذکور ہے کہ کسی مجلس کی ممبری کے انتخابات کے لیے جو امیدوار کھڑا ہو وہ گویا پوری ملت کے سامنے دو چیزوں کا مدعی ہے، ایک یہ کہ وہ اس کی قابلیت رکھتا ہے، دوسرے یہ کہ وہ

دیانت اور امانت داری سے اس کام کو انجام دے گا، اب اگر وہ اس دعوے میں سچا ہے اور اسی جذبہ کے ساتھ اس میدان میں آیا ہے تو اس کا یہ عمل کسی حد تک درست ہے اور اس کا بہتر راستہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت اس کو اس کام کا اہل سمجھ کر نامزد کرے اور جس شخص میں اس کام کی صلاحیت ہی نہیں ہے وہ اگر امیدوار ہو کر کھڑا ہو تو قوم کا غدار اور خائن ہے (انتخابات میں ووٹ ووٹر اور انتخابات کی شرعی حیثیت، ص:۲۹۱)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کسی آدمی کا عہدہ یا امارت کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنا شریعت میں ناپسندیدہ ہے، جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے: **لاتسئل الامارة فانک ان اعطیتها عن مسئلة وکلت الیها وان اعطیتها عن غیر مسئلة اعنت علیها** (متفق علیہ مشکوۃ شریف: ص:۳۲۰) (اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حکومت اور ولایت کا سوال مت کرو، اگر سوال کرنے پر دی جائے گی تو تم اس کے سپرد کر دیے جاؤ گے اور اگر بغیر سوال کے دی جائے گی تو اس پر تمہاری مدد کی جائے گی) اس حدیث کی بنیاد پر کسی شخص کا اپنے آپ کو پیش کرنا تو درست نہیں ہے، لیکن مسلمانوں کی کوئی جماعت کسی شخص کو اس کا اہل سمجھ کر بحیثیت امیدوار کھڑا کرے تو یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے، لیکن اگر کہیں سارے ہی امیدوار نااہل ہوں اور کوئی اہل اپنے آپ کو اس بنا پر پیش کرے کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں دوسرے لوگ اس کام کو ضائع کر دیں گے تو اس کی بھی گنجائش ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے آپ کو پیش کرنا اس کی واضح دلیل ہے۔

سوال (۴) غیر مسلم ملکوں میں اور بہت سے مسلم ملکوں میں بھی قانون ساز ادارہ مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں، ایسی صورت میں ان اداروں کا ممبر بننا درست ہوگا یا نہیں؟ خاص کر ان حالات میں کہ ہندوستان کے موجودہ قانون کے مطابق اگر کوئی پارٹی اپنے ممبروں کے لیے وہیپ جاری کر دے تو وہ پارٹی کی پالیسی کے مطابق ووٹ دینے کا پابند ہو جاتا ہے اور اپنی ضمیر کی آواز پر ووٹ دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔

جواب: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے غیر اسلامی مملکت کے کلیدی عہدوں پر (مثلاً ممبر پارلیمنٹ) وغیرہ پر فائز ہونے کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اصولی طور پر تو ظاہر ہے کہ یہ بات جائز نہ ہوگی جبکہ ایسی ملازمتوں میں سیکولر اور غیر مذہبی ریاست ہونے کے لحاظ سے اسلامی قانون اور منصوص احکام کے خلاف فیصلوں میں شریک ہونا اور اس کی تنفیذ کا ذریعہ بننا پڑے گا، مگر اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر مسلمان ایسی ملازمت سے یکسر کنارہ کش ہو جائیں تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ اسلام کے بچے کھچے آثار اور مسلمانوں کے دینی، تہذیبی اور دنیوی مفاد کا تحفظ دشوار ہو جائے گا اور مسلمان اس مملکت میں سیاسی اعتبار سے مفلوج اور تہذیبی اور مذہبی لحاظ سے مجبور اور اچھوت شہری بن کر رہ جائیں گے۔ اس کی واضح نظیر حضرت یوسف علیہ السلام کا فرعون مصر کے خزانہ کی وزارت قبول کرنا ہے، بلکہ اس کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنا ہے، چنانچہ

فقہا کے یہاں بھی ایسی نظیریں موجود ہیں: **ویوجر من قام بتوزیعھا بالعدل بأن یحمل کل واحد بقدر طاقته، لأنه لو ترک توزیعھا لذلک ربما یحمل بعضه مالایطیق فیصیر ظلما علی ظلم ففی قیام العارف بتوزیعھا بالعدل تقلیل لظلم فلذا یؤجر۔**

(ہاں وہ شخص ماجور ہوگا جو عدل کے ساتھ تقسیم کا فریضہ انجام دے کہ وہ ہر ایک پر اس کی طاقت کے بقدر لازم کرے، اس لیے کہ وہ اس کی تقسیم کا کام کسی ظالم کو سونپ دے تو بسا اوقات وہ بعض لوگوں پر ان کی طاقت سے زیادہ لازم کردے گا اور یہ ظلم بالائے ظلم ہوجائے گا، لہٰذا ایسے آدمی کا اس ذمہ داری کا قبول کرنا جو عدل کے ساتھ تقسیم سے واقف ہو، ظلم کو کم کرے گا اور اس لیے اجر کا حقدار رہوگا) (بحوالہ ردالمحتار جدید فقہی مسائل، مصنفہ: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، ص: ۲۵۲)۔

مولانا ظفر احمد تھانوی نے یہ لکھا ہے کہ اصحاب تحقیق علماء نے اسوۂ یوسفی سے یہ حکم مستنبط کیا ہے کہ کافرانہ قیادت کے تحت منصب قبول کرنا جائز ہے (اعلاء السنن، ص: ۱۴، ج: ۱۵)۔

اسی طرح متعدد صحابہ اور تابعین کے طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ ظالم یا فاسق قیادت کے تحت کوئی عہدہ قبول کرنا جائز ہے، چنانچہ حجاج کے دور میں ابوموسیٰ اشعری کے صاحبزادے ابوبردہ حجاج کی طرف سے قاضی بنائے گئے اور سعید بن جبیر کو ان کا معاون قرار دیا گیا (زیلعی ۲/ ۲۰۳)۔

ابن القطان کا بیان ہے کہ ابومحمد طلحہ بن عبداللہ بن عوف زید بن معاویہ کے عہد حکومت میں مدینہ کے قاضی تھے۔ طلحہ بن عبداللہ مشہور تابعی ہیں اور ابن عباس، ابوبکر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، جب قضاء جیسے نازک منصب قبول کرنا جائز ہے تو دوسرے عہدے قبول کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں محض ان خطرات کے پیش نظر مسلمان ان اداروں کا بائیکاٹ نہیں کرسکتے کہ یہ ادارے مخالف شریعت قوانین بناتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کی بڑی تعداد کے موجود رہنے پر یا حکومت میں موثر حیثیت بنانے کی صورت میں ایسے قوانین کو روکنا ممکن ہے اور الگ تھلگ رہ کر روکنے کی کوئی شکل نہیں۔

اگر اسمبلی یا پارلیمنٹ میں مسلمان ممبران موجود ہوں تو شریعت مخالف بل کے خلاف احتجاج کرسکتے ہیں اور حصہ نہ لینے کی صورت میں اسلام مخالف پارٹیوں کے لیے ایسے بل پاس کرانا زیادہ آسان ہوگا۔

سوال (۵) جو لوگ قانون ساز اداروں کے رکن منتخب ہوں، انہیں دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے اور دستور میں بہت سی دفعات خلاف شریعت ہوتی ہے تو یہ عمل کہاں تک درست ہوگا؟

جواب: کفایۃ المفتی میں ایک سوال ہے: سوال: کسی اسلامی انجمن کے کام کو نہایت اخلاص سے کرنے کے لیے

آپس میں بدظنی کے خیال کو دور کرنے کے لیے کارکنوں کو حلف اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ کسی مشروع کام کرنے کا معاہدہ یا حلف کرنا ناجائز تو نہیں ہے لیکن بہتر نہیں ہے، کیونکہ وہ کام اگر ضروری (فرض یا واجب) ہے تو خود شریعت کا حکم اس کے لیے کافی ہے اور مسنون یا مستحب ہے تو معاہدہ یا حلف سے ایک قسم کی پابندی اور سختی عائد ہو جاتی ہے اور صورت خلاف عہد شکنی یا حلف شکنی لازم آتی ہے (کفایت المفتی ۲/۱۹۵)۔

ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے الیکشن کا بائیکاٹ کرنا بھی ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اسمبلی اور پارلیمنٹ کی رکنیت سے علیحدہ رہنا مناسب ہے، اگر مسلمان قانون ساز اداروں سے قطع تعلق رہیں تو کافروں کی اکثریت بلکہ ان کی اجتماعیت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایسے قانون بنائے گی کہ مسلمانوں کے لیے اس ملک میں رہنا ہی مشکل ہو جائے گا، اس لیے مجبوری کے درجہ میں مسلمانوں کا اس ملک کے قانون ساز اداروں میں شریک ہونا ضروری ہے۔ اگر اس کے لیے دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے تو یہ ایک اضطراری مجبوری ہے اور ہندوستان کا دستور بھی مجموعی طور پر سیکولر ہے، اس کے بعض دفعات اسلام کے خلاف ہیں، لیکن دستور کا بڑا حصہ تمام مذاہب کے لیے آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔

مزید برآں یہ کہ اگر اسلام مخالف کوئی قانون پارلیمنٹ پاس کرتی ہے تو مسلمانوں کو اس پر احتجاج کرنے کا پورا حق ہے اور چونکہ ملک کی اکثر پارٹیاں مسلمانوں کے ووٹ کے بغیر اپنی حکومت نہیں بنا سکتیں، اس لیے وہ مسلمانوں کے احتجاج کو نظرانداز نہیں کر سکتیں۔

سوال (۶) بعض عیسائی ملکوں میں ہر ممبر کو بائبل پر حلف لینا پڑتا ہے خواہ وہ کسی مذہب کا ہو، تو کیا مسلم ارکان کے لیے یہ عمل درست ہوگا؟

اللہ کے علاوہ کسی کی قسم کھانے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔ صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ نے عمر بن خطاب کو چند سواروں کے بیچ میں پایا اور حضرت عمر اپنے باپ کی قسم کھا رہے تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے ان لوگوں کو پکار کر کہا کہ اللہ تم کو اپنے باپ کی قسم کھانے سے روکتا ہے۔ "فمن کان حالفا فلیحلف باللہ أو لیصمت"، کہ لوگو! اپنے باپ کی قسم نہ کھاؤ جس کو قسم کھانا ضروری ہی ہے وہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے (صحیح مسلم: ج:۲ص:۴۶)۔

احناف کے یہاں اگر کوئی شخص قرآن کی قسم کھاتا ہے تو بعض حضرات کے یہاں منعقد نہیں ہوگی، لیکن علامہ ابن ہمام نے یہ کہا ہے کہ قرآن کی قسم کھانا لوگوں کے نزدیک متعارف ہے، اس لیے منعقد ہوگی۔

مفتی تقی عثمانی مدظلہ العالی تکملہ فتح الملہم میں تحریر فرماتے ہیں: واما الحلف بالقرآن فجوزہ بعض الفقھاء لأنہ صفة من صفات اللہ تعالیٰ وانکرہ بعضھم لانہ یراد بہ الفاظ القرآن وانھا لیست بصفة، وکذلک اختلفوا فی الیمین بالقرآن فذکرصاحب الھدایة ان الیمین لاینعقد بہ لانہ غیرمتعارف واستنبط ابن الھمام من ھذا التعلیل انہ ینعقد عندما تعارف الناس بالیمین بہ و لذلک افتی علماء الحنفیة بانعقاد الیمین بہ فی زماننا و راجع ردالمحتار (تکملہ فتح الملہم ۲/۱۸۰)۔

اس عبارت کی روشنی میں یہ بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ مسلمانوں کے یہاں قرآن کے علاوہ دوسری آسمانی کتابوں کے ساتھ قسم کھانا متعارف نہیں ہے، اس لیے اگر کسی ممبر نے بائبل پر مجبوری میں حلف لے ہی لیا تو وہ منعقد نہیں ہوگی، البتہ غیر اللہ کی حلف نہیں لینا چاہیے، ایسا کرنے کی وجہ سے اس نے ایک فعل مکروہ کا ارتکاب کیا، مجبوری میں اگر ایسا کرنا پڑتا ہے تو بعد میں توبہ کرے اور حلف لینے والا اپنے دل میں اس بائبل کی نیت کرے جو منزل من اللہ ہے۔

سوال(۷) بعض سیکولر سیاسی پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں، لیکن ان کے منشور کے بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغائر ہوتی ہیں، تو کیا ایسی پارٹی میں شریک ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونا جائز ہوگا؟

جواب: ایسے ملکوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں ان کے لیے بہت ساری نزاکتیں ہوتی ہیں، اقلیت میں ہونے کی بنا پر مسلمان اپنی حکومت نہیں بنا سکتے، بعض پارٹیاں کھلے طور پر مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کرتی ہیں، مسلمانوں کی جان و مال، عزت و آبرو ان کے نگاہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی، ان کا منشا یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ملکی سیاست میں بے حیثیت اور بے وزن کردیا جائے، اگر ایسی پارٹیاں ملک کے اقتدار اعلیٰ پر قابض ہوجائیں تو وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن تدبیر کریں گی، ایسی صورت حال میں وہ سیکولر پارٹیاں جو مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ کرنے کا وعدہ کریں اور تجربہ سے اس کی تائید بھی ہوتی ہو تو ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونا مسلمانوں کے لیے جائز ہوگا۔ رہ گیا کہ اگر ان کے منشور کی بعض دفعات اسلام اور مسلم مفادات کے مخالف ہوں تو پارٹی میں رہ کر اس کے دفاع کی شکل اپنائی جاسکتی ہے؟ جس پارٹی کو مسلمانوں کے ووٹ ہی سے حکومت بنانے کی امید ہو، اگر بڑی تعداد میں اس میں مسلمان شامل ہیں تو وہ پارٹی مسلمانوں کا دباؤ قبول کرے گی، دنیا کے موجودہ حالات میں جب تک ذہن سازی نہ ہو پاکستان اور مصر جیسے مسلم ملکوں میں بھی مکمل اسلامی قانون نافذ کرنا مشکل ہے تو ہندوستان جیسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، کسی غیر مسلم سربراہ کو

اسلام کے اصولوں کا پابند کرنا کیسے ممکن ہوسکتا ہے، لہٰذا الضرر الاشد یزال بالاخف کے قاعدے سے مسلمانوں کے لیے ایسی سیکولر پارٹیوں میں شمولیت جائز ہوگی۔

سوال(۸) جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اوران کے منشور میں اسلام اور مسلمان کی مخالفت شامل ہو تو کیا کسی مسلمان کے لیے اس پارٹی میں شریک ہونا جائز ہوگا؟ نیز اگر کسی کی نیت ہو کہ وہ پارٹی میں شریک ہوکر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا تو کیا اس کے لیے اس پارٹی میں شامل ہونے کی گنجائش ہوگی؟

جواب: جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور سے مسلم دشمن ہیں اوران کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہوتو اس پارٹی میں کسی مسلمان کو شریک ہونا جائز نہ ہوگا اور رہا ایسا شخص جس کی نیت ہو کہ اس میں شامل ہوکر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا تو یہ کام بڑا مشکل ہے، ایک شخص یا چند اشخاص پارٹی کا منشور نہیں بدل سکتے اور جب پارٹی کا منشور ہی اسلام اور مسلمان کی مخالفت پر مشتمل ہو تو ایسی پارٹی کی مدد کرنا تعاون علی الاثم والعدوان کے مترادف ہے اور اسلام دشمن طاقتوں کو قوت پہنچانا ہے، لہٰذا اس کی گنجائش نہیں ہے۔

سوال(۹) ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں وہاں مسلمانوں کے لیے علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا جائز ہوگا؟ جبکہ سیکولر ایجنڈے کے تحت ہی کام کرنا پڑتا ہے نیز ایک احساس یہ بھی ہے کہ جہاں مسلمانوں کی آبادی مرتکز نہیں ہے، وہاں خصوصاً اور دوسرے علاقہ میں عموماً مسلم سیاسی جماعت کا قیام مسلمان مخالف ووٹ کو متحد کر دیتا ہے اور اس سے فرقہ پرست تنظیمیں فائدہ اٹھالیتی ہیں۔

جواب: ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، مسلمانوں کے لیے علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا مناسب نہیں، کیونکہ اس وقت تمام ہندو تنظیمیں اور دوسری سیاسی پارٹیاں مل جائیں گی اور مسلمانوں کے خلاف متحدہ سیاسی محاذ بنالیں گی، اس کی وجہ سے فرقہ واریت بڑھے گی۔ اس صورت میں مسلمانوں کے لیے بجائے نفع کے نقصان کا غالب اندیشہ ہے۔ ہندوستان جیسے ملک میں اس کے متعدد تجربہ کیے گئے۔ اس وقت یوپی میں علماء کونسل، پیس پارٹی اور بھی چھوٹی بڑی سیاسی پارٹیاں سرگرم عمل ہیں، لیکن مجموعی طور پر ان سے نفع کی شکل دکھائی نہیں دیتی ہے اور یہ بات تو بہت مشکل ہے کہ کشمیر چھوڑ کر ہندوستان کے کسی صوبہ میں کوئی مسلم پارٹی اپنی سرکار بنا سکے۔ مرکز میں یہ معاملہ اور بھی دشوار کن ہے، اس لیے ان حالات میں الگ سیاسی پارٹی بنا کر مسلمانوں کو متحد کرنا یہ ممکن بھی نہیں ہے اور ایسا کرنے میں مسلمانوں کے لیے زیادہ نفع کی امید بھی نہیں ہے۔ ماضی قریب میں ہندوستان کے دو بڑے عالم جو سیاسی سوجھ بوجھ بھی رکھتے تھے فقیہ ملت حضرت مولانا مجاہد الاسلام

صاحب قاسمی اور حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمہم اللہ ان حضرات نے اپنے سیاسی تجربہ کی بنا پر یہی نتیجہ نکالا کہ مسلمانوں کا الگ پارٹی بنا کر الیکشن لڑنا کچھ زیادہ مفید نہیں ہے اور یہ بات تجربے سے ثابت ہو رہی ہے کہ اگر بھاری پیمانے پر مسلمان متحد ہو جائیں تو یقیناً تمام سیاسی پارٹیاں ان کے خلاف محاذ آرا ہو جائیں گی اور اس سے ملک کے فرقہ پرستوں کو مسلمانوں کے خلاف اپنے مقاصد پورا کرنے کا موقع ملے گا۔

سوال (۱۰) ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ الیکشن میں خواتین کا کیا کردار ہونا چاہیے، انہیں ووٹنگ میں حصہ لینا چاہیے، کیا ان کے لیے الیکشن میں امیدوار بننا جائز ہے؟ کیا وہ قانون ساز اداروں کی ممبر بن سکتی ہیں؟ اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ہندوستان میں تیزی سے یہ رجحان پنپ رہا ہے کہ سیاست میں عورتوں کی حصہ داری کو یقینی بنایا جائے اس کے لیے مختلف ریاستوں میں اور مختلف سطحوں پر خواتین کے لیے سیٹیں ریزرو کی جا رہی ہیں، یہاں تک کہ ہندوستان کی بعض ریاستوں میں پنچایت کی سطح پر پچاس فیصد سیٹیں عورتوں کے لیے ریزرو کر دی گئی ہیں اور لوک سبھا سے پارلیمنٹ تک خواتین کے لیے ۳۳ فیصد ریزرویشن کا بل پیش کیا جا چکا ہے اور قوی امید ہے کہ مستقبل میں یہ قانون کی شکل اختیار کر لے۔

جواب: جمہوری ملک میں اور وہ بھی ہندوستان جیسے ملک میں ووٹ میں حصہ نہ لینے کی صورت میں بہت ساری پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں، بہت سی جگہوں پر اگر خواتین ووٹ میں حصہ نہ لیں تو مسلم امیدوار مسلم ووٹوں کی اکثریت کے باوجود بھی ہار جائیں گے اور اسمبلی یا پارلیمنٹ میں ہماری نمائندگی مفقود ہو جائے گی بلکہ ووٹ میں حصہ نہ لینے پر خواتین کی قومیت کا مسئلہ بھی خطرہ میں پڑ سکتا ہے، اس لیے ووٹنگ میں حصہ لینا بہر حال ایک بہت بڑی مجبوری ہے اور انہیں ووٹنگ میں حصہ لینا چاہیے، البتہ ان کا الیکشن میں امیدوار بننا اور قانون ساز اداروں کا ممبر بننا ایک مشکل مسئلہ ہے، اس لیے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے کسریٰ کی بیٹی کے بادشاہ بنائے جانے پر یہ ارشاد فرمایا تھا: ''کیف یفلح قوم ولوا علیھم امراۃ'' فی الحال جب تک لوک سبھا سے پارلیمنٹ میں خواتین کے لیے ریزرویشن کا بل پاس نہیں ہوجاتا اس وقت تک تو مسلمانوں کو یہی دباؤ بنانا چاہیے کہ یہ بل پاس نہ ہو سکے، البتہ پنچایت کی سطح پر بہت ساری ریاستوں میں عورتوں کے لیے سیٹیں ریزرو ہو گئی ہیں، ایسی جگہوں پر مسلمانوں کے لیے امیدوار بنانا ایک مجبوری ہے۔ اگر مسلمان عورتیں الیکشن سے دور رکھی جائیں تو بہت سے شہروں میں مسلمانوں کا اجتماعی نقصان ہوگا، اس لیے عورتیں پنچایت کی سطح پر امیدوار بنیں اور وہ اپنے محرم کے ساتھ آئیں جائیں۔ اب تک جو چیز تجربہ میں آ چکی ہے وہ یہی ہے کہ ایک چیئرمین عورت اپنے شوہر کو نمائندہ بنا کر نگر پالیکا کی ذمہ داری پوری کر سکتی ہے، بعض بعض جگہوں پر اس کا جانا ضروری ہے وہاں اپنے شوہر یا کسی محرم کے ساتھ جا کر اپنی ذمہ داری پوری کر لے گی،

اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں کسی اکثریتی مسلم شہر میں غیر مسلم عورت چیئر مین ہوگی اور مسلمانوں کو پانچ سال تک اس کو جھیلنا پڑے گا، اس لیے ''الضرر الأشد یزال بالأخف'' ''الضرر یزال'' ''إذا ضاق الأمر اتسع'' کے قواعد کی رو سے جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور مسلمان اس طرح کے قانون بدلوانے کی طاقت نہیں رکھتے تو مجبوری کے درجہ میں یہ جائز ہوگا۔ البتہ مسلمان عورت کو ان عہدوں پر رہتے ہوئے اسلامی اصولوں کا لحاظ کرنا ضروری ہوگا، کیونکہ بین الاقوامی طاقتیں اس طرح کے قانون دباؤ ڈال کر پاس کرواتی ہیں تاکہ مسلمان عورتیں باہر نکلنے کے لیے مجبور ہوں۔ مسلمانوں میں بے پردگی کا رجحان بڑھے اور مسلمانوں کا اسلامی معاشرہ اپنے روایتی طریقے سے ہٹ جائے، اس لیے مسلمان مردوں کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ اپنی عورتوں کو آزاد اور بے مہار نہ چھوڑیں، ورنہ ایک پریشانی کو دور کرنے کے لیے دوسری بہت ساری پریشانیاں پیدا ہو جائیں گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ووٹ کی شرعی حیثیت

مفتی محمد عبدالرحیم القاسمی☆

۱، ۲- کسی امیدوار کو ووٹ دینے کی از روئے قرآن وحدیث چند حیثیتیں ہیں:

ایک حیثیت شہادت گواہی کی ہے کہ ووٹر جس شخص کو اپنا ووٹ دے رہا ہے اسکے متعلق اسکی شہادت گواہی دے رہا ہے کہ یہ شخص اس کام کی قابلیت بھی رکھتا ہے اور دیانت وامانت بھی اور اگر اس شخص کے اندر یہ صفات نہیں ہیں اور ووٹر یہ جانتے ہوئے اسکو ووٹ دیتا ہے تو وہ ایک جھوٹی شہادت دیتا ہے، جو سخت کبیرہ گناہ اور دنیا وآخرت کا وبال ہے۔

صحیح بخاری کی حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے جھوٹی گواہی کو شرک کے ساتھ اکبر کبائر فرمایا ہے (بخاری ومسلم)۔

جس حلقہ میں چند امیدوار کھڑے ہوں اور ووٹر کو یہ معلوم ہے کہ قابلیت اور دیانت کے اعتبار سے فلاں آدمی قابل ترجیح ہے تو اسکو چھوڑ کر کسی دوسرے کو ووٹ دینا اس اکبر کبائر (سب سے بڑے گناہ) میں اپنے آپ کو مبتلا کرنا ہے۔

دوسری حیثیت ووٹ کی شفاعت یعنی سفارش کی ہے کہ ووٹر اسکی نمائندگی کی سفارش کرتا ہے، اس سفارش کے بارے میں قرآن کریم کا یہ ارشاد ہر ووٹر کو اپنے سامنے رکھنا چاہئے: "**ومن يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها ومن يشفع شفاعة سيئة يكن له كفل منها**"، یعنی جو شخص اچھی سفارش کرتا ہے اس میں اسکو بھی حصہ ملتا ہے اور جو شخص بری سفارش کرتا ہے تو اسکی برائی میں اسکا بھی حصہ لگتا ہے، اچھی سفارش یہی ہے کہ قابل اور دیانتدار آدمی کی سفارش کرے جو خدا کی مخلوق کے حقوق صحیح طور پر ادا کرے اور بری سفارش یہ ہے کہ نااہل، نالائق، فاسق اور ظالم کی سفارش کرے اسکو مخلوق پر مسلط کرے، اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ووٹوں سے کامیاب ہونے والا امیدوار اپنے پنج سالہ دور میں نیک یا بد جو عمل کریگا ہم بھی اسکے شریک سمجھے جائیں گے۔

ووٹ کی ایک تیسری حیثیت وکالت کی ہے کہ ووٹ دینے والا اس امیدوار کو اپنا نمائندہ اور وکیل بناتا ہے، لیکن اگر یہ وکالت اسکے کسی شخصی حق کے متعلق ہوتی ہے اور اس کا نفع نقصان صرف اس کی ذات کو پہنچتا ہے تو اس کا یہ خود ذمہ دار ہوتا ہے

☆ مفتی دارالافتاء وناظم جامعہ خیر العلوم، نور محل روڈ بھوپال، ایم پی۔

مگر یہاں ایسا نہیں، کیونکہ یہ وکالت ایسے حقوق کے متعلق ہے جن میں اسکے ساتھ پوری قوم شریک ہے، اس لئے اگر کسی نا اہل کو اپنی نمائندگی کے لئے ووٹ دیکر کامیاب بنایا تو پوری قوم کے حقوق کو پامال کرنے کا گناہ بھی اسکی گردن پر پڑا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارا ووٹ تین حیثیتیں رکھتا ہے: ایک شہادت گواہی، دوسرے سفارش، تیسرے حقوق مشترکہ میں وکالت تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک صالح اور قابل آدمی کو ووٹ دینا موجب ثواب عظیم ہے اور اسکے ثمرات اسکو ملنے والے ہیں، اسی طرح نا اہل یا غیر متدین شخص کو ووٹ دینا جھوٹی گواہی بھی ہے اور بری سفارش بھی اور نا جائز وکالت بھی اور اسکے تباہ کن ثمرات بھی اسکے نامہ اعمال میں لکھیں جائیں گے۔

مذکور الصدر بیان میں جس طرح قرآن وسنت کی رو سے یہ واضح ہوا کہ نا اہل ظالم وفاسق اور غلط آدمی کو ووٹ دینا گناہ عظیم ہے، اسی طرح ایک اچھے نیک اور قابل آدمی کو ووٹ دینا ثواب عظیم ہے، بلکہ ایک فریضہ شرعی ہے، قرآن کریم نے جیسے جھوٹی گواہی کو حرام قرار دیا ہے، اسی طرح اچھی شہادت کو واجب ولازم فرمایا ہے۔

جس حلقہ میں کوئی بھی امیدوار صحیح معنیٰ میں قابل اور دیانتدار نہ معلوم ہو مگر ان میں سے کوئی ایک صلاحیت کار اور خدا ترسی کے اصول پر دوسروں کی بنسبت غنیمت ہو تو تقلیل شر اور تقلیل ظلم (برائی کو کم کرنے اور ظلم کو کم کرنے) کی نیت سے اسکو بھی ووٹ دیدینا جائز بلکہ مستحسن ہے، جیسا کہ نجاست کے پورے ازالہ پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تقلیل نجاست کو اور پورے ظلم کو دفع کرنے کا اختیار نہ ہونے کی صورت میں تقلیل ظلم (ظلم کم کرنے) کو فقہاء رحمہم اللہ نے تجویز فرمایا ہے (جواہر الفقہ ۲/ ۲۹۴-۲۹۳-۲۹۲)۔

۳-حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں: عام اسلامی حکم یہی ہے کہ از خود کسی سرکاری عہدے یا منصب کو اپنے لئے طلب کرنا جائز نہیں اور ایسا شخص مطلوبہ منصب کا اہل نہیں ہوتا، لیکن بعض استثنائی صورتوں میں جہاں یہ بات واضح ہو کہ اگر کوئی شخص خود اس منصب کو طلب نہیں کریگا تو نا اہل اور ظالم لوگ اس پر قبضہ کر کے لوگوں پر ظلم کریں گے تو ایسے وقت میں عہدے کو طلب کرنے کی شرعاً اجازت ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا اجعلني علىٰ خزائن الأرض کہنا اسی صورت پر محمول ہے، اس شرعی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے موجودہ انتخابات کا حکم معلوم کیا جا سکتا ہے کہ طلب اقتدار کی بنیاد پر پورا نظام حکومت قائم کرنا اصلا جائز نہیں اور اگر منشاء صرف طلب اقتدار ہو یا دوسرے اہل لوگ موجود ہوں یا کسی اور طریقے سے غلط نظام کو بدلنا ممکن ہو تو ایسے نظام انتخابات میں امیدوار بننا جائز نہیں، لیکن اگر موجودہ غلط نظام کو بدلنے کا اسکے سوا کوئی راستہ نہ ہو تو صالح اور اہل افراد اگر طلب اقتدار کے جذبہ کے بجائے اصلاح حال کی غرض سے اسمیں شامل ہوں تو اسکی گنجائش ہے، بشرطیکہ مفاسد سب وشتم، غیبت اور دوسرے محرمات ومنکرات سے مکمل پرہیز کا اہتمام ہو جو اس دور میں شاذ ونادر ہیں۔

حضرت مولانا بدرالحسن قاسمی نے تحریر فرمایا ہے: جو حضرات مشارکت کے جواز کے قائل ہیں، ان کی دلیل یوسف علیہ السلام کا وہ مطالبہ ہے جو انہوں نے عزیز مصر سے کیا تھا، ''اجعلنی علی خزائن الأرض إنی حفیظ علیم'' دوسری آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام خود مختار نہیں تھے بلکہ بادشاہ کے تابع تھے، حکومت میں کوئی بڑی اور بنیادی تبدیلی لانے کا اختیار نہیں رکھتے تھے اور بادشاہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دین پر نہیں تھا یہ نص عموم رکھتی ہے، اور حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں، یوسف علیہ السلام کی یہ دلیل کہ وہ حفیظ علیم ہیں، اس بات کی دلیل ہے کہ اگر صاحب اہلیت کو یہ محسوس ہو کہ عدل کے قیام و دفع شر کا امکان ہے یا یہ کہ وہ وطن اور اہل وطن کے لئے واضح مصلحت سمجھتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو پیش کرے یا حکومت میں شریک ہو خواہ حکومت اسلامی نہ ہو۔ اسکی تائید نجاشی والے واقعہ سے ہوتی ہے وہ اپنے اسلام لانے کے باوجود خدا کے نازل کردہ احکام سے ہٹ کر فیصلہ کرتے رہے اور ایک غیر مسلم قوم کے بادشاہ بنے رہے، اسکے باوجود آپ ﷺ نے انہیں کافر اور خارج از ملت قرار نہیں دیا، بلکہ آپ ﷺ نے انکی غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھی، انہوں نے آپ ﷺ کے پاس ایک خط بھیجا تھا کہ میں صرف اپنے نفس کا مالک ہوں، اس سب سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیر اسلامی حکومت میں مشارکت جائز ہے، اگرچہ اس پر کوئی حالات میں بنیادی تبدیلی لانے پر قدرت نہ رکھتا ہو۔

مشہور مفسر قرآن امام شہاب آلوسی حضرت یوسف کا قصہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس میں منصب یا ذمہ داری کا مطالبہ کے جواز کی دلیل ہے، اگر طالب منصب اقامت عدل پر قدرت رکھتا ہو۔ خواہ کسی کافر یا ظالم سے ہی کیوں نہ مطالبہ کرنا پڑے (روح المعانی ص ۵/۳)۔

واقعہ یہ ہے کہ کسی وزارت یا سیاسی انتظامیہ میں مشارکت کا مقصد موجودہ پارلیمانی نظام یا جدید وزارتی انتظامیہ کے تحت نہ ظالموں کی ماتحتی ہے نہ موالات کفار اور نہ غیر شریعت الٰہی کی تحکیم ہے، بلکہ وضعی نظام میں شرکت سے شرکت کرنے والے کا مقصد اگر وہ اپنے دین کا پابند ہے تو عدل کا قیام اور حتی الامکان شریعت الٰہی کی تحکیم ہے، اس شرط کے ساتھ کہ دین کے ساتھ مداہنت نہ ہو۔ اس موقف کی تائید سلطان العلماء عز بن عبدالسلام کے اس قول سے ہوتی ہے جو انہوں نے اپنے قواعد میں بہت ہی سنجیدہ اور فقہی اسلوب میں کہا ہے۔

اگر مسلمانوں کے رسوخ کو پختہ کرنے اور انکے وجود کی حفاظت کے لئے غیر اسلامی حکومت میں مشارکت ہی واحد وسیلہ ہو تو اسکے جائز ہونے بلکہ بعض حالات میں واجب ہونے میں کوئی شبہ نہیں، یہ معاملہ قیام عدل، دین کی حفاظت اور مسلمانوں کے مفاد و مصالح پر شرکت کرنے والے کی قدرت سے مربوط ہے (غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے اہم مسائل ۲۲۹/۳)۔

۴- غیر مسلم ملکوں میں اور مسلم ملکوں میں بھی قانون ساز ادارے مخالف شریعت قوانین بنائیں تو انکے خلاف آواز

اٹھانا شرعاً فرض اور جمہوری حق ہے اور اگر کوئی پارٹی اپنے ممبروں کے لئے وہیپ جاری کردے تو اجلاس سے غیر حاضر ہوکر اپنی نفرت ظاہر کردے اور اس کی بھی قدرت نہ ہوتو دل میں اس کی برائی اور نفرت ہونا بھی کافی ہوگا، اس کے باوجود اس قانون ساز ادارے یا اس پارٹی کی شرکت جاری رکھنے کی گنجائش ہوگی۔

حضور پاک ﷺ نے فرمایا ہے: **من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان** (مسلم ۱/۵۰) (تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے اس کو روک دے، اگر اس کی بھی طاقت نہیں رکھتا ہو تو اس کو دل سے برا سمجھے، حالانکہ یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے)۔

حضرت مولانا بدرالحسن قاسمی نے تحریر فرمایا ہے: اصل تو یہی ہے کہ انسان اس نظام میں شریک نہ ہو جو عدل کی بنیادوں پر قائم نہیں، لیکن جیسا کہ کہا گیا **مالا يدرك كله لا يترك كله** اور اسلامی شریعت کے مقاصد میں حسب امکان ظلم اور برائی کو کم کرنا اور جرم وزیادتی کے دائرے کو تنگ کرنا شامل ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فاتقوا الله ما استطعتم** (جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو) (تغابن ۱۶)، دوسری جگہ ارشاد ہے: **لا يكلف الله نفسا إلا وسعها** (بقرۃ:۲۸۶)۔

نبی ﷺ نے فرمایا: اگر تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو جتنا ممکن ہو اس پر عمل کرو۔ صحابہ کرام نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور قریش کے ظلم وزیادتی سے بچنے کے لئے نجاشی کے پاس پناہ گزین ہوئے، اس لئے کہ یہ معاملہ نسبتاً آسان تھا اور نجاشی اپنے اسلام لانے کے باوجود حکومت کرتے رہے حالانکہ انکی حکومت اسلامی نہیں تھی۔

۵- قانون ساز اداروں کا رکن منتخب ہونے پر دستور سے وفاداری کا حلف:

جہاں تک حلف برداری یا دستور کی قسم کھانے کا تعلق ہے تو وہ ایک قسم کا عہد ہے کہ دستور کے دفعات کی پابندی کی جائے گی اور منصب وعہدہ کے دوران پوری امانتداری اور باریکی کے ساتھ ذمہ داریوں کی ادائیگی کی جائے گی، دقیق معنوں میں وہ شرعی حلف نہیں اور ہوسکتا ہے کہ وہ بعض آمریت پسند حکومتوں میں حاکم کے نام کی قسم کھانے سے کم تر ہو، حلف برداری کے لئے تیار کی جانے والی عبارتوں میں تبدیلی کی جا سکتی ہے، اس کو صحیح عقیدہ کے مطابق بنایا جا سکتا ہے تا کہ وہ دین اسلام کی تعلیمات کے منافی نہ ہوں (غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے مسائل: ص ۲۳۳)۔

حلف وفاداری اس شرط اور نیت سے کہ جہاں تک خدا اور رسول اور شریعت کی نافرمانی نہ ہو، میں وفاداری کروں گا،

اٹھا لینے میں مضائقہ نہیں (کفایت المفتی ۹/ ۳۰۹)۔

۶-مسلمان ہونا ظاہر کرنے کے باوجود عیسائی ملک میں بائبل پر حلف لینے پر ہی ممبری موقوف ہوتو اسکی گنجائش ہے إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان (مگر جس شخص پر کافروں کی طرف سے زبردستی کی جائے بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو) (نحل:۱۰۶)۔

یعنی عقیدہ میں کوئی فتور نہ آئے اور اس قول وفعل کو سخت گناہ اور برا سمجھتا ہو تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے کہ اس کا ظاہری طور پر کلمہ کفر یا فعل کفر میں مبتلا ہوجانا ایک عذر کی بنا پر ہے (معارف القرآن:ص ۴۰۵)۔

۷-سیکولر پارٹیوں اور انکی حکومتوں میں شمولیت اخف الضررین کو اختیار کرنا ہے، یہ ایک اصولی مسئلہ ہے اور عقل و شرع دونوں کے نزدیک مقبول ہے، فقہاء نے منکرات پر سکوت کو اس وقت جائز قرار دیا ہے جب کسی منکر پر انکار اس سے بڑے منکر کا سبب بن سکتا ہو۔ آپ ﷺ خانہ کعبہ کو انہی بنیادوں پر قائم کرنا چاہتے تھے جن پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قائم کیا تھا، لیکن فتنہ کے اندیشہ سے ترک کر دیا اور حضرت عائشہ سے فرمایا: اگر تمہاری قوم ابھی ابھی شرک سے نکلی ہوئی نہ ہوتی تو میں حضرت ابراہیم کی بنیادوں پر کعبہ کی تعمیر کرا دیتا (صحیح بخاری ۲/ ۶۴)۔

اگر انسان سب سے بہترین عمل پر قادر نہ ہو اور حالات نامناسب ہوں تو کمتر پر اکتفاء کرنے کی گنجائش ہے، اس سلسلہ میں چند فقہی اصول یہ ہیں: **المشقة تجلب التيسير** (مشقت آسانی کو کھینچ لاتی ہے)۔ **الضرورات تبيح المحظورات؛** (ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں)۔ **الضرر يزال** (تکلیف ونقصان کو دور کیا جائے گا)، **يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر** (اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ دشواری نہیں چاہتا)، **وما جعل عليكم في الدين من حرج** (اور نہیں بنائی تمہارے اوپر دین میں تنگی اور حرج) (غیر مسلم ممالک:ص ۲۳۱)۔

مصالحت اور آشتی کے ساتھ زندگی گذارنا اور تجارت، زراعت، صنعت اور سیاست میں اشتراک عمل کرنا جائز اور بعض حالات میں واجب ہوجاتا ہے، خصوصاً ایسے مقامات میں جہاں مسلم اور غیر مسلم آبادی مشترک ہو یا غیر مسلم آبادی کی کثرت ہو، بہرحال یہ لازم ہے کہ مسلمان اپنے مذہبی احکام کے پابند رہیں اور مذہبی شعائر کی عزت وحرمت محفوظ رہے، ورنہ پھر مسلمان پر مذہب کے تحفظ اور اسکا احترام قائم رکھنے کے فرائض عائد ہوں گے (کفایت المفتی ۹/ ۲۷۸)۔

۸-امام محمد نے سیر کبیر میں فرمایا ہے: **ولا بأس بأن يستعين المسلمون بأهل الشرك علىٰ أهل الشرك إذا كان حكم الإسلام هو الظاهر عليهم** (جواہر الفقہ ۲/ ۲۰۸) (کوئی حرج نہیں کہ شرک والوں کے مقابلہ کے لئے مسلمان اہل شرک سے مدد طلب کریں جبکہ اسلام کا حکم غالب ہو)۔

وإن جنحوا للسلم فاجنح لها (سورہ انفال:۶۰) (اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی صلح کے لئے تیار ہوجائیں)۔

قال الشامی: إنه علیه الصلاة السلام استعان فی غزوة خیبر بیهود من بنی قینقاع وفی غزوة حنین بصفوان بن أمیة وهو مشرک (شامی ۳/ ۲۳۵) (حضور ﷺ نے غزوہ خیبر میں بنی قینقاع یہودیوں سے اور غزوہ حنین میں صفوان ابن امیہ مشرک سے مدد طلب کی)۔

یہود کے ساتھ حضور پاک ﷺ نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے اور درمختار میں ہے: **ومفاده جواز الاستعانة بالکافر عند الحاجة وقد استعان علیه الصلوٰة والسلام بالیهود علیٰ الیهود** (درمختار علیٰ ہامش ردالمحتار ۳/ ۳۵۵)۔

یعنی عبارت ماقبل کا مفاد یہ ہے کہ کافر سے حاجت کے وقت جنگ میں مدد لینا جائز ہے اور آنحضرت ﷺ نے یہود کی ایک جماعت سے دوسری جماعت کے خلاف مدد لی، اس کے بعد یہ ذکر کیا کہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ بدر میں تو کافر کی مدد لینے سے انکار فرما دیا تھا مگر اس کے بعد غزوہ خیبر میں یہودی بنی قینقاع سے اور غزوہ حنین میں صفوان ابن امیہ مشرک سے مدد لی تو غزوہ بدر میں استعانت سے انکار فرمانا اس لئے تھا کہ مدد لینا نہ لینا دونوں باتیں جائز تھیں، اس صورت میں غزوہ بدر اور غزوہ خیبر وحنین کے واقعات میں تعارض نہیں اور یا اس لئے کہ غزوہ بدر کے وقت مشرک سے مدد لینا جائز نہ تھا تو اسکے بعد غزوہ خیبر وحنین کے واقعات نے اس حکم کو منسوخ کر دیا (کفایت المفتی ۹/ ۳۳۹)۔

حضور ﷺ اور صحابہ کرام عمرہ کرنے کے لئے مدینہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے، حدیبیہ کے مقام پر قریش نے حضور پاک ﷺ اور صحابہ کرام کو مکہ کی طرف جانے سے روک دیا اور صلح کرنے پر مجبور کیا۔ صلح کی شرائط یہ تھیں:

۱- دس سال تک آپس میں جنگ بند رہے گی۔

۲- مکہ سے کوئی مدینہ آئیگا تو آپ اسکو واپس کر دیں گے اگرچہ مسلمان ہوکر آئے۔

۳- مسلمانوں میں سے کوئی شخص مدینہ سے مکہ جائیگا تو واپس نہیں کیا جائیگا۔

۴- اس دوران کوئی ایک دوسرے کے خلاف تلوار نہیں اٹھائیگا۔

۵- محمد ﷺ امسال بغیر عمرہ واپس جائیں مکہ میں داخل نہ ہوں، آئندہ سال صرف تین دن مکہ میں رہ کر عمرہ کر کے واپس ہوجائیں، اس وقت سوائے تلواروں کے کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہوں اور تلواریں بھی میان میں ہوں۔

شرائط معاہدہ میں نمبر ۲۔ نمبر ۳۔ نمبر ۵۔ مغلوبانہ شرائط تھیں، لہٰذا یہ صلح مسلمانوں کے لئے سخت تکلیف دہ اور

مسلمانوں کے دلوں کو زخموں سے چور چور کرنے والی صلح تھی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اللہ کے رسول! کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں! حضرت عمر نے کہا: کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: بیشک! حضرت عمر نے کہا پھر ہم یہ ذلت کیوں گوارہ کریں حضور ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول برحق نبی ہوں اس کے حکم کے خلاف نہیں کرسکتا۔ مسلمانوں کے صدمے کا یہ حال تھا کہ صلح کے بعد آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو سر منڈوانے کا حکم دیا تو رنج وغم کی وجہ سے کسی نے بھی تعمیل نہیں کی، پھر آنحضرت ﷺ نے سب کے سامنے بیٹھ کر سر منڈوایا اور احرام کھولا تو آپ ﷺ کی اتباع میں سب نے احرام کھول دیئے اور قربانی کر دیں (صلح حدیبیہ ص ۶۴)۔

مبسوط میں علامہ سرخسی نے لکھا ہے: **إن النبی ﷺ صالح أهل مكة عام الحديبية على أن وضع الحرب بينه وبينهم عشر سنين** (مبسوط سرخسی ۱۰/ ۷۴) (حضور ﷺ نے اہل مکہ سے حدیبیہ کے موقع پر دس سالہ جنگ بندی پر معاہدہ کیا)۔

الغرض معاہدہ حدیبیہ کی رو سے قریش نے مدینہ پر آپ ﷺ کی سیادت کو تسلیم کرلیا، اس سے پہلے قریش آپ کو ایک باغی سے زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے (رسول اکرم کی سیاست خارجہ ص ۲۰۸)۔

معاہدہ حدیبیہ کی رو سے مسلمانوں کا حق زیارت کعبہ تسلیم کرلیا گیا جس کے معنی یہ ہوئے کہ اسلام کو بھی ایک مذہب کی حیثیت سے تسلیم کرلیا گیا (رسول اکرم کی سیاست خارجہ ص ۲۰۵)۔

ہندوستان میں مسلمانوں کو ایک مخصوص پارٹی کا ووٹر سمجھ کر ایک پارٹی نے نفرت وعداوت کا شکار بنایا بابری مسجد کو شہید کرنے اور گجرات میں مسلمانوں کے قتل عام سے اسکی دشمنی نقطہ عروج پر پہنچ گئی جس کی وجہ سے اس کی عوامی مقبولیت کم ہوگئی تو خود اس پارٹی نے اپنے متشدد لیڈروں کو کنارے کر دیا اور بھائی چارے والے لیڈروں کا تعارف کرانا شروع کر دیا، انتخابی منشور کو بھی فرقہ پرستی سے ملک کی ترقی کی طرف موڑنے کی کوشش کرنے لگی اور مسلمانوں کو قریب کرنے کی تدبیریں کرنے لگی، ایسی حالت میں عدم تشدد کی بہترین مثال حربی کافروں کی غالب اکثریت سے اپنی حیثیت تسلیم کرانے اور مراعات حاصل کرنے کا نمونہ صلح حدیبیہ کی روشنی میں اگر مسلمان اس پارٹی میں شامل ہوں جس سے امید ہیکہ پارٹی مسلم دشمنی کے بجائے وکاس اور ملکی ترقی کو ایجنڈ ابنالیگی تو جہاں ایسی پارٹی کی حکومت یا غلبہ ہو وہاں اس میں شامل ہونے کی گنجائش ہوگی۔

۹-آزادی کے بعد سے پینسٹھ سالہ تجربہ سے ثابت ہے کہ سیکولر پارٹیاں فرقہ پرستوں سے خوفزدہ کر کے اور سنہرے خواب دکھا کر مسلمانوں کے ووٹ حاصل کر لیتی ہیں، پھر مسلمانوں کو غربت وجہالت کے دلدل میں ڈھکیل کر رخ پھیر لیتی ہیں، کسی مسلمان کو شخصی طور پر فائدہ پہنچانے کے علاوہ مسلمانوں کے اجتماعی مسائل حل کرنے پر بالکل توجہ نہیں کرتیں اور

مسلمان اپنے حقوق کی بھیک مانگتے ہیں تو ان کی آواز کو دبانے کے لئے غیر مسلموں کی تنظیموں کو کھڑا کر دیتی ہیں، اس لئے مسلمانوں کی تنظیم اور انکے حقوق کی حفاظت کے لئے سیاسی پارٹی بنانا ضروری ہے۔

مسلمانوں کی سیاسی جماعت کسی پارٹی سے انتخابی اشتراک یا حکومت سازی کا معاہدہ کرتی ہے تو عزت وسہولت کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق کی حصول یابی ممکن ہوجاتی ہے اور مسلم سیاسی پارٹی کے پریشر ودباؤ کی وجہ سے دیگر پارٹیاں بھی مسلمانوں کو حقوق اور مراعات دینے پر مجبور ہوتی ہیں۔

جو لوگ یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی سیاسی پارٹی بنانے سے فرقہ پرست ناراض ہوجائیں گے، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ مسلمان اقلیت میں ہیں انکی حق تلفی زیادہ ہوتی ہے، اس لئے انکو مسلم سیاسی پارٹی بنانے کی ضرورت ہے جہاں مسلم سیاسی پارٹیاں ہیں وہاں مسلمان فراخدلی کے ساتھ برادران وطن کی بھی خدمت کرتے ہیں، انکی سماجی، طبی وسیاسی خدمات سے متاثر ہوکر غیر مسلم بھی انکو ووٹ دیتے ہیں، جنوبی ہند کے کیرالا اور تملناڈو میں مسلم لیگ اور حیدرآباد میں مسلم اتحاد المسلمین مسلم سیاسی پارٹی کی افادیت کی بہترین مثالیں ہیں۔

حضرت تھانوی نے تحریر فرمایا ہے: اس میں تو کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ دور حاضر میں مسلمانوں کو شدید استحکام کے ساتھ منظّم ہونے کی سخت ضرورت ہے اور انکے تمام منافع ومصالح کی حفاظت اور تمام مضار ومفاسد سے صیانت اسی تنظیم پر موقوف ہے، مگر اسکے ساتھ ہر مسلمان پر یہ بھی واجب التسلیم عمل ہے کہ وہ تنظیم حسب قدرت بالکل احکام شرعیہ کی موافق ہو جو آیت **واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا** سے ظاہر ہے، سو اگر اس وقت ملک میں اس صفت کی کوئی منظّم جماعت موجود ہوتی یا اس کا ہونا متوقع قریب ہوتا تو واجب واضح تھا، لیکن موجودہ حالات میں افسوس اور نہایت افسوس ہے کہ ایسی جماعت کا نہ تحقق ہے نہ قریب میں توقع، اس لئے بجز اسکے چارہ کار نہیں کہ موجودہ جماعتوں میں سے کسی جماعت میں داخل ہوں اور اس میں قواعد شرعیہ کی رو سے جو نقص ہو اس کی اصلاح کریں اور اگر ان کی اصلاح آسان اور دوسری کی دشوار ہو تو بقاعدہ عقلیہ ونقلیہ **من ابتلی ببلیتین فلیختر أهونهما** اس میں داخل ہوجائیں جس کی اصلاح آسان ہو (امداد الفتاویٰ ۴/۶۲۹)۔

اور اس کی بھی ضرورت ہے کہ بہیئت مذکورہ اس تنظیم کو ہمیشہ ہمیشہ مستقلا جاری وباقی رکھیں، کیونکہ اس کے ثمرہ کی تو ہمیشہ ہی حاجت ہے۔

یہ خلاصہ تو ہے ہمارے انتظام کا باقی دوسروں کے ساتھ معاملہ سو اس انتظام کے بعد اگر کانگریس مسلم لیگ سے صلح کی طرف مائل ہو حسب ارشاد: **وإن جنحوا للسلم فاجنح لها** اس سے اصول شرعیہ کے موافق تیقظ وتدبر کے ساتھ اہل تجربہ واہل علم واہل فہم کے مشورہ سے صلح رکھیں مگر اپنی تنظیم مذکورہ کو اس وقت بھی قوت واستقلال کے ساتھ قائم رکھیں، اس کو

کمزور نہ کریں اور نہ کانگریس میں مدغم کریں کہ یہ شرع اور تجربہ دونوں کے اعتبار سے نہایت مضر ہے اور اگر بالفرض مسلم لیگ کی اصلاح کے قبل یا بعد اور کوئی جماعت مسلمہ منتظمہ صاحب قوت اور صاحب اثر تیار ہو جاوے، اس صورت میں مسلم لیگ اور وہ جماعت دونوں اتحاد و اشتراک کے ساتھ کام کریں تا کہ مسلمانوں میں افتراق و تشتت نہ ہوں اور ان سب حالات میں قولاً و فعلاً و حالاً و تقریراً و تحریراً موافق و مخالف ہر ایک کے ساتھ اخلاق اسلامی کو اپنا شعار رکھیں (امداد الفتاویٰ ۴/ ۶۳۰)۔

۱۰- پردہ کا لحاظ رکھتے ہوئے خواتین ووٹ دینے جا سکتی ہیں اور جو سیٹ عورت کے لئے ریزرو کر دی گئی ہو اور مسلمانوں کی نمائندگی عورت کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہو تو الیکشن میں کھڑے ہونے اور اسمبلی یا پارلیمنٹ کے لئے ممبر بننے کی بھی گنجائش ہوگی، بشرطیکہ وہ فرائض منصبی کی ادائیگی میں احکام شرعیہ کی پابندی کرے، کیونکہ یہ عورت مطلق بادشاہ یا امیر نہیں بنے گی، بلکہ صرف مشیر کی حیثیت سے منتخب ہوگی۔

الیکشن سے متعلق مسائل

مولانا بدر احمد مجیبی ☆

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے بائیسویں فقہی سمینار کا ایک موضوع 'الیکشن سے مربوط مسائل' رکھ کر بہت ہی اہم کام انجام دیا ہے اور اس اہم ترین موضوع پر شریعت اسلامی کی روشنی میں فیصلہ لینے کی شرعی ذمہ داری کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے، ذیل میں سوالنامہ سے متعلق سوالات کے جوابات پیش کیے جارہے ہیں:

۱-ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الیکشن میں دیا جانے والا ووٹ اس جدید دور کی چیز ہے، اس لیے فقہ کی قدیم کتابوں میں صراحت کے ساتھ اس کا شرعی حکم نہیں مل سکتا ہے۔ البتہ اس کی شرعی حیثیت پر موجودہ زمانے کے علماء ومفتیان کرام نے روشنی ڈالی ہے۔

شرعی اعتبار سے ووٹ میں مختلف حیثیتیں پائی جاتی ہیں: بعض اعتبار سے ووٹ شہادت ہے، بعض اعتبار سے ووٹ وکالت ہے اور بعض اعتبار سے ووٹ سفارش ہے۔

ووٹ کی شہادت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ووٹ دینے والے لوگ ووٹ کے ذریعہ یہ شہادت دیتے ہیں کہ فلاں امیدوار اپنی صلاحیت کے لحاظ سے دوسرے امیدواروں کی بہ نسبت اس عہدہ کا زیادہ مستحق ہے۔ اس کے وکالت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ووٹ دینے والے لوگ اس امیدوار کو اپنی طرف سے وکیل اور نمائندہ متعین کرتے ہیں کہ وہ حکومت کے یہاں ان کی طرف سے نمائندگی کرے اور عوام کے مسائل حکومت تک پہنچائے۔ اس علاقے میں عوامی فلاح وبہبود کا کام اپنی نگرانی میں انجام دلائے۔ اس کے سفارش ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ووٹ دینے والے حضرات حکومت سے اس بات کی سفارش کرتے ہیں کہ فلاں امیدوار کو اس علاقہ کا نمائندہ منتخب کر دیا جائے۔

۲-اگر ووٹ شہادت کے درجہ میں ہے تو اس کا حکم شرعی کیا ہوگا، ووٹ دینا صرف جائز ہوگا یا مستحب یا واجب؟

جب ووٹ کی حیثیت شہادت کی ہوئی اور ووٹ دینا شہادت دینے کے درجہ میں ہے تو اس پر شہادت کے احکام

☆ استاذ المعہد العالی امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

لگیں گے، چنانچہ جس طرح غلط اور جھوٹی شہادت دینا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، اسی طرح غلط اور نااہل امیدوار کو ووٹ دینا بھی حرام ہوگا۔

عن أنس بن مالک رضی الله عنه أنه قال: ذکر عند رسول الله ﷺ الکبائر، أو سئل عن الکبائر، قال: الشرک بالله وقتل النفس وعقوق الوالدین، فقال: ألا أنبئکم بأکبر الکبائر؟ قال: قول الزور أو قال: شهادة الزور (صحیح البخاری، کتاب الادب، باب عقوق الوالدین من الکبائر)۔

اور جس طرح شہادت کی ادائیگی کے لیے بلایا جائے اور شہادت نہ دینے سے کوئی نااہل اور ملک وملت کے لیے ناپسندیدہ اور نقصان دہ فرد کے جیت جانے کا خطرہ ہوتو ووٹ دینا واجب ہوگا اور کسی عذر کے بغیر ووٹ نہ دینا جائز نہیں ہے۔

ولا یاب الشهداء إذا مادعوا (البقرۃ:۲۸۲)۔

ولاتکتموا الشهادة ومن یکتمها فانه آثم قلبه والله بماتعملون علیم (البقرہ:۲۸۳)۔

البتہ اس صورت میں جب اہل اور صحیح امیدوار جیت رہا ہو اور اس ووٹر کے ووٹ نہ دینے سے اس پر کوئی اثر نہ ہوتو ایسی صورت میں وجوب نہیں رہے گا۔

۳-الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا کیا حکم ہے؟

احادیث میں کوئی عہدہ طلب کرنے یا کسی منصب کے حصول کی کوشش کرنے کی ممانعت آئی ہے۔

عن عبد الرحمن بن سمرة رضی الله تعالیٰ عنه أنه قال: قال النبی ﷺ: یا عبد الرحمن بن سمرة! لا تسأل الإمارة، فإنک إن أوتیتها عن مسألة وکلت إلیها، وإن اوتیتها عن غیرمسألة اعنت علیها (صحیح البخاری، کتاب الایمان والنذور)۔

اس لیے خود سے کسی عہدہ کی خواہش رکھنا اور اس کو طلب کرنا جائز نہیں ہے اور جو کسی عہدہ کا خواستگار ہو اس کو وہ عہدہ نہیں دینا چاہیے۔حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عہدہ طلب کرے اس کو ہم عہدہ نہیں دیتے ہیں۔

عن ابی موسیٰ رضی الله تعالیٰ عنه أنه قال: دخلت علی النبی ﷺ، انا ورجلان من بنی عمی، فقال أحد الرجلین: یا رسول الله! امرنا علی بعض ماولاک الله عزوجل، وقال الآخر مثل ذلک، فقال: انا والله لانولی علی هذا العمل أحداً سأله ولا أحدا حرص علیه (صحیح مسلم، باب النہی عن طلب الامارۃ والحرص علیہا)۔

اس بارے میں متعدد احادیث موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عہدہ طلب کرنا ممنوع ہے اور طالب منصب کو منصب دینا بھی جائز نہیں ہے، اسی لیے فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ جو قضاء کا عہدہ طلب کرے، اس کو قضاء کا منصب نہیں دیا جائے۔

لیکن اگر سب لوگ کنارہ کش ہو جائیں اور کوئی کسی عہدہ کو لینا نہیں چاہے تو حکومت کا نظام کیسے چلے گا؟ درحقیقت اس وعید کا مقصد یہ ہے کہ ہر آدمی عہدہ و منصب کے حصول کی کوشش میں نہ لگا رہے، بلکہ جتنا ہو سکے اس سے دور رہنے کی کوشش کرے تا کہ جو لوگ اس کے اہل ہوں اور صحیح معنوں میں اس ذمہ داری کو انجام دے سکتے ہوں، ان ہی کو عہدہ دیا جائے، اسی لیے اگر کوئی ایسا شخص ہو جو واقعی اس منصب کی ذمہ داری پوری کرنے اور بجا طور پر اس کے حق کو ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور وہاں کوئی دوسرا اس کی اہلیت نہیں رکھتا ہے تو اس شخص کے لیے اس عہدہ کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا ممنوع نہیں ہوگا، اسی لیے قرآن کریم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو نقل کیا ہے جب انہوں نے بادشاہ مصر سے عہدہ کی خواہش ظاہر کی تھی۔ قال: **اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم** (سورہ یوسف:۵۵)۔

کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام یہ اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ ان کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس اہم کام کو انجام نہیں دے سکتا ہے۔ سات سال کی طویل اور شدید قحط سالی کا انتظام کرنا جس میں مخلوق کی ہلاکت کا بڑا خطرہ تھا بہت اہم کام تھا۔

امام قرطبی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام یہ جانتے تھے کہ عدل وانصاف کرنے اور ضرورت مندوں تک ان کے حق پہنچانے کی اہلیت وہاں ان کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں رکھتا ہے، اس لیے یہ ان پر فرض اور متعین ہے کہ وہ اس منصب کو حاصل کریں اور ان کاموں کو انجام دیں، یہ حکم حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ آج بھی اگر یہ صورت حال پیش آئے کہ کسی شخص کو یہ اچھی طرح معلوم ہو کہ مثلاً قضاء یا احتساب کے مناصب کی ذمہ داری صحیح طور سے ادا کرنے کی کسی میں صلاحیت نہیں ہے۔ صرف وہی اس کو انجام دے سکتا ہے تو ایسے شخص پر ضروری ہوگا کہ وہ اس منصب کو حاصل کرے۔

ان یوسف علیه السلام انما طلب الولایة لأنه علم انه لا أحد یقوم مقامه فی العدل والاصلاح وتوصیل الفقراء الی حقوقهم فرأی ان ذلک فرض متعین علیه، فانه لم یکن هناک غیره، و هذا الحکم الیوم، لو علم انسان من نفسه انه یقوم بالحق فی القضاء أو الحسبة ولم یکن هناک من یصلح ولایقوم مقامه لتعین ذلک علیه ووجب أن یتولاها، ویسأل ذلک (تفسیر القرطبی ۵/۱۴۲-۱۴۱)۔

فقہاء کرام نے بھی یہ تفصیل ذکر کی ہے، اس لیے حالات کے اعتبار سے حکم ہوگا۔ جیسے حالات ہوں گے، ان ہی

کے اعتبار سے کسی عہدہ کی طلب اوراس کے لیے امیدوار بننے کا حکم ہوگا۔

ہندوستان میں الیکشن میں مسلمان نہ کھڑے ہوں تو پنچایت سے لے کر اسمبلی اور پارلیمنٹ تک حکومت میں مسلمانوں کی حصہ داری ختم ہوجائے گی، دوسری قومیں مکمل طور سے چھاجائیں گی۔اس سے مسلمانوں کے حقوق، ان کے مفادات اور مصالح سب پر شدید اثر پڑے گا اور مسلمانوں کی حیثیت جو پہلے سے ہی کمزور ہے، بالکلیۃ خاتمہ کے قریب پہنچ جائے گی، ان کے مساجد و مدارس، ان کے مقابر و اوقاف کچھ بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔فرقہ پرست طاقتوں کا بول بالا ہوجائے گا اور مسلمانوں کو کفر وارتداد پر مجبور کیا جانے لگے گا، اس لیے ایسی حالت میں مسلمانوں کا الیکشن میں کھڑا ہونا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہوگا، کیونکہ حکومت کے مختلف مناصب پر مسلمانوں کے فائز ہونے سے مجموعی اعتبار سے پوری ملت کا فائدہ ہے۔اس منصب کے لیے جو کھڑا ہواس کے لیے یہ بہرحال ضروری ہوگا کہ وہ اس منصب کی ذمہ داریوں کو انجام دے سکتا ہو۔

۴- غیر مسلم ملکوں میں اور بہت سے مسلم ملکوں میں بھی قانون ساز ادارے مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں۔ ایسی صورت میں ان اداروں کا ممبر بننا درست ہوگا یا نہیں؟ خاص کر ان حالات میں کہ ہندوستان کے موجودہ قانون کے مطابق اگر کوئی پارٹی اپنے ممبروں کے لیے وہیپ جاری کردے تو وہ پارٹی کی پالیسی کے مطابق ووٹ دینے کا پابند ہوجاتا ہے اور اپنے ضمیر کی آواز پر ووٹ دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔

شریعت کے خلاف قانون بنانے والے اداروں کا ممبر بننا مسلمانوں کے لیے جائز نہیں ہے، کیونکہ شریعت کے خلاف قانون بنانا یا شریعت کے خلاف فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ اس کو قرآن کریم میں کفر سے تعبیر کیا گیا ہے: **ومن لم یحکم بما أنزل الله فأولئک هم الکافرون** (المائدة:۴۴)۔

اصولی اعتبار سے یہی حکم ہے، لیکن حالات کے اعتبار سے کچھ فرق آئے گا۔ ہندوستان کے حالات میں اگر ان قانون سازی کرنے والے اداروں میں مسلمانوں کی شمولیت نہ ہو اور تمام مسلمان اس سے کنارہ کش ہوجائیں تو تمام قانون میں مسلمانوں کے حقوق ملحوظ نہیں رہیں گے، بلکہ اسلام مخالف قوانین کھلے عام بننا شروع ہوجائیں گے جس سے مسلمانوں کو شدید درجہ کا نقصان ہوگا اور اوراس کی تلافی کسی طرح سے ممکن نہ ہوسکے گی، اس لیے ایسے اداروں کے ممبر بننے کی اجازت ہوگی۔مسلمان ممبر پر لازم ہوگا کہ اسلام مخالف قانون بننے سے روکے اور اگر اکثریت کی طاقت سے ایسا کوئی قانون پاس بھی ہوجاتا ہے تو مسلمان ممبر اس سے اپنا اختلاف ظاہر کرے۔

یہی حکم وہیپ جاری کرنے کے مسئلہ میں بھی ہوگا کہ اگرچہ وہ مجبوری میں پارٹی کی پالیسی کے مطابق ووٹ دے گا اس سے وہ انحراف نہیں کرسکتا، لیکن اس کو وہ دل سے برا سمجھے اور اس سے زبانی طور سے اختلاف ظاہر کرے۔اس طرح کے

کچھ معاملات میں ہوسکتا ہے کہ اگر پارٹی کی پالیسی مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہوتو اس مسلم ممبر کی بھی اس میں شرکت ہوجائے، لیکن ممبر ہونے کی وجہ سے اس کے علاوہ دوسرے بہت سارے معاملات میں وہ مسلمانوں کے مفادات کے مطابق کام کرا سکے گا۔

۵- جولوگ قانون ساز اداروں کے رکن منتخب ہوں، انہیں دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہےاور دستور میں بہت سی دفعات خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں۔ یہ عمل کہاں تک درست ہے؟

فقہ کا مشہور قاعدہ ہے کہ دوخرابیوں میں کسی ایک کو لینا ضروری ہوجائے اوراس کے بغیر چارہ نہ ہوتو اس میں سے جو ہلکی اور آسان خرابی ہواس کو اختیار کرنا لازم ہے۔ اس کو اہون البلیتین کو اختیار کرنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس قاعدہ کے پیش نظر قانون ساز اداروں میں شرکت کے مقصد سے مسلمانوں کے لیے دستور کا حلف اٹھانا درست ہوگا۔

کیونکہ اگر دستور کی حلف برداری کی وجہ سے ان اداروں کی رکنیت چھوڑ دی جائے تو مسلمانوں کا بے انتہا نقصان ہوگا، اس لیے اس ضرر سے بچنے کے لیے حلف اٹھایا جائے گا اور خلاف شریعت امور پر عمل نہ کرنے کی نیت کی جائے گی۔

۶- بعض عیسائی ملکوں میں ہر ممبر کو بائبل پر حلف لینا پڑتا ہے خواہ وہ کسی مذہب کا ہو، تو کیا مسلم ارکان کے لیے یہ عمل درست ہوگا؟

ایسے ملکوں کے مسلم ارکان کو چاہیے کہ وہ ان ملکوں کے محاکم سے قرآن شریف پر حلف برداری کا مطالبہ کریں اوراس کی پوری کوشش کریں، اگران کی بات مان لی جاتی ہےتو بہتر ہےاور اگران کی بات نہیں مانی جاتی ہےتو مجبوری میں بائبل پر رکھ کر حلف اٹھا سکتے ہیں، البتہ وہ اس بائبل کی تعظیم کا ارادہ نہ کریں، یہ بھی اہون البلیتین پر عمل کرنا ہے۔ رابطہ عالم اسلامی کی فقہ اکیڈمی کا اس سلسلہ میں فیصلہ درج ذیل ہے:

إذا كان القضاء في بلد ما حكمه غير اسلامي يوجب على من توجهت عليه اليمين وضع يده على التوراة أو الإنجيل أو كليهما فعلى المسلم أن يطلب من المحكمة وضع يده على القرآن فإن لم يستجب لطلبه يعتبر مكرهاً و لا بأس عليه أن يضع يده عليهما أو على أحدهما دون أن ينوي بذلك تعظيما (قرارات مجلس المجمع الفقهي الاسلامي ۱۴۰۲/ ۸۵)۔

۷- بعض سیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں، لیکن ان کے منشور کی بعض دفعات اسلام مخالف یا مسلم مفادات کے مغائر ہوتی ہیں، کیا ایسی پارٹیوں میں شریک ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اوران کی حکومت میں شامل ہونا جائز ہوگا؟

ایسی سیکولر پارٹیاں جو مسلم مفادات کا خیال رکھتی ہیں اور مسلم مسائل کے حل کے لیے زیادہ بہتر سمجھی جاتی ہیں، ان میں شرکت کرنا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور حکومت میں شامل ہونا جائز ہے، اگر چہ ان کے منشور کے بعض دفعات اسلام کے خلاف ہوں، یہ بھی ہندوستان کے حالات کے پس منظر میں اھون البلیتین پر عمل کرنا ہے۔ پارٹی کے مسلم ممبران بعد میں یہ کوشش کریں کہ ایسی اسلام مخالف دفعات ان کے منشور سے نکال دی جائیں۔

۸- جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہوں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہو، کیا کسی مسلمان کے لیے اس پارٹی میں شریک ہونا جائز ہوگا؟ نیز اگر کسی کی نیت ہو کہ وہ پارٹی میں شریک ہو کر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا، تو کیا اس کے لیے اس پارٹی میں شامل ہونے کی گنجائش ہوگی؟

ایسی پارٹیاں جو واضح طور سے اسلام دشمن ہیں ان میں مسلمانوں کی شرکت جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے ان فرقہ پرست پارٹیوں کو مزید طاقت ملے گی اور وہ مسلمانوں کے استیصال کے اپنے ایجنڈے پر زیادہ تیزی سے عمل کرنا شروع کردیں گی، نیز یہ گناہ اور سرکشی کے کاموں میں تعاون دینا ہے۔ قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ اس کی ممانعت کی ہے:

وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان واتقوا الله إن الله شديد العقاب (المائدہ:۲)۔

ان فرقہ پرست پارٹیوں میں شریک ہو کر ان کے منشور اور ایجنڈے کو بدلنے کی بات کرنا حماقت ہے۔ اس کا تصور کرنا بھی مضحکہ خیز ہے، کیونکہ ان پارٹیوں کا اصل اور حقیقی ایجنڈا ہی اسلام دشمنی ہے، اس کو چھوڑنے کے بعد ان کے پاس کوئی ایجنڈا باقی نہیں رہے گا، اس لیے وہ اس کو کبھی نہیں ترک کرسکتی ہیں۔

۹- ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں مسلمانوں کے لیے علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا جائز ہوگا؟ جبکہ اسے سیکولر ایجنڈے کے تحت ہی کام کرنا پڑتا ہے، نیز ایک احساس یہ بھی ہے کہ جہاں مسلمانوں کی آبادی مرتکز نہیں ہوتی ہے، وہاں خصوصاً اور دوسرے علاقوں میں عموماً مسلم سیاسی جماعت کا قیام مسلمان مخالف ووٹ کو متحد کردیتا ہے اور اس سے فرقہ پرست تنظیمیں فائدہ اٹھا لیتی ہیں۔

جس ملک میں مسلمان اقلیت میں ہوں وہاں مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لیے اور حکومت میں ذمہ داری کے لیے مسلم سیاسی جماعت قائم کرنا جو مسلم مفادات میں کام کرے اور باقاعدہ الیکشن میں حصہ لے شرعاً جائز اور درست ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے، لیکن ہندوستان کے حالات عمومی اعتبار سے اس کی اجازت نہیں دیتے۔ کسی خاص صوبے میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو یا مسلمان کثیر تعداد میں ہوں وہاں تو اس کا فائدہ ہوسکتا ہے مگر پورے ہندوستان کو پیش نظر رکھا

جائے تو ایسی سیاسی جماعت سے مسلمانوں کا نقصان ہی ہوتا ہے، کیونکہ کچھ خاص مسلم علاقے سے ایک دو سیٹ مل جانے سے کوئی بڑا فائدہ نظر نہیں آتا جبکہ فرقہ پرست پارٹیاں اس سے غیر مسلم ووٹ کو مسلمانوں کے خلاف متحد کر دیتی ہیں جس سے دوسری سیکولر پارٹیوں کے مسلم اور غیر مسلم امیدواروں کو اس سے شکست نصیب ہوتی ہے۔ اس لیے ہندوستان میں مسلم سیاسی جماعت قائم کرنا مسلم مفادات کے خلاف ہے۔

۱۰- الیکشن میں خواتین کا کیا کردار ہونا چاہیے؟ کیا انہیں ووٹ میں حصہ لینا چاہیے؟ کیا ان کو الیکشن میں امیدوار بننا چاہیے؟ کیا وہ قانون ساز اداروں کی ممبر بن سکتی ہیں؟

اسلامی شریعت میں گھر کے باہر کی ذمہ داریاں خواتین کے سر نہیں ڈالی گئی ہیں، ان کو گھر کی ذمہ داریاں دی گئی ہیں۔ حصول معاش کی ذمہ داری بھی ان کو نہیں دی گئی ہے اور مردوں پر ان کا نفقہ لازم کر کے ان کو اس سے بری الذمہ کر دیا گیا ہے۔ ان کے لیے حجاب کا وجوب بھی ہے، اس لیے ان کا زیادہ گھر سے باہر نکلنا بھی باعث فتنہ ہونے کی وجہ سے ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے، اس لیے اصولی طور سے تو یہی ہونا چاہیے کہ الیکشن میں خواتین کا امیدوار بننا درست نہ ہو، کیونکہ بہت سے مراحل ایسے آتے ہیں، جہاں ان کی شرعی پابندیاں حجاب وغیرہ قائم نہیں رہ سکتی ہیں۔

لیکن ہندوستان جیسے ملک میں جہاں مسلمانوں کو بہت حزم وتدبر اور احتیاط کے ساتھ رہنے اور دشمنوں کی چالوں پر گہری نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے، جیسے کہ سرحد پر فوجیں ہوتی ہیں کہ تھوڑی سی بے توجہی بھی ضرر رساں ہو جاتی ہے اور دشمنوں کا وار چل جاتا ہے، اسی طرح مسلمانوں کو فرقہ پرستوں کی سازشوں پر گہری نگاہ رکھنا ضروری ہے۔

پنچایت سے لے کر اسمبلی اور پارلیمنٹ تک تمام جگہوں میں خواتین کا ریزرویشن بھی مسلمانوں کے لیے یہی حیثیت رکھتا ہے، بعض ریاستوں میں پنچایت کی سطح پر پچاس فیصد سیٹیں خواتین کے لیے ریزرو کر دی گئی ہیں۔ اسی طرح پارلیمنٹ میں ۳۳ فیصد سیٹیں خواتین کے لیے ریزرو کرنے کا بل لوک سبھا میں پیش ہو چکا ہے۔ ایسی صورت میں اگر مسلم خواتین کو الیکشن میں امیدوار بننے کی اجازت نہیں دی جائے گی تو اتنی سیٹیں مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائیں گی، بقیہ سیٹوں پر بھی بہت کم ہی مسلمان آپاتے ہیں۔ اس سے حکومت میں مسلمانوں کی حصہ داری کم سے کم ہوتی چلی جائے گی جس سے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچے گا، اس لیے یہاں بھی اہون البلیتین کے قاعدہ پر عمل کرتے ہوئے مسلم خواتین کو شرعی پردہ اور اپنی عصمت وعفت کی حفاظت کے ساتھ الیکشن میں امیدوار بننے کی اجازت دی جائے گی، البتہ اس کے لیے ان کو اپنے شوہر یا ولی سے اجازت لینا ضروری ہے۔

الیکشن سے مربوط شرعی مسائل

ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی☆

الیکشن موجودہ زمانے کی سماجی زندگی کا ایک اہم عنوان ہے۔ کم وبیش پوری دنیا میں آج الیکشن اجتماعی زندگی کے ایک اہم مرحلہ کے طور پر آتا ہے جس میں پوری قوم شریک ہوتی ہے، بے انتہا سرگرمیاں انجام پاتی ہیں، اور اس کے نتائج سے ملک اور اس کی عوام کی تقدیریں وابستہ رہتی ہیں، اس سے ملکوں اور قوموں کے مستقبل طے ہوتے ہیں، بڑے بڑے فیصلے انجام پاتے ہیں اور ایسی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں جن کے اثرات گہرے اور دوررس ہوتے ہیں۔ نہ صرف ملک کے اندر بلکہ بیرونی دنیا اور عالمی اقوام کے ساتھ اس ملک کے رشتہ اور پالیسی میں بھی الیکشن کے نتائج کا بڑا دخل ہوتا ہے، پھر الیکشن کا عمل اور اس کا نتیجہ صرف سیاسی سطح تک محدود نہیں رہتا کہ دلچسپی رکھنے والے لوگ تو اس سے متاثر ہوں اور دیگر باشندوں کو حکومت کی تبدیلی سے کوئی خاص واسطہ نہ ہو۔ موجودہ زمانے میں صورت حال بہت بدل چکی ہے، زندگی کے تمام شعبے اب الیکشن کے عمل سے متاثر ہورہے ہیں، کیونکہ پالیسیاں اور قوانین بنانے کا اختیار ہاتھوں میں آجاتا ہے، جن کا تعلق انسان کی انفرادی زندگی اور مذہبی معاملات کے ساتھ بھی اسی طرح ہوتا ہے جس طرح ملازمت وکاروبار، مالی لین دین، رہائش وآمدورفت اور نظم وانتظام سے ہوتا ہے بلکہ خانگی زندگی کے معاملات، احوال شخصیہ کے امور، عبادات اور مذہبی رسومات، عبادت گاہوں کے قیام اور نظم وانصرام، دینی وتعلیمی اداروں کی تشکیل وتعمیر اور سرگرمی حتیٰ کہ قرابت ورشتہ اور عبادت ونجی عمل کے علاوہ بچوں کی تعلیم وتربیت بھی ان قوانین اور پالیسیوں کے دائرہ میں آجاتے ہیں۔ الغرض الیکشن موجودہ دور میں ایک ایسا اجتماعی عمل ہے جس سے دنیا اور دین کے بیشتر مفادات وابستہ ہوچکے ہیں۔ اس لیے خواہی نخواہی اب الیکشن کے عمل سے اصحاب سیاست جس طرح دلچسپی لیتے ہیں، ارباب منبر ومحراب کو بھی ان پر نظر رکھنی ضروری ہوتی ہے۔

جہاں تک اس سلسلہ میں اسلامی شریعت کی رہنمائی کی بات ہے اس بابت درج ذیل نکات محتاج توجہ ہیں:

☆ اسسٹنٹ پروفیسر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد۔

اول:

دین کا حکم پوری زندگی کو محیط ہے۔ سیاست اور اس سے جڑے مسائل گوکہ بیشتر نئے دور کی پیداوار ہیں، لیکن اس ضمن میں بھی ہمیں اسلام کی اصولی ہدایات اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے روشنی حاصل کرنی ہوگی۔ عہد نبوی میں ایسے متعدد واقعات پیش آئے ہیں جو موجودہ سیاسی عمل کی پیچیدگیوں میں رہنمائی فراہم کرتے ہیں، پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اوران کے تربیت یافتہ تلامذہ نے تمدنی اور سیاسی ارتقاء کے ماحول میں جو زندگی مدینہ منورہ اور جزیرہ عرب میں گزاری، نیز دعوت اسلامی کو لے کر جب قرب و جوار کے مفتوحہ علاقوں بلکہ غیر مسلم ملکوں میں تشریف لے گئے اور وہاں بودوباش اختیار کرلی، تو سیاسی اتار چڑھاؤ کے مواقع پر ان کا جو طرز عمل رہا وہ ہمارے درپیش سوالات کے لیے نشان راہ بنتے ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ واقعہ قابل ذکر ہے جو ہجرت حبشہ میں وہاں صحابہ کرامؓ کی جماعت کو پیش آیا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب ہم حبشہ میں تھے تو ایک مرتبہ بادشاہ نجاشی کے خلاف سیاسی بغاوت ہوئی، ایک دوسرے شخص نے حکومت چھیننے کی کوشش کی، اس موقع پر بخدا، ہمیں جو شدید غم اور فکر لاحق ہوئی وہ کبھی نہ ہوئی تھی، اس اندیشہ کے تحت کہ دوسرا حاکم غالب آجائے تو نہ معلوم وہ ہم لوگوں کے ساتھ وہ حسن برتاؤ روا رکھے یا نہیں جو موجودہ بادشاہ نے ہمارے ساتھ رکھا ہے۔ ہم نجاشی کی کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے اور اللہ سے مدد چاہتے رہے، جب جنگ چھڑی تو صورت حال سے باخبر رہنے کے لیے ہم میں سے زبیرؓ جو سب سے کم عمر تھے، پانی کے راستہ موقع جنگ پر پہنچے اور جنگ میں شریک ہوئے، پھر جب نجاشی کو کامیابی حاصل ہوئی تو زبیرؓ خوشخبری لے کر لوٹے، اس موقع پر ہمیں نجاشی کی کامیابی سے جتنی خوشی ہوئی کبھی ویسی خوشی نہیں ہوئی (البدایہ والنہایہ، ۳/ ۱۲۳)۔

اس واقعہ میں قابل غور مقام یہ ہے کہ نجاشی کے ساتھ جو فوج تھی وہ غیر مسلم تھی، نیز وہ نظام بھی غیر اسلامی تھا، لیکن صحابہ کرامؓ نے نہ صرف ان کی کامیابی کے لیے دعائیں کیں، بلکہ جنگ میں شریک ہوئے اور مدد پہنچائی۔ خود یہ بادشاہ جس کا نام اصحمہ تھا، اس نے باوجود مسلمان ہونے کے غیر مسلم عوام پر غیر اسلامی نظام و قانون کے مطابق دس برسوں سے زائد تک حکومت کی۔ بخاری شریف (حدیث نمبر ۳۸۷۷) کے مطابق نجاشی کی وفات پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **"مات الیوم رجل صالح فقوموا علی اخیکم اصحمه"**، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی مسلمان تھا جبکہ اس کی حکومت ایک غیر مسلم قوم پر اور غیر اسلامی نظام کے تحت تھی۔

دور خلافت راشدہ میں حضرت عمر فاروقؓ نے شرعی مصالح کی بنیاد پر متعدد اقدامات کیے، حضرت عثمانؓ نے جمع

قرآن کے بعد دیگر مصاحف کے جلانے کا حکم دیا، حضرت علیؓ نے زندیقوں کو جلوادیا۔ یہ اقدامات اور فیصلے عموماً غالب مصالح کے پیش نظر کیے گئے۔

دوم:

الیکشن سے متعلق جو سوالات ہمارے سامنے درپیش ہیں ان کی بابت قرآن اور حدیث کے دوٹوک اور براہ راست احکام کی تلاش شاید نتیجہ خیز نہ ہو، کیونکہ سیاسی معاملات اور دنیاوی امور بیشتر مصالح عامہ کے حصول اور مفاسد کے ازالہ یعنی جلب مصالح اور دفع مفاسد پر مبنی ہوتے ہیں۔ سیاست ہر وہ عمل ہے جو لوگوں کو صلاح سے قریب اور فساد سے دور کرے۔ اس میں شریعت کے عمومی قواعد واصول کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہوگی۔ امت مسلمہ کے مجموعی مفادات بسا اوقات فیصلہ میں موثر بنیں گے اور عمومی مصالح کی بنیاد پر اقدامات طے پائیں گے اور اس حوالے سے جو نظیریں عہد اول میں پیش آئی ہیں ان سے روشنی حاصل ہوگی۔ یہ بات تو بیان سے مستغنی ہے کہ شریعت اسلامیہ سراپا عدل ومصلحت کا نام ہے۔ امام عزالدین بن عبدالسلام نے فرمایا: **الشریعة کلها راجعة الی مصالح العباد فی دنیاهم وآخرتهم** (قواعد الاحکام ۲/۱۳۶) ابن تیمیہ نے فرمایا: **الشریعة جائت بتحصیل المصالح وتکمیلها وتعطیل المفاسد وتعطیلها** (الفتاوی ۱/۲۶۵) اور ابن القیم نے لکھا ہے: **عدل کلها ورحمة کلها ومصالح کلها وحکمة کلها** (اعلام الموقعین ۳/۲) اور علامہ سخاوی نے تو بڑی معنی خیز بات لکھی ہے، فرماتے ہیں: **من اعظم خطأ السلاطین و الامراء تسمیة افعالهم الخارجة من الشرع سیاسة، فان الشرع هو السیاسة لاعمل السلاطین بهواه ورایه** (الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ، صفحہ ۹۷)۔

سوم:

تیسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ سیاسی معاملات اور امور تدبیر میں توسیع کی روش اختیار کرنی ہوتی ہے۔ ان میں عموماً مصالح اور مفاسد کی آمیزش کا معاملہ ہوتا ہے، خالص مصالح تو دوسرے امور میں بھی شاذ ہی ہوتے ہیں، لیکن سیاسی معاملات میں ایسی صورت زیادہ درپیش ہوتی ہے، لہٰذا ان میں مصلحت کا عموم اور غلبہ کے علاوہ دفع مفسدہ کی ترجیح فیصلہ کن بنتے ہیں۔ کبھی بڑے مصالح کے حصول کے لیے چھوٹے مفاسد اور بدعات کو انگیز بھی کرنا ہوتا ہے۔ علامہ قرافی کی یہ بات کتنی چشم کشا ہے وہ فرماتے ہیں: **اعلم ان التوسعة علی الحکام فی الاحکام السیاسیة لیس مخالفا للشرع، بل تشهد له القواعد الشرعیة من وجوه** (تبصرة الحکام ۲/۱۴۴) اور علامہ ابن تیمیہ کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے، وہ لکھتے ہیں: **فاذا تعذر اقامة الواجبات من العلم والجهاد وغیرذلک الا بمن فیه بدعة مضرتها اقل من مضرة ترک ذلک الواجب کان**

تحصيل مصلحة الواجب مع مفسدة مرجوحة معه خيرا من العكس (الفتاویٰ ۲۸/۲۱۲)۔

ان تینوں قابل توجہ امور اور نکات کا حاصل یہ ہے کہ موجودہ دور کے درپیش ان سیاسی معاملات اور الیکشن سے متعلق سوالات کے شرعی جوابات ڈھونڈتے وقت شریعت کی حکمت و مصلحت، امت مسلمہ کے وسیع تر مفادات اور بالخصوص برعکس صورت میں مرتب ہونے والے نقصانات اور مضرتوں کو پیش نظر رکھنا انتہائی ضروری ہوگا۔ یہاں شریعت کے اصول وقواعد کے دائرہ میں رہ کر وسعت نظری اور مستقبل شناسی کے ساتھ فیصلوں کی ضرورت ہوگی۔

اس ضروری گفتگو کے بعد جو دراصل جوابات کے لیے بنیاد فراہم کرتے ہیں، اصل سوالات کے براہ راست جوابات پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ **والعلم عندالله و الصواب منه، فان اصبت فمن الله، و ان اخطات فمني و من الشيطان واستغفر الله العظيم۔**

۱- ووٹ کی شرعی حیثیت

ووٹ (Vote) انگریزی زبان کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: رائے اور رائے دہی۔ عربی زبان میں اس کے لیے 'صوت' اور 'تصویت' کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جس کا معنی بھی اسی سے قریب یعنی آواز اور (رائے) دینا ہے۔ ازروئے قانون مخصوص اوصاف اور شرائط کے حامل شخص کا متعدد امیدواروں میں سے کسی ایک کے حق میں اپنی رائے کا اظہار 'ووٹ دینا' کہلاتا ہے۔ ووٹ کے ذریعہ کسی فرد/افراد کا انتخاب کیا جاتا ہے، اسی لیے اس پورے عمل کا نام 'الیکشن' (Election) یعنی انتخاب ہے۔ ووٹ دینا ہمارے ملک میں اختیاری عمل ہے۔ پھر یہ ووٹ اپنے قریبی اعزہ کے حق میں بھی دیا جاتا ہے۔

ووٹ کی اس مذکورہ نوعیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دراصل انتخاب کا ایک طریقہ ہے۔ ایک منصب کے لیے متعدد امیدوار سامنے ہیں تو ان میں سے کسی ایک فرد کو منتخب کرنے کے لیے اس کے حق میں ووٹ ڈالا جاتا ہے، جس فرد کے حق میں اکثریت کی رائے ہوتی ہے وہ 'منتخب' (Elected) قرار پاتا ہے۔ یہ پوری تشریح بتاتی ہے کہ ووٹ دینا فی الحقیقت کسی فرد کو منتخب کرنا ہے۔ یہ منتخب شخص اپنے منتخب کرنے والوں کے حلقہ کا نمائندہ کہلاتا ہے۔ وہ ان کے مسائل و معاملات کی نمائندگی کرتا ہے، لیکن وہ ان کے علاوہ اپنی پارٹی کا بھی پابند ہوتا ہے جس نے اسے اس حلقہ سے امیدوار بنایا تھا۔ اسی طرح اگر وہ منتخب فرد کسی وزارت کا ذمہ دار بنایا جاتا ہے تو اس کی ذمہ داریاں اپنے حلقہ کی نمائندگی سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اس تناظر میں ووٹ کی شرعی حیثیت کے تعلق سے معاصر فقہاء کی رایوں میں اختلاف ہوا ہے۔ متعدد فقہاء نے جہاں ووٹ کو شہادت کے درجہ میں مانا ہے، جن میں شیخ ابوزہرہ، قحطان دوری، یوسف قرضاوی، نصر فرید اور صلاح سلطان وغیرہ ہیں تو وہیں کچھ

دوسرے فقہاء جیسے مصطفیٰ سباعی، فتحی درینی اور فواد عبدالمنعم وغیرہ نے اسے وکالت اور نیابت کے معنی میں لیا ہے، لیکن منتخب شخص کی جو نوعیت اوپر بیان کی گئی اس کے پیش نظر راقم کا رجحان اس جانب جاتا ہے کہ ووٹ نہ تو شہادت ہے اور نہ نیابت ووکالت، کیونکہ شہادت اپنے اعزہ کے حق میں نہیں ہوسکتی، نہ ہی اس میں لفظ شہادت کا کہیں پر ذکر آتا ہے۔ پھر ووٹ کے ذریعہ منتخب شخص صرف اپنے ووٹرس (Voters) کی نمائندگی نہیں کررہا ہوتا ہے، اور نہ وہ اپنے ووٹروں کی آراء کا پابند ہوتا ہے بلکہ اس کے برعکس وہ اپنی پارٹی کی رائے کا پابند ہوتا ہے۔ اور نہ ہی ووٹرس اسے اس کے منصب سے ہٹا سکتے ہیں۔ ووٹ راقم کے خیال میں صرف 'انتخاب اور چننا' ہے۔ لفظ بھی اسی تصور کی تائید کرتا ہے، ووٹ کی نوعیت اور منتخب شخص کے اختیارات و اعمال بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ پس ووٹ کی شرعی حیثیت اختیار اور انتخاب کی ہے۔

۲-ووٹ دینے کا شرعی حکم:

جیسا کہ ذکر کیا گیا، راقم کے خیال میں ووٹ شہادت نہیں ہے، یہ انتخاب اور اختیار ہے۔ اگرچہ موجودہ وقت میں اس کی نوعیت ایسی بنی ہوئی ہے کہ ووٹ دینے کو صرف جائز کہا جاسکے گا، لیکن الیکشن کے ساتھ امت مسلمہ کے جتنے عمومی مفادات وابستہ ہوچکے ہیں، ان کے پیش نظر اب اس کو صرف جائز اور مباح نہیں رہنا چاہیے بلکہ مستحب سے آگے بڑھ کر مطلوب اور بعض احوال میں بعض حلقوں کے اندر تو واجب ہونا چاہیے۔

۳-امیدوار بننا:

چونکہ الیکشن سے مسلمانوں کے اجتماعی مفادات، دینی مصالح کا قیام اور بہت سے مفاسد کا ازالہ وابستہ ہوتے ہیں۔ اگر قانون ساز اور پالیسی ساز اداروں میں مسلمانوں کی موجودگی ہوگی تو مفاسد پر بالکلیہ روک نہیں تو ان میں کمی ضرور آسکے گی اور امت کے حق میں بہت سے فیصلے ہوسکیں گے، جیسا کہ اب اس کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوتا ہے، اس لیے ایسے افراد کے لیے الیکشن میں امیدوار بننا درست اور بسا اوقات مطلوب ہے جو سچائی، امانت و دیانت داری اور قابلیت کے ساتھ مسلمانوں کے حق میں بہتر رول ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اس کی تائید حضرت یوسفؑ کے واقعہ سے ہوتی ہے، جنھوں نے غیر مسلم بادشاہ سے وزارت مالیات طلب فرمائی تھی۔ قرآن نے ان کے الفاظ نقل کیے ہیں: **اجعلني على خزائن الأرض إني حفيظ عليم** (یوسف:۵۵) نیز حضرت عمر فاروقؓ نے جن چھ صحابہ کے حق میں خلافت کا معاملہ چھوڑا تھا، امیدواری ان کی جانب سے بھی پائی گئی، کیونکہ بعد میں اس جماعت کے کنوینر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان سے پوچھا کہ کون کون اپنے حق سے دستبردار ہوتے ہیں اور نتیجتاً تین اصحاب بقیہ تین اصحاب کے حق میں دستبردار ہوئے تھے۔

۴-قانون ساز اداروں کی ممبری:

قانون ساز اداروں کا ممبر بننا درست ہوگا، کیونکہ ان اداروں سے دوری اختیار کی جائے گی تو بتدریج پوری اسلامی شناخت اور امت مسلمہ کا وجود ہی محال ہو جائے گا اور خدانخواستہ اسپین اور وسط ایشیا کے ممالک کی افسوسناک تاریخ رقم ہونے لگ جائے گی۔

۵-دستور سے وفاداری کا حلف:

ہمارے ملک کا دستور ہر شخص کو اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ و اشاعت کرنے کی آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے دوسرے جمہوری حقوق اسی دستور کی وجہ سے حاصل ہیں جو بہت سے 'مزعومہ مسلم ممالک' میں حاصل نہیں ہیں۔ اسی طرح ظلم اور حق تلفی کے خلاف آواز اٹھانے کے لیے ہم اسی دستور کا سہارا لیتے ہیں، حتیٰ کہ اگر کسی عدالت سے کوئی خلاف شرع فیصلہ آتا ہے یا کوئی ایسا قانون بنانے کی تیاری ہوتی ہے جس سے مسلمانوں کے حق میں اسلامی شریعت میں مداخلت ہوتی ہے، تو ان مواقع پر بھی دستور ہند کے ذریعہ سے اصلاح یا مسلمانوں کے لیے استثناء کے مطالبات کو منوانے میں کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ نیز یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ خود دستور کے اندر بھی ترمیمات ہوتی رہتی ہیں اور اس میں اصلاح و تبدیلی کے قانونی طریقے موجود رہتے ہیں۔ پس اس دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا درست ہے۔

۶-ہندوستان کے ایوانوں میں مسلم ممبران اللہ کے نام پر حلف اٹھاتے ہیں اور اس کی انہیں اجازت ہے۔

۷-سیکولر پارٹی کی شمولیت:

سیکولرزم کا مفہوم ہمارے ملک کے اندر دوسرے بعض ممالک سے علاحدہ ہے، یہاں اس کا مفہوم یہ ہے کہ اسٹیٹ کے نزدیک سارے مذاہب برابر ہوں گے۔ ایسی صورت میں یہاں مختلف اقوام و اہل مذاہب کے ساتھ پرامن بقائے باہم کے لیے سیکولرزم ایک بہتر اور قابل عمل تصور ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ سیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ زیادہ کرتی ہیں، ایسی پارٹیوں میں شرکت کے ذریعہ مسلم مفادات کے لیے زیادہ بہتر طور پر کام کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے ایسی پارٹیوں میں شرکت، الیکشن میں حصہ اور حکومت میں شمولیت درست ہوگی۔

۸-مسلم دشمنی کے لیے معروف پارٹیوں میں شرکت عمومی حالت میں درست نہیں ہوگی۔ یہ طے کرنا کہ ایسی پارٹیوں میں شریک ہو کر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کی جائے گی، ایک نازک کام ہے۔ بہر حال ایسا کوئی فیصلہ مقامی

حالات اور نفع ونقصان کے باریک موازنہ کی بنیاد پر کیا جاسکتا ہے۔

۹-علاحدہ سیاسی جماعت کا قیام:

علاحدہ سیاسی جماعت اس طور پر قائم کرنا سیاسی مصلحت کے مطابق ہوگا کہ اس میں دیگر اقوام بالخصوص مظلوم طبقات کی بھی شرکت ہو۔ایسی مخلوط سیاسی جماعت جس کی قیادت مسلم ہاتھ میں ہو،اس خطرہ سے بھی محفوظ رہنے میں مدد دے گی کہ اس کے نتیجہ میں مسلم مخالف ووٹ متحد ہوجاتا ہے اور اس کی وجہ سے مسلم مصالح کی کار برآری بہتر ہوسکے گی۔

۱۰-سیاست میں خواتین کی شمولیت:

جو رجحان ملک کے اندر تیزی سے ابھر رہا ہے اس میں ایسے مواقع پر جہاں مسلم مرد کی شمولیت ممکن نہ ہو۔(مثلاً نشستیں خواتین کے لیے محفوظ کردی گئی ہوں) الیکشن میں خواتین کی امیدواری اور قانون ساز اداروں کی ممبری حتی الوسع تمام اسلامی احکام وآداب کی پابندی کے ساتھ درست ہوگی۔حضرت عثمانؓ کی خلافت کے سلسلہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے مدینہ منورہ میں بڑے پیمانہ پر مشاورت کی تھی،اور اس ضمن میں انہوں نے پردہ نشین خواتین سے بھی رائے لی تھی۔علامہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے: **حتی خلص إلى النساء المخدرات فی حجالهن وإلى الولدان فی المکاتب** (منہاج السنہ ۶/ ۳۵۰،البدایہ والنہایہ ۷/ ۱۴۶)۔

هذاماعندی والله اعلم بالصواب

الیکشن سے متعلق چند مسائل واحکام

مولانا اشتیاق احمد الاعظمی القاسمی☆

ووٹ کی شرعی حیثیت:

ہندوستان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے، نیز ہندوستان کا جمہوری نظام نہایت مستحکم بنیادوں پر قائم ہے۔ یہ مستحکم جمہوریت جہاں ملک کے لیے سلامتی کی ضامن ہے، وہیں مذہبی، لسانی اور تہذیبی اقلیتوں کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ جمہوریت اور جمہوریت کے زیر سایہ انتخابی عمل کا ہی نتیجہ ہے کہ ہمارے ملک میں بار بار حکومتیں بدلتی رہتی ہیں، لیکن یہ تبدیلی نہات پرامن طریقہ سے، کسی تشدد اور بغاوت کے بغیر وجود میں آتی ہے اور عوام کو اپنے ووٹوں کی طاقت سے اپنی ناپسندیدہ حکومتوں کو ہٹا کر پسندیدہ حکومتوں کو لانے کا موقعہ ملتا رہتا ہے۔

اس پورے عمل میں ووٹروں کو اپنی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے، امیدوار حضرات انہیں لبھانے کے لیے مختلف ہتھکنڈے استعمال میں لاتے ہیں، اس لیے اس نازک عمل میں مسلم ووٹروں کو اپنی حیثیت کو دین وشریعت کی روشنی میں روبہ عمل لانے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔ من مانے انداز میں ووٹ دے کر اپنے آپ کو خسران میں نہیں ڈالنا چاہیے۔

فقہائے امت اور مفتیان شرع متین نے ووٹ دینے کے عمل کو 'شہادت' کی حیثیت دی ہے۔ یعنی ووٹر جس شخص کو ووٹ دیتا ہے، گویا وہ اس کے بارے میں یہ شہادت دے رہا ہے کہ یہ شخص اس کام کی صلاحیت ولیاقت بھی رکھتا ہے اور اس کے اندر دیانت وامانت بھی موجود ہے۔

اگر وہ شخص ان مذکورہ بالا اوصاف کا حامل نہیں ہے اور ووٹر یہ جانتے ہوئے بھی اس کو ووٹ دیتا ہے تو یہ جھوٹی گواہی دینا ہے، اور جھوٹی گواہی دینا گناہ کبیرہ ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابوبکرہؓ سے مروی ہے۔ قال قال رسول الله ﷺ: **ألا أنبئكم بأكبر الكبائر قلنا: يا رسول الله! بلى، قال: الإشراك بالله وعقوق الوالدين وكان متكئا فجلس فقال: ألا وقول الزور وشهادة الزور، ألا وقول الزور وشهادة الزور فما زال يقولها حتى**

☆ دار العلوم مئو ناتھ بھنجن۔

قلت: لا یسکت (رقم الحدیث:۵۹۷۶ صحیح البخاری) (رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تم لوگوں کو سب سے بڑا کبیرہ گناہ نہ بتلاؤں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! تو آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، آپ ٹیک لگا کر بیٹھے تھے تو اٹھ گئے اور فرمایا: جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا، سنو! جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا آپ برابر یہی جملہ کہے جارہے تھے، یہاں تک کہ میں نے اپنے جی میں کہا کہ آپ خاموش نہیں ہوں گے)۔

اس حدیث شریف سے جھوٹی گواہی کی کس قدر شناعت وقباحت ظاہر ہورہی ہے۔ اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

ووٹر کے حلقہ میں اگر چند امیدوار الیکشن لڑنے کے لیے کھڑے ہوں اور اسے یہ معلوم ہے کہ قابلیت، دیانت اور امانت کے اعتبار سے زید ہی قابل ترجیح ہے تو اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کو ووٹ ڈالنا گویا جھوٹی گواہی دینا ہے اور یہ سخت گناہ کبیرہ کا مرتکب ہورہا ہے۔

لہذا اچھے اوصاف کے حامل امیدوار کو چننا اور منتخب کرنا، مسلم ووٹر پر واجب ہے، ایک مسلمان شخص اس بابت اللہ کے سامنے جوابدہ ہوگا، اسی مناسبت سے مفتی عبداللہ الفقیہ اپنے ایک فتوے میں ارشاد فرماتے ہیں: **فان من یشارک فی الانتخابات یعتبر شاهدا و مزکیا لمن یرشحه و ینتخبه و هو مسئول امام الله عن تلک الشهادة فیتعین ان لاینتخب إلا من هو أصلح و أکثر کفاء لما یقوم به** (جو شخص انتخابات میں شریک ہوتا ہے (یعنی ووٹ دیتا ہے) وہ اپنے منتخب کرنے والے امیدوار کے حق میں شہادت دے رہا ہوتا ہے اور اس کا تزکیہ (یعنی اچھے اوصاف والا ہونے کا دعویٰ کررہا ہوتا ہے) چنانچہ وہ اس شہادت کی بابت اللہ کے سامنے جوابدہ ہوگا، اس ووٹ دینے والے پر یہ متعین ہوجاتا ہے کہ وہ ایسے شخص کو ہی منتخب کرے، جس میں زیادہ صلاحیت اور کام کرنے کی زیادہ لیاقت پائی جارہی ہو) (مرکز الفتوی باشراف الدکتور عبدالله الفقیه)۔

دوسرے یہ کہ غلط اور نااہل آدمی کا انتخاب جہاں جھوٹی گواہی دینے کے زمرہ میں آتا ہے، وہیں اس میں امانت کی تضییع وبربادی بھی لازم آتی ہے اور امانت کا ضیاع، علامات قیامت میں سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشادگرامی ہے: **فاذا ضیعت الأمانة فانتظر الساعة قال: کیف إضاعتها؟ قال: اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة** (البخاری) (جب امانت برباد کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو، صحابی نے پوچھا: امانت کی بربادی (کا مطلب) کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جب معاملہ نااہل کو حوالہ اور سپرد کیا جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو)۔

بہرکیف ووٹ کو جب 'شہادت' کے درجہ میں مان لیا گیا تو ووٹ دینا بدون عذر واجب ہوگا، کیونکہ قابل اور لائق و فائق امیدوار کا منتخب کیا جانا جب متعین ہوچکا ہے تو یہ امر بغیر وجوب کے حاصل ہی نہیں ہوسکتا، ہمارے اسی خیال کی تائید عصر

حاضر کے معروف عربی ادارہ ''لجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء'' ریاض کے مفتیان کرام کے ایک فتوے سے ہورہا ہے: لکھتے ہیں: **ودخول الانتخابات فی هذا الظرف من أوجب الواجبات الشرعية لمحاربة الباطل أو التقليل من شره على الأقل**۔ ایک دوسرے عرب عالم دکتور احمد منصور اسی جیسے مسئلے میں تحریر فرماتے ہیں: **انا اری أن الانتخابات واجبة، يجب ان نعين من نرى ان فيه خيرا لانه اذا تقاعس اهل الخير من يحل محله؟**

دوسرے یہ کہ جب گواہی دینے کا مطالبہ ہو تو اسے چھپانا جائز نہیں اور جب ووٹنگ کا رتبہ شہادت کا ہے تو گویا حکومت ووٹنگ کا نظم کرا کے لوگوں کو شہادت دینے کا مکلّف بنا دیتی ہے، قرآن نے شہادت چھپانے کو ممنوع قرار دیا ہے: **ولاتكتموا الشهادة** (اور گواہی کو نہ چھپایا کرو) انتخاب کے دوران مختلف امیدواروں کا میدان میں اترنا، اس بات کو واجب کرتا ہے کہ سچی گواہی اور مناسب ترین شخص کو ووٹ دے کر ایمان دار اور لائق ومناسب شخص کو اپنا نمائندہ چنا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **كونوا قوامين لله شهداء بالقسط** (اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو) دوسری جگہ ارشاد ہے: **كونوا قوامين بالقسط شهداء لله** (انصاف کو خوب قائم کرنے والے، اللہ کے واسطے گواہی دینے والے بن جاؤ) ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے سچی گواہی دینے کا امر فرمایا ہے کہ ایک مسلمان سچی گواہی دینے سے جی نہ چرائے اور اللہ کے لیے ادائیگی شہادت کے لیے کھڑا ہو جائے، ایک اور آیت میں ارشاد ہے: **وأقيموا الشهادة لله** (اور اللہ کے لیے سچی گواہی کو قائم کرو)۔

ان تمام آیات اور مذکور الصدر حدیث: **إذا وسد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة** کی روشنی میں سچی گواہی دینا واجب ہے، اس لیے ووٹنگ میں حصہ لینا واجب ہوگا تاکہ اہل اور مناسب شخص ہماری نمائندگی کر سکے۔ لیکن اگر ووٹنگ کو ''سفارش'' یا ''وکالت''، تسلیم کیا جائے جیسا کہ مفتی محمد شفیعؒ کی یہ بھی ایک رائے ہے تو اس صورت میں ووٹنگ میں حصہ لینا محض استحباب کے درجہ میں ہونا چاہیے۔

جواب (۳) الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنا غیر مستحسن امر ہے، کیونکہ اسلام کا مزاج یہ نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ کو اقتدار کے حصول کے لیے پیش کرے، اسلام کی روح اور اس کا مزاج یہ چاہتا ہے کہ اقتدار اور منصب ایسے شخص کے حوالہ کیا جائے جو اس کو ایک مقدس امانت سمجھے اور اس کو ہمیشہ اس بات کی فکر دامن گیر رہے کہ کہیں مجھ سے اس عہدہ، منصب اور امانت کی ادائیگی میں کہیں کوئی خیانت اور کوتاہی نہ ہو جائے۔ منصب ایسے شخص کے حوالہ کرنے کے حق میں نہیں جو اس کا لالچی، حریص اور خواہشمند ہو، اگر ایسا شخص عہدہ کو اپنی کوششوں سے حاصل بھی کرے تو اللہ کی طرف سے اس کی اس نصرت، مدد اور تائید نہیں ہوا کرتی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے آنحضور ﷺ نے فرمایا: **لاتسأل الإمارة فإنک إن أعطیتها عن مسألة وکلت إلیها وإن أعطیتها عن غیر مسألة أعنت علیها** (متفق علیه بحواله مشکوٰة المصابیح ص:۳۲۰/ کتاب الامارة) (عبدالرحمٰن بن سمرہؓ! تم کسی امارت (یعنی عہدہ یا منصب) کا سوال نہ کرنا، کیونکہ اگر وہ عہدہ تمہیں مطالبہ کے نتیجہ میں مل گیا تو تم اس عہدہ کے حوالہ کر دیئے جاؤ گے (اور اللہ کی طرف سے تمہاری کوئی مدد اور نصرت نہیں کی جائے گی) اور اگر عہدہ و منصب بدون مطالبہ، تمہیں حوالہ کیا جائے تو اللہ کی طرف سے تمہاری مدد واعانت ہوگی)۔

اس کی روشنی میں یہ فیصلہ کچھ مشکل نہیں کہ کسی منصب یا عہدہ کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنا نامناسب ہے بلکہ ایسا شخص اگر منصب حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہوجائے تو منجانب اللہ اس کی مدد اور اعانت نہیں ہوا کرتی۔

لہٰذا بہتر یہ ہے کہ کسی لائق، ماہر، دیانت دار اور امین شخص کو حلقے یا وارڈ کے لوگ الیکشن لڑانے کے لیے کھڑا کریں، جو الیکشن جیت کر لوگوں کے مسائل کے حل میں پوری دلچسپی رکھنے والا اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت کا پورا خیال رکھنے والا ہو، جان بوجھ کر نااہل، نالائق اور بددیانت شخص کو ووٹ دینا ہرگز جائز اور درست نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی شخص واقعۃً باصلاحیت، قومی، ملی اور سماجی امور کی قیادت کے سلسلے میں مہارت تامہ کا حامل اور خدا ترس ہو تو اسے اپنے آپ کو امیدوار بنائے جانے کے لیے پیش کرنا جائز ہوسکتا ہے۔ خاص طور سے جبکہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اگر اس حلقہ سے میں نہ اٹھا یا اس عہدہ کو آگے بڑھ کر اگر میں نے نہ قبول کیا تو اس کے لیے نااہل اور غلط قسم کے لوگ آگے آسکتے ہیں اور اس منصب کا غلط استعمال کرسکتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں اس کی دلیل موجود ہے، کیونکہ آپ نے عزیز مصر سے ملک کے خزانہ کا مطالبہ کیا تھا جس کی حکایت قرآن میں یوں بیان کی گئی ہے: **اجعلنی علی خزائن الأرض إنی حفیظ علیم۔**

جواب (۴) کسی بھی ایسے ادارہ کا ممبر بننے کا جہاں مخالف شریعت قوانین بھی بنائے جاتے ہوں، علی الاطلاق جواز کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا، ہاں جہاں امید ہو کہ ممبر بننے کے بعد میں کسی درجہ میں اپنی قوم وملت اور مسلمانوں کی بہی خواہی اور ان کی خدمت انجام دے سکتا ہوں یا مخالف شریعت قوانین کے پاس نہ ہونے دینے میں مداخلت کرسکتا ہوں تو ایسی صورت میں ممبر بننے کا جواز ہوسکتا ہے۔ ایک عرب عالم اور مفتی کا یہ بیان اس سلسلے میں قابل غور ہے: **لکن المسلم اذا دخل عضوا فی هذا المجلس یجب علیه ان ینکر المنکر ویأمر بالمعروف وان غلبت آراء اهل الباطل عندالتصویت فواجب المسلم ان یتحفظ ویمتنع عن التصویت، حینئذ ولا شیء علیه ان شاء الله، بل هو مثاب حیث اسمع کلمة الحق وإن لم یعملوا بها، فالله یقول لرسوله ﷺ: إن علیک إلا البلاغ** (الشوری/۴۸) "**انک لا تهدی من أحببت ولکن الله یهدی من یشاء**" (القصص/۵۶)۔

ایسی پارٹی جس کی پالیسیاں سراسر مخالف ہوں تو اولاً یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسی پارٹی میں شمولیت اختیار کرنا، ایک مسلمان کے لیے جائز ہوسکتا ہے؟ یقیناً اس کا جواب نفی میں ہوگا۔ ہاں تمام سیکولر پارٹیاں اسلام مخالف بھی ہوں اور سیکولر ہونے کے ناطے کچھ نیوٹرل پالیسیاں بھی اپنائی گئی ہوں کہ جس کے بعض دفعات کی ضرب اسلام پر نہ پڑتی ہوتو ایسی پارٹی کا انتخاب ایک مسلمان کرے تو اہون البلیتین کے پیش نظر اس کے جواز کی گنجائش میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔ باقی ایسی پارٹی جس کی پالیسیاں اسلام مخالف ہوں اور اس نے اپنے ممبران کے لیے وہیپ بھی جاری کر دیا ہو، جس کے بعد وہ اپنی ضمیر کے خلاف ووٹ دینے پر مجبور ہوجاتا ہو تو ہمارے خیال میں ایسی پارٹی کی ممبر شپ جواز کے حدود میں نہیں آسکتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان** (اور گناہ اور تعدی کے کام پر ایک دوسرے کا تعاون نہ کیا کرو)۔

(۵) قانون ساز اسمبلیوں اور اداروں کے ارکان منتخب ہونے کے بعد دستور کی وفاداری کا حلف اٹھانے کی صورت میں اگر چہ دستور کی بعض دفعات خلاف شریعت ہوں تو اس کی شکل یہ ہونی چاہیے کہ وفاداری کے عہدنامہ پر اگر تحریری دستخط لیے جاتے ہوں تو اتباع شریعت کے پختہ عہد کے ساتھ دستخط کر دے اور اگر زبانی کہلوایا جاتا ہو تو دل میں اس کی پختہ نیت کرلے کہ اتباع شریعت ہر صورت میں کروں گا اور زبانی اقرار کرلے۔ **إلامن أکرہ وقلبہ مطمئن بالإیمان** (مگر یہ کہ کلمۂ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو) تو اس کی شرعاً گنجائش ہے، اسی جیسے مسئلہ میں مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اسمبلی میں جس عہدنامے پر دستخط کیے جاتے ہیں اس میں اتباع شریعت کے پختہ عہد کے ساتھ دستخط کیے جاسکتے ہیں'' (کفایت المفتی: کتاب السیاسیات ۹/۳۵۱)۔

(۶) بعض عیسائی ملکوں میں بائبل پر حلف لینا پڑتا ہے تو مسلم ارکان کے لیے اس نیت کے ساتھ حلف لینا درست ہوسکتا ہے کہ میں اس انجیل میں جو حصہ صحیح اور منزل من السماء ہے، اسی حصہ پر حلف برداری کر رہا ہوں اور ظاہر ہے کہ آج بھی انجیلوں میں کچھ نہ کچھ حصہ ضرور صحیح اور درست موجود ہے گرچہ یہ بھی صحیح ہے کہ تحریف وتبدیل شدہ حصہ بھی کم نہیں اور یہ بھی مسلمات میں ہے کہ اللہ کے کلام کے ذریعہ حلف صحیح اور درست ہے، کیونکہ کلام الٰہی، اللہ کی صفت ہے اور صفات الٰہیہ میں کسی کے بھی ذریعہ قسم کھانا درست ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی قسم کھانا بھی اسی لیے جائز ہے کہ وہ بھی اللہ کی صفت ہی ہے: **یجوز الحلف بالقرآن لأنہ صفة من صفات اللہ عزوجل** (فقه المزار عندالائمة ۱۰/۱۴۹)۔

(۷) ہاں ایسی سیکولر پارٹیوں میں مسلمانوں کی شمولیت کی گنجائش ہوسکتی ہے جس کے منشور کی بعض دفعات اسلام مخالف یا مسلم مفادات کے مغائر ہوں، لیکن یہ سیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں۔

(۸) جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہوں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہو تو ایسی پارٹی میں ایک مسلمان کا شامل ہونا ہرگز جائز نہیں ہونا چاہیے، خواہ وہ نیت ہی کیوں نہ کرے کہ میں پارٹی میں شامل ہو کر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کروں گا، اولاً تو ایسی پارٹیوں کے ایجنڈے میں کسی تبدیلی کا دور دور تک کوئی امکان ہی نہیں، عملاً ایسی پارٹیوں میں جو مسلمان شمولیت اختیار کرتے بھی ہیں تو وہ صرف نام کے مسلمان ہی ہو سکتے ہیں، ان کو اسلام اور مسلمانوں کے مسائل یا مفادات کے تحفظ سے کچھ لینا دینا نہیں ہوتا، ان کا تمام تر مذہب اور دھرم پارٹی کا عین منشور ہی ہوا کرتا ہے، وہ اس کے خلاف یا اس کی مخالفت کا بھی تصور نہیں کر سکتے، چہ جائیکہ وہ اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کریں تو اب ایسی کسی پارٹی میں شامل ہونا اور یہ نعرہ بلند کرنا کہ ہم اس کے منشور میں تبدیلی کروائیں گے، محض ایک نعرہ ہی ہو سکتا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ مسلمانوں کے مسائل سے ان کا کچھ لینا دینا نہیں، ایسی پارٹیوں میں شمولیت گویا: **ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة** کا مصداق ہوگا۔

(۹) تجربہ سے علیحدہ مسلم جماعت بنانا مفید نہیں معلوم ہو رہا ہے، خاص طور سے ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، کیونکہ اپنی علیحدہ جماعت بنا کر بھی انہیں سیکولر ایجنڈے پر ہی عمل کرنا ہوگا، ساتھ یہ احساس بھی ملحوظ خاطر ہونا چاہیے کہ جہاں مسلمانوں کی آبادی مرتکز نہیں ہوا کرتی، وہاں خصوصاً اور دوسرے علاقوں میں عموماً مسلم سیاسی جماعت کا قیام مسلم مخالف ووٹ کو متحد کر دیتا ہے اور اس کا فرقہ پرست طاقتیں فائدہ اٹھا لیتی ہیں، جس کا مشاہدہ ہم ہندوستانی مسلمان عموماً اپنے ان علاقوں میں کرتے ہیں جہاں اس قسم کی صورت حال در پیش ہوا کرتی ہے۔

جواب (۱۰) عورتوں کا ووٹنگ میں حصہ لینا اور ان کا الیکشن میں امیدوار بننا:

عورتوں کو ووٹنگ میں حصہ لینا جواز کی حدود میں آسکتا ہے بشرطیکہ وہ شرعی ضوابط کے ساتھ اس عمل میں شرکت کریں، گھر سے باہر نکلنے کے جو اصول، شریعت میں متعین ہیں ان کا لحاظ کرتے ہوئے، بناؤ سنگار، زیورات اور خوشبو استعمال کیے بغیر، پولنگ اسٹیشن جا کر ووٹ دینا چاہیں تو اس کی گنجائش ہو سکتی ہے، نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ مردوں کے ساتھ لائن میں لگ کر یہ کام نہ کیا جائے بلکہ عورتوں کی لائن بالکل علیحدہ ہو، ووٹ دلانے والے اور انگلی میں نشان لگانے والے مرد نہ ہوں، بلکہ یہ سارے کام عورتیں انجام دیتی ہوں تو ایسی صورت میں عورتوں کا ووٹنگ میں حصہ لینا درست ہو سکتا ہے، کیونکہ جمہوریت میں اعداد کا شمار ہوا کرتا ہے، اس لیے مصلحت کا تقاضہ ہے کہ مسلمانوں کی حصہ داری اس عمل میں مکمل ہو۔ فتاویٰ الشبكة الاسلامیہ میں ایک جزئیہ اسی نوعیت کا مذکور ہے: **فإن مبدأ المشاركة فی الانتخابات یدور مع المصلحة...... واذا وجدت المصلحه فيها فلا مانع ان تشارک المراة فی الانتخابات والادلاء فی اختيار احد المرشحين**

اذا التزمت بالضوابط الشرعية فی خروجها من بیتها والتزمت بالشرع فی اختیار من تدلی بصوتها لصالحه (فتاویٰ الشبکة الاسلامیه/ مرکز الفتویٰ باشراف الدکتور عبدالله الفقیه)۔

مسلمانوں کو جب عمر فاروقؓ کے بعد امیر المومنین کا انتخاب کرنا ہوا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جہاں مردوں سے اس بابت مشورہ لیا تھا وہیں عورتوں سے بھی مشورہ لیا تھا۔ **ویدل علی ذلک ان عبدالرحمن بن عوف رضی الله عنه استشار الناس فی اختیار من یجعله أمیرا للمسلمین حتی استشار النساء (فتاویٰ الشبکة الاسلامیه)** ایک دوسری جگہ یہ عبارت موجود ہے: **بقی عبدالرحمن یشاور الناس ثلاثة ایام...... وانه شاور حتی العذاری فی خدورهن** (فتوی الشیخ محمد علی فرکوس)۔

رہا عورتوں کا الیکشن میں امیدوار بننے کا مسئلہ تو یہ امر بالکل واضح ہے کہ شریعت میں عورتوں کو ملک کا حکمران اعلیٰ بنانا توبالکل جائز نہیں۔ **اما بخصوص تولی منصب الخلیفة (رئیس الدولة) او ما یقوم مقامه من سائر المسئولیات الکبری والولایات العامة فان الذکورة فیه شرط مجمع علیه، قال الجوینی: "وأجمعوا أن المرأة لا یجوز أن تکون إماما" و هو ما نص علیه ابن حزم فی 'مراتب الاجماع'** (رہا خلیفہ ملک کا سربراہ اعلیٰ) یا اس کے قائم مقام مناصب پہ فائز کیے جانے کا مسئلہ تو اس میں مذکر ہونے کی شرط ہے جو مجمع علیہ ہے، چنانچہ امام جوینیؒ نے کہا: اور فقہا کا اجماع ہے کہ عورت کا امام (حاکم اعلیٰ) بنایا جانا جائز نہیں، امام ابن حزم نے بھی مراتب اجماع میں اس کی تصدیق کی ہے) (فتویٰ الشیخ محمد علی فرکوس)۔

عورتوں کے حاکم اعلی بنائے جانے کے عدم جواز پر فقہا نے اس روایت سے استدلال کیا ہے: **لما بلغ رسول الله ﷺ ان أهل فارس ملکوا علیهم بنت کسری قال: "لن یفلح قوم ولوا أمرهم امرأة"** (بخاری) **قال الشوکانی: فیه دلیل علی أن المرأة لیست من أهل الولایات ولا یحل لقوم تولیتها، لأن تجنب الأمر الموجب لعدم الفلاح واجب** (رسول اللہ ﷺ کو جب یہ معلوم ہوا کہ فارس کے لوگوں نے اپنے اوپر کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنالیا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا: "وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پاسکتی، جس نے اپنے معاملہ کا ذمہ دار کسی عورت کو بنا رکھا ہو" امام شوکانی نے فرمایا: حضور ﷺ کے اس فرمان میں دلیل ہے کہ عورت ولایت عامہ اور حاکم اعلیٰ بنائے جانے کی مستحق نہیں اور نہ ہی کسی کے لئے حلال ہے کہ وہ انہیں ان مناصب پہ فائز کرے، کیونکہ جو چیز عدم فلاح کو مستلزم ہو اس سے اجتناب واجب ہے)۔

عورتوں کو الیکشن میں امیدوار بنائے جانے میں چند ممنوع امور کا ارتکاب ناگزیر ہے:

۱-عورتوں کے ذمہ گھر گرہستی کی ذمہ داری واجب عینی ہے اور یہی اس کی اصل مسئولہ ہے اور باہر کی ذمہ داری اگر ہو بھی تو وہ واجب کفائی ہے اور واجب عینی اور واجب کفائی میں جب تعارض ہو تو واجب عینی مقدم ہوا کرتا ہے کما ہو مقرر اصولیا اور یہاں تو واجب کفائی عورتوں کے ذمہ سے بالکلیہ ساقط ہو جاتا ہے، کیونکہ مرد اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے کافی ہیں۔ یہی بات اس عربی فتوی میں مذکور ہے:

(**تزاحم اعمال المرأة فی بیتها الذی هو الأصل المسؤولة عنه و هو فی حقها من قبیل الواجب العینی مع ما هو واجب کفائی، وحال التعارض والتزاحم یقدم العینی علی الکفائی کما هو مقرر أصولیا، وخاصة الکفائی یسقط وجوبه بقیام الرجال به**) (فتویٰ محمد علی فرکوس).

۲-کسی الیکشن میں کامیاب ہوکر قانون ساز مجلس میں عورت کے ممبر بن کر جانے کی حیثیت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اسے ایک قسم کی عام ملازمت حاصل ہوگئی ہے، جس کے ذریعہ اسے کمائی کرنے کا موقع ہاتھ لگ گیا ہے۔ شریعت اسلامیہ نے عورت کو کمانے اور روزی حاصل کرنے سے مستغنی کر رکھا ہے، کیونکہ شادی کے بعد اس کے خورد ونوش کی ذمہ داری اس کے شوہر کے ذمہ کر رکھی ہے اور شادی سے پہلے یہ ذمہ داری اس کے باپ یا ولی کی تھی **وکذلک اعتبار العضویة فی مجلس الشوریٰ، وظیفة عامة یسترزق منهاو یکتسب والمرأة مکفیة المؤنة إما مع ولیها أو مع زوجها** (المرجع السابق)۔

تیسری خرابی یہ ہے کہ قانون ساز مجلس میں مردوں کے ساتھ اختلاط کی نوبت بھی آئے گی اور کبھی کبھی اجنبی مردوں کے ساتھ خلوت بھی اور یہ چیز شرعاً بالکل درست نہیں **فضلا عن اختلاطها بالرجال من اعضاء المجلس او الخلوة مع بعضهم**۔

خلاصہ یہ کہ عورت کی ذات نہ تو مناصب عامہ (حاکم اعلیٰ) بننے کی صلاحیت رکھتی ہے اور نہ ہی قانون ساز مجلسوں کی ممبر شپ حاصل کرنے کی مستحق ہے۔ **فالحاصل أن المرأة لا تصلح سیاسیا فی المشارکة لتولی منصب الخلیفة (رئیس الدولة) ولا عضویة مستحقة لها فی مجلس الشوریٰ** (المرجع السابق/ ایضاً) **هذا ما عندی والله اعلم بالصواب**

الیکشن سے مربوط فقہی مسائل

مفتی محمد ابوبکر قاسمی ☆

اسلامی حکومت میں صرف دوشعبہ ہوا کرتا ہے ایک عدلیہ کا دوسرے منتظمہ کا اور جمہوری حکومت میں تین شعبہ ہوا کرتا ہے۔ایک مقنّنہ کا دوسرے عدلیہ کا تیسرے منتظمہ کا۔

مذہب اسلام کی رو سے چونکہ ساری کائنات کا خالق و مالک اللہ اور صرف اللہ ہے، اس لئے وہی حاکم حقیقی ہے اور ہر انسان پر اصلاً اللہ رب العزت ہی کی حکمرانی قائم ہے، اس لئے اسلامی حکومت میں سربراہ مملکت کی حیثیت خلیفہ (نائب) کی ہوتی ہے، نہ کہ مالک وخودسر کی، قال الله تعالیٰ: إن الحكم إلا لله (فیصلہ تو اللہ تعالیٰ ہی کا معتبر ہے)۔

اس کے برعکس غیر اسلامی حکومتوں میں جسے دور حاضر میں جمہوری حکومت کا نام دیا جاتا ہے، اس قسم کی حکومتوں میں انسان ہی کو مستقل مان کر کثرت رائے سے فیصلہ کیا جاتا ہے اور خود انسان ہی قانون وضع کرتا ہے، البتہ بعض جمہوری حکومتوں میں احوال شخصیہ سے متعلق بعض مسائل و معاملات میں قدرے مذہبی آزادی ہوا کرتی ہے، اجتماعی اور ملکی مسائل کے حل کے لیے، خود انسان ہی قانون بنایا کرتا ہے، اور ملک کا جو سربراہ اعلیٰ ہوتا ہے، اسی کو بادشاہ تسلیم کیا جاتا ہے، جمہوری ملکوں میں سربراہ کا انتخاب اگرچہ عوام کے ووٹ سے ہوتا ہے اور محدود مدت کے لئے لیکن اگر وہ خودسر اور مطلق العنان ہو تو بسا اوقات قوم وملت کو بہت کچھ نقصان پہنچا دیتا ہے، اسی لئے جمہوری ملکوں میں اس کے اقتدار کی مدت چار پانچ سال تک کے لئے محدود کردی جاتی ہے۔

مذکورہ تفصیل سے اسلامی حکومتوں اور جمہوری حکومتوں کے فرق کو بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔اسلامی حکومتوں میں اصل قانون قرآن وحدیث ہے۔البتہ اس کی تشریح وتوضیح علماء وفقہاء کرتے ہیں۔

چنانچہ فقہی کتابوں میں جو مسائل درج ہیں ان میں جہاں احوال شخصیہ کا بیان ہے، وہیں اجتماعی وملکی مسائل کی بھی تفصیل ہے۔اس کے برعکس جمہوری حکومت میں قوانین آئے دن بدلتے رہتے ہیں اور ہر ملک کا علیحدہ علیحدہ قانون آئے

☆ مفتی مدرسہ اسلامیہ شکرپور۔

دن بنتا رہتا ہے اور جب کبھی کوئی قانون بنتا ہے تو غور کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور ارباب بصیرت علماء وفقہاء کو اس کا جائزہ لے کر اس کے حسن وقبح پر تبصرہ بھی کرنا پڑتا ہے، چنانچہ اس تناظر میں مروجہ الیکشن سے مربوط ومتعلق چند فقہی مسائل کی شرعی حیثیت مندرجہ سطور میں تحریر کی جارہی ہے۔ **وما توفیقي إلا بالله**۔

۱-ووٹ کی حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت:

ووٹ انگریزی زبان کا لفظ ہے، اس کے لغوی معنی رائے ومشورہ دینے کے ہیں، گویا ووٹر ووٹ ڈال کر اور اپنے پسندیدہ امیدوار کے چناؤ نشان پر مہر لگا کر الیکشن کمیشن کے سامنے تحریری طور پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ امیدوار میرے نزدیک متعلقہ کاموں کا اہل ہے، گویا ووٹ کی حقیقت تحریری مشورہ کی ہے اور حدیث نبوی ہے **المستشار موتمن** (ابن ماجہ کتاب الادب حدیث ۳۷۴۵، ترمذی ۲۸۲۲، ابوداؤد ۵۱۲۸) (مشورہ دینے والا شرعاً امانتدار ہے)۔

لہٰذا اگر کسی ووٹر نے کسی نااہل شخص کو ووٹ دے کر جتا دیا تو شرعاً اس نے خیانت سے کام لیا، اور ایک حدیث نبوی کے مطابق کسی نااہل کو کسی کام کے لئے منتخب کرنا علامات قیامت میں سے ہے، جو شرعاً جائز نہیں ہے۔ **إذا وسد الأمر إلیٰ غیر أھله فانتظر الساعة** (رواہ البخاری کتاب العلم حدیث:۵۹)۔

نیز ووٹ کی حیثیت شہادت کی بھی ہے، لہٰذا کسی نااہل کو ووٹ دے کر جتانا گویا جھوٹی گواہی دینا ہے۔ جو شرعاً جائز نہیں ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: **اجتنبوا قول الزور** (سورۃ الحج:۳۰) (اور جھوٹ بولنے سے بچو)۔

۲-ووٹ کا شرعی حکم:

الیکشن کے بعد جس کسی شخص کا سلیکشن ہوتا ہے، ملک کی قانون سازی میں اس کا عمل دخل ہوتا ہے اور انسان کی اجتماعی اور سیاسی زندگی میں اس کا اچھا خاصا اثر پڑتا ہے، اس لئے ووٹ دے کر کسی اچھے اہل الرائے کو قانون سازی کے لئے منتخب کرنا صرف مستحب ہی نہیں بلکہ شرعاً واجب ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ایک مستقل سورہ کا نام الشوریٰ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کامل ایمان والوں کا یہ حال بیان کیا ہے کہ ان کے باہمی معاملات مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔ **وأمرھم شوریٰ بینھم** (سورۃ الشوریٰ:۳۸) نیز حضور اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا: **وشاورھم فی الأمر** (سورہ آل عمران:۱۵۹) یعنی آپ حضرات صحابہ سے مشورہ کیجئے۔

نیز خلافت کے متعلق حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے: **لاخلافة إلا عن مشورة** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۰/۵۷۴) نیز بخاری شریف کی ایک طویل حدیث میں خلافت کے متعلق حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے: **من بایع رجلا من غیر مشورة من**

المسلمين فلا يتابع هو ولا الذى تابعه تغره أن يقتلا ۔سیدنا عمر کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ جو شخص کسی کو بغیر کسی مشورہ کے اپنا خلیفہ بنا کر اس کے ہاتھ پر بیعت ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کے ہاتھ پر (جیسے بغیر مشورہ کے امیر منتخب کیا گیا ہے) بیعت ہونا موجب ہلاکت ہے۔

۳-الیکشن میں خود کو بحیثیت امیدوار پیش کرنا:

اسلامی حکومت میں خود کو امارت وخلافت کے لئے بحیثیت امیدوار پیش کرنا شرعاً درست نہیں ہے، چنانچہ صحیح مسلم کتاب الامارت میں یہ حدیث نبوی ہے: **والله لا نولي على هذا العمل أحدا سأله ولا أحدا حرص عليه** (مسلم ۲/۱۲۰) لیکن جہاں غیر اسلامی حکومت ہو نیز جن جمہوری ممالک میں موجودہ پارلیمانی انتخاب کا طریقہ رائج ہو ویسے علاقہ میں سیدنا یوسف علیہ السلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے جو شخص اپنے قول وعمل کی بنیاد پر خود کو مجوزہ ومقررہ ذمہ داری والے کو بحسن وخوبی انجام دینے کے لائق سمجھتا ہو، وہ بحیثیت امیدوار کے پیش کر سکتا ہے، جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے شاہ مصر سے کہا تھا: **اجعلني على خزائن الأرض إني حفيظ عليم** (سورہ یوسف:۵۵)۔

چنانچہ مفسر قرطبی نے اپنی تفسیر جامع لاحکام القرآن (۵/۱۴۱) میں لکھا ہے، **ودلت الآية أيضاً على جواز أن يطلب الإنسان عملا يكون له أهلا** نیز امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہؓ کی سند سے مرفوعاً نقل کیا ہے **من طلب قضاء المسلمين حتى يناله ثم غلب عدله جوره فله الجنة ومن غلب جوره عدله فله النار** (سنن ابی داؤد کتاب القضاء ۲/۵۰۳)۔

اس حدیث نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی عہدہ طلب کرنا اور اس کا امیدوار بننا مطلقاً ممنوع نہیں ہے، بلکہ جہاں ظلم کا اندیشہ ہو، یا ظلم کا غالب گمان ہو وہاں ممنوع ہے اور جہاں عدل کا پہلو غالب ہو اور اپنے اوپر پورا اعتماد ہو کہ وہ انصاف کو ملحوظ رکھے گا، وہاں شرعاً عہدہ طلب بھی کیا جا سکتا ہے۔

۴-مخالف شریعت قانون ساز ادارے کا ممبر بننا:

جن ممالک میں مخالف شریعت قانون بنانے والے ادارے قائم ہوں، ان کا ممبر بن کر مخالف شریعت قانون بنانے میں حمایت کرنا اور اس کی معاونت کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، **كما قال الله تعالىٰ: ولا تعاونوا على الإثم والعدوان**، البتہ جن لوگوں کو اپنے اوپر اعتماد ہو کہ وہ ایسے ادارہ کا ممبر بن کر اور ان کے پروگراموں میں شامل ہو کر اور مخالف شرع بنائے جانے والے قانون کو جان کر مسلمانوں کے با اثر لوگوں کو اس سے واقف کریں گے اور مخالف شرع بنائے جانے

والے قانون کوسدھارنے کی کوشش کریں گےتو ان کے لئے تعاون بالبر والتقویٰ پر عمل کرتے ہوئے ایسے اداروں کا ممبر بننا شرعاً درست ہے، البتہ جس مجلس میں مخالف شرع قانون پاس ہورہا ہو، کوشش کرے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے توریہ سے کام لے کر اور خود کو بیمار ظاہر کرکے اس مجلس سے علیحدہ رہے، چنانچہ آل عمران کی آیت (۲۸) **فلیس من الله فی شئ إلا أن تتقوا منهم تقاة** اور سورۂ صافات کی آیت (۸۹) **إنی سقیم** سے اس سلسلہ میں واضح رہنمائی ملتی ہے۔

سورۂ آل عمران کی آیت (۲۹) کے تحت حضرات مفسرین نے کافروں سے دلی دوستی جسے موالات کہتے ہیں، کو ناجائز لکھا ہے، البتہ مواسات ظاہری خوش خلقی اور رواداری نیز تجارت وصنعت اور ملازمت وغیرہ کے دنیاوی معاملات کو جائز لکھا ہے (معارف القرآن جلد اول سورہ آل عمران کی تفسیر ملاحظہ ہو)۔

۵-خلاف شرع قانون ساز ادارے کا ممبر بن کر وفاداری کا حلف اٹھانا:

جن قانون ساز اداروں میں مخالف شرع قانون بنائے جاتے ہوں ان اداروں کا ممبر بن کر وفاداری کا حلف اٹھانا اس شخص کے لئے جائز ہے جو یہ نیت کرکے حلف برداری کرے کہ جو قانون شرع ہوگا ہم اس کو بدلنے کی کوشش کریں گے، اور جب تک نہ بدلے گا کم ازکم ہم اس سے اپنے دل میں نفرت رکھیں گے، چنانچہ علامہ نووی علیہ الرحمہ نے قرآن کریم کی سورہ المائدہ: (۱۰۵) **لا یضرکم من ضل إذا اهتدیتم** کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے: **المذهب الصحیح عند المحققین فی معنی الآیة إنکم إذا فعلتم ما کلفتم به فلا یضرکم تقصیر غیرکم** (شرح صحیح مسلم ۵۱/۱)۔

۶-بائبل کے ذریعہ حلف برداری کا مسئلہ:

حلف بغیر اللہ (یعنی ماسوی اللہ کی قسم کھانا) شرعاً ممنوع وناجائز ہے، لہٰذا مسلمانوں کو حلف باللہ کا پابند ہونا چاہئے، لیکن اگر کسی غیر مسلم ملک میں بائبل کے ذریعہ حلف برداری کا رواج ہو اور کسی مسلمان نے بائبل کو محرف کتاب سمجھتے ہوئے اور توریہ کرتے ہوئے ہاتھ میں لے کر وفاداری کا حلف لے لیا تو شرعاً ایسا کرنے سے منع تو ضرور کیا جائے گا لیکن اس مسلمان کے کفر وفسق کا حکم نہ لگایا جائے گا۔ البتہ ایسی حالت میں مسلم ممبران کو چاہئے اس قسم کے حلف برداری کے مروجہ طریقے کو ختم کرنے کی کوشش کرے۔ چنانچہ امام ترمذی نے جہاں یہ حدیث ذکر کی ہے **من حلف بغیر الله فقد کفر أو أشرک** (ترمذی ۲۸۰/۱)، وہاں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے: **وتفسیر هذا الحدیث عند بعض أهل العلم أن قوله: فقد أکفر أو أشرک علی التغلیظ والحجة فی ذلک حدیث ابن عمر أن النبی علیه السلام**

سمع عمر یقول: وابی وابی فقال: ألا إن الله ینھاکم أن تحلفوا آبائکم (ترمذی ۱/۲۸۵)۔ علامہ شامی نے یمین بغیر اللہ پر بحث کرتے ہوئے بقول بعض حدیث میں وارد ممانعت کی وجہ سے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ دوسری طرف عام لوگوں کا یہ نظریہ نقل کیا ہے کہ مکروہ نہیں ہے، کیونکہ یمین بغیر اللہ سے بھی یمین کا مقصود حاصل ہوجاتا ہے۔ شامی کی عبارت ملاحظہ ہو: **والیمین بغیرہ مکروھة عند البعض للنھی الوارد فیھا وعند عامتھم لا تکرہ، لأنھا یحصل بھا الوثیقة لا سیما فی زماننا** (شامی ۵/۴۷۷)۔

۷-ایسی سیکولر پارٹی کا ممبر بننا جو بظاہر مسلمانوں کی ہمدرد ہو، لیکن اس کا بعض قانون مخالف اسلام ہو:

بظاہر ہمدرد اور باطن مخالف اسلام سیکولر پارٹی کا ممبر اس نیت سے بننا جائز ہے کہ اس پارٹی کا جو مخالف اسلام قانون ہوگا اس کو اس پارٹی کے سربراہ اور اراکین سے مل کر ختم کرانے کی کوشش کریں گے۔ حدیث نبوی ہے: **من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ ومن لم یستطع فبلسانہ ومن لم یستطع فبقلبہ وذلک أضعف الإیمان** (مسلم شریف ۱/۵۱)۔

۸-مسلم دشمن پارٹی کا ممبر بننا:

مسلم دشمن سیاسی پارٹی کا ممبر بننا عام لوگوں کے لئے تو درست نہیں ہے، البتہ اگر کوئی شخص اصلاح کی نیت سے شریک ہوکر اس کے نظام میں سدھار لائے تو شرعاً ایسے شخص کے لئے اس قسم کی سیاسی پارٹی میں شمولیت شرعاً درست ہے، کیونکہ فقہ کا مسلمہ اصول ہے: **الأمور بمقاصدھا**۔

۹-جس ملک میں مسلمان اقلیت میں ہوں، وہاں کے مسلمانوں کا علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا کیسا ہے؟

جس ملک میں مسلمانوں کی تعداد اکثریتی فرقہ کے مقابلہ میں کم ہو، وہاں کے مسلمانوں کے لئے علیحدہ سیاسی تنظیم قائم کرنے کے سلسلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مسلمانوں کو سیاسی، تعلیمی، تنظیمی، معاشی ہر لائن سے خود کفیل ہونے کی ضرورت ہے۔ دوسری طرف حدیث نبوی ہے: **من لم یھتم بأمر المسلمین فلیس منا** (المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۷۴۷۳)، تیسرے حضور اکرم ﷺ پر سلسلہ نبوت کے اختتام کے بعد عام لوگوں کو اچھی باتوں کی ترغیب دینا اور بری باتوں سے روکنے کا فریضہ اسی امت محمدیہ کے باشعور افراد پر عائد ہوتا ہے۔ چوتھے قوی مسلمان کو کمزور مسلمان کے مقابلہ میں بہتر کہا گیا ہے، لہٰذا دین و دنیا کی ہر جائز لائن میں مسلمانوں کو اپنا اثر ونفوذ بڑھانا چاہئے، نیز باشعور افراد کی ایسی نمائندہ جماعت ضرور ہونی چاہیے جو بوقت ضرورت مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کا فریضہ انجام دے اور یہ سب کام

اخلاص کے ساتھ اعلاء کلمۃ اللہ کی نیت سے کرنا چاہیے، خداوند قدوس کا فرمان واجب الاذعان ہے: إن تنصروا الله ينصركم ويثبت أقدامكم۔ اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: أنتم الأعلون إن كنتم مؤمنين۔ اسی مفہوم میں علامہ اقبال کا مشہور شعر ہے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
آج ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہوکر

۱۰-الیکشن میں عورتوں کا حصہ لینا:

مرد کو اللہ تعالیٰ نے عورت کا محافظ ونگراں اور سردار بنایا ہے اور عورتوں کی سربراہی کو حدیث نبوی میں قوموں کی ناکامی ونامرادی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے: لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة۔ لیکن اگر کسی غیر مسلم ملک میں کسی علاقہ کی نمائندگی کے لئے عورتوں کی نامزدگی کا قانون بنادیا گیا ہوتو ایسی صورت میں مسلمانوں کی دوہری ذمہ داری ہے، پہلی ذمہ داری تو یہ ہے کہ اس قسم کے قانون کو بدلوانے کی بھرپور کوشش کریں اور اگر اس میں ناکامی ہوتو پھر ادھیڑ عمر کی باشعور عورتوں کو اپنا نمائندہ منتخب کریں جن کے بہکنے اور بگڑنے کا کم سے کم امکان ہو، جیسا کہ قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے: "والقواعد من النساء اللاتي لايرجون نكاحا" حالت اضطرار میں عورتوں کی سربراہی کی نظیر قرآن کریم میں مذکور ملکہ سبا کا قصہ ہے۔

الیکشن کے احکام
کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں

مولانا رحمت اللہ ندوی☆

ووٹ کی شرعی حیثیت:

الیکشن خواہ اسمبلیوں کا ہو یا کونسلوں، میونسپلٹیوں کا یا کسی بھی مجلس کی ممبری کا، اس میں امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہونے والا پوری ملت کے سامنے دو چیزوں کا مدعی ہوتا ہے: ایک یہ کہ وہ اس کام کی قابلیت رکھتا ہے جس کا وہ امیدوار ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ دیانت وامانتداری سے اس کام کو انجام دے گا، اب اگر وہ اپنے اس دعوے میں واقعی سچا ہے اور امانت ودیانت کے ساتھ قوم کی خدمت کے جذبہ سے اس میدان میں آیا ہے تو یہ عمل کسی حد تک درست ہے، لیکن بہتر طریقہ یہ ہے کہ خود مدعی بننے کے بجائے کوئی جماعت اس کو نامزد کرے اور اگر وہ شخص کام کی صلاحیت نہیں رکھتا تو امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہونا درست نہیں، وہ قوم کا خائن اور غدار ہے اور اسکا کامیاب ہونا ملک وملت کے لئے نقصان دہ ہے۔ اسی طرح اگر کسی حلقے سے چند امیدوار کھڑے ہوں اور ووٹر کو یہ معلوم ہے کہ قابلیت اور دیانت کے اعتبار سے فلاں آدمی قابل ترجیح ہے تو اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو ووٹ دینا بھی اکبر الکبائر ہے، لہٰذا ووٹر کو چاہئے کہ اپنی آخرت اور انجام کو دیکھ کر ووٹ دے، محض رسمی مروت، یا کسی طمع اور خوف کی وجہ سے اپنے آپ کو اس وبال میں مبتلا نہ کرے۔

ووٹ کی کئی حیثیتیں ذکر کی گئیں ہیں، مثلاً سفارش، کہ ووٹر جس کو ووٹ دے رہا ہے، اس کی نمائندگی کی سفارش کرتا ہے، اچھی سفارش یہی ہے کہ قابل اور دیانتدار آدمی کی سفارش کرے، جو خلق خدا کے حقوق صحیح طور پر ادا کرے، سفارش ایک اہم عہدہ اور ذمہ داری ہے۔

ایک حیثیت وکالت کی ذکر کی جاتی ہے کہ ووٹ دینے والا اس امیدوار کو اپنا نمائندہ اور وکیل بناتا ہے۔ ووٹ کی

☆ استاد دار العلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ)۔

ایک حیثیت مشورہ کی ہے کہ وہ حکومت اور نظم ونسق کے سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے کہ کون زیادہ بہتر اور ایمان دار ہوسکتا ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو جواہر الفقہ ۲/ ۲۹۰/ ۲۹۵، فقہی مقالات ۲/ ۲۸۵/ ۲۹۳، جدید فقہی مسائل ۱/ ۴۵۷)۔

مذکورہ بالا حیثیتوں میں سے ووٹ کی جو بھی حیثیت ہو، حق رائے دہی کے استعمال کی حیثیت بڑی نازک اور اہم ہے، ایک شخص کو غیر مفید سمجھنے کے باوجود اس کو ووٹ دینا شہادت زور، جھوٹا مشورہ اور غلط سفارش جیسے گناہوں کا حامل ہے، مکرر ووٹ دینا، دھوکہ دینا ہے، اسی طرح رائے دہی کی جو عمر متعین ہے اس سے کم عمر کے لوگوں کو ووٹ دینا بھی جائز نہیں ہے۔ اس کا اندازہ بعض روایات سے بھی ہوتا ہے (جدید فقہی مسائل، ج:۱ ص:۴۵۸)۔

بعض علماء اور فقہاء نے ووٹ کی ایک حیثیت شہادت کی بھی ذکر کی ہے، جن میں قابل ذکر حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی، ان کے نامور فرزند مفتی محمد تقی عثمانی، ممتاز فقیہ ڈاکٹر علامہ یوسف القرضاوی اور ہندوستان کے عالم دین وفقیہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ہیں۔ جن حضرات نے ووٹ کو شہادت کا قائم مقائم مانا ہے وہ ادائے شہادت اور کتمان شہادت کی آیات اور احادیث کو پیش کر کے ووٹ کو واجب یا فرض قرار دیتے ہیں، ورنہ دیگر حیثیتوں کو سامنے رکھ کر واجب یا فرض قرار دینا بغیر نص قطعی کے مشکل ہوگا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا واقعی ووٹ کو شہادت کا قائم مقام قرار دینا درست ہے؟

کیا ووٹ شہادت ہے؟

ناچیز کے نزدیک ووٹ کو شہادت قرار دینا کئی وجوہ سے محل نظر ہے، چند کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱- شہادۃ کے لغوی معنی لفظ ''اشہد'' یا ''شہدت'' کے ذریعہ کسی چیز سے متعلق اپنی جانکاری کی خبر دینا ہے اور یہ مشاہدہ اور معائنہ سے ماخوذ ہے۔

شرعی معنی ''إخبار صدق الإثبات حق'' (کسی حق کو ثابت کرنے کے لئے کسی سچ کی خبر دینا) ہے۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ (۸/ ۶۰۲۸) پر ہے:

''الشهادة: لغةً: خبر قاطع، وشرعاً: إخبار صادق لإثبات حق بلفظ الشهادة فی مجلس القضاء''، ووٹ پر شہادت کی یہ لغوی اور شرعی تعریف صادق نہیں آتی۔

۲- تحمل شہادت کی ایک شرط صاحب عقل وتمیز ہونا ہے، بہت سے ووٹ دینے والوں میں یہ شرط مفقود ہوتی ہے۔ خصوصاً سن رسیدگی کی وجہ سے۔

۳- شہادت کا حکم فرض کا ہے، جو شہادت کا حامل ہے جب اس سے مدعی مطالبہ کرے تو اس پر ادائے شہادت لازم

ہے، چھپانا جائز نہیں۔

اگر ووٹ شہادت ہے تو ہر ایک مکلّف (قانونی اعتبار سے جس کا ووٹ ہے) پر ووٹ ڈالنا فرض ہے اگر ایسا نہیں کرے گا تو گنہگار رہوگا۔ ایک بڑی تعداد اور بسا اوقات آبادی کا آدھا حصہ ووٹ نہیں ڈالتا بلکہ ۵۰ / فیصد سے کم وبیش پولنگ ہوتی ہے، تو ہم اسے فرض کہہ کر کتنے لوگوں کو گنہگار بنا رہے ہیں۔

۴- شہادت کا صرف ایک رکن ہے اور وہ لفظ ''اشہد'' کے ذریعہ شہادت کی ادائیگی ہے۔ کیا ووٹ میں یہ رکن موجود ہے؟

۵- ادائیگی شہادت کی صحت و درستگی کے لئے چند شروط ہیں، ان میں سے ایک شرط شاہد کا عادل ہونا ہے، فاسق کی گواہی قبول نہیں، کتنے فساق ووٹ ڈالتے ہیں، کیا ان کا ووٹ ڈالنا درست ہے؟

۶- ایک شرط یہ ہے کہ شاہد بینا ہو، نابینا کی گواہی قابل قبول نہیں، جبکہ ووٹ بہت سے نابینا بھی بٹن دبا کر ڈالتے ہیں۔

۷- ایک شرط یہ ہے کہ شاہد، مشہود لہ کے اصول وفروع نہ ہو، باپ کی گواہی بیٹے کے لئے اور بیٹے کی باپ کے لئے قبول نہ ہوگی۔

جبکہ الیکشن میں ووٹ ڈالتے وقت اصول وفروع ایک دوسرے کو ووٹ دیتے ہیں۔

۸- ایک شرط یہ ہے کہ شاہد اور مشہود لہ کے درمیان زوجیت کا رشتہ نہ ہو، لہٰذا زوجین میں سے ایک کی شہادت دوسرے کے حق میں قبول نہ ہوگی، لیکن ووٹ ڈالنے میں زوجین ایک دوسرے کو ووٹ دیتے ہیں۔

۹- ایک شرط یہ ہے کہ شاہد محدود فی القذف نہ ہو، بہت سے ووٹ ڈالنے والے لات اور جوتا کھائے ہوئے ہوتے ہیں جو حد قذف کے مثل ہے۔

۱۰- جن لوگوں کی شہادت قبول نہیں کی جاتی ہے ان میں سے یہ بھی ہیں:

(۱) مخنث، (۲) نوحہ کرنے والی اور گانے والی، (۳) شرابی اور جواری، (۴) کبیرہ کا مرتکب، (۵) سودخور، جوا، تاش اور شطرنج کھیلنے والا، (۶) راستہ میں کھانے اور پیشاب کرنے والا، (۷) اسلاف کو برا بھلا کہنے والا، وغیرہ وغیرہ۔

جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ بھی موجودہ قانون میں نہ صرف ووٹ ڈالنے کا استحقاق رکھتے ہیں بلکہ ووٹ ڈالتے ہیں **تلک عشرۃ کاملۃ** (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸ / ۵۶۰۳ تا ۶۰۵۰)۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے ووٹ اور ووٹر کی شرعی حیثیت بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

الف- جو حکومت اسلام کی یا کسی بھی مخصوص دین کی پابند نہیں، اس کے زیر اثر رہنے والے مسلمانوں کو ایسے امور

میں تائید وحمایت کرنا شرعاً درست ہے، جن سے احکام اسلام منہدم نہ ہونے متصور ہوں۔

ب-حقوق کی حفاظت اور ظلم سے بچاؤ کے لئے انتخابی الیکشن میں حصہ لینا بھی درست ہے (فتاوی محمودیہ ۴۲۸/۲۰)۔

راقم السطور کے نزدیک ووٹ کی حیثیت محض ایک اظہار رائے اور مشورہ کی ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں، نہ واجب وفرض ہے اور نہ سنت ومستحب، البتہ بعض صورتوں اور خاص حالات میں ووٹ نہ ڈالنے کے مقابلہ میں ڈالنا پسندیدہ اور بہتر ہوسکتا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص بالکل ہی ووٹ نہ ڈالے اور کسی کو بھی اپنا نمائندہ نہ بنائے تو اس کو اس کا اختیار ہے۔حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کا بھی نقطہ نظر یہی ہے (فتاوی محمودیہ ۴۳۱/۲۰)۔

سیاسی پارٹی کی تشکیل:

مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ وانتشار پیدا کرنا یا مذہبی اور سیاسی پارٹیاں بنانا بڑا جرم ہے، مغربی جمہوریت جیسے لادینی نظام میں ایسی سیاسی پارٹیوں کا وجود، جو خلوص نیت سے دین کی سربلندی کے لئے کوشاں ہوں، صرف اس حد تک اضطراراً گوارا کیا جاسکتا ہے کہ بے دینی کے بڑھتے ہوئے سیلاب میں کچھ نہ کچھ رکاوٹ پیدا کرتی رہیں اور یہ اھون البلیتین میں سے ایک کم ضرر والی صورت کو اختیار کرنے کی شکل ہے۔

تمام جماعتیں اور جمعیتیں خواہ وہ کسی نام اور عنوان سے ہوں، سب کی ایک ہی حالت ہے۔جمہوری نظام کا تقاضا یہ ہے کہ یہ جماعتیں اپنا تشخص برقرار رکھیں جب کہ اسلامی نظام کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی پارٹیاں اپنا تشخص ختم کرکے ایک ملت واحدہ میں مدغم ہوکر حزب اللہ بن جائیں اور حزب الشیطان کے مقابلہ میں ڈٹ کر صف آراء ہوجائیں (خلافت وجمہوریت، ص:۹۷)۔

نظام کفر کی قانون ساز مجالس میں مسلمانوں کی شرکت:

الیکشن لڑنا اور اسمبلی میں جانا اگر اس غرض کے لئے ہو کہ ایک غیر اسلامی دستور کے تحت ایک لادینی (Secular)، جمہوری (Democratic) ریاست کے نظام کو چلایا جائے تو یہ ہمارے عقیدۂ توحید اور ہمارے دین کے خلاف ہے، لیکن اگر کسی وقت ملک کی رائے عامہ کو اس حد تک اپنے عقیدہ اور اپنے مسلک سے متفق پائیں کہ ہمیں توقع ہو کہ عظیم انسان اکثریت کی تائید سے ہم ملک کا دستور حکومت تبدیل کرسکیں گے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس طریقہ سے کام نہ لیں، مگر واضح رہے کہ ہم یہ طریقہ کار صرف اس صورت میں اختیار کریں گے، جبکہ:

۱- ملک میں ایسے حالات پیدا ہو چکے ہوں کہ محض رائے عامہ کا کسی نظام کے لئے ہموار ہو جانا ہی عملاً اس نظام کے قائم ہونے کے لئے کافی ہو سکتا ہو۔

۲- ہم اپنی دعوت وتبلیغ سے باشندگان ملک کی بہت بڑی اکثریت کو اپنا ہم خیال بنا چکے ہوں اور غیر اسلامی کے بجائے اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے ملک میں عام تقاضا پیدا ہو چکا ہو۔

۳- انتخابات غیر اسلامی دستور کے تحت نہ ہوں، بلکہ بنائے انتخاب ہی یہ مسئلہ ہو کہ ملک کا آئندہ نظام کس دستور پر قائم کیا جائے (رسائل ومسائل حصہ اول، ص:۳۱۱)۔

فقہ اکیڈمی دہلی کے فیصلے:

آل انڈیا اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنے چودہویں فقہی سمینار حیدرآباد بعنوان ''مسلم وغیر مسلم تعلقات'' بتاریخ ۱-۳ جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ/ ۲۰-۲۲/ جون ۲۰۰۴ء میں جو فیصلے کئے ہیں، ابتداء کے پانچ دفعات موضوع کی مناسبت سے نقل کئے جاتے ہیں:

۱- اسلام کا اپنا ایک مستقل نظام حکمرانی ہے، لیکن موجودہ عالمی حالات میں دوسرے غیر اسلامی نظامہائے حکومت کے مقابلہ میں مروج جمہوری نظام ہی مسلم اقلیتوں کے لئے قابل ترجیح ہے، لہٰذا اس نظام کے تحت مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا، امیدوار بننا، ووٹ دینا اور کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا جائز ہے۔

۲- مسلمانوں کے ملی اور مذہبی مفادات کا تقاضا ہے کہ وہ ووٹ دینے کا قانونی حق بھر پور طریقہ سے استعمال کریں۔

۳- جن سیاسی جماعتوں نے اعلانیہ، اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنی جماعت کا مقصد بنالیا ہو ان میں مسلمانوں کی شرکت جائز نہیں اور ان کے کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ ذاتی طور پر نیک خصلت ہو۔

۴- جمہوری سیکولر سیاسی پارٹیوں سے ملی مفادات کے تحت معاہدے کئے جاسکتے ہیں۔

۵- ملک اور انسانیت کے نفع اور معاشرہ میں عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنے کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ مل کر کام کیا جاسکتا ہے اور ان کے اشتراک سے تنظیمیں بھی قائم کی جاسکتی ہیں (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے ص:۱۱۰/ غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل ص:۴۹)۔

حلف برداری:

حلف برداری ملک کے آئین کے ساتھ وفاداری کا ایک معاہدہ ہوتا ہے اور شرعاً ایسا معاہدہ پورا کیا جائے گا جس

سے اسلام اور شریعت پر آنچ نہ آئے، لیکن جو معاہدہ رسماً یا جبراً و کرہاً ہو اور خلاف شریعت ہو اس کی پابندی لازم نہیں۔
حضرت عبدالرحمٰن بن عمرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"......وإذا حلفت على يمين فرأيت غيرها خيراً منها فأت الذى هو خير و كفرعن يمينک" (متفق علیہ) (...اور جب تم کوئی قسم کھاؤ اور اس کے علاوہ میں خیر دیکھو تو جس میں خیر ہو اس کو بجالاؤ اور اپنی قسم کا کفارہ دے دو)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

"والحلف بكتاب الله أو بالقرآن أو بالمصحف يمين باتفاق المذاهب الأربعة، والحلف بالتوراة أو الإنجيل ونحوهما من كتب الله المنزلة كالزبور يمين فى رأى الحنابلة، لأن اطلاق اليمين ينصرف إلى المنزل من عندالله ، دون المبدل" (الفقه الاسلامی وادلته ۲۰۲۲۲/۸)۔

(کتاب اللہ یا قرآن یا مصحف کی قسم مذاہب اربعہ کے اتفاق کے ساتھ یمین ہے۔ تورات یا انجیل اور ان دونوں کی طرح اللہ کی نازل کردہ کتاب جیسے زبور کا حلف حنابلہ کی رائے میں یمین ہے، کیونکہ جب مطلق یمین ہو تو اللہ کی طرف سے نازل کردہ کی طرف پھیرے گا نہ کہ تبدیل شدہ اور تحریف شدہ کی طرف)۔

اگر ایسی چیز کی قسم کھانے پر مجبور کیا جائے جس کی قسم شرعاً جائز نہیں تو اس کا حیلہ یہ اختیار کیا جا سکتا ہے کہ متصلاً انشاء اللہ کہہ لے، اس صورت میں یمین منعقد نہ ہوگی، "من حلف، فقال إن شاء الله، لم يحنث" (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)۔

فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فیصلے:

اکیڈمی کے سامنے یہ سوال آیا کہ اگر غیر مسلم ممالک میں وہاں کے نظام کی رو سے ضروری ہو کہ عدالت کے سامنے حلف اٹھاتے وقت توریت یا انجیل یا ان دونوں پر ہاتھ رکھا جائے تو مسلمان کے لئے توریت یا انجیل یا ان دونوں پر ہاتھ رکھنے کا کیا حکم ہے؟

اجلاس نے اس سلسلہ میں کس چیز کے ذریعہ حلف لینا جائز ہے اور قسم میں بالعموم اور قاضی کے سامنے عدالتی حلف میں ممنوع امور سے متعلق مختلف مسالک کے فقہاء کی آراء کا جائزہ لینے کے بعد مندرجہ ذیل فیصلے کئے:

۱- اللہ کے سوا کسی اور چیز کی قسم کھانی جائز نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "جسے قسم کھانی ہو وہ اللہ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے"۔

۲- قسم کھاتے وقت مصحف، توریت یا انجیل وغیرہ پر ہاتھ رکھنا قسم کے صحیح ہونے کے لئے ضروری نہیں ہے، البتہ اگر

حاکم قسم پختہ کرنا چاہتا ہوتا کہ قسم کھانے والا جھوٹ بولنے سے ڈرے تو ایسا کرنا جائز ہے۔

۳- کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ قسم کھاتے وقت توریت یا انجیل پر ہاتھ رکھے، اس لئے کہ آج جو نسخے رائج ہیں وہ محرف ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والے اصلی نسخے نہیں ہیں اور حضرت محمد ﷺ پر نازل ہونے والی شریعت نے پچھلی شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے۔

۴- اگر کسی غیر اسلامی مملکت کی عدالت قسم لینے والے کے لئے توریت یا انجیل پر یا ان دونوں پر ہاتھ رکھنا ضروری قرار دیتی ہو تو مسلمان کو چاہیے کہ وہ عدالت سے قرآن کریم پر ہاتھ رکھنے کا مطالبہ کرے، اگر اس کا مطالبہ نہ مانا جائے تو اسے مجبور سمجھا جائے گا اور دونوں یا کسی ایک پر تعظیم کی نیت کے بغیر ہاتھ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا (اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فیصلے۔ پانچواں سمینار، پہلا فیصلہ ص:۱۱۹)۔

خلاصہ بحث:

اسلام کا نظام سیاست موجودہ جمہوریت، ملوکیت اور آمریت سے مختلف ہے، اسلام جس نظام حکومت کے قیام کا طالب ہے وہ خلافت علی منہاج النبوۃ ہے۔ موجودہ مغربی اور جمہوری نظام سیاست کو عین اسلام یا اس سے قریب تر قرار دینا بہت بڑی بھول اور نادانی ہے۔ آج کل کی رائج جمہوریت بے شمار مفاسد اور مضار سے بھری پڑی ہے، اسلام سے اس کا دور دور تک کوئی تعلق نہیں۔ الیکشن میں امیدوار بننا اور ووٹ ڈالنا جائز ہے، جبکہ قوم وملک کے مفاد کو اور خیر خواہی کو پیش نظر رکھا جائے اور اپنے ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر محض خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار ہو کر خلوص نیت کے ساتھ اس میں شرکت کی جائے۔

سوالات کے جوابات حسب ذیل ہیں:

۱- ووٹ کی حیثیت محض ایک اظہار رائے اور مشورہ کی ہے۔ اگر کسی سے رائے یا مشورہ طلب کیا جائے تو وہ طالب کو رائے ومشورہ دے بھی سکتا ہے اور نہیں بھی دے سکتا ہے۔ اسے دونوں کا اختیار ہے، اسے کسی صورت میں مجبور نہیں کیا جا سکتا، البتہ ووٹ نہ دینے سے جب قوم وملک کا نقصان ہو تو اظہار رائے کرنا بہتر ہے اور اپنا حق رائے دہی استعمال کرنا مناسب ہے۔

۲- ووٹ شہادت کے درجہ میں نہیں، اور نہ واجب ومستحب ہے، صرف جائز ہے۔

۳- الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کر سکتے ہیں جب کہ دیانت وامانت، اہلیت اور خدمت خلق کے

اوصاف موجود ہوں ورنہ نہیں، اوصاف مطلوبہ پائے جانے کے وقت خود اپنے کو پیش نہ کرنا بلکہ دوسرے لوگوں کا اسے نامزد کرنا پسندیدہ ہے۔

۴- غیر مسلم ملکوں یا اسلامی ملکوں کے ان قانون ساز اداروں کا ممبر بننا جائز نہیں جو مخالف شریعت قانون بناتے ہیں۔صرف شریعت کے مطابق قانون ساز اداروں کی ممبری جائز ہے۔

۵-صرف ان قانون ساز اداروں کا رکن بننا درست ہے جو خلاف شریعت قانون سازی نہ کرتے ہوں اور رکن منتخب ہونے پر دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا بھی جائز ہے،لیکن دستور کے اکثر بعض دفعات خلاف شریعت ہوں اور منتخب ہونے والا ممبران میں ترمیم کرنے کی پوزیشن میں نہ ہوتو اکثری کا لحاظ کرتے ہوئے حلف برداری کرسکتا ہے،لیکن مخالف شریعت دفعات کےساتھ وفاداری کا پابند نہ ہوگا (**لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق**)۔

۶- بائبل کا حلف لینا جائز نہیں، کیونکہ وہ محرف ہے،اور اگر لے لیا ہے تو اس کا پابند نہیں۔

۷- ان سیکولر پارٹیوں کے ساتھ شمولیت اختیار کر کے الیکشن لڑنا درست ہے، جو مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے زیادہ موزوں اور مناسب ہوں۔

۸- جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمان کی مخالفت شامل ہو، ان میں شریک ہونا جائز نہیں؟ اگرچہ شرکت سے اس کے ایجنڈے میں تبدیلی کی کوشش کی نیت ہو، کیونکہ ایسا ہوتا نہیں ہے، بلکہ شرکت کرنے والا ان میں ضم ہوجاتا ہے۔

۹-جن ممالک میں مسلمان اقلیت میں ہوں، وہاں وہ ملک اور ملت کے احوال ومصالح اور مفادات کو سامنے رکھ کر مناسب ہوتو کسی سیاسی جماعت کی تشکیل کر سکتے ہیں، جب کہ اس کے قیام سے مسلمان مخالف ووٹ متحد نہ ہو اور فرقہ پرست تنظیمیں فائدہ نہ اٹھائیں۔

۱۰-عورت کے لئے باپردہ پورے شرعی لوازمات اور تحفظات کے ساتھ صرف ووٹ ڈالنے کی اجازت ہے، امیدوار بننا یا کسی سیاسی عہدہ اور منصب کے لئے کوشش کرنا جائز نہیں۔مغرب کی عیاری سے ہمیں ہوشیار رہنا چاہئے، کیونکہ وہ تو خاتون خانہ کو شمع محفل بنانے اور تسکین خاطر حاصل کرنے اور آنکھ سینکنے کے لئے طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر ناقصات العقل کو مساوات کا جھنڈا دکھا کر باہر نکالنا چاہتا ہے۔ **ھذا ماعندی و الله اعلم**۔

الیکشن سے مربوط شرعی احکام ومسائل

مولانا محمد ساجد قاسمی ☆

ووٹ کی شرعی حیثیت:

جمہوری نظام حکومت میں ووٹنگ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ اس نظام میں حکمراں کا انتخاب ووٹنگ ہی سے ہوتا ہے، چنانچہ گاؤں، شہر، صوبہ اور ملک کی سطح پر حکمراں کے انتخاب کے لئے ووٹنگ کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ ووٹنگ کی شرعی حیثیت کے بارے میں گفتگو سے پہلے ہم اس کی تعریف کررہے ہیں۔ چنانچہ **المنجد فی اللغة العربیة المعاصرة** میں ہے:

تصویت: **عملية جماعية يقوم بها المواطنون، فيدلون بأصواتهم فى صناديق مقفلة إعرابا عن رأيهم فى أمر عام أو اختيار ممثليهم فى المجالس النبابية** (المنجد فی الغة العربیة المعاصرة ص:۸۹)۔

نیز آکسفورڈ ڈکشنری میں ہے:

Voting: the action of choosing sb or sth in an election or at a meeting (Oxford dictionary:1450)

المنجد کی تعریف سے معلوم ہوا کہ ووٹنگ ایک ایسا اجتماعی عمل ہے جس میں شہری اپنا ووٹ بند بکسوں میں ڈال کر کسی عمومی معاملے، یا قانون ساز مجالس کے لئے نمائندوں کے انتخاب کے سلسلے میں اپنی رائے دیتے ہیں، جبکہ آکسفورڈ ڈکشنری کی تعریف کے مطابق الیکشن یا میٹنگ میں کسی شخص یا چیز کے انتخاب کے طریقے کو ووٹنگ کہا جاتا ہے۔

۱- ووٹ ایک قسم کی شہادت ہے، گویا کہ رائے دہندہ یہ شہادت دیتا ہے کہ امیدوار جس منصب کے لیے الیکشن لڑرہا ہے وہ اس کی اہلیت اور صلاحیت رکھتا ہے اور وہ منتخب ہوکر امانت ودیانت سے کام کرے گا۔ بوقت ضرورت شہادت دینا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **يأيها الذين آمنوا كونوا قوامين بالقسط شهداء لله** (سورۂ نساء:۱۳۵)۔

☆ مدرس دارالعلوم دیوبند۔

شہادت چھپانا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **ولا تکتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه** (البقرة:۲۸۳) جھوٹی گواہی سخت گناہ کبیرہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جھوٹی گواہی کو اکبر کبائر قرار دیا ہے: **ذكر رسول الله ﷺ الكبائر أو سئل عن الكبائر فقال: "الشرك بالله وقتل النفس وعقوق الوالدين فقال: ألا أنبئكم بأكبر الكبائر؟ قال: قول الزور أو قال: شهادة الزور" قال شعبة: وأكثر ظني أنه قال: "شهادة الزور"** (صحیح البخاری:۵۶۳۲)۔

لہٰذا جب ووٹ شہادت کی طرح ہے، تو بوقت ضرورت ووٹ دینا واجب ہے، کسی نااہل کو ووٹ دینا گناہ کبیرہ ہے، نیز اپنے ضمیر کی آواز پر ووٹ نہ دے کر کسی کو محض تعلق اور لحاظ کی بنا پر یا رشوت لے کر ووٹ دینا بھی ناجائز ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی اور حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی یہی رائے ہے (جواہر الفقہ ۲/۲۹۰، فقہی مقالات ۲/۲۸۶)۔

لیکن ووٹ کو شہادت قرار دینا اس وقت تو درست ہے جب امیدوار اور رائے دہندہ دونوں مسلمان ہوں اور اگر امیدوار مسلمان ہے اور رائے دہندہ غیر مسلم ہے تو رائے دہندہ کی شہادت (ووٹ) مسلمان امیدوار کے حق میں غیر معتبر ہونا چاہیے، حالانکہ اس کے ووٹ کا اعتبار کیا جاتا ہے، اس لیے ووٹ کا علی الاطلاق شہادت ہونا محل غور ہے۔

۲- ووٹ ایک قسم کا مشورہ اور رائے ہے، رائے دہندہ امیدوار کے منصب کے لائق اور اس کا اہل ہونے کا مشورہ دیتا ہے۔ اس مشورے اور رائے دہی میں پوری امانت داری کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **المستشار مؤتمن** (سنن ابی داؤد، حدیث:۵۱۳۰)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کے انتخاب کے لئے سات نفری مجلس شوریٰ تشکیل دی تھی، جس کے ممبران میں سے ہر ایک کو خلیفہ کے انتخاب کے بارے میں رائے اور مشورہ دینا تھا، چنانچہ انہوں نے اپنا اپنا مشورہ دیا اور بحیثیت خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا (البدایہ والنہایہ ۷/۱۴۵)۔

مجلس شوریٰ کے ذریعہ مشورے سے خلیفہ کے انتخاب کی طرح معاصر جمہوری نظام میں حکمراں کے انتخاب کے لئے ووٹ کے طریقے کو بھی ایک قسم کا مشورہ اور رائے دہی کہا جا سکتا ہے۔ ووٹ کی مذکورہ بالا دونوں تعریفوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک قسم کا مشورہ اور رائے دہی ہے۔ میرے نزدیک یہ حیثیت راجح ہے۔

جب ووٹ ایک قسم کی رائے اور مشورہ ہے تو جس طرح مشورہ دینا جائز ہے، اسی طرح عام حالات میں ووٹ دینا جائز ہوگا، البتہ اگر یہ اندیشہ ہو کہ ووٹ نہ دینے کی صورت میں اہل اور لائق امیدوار ناکام ہو جائے گا اور کوئی ایسا نااہل شخص منتخب ہو جائے گا جو لوگوں پر ظلم کرے گا اور ان کی حق تلفی کرے گا، تو اس وقت ووٹ (مشورہ) دینا واجب ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”انصر أخاک ظالما أو مظلوما فقال رجل: یا رسول الله! أنصره إذا کان مظلوما أفرأیت إذا کان ظالما کیف أنصره؟ قال: تحجزه أو تمنعه من الظلم فإن ذلک نصره“ (صحیح البخاری:۶۹۵۲)۔

انتخاب میں امیدوار بننے کا حکم:

اگر کوئی شخص اقتدار طلبی کے بجائے قوم کی خدمت کے جذبے سے انتخاب میں امیدوار بنتا ہے اور وہ اس کی صلاحیت بھی رکھتا ہے اور اپنے متعلق یہ سمجھتا ہے کہ منتخب ہونے کے بعد پوری امانت ودیانت سے ذمہ داری نبھائے گا تو ایسے شخص کے لئے الیکشن میں امیدوار بننا جائز ہے۔ قال اجعلنی علی خزائن الارض إنی حفیظ علیم (سورہ یوسف:۵۵)۔

ورنہ بہتر طریقہ یہ ہے کہ کچھ لوگ کسی امانت دار اور باصلاحیت شخص کو امیدوار بنا کر الیکشن میں کھڑا کریں تاکہ اس کی امیدواری کو منصب طلبی پر محمول نہ کیا جائے جس کے متعلق حدیث میں وارد ہوا ہے: من طلب القضاء واستعان علیه وکل إلیه، ومن لم یطلبه ولم یستعن علیه أنزل الله ملکا یسدده (سنن ابوداؤد، حدیث:۳۵۸۰)۔

شریعت مخالف قانون ساز اداروں اور پارٹیوں میں شمولیت کا حکم:

ایسے قانون ساز ادارے جو شریعت مخالف قوانین بناتے ہیں اور ایسی پارٹیاں جو اپنے ممبروں کو اپنے جاری کردہ وہیپ (Whip) کے مطابق ووٹ دینے کا پابند کرتی ہیں (خواہ وہیپ ان کے ضمیر اور مذہب کے خلاف ہو) تو ان میں ممبر شپ حاصل کرنے کا حکم یہ ہے کہ شریعت کے پیمانے سے دیکھا جائے کہ مصلحت اور مفسدہ میں سے کون اہم اور بڑھا ہوا ہے؟ چنانچہ اگر ممبر شپ حاصل نہ کرنے میں عظیم مصلحت فوت ہو رہی ہے اور ممبر شپ حاصل کرنے کی صورت میں معمولی مفسدہ ہے تو ممبر شپ حاصل کرنا جائز ہے یا معاملہ اس کے برعکس ہے، یعنی ممبر شپ حاصل کرنے کی صورت میں عظیم مفسدہ ہے اور نہ حاصل کرنے کی صورت میں معمولی مصلحت فوت ہو رہی ہے تو ممبر شپ حاصل کرنا ناجائز ہے، اس لئے کہ عظیم مصلحت کے حصول کے لئے خفیف مفسدے کا ارتکاب کیا جا سکتا ہے اور معمولی مصلحت کے حصول کے لئے عظیم مفسدے کا ارتکاب جائز نہیں۔ علامہ عزالدین بن عبدالسلام (م:۶۶۰) فرماتے ہیں: إذا اجتمعت مصالح ومفاسد فإن أمکن تحصیل المصالح ودرء المفاسد، فعلنا ذلک امتثالا لأمر الله تعالیٰ فیهما لقوله سبحانه وتعالیٰ: ”فاتقوا الله ما استطعتم“ وإن تعذر الدرء والتحصیل فإن کانت المفسدة أعظم من المصلحة درأنا المفسدة ولا نبالی بفوات المصلحة قال الله تعالیٰ: ”یسألونک عن الخمر والمیسر قل فیهما إثم کبیر ومنافع

للناس وإثمهما أكبر من نفعهما'' حرمهما لأن مفسدتهما أكبر من منفعتهما۔

أما منفعة الخمر فبالتجارة ونحوها، وأما منفعة الميسر فبما يأخذه القامر من المقمور۔وأما مفسدة الخمر فبإزالتها العقول،وما تحدثه من العداوة والبغضاء والصد عن ذكر الله وعن الصلاة، وأما مفسدة القمار فبإيقاع العداوة والبغضاء والصد عن ذكر الله وعن الصلاة، وهذه مفاسد عظيمة لانسبة إلى المنافع المذكورة إليها، وإن كانت المصلحة أعظم من المفسدة حصلنا المصلحة مع التزام المفسدة (قواعد الأحكام فی مصالح الأنام،ص:۸۴۱)۔

شریعت مخالف دستور سے وفاداری کا حلف:

شریعت مخالف دستور سے وفاداری کے حلف کے سلسلے میں مسلمان ممبروں کو چاہئے کہ حلف برداری میں یہ نیت کریں کہ وہ اس ادارے میں اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے ارادے سے شامل ہوئے ہیں، نہ کہ دنیا اور منصب کے حصول کے لئے اور اسلام کے اصولوں سے متصادم حلف میں کلام کو دوسرے معنی پر محمول کرنے کی کوشش کریں۔سلیمان محمد توبولیاک لکھتے ہیں: يجب عليهم أن ينووا عند حلف اليمين فی المجلس أنهم دخلوا فيه بنية مصلحة الإسلام والمسلمين، وليس خبا للمنصب والدنيا، وأن يحاولوا تحريف الكلام فی اليمين التی تتعارض مع مبادی الإسلام (الأحكام السياسية للأقليات المسلمة فی الفقه الإسلامی،ص:۱۴۸)۔

مسلمان ممبر کے لئے بائبل پر حلف لینے کا حکم:

کیا قرآن کی قسم کھانے سے قسم منعقد ہوجائے گی؟ اس سلسلے میں علما کی آراء مختلف ہیں، جمہور علماء کے نزدیک قرآن، یا اس کے کچھ حصے، یا مصحف کی قسم کھانے سے قسم منعقد ہوجائے گی، بشرطیکہ قرآن سے اللہ کا کلام مراد ہو، کاغذ، روشنائی اور جلد مراد نہ ہو، احناف کے یہاں قرآن کی قسم درست نہیں ہے۔البتہ علامہ ابن ہمام کی رائے ہے کہ قرآن کی قسم کھانا عرف میں رائج ہے، اس لئے قرآن کی قسم کھانے سے قسم منعقد ہوجائے گی (ردالمحتار، کتاب الأیمان)، جمہور کی دلیل یہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اللہ کا کلام اللہ کی ایک صفت ہے، جس طرح اللہ کی قسم کھائی جاسکتی ہے، اسی طرح اللہ کی صفت کی بھی قسم کھائی جاسکتی ہے۔

جس طرح جمہور قرآن کی قسم کے انعقاد کے قائل ہیں، اسی طرح وہ تورات، انجیل اور زبور کی بھی قسم کے انعقاد کے قائل ہیں، بشرطیکہ قسم کھانے والا تورات، انجیل اور زبور سے وحی منزل مراد لے نہ کہ کاغذ، روشنائی اور جلد، کیونکہ وہ اللہ کی ایک

صفت کی قسم کھانے والا کہلائے گا۔ **الذین قالوا بانعقاد الیمین بالقرآن وھم الجمھور یقولون ذلک بالنسبۃ للحلف بالتوراۃ أو الإنجیل أو الزبور إذا أراد الحالف الوحی المنزل دون الورق والجلد والمداد، لأنہ حلف بصفۃ من صفات اللہ عزوجل** (أحکام الیمین باللہ، از خالد بن علی بن محمد المشیقح،ص:۶۵)۔

لہٰذا مذکورہ بالا تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ مسلم ممبر کے لئے بوقت ضرورت بائبل (انجیل) کی قسم کھانے کی گنجائش ہے، لیکن قسم کے وقت اس کی یہ نیت ہو کہ وہ اس انجیل کی قسم کھا رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بذریعہ وحی نازل فرمائی تھی۔

سیکولر پارٹی میں شمولیت کا حکم:

وہ سیکولر پارٹیاں جن سے مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ مناسب طریقے سے ہوسکتا ہے، ساتھ ہی ان کے منشور کی بعض دفعات اسلام مخالف یا مسلم مفادات کے مغائر ہیں تو ان کی طرف سے انتخاب لڑنے اور ان کی حکومت میں شمولیت کا بھی حکم اسی مذکورہ بالا اصول (عظیم مصلحت کے حصول کے لئے معمولی مفسدے کے ارتکاب کا جواز) سے نکل آتا ہے، اگر ان پارٹیوں میں شمولیت سے مسلمانوں کے اہم مصالح کا حصول ہو رہا ہے اور ان کے بنسبت معمولی مفاسد کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، تو شمولیت جائز ہے اور اگر معاملہ برعکس ہے تو شمولیت جائز نہیں۔

مسلم دشمن پارٹیوں میں شمولیت:

جو پارٹی مسلمانوں کی دشمن ہے اور اس کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہے تو ایسی پارٹی میں کسی مسلمان کی شمولیت جائز نہیں، اس لئے کہ اسے اس پارٹی کے اسلام اور مسلم مخالف اصول وضوابط کا پابند ہونا پڑے گا، اس طرح وہ اپنا کردار ادا نہیں کر پائے گا اور اس کی آزادی بھی سلب ہوجائے گی۔ **ھل یجوز أن ینضموا إلی حزب غیر إسلامی؟ الأصل فی ھذہ المسألۃ أنہ لا یجوز أن یکون ولاؤہ لغیر دین اللہ، لأن فی ذلک التزاما بمبادئ ذلک الحزب التی ربما تخالف الإسلام فی الأغلب، وتفقد تصرفات المسلم وحریتہ** (جاد الحق علی جاد الحق، فتوی فی بعض أحکام تتعلق بالأقلیات الإسلامیۃ فی غیر دیار المسلمین مجلۃ الأزھر، الجزء السادس، السنۃ الثالثۃ والستون: ۱۹۹۱ م، بحوالہ الأحکام السیاسیۃ للأقلیات المسلمۃ ص:۱۳۷-۱۴۸)۔

البتہ اگر کوئی مسلمان طاقت ور ایمان دار اور مؤثر شخصیت کا مالک ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ غیر مسلم پارٹی میں شامل ہونے سے مسلم اقلیتوں کو فائدہ پہنچے گا اور وہ ان کے حقوق کا دفاع کرے گا تو اس کے لئے احتیاط اور تیقظ کے ساتھ اس میں

شامل ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ اس سے مقاصد شریعت کی تکمیل ہوگی۔ مصالح راجحہ کا حصول ہوگا اور اشد ضررین کا دفعیہ۔ أما إذا كان المسلم قوى الإيمان والشخصية وصاحب نفوذ فيعتقد أن فى انضمامه إلى غير الإسلامى نفعا للأقليات المسلمة ودفاعا عن حقوقها فلا مانع فى ذلك مع الحذر واليقظة، وهذا تحقيقاً لمقاصد الشريعة ورعاية للمصالح الراجحة واستبعادا لأشد الضررين (الأحكام السياسية للأقليات المسلمة ص: ۱۳۷-۱۴۸)۔

غیر مسلم ملک میں مسلم اقلیت کے لئے سیاسی پارٹی کی تشکیل:

غیر مسلم ملک میں رہنے والی مسلم اقلیت کے لئے اپنی پارٹی تشکیل دینا جائز ہے۔ مسلم اقلیت کو چاہیے کہ وہ باہم متحد اور مربوط رہے اور ایک دوسرے کا تعاون کرے۔ خواہ اس کے لئے کوئی تنظیم بنائے یا پارٹی قائم کرے، اس لئے کہ اس میں تعاون تعاون علی البر والتقوی ہے (فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیہ والافتاء، ۲۳/ ۲۰۷)۔

نیز سلیمان محمد توبولیاک اپنی کتاب الأحکام السیاسیۃ للأقلیات المسلمۃ میں مسلم اقلیت کے لئے پارٹی کی تشکیل کے لئے درج ذیل امور کا ملحوظ رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں:

۱- یہ پارٹی قرآن وسنت کی بنیاد پر قائم ہو۔ اس بنیاد کے علاوہ کسی اور بنیاد پر پارٹی کا قیام اسلام میں قابل قبول نہیں ہے۔

۲- اس پارٹی کے قیام کا مقصد تعاون علی البر والتقوی، رضائے خداوندی، اسلام کا دفاع اور مسلمانوں کے مفاد کے لئے مختلف میدانوں میں جدوجہد ہونا چاہیے۔

۳- پارٹی اس ملک کے مسلمانوں کو ممکنہ حد تک ایک پلیٹ فارم پر جمع کرے خواہ ان کی نسل، رنگ اور زبان کچھ بھی ہو۔ اگر ان میں اختلاف اور ناچاقی ہو تو صلح کرانے کی کوشش کرے۔

۴- اس ملک میں دوسری پارٹی قائم کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس کا نتیجہ ہوگا کہ مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوگا اور وہ کمزور پڑ جائیں گے اور دشمن کو انہیں نقصان پہنچانے کا موقع ملے گا۔ (جیسا کہ بوسنیا میں انتخاب سے پہلے پیش آیا کہ عادل ذوالفقار باشنشی اپنے حامیوں کے ساتھ مسلم پارٹی سے الگ ہو گئے جس سے مسلم رائے دہندگان کا ووٹ تقسیم ہو گیا) الا یہ کہ پارٹی قرآن وسنت کے راستے سے منحرف ہو جائے۔

۵- پارٹی اپنے ملک کے علاوہ دوسرے ملک اور عالم اسلام کے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کی کوشش

کرے، تا کہ مسلمانوں کے باہمی اتحاد واتفاق کو فروغ ملے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**إنما المومنون إخوة فأصلحوا بين أخويكم واتقوا الله لعلكم ترحمون**'' (الحجرات ۱۰)۔

۶- یہ پارٹی عالم اسلام کی بعض پارٹیوں کی طرح غلطیوں کا ارتکاب نہ کرے اور مسلمانوں میں پارٹی سے وابستگی یا عدم وابستگی کی بنیاد پر تفریق نہ کرے، بلکہ انہیں چاہیے کہ پارٹی کا ساتھ دیں اگر وہ حق پر ہے اور تنقید کریں اور اگر پارٹی کوئی غلطی کر رہی ہے تو قیادت کے ساتھ خیر خواہی کی کوشش کریں۔

۷- ضروری ہے کہ یہ پارٹی اسلامی ہو نہ کہ سیکولر۔ اس کو دیگر سیاسی پارٹیوں پر قیاس نہ کیا جائے، نہ ہی اقتدار پرستی کا اسے ذریعہ بنایا جائے، بلکہ اس کو بھی دین کامل کا ایک حصہ سمجھا جائے۔

موصوف نے پارٹی کی تشکیل کے جواز کے لئے درج ذیل دلائل دیئے ہیں:

۱- جو مسلم اقلیت ایسے غیر مسلم ملک میں رہتی ہے جہاں جمہوری نظام قائم ہے، جو اصلاً جماعتی تکثیریت پر مبنی ہوتا ہے۔ اس نظام میں پارٹی افراد کے لئے حقوق حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ جس کی کوئی پارٹی نہیں ہے وہ اپنے تمام حقوق حاصل نہیں کرسکتا۔ اسلام میں حقوق کا حصول ضرورت ہے، جو چیز ان کے حصول کا ذریعہ ہو وہ بھی ضرورت ہے، اس لئے ہم مسلم اقلیت کے لئے پارٹی کی تشکیل کے جواز کے قائل ہیں۔

۲- اسلام ہمیں اتحاد اور تعاون علی البر والتقوی کا حکم دیتا ہے اور پارٹی کی تشکیل اس تعاون کی ایک مخصوص شکل ہے، اس لئے کہ بہت سے ممالک میں اس پر مسلم اقلیت کی بقا اور استحکام منحصر ہے۔

۳- قرآن مسلمانوں سے اقامت دین، تبلیغ خیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مطالبہ کرتا ہے، ''**ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر وأولئك هم المفلحون**'' (آل عمران: ۱۰۴) مسلم اقلیت سے اس کا مطالبہ ہے کہ وہ منظّم ہوں، تا کہ ان کے لئے اس مقصد کی تکمیل ممکن ہو اور کسی غیر مسلم ملک میں تنظیم اور ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی صورت پارٹی کی تشکیل ہے۔

۴- ارتکاب اخف الضررین کے قاعدے کو سامنے رکھتے ہوئے اگر ہم تسلیم کرلیں کہ پارٹی کی تشکیل میں کچھ مخالفت اور ضرر ہے، تو ہم سمجھتے ہیں کہ نہ تشکیل دینے میں زیادہ ضرر ہے، اس لئے کہ ان ممالک میں اسلام اور مسلمانوں کی بقاء کو خطرہ لاحق ہوگا، ان کی آزادی سلب ہوگی اور حقوق پامال ہوں گے، اس لئے ہم ضرر اکبر کے دفع کے لئے ضرر اخف کے ارتکاب کی اجازت دیتے ہیں۔

۵- حقوق اور آزادی کو اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے، اسلام نے ان حقوق کے احترام کا حکم دیا ہے۔ اِن

دماءكم وأموالكم عليكم حرام، كحرمة يومكم هذا في شهركم هذا إلى يوم تلقون ربكم، ألا هل بلغت! قالوا: نعم قال: اللهم اشهد، فليبلغ الشاهد الغائب، فرب مبلغ أوعى من سامع، فلا ترجعوا بعدي كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض (صحیح البخاری ۴/۳۳۵)۔

ان حقوق اور آزادی کے تحفظ کے سلسلے میں شارع کے مقصد کی تکمیل ایسی پارٹیوں کی تشکیل کے بغیر ممکن نہیں جن سے لوگوں کی حکام کے ظلم وستم سے حفاظت ہو۔

۶-ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام مخالف طاقتیں جماعتوں، دھڑوں، پارٹیوں اور محاذوں کی شکل میں کام کرتی ہیں اور عقل وشرع کی رو سے یہ بالکل غلط ہے کہ منظّم طاقت وراجتماعی کوشش کا غیر منظّم معمولی انفرادی کوشش سے مقابلہ کیا جائے۔اس لئے کہ اجتماعی کوشش کی کاٹ اسی قسم کی اجتماعی کوشش ہی ہے، طاقت کا جواب طاقت ہے اور لوہا لوہے کو کاٹتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:**وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم** (الانفال:۶۰)۔

۷-جن ممالک میں مسلم پارٹی قائم ہے مثلاً برطانیہ، بوسینیا اور ہرزیگونیا وغیرہ وہاں کی صورت حال بہت بڑی دلیل ہے۔ان پارٹیوں کا وہاں کے مسلمانوں کے اتحاد، ترقی اور بیداری میں بڑا کردار ہے اور بوسینیا اور ہرزیگونیا میں تو مسلمانوں نے پارٹی ہی کے ذریعہ زندگی کے تمام میدانوں میں اپنا وجود ثابت کیا ہے۔یہی صورت حال برطانیہ اور ترکی میں ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ پارٹیاں نہ ہوتیں تو مسلمان ان ممالک میں وہ کچھ حاصل نہ کر پاتے جو انہوں نے حاصل کیا ہے۔

۸-اسلام میں یہ بات طے ہے کہ احکام دنیا اور آخرت میں بندوں کے مصالح کی تکمیل کے لئے ہی مشروع ہوئے ہیں، جو حکم مصلحت سے مفسدہ تک پہنچ جائے یا حکمت سے کارعبث میں تبدیل ہوجائے تو شریعت سے اس حکم کا کوئی تعلق نہیں ہے(**أولويات الحركة الإسلامية في المرحلة القادمة** ص۱۲۷)۔

اگر ہم غیر مسلم ملک میں مسلم پارٹی کی تشکیل دینے کے عدم جواز کی بات کریں تو اس حکم سے لوگ تنگی میں مبتلا ہوں گے اور اپنے حقوق اور آزادی کا تحفظ کر پائیں گے نہ کہ اپنے وجود سے دفاع، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم مشروعیت احکام کی حکمت کے خلاف ہے اور شریعت لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنے کے لئے آئی ہے نہ کہ لوگوں کو تنگی اور حرج میں ڈالنے کے لئے۔

۹-نیز جب تک یہ پارٹیاں شریعت کے اصول وضوابط کی پابندی کرتی ہیں تو ان کے عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں ہے (**الأحكام السياسية للأقليات المسلمة** ص:۱۳۷-۱۴۸)۔

الیکشن میں عورتوں کا کردار:

جس طرح عورت پردے میں اپنی ذاتی اور خانگی ضروریات کے لئے گھر سے باہر نکل سکتی ہے، اسی طرح وہ ضرورت کے وقت ووٹ بھی دے سکتی ہے۔ اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے، جیسا کہ الیکشنوں میں مشاہدہ ہے۔ اس لیے کہ ووٹ اگر شہادت ہے (جیسا کہ بعض معاصر مفتیان کرام کی رائے ہے) تو عورت شہادت دے سکتی ہے۔

جہاں تک عورت کے الیکشن میں امیدوار بننے اور قانون ساز اداروں میں ممبر بننے کا معاملہ ہے تو ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے اور اس کی اجازت دی ہے (فتاوی معاصرہ از ڈاکٹر یوسف القرضاوی ۲/ ۳۸۲)۔

غالباً ڈاکٹر موصوف نے اسلامی ممالک اور وہاں کے ماحول کو سامنے رکھ کر یہ رائے دی ہے، لیکن ہندوستان جیسے ملک کا ماحول اس کی اجازت نہیں دیتا۔ یہاں جو مسلم یا غیر مسلم خواتین سیاست میں عملاً شریک ہیں ان کو دیکھ کر یہاں کی صورت حال کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اگر مسلمانوں کے مفادات اور حقوق کے تحفظ کے لئے خواتین کو سیاست میں حصہ لینے کی اجازت دی جائے اور خود ان کی عزت وآبرو داؤ پر لگ جائے تو مصالح کے مقابلے میں مفسدہ بڑھنے کی وجہ سے اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

البتہ جن حلقوں میں خواتین کے لئے سیٹ ریزرو ہے، وہاں کی صورت حال کا جائزہ لے کر کسی غیر مسلم امیدوار سے یہ مفاہمت کی جائے کہ مسلمان اسے ووٹ دیں اور وہ ان کے مفادات کا خیال رکھے۔

الیکشن سے متعلق شرعی مسائل

مفتی عبدالرشید کانپوری☆

ووٹ کی شرعی حیثیت:

ووٹ کی حیثیت شہادت کی ہے اور اکثر علماء کی یہی رائے ہے، اس لئے اس بارے میں زیادہ کچھ عرض نہیں کرنا ہے، البتہ بطور تمہید اس موقع پر مقاصد شریعت سے متعلق مختصر روشنی ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ووٹ کی شرعی حیثیت سے متعلق مفتی شفیع صاحبؒ نے جواہر الفقہ میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے ہم اس کا خلاصہ ان ہی کی زبان میں پیش کررہے ہیں، فرماتے ہیں:

''خلاصہ یہ کہ ہمارا ووٹ تین حیثیتیں رکھتا ہے: ایک شہادت، دوسرے سفارش، تیسرے حقوق مشترکہ میں وکالت، تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک، صالح اور قابل آدمی کو ووٹ دینا موجب ثواب عظیم ہے اور اس کے ثمرات اس کو ملنے ہیں۔ اسی طرح نااہل غیر متدین شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری سفارش بھی اور ناجائز وکالت بھی۔ اور اس کے تباہ کن ثمرات بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے'' (جواہر الفقہ ۲/ ۲۹۰-۲۹۵)۔

چونکہ ووٹ شہادت کے درجہ میں ہے، اس لئے جب تک بندے کے بس میں ہو وہ ادائے شہادت سے جان نہ چرائے (ہاں اگر ادائے شہادت میں جانی یا مالی نقصان کا خطرہ ہو تو یہ شکل مستثنیٰ ہے، ایسے موقع میں ادائے شہادت سے بچا جاسکتا ہے)۔

اسی لئے فقہائے کرام نے ادائے شہادت کو واجب لکھا ہے، ادائے شہادت اختیاری مسئلہ نہیں ہے کہ دل چاہے تو شہادت دے دے، دل نہ چاہے تو نہ دے بلکہ یہ ایک فریضہ شرعی ہے۔ مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

''بلکہ یہ فریضہ شرعی ہے، قرآن کریم نے جیسے جھوٹی شہادت کو حرام قرار دیا ہے، اسی طرح سچی شہادت کو واجب ولازم بھی فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''کونوا قوامین للّٰہ شھداء بالقسط'' اور دوسری جگہ ارشاد ہے: ''کونوا

☆ مدرسہ جامع العلوم جامع مسجد، پٹکاپور، کانپور۔

قوامین بالقسط شهداء لله "ان دونوں آیتوں میں مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے کہ سچی شہادت سے جان نہ چرائیں، اللہ کے لیے ادائیگی شہادت کے لیے کھڑے ہوجائیں۔ تیسری جگہ سورہ طلاق میں ارشاد ہے: "**وأقيموا الشهادة لله**" یعنی اللہ کے لیے سچی شہادت قائم کرو۔ ایک آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ سچی شہادت کا چھپانا حرام اور گناہ ہے۔ ارشاد ہے: "**ولاتكتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه اثم قلبه**" یعنی شہادت نہ چھپاؤ اور جو چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہے۔ ان تمام آیات نے مسلمانوں پر فریضہ عائد کیا ہے کہ سچی گواہی دیں، گواہی سے جان نہ چرائیں، ضرور ادا کریں (جواہر الفقہ ۲/ ۲۹۳)۔

مفتی تقی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

"شرعی نقطہ نظر سے ووٹ کی حیثیت شہادت اور گواہی کی سی ہے اور جس طرح جھوٹی گواہی دینا ناجائز اور حرام ہے، اسی طرح ضرورت کے موقع پر شہادت کو چھپانا بھی حرام ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے: "**ولاتكتموا الشهادة ومن يكتمها فانه اثم قلبه**" (اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ، اور جو شخص گواہی کو چھپائے اس کا دل گنہگار ہے)۔ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**ومن كتم شهادة اِذا دعي اليها كان كمن شهد بالزور**" (جس کسی کو شہادت کے لئے بلایا جائے پھر وہ اسے چھپائے تو وہ ایسا ہے جیسے جھوٹی گواہی دینے والا)۔

بلکہ گواہی دینے کے لئے تو اسلام نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ کسی کے مطالبہ کرنے سے پہلے ہی انسان اپنا فریضہ ادا کرے، اور اس میں کسی کے دعوے یا ترغیب کا انتظار بھی نہ کرے۔ حضرت زید بن خالدؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**اُلا أخبركم بخير الشهداء الذى يأتى بشهادته قبل أن يسألها**" (کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ بہترین گواہ کون ہے؟ وہ شخص ہے جو اپنی گواہی کسی کے مطالبہ کرنے سے پہلے ادا کردے)۔

ووٹ بھی بلاشبہ ایک شہادت ہے، قرآن وحدیث کے یہ تمام احکام اس پر بھی جاری ہوتے ہیں، لہٰذا ووٹ کو محفوظ رکھنا دینداری کا تقاضہ نہیں۔ اس کا زیادہ سے زیادہ صحیح استعمال کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے (فقہی مقالات ص: ۲۸۷، ج: ۲)۔

معلوم ہوا کہ ووٹ دینا یہ بندے کے لئے اختیاری عمل نہیں بلکہ از روئے شرع اس پر لازم ہے کہ وہ اس حق کا صحیح استعمال کرے۔

الیکشن میں امیدوار ہونا:

ویسے تو امیدوار دو چیزوں کا مدعی ہوتا ہے: ایک یہ کہ وہ اس کام کی قابلیت رکھتا ہے جس کا امیدوار ہے، دوسرے یہ ہے کہ دیانت اور امانت داری سے اس کام کو انجام دے گا۔ اب اگر امیدوار کے اندر اس کی اہلیت اور قابلیت ہے تو اس کے

لیے اپنے آپ کو امیدوار کی حیثیت سے پیش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن اگر اس کے اندر اس کی اہلیت وصلاحیت نہیں ہے تو پھر کسی ایسے کو کھڑا کر کے اس کا سپورٹ (Support) کرے جو اس کا اہل ہو اور ایسے شخص کے نہ ملنے پر تقابل کیا جائے کہ اس نا اہل کے کھڑے ہونے میں ملت کا نقصان ہوگا یا نہ کھڑے ہونے میں، کم نقصان والی شق اپنالی جائے۔ تاہم اتنا ضرور خیال رہے کہ گناہ گناہ کی نوعیتوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ جن گناہوں کے نتائج پوری قوم کو بھگتنے پڑیں، ان کا معاملہ پرائیویٹ گناہوں کے مقابلہ میں بہت سخت ہے، لہٰذا امیدوار کو ڈرنا چاہیے کہ اس کے کسی عمل سے ملت کا نقصان نہ ہونے پائے، نیز امیدوار ہونا شرفاء پر ہی موقوف نہ رکھا جائے کیوں کہ جوں جوں زمانہ دورِ نبوت سے دور ہوتا جارہا ہے اور قیامت قریب آتی جارہی ہے، عملی انحطاط اور اخلاقی زوال بڑھتا جارہا ہے۔

دوسری طرف گندی سیاست نے الیکشن اور ووٹ کے لفظوں کو اتنا بدنام کر دیا ہے کہ شرفا اور تقوے والے سیاست میں آنے سے گھبراتے ہیں، اگر ان اہلوں کو بھی روک دیا جائے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ملت کو خسارے کا سامنا کرنا پڑے، اس لیے ''اھون البلیتین'' کے اعتبار سے جو شق ''اھون'' ہو اسے اختیار کر لیا جائے۔

سوال کے اجزاء کا مشترکہ اجمالی جواب:

۱- ووٹ کی شرعی حیثیت شہادت کی ہوگی۔

۲- ووٹ دینا موقع ومحل کے اعتبار سے واجب اور ضروری ہوگا۔

۳- الیکشن میں امیدوار ہونا درست ہے۔

۴- ان ممالک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں کوشش یہ ہو رہی ہے کہ مسلمان ازخود تنگ آکر یا چڑھ کر امیدوار ہونا یا ووٹ دینا بند کر دیں اور اس طرح ان کے اس حق کو سلب کر دیا جائے تاکہ پھر من مانے قانون بنائے جائیں۔

بلاشبہ مسلمانوں کی سربلندی کے لئے سیاسی استحکام بھی ناگزیر ہے تاکہ مسلمان کافروں کے دست نگر نہ رہیں۔ ایسی صورت حال میں اگر امیدوار کو پارٹی کی پالیسیوں کے مطابق شریعت کے خلاف یا اپنے ضمیر کے خلاف ووٹ دینا پڑے تو اس کی گنجائش ہونی چاہیے۔

۵- اسی طرح اگر دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑے تو مصالح عامہ کے پیش نظر اس کی بھی گنجائش ہوگی، اگرچہ بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفاد کے مغایر ہوں، عموماً ہوتا یہ ہے کہ کوئی بھی پارٹی جب کوئی وہیپ جاری کرتی ہے یا دستور بناتی ہے تو مجموعی اعتبار سے اسلام کے مخالف نہیں ہوتا، کیوں کہ انہیں دنیا کو یہ دکھانا بھی ہوتا ہے کہ ہم اسلام مخالف نہیں ہیں۔ گویا پارٹی کے وہیپ، دستوری پالیسیاں جزوی اعتبار سے مخالف اسلام ہوتی ہیں۔ اب اگر مسلمان بالکل بھی حصہ

نہ لیں تو پھر یہ پارٹیاں مزید آزاد ہوجائیں گی، کھل کر مخالفت کریں گی اور ایسی پالیسیاں بنائیں گی جو عمومی اعتبار سے مذہب اسلام کے مخالف ہوں گی، اس لئے معاملہ کل اور جزء کا سا ہوگیا۔ یعنی پارٹی میں رہ کر بعض اعتبار سے شریعت کی مخالفت ہوگی اور نہ رہنے کی صورت میں خدا جانے کیسے کیسے قانون بنائے جائیں کہ اصل دین ہی پر عمل مشکل ہوجائے۔

٦- اسی پر ''بائبل پر حلف لینے کو'' قیاس کیا جاسکتا ہے۔ (اس موقع پر طوالت سے بچتے ہوئے اس بحث سے صرف نظر کرتے ہیں کہ غیر اللہ پر حلف لینا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے۔ قطع نظر کرتے ہوئے وہ قرآن ہے یا بائبل) بائبل پر حلف لینا یا کسی دوسرے مذہب کی کتاب پر حلف لینے کا ہرگز منشاء یہ نہیں ہوتا کہ حلف لینے والا اس کتاب پر ایمان لے آیا یا اس کتاب پر اس کا اعتقاد ہے۔ (مراد موجودہ محرف توارت ہے ورنہ اصلاً تو مسلمان تورات (بائبل) پر ایمان واعتقاد رکھتا ہی ہے) بلکہ منشاء صرف مخاطب کو دکھانا ہوتا ہے کہ وہ اس کتاب پر حلف لے رہا ہے۔ احترام ملحوظ نہیں ہوتا۔ ابن نجیم مصریؒ ''الاشباہ والنظائر'' میں اس کی صراحت فرماتے ہیں کہ حلف لینے میں مظلوم اور مکرہ کی نیت کا اعتبار ہوگا نہ کہ ظالم اور مکرہ کی نیت کا۔

'' وكذا اختلفوا هل الاعتبار لنية الحالف، أو لنية المستحلف والفتوىٰ على اعتبار نية الحالف ان كان مظلوماً، لاإن كان ظالماً'' (الاشباہ والنظائر، ص:۱۰۶)۔

مسلمان جہاں کہیں بھی اقلیت میں ہیں اور انہیں ایسے امور درپیش ہیں بلاشبہ مظلومین کی فہرست میں آتے ہیں۔ اگر مظلوم یا مکرہ کا سا معاملہ نہ ہوتا تو وہ کیوں یہ سب کچھ برداشت کرتے، لہٰذا بائبل وغیرہ پر حلف لیتے وقت اگر ان کا عقیدہ ان کتابوں پر نہیں ہوتا اور بلاشبہ نہیں ہوتا (وہ تو فقط حاضرین کو دکھانے کے لئے یہ عمل بادل ناخواستہ کرلیتے ہیں) تو ایسی صورت میں مظلوم اور مکرہ پر قیاس کرتے ہوئے اس کی گنجائش ہونی چاہئے۔

۷- کبھی بعض مصلحتوں کے پیش نظر ایسے امور کرنے پڑ جاتے ہیں جو بظاہر خلاف شرع معلوم ہوتے ہیں۔ صلح حدیبیہ میں قریش کے سفیر نے معاہدے کی دستاویز سے لفظ'' **رسول الله** ''مٹانے کی ضد کی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو اس وقت معاہدہ لکھ رہے تھے فرمایا کہ اس کے کہنے کے مطابق ''رسول اللہ'' مٹادو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ سے تو نہ ہوگا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسم نے از خود لفظ ''رسول اللہ'' اپنے دست مبارک سے مٹادیا اور اس کی جگہ پر ''محمد ابن عبداللہ'' لکھوایا جیسا کہ قریش کے سفیر نے کہا تھا۔ معلوم ہوا کہ ملی وملکی مصلحتوں کے پیش نظر اس طرح کی چیزوں کو گوارہ کرلیا جاتا ہے، ورنہ جھگڑا تو لفظ ''رسول اللہ'' ہی کا تھا۔ اس کے مٹانے کو گوارہ نہ کیا جاتا۔

اس لئے وہ سیکولر پارٹیاں جو مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں، لیکن ان کے منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے خلاف ہوں، ان کی پارٹیوں میں شریک ہونا، ان کی طرف سے

انتخاب لڑنا اوران کی حکومت میں شامل ہونے کی گنجائش ہونی چاہیے۔

۸-البتہ جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اوران کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہو، ایسی سیاسی پارٹیوں میں شریک ہونا جائز نہ ہوگا، رہی یہ نیت کہ وہ پارٹی میں شامل ہوکراس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا تو یہ صرف ایک وہم ہے جس کا خارج میں وجود مشکل ہے، کیوں کہ چند مسلمانوں کا پارٹی میں شامل ہوکرایجنڈے کو تبدیل کرنے کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوگا خصوصاً جبکہ پارٹی کے منشور میں مسلم دشمنی شامل ہے۔ ملک کی فرقہ پرست پارٹیوں میں جن میں بعض مسلمان شامل ہیں یہ چیز دیکھی جاسکتی ہے۔

۹-رہا مسئلہ مسلمانوں کی الگ پارٹی بنانے کا تو یہ ایک نازک مسئلہ ہے، ہر جگہ کے احوال وکوائف کے اعتبار سے ہی اس کا حکم لگے گا، ہمارے سامنے ایک مثال آسام کی ہے۔ مولانا بدرالدین اجمل صاحب نے آسام میں بہت دنوں تک وہاں کی پارٹیوں میں رہ کر مسلمانوں کے حقوق کی دہائی دیتے رہے اوران آسامیوں کے لئے لڑتے رہے جن پر بنگلہ دیشی ہونے کا غلط الزام ہے، لیکن مایوسی کے بعد الگ پارٹی بنائی اوراچھے نتائج برآمد ہوئے، جبکہ ایک مثال اعظم گڑھ کی علماء کونسل کی ہے کہ الیکشن میں خود کوئی سیٹ کیا نکالتے خوداس گڑھ میں جہاں سے پارٹی وجود میں آئی فرقہ پرست پارٹی کے ممبر جیت گئے، اس لئے الگ پارٹی بنانے کا مسئلہ علاقوں کی نوعیت کے اعتبار سے ملت کے اصلی دردمند ارباب حل وعقد کی صوابدید پر چھوڑ دینا چاہئے۔

۱۰-عورتوں کا الیکشن میں امیدوار ہونے کا مسئلہ الگ سیاسی پارٹی بنانے سے زیادہ نازک ہے، کیوں کہ الگ سیاسی پارٹی بنانے میں نفع ونقصان دونوں کا احتمال ہے اور یہاں نقصان ہی نقصان ہے۔

مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

سوال:-موجودہ دورفتن میں مسلم عورتوں کا کونسل ومیونسپلٹی میں بطور امیدوار کھڑا ہونا ازروئے شرع کیا ہے؟

جواب:- بطور امیدوار کھڑا ہونا عورتوں کے لئے مستحسن نہیں، کیوں کہ اس میں ضروریات شرعیہ کی رعایت کے ساتھ کونسل یا اسمبلی کی شرکت عورتوں کے لئے متعذر ہے(کفایت المفتی ۹/۳۰۸)۔

اگر یہ شبہ ہو کہ پھر تو مسلمانوں کا سیاسی خسارہ ہوگا اوراس کے نتیجے میں ملی نقصان ہوگا تو یہاں ایک مشورہ ہے جس کو ہم بھٹکل کے حوالہ سے ذکر کررہے ہیں، بھٹکل صوبہ کرناٹک کا ایک مشہور علاقہ ہے، کچھ اسلامی تاریخ بھی اس جگہ سے وابستہ ہے۔ مسلمانوں کی اچھی پوزیشن ہے، دینی بھی، دنیوی بھی اور تمدنی بھی لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ وہاں کوئی مسلمان الیکشن میں کھڑا نہیں ہوتا، اس کے باوجود ان کی سیاسی پکڑ کافی مضبوط ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ سارے مسلمان ملکر کسی سیاسی پارٹی

کوسپورٹ (Support) اس شرط پر کرتے ہیں کہ ان کے مطالبات تسلیم کئے جائیں، جو پارٹی اور جو امیدوار ان کے مطالبات اور شرائط کو پورا کرنے کا وعدہ کرتا ہے اس کو سارے مسلمان مل کر سپورٹ (Support) کرتے ہیں۔ نتیجتاً وہ جیت جاتا ہے اور اس طرح مسلم ووٹ تقسیم نہ ہوکر اپنی قوت منالیتا ہے۔ یہاں بھی اگر ایسا ہی کرلیا جائے کہ وہ سیٹیں جو خواتین کے لئے ریزرو ہیں ان میں مسلم خواتین امیدوار نہ ہوکر غیر مسلم خواتین کا سپورٹ (Support) اپنی شرائط ومطالبات پر کیا جائے تو وہ بہتر نتائج جو مسلم خواتین کو امیدوار بنا کر حاصل نہیں کئے جاسکتے وہ حاصل ہوجائیں گے۔"**ذلک ما کنا نبغی**"۔

☆☆☆

الیکشن سے متعلق شرعی مسائل

مولانا کلیم اللہ عمری

۱- ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

قال اللہ تعالیٰ: ولا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فإنہٗ آثم قلبہ (۲۸۳البقرۃ)(اورتم گواہی کو نہ چھپاؤ، جوکوئی گواہی کو چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار ہوگا)۔

غیر اسلامی حکومتوں میں ہونے والے انتخابات میں مسلمانوں کی شرکت ۔شہادت وامانت،سفارش اوروکالت کے درجہ میں ہے، نیز جھوٹی گواہی اور غلط وکالت، رشوت لے کر ووٹ دینا، جعلی ووٹ ڈالنا گناہ کبیرہ کے درجہ میں ہے۔مسلم قوم حق کی شہادت دینے کے لیے برپا کی گئی ہے اور مسلم قوم اس ملک کے کل پرزے ہیں جن کو پورے حقوق حاصل ہیں، وہ ووٹ کی قوت سے اپنی ناپسندیدہ اور نااہل شخصیات کو ہٹا کر پسندیدہ حکومتوں کو لاسکتے ہیں، بلکہ صالح اور اہل شخص کو ووٹ دینا ایک فریضہ اور باعث اجروثواب ہے، قابل لوگوں کو برسراقتدار لانے کی ہر سعی مستحسن ہے اور نااہل لوگوں کو ووٹ دینا اور برسراقتدار لانا بھی باعث گناہ ہے اور عنداللہ اس کا جواب دینا ہوگا۔

۲- اگر ووٹ شہادت کے درجہ میں ہے تو اس کا حکم شرعی کیا ہوگا، ووٹ دینا صرف جائز ہوگا یا مستحب یا واجب؟

قال اللہ تعالی: إن اللہ یأمرکم أن تؤدوا الأمانات إلی أھلھا(سورۃ النساء:)(امانتیں اہل حق تک پہنچا دیا کرو)، وقال النبیؐ: إذا وسد الأمر إلی غیر أھلہ فانتظر الساعۃ(جب نااہل کو کوئی ذمہ داری سونپی جائے گی تو قیامت کا انتظار کرو)۔

مذکورہ نصوص کی روشنی میں ووٹ ایک رائے اور شہادت وامانت ہے،جس کا شریعت کے پابند شخص کے حق میں استعمال کرنا جو نفاذ شریعت کے لیے کام کر رہا ہو اور امانت دار اور دیانت دار ہونا جائز ہی نہیں بلکہ ضروری بھی ہے، البتہ مستحکم جمہوریت جہاں ملک کے لیے سلامتی کی ضامن ہے، وہیں مذہبی، لسانی اور تہذیبی اقلیتوں کے لیے بہت بڑی نعمت ہے، اس نظام کا تحفظ ضروری ہے، جمہوری ملک کا ہر فرد ایک ووٹ کا مالک ہے، اسے اس ووٹ کا صحیح استعمال کرنا واجب ہے، اگر

ووٹ کا استعمال صحیح نہ ہو تو نا اہل لوگ حکومت و اقتدار پر قابض ہوں گے جو جائز نہیں ہے، لہٰذا مستحکم جمہوری نظام قائم کرنے والے صالح امانتدار و دیانتدار افراد کی موجودگی میں ہمارا ووٹ دینا جواز واستحباب کے درجہ میں ہوگا، البتہ نا اہل اور نالائق افراد کے حکومت پر قابض ہونے کا اندیشہ ہو تو صالح افراد کو برسر اقتدار لانا یعنی ووٹ دینا شرعاً واجب ہوگا۔ اس لیے کہ ہمیں یہ حکم ہے کہ اقتدار کو صالح افراد کے حوالے کریں، اس لیے کہ اقتدار بھی ایک امانت ہے جسے اس کے حقداروں تک پہنچانا دینی فریضہ ہے، قابل لوگوں کو حکومت پر لانا اور ان کے لیے سفارش کرنا بھی ایک دینی فریضہ ہے اور نا اہل کو ووٹ دینا گویا جھوٹی گواہی دینا ہے جو کہ ایک کبیرہ گناہ ہے۔

۳- الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا کیا حکم ہے؟

صورت مسئولہ میں از روئے شریعت کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اقتدار کا حریص یا طالب ریاست و امارت ہو، اسلامی نقطہ نظر سے جو شخص حکومت و ریاست یا کسی عہدہ کا طالب و متمنی ہو اسے ووٹ دینا جائز نہیں ہے، البتہ حکومت کے اعلان کی صورت میں نیک نیتی کے ساتھ قوم وملت کی فلاح و بہبود کی خاطر ایک قابل و لائق شخص کا (جو صالح، صالحیت اور صلاحیت سے متصف ہو) اپنا نام پیش کرنے میں یا جماعت کی طرف سے منتخب شخص کی نمائندگی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ہاں الیکشن میں امیدوار کی حیثیت سے اپنے آپ کو پیش کرنے سے قبل درج ذیل صفات سے متصف ہونا بھی ضروری ہے۔

۱- عاقل و بالغ اور سلیم الحواس ہونا۔

۲- سربراہی کے لیے مرد ہونا۔

۳- حکمرانی کا صحیح علم، صلاحیت اور صالحیت کا جمع ہونا۔

۴- صفت عدالت سے متصف ہونا۔

۵- مذکورہ صفات کے حامل شخص کا تقرر بطریق شوریٰ ہو تا کہ جمہور کی تائید اور موافقت تامہ ہو، نیز الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا مسئلہ مصالح مرسلہ میں سے ہے یعنی جو مسلمان اپنے آپ کو اس لائق سمجھے کہ میں حکومت میں اپنی صلاحیت اور صالحیت کی بنیاد پر قوم و ملک وملت کو فائدہ پہنچا سکتا ہوں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے وزارت خوراک رزراعت کے لیے اپنی ذات کو پیش کیا اور عملاً قوم و ملک کو فائدہ پہنچایا یا عوام الناس کی کثرت رائے کسی کے ساتھ ہو تو ایسے افراد کا بحیثیت امیدوار پیش کرنا حالات اور مصالح کی بنیاد پر کبھی واجب تو کبھی مستحب کے درجہ میں ہوگا۔

۴- غیر مسلم ملکوں میں اور بہت سے مسلم ملکوں میں بھی قانون ساز ادارے مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں، ایسی صورت میں ان اداروں کا ممبر بننا درست ہوگا یا نہیں؟

غیر مسلم ملکوں میں یا مسلم ملکوں میں قانون ساز ادارے مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں، اس کا منشور یا دستور جو بنتا ہے اکثریت کے فیصلے کے مطابق ہی بنتا ہے تو ایسی صورت میں مسلمانوں کا الگ رہنا مزید من مانی کا باعث ہوگا، لہٰذا مسلمانوں کا ان اداروں میں ممبر بننا اور خلاف شریعت قانون کے سلسلہ میں آواز اٹھانے کی نیت سے اور صحیح رائے اور صحیح فکر پیش کرنے کی غرض سے اس ادارہ کا ممبر بننا باعث خیر ہوگا ان شاء اللہ (**إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرئ مانوى** (بخاری) یعنی اعمال کی قبولیت کا دارومدار نیتوں پر موقوف ہے اور ہر آدمی کو وہی ملے گا، جو اس کی نیت ہے، نیز اخف الضررین کے اصول کے تحت جائز ہوگا، بصورت دیگر ایسے اداروں سے مسلمانوں کی دوری سے مزید من مانی ہی ہوگی اور اسلام اور مسلمانوں کے حق میں نقصان دہ ہوگا۔

۵۔ جو لوگ قانون ساز اداروں کے رکن منتخب ہوں، انہیں دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے اور دستور میں بہت سی دفعات خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں تو یہ عمل کہاں تک درست ہوگا؟

قانون ساز اداروں کے رکن کی حیثیت سے مسلمان کا بالجملہ وفاداری کا حلف لینا جائز ہوگا اور دستور کی ہر دفعہ سے اتفاق وموافقت کوئی ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ جمہوری نظام میں ہر قانون کا اسلام کے مطابق ہونا ضروری نہیں ہے، البتہ منکرات کے ازالہ کے لیے اس ادارہ میں رہ کر کوشش کرنا آسان ہوگا، لہٰذا ایسے رکن پر قانون ساز اداروں میں رہ کر اصلاح کی ہر ممکن کوشش کرنا واجب ہوگا، ارشاد نبوی ﷺ ہے: **من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فمن لم يستطع فبلسانه ومن لم يستطع فبقلبه وذلک أضعف الإيمان** (مسلم ۸۷)۔

البتہ بعض اہل علم کی رائے یہ بھی ہے کہ ایسے اداروں کی رکنیت صحیح نہیں ہے، بنی امیہ کے دور میں اکابر علما حکومت کے ماتحت کام کرتے تھے، رکنیت قبول کرنے کی کوئی دلیل سلف صالحین سے منقول نہیں ہے۔

۶- بعض عیسائی ملکوں میں ہر ممبر کو بائبل پر حلف لینا پڑتا ہے، خواہ وہ کسی مذہب کا ہو، تو کیا مسلم ارکان کے لیے یہ عمل درست ہوگا؟

مسلم قوم کی فلاح و بہبود کی غرض سے کسی مجبور مسلمان کا بائبل پر حلف لینا (کہ میں اس انجیل کی قسم کھاتا ہوں، جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ ہے) (توریہ) جائز ہوگا گویا کہ غیر محرف انجیل کی قسم مقصود ومطلوب ہے۔

بعض اہل علم نے شدت کے ساتھ منع کیا کہ ایسے ملکوں میں رکنیت قبول نہ کرنا اولی ہے، اس لیے کہ مسلمان کا کسی

منسوخ کتاب پر حلف لینا صحیح نہیں ہے۔

۷- بعض سیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں، لیکن ان کے منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغایر ہوتی ہیں، کیا ایسی پارٹیوں میں شریک ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونا جائز ہوگا؟

مذکورہ بالا پارٹی میں شرکت بھی توریۃً جائز ہے تاکہ مسلمان ان پارٹیوں میں شرکت کر کے اسلام اور اہل اسلام کے حق میں بھلائی کی راہیں تلاش کریں، اسلام اور اہل اسلام کے حق میں دفاع کرتے رہیں، اسلام کی صحیح تصویر پیش کریں اور غیر اسلامی قوانین کی مخالفت حتی المقدور کرتے رہیں، اس لیے کہ مسلمانوں کے رہنے سے مسلم دشمن قوم یا پارٹی کے لیے ضرر رسانی کی خاطر راہیں ہموار ہوجائیں گی، گویا کہ مسلمانوں کی ایسی پارٹی میں شرکت أھون البلیتین کو اختیار کرنے کے مترادف ہے اور یہ مصالح مرسلہ کی قبیل سے ہے۔

۸- جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمان کی مخالفت شامل ہو، کیا کسی مسلمان کے لیے اس پارٹی میں شریک ہونا جائز ہوگا؟ نیز اگر کسی کی نیت ہو کہ وہ پارٹی میں شریک ہو کر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا تو کیا اس کے لیے اس پارٹی میں شامل ہونے کی گنجائش ہوگی؟

قال اللہ تعالیٰ: یاأیھاالذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم أولیاء۔

مذکورہ آیت کی روشنی میں کھلم کھلا اسلام مخالف پارٹیوں میں شرکت یا ممبر بننا، کارکن بننا، شرعاً جائز نہیں ہے۔ البتہ باہر سے صحیح رائے دینا یا اس پارٹی کی مخالفت کرنا، یا حق کی خاطر آواز اٹھانا درست ہوگا۔

۹- ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، مسلمانوں کے لیے علاحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا جائز ہوگا؟ جبکہ اسے سیکولر ایجنڈے کے تحت ہی کام کرنا پڑتا ہے، نیز ایک احساس یہ بھی ہے کہ جہاں مسلمانوں کی آبادی مرتکز نہیں ہوتی ہے، وہاں خصوصاً اور دوسرے علاقوں میں عموماً مسلم سیاسی جماعت کا قیام مسلمان مخالف ووٹ کو متحد کر دیتا ہے اور اس سے فرقہ پرست تنظیمیں فائدہ اٹھالیتی ہیں۔

اسلامی نقطہ نظر سے سیاسی پارٹی کے قیام کا عمل حق بہ جانب ہے، اس پر اجر وثواب کی امید بھی کی جاسکتی ہے بشرطیکہ مقصود واضح ہو، یعنی خدمت خلق، انصاف کو عام کرنا، کرپشن ختم کرنا، مظلوموں کی حمایت کرنا، قوم وملت کی صحیح رہنمائی کرنا، اسلامی نظام کو لاگو کرنا، اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنا، موجودہ ماحول اسلامی بنا کر ہر شہری کو اس کا حق دلانا، کتاب وسنت کی بالادستی کو قائم کرنے کی پوری کوشش کرنا، اس طرح کے نیک جذبات کے ساتھ سیاسی جماعت کا قیام دین ودنیا کے لیے مفید

ثابت ہوگا، نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جہاں علیحدہ سیاسی پارٹی بنانے میں قانوناً کوئی رکاوٹ نہ ہوتو مسلم قوم کی بھلائی کی خاطر ایک متحدہ نئی تنظیم قائم کرنا جائز ہوگا اوراس میں مسلمانوں کی شرکت، تعاون اور یکجہتی کا مظاہرہ اپنی دینی حمیت کا اظہار شمار ہوگا۔ باذن اللہ تعالیٰ۔

۱۰- ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ الیکشن میں خواتین کا کیا کردار ہونا چاہیے، کیا انھیں ووٹنگ میں حصہ لینا چاہیے، کیا ان کے لیے الیکشن میں امیدوار بننا جائز ہے، کیا وہ قانون ساز اداروں کی ممبر بن سکتی ہیں؟

شرعاً عورت خانگی نظام کے لیے مخصوص ہے، البتہ جمہوری ممالک میں مسلم خواتین کا ووٹنگ میں شرکت چند حدود و قیود کے ساتھ اضطراری حالت میں جائز ہے، یعنی ۱۔محرم کے ساتھ سفر کرنا، ۲۔اختلاط سے پوری طرح بچنا، بلاضرورت مردوں سے بات چیت سے دور رہنا۔ ۳۔شرکیہ کاموں یا محفلوں یا بے حیائی کے کاموں میں اپنے مذہب کے قانون کے مطابق دور رہنا۔ ۴۔ پردہ کا مکمل پاس ولحاظ رکھنا، زیب وزینت کے بغیر گھر سے باہر نکلنا۔ ۵۔صفت عدالت سے متصف ہونا، ۶۔مذکورہ منصب کی اہلیت وقابلیت کا ہونا۔ ۷۔ولی کی اجازت، بھی ضروری ہے۔

جمہوری ملک میں سارے مسلمان اس حکومت کے کل پرزے ہیں، نیز اس ملک کی آزادی میں مسلمانوں کا بھی ایک بڑا اہم رول رہا ہے، اس ملک کی آزادی میں ہم نے اپنے خون پسینے کو بہایا ہے اورعزیزوں کی جان کے نذرانے پیش کیے ہیں، یہ ملک ہمارا بھی ہے، اس کی ترقی ہمارے لیے باعث فخر ہے، لہٰذا مسلم عورت کا ووٹنگ میں حصہ لینا جائز/درست ہوگا، نیز ان کا الیکشن میں امیدوار بننا بھی جائز ہوگا، مثال کے طور پر وزارت کے کسی ذیلی عہدہ، منصب پر فائز ہونے کے لیے، ایم ایل اے، ایم پی، یا مشیر خاص یا آفس سکریٹری وغیرہ کے عہدوں پر فائز ہونے کے لیے، البتہ سربراہ حکومت کا مرد ہونا، حکومت سازی کے بنیادی اصولوں میں سے ہے، لہٰذا عورت کا وزارت عظمیٰ، وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ، صدر ہند وغیرہ کے اعلیٰ مناصب پر بطور حاکم مقرر ہونا شرعاً صحیح نہیں معلوم ہوتا، جہاں سے اقتدار پر قابض ہونے کے بعد قانون سازی یا حاکمیت کا درجہ حاصل ہوتا ہے، شریعت مطہرہ نے ایسے ہی امور سے منع فرمایا ہے: ”**لن یفلح قوم ولوا أمرهم امرأة**“ (صحیح بخاری، باب کتاب النبیؐ الی کسریٰ وقیصر، حدیث: ۵۲۴۴)۔

مذکورہ حدیث آپ ﷺ نے یہ بات اس وقت بتائی تھی جب ایرانیوں نے ایک عورت کو بادشاہ بنالیا تھا، اسی طرح آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے: ”**إذا كانت أمراؤكم شراركم وأغنيائوكم بخلائكم، وأموركم إلى نسائكم فبطن الأرض خير لكم من ظهرها**“ (جامع الترمذی، باب ۸۷، حدیث ۲۶۲۲)۔

جمہوری ممالک میں الیکشن سے متعلق شرعی مسائل

مفتی سہیل اختر قاسمی ☆

ووٹ کی شرعی حیثیت:

عصر حاضر میں ووٹ کی مختلف حیثیتیں ہیں:

۱-شہادت: اس کی حیثیت شہادت اور گواہی کی ہے، ووٹر جس ممبر کو ووٹ دیتا ہے وہ اس بات کی گواہی بھی دیتا ہے کہ میں اس کو ملک وقوم کے لیے مفید اور خیر خواہ سمجھتا ہوں، اس کے اندر قابلیت واہلیت اور دیانت وامانت جیسی صفات موجود ہیں، اور یہ شخص ملک وملت کے حق میں مفید ثابت ہوگا۔

۲-مشورہ: اس کی حیثیت مشورہ کی سی ہے، ووٹر حکومت اور نظم ونسق کے سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے کہ کون امیدوار زیادہ بہتر، ایماندار اور دیانت دار ہے، اور ملک وملت کی خدمت بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہے۔

۳-سفارش: اس کی حیثیت سفارش کی ہے کہ ووٹر اس امیدوار کے لیے ملکی نظم ونسق بہتر طور پر چلانے کی قدرت رکھنے کی سفارش کرتا ہے۔

۴-وکالت: ووٹ کی ایک حیثیت وکالت کی بھی ہے، گویا ووٹ دینے والا حق رائے دہی کا استعمال کر کے درحقیقت کسی امیدوار کو سیاسی امور اور کار حکومت کی انجام دہی کے لیے اپنا وکیل اور نائب منتخب کرتا ہے۔

۵-بیعت: اگر مسلم مملکت ہو تو ووٹ کی حیثیت سیاسی بیعت کی بھی ہے، گویا ووٹر اپنے ووٹ کے ذریعہ مقامی امیدوار کے واسطہ سے سربراہ مملکت کی بیعت کرتا ہے۔

ووٹ کی مذکورہ پانچوں حیثیتوں کے پیش نظر اس کا استعمال بڑا نازک اور اہم ہے، لہٰذا رائے دہندگان اپنی پوری بصیرت کے ساتھ اس کا استعمال کریں، اگر کسی نے نا اہل شخص کو ووٹ دے کر امیدوار بنا دیا اور جیتنے کے بعد اس شخص نے قوم وملت کے حقوق کو پامال کیا اور ظلم وزیادتی کو راہ دی تو نا اہل شخص کو ووٹ دینے کی وجہ سے وہ جھوٹی گواہی، غلط مشورہ، بری

☆ معاون قاضی امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

سفارش اور نااہل شخص کو وکیل اور نائب بنانے کے زمرہ میں داخل ہوگا، جس کا گناہ حق رائے دہی کے استعمال کرنے والے یعنی ووٹر کو ہوگا اور اگر اچھے، لائق امیدوار اور ملک وملت سے ہمدردی رکھنے والے امیدوار کو ووٹ دیا اور پوری چھان بین کرنے کے بعد انہوں نے اپنے حق رائے دہندگی کو استعمال کیا تو اس کی نیکی اور ثواب کا بھی حقدار ہوگا۔ ان حیثیتوں کے لیے مندرجہ ذیل آیات اور احادیث سے استدلال کیا جاسکتا ہے:

۱- فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور (الحج:۳۰،۳۱)۔

۲-ولا تکتموا الشهادة ومن یکتمها فإنه آثم قلبه (البقرة:۲۸۳)۔

۳- ومن یشفع شفاعة حسنة یکن له نصیب منها ومن یشفع شفاعة سیئة یکن له کفل منها وکان الله علی کل شیئ مقیتا (النساء:۸۵)۔

۴- قال النبی ﷺ: المستشار مؤتمن (سنن الترمذی ۲/۱۰۵)۔

ووٹ دینے کا شرعی حکم:

ووٹ کی ایک حیثیت شہادت کی ہے اور شہادت میں یہ تفصیل ہے کہ شہادت کبھی واجب اور کبھی فرض کی حد تک پہنچتی ہے اور کبھی استحباب واباحت کے درجہ میں ہوتی ہے، جہاں کہیں ترک شہادت سے مدعی کا حق سلب ہوتا ہو، وہاں شہادت دیناواجب ہوتا ہے اور جہاں گواہوں کی تعداد زیادہ ہو وہاں شہادت دینا مستحب اور مباح ہے۔

لما قال الامام القرطبی فی تفسیر هذه الآیة: "ولا یأب الشهداء إذا ما دعوا" فإذا کانت الفسحة لکثرة الشهود والأمن من تعطل الحق فالمدعو مندوب، وله أن یتخلف لأدنی عذر وإن تخلف لغیر عذر فلا إثم علیه ولا ثواب له، وإذا کانت الضرورة وخیف تعطل الحق أدنی خوف قوي الندب وقرب من الوجوب وإذا علم أن الحق یذهب ویتلف بتأخر الشاهد عن الشهادة فواجب علیه القیام بها لاسیما إن کانت محصلة وکان الدعاء إلی أدائها (الجامع لاحکام القرآن ۳/۳۹۸)۔

اسی طرح ووٹنگ کا عمل بھی بعض حالات میں واجب، بعض میں جائز اور بعض میں مباح ہے، الیکشن میں ووٹ کے دوران ہر شخص کو یہ اندازہ لگانا چاہئے کہ اگر میں نے حق دار امیدوار کو ووٹ نہیں دیا تو اس کے مقابلہ میں فرقہ پرست، فاسق وفاجر امیدوار کامیاب ہوجائے گا اور ملک وملت کا بہت نقصان ہوگا، تو ایسی صورت میں اس کے لیے ووٹ کا استعمال کرنا ضروری وواجب ہے اور اگر یہ خطرہ نہ ہو تو ووٹ دینا جائز ومستحب ہے۔

الیکشن میں امیدوار بننے کا شرعی حکم:

اسلامی تشخص کی حفاظت، منکرات کا سد باب اور برسر اقتدار طبقہ کو خلاف شرع امور پر متنبہ کرنے کو حدیث میں افضل جہاد کہا گیا ہے، اس قسم کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انتخابات میں شرکت کیے بغیر صحیح طریقے سے حاصل نہیں ہوسکتے، اس لیے ضرورت کے تحت مروجہ طریقہ انتخاب کے ذریعہ ایوان حکومت تک پہنچ کر حق کی آواز بلند کرنا اور اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے حتی الوسع کوشش کرنا، وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، اس لیے اگر کوئی بے دینی نظام کی ترویج واشاعت کے مقابلہ میں اسلامی معاشرہ کے قیام کے لئے اپنے آپ کو الیکشن میں بہ حیثیت امیدوار پیش کرتا ہے تو یہ نہ صرف جائز اور مباح ہوگا بلکہ مستحسن قدم ہوگا، سیاست ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ انسان منصب خلافت پر فائز ہوتا ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات میں سیاست مستقل ایک شعبہ رہا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: "**واجعل لی من لدنک سلطاناً نصیرا**" (الاسراء۸۰) کی تفسیر میں مفسرین فرماتے ہیں:

قال الإمام الطبری: واجعل لی ملکا ناصراً ینصرنی علی من ناوانی وعزاً أقیم به دینک وأدفع به عنه من أراد بسوء (جامع القرآن ۹/۱۵۰)۔

الیکشن میں امیدوار پوری قوم کے سامنے دو چیزوں کا مدعی ہوتا ہے: ایک یہ کہ وہ اس کام کی قابلیت واہلیت رکھتا ہے ،جس کا وہ امیدوار ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ دیانت وامانت داری کے ساتھ اس کام کو انجام بھی دے گا، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا: "**اجعلنی علی خزائن الأرض إنی حفیظ علیم**" (یوسف:۵۵)۔

(مجھے سلطنت مصر کا والی ونگراں مقرر کردیجئے، میں نگہبان ہوں خوب جاننے والا ہوں)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خاص حالات میں عہدہ طلب کرنا اور اپنے آپ کو اس کا امیدوار بنا کر پیش کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس سے بہتر کوئی دوسرا متبادل انتظام کار نہ ہو۔ طلب عہدہ میں حب جاہ ومنصب، مال ومنال نہ ہو بلکہ قوم وملت کی صحیح خدمت اور ان کے حقوق کی حفاظت مدنظر ہو، نیز وہ اس عہدے کے ساتھ انصاف بھی کرسکے، اور ان امور کو انجام دیتے وقت اسے اپنے ایمان اور عقیدہ کی حفاظت کا یقین بھی ہو تو ایسی صورت میں وہ اپنے آپ کو الیکشن میں بطور امیدوار پیش کرسکتا ہے، یہ مسئلہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص اہلیت قضاء میں تنہا ہو تو اس اہل شخص کے لیے عہدہ قضاء طلب کرنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے تاکہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت ہوسکے، علامہ ابن عابدین شامی رقم طراز ہیں:

"**أما إذا تعین بأن لم یکن أحد غیرہ یصلح للقضاء وجب علیه الطلب صیانةً لحقوق المسلمین**" (ردالمحتار ۸/۴۰)۔

پارٹی کی طرف سے وہیپ جاری ہونے کی صورت میں شرعی حکم:

اگر قانون ساز ادارے یا پارلیمنٹ مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں تو ایسی صورت میں ان اداروں کا ممبر بننا درست ہے، کیونکہ ممبر بننے کے بعد ہی وہ اس طرح کے غیر شرعی قانون کی پوری قوت کے ساتھ مخالفت کرسکتا ہے اور اس لیے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے اور شریعت کی حفاظت کے ساتھ وطن کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اس کی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی قوت مدافعت پیدا کرنے کے لیے الیکشن میں شرکت ضروری ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

"من رأى منكم منكراً فليغيره بيده وإن لم يستطع فبلسانه وإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان (ابوداؤد ۱/ ۴۴۳)۔

خاص طور پر ہندوستانی قانون کے مطابق ووٹ دینا اور الیکشن لڑنا اور انتخابات میں شرکت کرنا ہر ہندوستانی کا حق ہے، اس حق کو استعمال کرنے سے ہی مفادات کا تحفظ ہوگا یا کم از کم وہ نقصانات کو کم کرسکیں گے، جس معاشرہ میں وہ زندگی گزار رہا ہے اس کی سماجی سرگرمیوں میں اس کی شرکت ہوگی اور جو قوانین اور نظام بنائے جائیں گے ان پر مباحثہ میں بھی کسی درجہ شرکت ہوسکے گی اور بسا اوقات وہ ان میں تبدیلی یا ان کے ضرر کو کم کراسکیں گے، یا ایسے ممبران کی تعداد میں اضافہ ہوسکے گا جن کے ذمہ یہ ہو کہ وہ خلاف شرع قوانین کو پاس کرانے میں اس کی مخالفت کرسکیں اور جب مسلم ممبران کی تعداد میں اضافہ ہوگا تو وہ ملک میں داخلی وخارجی پالیسی بنانے میں بھی شریک ہوں گے، پارٹی کی طرف سے وہیپ جاری ہونے کی صورت میں بھی کم سے کم وہ پارٹی کے اندر رہ کر مثبت انداز میں مخالفت کرسکتا ہے اور آج نہیں تو کل اس کی بات پارٹی کے لوگ قبول بھی کرسکتے ہیں اور اس طرح اسمبلی یا پارلیمنٹ کا ممبر بننے میں کم سے کم مسلم مفادات کی حفاظت، تقلیل شر وظلم کا کام وہ انجام دے سکتا ہے، جیسا کہ فقہاء نے نجاست کے بالکلیہ ازالہ پر قادر نہ ہونے کی صورت میں نجاست کی تقلیل کا حکم دیا ہے اور ظلم کو دفع کرنے کا اختیار مکمل طور پر نہ ہونے کی صورت میں تقلیل ظلم تجویز کیا ہے۔ زبان وعمل سے غیر شرعی قوانین وامور کو روکنے کی صلاحیت نہ ہونے کی صورت میں دل سے اس کو برا سمجھنا بھی مستحسن ہے۔

دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا:

شرعاً حلف ایسے معاملہ کو کہتے ہیں جس سے کام کرنے یا نہ کرنے سے متعلق حلف اٹھانے والے کے عزم وارادہ کا پتہ چلتا ہے اور اسے پختہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ذاتی یا صفاتی نام میں سے کسی کے ساتھ قسم کھائی جاتی ہے، حدیث پاک میں بھی اس کی ہدایت دی گئی ہے کہ جسے قسم کھانی ہو یا حلف لینا ہو وہ اللہ کی قسم کھائے: **لا تحلفوا بآبائكم ولا**

بالطواغيت فمن كان منكم حالفاً فليحلف بالله أو ليدع (مصنف عبدالرزاق رقم:۱۵۹۲۵) لہذ االلہ کے سوا کسی اور چیز کی قسم کھانی جائز نہیں ہے، ہندوستان یا اس جیسے دیگر مما لک میں جہاں مسلمانوں کے ساتھ آزمائشوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے، وہاں ممبران پارلیمنٹ جو دستور سے وفاداری کا حلف اٹھا لیتے ہیں اسے حلف یا قسم نہ قرار دیا جائے، بلکہ یہ کہا جائے کہ یہ ان کی طرف سے ملکی قوانین کی پاسداری کا وعدہ ہے اور شریعت میں اگر چہ وعدے کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مگر ناجائز امور کے وعدے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، لہٰذا دستور میں جو غیر اسلامی امور ہیں ان کے تعلق سے کیا گیا وعدہ واجب الوفاء نہ ہوگا، کیونکہ شریعت سے متصادم امور کی انجام دہی کا وعدہ یا قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرنا ضروری ہوگا۔حدیث میں ہے:

إذا كلفت على يمين فرأيت غيرها خيراً منها فكفر عن يمينك وأت بالذى هو خير (متفق علیہ) اور اگر اس کے خلاف کرنا مصلحت عامہ کے خلاف ہو اور اس میں ضرر لاحق ہونے کا خطرہ تو اس طرح کی صورت حال میں ممبران کے لیے حلف لینے کی گنجائش ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

لا ضرر ولا ضرار (ابن ماجہ رقم:۲۳۴۰) اور **إذا ابتلى ببليتين...... يختار أهونهما، الضرر الخاص يتحمل للضرر العام** (الاشباہ والنظائر ۱/۸۹)۔

اس لئے ممبران کونسل یا قانون ساز کو اس طرح حلف اٹھانے کی گنجائش دینی چاہئے، کیونکہ یہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے اور قاعدہ ہے: **الضرورات تبيح المحظورات** ۔

بائبل پر حلف لینے کا حکم:

قرآن مجید کے علاوہ دیگر آسمانی کتابیں اپنی اصلی حالت پر موجود نہیں ہیں، ان کتابوں میں بے پناہ تحریفات ہوگئی ہیں اور ان میں اکثر احکام بھی نزول قرآن کے بعد منسوخ ہوگئے، بائبل کے جو نسخے رائج ہیں وہ محرف ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والے اصل نسخے نہیں ہیں، اس لئے کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ بائبل پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائے۔

البتہ اگر غیر اسلامی مما لک میں ممبر کو بائبل پر حلف لینا پڑتا ہے، خواہ وہ کسی مذہب کا ہو تو ان مما لک میں مسلم ارکان قرآن پر حلف برداری کا مطالبہ کریں، اگر ان کے مطالبہ کو نہ مانا جائے تو تعظیم کی نیت کے بغیر بائبل پر ہاتھ رکھ کر حلف لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ مجبوری کی حالت میں کلمہ کفر زبان سے نکالنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ دل ایمان پر مطمئن ہو تو

ان ممالک میں بھی مسلم ممبران بھی اس طرح کی حلف برداری پر مجبور ہیں۔ (اس سلسلہ میں فقہ اکیڈمی مکۃ المکرّمہ کے فیصلہ کو بھی دیکھا جا سکتا ہے)۔

سیکولر پارٹی کے بعض دفعات اگر اسلام کے خلاف ہوں تو اس میں شرکت اور امیدوار بننے کا حکم:

سیکولر پارٹی میں شمولیت اور اس کی طرف سے اسمبلی یا پارلیمنٹری انتخابات میں شریک ہونے کی مشروط اجازت ہے، ملک وملت کی خدمت کے جذبہ سے اس میں شامل ہوسکتا ہے اور اس طرح کی پارٹی میں شامل ہوکر ملی مفادات کی حفاظت کرنے کی اجازت ہے اور شمولیت کے بعد اس پارٹی ممبر کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ خلاف اسلام منشور میں تبدیلی لانے کی حتی المقدور کوشش کرتا رہے اور اصلاحی کوشش کبھی ترک نہ کرے۔

اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کے اس معاہدے اور عمل کو نظیر بنایا جاسکتا ہے، جو آپ ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد یہودیوں کے دو مستحکم قبیلے بنونضیر اور بنوقریظہ سے کیا تھا اور صلح حدیبیہ بھی اس طرح کے معاہدے کی ایک کڑی تھی، ان دونوں معاہدے میں حالانکہ غیر شرعی امور پر معاہدہ نہ تھا، مگر حالات اور وقت کی نزاکت کے تحت مذکورہ معاہدے سے اسلام اور مسلمانوں کو بڑا فائدہ ہوا، اسلام کی تبلیغ واشاعت عام ہوئی، لوگوں کو اسلام سمجھنے کا موقع ملا اور اس کے بعد اسلام کی شوکت میں اضافہ ہوتا گیا۔

اس لئے جہاں کہیں بھی مسلمانوں کو کفار ومشرکین کے ساتھ ملکی معاملہ میں شراکت میں معقول دینی ودنیوی فائدہ ہوتو اس کی شریعت میں گنجائش ہے، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں صاحب تقویٰ اور بابصیرت اہل علم نے آزادی کے بعد سیکولر پارٹیوں میں شرکت کی، خود بھی ممبر بنے اور دوسروں کو بھی ممبر بنایا اور ان پارٹیوں کی طرف سے الیکشن میں امیدوار بھی بنتے رہے، مثال کے طور پر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے کانگریس پارٹی میں شرکت کی، ملک کے پہلے وزیر تعلیم امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی وغیرہ نے نہ صرف سیکولر پارٹی میں شرکت کی بلکہ اس کی طرف سے ممبر پارلیمنٹ بھی بنے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بزرگوار شرعی طور پر بھی سیکولر پارٹیوں میں شمولیت کو صحیح اور وقت کی ضرورت سمجھتے تھے۔

البتہ جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہے تو کسی مسلمان کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ ایسی پارٹی میں شامل ہو، یا الیکشن کے موقع پر اس کی طرف سے امیدوار بنے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یا أیها الذین آمنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم هزواً ولعبا من الذین أوتوا الکتاب من قبلکم والکفار أولیاء واتقوا الله إن کنتم مؤمنین (المائدہ۵۷)۔

لہٰذا جو سیاسی پارٹیاں اسلام دشمنی کو اپنا شعار بنائے ہوئی ہیں اور پارٹی کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو شامل کیے ہوئی ہیں، اس پارٹی میں شرکت اور اس کی طرف سے امیدوار بننے کی کس طرح گنجائش ہوسکتی ہے؟ ایسی پارٹیوں میں شمولیت قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے، بلکہ احکام الٰہی کی صریح خلاف ورزی ہے۔ خواہ پارٹی میں شامل ہونے کی نیت اسلام مخالف ایجنڈے کی اصلاح ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ تجربہ بتا رہا ہے کہ پارٹی کے مقاصد میں اس طرح کی شمولیت سے کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے، البتہ شامل ہونے والے کا ایمان اور غیرت ضرور ختم ہوجاتی ہے، اس لئے میرے خیال میں ملی مفادات کے پیش نظر بغرض اصلاح اس طرح کی پارٹی میں شمولیت کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔

مسلمانوں کے لئے علاحدہ سیاسی جماعت کا قیام:

ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، مسلمانوں کے لیے علاحدہ سیاسی پارٹی قائم کرنا نہ صرف جائز ہوگا بلکہ زمانہ کی رفتار کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی عظیم خدمت بھی ہوگی، اگر پارٹی مسلمانوں کی ہوتو اس کی خامیوں کی اصلاح کی جاسکتی ہے اور نقائص کو درست کیا جاسکتا ہے، اس کے برخلاف غیروں کی پارٹی کی اصلاح اور اسلام مخالف نظریات کو درست کرنا عملاً مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

میرے خیال میں اس پارٹی کا منشور اور اغراض ومقاصد کچھ اس طرح بنایا جائے جس میں مسلمانوں کے علاوہ ہر مذہب وملت سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے بھی گنجائش ہو اور وہ پارٹی خاص سیکولر ایجنڈے کے مطابق ہی کام کرے مگر دوسری قوموں کے ساتھ رواداری کا دامن بھی نہ چھوڑے۔ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے جب عدل وانصاف اور رواداری کے ساتھ حکومت کی تو غیروں نے بھی نہ صرف یہ کہ اس کو پسند کیا، بلکہ اسلامی حکومت کے زیر سایہ زندگی گزارنے کو دوسری جگہ زندگی گزارنے پر ترجیح دی۔

آج کل کے جو ملکی حالات ہیں ان حالات میں یہ پارٹی دوسری سیکولر پارٹیوں سے انتخابی مفاہمت بھی کرسکتی ہے تاکہ ووٹ منتشر نہ ہو اور فرقہ پرست غیر سیکولر پارٹیوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہ ملے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**ولا ینهکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم أن تبروهم وتقسطوا إلیهم إن الله یحب المقسطین** (الممتحنہ:۸) (اللہ تعالیٰ تم کو منع فرماتے ہیں، ان

لوگوں سے جو تم سے نہیں لڑے دین کے معاملہ میں اور تمہیں اپنے گھروں سے نہیں نکالا کہ تم ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا معاملہ کرو)۔

علامہ قرطبی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے بارے میں رخصت پر دلالت کرتی ہے جو اہل ایمان سے دشمنی اور جدال نہیں کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں آزادی سے قبل بانی امارت شرعیہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد کے ذریعہ قائم کردہ ''مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی'' اور الیکشن سے لے کر حکومت سازی تک اس پارٹی کے ذریعہ کیے گئے تجربات کو بھی اپنایا جاسکتا ہے۔ ۱۹۳۶ء میں حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ بانی امارت شرعیہ کی اس پارٹی نے الیکشن میں نمایاں کامیابی حاصل کی اور کانگریس کے بعد صوبہ بہار کی دوسری سب سے کامیاب پارٹی بن کر ابھری، اس پارٹی کو تقریباً ۸۰ فیصد کامیابی ملی، اس کے تیئس امیدواروں میں سے ۲۰ امیدوار کامیاب ہوئے۔ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی امیر شریعت رابع اس پارٹی کے کامیاب امیدواروں میں سے ایک تھے۔ مولانا موصوف نہ صرف یہ کہ الیکشن میں کامیاب ہوئے بلکہ فریق مخالف کی ضمانت بھی ضبط ہوگئی۔ مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی نے مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کی نگرانی میں بیرسٹر محمد یونس نے وزیر اعظم (اس وقت وزیر اعلیٰ کی جگہ وزیر اعظم کی اصطلاح مروج تھی) کے طور پر حلف برداری کی اور کامیابی کے ساتھ یہ حکومت چھ ماہ تک چلتی رہی اور اپنے مختصر دور حکومت میں اس پارٹی نے اہم خدمات ملک وملت کے لئے انجام دیے۔ موجودہ وقت میں آسام میں مولانا بدرالدین اجمل قاسمی کے ذریعہ بنائی گئی ''یونائٹیڈ ڈیموکریٹک فرنٹ'' اور جنوبی ہند میں ''مجلس اتحاد المسلمین'' اور ''انڈین مسلم لیگ'' جیسی پارٹیاں ہمارے لیے عمدہ مثال ہیں۔ ان پارٹیوں کے تجربات کے ذریعہ یہ طے کیا جاسکتا ہے کہ جمہوری ملک میں ملکی وقومی مفادات کی حفاظت کے ساتھ کس طرح کام کیا جانا ممکن ہے۔

الیکشن میں خواتین کا کردار:

ووٹ درحقیقت ایک قسم کی شہادت کی حیثیت رکھتا ہے جیسا کہ سابق میں گزر چکا ہے، ووٹ کے ذریعہ ووٹر امیدوار کی اہلیت وقابلیت اور سیاسی امور میں اس کی مہارت کی گواہی دیتا ہے یا اپنی رائے یا مشورہ کا اظہار کرتا ہے، اور عورت اہل الرائے ومشورہ اور اہل الشہادۃ والوکالۃ ہے، معلوم ہوا کہ عورت ووٹنگ کرسکتی ہے تاہم ایک مسلمان عورت کو ووٹ ڈالنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ پردہ اور دیگر امور شرعیہ کا خیال کرتے ہوئے اپنے ووٹ کے حق کا استعمال کرے ورنہ وہ گنہگار ہوگی۔

اب رہی بات عورت کے الیکشن میں امیدوار بننے اور قانون ساز اداروں یعنی پارلیمنٹری الیکشن لڑنے کی تو اگر عورت الیکشن میں اس طرح حصہ لے کہ شرعی پردہ کا خیال رہے اور غیر شرعی امور کا ارتکاب نہ کرے تو اس صورت میں عورت کے لیے الیکشن لڑنا اور پارلیمنٹ میں اس کی رکنیت کی شرعاً گنجائش ہے، ارکان اسمبلی یا پارلیمنٹ عوام کی طرف سے اس کے نائب یا وکیل ہوتے ہیں اور عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی کی وکیل بنے۔ بقول علامہ ماوردی ''ارباب حل وعقد عورت بن سکتی ہے'' اس لئے اس امر کی گنجائش بہر حال نکالی جاسکتی ہے کہ عورت گھریلو معاملات کے علاوہ اسمبلی یا پارلیمنٹ کی ممبر بنے۔

ہندوستانی معاشرہ وسماج کے حالات کے پیش نظر اگر خواتین کے لئے مردوں سے علاحدہ نشست کا انتظام ہو اور ان کی کارروائی ودیگر سیاسی وسماجی سرگرمیوں میں شرعی حدود کی رعایت ہو تو وہ اسمبلی یا پارلیمنٹ کی ممبر بن سکتی ہے۔ اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اگر وہ ان حدود شرعیہ کی رعایت نہ کر سکے تو اس کا ممبر اسمبلی یا پارلیمنٹ بننا یا الیکشن لڑنا یہاں تک کہ ووٹ دینا بھی درست نہیں ہے۔

ووٹ کی شرعی حیثیت

مفتی محمد جعفر ملی رحمانی☆

۱-شرعاً ووٹ کی حیثیت شہادت (۱)، شفاعت (۲)، اور وکالت (۳) کی سی ہے، گویا کہ جس شخص کو ووٹ دیا جاتا ہے، اس کے حق میں ملک وملت کے خیر خواہ ہونے کی شہادت دی جاتی ہے، متعلقہ امیدوار کو وکیل اور نمائندہ بنایا جاتا ہے۔

۲- الف- باعتبار حیثیت اولیٰ (شہادت) اگر ووٹر پر کسی ایک امیدوار کی اہلیت اور صداقت ودیانت منکشف ہوجائے اور ووٹر کو یہ شرح صدر ہو کہ متعلقہ امیدوار بہتر صلاحیت کا حامل ہے، تو پھر اپنے ووٹ (حق رائے دہی) کا استعمال واجب ہے (۴)۔

ب- باعتبار دیگر حیثیات شفاعت (۵)، وکالت (۶) مذکورہ صفات کے حامل امیدوار کے حق میں ووٹنگ امر مستحب ہے۔

۳- عام حالات میں اسلامی مزاج کے مطابق عہدہ واقتدار کی طلب غیر مستحسن ہے، کیوں کہ عہدہ کی طلب وحرص (۷) اور مسابقت ایک ایسی لذت ہے کہ اگر عہدہ چھن جائے تو پھر حسرتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے (۸)۔

لیکن اگر طلب عہدہ کے پیچھے کسی حظ نفس کا دخل نہ ہو بلکہ محض انسانیت کا درد، امانت ودیانت کے ساتھ مفادات عامہ کے تحفظ کا جذبہ کارفرما ہو، نیز انسانوں کو صحیح فائدہ پہنچانا، خلق خدا کو جبر وظلم سے نجات دلانا اور شرور وفتن سے بچانا مقصد ہو، فساق وفجار کے منتخب ہونے سے معاشرہ میں بے دینی کی ترویج کا خطرہ ہو، اور اس عہدہ ومنصب کے لائق دیگر افراد موجود نہ ہوں، بلکہ تنہا وہی شخص اس عہدہ کے لیے موزوں ہو، تو اس پر مذکورہ تمام مقاصد کے حصول کے لیے الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنا واجب ہے (۹)، البتہ وہ شخص از خود پرچۂ واری داخل نہ کرے بلکہ دوسرے لوگوں کے ہاتھوں پرچۂ نامزدگی داخل کریں، تا کہ وہ طلب عہدہ میں متہم نہ ہو (۱۰)۔

۴-جن غیر مسلم ومسلم ملکوں میں قانون ساز ادارے مخالف شرع قوانین بناتے ہیں وہاں مسلمانوں کے لئے ان

☆ دارالافتاء جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، نندربار، مہاراشٹر۔

اداروں کا ممبر بننا درست ہونا چاہئے اور ایسے ممبر شخص کو چاہئے کہ جمہوری حقوق سے استفادہ کرتے ہوئے خلاف شرع قانون سازی کے خلاف آواز اٹھاتا رہے(۱۱)۔

رہی یہ بات کہ بسااوقات پارٹی کی طرف سے وہیپ (Party whip) جاری ہونے پر ایسا شخص پارٹی پالیسی کے مطابق ووٹ دینے کا پابند ہوتا ہے اور اپنی ضمیر کی آواز پر ووٹ دینے کا اختیار نہیں رکھتا، تو یہ خصوصی صورت ہوتی ہے، عمومی نہیں اور اعتبار غلبہ کا ہوتا ہے شاذ ونادر کا نہیں(۱۲)، اور فقہ کا قاعدہ ہے: ''الضرر الأشد یزال بالضرر الأخف'' کہ بڑے نقصان سے بچنے کے لئے چھوٹا نقصان گوارا کرلیا جاتا ہے(۱۳)، مذکورہ اداروں کا ممبر بننا یہ ضرر اخف ہے اور ممبر نہ بن کر امت کو بڑے خطرات اور نقصان عظیم میں ڈالنا یہ ضرر اشد ہے، لہٰذا ضرر اخف (ممبر بننا) کا ارتکاب کرکے ضرر اشد (امت کو نقصان عظیم میں ڈالنا) سے بچا جائے گا۔

۵- جو لوگ قانون ساز اداروں کے رکن منتخب ہوتے ہیں، جب انہیں حلف دلایا جاتا ہے اس وقت حلف میں دستور کی تمام دفعات تفصیلاً مذکور نہیں ہوتیں، بلکہ اجمالی طور پر دستور سے وفاداری کا حلف دلایا جاتا ہے، تو مسلم ممبر کو چاہیے کہ وہ حلف اٹھاتے وقت اپنے دل میں انہی دفعات کے ساتھ وفاداری کی نیت (توریہ) کرے، جو موافق شرع ہیں، نہ کہ ان دفعات کی جو شریعت کے خلاف ہیں، اس طرح حلف اٹھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہیے (۱۴)۔

۶- یہاں بھی توریہ والی صورت اختیار کی جاسکتی ہے، کہ بائبل کی جو باتیں غیر محرف ہیں، حلف لیتے وقت دل میں صرف ان کی نیت کرے نہ کہ محرف کی (حوالہ سابق)۔

۷- بعض سیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں، لیکن ان کے منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغائر ہوتی ہیں، ایسی پارٹیوں میں شریک ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونا باعتبار عموم درست ہونا چاہئے (۱۵)۔

۸- جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہے، اور کسی شخص کی یہ نیت ہو کہ وہ پارٹی میں شریک ہو کر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا، تو ایسی پارٹی میں شامل ہونے کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ اس طرح کی پارٹیوں میں شرکت اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں تعاون کے مترادف ہے جو شرعاً ممنوع ہے (۱۶)۔

۹- ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، مسلمانوں کے لئے علیحدہ سیاسی جماعت کا قائم کرنا جب کہ اسے سیکولر ایجنڈے کے تحت ہی کام کرنا پڑتا ہے، نیز جب یہ احساس بھی ہے بلکہ مشاہدہ ہے کہ مسلمانوں کی آبادی مرتکز

نہیں ہوتی اور مسلم سیاسی جماعت کا قیام مسلم مخالف ووٹ کو متحد کر دیتا ہے، جس کی وجہ سے فرقہ پرست تنظیمیں فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہو جاتی ہیں، ایسی صورت میں مسلمانوں کے لیے علیحدہ سیاسی جماعت کا قائم کرنا درست نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ دفع ضرر جلب منفعت سے اولی ومقدم ہے(۱۷)۔

۱۰-الف-خواتین انتخابات کے موقع پر اپنا حق رائے دہی (ووٹ) کا استعمال کر سکتی ہیں(۱۸)، بشرطیکہ پردہ اور دیگر امور شرعیہ کا لحاظ وخیال کریں، ورنہ ارتکاب معصیت سے ووٹ کا ترک افضل ہے۔حضرت مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''عورتوں کا ووٹ دینا ممنوع نہیں ہے، ہاں! ووٹ دیتے وقت شرعی پردہ کا لحاظ رکھنا لازم ہوگا''(۱۹)۔

ب-بطور امیدوار کھڑا ہونا عورتوں کے لئے مستحسن نہیں ہے، کیونکہ اس میں ضروریات شرعیہ کی رعایت کے ساتھ کونسل یا اسمبلی کی شرکت عورتوں کے لئے متعذر رہے(۲۰)، لیکن اگر ضروریات شرعیہ کی رعایت کے ساتھ کونسل یا اسمبلی کی شرکت ممکن ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے(۲۱)۔

ج-عورتیں قانون ساز اداروں کی ممبر بن سکتی ہیں، البتہ ضروریات شرعیہ کی رعایت بھی لازم ہوگی، جیسا کہ کفایت المفتی کے ایک سوال وجواب سے مستفاد ہوتا ہے:

سوال: کونسلوں اور اسمبلیوں میں جہاں مسلم عورتوں کی نشست محفوظ ہو عورتوں کا ممبر بننا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: عورتوں کا کونسل میں جانا کچھ زیادہ مفید نہ ہوگا، لیکن اگر جائیں تو حجاب کے ساتھ جانا ضروری ہوگا۔ (۲۱۸/۹ عورتوں کا کونسل میں جانا)۔

نیز فتاویٰ حقانیہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

''اس پرفتن دور میں حالات کے پیش نظر عورت کو اسمبلی یا پارلیمنٹ کی رکنیت حاصل کرنے سے احتراز کرنا چاہئے، اس لئے کہ موجودہ حالات میں انتخابات کے لئے مہم چلانے کے دوران عورت کے لئے پردہ برقرار رکھنا مشکل نظر آتا ہے، تاہم اگر عورت انتخابات میں اس طرح حصہ لے کہ شرعی پردے کا خاص خیال رہے اور کسی غیر شرعی امور کا ارتکاب نہ کرے تو اس صورت میں عورت کے لئے انتخاب لڑنا اور پارلیمنٹ میں اس کو رکنیت دینا شرعاً جواز کی گنجائش ہے، اس لئے کہ ارکان اسمبلی و پارلیمنٹ عوام اور قوم کی طرف سے ان کے وکلاء ہوتے ہیں، اور عورت کے لئے یہ جائز ہے کہ کسی فرد کی وکیل بنے''(۲۲)(فتاویٰ حقانیہ:۲/۳۱۷-۳۱۸)۔

والحجۃ علی ما قلنا:

(۱) ما فی "التنویر وشرحه مع الشامیة": (هي) لغة خبر قاطع۔ وشرعاً: (إخبار صدق لإثبات حق) ۔فتح وفي الشامية: قال في البحر: هي اخبار عن مشاهدة وعيان لاعن تخمين وحسبان (۱۱/۷۷، کتاب الشهادات، دار الکتب العلمية بيروت، فتاوی بینات:۵۰۶/۳۔۵۰۷ کتاب الإمارة القضاء، ووٹ کی شرعی حیثیت،فتاویٰ حقانیه: ۳۰۲/۲ کتاب السیاسة، ووٹ کی شرعی حیثیت)۔

مافی "درر الحکام شرح مجلة الأحکام" :الشهادة هي الاخبار صدقا عن يقين وعيان بلفظ من الشهادة۔(۳۴۶/۴ تعریف الشهادة ونصابها، تحت مادة :۱۶۸۴)۔

ما فی"العناية شرح الهداية": وهي فی اللغة عبارة عن الإخبار بصحة الشئ عن مشاهدة وعيان...... وفي اصطلاح أهل الفقه: عبارة عن إخبار صادق في مجلس الحکم بلفظ الشهادة ۔الخ (۲۳۱/۴، کتاب الشهادات ،بیروت)۔

(۲) مافي "الموسوعة الفقهية": الشفاعة هي التوسط بالقول في وصول شخص إلی منفعة أو أخروية أو إلی إخلاص من مضرة کذلک (۱۳/۲۶، روح المعاني:۱۴۳/۴، سورة النساء، الآية/۸۵)، (فتاویٰ حقانیه: ۳۰۲/۲ کتاب السیاسة ،ووٹ کی شرعی حیثیت)۔

(۳) مافي "حاشية الجوهرة النيرة": الوکالة عقد تفويض ينيب فيه شخص شخصاً آخر عن نفسه في التصرف۔(۶۳۶/۱، کتاب الوکالة ، تحقيق الياس قيلان)۔

مافي" العناية شرح الهداية": وفي اصطلاح الفقهاء :عبارة عن إقامة الإنسان غيره مقام نفسه في تصرف معلوم، وهي عقد جائز بالکتاب وهو قوله تعالیٰ: فابعثوا أحدکم بورقکم هذه إلی المدينة (الکهف: ۱۹) ولم يلحقه النکير۔ (۳۲۲/۴، کتاب الوکالة، اللباب في شرح الکتاب للميداني: ۱۳۸/۲ ،ط: احیاء التراث العربی، کتاب الفقه علی المذاهب الأربعة:۱۳۵/۳، مباحث الوکالة، تعريفها)۔

وفي "الدر المختار مع الشامية": (وهو إقامة الغير مقام) نفسه......(في تصرف جائز معلوم)۔

(۱۱/ ۳۶۵-۳۶٦، كتاب الوكالة، الموسوعة الفقهية: ۴۵/۵، وكالة. تبيين الحقائق: ۴/ ۲۵۴، ط: دارالكتاب الإسلامي)۔

(جواہر الفقہ: ۲/ ۲۹۳ مکتبہ تفسیر القرآن جامع مسجد دیوبند، فقہی مقالات: ۲/ ۲۸۹ میمن اسلامک پبلیشرز کراچی، جدید فقہی مسائل: ۱/ ۲۶۵-۲۶٦ کتب خانہ رشیدیہ، مدینہ کلاتھ مارکیٹ راولپنڈی، المسائل المہمۃ: ۲/ ۱۸۵، فتاوی بینات: ۳/ ۵۰٦-۵۰۷ کتاب الامارۃ والقضاء، فتاوی حقانیہ: ۲/ ۳۰۲ کتاب السیاسۃ، فتاوی اشاعت العلوم غیر مطبوعہ: رقم الفتویٰ: ۱۴۲۲ ر ج: ۲)۔

(۴) ما في "القرآن الكريم": كونوا قوامين لله شهداء بالقسط۔ (المائده: ۷) كونوا قوامين بالقسط شهداء لله (نساء: ۱۳۵) وأقيموا الشهادة لله (طلاق: ۲) ولاتكتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه (البقرة: ۲۸۳)۔

ما في "المعجم الأوسط للطبراني" عن أبى بردة عن أبيه، عن النبیﷺ قال: "من كتم شهادة إذا دعي إليها كان كمن شهد بالزور" (جس کسی کو شہادت کے لئے بلایا جائے پھر وہ اسے چھپائے تو وہ ایسا ہے جیسے جھوٹی گواہی دینے والا) (۳/ ۱۵٦ رقم الحدیث: ۴۱٦۷، بیروت، جمع الفوائد: ۱/ ۲٦۲)۔

ما في "الصحيح لمسلم": عن زيد بن خالد الجهنی، أن النبی ﷺ قال: " ألا أخبركم بخير الشهداء الذي يأتي بشهادته قبل أن يسألها" (کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ بہترین گواہ کون ہے؟ وہ شخص ہے جو اپنی گواہی کسی کے مطالبہ کرنے سے پہلے ہی ادا کردے) (٦/ ۲۹٦، رقم الحدیث: ۱۹/ ۱۷۲۵/ ۴۴۶۵، كتاب القضاء، باب بيان خير الشهود (احياء التراث العربي، جمع الفوائد: ۱/ ۲٦۱) (فقہی مقالات: ۲/ ۲۸۹-۲۹۱ غیر مسلم ملکوں میں مسلمانوں کے مسائل اور ان کا شرعی حل: ص/ ٦۹-۷۰)۔

ما في "الجامع لأحكام القرآن للقرطبي": "ولايأب الشهداء إذا مادعوا" فإذا كانت الفسحة لكثرة الشهود والأمن تعطل الحق فالمدعو مندوب وله أن يتخلف لأدنى عذر، وإن تخلف لغير عذر فلا إثم ولا ثواب له، وإذا كانت الضرورة وخيف تعطل الحق أدنى خوف قوى الندب وقرب من الوجوب، وإذا علم أن الحق يذهب ويتلف بتأخر الشاهد عن الشهادة فواجب عليه القيام بها لا سيما ان كانت محصلة وكا ن الدعاء إلى أدائها۔ (۳/ ۳۹۸، سورة البقرة: ۲۸۲)۔

ما في "أحكام القرآن للجصاص": وقوله تعالىٰ: "ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم

قلبه" فهو عموم في سائرالشهادات التي يلزم الشاهد إقامتها وأدائها، وهو نظير قوله تعالیٰ: "وأقيموا الشهادة لله" (الطلاق:٢) وقوله: "يا أيها الذين آمنوا كونوا قوامين بالقسط شهداء لله ولو على أنفسكم" (النساء :١٣٥) فنهى الله تعالیٰ الشاهد بهذه الآيات عن كتمان الشهادة التي تركها يودي إلى تضييع الحقوق۔ (١/٦۴٨) سورة البقره، (الآية/٢٨٣) وفيه ايضاً :وقوله تعالیٰ: "وأقيموا الشهادة لله" فيه أمر بإقامة الشهادات عند الحكام على الحقوق كلها...... فانتظم ذلک معنيين أحدهما الأمر بإقامة الشهادة، والآخر أن إقامة الشهادة حق الله تعالى، وأفاد بذلک تاكيده والقيام به۔ (٣/٦١٠، سورة الطلاق، الآية/٢)۔

ما في "العناية شرح الهداية": قال (الشهادة فرض تلزم الشهود الخ) أداء الشهادة فرض يلزم الشهود بحيث لايسعهم كتمانه اكدالفرض بوصفين وهو اللزوم وعدم سعة الكتمان دلالة على تاكده۔(۴/٢٣١ كتاب الشهادات)۔

(٥) مافي "تفسير المظهري":(من يشفع شفاعة حسنة) راعى بها حق مسلم ودفع بها عنه ضرراً و جلب نفعاً لوجه الله تعالیٰ (يكن له) أي للشافع (نصيب منها) وهو ثواب الشفاعة ،قال مجاهد: هي شفاعة بعضهم لبعض ويوجرالشفيع على شفاعة وإن لم يشفع كذاروى ابن أبي حاتم وغيره عن الحسن وعن أبى موسى قال: كان النبى ﷺ إذا جائه رجل يسئل أوطلب حاجة أقبل علينا بوجهه فقال :"اشفعوا توجروا ويقضي الله على لسان نبيه ماشاء"، متفق عليه۔(٢/٣٨٧ سورة النساء، الآية/٨٥، التفسير الكبير للرازي:۴/١٥٩ روح المعانی:۴/١۴٣-١۴۴)۔

مافي "الأصول والقواعد للفقه الإسلامي" (ترک الإحسان لايكون إساء) (ص/١۴۴ القاعدة:٨٧، شرح السير الكبير:٣/١١٠، باب مايحمل عليه الفى ومايركبه الرجل من الدواب قواعد الفقه:ص/٧٠ القاعدة:٨٢)۔

(٦) ما في "العناية شرح الهداية" وفي اصطلاح الفقهاء: عبارة عن إقامة الإنسان غيره مقام نفسه في تصرف معلوم وهي عقد جائز بالكتاب وهو قوله تعالیٰ: "فابعثوا أحدكم بورقكم هذه إلى المدينة" (الكهف:١٩) ولم يلحقه النكير (۴/٣٢٢)، كتاب الوكالة، اللباب في شرح الكتاب للميداني:٢/١٣٨ ط احياء التراث العربي، كتاب الفقه على المذاهب الأربعة:٣/١٣٥، مباحث

الوکالة ، تعریفها،الأصول والقواعد للفقه الإسلامي: ص/۱۴۴ ، القاعدة:۸۷۔

(۷) مافي "مشکوة المصابیح" عن عبد الرحمن بن سمرة قال :قال لی رسول الله ﷺ: "لاتسأل الإمارة فإنک إن أعطیتها عن مسألة وکلت إلیها وإن أعطیتها عن غیر مسألة أعنت علیها" متفق علیه۔

(۸) ما في "مشکوة المصابیح" عن أبی هریرة عن النبی ﷺ: "إنکم ستحرصون علی الامارة وستکون ندامة یوم القیامة فنعم المرضعة وبئست الفاطمة"رواه البخاری۔ (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا:عنقریب تم عہدوں کی مسابقت میں کود پڑوگے،حالانکہ یہ قیامت کے دن ندامت کا باعث ہوگا،دودھ دینے والا اورلذت بخش عہدہ بہت اچھا لگتا ہے،لیکن جب عہدہ چھن جاتا ہےاوردودھ کاتھن منہ سے نکل جاتا ہےتو اتنا ہی برالگتا ہے، پھرکیا حاصل ایسی لذتوں کا جن کے بعدحسرتوں کا سامنا کرنا پڑے)۔ (ص/۳۲۰،کتاب الامارة والقضاء،الفصل الاول،قدیمي)۔

ما في "مشکوة المصابیح" عن أبی هریرة قال: قال رسول اللهﷺ: "تجدون من خیر الناس أشدهم کراهیة لهذا الأمر حتی یقع فیه" متفق علیه۔ (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا:تم ہمیشہ دیکھوگے کہ اچھےلوگ اس دوڑ سے دور بھاگتے ہیں جب تک کہ اس میں مبتلا نہ ہوجائیں)(ص/۳۲۰،کتاب الامارة والقضاء،الفصل الاول،قدیمي)۔

(۹)ما في "البحرالرائق" : ولیس النهي عن السوال علی أطلاقه بل مقید بأن لا یتمنی للقضاء، أما إن تعین بأن لم یکن أحد یصلح للقضاء وجب علیه الطلب صیانة لحقوق المسلمین ودفعا لظلم الظالمین۔ (۶/۴۵۹، کتاب القضاء، بیروت، فتح القدیر:۷/۲۴۴، الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة: ۵/ ۱۳۱ ، الأحکام السلطانیة للماوردي: ص۷۵)۔

مافي "القرآن الکریم" اجعلني علی خزائن الأرض إني حفیظ علیم۔(یوسف نے) کہا مجھے ملک کے پیداواروں پر مامورکردیجیے میں دیانت(بھی) رکھتاہوں علم(بھی) رکھتاہوں۔(یوسف:۵۵)۔

ما في "بیان القرآن للتهانوی" "اجعلني الخ۔" معلوم ہوا کہ جب کسی کام کی لیاقت اپنے اندرمنحصر دیکھےخود اس کی درخواست جائز ہےمگرمقصودنفع رسانی ہونہ کہ نفس پروری"۔

(۱۰)علامہ کاسانی کتاب آداب القاضی میں تحریرفرماتے ہیں:

''عہدہ قضا کے طالب کو منصب قضا دینا ناجائز نہیں ہے، اگر اس میں اس عہدہ کی واقعی اہلیت موجود ہو تو باتفاق فقہاء ایسے شخص کو عہدۂ قضا دینا درست ہے، البتہ بہتر ہے کہ ایسے شخص کے بجائے کسی ایسے شخص کو تلاش کیا جائے جس میں عہدہ کی طلب نہ ہو، اس لئے کہ طلب کی بنا پر انسان اپنے حق میں متہم ہوجاتا ہے۔'' **''وأما ترک الطلب فليس بشرط لجواز التقليد بالإجماع فيجوز تقليد الطالب بلا خلاف ، لأنه يقدر على القضاء بالحق، لكن لاينبغي أن يقلد، لأن الطالب يكون متهماً''** (۹/ ۹۱، كتاب آداب القاضي فصل في من يصلح للقضاء ، بيروت) (غیر مسلم ملکوں میں آباد مسلمانوں کے مسائل اوران کا شرعی حل: ص/ ۵۵)۔

(۱۱) ما في ''معارف القرآن'': ''ایسے مکمل اختیار کے ساتھ کہ کسی خلاف شرع قانون پر مجبور نہ ہو کوئی کافر یا ظالم کی ملازت اختیار کر لے تو اگر چہ اس کافر ظالم کے ساتھ تعاون کرنے کی قباحت پھر بھی موجود ہے، مگر جن حالات میں اس کو اقتدار سے ہٹانا قدرت میں نہ ہو اور اس کا عہدہ قبول نہ کرنے کی صورت میں خلق اللہ کے حقوق ضائع ہونے یا ظلم وجور کا اندیشہ قوی ہو تو بجبوری اتنے تعاون کی گنجائش حضرت یوسف علیہ السلام کے عمل سے ثابت ہوجاتی ہے، جس میں خود کسی خلاف شرع امر کا ارتکاب نہ کرنا پڑے، کیونکہ درحقیقت یہ اس کے گناہ میں اعانت نہیں ہوگی، گو سبب بعید کے طور پر اس سے بھی اعانت کا فائدہ حاصل ہوجائے، اعانت کے ایسے اسباب بعیدہ کے بارے میں بحالات مذکورہ شرعی گنجائش ہے، جس کی تفصیل حضرات فقہاء نے بیان فرمائی ہے، سلف صالحین، صحابہ وتابعین میں بہت سے حضرات کا ایسے ہی حالات میں ظالم وجابر حکمرانوں کا عہدہ قبول کر لینا ثابت ہے (قرطبی ومظہری ۵/ ۹۲)۔

(۱۲) مافي ''قواعد الفقه'' العبرة للغالب الشائع لا للنادر'' (مجلة استنبول)۔

الیکشن کا مسئلہ

مولانا محمد مقصود فرقانی☆

۱- ووٹ کو اکثر علماء نے شہادت تسلیم کیا ہے اور اس کا استعمال شرعاً جائز و درست ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری وقت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ایک لفافہ میں بند کر کے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس پر بیعت لی، لہٰذا ووٹ کا استعمال اگر بغیر جبر و اکراہ و بلا طمع و لالچ کے ہو تو وہ درست ہے۔

۲- ووٹ کا استعمال ایک اپنی آزادانہ رائے کا اظہار ہے۔ بعض وقت یہ مباح ہوگا اور بعض وقت مستحب ہوگا اور بعض وقت واجب کے درجہ میں ہوگا۔ جیسے حالات ہوں گے ویسے ہی اس کا حکم ہوگا۔

۳- اگر کسی شخص کو اپنے اوپر یقین و اعتماد ہے کہ وہ عدل و انصاف کے ساتھ قوم و ملت کی خدمت انجام دے گا اور کسی کے لالچ و دباؤ میں نہیں آئے گا تو پھر ایسا شخص ووٹ کے لیے اپنا نام پیش کر سکتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے ملک و قوم کی خدمت کے لئے اپنا نام پیش کیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **قال اجعلني على خزائن الأرض إني حفيظ عليم۔**

۴- مذکورہ صورت میں قانون ساز اداروں کا ممبر بننا درست ہے جو قانون خلاف شریعت ہے اس میں اپنی رائے شریعت کے موافق دے یا اگر مناسب سمجھے تو ایسے موقع پر غیر حاضر رہے، یہی حکم وہیپ جاری کرنے کی صورت میں ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے: **لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق** اور قرآن کریم میں ہے: **ولا تعاونوا على الإثم والعدوان**۔ دوسری جگہ ہے: **ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الظالمون۔**

۵- وفاداری کا حلف لیتے وقت یہ نیت کرے کہ میں انہیں قوانین اور باتوں میں وفادار رہوں گا جو خلاف شریعت نہ ہوں اور جو قانون شریعت کے خلاف ہوگا میں اس میں قانون الٰہی کا وفادار رہوں گا۔

۶- موجودہ بائبل تحریف شدہ ہے جب بائبل کا حلف لے تو یہ نیت کرے کہ جو بائبل اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام

☆ جامع العلوم فرقانیہ، رامپور۔

پر اتاری تھی میں اس کی قسم کھاتا ہوں اور اس کا حلف لیتا ہوں۔

۷- پارٹیوں کے اکثر ارباب حل وعقد غیر مسلم ہی ہوتے ہیں اور وہ اسلام اور احکام اسلام سے واقف نہیں ہوتے، لہٰذا مسلمانوں کے تحفظ اور ان کے مفادات کی خاطر ان پارٹیوں میں شامل ہونا اور ان میں حصہ لینا درست ہے اور جو باتیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہوں انہیں خاموشی سے برداشت نہ کرے بلکہ اپنی حکمت عملی سے ان کے تدارک کی کوشش کرتا رہے۔ حدیث شریف ہے: **كلمة حق عند سلطان جائر**۔

۸- اس کا جواب بھی وہی ہے جو نمبر ۷ کا ہے۔ ہاں اگر مسلمان کو یہ یقین ہو کہ یہ پارٹی اپنے منشور کے اعتبار سے اور اسلام و مسلمانوں کی دشمنی اور ناپاک سازشوں کے اختیار سے باز نہیں آسکتی تو پھر ایسی صورت میں پارٹی میں شامل نہیں ہونا چاہیے۔

۹- مسلمانوں کو چاہے وہ اقلیت میں ہوں، اپنے اندر اتحاد پیدا کر کے سیاسی جماعت قائم کرنا چاہئے اور مخالف پارٹیوں کو اپنی طاقت کا احساس کرانا چاہئے اور جو مسلمان دیگر پارٹیوں کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی شمولیت اختیار کر لیتے ہیں، انہیں ان پارٹیوں کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کے نقصان کا احساس دلانا چاہیے۔ بعض وقت مخالف طاقتیں مسلمانوں کے مقابلہ جو کامیاب ہوجاتی ہیں وہ بھی مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے ہوجاتی ہیں، لہٰذا مسلمانوں کو اپنی کمزوریاں دور کرنا چاہیے اور اسلام وقوم کی خاطر جدوجہد کرنا چاہئے۔

۱۰- اسلام کا نظریہ ہے کہ عورت گھر کی زینت ہے اور گھر کی ملکہ رہے، عورت کے ذمہ گھر کے کام کو سنبھالنا اور بچوں کی تربیت کرنا ہے اور شوہر کے مال کی اس کی عدم موجودگی میں حفاظت کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے عورت کی جسمانی ساخت بھی ایسی بنائی ہے کہ اگر وہ اس کے خلاف کرے تو اس کی جسمانی ساخت زائد مشقت کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ پھر فطری طور پر اللہ رب العزت نے مرد کی کشش عورت کے اندر رکھی ہے، اس کے بعض اعضاء کی بناوٹ اور اس کا اظہار مرد کو اپنی طرف کھینچتا ہے، اس لئے عورت کو شریعت نے گھر سے باہر نکلنے اور غیر محرموں کے سامنے آنے جانے سے منع کیا ہے تاکہ فواحش کا وقوع کم سے کم ہو اگر عورت باپردہ رہ کر اور شریعت کے حدود پامال کئے بغیر لکھ پڑھ کر دیانتداری اور عزت وعصمت کی حفاظت کرتے ہوئے قوم وملت کی خدمت کے لئے الیکشن یا دیگر چیزوں میں حصہ لیتی ہے تو یہ جائز ہے، مگر ان شرائط کے ساتھ عورت کے لئے ان چیزوں میں حصہ لینا بہت دشوار ہے۔

الیکشن کی شرعی حیثیت

مفتی اعجاز الحسن بانڈے القاسمی☆

۱-ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

ووٹر کے پاس ووٹ شرعی طور پر ایک امانت ہے جبکہ شرعی لحاظ سے ووٹ بیک وقت طالب ووٹ کے حق میں شہادت بھی ہے، سفارش بھی ہے اور ملک کے نظام کو چلانے کے لیے وکالت کے درجہ میں بھی ہے۔

اور یہ چاروں وہ مسائل ہیں جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں تفاصیل درج ہیں:

امانت:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جتنے اعضاء اوران موہوبہ اعضاء کے استعمال کا جوحق دیا ہے، یہ سب انسان کے پاس بطور امانت ہیں، انسان کی عقل ودماغ، ان کی صلاحیتیں اوران کے استعمال کے بارے میں کل آخرت میں اللہ کے یہاں جواب دینا پڑے گا۔

انسان جو بولتا ہے خدا کی طرف سے ایک فرشتہ اس پر مقرر ہے: "**ما يلفظ من قول إلا لديه رقيب عتيد**" (سورہ ق ۱۸:)۔

نبی کریم ﷺ نے انسان کی طرف سے دیئے جانے والے مشورے کی صلاحیت کو امانت سے تعبیر کیا ہے۔

المستشار موتمن (ترمذی حدیث نمبر:۲۸۲۲)۔

انسان شرعاً اس بات کا مکلّف ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق مشورہ بالکل صحیح دے اور یہ حکم اس وقت اور تاکیدی بن جاتا ہے جبکہ اس کا تعلق انفرادی حیثیت سے نکل کر اجتماعیت کے ساتھ وابستہ ہوجاتا ہے۔ الیکشن میں کسی کی نامزدگی کے لیے مشورہ (ووٹ) کا تعلق امت کے اجتماعی مفاد سے وابستہ ہوتا ہے، اس لیے مشورہ (ووٹ) میں کسی قسم کا جھول یا رعایت

☆ صدر مفتی سبیل الہدیٰ بمنہ سرینگر، کشمیر۔

قوم کے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے، اسی لیے ایسے معاملے میں مشورہ (ووٹ) دینے سے پہلے خود بھی ذی رائے لوگوں کے ساتھ مشورہ انتہائی ضروری اور اہم ہے۔

”**وأمرهم شوریٰ بينهم**“(الشوریٰ:۳۸)۔”**وشاورهم في الأمر**“(آل عمران:۱۵۹)۔

تاکہ آپ کی رائے اور مشورہ (ووٹ) قومی مفادات کے لیے باوزن ثابت ہو، امام بخاریؒ نے اس سلسلے میں کچھ واقعات بھی باب قول اللہ وشاورہم فی الأمر، باب ۲۸، کتاب الاعتصام کے تحت نقل کیے ہیں، اس لیے اگر آپ نے ووٹ دے کر صحیح مشورہ دیا ہے تو امانت داری برتنے کی بناء پر آپ کو اس پر اجر بھی ملے گا اور جان بوجھ کر غلط آدمی کو ووٹ دے کر غلط مشورہ دیا تو خیانت، دھوکہ اور ظلم کا گناہ آپ کے نامہ اعمال میں درج ہوگا کہ یہ تعاون علی الاثم والعدوان ہے۔

شہادت:

الیکشن میں ووٹ استعمال کرنے کی ایک حیثیت شہادت کی بھی ہے کہ آپ جس شخص کے حق میں اپنا ووٹ استعمال کرر ہے ہیں، تو آپ گواہی دے رہے ہیں کہ میری نظر میں یہ دوسرے امیدواروں کی بہ نسبت نیک وصالح بھی ہے، لائق وقابل بھی ہے، یعنی ذاتی حیثیت سے یہ نیک ہے کہ جس منصب کے لیے امیدوار بنا ہے اس کے لیے اہل بھی ہے اور مطلوبہ منصب پر فائز ہونے کے بعد عدل وانصاف سے کام لے گا، کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ فائق ولائق امیدوار سے آپ کی ان بن ہو اور نسبتاً نالائق امیدوار سے قربت ہو، ایسے موقع پر قابل و مستحق امیدوار کے مقابلے میں نالائق امیدوار کے حق میں ووٹ دینا جائز نہیں ہوگا۔

قرآن فرماتا ہے:”**ولا يجرمنكم شنآن قوم على ألا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقویٰ**“۔

(اور کسی کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ناانصافی کرو، انصاف سے کام لو، یہی طریقہ تقویٰ سے قریب تر ہے کہ بے وقوف دوست کے مقابلے میں عقلمند دشمن بہتر ہوتا ہے)(المائدہ:۸)۔

قرآن کریم نے مومن کی صفت یہ بتلایا ہے کہ وہ کبھی جھوٹی گواہی نہیں دیتا ہے:”**والذين لا يشهدون الزور**“(الفرقان:۷۲)۔

حضور اکرم ﷺ نے جھوٹی گواہی کو قطعاً ناجائز اور ممنوع قرار دیا ہے۔ایک بار آپ ﷺ صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم کو بڑے گناہ نہ بتلاؤں؟ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: بڑے گناہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، اس وقت تک آپ ﷺ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، پھر آپ ﷺ

سیدھے ہو کر بیٹھے اور فرمایا: جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹی گواہی دینا یہ جملہ آپ ﷺ نے تین بار ارشاد فرمایا (مسلم شریف، باب الکبائر، حدیث نمبر: ۱۴۳)۔

قرآن کریم نے جھوٹ کو بت پرستی جیسے بڑے گناہ کے ساتھ بیان کر کے بچنے کا حکم دیا ہے: "**فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور**" (پس تم بت پرستی کی گندگی سے بچو اور جھوٹی بات سے بچو) (الحج: ۳۰)۔

لہٰذا امیدواروں میں وجوہِ امتیاز کی تحقیق وتفتیش ووٹر کے فرائض میں سے ہے کہ جہاں صحیح رائے وووٹ سے امت کا نفع وابستہ ہے، وہیں غلط ووٹ کی بناء پر عوام الناس شدید نقصان سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ایسی صورت میں تحقیق وتفتیش کے بعد صحیح امیدوار کے حق میں ووٹ دینا واجب کے درجہ میں ہوگا کہ ووٹ نہ دینے سے نادرست آدمی کے اقتدار میں آنے کا خطرہ پیدا ہوگا کہ کبھی ایک ووٹ سے پورا نظام حکومت بدلا جا سکتا ہے۔

سفارش:

امیدوار کے حق میں ووٹ دینے میں ایک پہلو سفارش کا بھی ہے اور نیک امور میں سفارش مطلوب ہونے کے ساتھ ساتھ ماجور بھی ہے۔قرآن کریم نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**من يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها**" (جو شخص کوئی اچھی سفارش کرتا ہے اس کو اس میں سے حصہ ملتا ہے) (النساء: ۸۵)۔

نبی رحمت ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: "**اشفعوا فلتوجروا**" (مسلم شریف: ۲۶۹۱، ابوداؤد شریف: ۵۱۳۲)۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**ومن يشفع شفاعة سيئة يكن له كفل منها**" (اور جو کوئی بری سفارش کرتا ہے، اسے برائی میں سے حصہ ملتا ہے) (النساء: ۸۵)۔

وکالت:

جس امیدوار کے حق میں ووٹ دیا جا رہا ہے، وہ ووٹر کی رائے کے مطابق خود اس کی طرف سے اور منتخب ہونے کی شکل میں عوام کی طرف سے اقتدار اعلیٰ کے پاس وکیل کے درجہ میں ہے اور یہ بات طے ہے کہ وکیل عاقل، امانت دار، بھروسہ مند، معاملہ فہم اور نکتہ رس ہونا چاہیے کہ ان صفات سے عاری وکیل سودمند ہونے کے بجائے ضرررساں ہی ثابت ہوگا۔

ہماری طرف سے ووٹ دینے کے نتیجہ میں اس منتخب امیدوار "وکیل" کا معاملہ اس وقت اور اہم بن جاتا ہے جبکہ ان ہی کی رائے وووٹ پر ملک کی پوری انتظامیہ تشکیل پاتی ہے۔

اور شریعت میں یہ بات بالکل طے ہے کہ وکیل کے ذریعہ سے طے پانے والے امور وافعال مؤکل کی طرف بھی منسوب ہوتے ہیں، اس کا صحیح فیصلہ آپ کا صحیح فیصلہ اور اس کا غلط فعل آپ کا غلط فعل قرار پائے گا۔

لہٰذا ووٹر کا ووٹ دینے کا معاملہ کئی جہات سے اہمیت کا حامل ہے، جس قدر ووٹ دینا اہم ہے، اسی قدر غلط ووٹ دینا زبردست گناہ ہے۔

یہ ووٹ جس طرح ایک مرد کا حق ہے عورت جو زندگی کی گاڑی کا ایک اہم حصہ ہے، ووٹ کی اہمیت کے پیش نظر اس حق سے محروم قرار نہیں پاسکتی ہے۔ شریعت اسلام نے عورت کو مشورہ، گواہی، سفارش اور وکالت سے منع نہیں کیا ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ صلح حدیبیہ کے وقت ایک عورت حضرت ام سلمہؓ کے مشورہ نے کس طرح پیغمبر ﷺ کے غم کو خوشی میں بدلدیا اور ظاہراً صحابہ کو غیر شعوری اور مغلوب الحال ناراضگی کو اطاعت وفرمانبرداری میں تبدیل کردیا۔

اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد کہ تہذیب وتمدن کے ارتقاء اور دین حق کے استحکام میں مرد وعورت دونوں برابر کے شریک ہیں اور صالح معاشرہ کا انقلاب بھی عورت ومرد کی کوششوں کا ہی نتیجہ ہے تو پھر عقل وانصاف کا وہ کونسا معیار ہے جو ایک صنف مرد کو عزت واحترام کا پرتو ومجسمہ اور امور مسلمین ومعاملات عام کا یکطرفہ طور پر مکمل وتنہا ذمہ دار وکفیل قرار دے جبکہ دوسری صنف عورت کو ذلیل، حقیر اور معاشرہ کے لیے ایک ناسور وبے سود عنصر ثابت کردے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ عورت کی رائے، شہادت، سفارش اور وکالت کسی بھی طرح شریعت کی نظر میں رد نہیں ہے اور پھر جبکہ موجودہ طرز حکومت ہو کہ جہاں سروں کو گنا جاتا ہو تولا نہ جاتا ہو، عورتوں کے ووٹ کی حیثیت اور بھی مستحکم ہوجاتی ہے، لہٰذا جس طرح مرد ووٹ ڈالنے کا حق رکھتا ہے، عورت بھی اس کی مستحق قرار پاتی ہے کہ وہ ووٹ ڈالے۔ ہاں شریعت کے حدود پامال نہ ہوں، عورت کی حرمت وعظمت متاثر نہ ہو وغیرہ وغیرہ امور کی رعایت کے ساتھ عورت ووٹ ڈال سکتی ہے اور موجودہ نظام مملکت میں بالاہتمام ڈالنا چاہیے کہ اس کے پیچھے رہنے یا ووٹ نہ دینے سے نفع کے بجائے ضرر شدید لاحق ہوگا۔

یہ تھیں مسئلہ سے متعلق ووٹر کے قبیل سے تفصیلات، مسئلہ کا ایک پہلو امیدوار بننے کا ہے، نیز اگر حکمراں جماعت کفار اور اہل باطل ہوں تو اس وقت امیدواری کے لیے میدان میں اترنا کیا حیثیت رکھتا ہے۔ سوال نمبر ۳ سے ۸ تک اسی قسم کے کچھ نکات کو ابھارا گیا ہے۔

امیدوار بننا، اہل کفر کے زیر کنٹرول ملک میں امیدوار بن کر قانونی اور تنظیمی شرائط پر حکمرانی کرنا مطلقاً ممنوع بھی نہیں قرار پاسکتا اور غیر مشروط طور پر جائز بھی نہیں ہوسکتا، اس سلسلہ میں ہمارے سامنے جلیل القدر پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام کا کردار ہے جنہوں نے کافر بادشاہ کے سامنے اہلیت اور صفات بیان کرکے عہدہ طلب کیا:

"اجعلني على خزائن الأض إني حفيظ عليم" (یوسف:۵۵) (مجھے خزانوں کا ذمہ دار بنائیے، میں ان کی حفاظت بھی کروں گا اور آمد و خرچ کے حساب سے بھی واقف ہوں)۔

امیدوار کے سلسلے میں کئی امور توجہ طلب ہیں:

۱- امیدوار کا مسلمان، متدین اور معاملہ فہم ہونا۔

۲- امیدوار مفوضہ منصب کا اہل ہو۔

۳- امیدوار کا امیدواری کے لیے انتخاب اصحاب الرائے افراد کی طرف سے ہو۔

۴- امیدوار مفوضہ منصب کے استعمال میں خود مختار ہے یا پابند۔

۵- یہ پابندی شرعی ہے یا غیر اسلامی۔

۶- جس جماعت سے وابستہ ہے اس جماعت کا منشور کن بنیادوں پر بنا ہے، انسانیت اور عوامی مسائل کی بنیاد پر یا کمیونٹی کے مفادات کے تحت یہ اور ان جیسے دیگر اہم امور کی تعیین کے بعد ہی امیدوار کے حق میں کوئی حتمی رائے قائم کی جا سکتی ہے، جہاں تک اہل کفر کے زیر کنٹرول نظام مملکت میں حصول اقتدار کا مسئلہ ہے بایں طور کہ منشور بھی ایک خاص کمیونٹی کو سامنے رکھ کر بنایا گیا ہو، اس میں ملکی معاملات میں برابری کے حقوق کا نعرہ ہونے کے باوصف حقیقت میں کفر کی برتری مطلوب و مدنظر ہوتی ہے، اگرچہ اس میں دوسری اقوام کے لیے بھی کچھ دفعات در آتی ہیں، حقیقت میں ان کا زیادہ تر تعلق ووٹوں کے حصول تک محدود ہوتا ہے، عملی دنیا میں وہ صرف سراب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ نیز آزادی کے بعد سے آج تک ملکی حالات اس کا واضح ثبوت ہیں، لہذا فقہاء کرام کے اس پلیٹ فارم کو بڑی گہرائی کے ساتھ ان نکات پر غور کرنا ہوگا، کیونکہ ہمارا کوئی بھی فیصلہ شرعی قانون کی حیثیت رکھتا ہے جبکہ بہت سارے معاملات ایسے بھی ہیں جن میں واضح لائحۂ عمل کے بجائے سکوت اور توقف بہت سارے مفادات کا سبب بنتے ہیں، مسلمانوں کے ملکی، سماجی اور قانونی معاملات و مسائل سے صرف نظر اور چشم پوشی امت کے لیے نقصان دہ ہی نہیں بہت سارے تکلیف دہ حالات کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔ صاحب احکام القرطبی نے گرچہ کفار کے زیر انتظام ملکی معاملات میں قبول منصب پر جواز بھی نقل کیا ہے۔ لیکن اس کو کچھ شرائط کے ساتھ خاص کیا ہے، مثلاً یہ کہ وزارت میں مکمل خود مختار ہوں، فاسق و فاجر کی تابعداری نہ کرنی پڑے (احکام القرآن للقرطبی ۹/ ۱۸۳)۔

جمہوری ممالک میں الیکشن کی شرعی حیثیت

مولانا محمد عثمان بستوی☆

ووٹ کی شرعی حیثیت:

ووٹ کی شرعی اعتبار سے چار حیثیتیں ہیں:

ووٹ یہ شہادت ہے یعنی ووٹ دینے والا امیدوار کے حق میں اپنے ووٹ کے ذریعہ یہ گواہی دیتا ہے کہ یہ شخص اس کام کی قابلیت وصلاحیت رکھتا ہے اوراس کے انجام دینے میں امانت ودیانت داری بھی ہے۔

دوسری حیثیت وکالت کی ہے، یعنی ووٹ دینے والا امیدوار کو اسمبلیوں اور پارلیمنٹوں میں اپنا نمائندہ اور وکیل بنا کر بھیجتا ہے کہ یہ ممبر اس کی طرف سے اسمبلیوں میں پہنچ کر مفید کام انجام دے۔

تیسری حیثیت سفارش وشفاعت کی ہے، یعنی ووٹ دینے والا اپنے امیدوار کے لیے ایک اہم عہدہ دینے کی سفارش کرتا ہے، کہ اس امیدوار کے اندر لیاقت، صلاحیت، دیانت، امانت موجود ہے، لہٰذا اس کو یہ ذمہ دار عہدہ دیا جائے۔

چوتھی حیثیت ووٹ کی کم سے کم بقدر استطاعت تقلیل شر ودفع ضرر ظلم کی ہے، یعنی اگر تمام امیدواروں میں سے کسی کے اندر صلاحیت، لیاقت، دیانت اور امانت موجود نہ ہو تو اس وقت ان تمام نمائندوں میں سے جس کے ذریعہ سے کم نقصان وضرر پہنچنے کی امید ہو اسی کو ووٹ دے کر قوم وملت کو ظلم وزیادتی سے جہاں تک ممکن ہو بچانے کی کوشش کرتا رہے۔

ووٹ کا حکم بحیثیت شہادت:

ووٹ شرعی نقطۂ نظر سے شہادت وگواہی کی حیثیت رکھتا ہے اور ضرورت کے موقع پر شہادت وگواہی دینا ضروری اور اس کو چھپانا حرام ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه**'' دوسری جگہ ارشاد ہے: ''**أقيموا الشهادة لله**'' اور ایک جگہ ہے: ''**كونوا قوامين لله شهداء بالقسط**'' اور ارشاد

☆ مدرسہ ریاض العلوم گورینی۔

ہے: ''کونوا قوامين بالقسط شهداء لله'' ان سب آیات میں مسلمانوں کو سچی شہادت دینے اور جھوٹی شہادت سے بچنے کا حکم ہے، اسی طرح نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ألا أخبركم بخير الشهداء الذى يأتى بشهادته قبل أن يسألها'' ان سب نصوص سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ گواہی دینا فرض ہے اور اس سے اجتناب گناہ عظیم ہے، لہٰذا جب ووٹ شہادت وگواہی ہے، تو اس کو دینا لازم وضروری ہے اور اس سے پرہیز گناہ ہے اور اس کا صحیح استعمال ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ووٹ کا حکم بحیثیت وکالت:

وکالت کا حکمِ شرعی یہ ہے کہ کام جو انسان کے ذمہ لازم وضروری ہو اور انسان اس کام کو خود کرنے سے عاجز ومجبور ہو، لیکن اس کو وکیل اور نائب کے ذریعہ انجام دلانا ممکن ہو تو ایسے امور کی انجام دہی کے لیے وکیل بنانا واجب ولازم ہے۔ مثلاً مالدار مسلمان کے پاس حج کی مالی استطاعت تو موجود ہے، لیکن وہ چلنے پھرنے سے معذور ہونے کی بنا پر حج کرنے سے عاجز ہے تو ایسی صورت میں اس کے ذمہ وکیل کے ذریعہ حج بدل کرانا واجب وضروری ہے اور حج بدل کرنے والا اس کی طرف سے وکالۃ ونیابۃ حج کرے گا، لہٰذا جب ملک کی اسمبلیوں میں پہنچ کر خود قوم وملت سے ہی ظلم وزیادتی روکنے کی قدرت نہیں رکھتا ہے تو کم از کم اپنا نمائندہ اور وکیل منتخب کر کے ظلم وزیادتی کو دور کرنا لازم ہوگا۔ فيجب على كل من وجب عليه الحج وعجز عن الأداء بنفسه'' الاِحجاج عنه'' بان ينيب شخصا يحج عنه فى حال حياته أو بعد مماته، (الفقه الحنفى فى ثوبه الجديد ۱/۲۰۵) ويجب الاحجاج على العاجز إن كان له مال (تبیین الحقائق ۲/۴۲۴)۔

ووٹ کا حکم بحیثیت شفاعت:

کسی کمزور طالب حق کے ساتھ مل کر اس کا حق دلانے اور اس سے ضرر ونقصان دور کرنے کی کوشش کا نام سفارش و شفاعت ہے، جائز کام کے لیے سفارش جائز ومستحسن ہے، لیکن اگر کوئی واجب کام کسی کی سفارش پر موقوف ہو تو ایسی صورت میں اس واجب کی ادائیگی کے لیے سفارش کرنا واجب وضروری ہے، کیونکہ سفارش کے معنی میں شہادت وگواہی اور حاجت روائی داخل ہے، اور یہ سب افعال وسائل اور ذرائع ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ واجب ولازم مقاصد کے وسائل وذرائع کا اختیار کرنا واجب ولازم اور جائز ومباح کے وسائل کا اختیار کرنا جائز ومباح ہے اور ناجائز حرام کے وسائل کو اختیار کرنا ناجائز وحرام ہے۔ حاصل یہ کہ سفارش ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے، لہٰذا اس کا حکم وہی ہوگا جو ان کے مقاصد کا ہو، جیسا کہ فقہ کا مشہور ضابطہ ہے: ''الأمور بمقاصدها'' اور ووٹ کے ذریعہ کسی کے لیے نمائندگی کی سفارش کر کے قوم سے ظلم وجور اور شر وفساد کو دور کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اس مقصد کا حصول اسی ووٹ پر موقوف ہے، لہٰذا ووٹ دینا شرعاً واجب وضروری ہے۔

ووٹ کا حکم بحیثیت تقلیل شر ودفع ضرر:

جب انسان ظلم و جور کا شکار ہو اور اس پر جابر و ظالم حکمراں مسلط ہوں اور ان کے قوانین احکام اسلام کے خلاف ہوں تو ایسی صورت میں اگر ان حکمرانوں سے علیحدہ رہنے کی صورت میں لوگوں پر ظلم و زیادتی میں اضافہ ہو اور ان کے ساتھ مل کر کام کرنے کی صورت میں لوگوں کے اوپر ظلم و زیادتی کو کم کرنے کا ظن غالب ہو تو ان کے ساتھ مل کر کام کرنا اور لوگوں کو اپنی قدرت و استطاعت کے بقدر ان کے ظلم و زیادتی سے، بچانا ضروری ہے، اس لیے کہ ہر مسلمان اپنی استطاعت کے بقدر منکر پر نکیر کا مکلّف ہے، مثلاً حکومت کے ناجائز ٹیکس وصول کرنے کی ذمہ داری لینا تو اس میں چونکہ ایک ناجائز کام پر اعانت ہے، اس لیے یہ شرعاً جائز نہیں، لیکن اگر کوئی اس ذمہ داری کو قبول کر کے لوگوں سے اس ظلم کو بالکل ختم تو نہ کر سکتا ہو مگر اس کے خرچ وغیرہ کرنے میں صحیح مصرف کا انتخاب کر کے لوگوں کو مزید ٹیکس وغیرہ سے بچانے کی صلاحیت وقدرت رکھتا ہو تو حضرات فقہاء نے ایسی ذمہ داری کو قبول کرنے کی اجازت دی ہے تا کہ بقدر ممکن ظلم و زیادتی میں کمی کی جا سکے، حاصل یہ ہے کہ ہر انسان پر اپنی استطاعت کے بقدر ناجائز وامر منکر کو کم کرنے اور روکنے کی کوشش کرنا لازم وضروری ہے۔

الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا حکم:

عام اصول وضابطہ تو یہی ہے کہ عہدہ اور منصب کو طلب نہ کیا جائے اور منصب طلب کرنے والے کو منصب سپرد نہ کیا جائے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حکومت طلب مت کرو، اس لیے کہ اگر اس کا حصول طلب وکوشش سے ہو گا تو اس پر اللہ رب العزت کی طرف سے مدد ونصرت نہ ہوگی (بخاری شریف ۲/۱۰۵۸)۔

لیکن احوال کے تغیر یا نیت ومقصد کے بدل جانے کی وجہ سے اس کے احکام مختلف ہو جاتے ہیں۔ پس اگر حالات ایسے پیدا ہو جائیں کہ صاحب صلاحیت لوگوں کا فقدان ہو اور ایک شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ منصب کی ذمہ داریوں کو پورا کر سکتا ہے اور کوئی دوسرا شخص اس کا اہل موجود نہیں، اگر وہ نہیں کھڑا ہو گا تو منصب غیر اہل کے پاس چلا جائے گا تو وہ مصالح مسلمین اور حقوق ناس کے تحفظ کے لیے اس شخص کو جو اس کا اہل ہے اور حالات نے اس کو اس کام کے لیے متعین کر دیا ہے تو اس کے لیے نہ صرف یہ کہ منصب کی طلب جائز ہوگی بلکہ واجب ہو جائے گی (الدر مع الرد ۸/۴۰)۔

غیر مسلم ممالک کے قانون ساز اداروں کا ممبر بننا:

ایسے قانون ساز اداروں کا ممبر بننا جو خلاف شریعت قوانین بناتے ہیں، خواہ وہ مسلم ممالک کے ادارے ہوں یا غیر

مسلم کے، اصول شریعت کی روشنی میں جائز نہیں۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''**ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان**'' لیکن مجبوری اور ضرورت کے وقت خلاف شریعت امور بھی جائز ہوجاتے ہیں، اس سلسلے میں حضرات فقہاء نے بڑی تفصیلی بحث فرمائی کہ جب دو خرابیوں میں سے کسی ایک میں ابتلاء ناگزیر ہوجائے تو اس کو اختیار کرے جس کا ضرر کم ہو اور اس کے بہت سے جزئیات ونظائر ذکر کیے گئے ہیں۔

دستور سے وفاداری کا حلف:

دستور سے وفاداری کا حلف درحقیقت یہ دستور کی دفعات کی پابندی کا عہد ہے کہ منصب وعہدہ کے دوران پوری امانت داری کے ساتھ دستوری ذمہ داریوں کی ادائیگی کی جائے گی، یہ شرعی و اصطلاحی قسم نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ خلاف شریعت دستور کی پابندی کا عہد کرنا شرعاً جائز نہیں۔**فی الصاوی تحت قوله تعالیٰ: إنكم اِذا مثلهم أی فی الإثم أی كفراً أو غيره فالراضی بالكفر والراضی بالحرام عاص** (صاوی مع جلالین ص ۲۷۲)۔

البتہ جب قانون ساز اداروں کی رکنیت اور اس کی وفاداری کا حلف ناگزیر مجبوری بن جائے اور ان چیزوں کی حفاظت اس کی رکنیت پر موقوف ہو جن کی حفاظت شریعت میں مطلوب ہے، وہ پانچ امور ہیں: (۱) دین (۲) نفس (۳) عقل (۴) نسل (۵) مال۔ان پانچ امور کی حفاظت شریعت میں مقصود ومطلوب ہے، لہٰذا اگر ان کی حفاظت کما حقہ ایسے دستوری اداروں کی رکنیت پر موقوف ہو تو یہ ایک مجبوری ہے اور مجبوری میں بعض ناجائز امور بھی جائز ہوجاتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ صرف زبان سے اظہار تک کا معاملہ ہو دل سے رضاء بالکل نہ پائی جائے۔اگر اس حلف میں دل سے رضاء بھی ہو تو یہ حرام ہونے کے ساتھ ساتھ اندیشۂ کفر بھی ہے، اس لیے مجبوراً اگر ایسے قوانین کی پابندی کا عہد کرنا پڑے جس میں خلاف شریعت قوانین بھی شامل ہوں تو اس وقت اس نیت سے عہد کیا جائے کہ اس میں جو قانون جائز ومباح ہیں ان کی پابندی کی جائے گی اور جو قوانین خلاف شریعت ہیں اس کو بدلنے یا کم از کم اس کے ضرر کو کم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔حاصل یہ کہ دستور سے وفاداری کا حلف وعہد بدرجہ مجبوری اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ نیت صرف جائز ومباح قوانین کے پابندی کی ہو اور خلاف شریعت قوانین کا عہد صرف زبانی ورسمی ہو، کیونکہ یہ عہد اور حلف مقاصد شرع کی حفاظت کے لیے بدرجہ مجبوری ہے اور مجبوری کے یہی احکام ہیں اور مقاصد شرع کل پانچ ہیں:

مقصود الشرع خمسة وهو أن يحفظ عليهم دينهم ونفسهم وعقلهم ونسلهم ومالهم (المستصفیٰ ۲۸۷)۔

حضرات فقہاء نے غیر اللہ کی قسم کو نا جائز وحرام لکھا ہے، یہاں تک کہ متقدمین فقہاء نے قرآن کے حلف سے بھی منع کیا ہے۔ البتہ متاخرین فقہاء نے صفات الٰہی وکلام الٰہی کے معنی کا لحاظ کرتے ہوئے حلف کو جائز کہا ہے، لیکن دیگر کتب سماویہ محرفہ کے ذریعہ سے حلف میں تغلیظ کو اس لیے منع کیا ہے کہ اس حصہ سے بھی تغلیظ ہوتی ہے جو کلام الٰہی نہیں ہے، لہٰذا بغیر کسی سخت مجبوری وضرورت کے کتب سماویہ محرفہ کو ہاتھوں میں لے کر قسم کھانا جائز نہیں۔ البتہ اگر کتب محرفہ پر حلف میں مجبوری ہو اور انصاف کا حاصل کرنا اور ظلم سے بچنا اسی پر موقوف ہو تو کراہت خاطر کے ساتھ ان کو ہاتھ میں لے کر عہد و پیمان کیا جا سکتا ہے اور اس وقت نیت غیر محرف کی کرے۔

مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کیلئے غیر مسلم پارٹی میں شمولیت:

جب مسلمان اقلیت میں ہوں اور اپنی افرادی قوت سے نظام سیاست وحکومت قائم کرنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں اور کسی غیر مسلم پارٹی میں شمولیت کے بغیر اہل اسلام کے مفادات کا تحفظ نہ ہو سکتا ہو تو ایسی مجبوری کے وقت ایسی غیر مسلم پارٹی میں شمولیت اختیار کی جائے جس کا ضرر ونقصان دوسری پارٹیوں کے مقابل میں کم ہو، اس لیے کہ اصول شرع کے اعتبار سے ایسی کسی بھی پارٹی میں شمولیت اور تعاون جائز نہیں جس کے دستور ومنشور وقوانین خلاف شرع ہوں، لیکن جب یہ شمولیت مجبوری کی بنیاد پر ہو تو **الضرورات تبیح المحظورات، الضرر الأشد یزال بالضرر الأخف** کے ضابطہ سے ایسی پارٹی میں شمولیت اختیار کرنا جائز ہے جس کا نقصان کم از کم ہو اور یہ تعین کہ کس پارٹی سے ضرر ونقصان کم ہے اس کو مبتلیٰ بہ اچھی طرح سمجھ سکتا ہے، لیکن ذاتی اغراض ومفاد سے اوپر اٹھ کر قوم کے مصالح ومفاد کو ملحوظ رکھ کر یہ فیصلہ کیا جائے کہ کون سی سیاسی جماعت اہلِ اسلام کے لیے کم ضرر رساں ہے اور یہ خیال کرنا کہ فلاں پارٹی مسلم دوست ہے اور ان کے تمام مصالح کی ضامن ہے۔ یہ ابلہ فریبی کے سوا کچھ نہیں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: **ولن ترضیٰ عنک الیھود ولا النصاریٰ حتی تتبع ملتھم** (سورۂ بقرہ: ۱۲۰)۔

مسلم دشمن پارٹی میں شمولیت کا حکم:

ایسی سیاسی پارٹی جو کھلم کھلا مسلم دشمنی کا اظہار کرتی ہو اور جن کا بنیادی مقصد اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا ہو، ایسی پارٹی میں شریک ہونا جائز نہیں اگر چہ کوئی شریک ہونے والا بذات خود نیک خصلت ہو اور مسلمانوں کے ساتھ اس کا رویہ مناسب ہو، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ اس پارٹی کی پالیسیاں مجموعی طور پر اپنے منشور کے خلاف نہیں ہوں گی۔

مسلم اقلیت کا سیاسی پارٹی تشکیل دینا:

وہ ممالک جہاں اہل اسلام اقلیت میں ہوں اور اپنی تعداد سے خود الیکشن وغیرہ جیتنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں اور غیر مسلم اکثریت ان کو ووٹ دینے اور سیاسی اتحاد پر راضی نہ ہو تو ایسی صورت میں مسلم اقلیت کا اپنی سیاسی پارٹی کی تشکیل دے کر الیکشن لڑنا یہ اجتہادی مسائل میں ہے، اس میں اہل بصیرت اور سیاسی افکار وخیالات کے حاملین کا سخت اختلاف پایا جاتا ہے:

اول: امور سیاست سے تعلق رکھنے والے اکثر حضرات ہندوستان جیسے ممالک میں سیاسی پارٹی کی تشکیل کو اہل اسلام کے حق میں سخت مضر خیال کرتے ہیں۔

دوم: مذکورہ بالا خیال کے برعکس دوسرا خیال یہ ہے کہ ہندوستان میں کسی سیاسی مسلم پارٹی کا قیام ضروری ہے جس کی وجوہات درج ذیل بیان کی جاتی ہیں:

۱- جب مسلم ووٹ متحد ہو کر کسی سیاسی مسلم پارٹی کو ووٹ دے گا تو اگر چہ مسلم پارٹی جیتے گی نہیں، لیکن سیکولر کا دعویٰ کرنے والی پارٹیوں کو ضرور ہرا سکتی ہے، ایسی صورت میں اقتدار کے لالچی سیکولر کا دعویٰ کرنے والے غیر مسلم پارٹیوں کے سربراہ مسلم پارٹی سے اتحاد پر آمادہ ہوں گے اور جب کوئی مسلم پارٹی بحیثیت ایک پارٹی کے اقتدار میں شریک ہوگی تو مسلمانوں کے جانی وملی تحفظ کو زیادہ سے زیادہ دلا سکے گی۔ اس صورت میں اہلِ اسلام کا نفع زیادہ ہوگا، اہلِ اسلام دوسروں کے رحم وکرم پر نہ رہیں گے، بلکہ اپنے مفادات کا فیصلہ کرنے میں بااختیار ہوں گے۔

۲- وہ نقصانات جو فرقہ پرست پارٹیوں کی جیت کی صورت میں ظاہر ہونے کا اندیشہ کیا جاتا ہے وہ اندیشہ آج سیکولر کا دعویٰ کرنے والی پارٹیوں کے اقتدار کی صورت میں بھی کون سے ایسے نقصانات ہیں جو پائے نہیں جاتے صرف الفاظ کا فرق ہے، تمام غیر مسلم پارٹیاں مسلم دشمنی میں متحد ومساوی ہیں۔ فرق صرف لبادے کا ہے تو جن نقصانات کا خطرہ بتایا جاتا ہے وہ آج یقینی اور وقوعی ہیں۔ آسام کی صورتحال سب کے سامنے ہے دہشت گردی کے معاملے میں مسلمانوں کے ساتھ حکومتی ناانصافیاں کھلم کھلا ہیں، مدارس ومساجد کا تحفظ آج بھی دشوار ہے۔ فسادات کا تحفہ مفت ہے پھر ان حالات میں اگر اہل اسلام اپنی سیاسی پارٹی تشکیل دے کر اور مزید کچھ نقصان برداشت کر کے اپنے خلاف ہونے والے ظلم وحق تلفیوں کا مداوا کریں تو یہ کوئی جرم نہیں بلکہ یہ نقل وعقل کے عین مطابق ہے، لہٰذا مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر یہ چیز لازم وضروری ہو جاتی ہے کہ کوئی ایسی مسلم سیاسی پارٹی تشکیل دے کر مسلم ووٹوں کو متحد کر کے مسلمانوں کو ہونے والے نقصانات کا بقدر استطاعت ازالہ کرنے کی کوشش کی جائے۔

جمہوری حکومت میں مسلم عورتوں کی شرکت:

اس سلسلے میں حضرت تھانویؒ کا امداد الفتاویٰ (۵/۹۱-۹۳) پر مفصل کلام حدیث ”**لن یفلح قوم ولوا أمرهم امرأة**“ کے تحت موجود ہے وہ کلام بہت مفید ہے اس لیے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

حکومت کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم وہ جو تام بھی ہو عام بھی ہو، تام سے مراد یہ کہ حاکم بانفرادہ خود مختار ہو، یعنی اس کی حکومت شخصی ہو اور اس کے حکم میں کسی حاکم اعلیٰ کی منظوری کی ضرورت نہ ہو گو اس کا حاکم ہونا اس پر موقوف ہو اور عام یہ کہ اس کی محکوم کوئی محدود وقلیل جماعت نہ ہو، دوسری قسم وہ جو تام تو ہو مگر عام نہ ہو، تیسری قسم وہ جو عام ہو مگر تام نہ ہو، مثال اول کی کسی عورت کی سلطنت یا ریاست بطرز مذکور شخصی ہو، مثال ثانی کی کوئی عورت کسی مختصر جماعت کی منتظم بلا شرکت ہو، مثال ثالث کی کسی عورت کی سلطنت جمہوری ہو کہ اس میں والی صوری درحقیقت والی نہیں بلکہ ایک رکن مشورہ ہے اور والیِ حقیقی مجموعہ مشیروں کا ہے، حدیث کے الفاظ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد حدیث میں پہلی قسم ہے۔ چنانچہ سبب ورود اس حدیث کا کہ اہل فارس نے دخترِ کسریٰ کو بادشاہ بنایا تھا اور لفظ ”ولوا“ میں تولیت کے اطلاق سے متبادر اس کا کمال مفہوم ہونا پھر اس کی اسناد قوم کی طرف ہونا یہ سب اس کا قرینہ ہے، کیونکہ یہ طریقہ تولیت کاملہ کا سلطان ہی بنانے کے ساتھ خاص ہے کہ قوم کے اہل حل وعقد باہم متفق ہو کر کسی کو سلطان بنا دیتے ہیں اور سلطان کا کسی کو حکومت دینا یہ بھی بواسطہ سلطان کے قوم ہی کی طرف مسند ہوگا، بخلاف قسم ثانی کے کہ وہاں گو تولیت کامل ہوتی ہے مگر وہ مستفاد قوم سے حقیقۃً یا حکماً نہیں ہوتی اور بخلاف ثالث کے کہ وہاں گو اسناد اس کے قوم کی طرف صحیح ہے، اگر تولیت کامل نہیں ہے بلکہ وہ مشورہ محضہ ہے، کوئی اس مشورہ کو دوسرے منفرد مشورہ پر ترجیح ہو، لیکن اس میں ولایت کاملہ کی شان نہیں ہے اور نہ تمام ارکان کے مخالف ہونے کی صورت میں بھی اسی کو سب پر ترجیح ہوتی، حالانکہ ایسا نہیں ہے یہ قرینہ تو خود الفاظ حدیث سے ماخوذ ہے، اب دوسرے دلائل شرعیہ میں جو نظر کی جاتی ہے تو اس تفصیل کی تائید ہوتی ہے، حضرت بلقیس کی سلطنت کا قصہ قرآن مجید میں مذکور ہے، اس میں آیت ہے: **ماكنت قاطعة أمراً حتى تشهدون** جس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سلطنت کا طرز عمل خواہ ضابطہ سے خواہ بلقیس کی عادت مستمرہ سے سلطنت جمہوری کا سا تھا اور بعد ان کے ایمان لے آنے کے کسی لیل سے ثابت نہیں کہ ان سے انتزاع سلطنت کیا گیا ہو، پھر ظاہر حکایت سلطنت اور عدم حکایت انتزاع سے اس سلطنت کا بحالہا باقی رہنا ہے اور تاریخ صراحۃً اسی کی موید ہے اور قاعدہ اصولیہ ہے کہ ”**إذا قص الله ورسوله علينا أمراً من غير نكير عليه فهو حجة لنا**“، پس قرآن سے ظاہراً ثابت ہو گیا کہ سلطنت جمہوری عورت کی ہو سکتی ہے جو قسم ثالث ہے، حکومت کے اقسام ثلثہ مذکورہ

میں سے اور راز اس میں یہ ہے کہ حقیقت اس حکومت کی محض مشورہ ہے اور عورت اہل ہے مشورہ کی، چنانچہ واقعہ حدیبیہ میں خود حضور ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کے مشورہ پر عمل فرمایا اور انجام اس کا محمود ہوا اور اگر سلطنت شخصی بھی ہو مگر التزاماً اپنی انفرادی رائے سے کام نہ کرتی ہو تو وہ بھی اس حدیث میں داخل نہیں، کیونکہ علت عدم فلاح کی نقصان عقل ہے اور جب مشورہ رجال سے اس کا انجبار ہو گیا تو علت مرتفع ہو گئی تو معلول یعنی عدم فلاح بھی منتفی ہو گیا جیسے نقصان شہادتِ نساء انضمام شہادت رجال سے منجبر ہو جاتا ہے سلطنت بلقیس میں یہ شق بھی محتمل ہے جس کی طرف اوپر اس عبارت سے اشارہ بھی کیا گیا ہے کہ خواہ بلقیس کی عادت مستمرہ الخ اور حدیث شیخین میں ہے: **فالإمام الذی علی الناس راع الیٰ قوله علیه السلام والمرأة راعية علی بيت زوجها وولدهٖ وهی مسئولة عنهم**، لفظ راعیہ مثلِ لفظ "راع" جو اس سے قبل ہے مستعمل ہے معنی حاکم میں، اس حدیث سے قسم ثانی کا عورت کے لیے مشروع ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حضرات فقہاء نے امامتِ کبریٰ میں ذکورة کی شرط صحت اور قضاء میں گو شرط صحت نہیں مگر شرط صون عن الاثم فرمایا ہے اور وصیت وشہادت میں کسی درجہ میں اس کو شرط نہیں کہا۔ **هکذا فی الدر المختار، باب الإمامة وکتاب القاضی إلی القاضی**، قضا کے اس حکمِ مذکور قسم اول وثانی کے احکام کی تصریح ہے اور قسم ثالث مقیس ہے، قسم ثانی پر **لاشتراکها فی کونهما غیر جامین لوصف التمام والعموم** جب دلائل بالا سے ثابت ہو گیا کہ حدیث میں مذکور قسم اول ہے تو معلوم ہو گیا کہ ایسی ریاستیں جو آج کل زیر فرمان عورتوں کے ہے، اس حدیث میں داخل نہیں، اس لیے کہ اگر اس کے محکومین کو مختصر قرار دیا جاوے تب تو وہ قسم ثانی ہے اور اگر اس جماعت کو مختصر نہ قرار دیا جائے جیسا ظاہر بھی ہے تب بھی وہ درحقیقت جمہوری ہے یا تو ظاہراً بھی جہاں پارلیمنٹ کا وجود مشاہد ہے اور یا صرف باطنا جہاں پارلیمنٹ تو نہیں ہے لیکن اکثر احکام میں کسی حاکم بالا سے جو صاحب سلطنت یا نائب سلطنت ہو منظوری لینا پڑتی ہے، پس اس طور سے وہ قسم ثالث ہے اور اب یہ بھی شبہ نہ رہا کہ ظاہراً یہ رئیسات مثل قاضی کے ہیں اور قاضی عورت کا حکم حدود وقصاص میں نافذ نہیں ہوتا کما صرح بہ الفقہاء تو ایسے احکام کے نفاذ کی ان ریاسات میں کوئی صورت صحت کی نہ ہوگی وجہ دفع شبہ کی ظاہر ہے کہ وہ ریاست اولاً تو ولایت جمہوری ہے اور علیٰ سبیل التنزل یوں کہا جائے گا کہ چونکہ قضاة تو ذکور ہیں، اس لیے وہ احکام نافذ ہو جائیں گے، جیسا فقہاء نے قضاة منصوبین من السلطان غیر المسلم کے جمیع احکام کو صحیح ونافذ فرمایا ہے بالجملہ تحقیق مذکور سے ثابت ہو گیا کہ یہ ریاستیں عدم فلاح کے حکم سے بری ہیں۔ واللہ اعلم۔

جمہوری ممالک میں الیکشن اور اسلام کا نقطہ نظر

مفتی محمد نصر اللہ ندوی☆

ووٹ کی شرعی حیثیت:

ووٹ کے ذریعہ انسان اپنی رائے اور اندرونی خیال کا اظہار کرتا ہے کہ فلاں شخص اس کے نزدیک سب سے زیادہ لائق، امانت دار اور ثقہ ہے، اس لیے ووٹ کی حیثیت شہادت کی ہے۔

ووٹ کا حکم:

موجودہ زمانہ میں ووٹ کی حیثیت صرف شہادت کی نہیں، بلکہ وہ جمہوری نظام حکومت میں ارباب حکومت کی اصلاح اور منکرات کی روک تھام کا ایک بڑا ذریعہ بھی ہے اور ہر مسلمان اس بات کا مکلّف ہے کہ وہ نیکی کو عام کرنے اور برائی کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ حدیث شریف میں ہے:

”من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان“ (مسلم حدیث نمبر:۱۷۵)۔

لہٰذا اگر کوئی مسلمان ووٹ نہیں ڈالتا ہے تو گویا وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فرض منصبی سے پہلوتہی کرتا ہے اور حقدار تک حق پہنچانے میں کوتاہی کرتا ہے۔

واضح ہو کہ انتخابی مہم کے دوران امیدوار ہر ممکن طریقہ سے لوگوں سے رابطہ کرتا ہے، گھر گھر پہنچ کر ذاتی طور سے ملاقات کرتا ہے، پوسٹر، بینر، ہینڈ بل، اشتہارات کے ذریعہ ووٹروں سے اپنے حق میں ووٹ ڈالنے کی اپیلیں کرتا ہے، گویا وہ ہر ووٹر سے اپنے حق میں گواہی طلب کرتا ہے۔ فقہی نقطہ نظر سے اگر گواہی طلب کی جائے اور اندیشہ ہو کہ اگر گواہی نہیں دی جائے گی تو حقدار کی حق تلفی ہوگی تو گواہی دینا واجب ہو جاتا ہے، اس لیے اگر کوئی امیدوار اس لائق ہو کہ اسے ووٹ دیا جائے

☆ استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

اور نہ دینے کی صورت میں اس کی شکست کا ظن غالب ہوتو ووٹ ڈالنا واجب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ولا يأب الشهداء إذا ما دعوا" (البقرة)، "ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه" (البقرة)، "وأقيموا الشهادة لله" (الطلاق)، "يا أيها الذين آمنوا كونوا قوامين بالقسط شهداء لله ولو على أنفسكم أو الوالدين والأقربين" (النساء)۔

صاحب بدائع الصنائع لکھتے ہیں:

إلا أن في الشهادة القائمة على حدود الله وأسبابها لابد من طلب المشهود له لوجوب الأداء فإذا طلب وجب الاداء عليه حتى لوا متنع بعدالطلب ياثم لقوله تعالى: ولا يأب الشهداء إذا ما دعوا أى دعوا لأداء الشهادة، لأن الشهادة أمانة المشهود له في ذمة الشاهد، قال سبحانه تعالىٰ: "إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها فليودّ الذى اوتمن أمانته" (بدائع الصنائع ۲۸۲/۶)۔

البتہ اگر کوئی امیدوار معیار مطلوب پر پورا نہ اترتا ہوتو ایسی صورت میں ووٹ ڈالنا واجب نہیں ہوگا۔

الیکشن میں امیدوار بننا:

عصر حاضر میں جمہوریت کے اندر جو مفاسد ہیں ان میں ایک بہت بڑی خرابی یہ ہے کہ ملک کا کوئی بھی شہری بشرطیکہ اس کی عمر ۲۱ سال ہو اپنے آپ کو امیدوار کے طور پر الیکشن میں پیش کرسکتا ہے، خواہ اس کے اخلاق واطوار کیسے ہی کیوں نہ ہو، اور اس کا ماضی کتنا ہی سیاہ کیوں نہ ہو جس کا نتیجہ ہے کہ آج قانون ساز اداروں میں ایک بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جن کا پس منظر مجرمانہ اور جن کی شبیہ داغدار ہے۔ چنانچہ اب آئینی اداروں سے لوگوں کا اعتماد اٹھتا جارہا ہے اور پارلیمنٹ اور اسمبلی کا احترام تیزی سے گھٹتا جارہا ہے۔

ایسے میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ایسے لوگ میدان میں آئیں جن کا کردار صاف ستھرا ہو اور وہ خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار ہوں، نیز ان کو یقین ہو کہ وہ پوری دیانتداری کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دے سکیں گے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص مذکورہ صفات کا حامل ہو تو اس کے لیے الیکشن میں اپنے آپ کو امیدوار کے طور پر پیش کرنا جائز ہے تاکہ زمین سے فساد کا خاتمہ ہو، عوام کے مفاد کا تحفظ ہو اور ملک خوشحالی اور ترقی کے راستہ پر گامزن ہوسکے۔

ممتاز عالم دین شیخ عبدالرحمٰن البراک اس مسئلہ پر اپنے فتویٰ میں فرماتے ہیں:

فالواجب على المسلم أن يفعل مما أوجب الله من تقواه ونصردينه، ومن التعاون على البر والتقوى ما يستطيع، كما ينبغى له أن يفعل من الخير ما يقدر عليه مما يكثر الخير ويخفف الشر......

آگے لکھتے ہیں:

ويجب على من يرشح لهذه المهمة بهذه النية ممن يكفر بالطاغوت ويومن بالله و يومن بقوله تعالى: "إن الحكم إلا لله" (الانعام:٥٧) يجب عليه أن يخلص لله فى مشاركته وأن يجتهد فى تخفيف الشر، وأن لا يطالب بهذه المشاركة عرضا من الدنيا ولاجاها عند الناس، كما يجب على أن يبرأ من كل ما يوضع فى القانون من الباطل، مما لايستطيع دفعه، وليس من الحكمة ترک الأمر لأهل الباطل، يحققون مآربهم دون أن يجدوا معارضا من أهل الحق، فينبغى للمسلمين أن يجتهدوا فيما يمكن للخير ويدفع الشر أو يخففه حسب الإمكان والله تعالى أعلم (المشاركة فى الانتخابات النيابية ونحوها ص:٣)۔

لیکن اگر کسی شخص کو یقین ہو کہ وہ ممبر اسمبلی یا ممبر پارلیمنٹ منتخب ہونے کے بعد عوام کے مفاد کا خیال نہیں کر پائے گا اور اپنے فرائض منصبی سے عہدہ برآ نہیں ہو پائے گا تو اس کے لیے الیکشن میں امیدوار بننا جائز نہیں ہوگا، اس لیے کہ بحیثیت ممبر اسمبلی یا پارلیمنٹ اس کے اوپر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ ایک قومی امانت ہے اور جو شخص امانت کو ضائع کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی سخت باز پرس ہوگی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے الفاظ ملاحظہ کیجئے:

وقد دلت سنة رسول الله ﷺ أن الولاية أمانة يجب أدائها فى مواضع مثل ماتقدم ومثل قوله لابى ذر: "إنها أمانة وإنها يوم القيامة خزى وندامة إلا من أخذها بحقها وأدى الذى عليه فيها" رواه مسلم، و روى البخارى فى صحيحه عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى ﷺ قال: "إذا ضيعت الأمانة انتظر الساعة، قيل: يا رسول الله! وماذا إضاعتها؟ قال: إذا وسد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة"، و قد أجمع المسلمون على معنى هذا فإن وصى اليتيم وناظر الوقف ووكيل الرجل فى ماله عليه أن يتصرف له بالأصلح فالأصلح كما قال تعالى: "ولا تقربوا مال اليتيم إلا بالتى هى أحسن" ولم يقل إلا بالتى هى حسنة و ذلک لأن الوالى راع على الناس بمنزلة راعى الغنم، كما قال النبى ﷺ: "كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته" فالإمام الذى على الناس راع وهو مسئول فى رعيته والمرأة راعية فى بيت زوجها وهى مسئولة عن رعيتها، والولد راع فى مال أبيه وهو مسئول

عن رعيته والعبد راع في مال سيده وهو مسئول عن رعيته ألا فكلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته" اخرجاه في الصحيحية (السیاسۃ الشرعیۃ:۱۷)۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس شخص کے اندر امانت کو ادا کرنے کی صلاحیت نہ ہو اس کے باوجود بھی وہ اس کا مطالبہ کرتا ہے تو اپنے اوپر نیز ان لوگوں کے اوپر جن کے حقوق اس سے وابستہ ہیں ظلم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ظلم کو حرام قرار دیا ہے۔

قانون ساز اداروں کی ممبر شپ اختیار کرنا:

اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ قانون سازی کا سرچشمہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔ یا پھر اس کے واسطے سے نبی اور رسول۔ کسی انسان کے ہاتھ میں قانون سازی کا اختیار دینا شرعاً درست نہیں ہے، مثلاً ممبران پارلیمنٹ وغیرہ کو لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اگر مسلمان ایسے اداروں سے کنارہ کش ہوجائیں تو ان کی حالت ناگفتہ بہ ہوجائے گی اور ترقی کے میدان میں ان کے امکانات معدوم ہوجائیں گے، یہی نہیں بلکہ قانون سازی کا پورا اختیار ملحدوں، کافروں اور مشرکوں کے ہاتھ میں چلا جائے گا، پھر مسلمانوں کی جو درگت بنے گی اس کے تصور ہی سے حساس دل رکھنے والے مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں۔

لہٰذا ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ ایسے اداروں سے دست کش ہوجائیں بلکہ ان پر لازم ہے کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں قانون ساز اداروں کی رکنیت اختیار کریں، لیکن ان کا مقصد ذاتی مفاد کا حصول نہ ہو، بلکہ ان کا نصب العین یہ ہو کہ وہ مسلمانوں کے حقوق کی پاسداری کرے گا، اور دستور میں ان کو جو بنیادی حقوق دیے گئے ہیں ان کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرے گا، نیز اللہ کی سرزمین پر عدل وانصاف کے قیام میں معاون بنے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان"** (المائدہ)۔

سعودی عرب کے ممتاز علماء کی فتویٰ کمیٹی **"اللجنة الدائمة للبحوث والإفتاء"** نے اس مسئلہ کے بابت جو فتویٰ دیا ہے اس کے الفاظ ملاحظہ کریں:

ليس للمسلم (المرشح والمترشح) أن يتابع ويعمل بكل مايصدر عن الناس النيابية من تشريعات وقوانين، بل ماكان منها موافقا للشريعة فيقره، و يعمل بمقتضاه موافقة للشرع لاالناس النواب، و ماكان منها معارضا للشرع وجب رده و عدم العمل بمقتضاه، فضلا عن إقراره لما ثبت في الصحيح عن النبي ﷺ أنه قال: "إنما الطاعة في المعروف" وقال: على المسلم الطاعة فيم أحب أو

کره ما لم يؤمر بمعصية وقال: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" وقال: "من أمركم بمعصية الله فلا تطيعوه" (مجموع الفتاوى للجنة ٢٣/٤٠٦)۔

معلوم ہوا کہ اگر مسلمان کافروں کے تحت رہ کر (جیسا کہ دنیا کے بیشتر آئینی اداروں کا حال ہے) لوگوں کے دینی و دنیوی حقوق کے تحفظ کے لیے سرگرم عمل رہیں تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ وہ بالکلیۃ قانون ساز اداروں سے دستبردار ہو جائیں اور اپنے آپ کو ایک ایسی حکومت کے حوالہ کردیں جو ان کے حقوق کو پامال کرے، بلکہ جس کے لیے مسلمانوں کا وجود ہی ناقابل برداشت ہو۔

سعودی عرب کے ممتاز عالم دین شیخ ابن باز اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

هذا الدخول خطير يعني برلمانات ومجالس نيابية ونحوها، الدخول فيها خطير، لكن ممن دخل فيها عن علم وبصيرة يريد الحق ويريد أن يوجه الناس إلى الخير ويريد أن يعرقل الباطل، ليس الأصل هو الطمع في الدنيا ولا الطمع في المعاش وإنما قد دخل لينصر دين الله وليجاهد في الحق، بهذه النية الطيبة أنا أرى أنه لا حرج في ذلك وإنه ينبغي حتى لا تخلو هذه الناس من الخير وأهله (مجلة لواء الاسلام العدد الثالث، ذوالقعدة: ١٤٠٩)۔

دستور سے وفاداری کا حلف:

گزشتہ مباحث سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ جمہوری نظام میں حصہ لینا اور آئینی اداروں کا ممبر بننا از روئے مصلحت مسلمانوں کے لیے ضروری ہے، تاہم اس نظام میں کچھ مفاسد بھی ہیں جن میں سے کچھ کا تذکرہ گزشتہ سطور میں آچکا ہے، ان مفاسد میں ایک یہ بھی ہے کہ اس میں دستور سے وفاداری کا حلف لینا پڑتا ہے۔ حالانکہ اس میں کچھ چیزیں خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ضرورت کے پیش نظر ایسا کرنے کی گنجائش ہوگی۔ فقہ کا قاعدہ ہے: **الضرر الأشد يزال بالأخف**"۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دستور سے وفاداری کا حلف لینا شرعاً ناجائز اور دینی نقطہ نظر سے مضر ہے، تاہم اس سے گریز کرنے کی صورت میں مسلمانوں کا جو نقصان ہوگا وہ ناقابل بیان ہے۔ لہٰذا اس بلائے عظیم کو دفع کرنے کے لیے اس سے اہون ضرر کو گوارا کرنا جائز بلکہ کبھی واجب ہوگا۔

علامہ عز الدین بن عبد السلام نے لکھا ہے کہ اگر معصیت پر اعانت کسی عظیم مصلحت کا ذریعہ ہو اور عدم اعانت کسی بڑے فساد کا سبب ہو تو ایسی صورت میں معصیت پر اعانت درست ہوگی۔

فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: ''الأمور بمقاصدها'' یعنی شریعت میں بہت سی چیزوں کا دارومدار ان کے مقاصد پر رکھا گیا ہے، لہٰذا دستور سے وفاداری کا حلف اس کے مقصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے درست ہوگا اور وہ مقصد ہے ملت کے مفاد کا تحفظ۔

بائبل کی قسم کھانا:

بائبل ایک آسمانی کتاب کا نام ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، باوجودیکہ وہ تحریف کا شکار ہوگئی اور اس کی حقیقت فنا ہوگئی، تاہم اصلا وہ آسمانی کتاب تھی۔ کتب فقہ میں اس بابت صراحت موجود ہے کہ اگر کوئی شخص یوں قسم کھائے کہ اگر میں نے ایسا کیا تو میں انجیل سے بری ہوجاؤں تو یہ قسم منعقد ہوجائے گی اور وہ اگر قسم پوری نہیں کرتا ہے تو اس پر کفارہ لازم ہوگا۔

لیکن یہاں پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو بائبل پر حلف لینے کے لیے مجبور کرنا جمہوری نظام کی صریح خلاف ورزی ہے، کیونکہ جمہوریت میں ہر شخص کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی ہوتی ہے، پھر کیوں مسلمانوں کو بائبل پر حلف اٹھانے کے لیے مجبور کیا جاتا ہے؟

دراصل یہ یہود ونصاریٰ کی ایک خطرناک سازش ہے۔ اس کا مقصد مسلمانوں کو اپنے دین وایمان سے برگشتہ کرنا اور ان کے اوپر زبردستی عیسائیت کو تھوپنا ہے، لہٰذا اگر کسی ملک میں اس طرح کا قانون ہے تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ جمہوری دائرہ میں اس کے خلاف آواز بلند کریں۔

سیکولر پارٹی میں مسلمانوں کی شمولیت:

اسلام کا منشا یہ ہے کہ حکومت وسیاست کی باگ ڈور ان لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو دینی جذبہ سے سرشار ہوں۔ جن کی رگوں میں عشق الٰہی کا خون گردش کر رہا ہو۔ اگر ایسے لوگ نہ ہوں تو پھر جو اوروں سے غنیمت ہوں یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام ایران پر روم کی فتح سے خوش ہوتے تھے، اس لیے کہ رومی عیسائی تھے جبکہ ایرانی مجوسی اور عیسائیت مجوسیت کے مقابلہ اسلام سے قریب تر ہے۔

اس لیے سیکولر ملک میں جو پارٹی اسلام اور مسلمانوں کے لیے کم سے کم نقصاندہ ہو اس میں شمولیت اختیار کرنا، اس کی طرف سے انتخاب لڑنا نیز اس کی حکومت میں شامل ہونا درست ہوگا۔

مسلم دشمن پارٹی میں شمولیت:

جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمان کی مخالفت شامل ہے، مسلمانوں کے لیے اس پارٹی میں شریک ہونا جائز نہیں ہے بلکہ ایسے شخص کے بارے میں کفر کا اندیشہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وأن احكم بينهم بما أنزل الله......" الآية آگے فرماتا ہے:

"أفحكم الجاهلية يبغون ومن أحسن من الله حكما لقوم يؤقنون" (المائدۃ)۔

علیحدہ مسلم سیاسی جماعت کا قیام:

مسلمان اس دنیا میں خیر امت بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ اس کی تخلیق کا اصل مقصد ہی امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

"كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله" (النساء)۔

ارشاد نبوی ہے: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان" (مسلم)۔

اس وقت پورا ملک کرپشن، بدعنوانی، مہنگائی، غربت، فقر وفاقہ، بے روزگاری اور بھیانک جرائم سے دوچار ہے۔ آئے دن اخبارات میں اس طرح کے شرمناک اور روح فرساں واقعات شائع ہوتے رہتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ان حالات کو تبدیل کرنے، ظلم وناانصافی کو ختم کرنے نیز عدل وانصاف کو قائم کرنے کی پہلی ذمہ داری کس کی بنتی ہے؟

یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ آج کے دور میں قوت نافذہ کے بغیر نہ تو ظلم کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی عدل کو قائم کیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ زمانہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا مصداق ہے۔ اس لیے مذکورہ آیت کے ضمن میں حکومت کا بھی قیام داخل ہے۔

یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مسلمان اپنی پارٹی بنالیں تب بھی انہیں سیکولر ایجنڈے کے تحت ہی کام کرنا ہے کو پھر پارٹی بنانے سے کیا فائدہ؟

بلاشبہ یہ اشکال اپنی جگہ درست ہے، لیکن اس میں بھی کوئی دورائے نہیں کہ مسلم سیاسی جماعت دوسروں کے مقابلہ

مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ زیادہ کرے گی۔ اس کے زیر سایہ مسلمان بے خوف ہو کر امن وسلامتی کے زندگی گزاریں گے اور ایک نئے جوش وجذبہ کے ساتھ ترقی کے میدان میں آگے بڑھیں گے۔

ایک شبہ عام طور پر یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ اس قدم سے مسلم مخالف ووٹ متحد ہو جائے گا جس سے فرقہ پرست طاقتوں کا بہت فائدہ ہوگا۔

یہ صرف ایک خام خیالی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ تجربات ومشاہدات کا اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ آسام میں مولانا بدرالدین اجمل کا تجربہ ہمارے سامنے ہے۔ کیا اس سے وہاں کے ہندوؤں کا ووٹ متحد ہو گیا؟ کیرالہ میں مسلم لیگ کا قابل ذکر تناسب ہے اور حکومت میں دخل بھی۔

الیکشن کے مسائل-اسلامی تناظر میں

مفتی شبیر احمد دیولوی☆

ووٹ کی از روئے قرآن وسنت چند حیثیتیں ہیں: ایک حیثیت شہادت کی ہے کہ ووٹر جس کو اپنا ووٹ دے رہا ہے اس کے متعلق گویا اس کی شہادت دے رہا ہے کہ یہ شخص اس کام کی قابلیت بھی رکھتا ہے اور ووٹ دیتا ہے تو وہ ایک جھوٹی شہادت ہے جو سخت گناہ کبیرہ اور وبال دنیا وآخرت ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے شہادت کاذبہ کو شرک کے ساتھ کبائر میں شمار کیا ہے: **قال رسو ل الله ﷺ: "إن من أكبر الكبائر الشرك بالله وعقوق الوالدين واليمين الغموس"** (بحواله مشكوٰة شريف باب الاقضية والشهادات، ص: ۳۲۸)۔

لہٰذا جس حلقہ میں چند امیدوار کھڑے ہوں اور ووٹر کو یہ معلوم ہے کہ قابلیت اور دیانت کے اعتبار سے فلاں آدمی قابل ترجیح ہے تو اس کو چھوڑ کر دوسرے کو ووٹ دینا اس اکبر کبائر میں اپنے آپ کو مبتلا کرنا ہے، لہٰذا ووٹ دینے والا اپنی آخرت اور انجام کو دیکھ کر ووٹ دے، محض رسمی مروت یا کسی طمع اور خوف کی وجہ سے اپنے آپ کو اس وبال میں مبتلا نہ کرے۔

ووٹ کی دوسری حیثیت شفاعت یعنی سفارش کی ہے کہ ووٹر اس کی نمائندگی کی سفارش کرتا ہے۔ اس سفارش کے بارے میں قرآن کریم کا یہ ارشاد ہر ووٹر کو اپنے سامنے رکھنا چاہئے: **"ومن يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها ومن يشفع شفاعة سيئة يكن له كفل منها"**، یعنی جو شخص اچھی اور عمدہ سفارش کرتا ہے اس کو اس میں بھی حصہ ملتا ہے اور جو بری سفارش کرتا ہے تو اس کی برائی میں اس کا بھی حصہ لگتا ہے اور اچھی سفارش یہی ہے کہ قابل اور دیانت دار آدمی کی سفارش کرے جو خلق خدا کے حقوق صحیح طور پر ادا کرے اور بری سفارش یہ ہے کہ نااہل، نالائق، فاسق، ظالم کی سفارش کرے اس کو خلق خدا پر مسلط کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ووٹوں سے کامیاب ہونے والا امیدوار اپنے پنج سالہ دور میں جو نیک عمل یا بدعمل کرے گا ہم بھی اس کے شریک سمجھے جائیں گے۔

ووٹ کی ایک تیسری شرعی حیثیت وکالت کی ہے کہ ووٹ دینے والا اس امیدوار کو اپنا نمائندہ اور وکیل بناتا ہے،

☆ جامعہ قاسمیہ عربیہ، کھرود، بھروچ۔

لیکن اگر یہ وکالت اس کے کسی شخصی حق کے متعلق ہوتی ہے اور اس کا نفع ونقصان صرف اس کی ہی ذات کو پہنچتا ہو تو اس کا یہ خود ذمہ دار ہوتا، مگر یہاں ایسا نہیں کیونکہ یہ وکالت ایسے حقوق کے متعلق ہے جن میں اس کے ساتھ پوری قوم شریک ہے۔ اس لئے اگر کسی نااہل کو اپنی نمائندگی کے لئے ووٹ دے کر کامیاب بنایا تو پوری قوم کے حقوق کو پامال کرنے کا گناہ بھی اس کے گردن پر رہا۔

مذکورالصدر بیان میں جس طرح قرآن وسنت کی رو سے یہ واضح ہوا کہ نااہل، ظالم، فاسق اور غلط آدمی کو ووٹ دینا گناہ عظیم ہے، اسی طرح ایک اچھے نیک اور قابل آدمی کو ووٹ دینا ثواب عظیم ہے، بلکہ ایک فریضہ شرعی ہے، قرآن کریم نے جیسے جھوٹی شہادت کو حرام قرار دیا ہے اسی طرح سچی شہادت کو واجب ولازم بھی فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "کونوا قوامین لله شهداء بالقسط" اور ایک جگہ فرمایا ہے: "کونوا قوامین بالقسط شهداء لله" ان دونوں آیتوں میں مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے کہ سچی شہادت سے جان نہ چرائیں بلکہ اللہ کے لئے ادائیگی شہادت کے واسطے کھڑے ہوجائیں۔ نیز ایک آیت میں تو اللہ نے کتمان شہادت کو واضح انداز میں حرام وگناہ کہا ہے، ارشاد ہے: "ولاتكتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه" یعنی شہادت کو نہ چھپاؤ اور جو چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہے۔

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ شرعی نقطۂ نظر سے ووٹ کی حیثیت شہادت اور گواہی کی سی ہے اور جس طرح جھوٹی گواہی دینا حرام اور ناجائز ہے، اسی طرح ضرورت کے موقع پر شہادت کو چھپانا بھی حرام ہے: ارشاد باری ہے: "ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه" اور حدیث میں ہے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے: "قال رسول الله ﷺ: من كتم شهادة إذا دعى إليها كان كمن شهد بالزور" (جمع الفوائد ۴/۲۴، مکتبہ مجمع الشیخ زکریا)۔ بلکہ گواہی دینے کے لئے تو اسلام نے یہ پسند کیا ہے کہ مطالبہ سے پہلے اپنا فریضہ ادا کردے۔ دعوت وترغیب کا انتظار نہ کرے، چنانچہ حضرت زید بن خالدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ألا أخبركم بخير الشهداء الذی يأتی بشهادته قبل أن يسألها" (رواہ مسلم بحوالہ مشکوٰۃ، ص: ۳۲۷)۔

ووٹ بھی بلاشبہ ایک شہادت ہے، قرآن وسنت کے یہ تمام احکام اس پر بھی جاری ہوتے ہیں، لہٰذا ووٹ کو محفوظ رکھنا یہ دینداری کا تقاضہ نہیں، اس کا زیادہ سے زیادہ صحیح استعمال کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ لیکن اگر اپنا ووٹ اپنی دیانتدارانہ رائے کے بجائے محض ذاتی تعلق کی بنیاد پر کسی نااہل کو دے دیتے ہیں حالانکہ وہ دل میں خوب جانتے ہیں کہ یہ اس کا اہل نہیں ہے یا اس کے مقابلے میں دوسرا اس سے زیادہ حقدار ہے، تو اس نے شرعی ودینی لحاظ سے کتنے بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے کہ اس نے آیت کریمہ: "وإذا قلتم فاعدلوا ولو كان ذاقربى" کے خلاف ورزی کی۔ نیز قرآن کریم میں تو جھوٹی شہادت

کی مذمت اتنی شدت کے ساتھ کی گئی ہے کہ اسے بت پرستی کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے ارشاد ہے:" **فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور**"۔

۱،۲،۳-ان مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ ووٹ کی شرعی حیثیت میں شہادت ہی بہتر ہے تا کہ قرآن واحادیث میں جو شہادت صحیحہ کی اہمیت بیان کی گئی ہے اور غلط بیانی پر جو وعید بیان کی گئی ہے، اس کے پیش نظر صاحب ووٹ اپنے ووٹ کا صحیح استعمال کرے، غلط استعمال سے ڈرے، لہٰذا اب جبکہ ووٹ کی حیثیت شہادت ٹھہری تو ووٹ دینا واجب اور ضروری ہوگا۔ رہی بات امیدواری کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا تو اس میں اصل یہی ہے کہ اولاً خود کو پیش نہ کرے، لیکن جب اس میدان میں کوئی منصف وعادل وخداترس، رحم دل شخص نہ ہو تو اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس کام کو بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہو، حق وانصاف کا دامن گیر ہو تو اس وقت امیدواری کے لئے اپنے کو پیش کرنا ضروری ہوگا تا کہ پوری قوم وملت پرامن وسلامتی قائم ہو اور شرعی آزادی کی فضا قائم ہو۔ نیز اس کی ایک نظیر حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے آپ کو ایسے وقت میں اس کام کے لئے پیش کرنا موجود ہے۔

۴-کسی بھی ممالک کے قانون ساز ادارے کا ممبر بننا جو خلاف شریعت قانون کو پاس کرے اس وقت درست ہوگا جبکہ وہ اس نیت سے بنے کہ خلاف شریعت قانون کو ختم کروں گا اور پھر یہ کہ ان قوانین سے متفق بھی نہ ہو تو اجازت ہوگی۔

۵-جو لوگ قانون ساز اداروں کے رکن منتخب ہوتے ہیں اور ان سے دستور سے وفاداری کا جو حلف لیا جاتا ہے جبکہ اس کے بعض دفعات اسلام کی مخالفت پر مشتمل ہوتے ہیں تو ان اراکین کے لئے اس وقت حلف وفاداری کی اجازت ہوگی، جبکہ وہ اس شرط اور نیت کے ساتھ حلف اٹھائے کہ جہاں تک خدا اور رسول اور شریعت کی نافرمانی نہ ہو میں وفاداری کروں گا اور پارلیمنٹ جانے کی نیت بھی یہ ہو کہ میں اپنی قوم اور وطن کے حقوق کی حفاظت کروں گا اور حکومت کے ظلم وتشدد کا سدباب کروں گا (ماخوذ از کفایت المفتی ۹/۳۷۲)۔

۶-ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**من حلف بغير الله فقد كفر أو أشرك**" (ترمذی شریف: ۲۸۰) نیز فتاوی عالمگیریہ میں ہے: "**أما اليمين بغير الله فنوعان: أحده اليمين بالآباء والأنبياء والملائكة والصوم والصلاة وسائر الشرائع والكعبة الحرم وزمزم ونحو ذلك، ولا يجوز الحلف بشئ من ذلك** (۲/۵۷) آگے ص: ۶۰ پر ہے: "**من حلف بغير الله لم يكن حالفا كالنبي والكعبة هذا في الهداية**" اور الفقہ الاسلامی وادلتہ میں دکتور وہبہ زحیلی اسی کے آگے لکھتے ہیں: "**وقال محمد بن مقاتل الرازي: لو حلف بالقرآن قال: يكون يمينا وبه أخذ جمهور مشايخنا هذا في المضمرات**"۔

مذکورہ حدیث اور فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ حلف باللہ کی ہی اجازت ہے اور غیر اللہ پر حلف لینا جائز نہیں، لہٰذا موجودہ بائبل چونکہ تحریف شدہ ہے، اس لئے اس کو کتب سماویہ میں شمار کر کے ان پر حلف لینے کو درست نہیں کہا جا سکتا، لہٰذا غیر اللہ میں بائبل کا شمار ہوگا اور اس پر حلف لینا درست نہ ہوگا۔

ہاں مجبوراً بلا نیت تعظیم اور حصول اعتماد کے لئے حلف اٹھانے کی گنجائش ہوگی۔ دیکھئے مکہ فقہ اکیڈمی کا فیصلہ (قرارات مجلس المجمع الفقہی الاسلامی، ص:۸۵، بحوالہ جدید فقہی مسائل)۔

۷، ۸- ایسی سیاسی پارٹیاں جن کے اندر قوم پرستی اور تعصب ونفرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو اور اسلام ومسلمانوں کی کھلی دشمنی پر تلی ہوئی ہوں تو ایسی پارٹی میں شرکت بالکلیہ جائز نہ ہوگا، بلکہ ارشاد باری تعالیٰ: "**ولا تعاونوا على الإثم والعدوان واتقوا لله**" (یعنی گناہ اور سرکشی کے کام میں تعاون نہ کرو، اللہ سے ڈرو) کی وجہ سے حرام ہوگا۔ ہاں اگر بالکلیہ کوئی خیرخواہ پارٹی نہ ہو مگر دوسری پارٹی کے مقابلے میں اچھی ہو تو اس صورت میں فقہی قاعدہ "**إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضرراً بارتكاب أخفهما**" کہ جب دو مفسدوں میں تعارض ہو جائے تو خفیف ضرر کو گوارہ کر کے شدید ضرر سے بچا جائے گا کے تحت اس میں شریک ہونا جائز ہوگا، نیز اس پارٹی میں شریک ہو کر خلاف شریعت چلنے والے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کی نیت بھی ہو۔

۹- جس ملک میں مسلمان اقلیت میں ہوں وہاں ہرگز مسلمان اپنی الگ جماعت قائم نہ کرے، بلکہ جمہوری پارٹی کو ترجیح دے۔ اس لئے کہ مسلمان کی حکومت تو حالات کے پیش نظر ایسے ملک میں محال کے درجے میں ہے۔ نیز الگ تنظیم قائم کرنے کی بنیاد پر اسلام دشمنی اور مخالفت میں مزید اضافہ ہو جائے گا اور شریعت پر چلنا دشوار ہو جائے گا جو کہ اصل مقصود ہے، لہٰذا صرف اسی نیت سے کہ اسلام پر چلنا نصیب ہو جمہوریت کو ترجیح دی جائے اور اس طرح کا عمل نبی کریم ﷺ سے بھی ثابت ہے، جو میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے (تفصیل کے لئے کتاب الفتاوی دیکھئے)۔

۱۰- صحیح بخاری میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد متعدد طرق صحیح سے مروی ہے: "**لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة**" (کتاب المغازی ۲/۶۳۷) وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پا سکتی جو اپنے معاملات کی ذمہ داری کسی عورت کے سپرد کر دے۔ اس حدیث میں یہ وضاحت بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی تھی، جبکہ ایران کے باشندوں نے ایک عورت (بنت بوران بنت شیرویہ) کو اپنا سربراہ بنالیا تھا، لہٰذا یہ حدیث عورت کو سربراہ بنانے کے عدم جواز پر واضح دلیل ہے۔

نیز اس پر اجماع امت بھی ہے کہ عورت سربراہی نہیں کر سکتی، چنانچہ امام الحرمین اپنی کتاب غیاث الامم میں فرماتے ہیں: "**وأجمعوا أن المرأة لا يجوز أن تكون إماما، واختلفوا في جواز كونها قاضية فيما تجوز شهادتها**

فیہ" نیز امام موصوف نے اپنی کتاب الارشاد فی اصول الاعتقاد میں امام بننے کی جو شرط ذکر کی ہے اس میں سب سے پہلی شرط "الذکورۃ" (یعنی مذکر) ذکر کی ہے۔اسی طرح علامہ تفتازانی نے بھی شرح المقاصد میں اس کی متابعت کی ہے۔ان الفاظ میں "یشرط ان یکون مکلفا حرا ذکرا عدلا" (تفصیل کے لئے دیکھئے نوادر الفقہ ۲/۱۵۲)۔

ان ساری آیات وروایات واقوال سلف کی روشنی میں یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ عورت کے لئے کسی صورت میں جائز نہیں کہ وہ کسی بھی طرح کے عہدہ کے لئے اپنے آپ کو پیش کرے۔(خواہ امیدواری کے لئے پیش کرنا ہو یا قانون ساز اداروں کی ممبری کے لئے) بلکہ اس طرح کرنے میں نصوص کی خلاف ورزی لازم آتی ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ ہاں ووٹنگ کے لئے جاسکتی ہے، اس شرط کے ساتھ کہ پردے کا مکمل اہتمام ہو اور اپنے شوہر یا پھر اپنے محارم کے ساتھ ہو۔ چونکہ اپنے محارم وغیرہ کے ساتھ شریعت نے سفر کی اجازت دی ہے۔

واللہ أعلم بالصواب وعلمہ أتم وأحکم۔

الیکشن سے مربوط شرعی مسائل

مفتی سلمان پالنپوری قاسمی☆

ووٹ کی شرعی حیثیت:

۱-کسی امیدوار ممبر کو ووٹ دینے کی از روئے شرع چند حیثیتیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

الف-ایک حیثیت شہادت کی ہے کہ ووٹر جس شخص کو اپنا ووٹ دے رہا ہے کہ یہ شخص اس کام کی قابلیت بھی رکھتا ہے اور اسے اس ملک وملت کے لئے مفید وخیر خواہ سمجھتا ہے۔

ب-دوسری حیثیت شفاعت یعنی سفارش کی ہے کہ ووٹر اس امیدوار کے لئے ایک اہم عہدہ سنبھالنے کے لئے سفارش کرتا ہے۔

ج-ووٹ کی تیسری حیثیت وکالت کی ہے کہ ووٹر اس امیدوار کو اپنا نمائندہ اور وکیل بناتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارا ووٹ تین حیثیتیں رکھتا ہے، ایک شہادت، دوسرے سفارش، تیسرے حقوق مشترکہ میں وکالت، تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک اور قابل آدمی کو ووٹ دینا موجب ثواب ہے اور اس کے ثمرات اس کو ملنے والے ہیں، اسی طرح نااہل شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری سفارش بھی اور ناجائز وکالت بھی اور اس کے تباہ کن اثرات بھی اس کے نامۂ اعمال میں لکھے جائیں گے (مستفاد از جواہر الفقہ ۲/ ۹۲-۲۹۱)۔

ووٹ دینے کا حکم کیا ہے؟

۲-ووٹ کی شرعی حیثیت شہادت کی سی ہے اور جس طرح جھوٹی گواہی دینا ناجائز اور حرام ہے، اسی طرح ضرورت کے موقع پر شہادت کو چھپانا بھی حرام ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے: **ولا تکتموا الشهادة ومن یکتمها فإنه آثم قلبه** (البقرۃ: ۲۸۳) (تم گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو شخص گواہی کو چھپائے اس کا دل گنہگار رہے)، نیز ارشاد خداوندی ہے: **ولا یأب**

☆ مدرسہ جامعہ خلیلیہ ماہی شمالی گجرات۔

الشهداء إذا ما دعوا (البقرۃ:۲۸۲) (اور گواہ انکار نہ کریں جب وہ گواہی کے لئے بلائے جائیں)۔ نیز حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”**من کتم شهادة إذا دعی إلیها کان کمن شهد بالزور**“ (جمع الفوائد بحوالہ طبرانی ا/۶۲) (جس کسی کو شہادت کے لئے بلایا جائے اور وہ شہادت کو چھپادے وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ جھوٹی گواہی دینے والا) بلکہ گواہی دینے کے لئے تو اسلام نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ کسی کے مطالبہ کرنے سے پہلے ہی انسان اپنا فریضہ ادا کردے اور اس میں کسی کی ترغیب کا انتظار نہ کرے۔ چنانچہ حضرت زید بن خالد روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **ألا أخبرکم بخیر الشهداء الذین یأتی بشهادته قبل أن یسألها** (جمع الفوائد بحوالہ مالک ومسلم ا/۲۶۱) (کیا تمہیں نہ بتاؤں کہ بہترین گواہ کون ہیں؟ وہ شخص ہے جو اپنی گواہی کسی کے مطالبہ کرنے سے پہلے ہی ادا کردے)۔ حاصل یہ کہ ووٹ کی حیثیت شہادت کی سی ہے اور شہادت کبھی واجب کے درجہ کو پہنچتی ہے اور کبھی استحباب اور اباحت کے درجہ میں ہوتی ہے۔ لہٰذا جس حلقہ میں کوئی بھی امیدوار قابل اور ملک وملت بالخصوص مسلمانوں کے حق میں مفید معلوم ہو اسے ووٹ دینے سے گریز کرنا، جبکہ اسے ووٹ کی شدید ضرورت ہو (اسے ووٹ نہ دینے کی صورت میں کسی خائن، مسلم دشمن امیدوار کے جیت جانے کا قوی اندیشہ ہو) تو اسے ووٹ دینا واجب ہے اور اس وقت اپنے ووٹ کو محفوظ رکھنا یا کسی خائن وبددیانت کو ووٹ دینا پوری قوم وملت پر ظلم کے مرادف ہے۔ جیسا کہ امام قرطبیؒ نے قرآن کریم کی آیت **ولا یأب الشهداء إذا مادعوا** کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے: **إذا کانت الضرورة وخیف تعطل الحق أدنی خوف قوی الندب وقرب من الوجوب وإذا علم أن الحق یذهب ویتلف بتأخر الشاهد عن الشهادة فواجب علیه القیام بها لاسیما إن کانت محصلة وکان الدعاء إلیٰ أدائها** (الجامع لاحکام القرآن ۳/۳۹۸)۔

اگر کسی حلقہ میں کوئی بھی امیدوار صحیح قابل اور مفید معلوم نہ ہو، مگر ان میں سے کوئی دوسروں کی بہ نسبت کم نقصان دہ ہو تو تقلیل شر اور تقلیل ظلم کی نیت سے اس کو بھی ووٹ دینا جائز، بلکہ مستحسن ہے جیسا کہ نجاست کے پورے ازالہ پر قدرت نہ ہونے پر تقلیل نجاست کو اور پورے ظلم کو دفع کرنے کا اختیار نہ ہونے کی صورت میں تقلیل ظلم کو فقہاء نے تجویز فرمایا ہے (جواہر الفقہ ج ۲/ ۲۹۴) حاصل یہ کہ وہ ووٹ دینا ہر صورت میں تو واجب ہو سکتا ہے، مثلاً کسی مسلم دشمن یا ملک دشمن پارٹی کو اقتدار سے روکنے کے لئے ووٹ کا استعمال کرنا ضروری ہو (مستفاد از کفایت المفتی ۹/ ۳۷۵)۔

الیکشن میں امیدوار بننا:

۳- انگریزوں کا رائج کردہ جمہوری نظام، حکومت اور طریق انتخابات عقل ونقل ہر اعتبار سے محل نظر ہے اور موجودہ

دور میں اس نظام میں اتنی خرابیاں درآئی ہیں جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا، اس لئے اس عمل میں کسی طرح بھی حصہ لینا بجائے خود ایک مفسدہ ہے، لیکن بدقسمتی سے چونکہ اب یہ نظام اکثر ممالک میں جڑ پکڑ چکا ہے اس کو نظرانداز کرنا مشکل ترین امر ہے اور اگر مسلمان اس سے بالکل الگ تھلگ ہوجائیں تو ان کے حقوق کے ضیاع کا واقعی خطرہ موجود ہے، اس لئے مجبوراً اس بڑے اور سنگین خطرہ سے بچنے کے لئے جمہوری ممالک کے الیکشن کے عمل میں امیدوار کی حیثیت سے حصہ لینے کی اجازت دی جائے گی تاکہ کسی نہ کسی درجہ میں حقوق کے تحفظ کا نظم ہوسکے۔الاشباہ والنظائر میں ہے:**اذا تعارض مفسدتان روعی أعظمهما ضرراً بارتكاب أخفهما** (الاشباہ ۱۴۵ بحوالہ جواہر الفقہ ۲/ ۲۹۴)۔

جو شخص کسی مجلس کی ممبری کے انتخاب کے لئے کھڑا ہو وہ گویا پوری ملت کے سامنے دو چیزوں کا مدعی ہے، ایک یہ کہ وہ اس کام کی قابلیت رکھتا ہے جس کا وہ امیدوار ہے، دوسرا یہ کہ وہ اس کام کو امانت ودیانت داری سے بخوبی انجام دے گا، اب اگر واقعی وہ اپنے اس دعویٰ میں سچا ہے، یعنی وہ اس کام کی قابلیت بھی رکھتا ہے اور امانت ودیانت داری سے اس کام کو بخوبی انجام بھی دے گا تو اس کا یہ عمل یعنی اپنے آپ کو بحیثیت امیدواری پیش کرنا کسی حد تک درست ہے، لیکن چونکہ جو کوئی خود اپنے آپ کو امارت ووزارت کے لئے پیش کرتا ہے، تو شریعت ایسے اقدام کی نفی کرتی ہے اور ایسے کام میں اللہ رب العزت کی مدد بھی شامل حال نہیں رہتی ہے، چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ سے روایت ہے:**قال رسول الله ﷺ: لا تسأل الإمارة فإنک إن أعطيتها عن مسئلة وكلت إليها وإن أعطيتها عن غير مسئلة أعنت عليها** (نسائی شریف ۲/ ۲۵۸ کتاب الامارۃ)۔

(رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپ عہدہ کا سوال نہ کیجئے، اس لئے کہ اگر آپ کو سوال کے بعد عہدہ دیا جائے گا تو آپ عہدہ کے حوالہ کردیئے جائیں گے (اللہ تعالیٰ کی مدد آپ کے ساتھ نہیں رہے گی) اور اگر آپ کو کوئی عہدہ بغیر سوال کے عطا کیا جاوے تو اس پر آپ کی مدد کی جائے گی)۔

لہٰذا اس کام کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ ازخود اپنے آپ کو امیدوار بنا کر پیش نہ کرے، بلکہ مسلمانوں کی جماعت اسے اس کام کا اہل سمجھ کر نامزد کرلیں، البتہ اگر کسی علاقہ میں کوئی بھی شخص ان لوگوں میں سے ہو جو امیدوار بننا چاہتے ہیں، بظاہر اس عہدہ کا اہل نہ ہو اور جو لوگ اس عہدہ کے اہل ہیں امیدوار بننے کے لئے تیار نہیں اور ایک شخص کو اپنے متعلق یہ معلوم ہو کہ اگر یہ عہدہ مجھے مل جاوے تو دوسروں کے مقابلہ میں امت مسلمہ کو زیادہ راحت پہنچا سکتا ہوں اور لوگ اس کی اس اہلیت سے ناواقف ہوں، تو ایسے موقع پر **اجعلني على خزائن الأرض إني حفيظ عليم** (سورہ یوسف:۵۵) کے پیش نظر ایسے شخص کے لئے ازخود اس عہدہ کا مطالبہ کرنا جائز، بلکہ مستحسن ہے۔

اور جس شخص میں اس کام کی صلاحیت ولیاقت نہیں وہ اگر امیدوار ہو کر کھڑا ہو تو وہ قوم وملت کا خائن وغدار ہے، اس کا امیدواری میں کامیاب ہونا ملک وملت کے لئے خرابی کا سبب تو بعد میں بنے گا پہلے تو وہ خود غدار اور خیانت کا مجرم ہو کر عذاب جہنم کا مستحق بنے گا (مستفاد از جواہر الفقہ ۲/۲۹۱ وفتاویٰ حقانیہ ۲/۳۱۵)۔

قانون ساز اداروں کا ممبر بننا:

۴-اسلامی یا غیر اسلامی ملکوں میں ایسے قانون ساز ادارے جو مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں ان اداروں کا ممبر بننے کے صحیح ہونے نہ ہونے کے متعلق قدرے تفصیل ہے جو مندرجہ ذیل ہے:

اگر ایسے مخالف شریعت قانون ساز اداروں کی ممبری قبول نہ کرنے سے خود ان کو یا عامۃ المسلمین کو ضرر شدید لاحق ہونے کا غالب گمان ہو اور ممبر بننے والے شخص کو یہ امید اور توقع ہو کہ وہ ایسے قانون ساز اداروں کا ممبر بن کر مسلمانوں کے مذہبی اور قومی مفادات کو حاصل کرنے اور نقصان سے بچانے میں کوئی اہم رول ادا کر سکے گا، تو ایسے موقع پر قاعدۂ شرعیہ: **اذا تعارض مفسدتان روعی أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما** (الاشباہ: ۱۴۵) کہ اشد المفسدتین سے بچنے کے لئے اخف المفسدتین کو اختیار کر لیا جاتا ہے، لہٰذا ایسے موقع پر اس کے لئے گنجائش ہے اور ہے تو یہ بھی برا ہی، لیکن دوسرے مفسدہ کی بہ نسبت پھر بھی اخف ہے اور بڑا مفسدہ یہ ہے کہ ہماری قوم دوسروں سے بالکلیہ مغلوب نہ ہو جائے، کیونکہ اگر ہم بھی حاکم ہوں گے اور قانون ساز اداروں کے ممبر ہوں گے تو ہم پر اگر ظلم بند نہیں تو کم ضرور ہوگا۔

الغرض اس قسم کی ممبری اور عہدوں کو اگر مضرت کو دفع کرنے کی غرض سے اختیار کیا جاوے تاکہ امت مسلمہ کو کفار کی جانب سے جو مظالم ومضرتیں پہنچتی ہیں، اہل مناصب بقدر امکان ان کو دفع کریں گے اور اگر بقدر امکان دفع نہ کر سکیں تو تقلیل وتخفیف تو کر سکیں گے، اس وقت ایسے اداروں میں بدرجۂ مجبوری ممبر بننے کی گنجائش ہے، البتہ اگر کوئی شخص ایسے قانون ساز اداروں میں محض حصول نفع (دنیوی مقصد) کی غرض سے ممبری حاصل کرنا چاہے تو اس کے لئے ایسے اداروں کا ممبر بننا درست نہیں (مستفاد از اسلامی حکومت ودستور مملکت حضرت تھانویؒ ص ۲۳۶-۲۳۸)۔

واضح رہے کہ ایسے قانون ساز اداروں میں ممبر بننے کا جواز خصوصی حالات اور مصالح پر مبنی ہے جیسا کہ ماقبل میں ذکر کیا گیا اور ایسے اداروں کا ممبر بننے والے کے لئے حتی الامکان شرعی حدود پر قائم رہنا لازم ہے اور جب کبھی خلاف شرع کوئی قانون بنایا جائے تو اس قانون کے مفاسد اور مضرتیں حسن اسلوب سے عقلی طور پر سیاسی اور عام فہم زبان میں دیگر ارکان کو مثبت انداز میں سمجھا کر اپنے بس کی مخالفت کا اظہار کرے، کیونکہ خلافِ شرع قانون ہمیشہ مفاسد ہی پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کے باوجود اگر اس کی بات نہ مانی جائے تو پھر مجبوری ہے، اس کی ذمہ داری اس پر نہ ہوگی ان شاء اللہ۔

دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا:

۵- دستور سے وفاداری کا حلف یہ ایک قسم کا عہد ہے کہ دستور کے دفعات کی پابندی کی جائے گی اور رکن رہنے کے دوران پوری امانت داری اور باریکی کے ساتھ ذمہ داریوں کی ادائیگی کی جائے گی۔ دقیق معنوں میں وہ شرعی حلف نہیں ہے، جمہوری ممالک میں جہاں نظم وانتظام کا تعلق انتخابات سے ہے، وہاں قانون ساز اداروں کے اراکین کو ملک کے جن دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے، ان میں مخالف شرع قوانین کچھ ہی ہوتے ہیں، ورنہ اکثر قوانین درست، بنیادی مقاصد ومصالح پر مبنی ہوتے ہیں، لہٰذا وہ قوانین جو شریعت کے خلاف ہیں، ان کو "**لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق**" کی وجہ سے مستثنیٰ کر کے خصوصی حالات (مسلمانوں کے حقوق کا ضیاع یا ظلم کے بڑھ جانے کا خطرہ ہو تو رکنیت قبول نہ کرنے کی صورت میں) میں بیشتر درست قوانین کی طرف نظر کرتے ہوئے اس شرط اور نیت سے کہ جہاں تک خدااور رسول اور شریعت کی نافرمانی نہ ہو میں وفاداری کروں گا، اس طرح دستور سے حلف وفاداری اٹھا لینے کی گنجائش ہوسکتی ہے، چنانچہ مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''حلف وفاداری اس شرط اور نیت سے کہ جہاں تک خدا اور رسول اور شریعت کی نافرمانی نہ ہو میں وفاداری کروں گا، اٹھا لینے میں مضائقہ نہیں'' (کفایت المفتی ج۹ / ۳۷۲)۔

بائبل پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھانا:

٦- ہندوستان کی عدالتوں میں مسلمانوں سے قرآن اور ہندوؤں سے شاستر اٹھوایا جاتا ہے، لیکن بعض مغربی ممالک میں عدالت میں ہر شخص اس بات پر مجبور ہوتا ہے کہ تورات یا انجیل پر ہاتھ رکھ کر سچ بولنے کا عہد کرلے، مسلمان چونکہ ان کتابوں کو محرف اور تبدیل شدہ باور کرتے ہیں اور بحالت موجودہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کو افتراء علی اللہ گردانتے ہیں، اس لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ان کتابوں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائیں، کیونکہ یہ ان کتابوں کی تعظیم اور بحالت موجودہ ان کے منجانب اللہ ہونے کی تصدیق کرنے کے مرادف ہوگا، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ دیگر ممبران سے قرآن پر ہاتھ رکھ کر حلف لینے کا مطالبہ کریں، اگر ان کا یہ مطالبہ قبول نہ کیا جائے اور وہ اس پر مجبور ہوں اور انصاف حاصل کرنا اور ظلم سے بچنا اسی پر موقوف ہو تو کراہت خاطر کے ساتھ موجودہ بائبل پر اس کی تعظیم کا ارادہ کئے بغیر اپنا ہاتھ رکھ کر اللہ کی قسم کھانے کی گنجائش ہے، چنانچہ اسی مسئلہ کے متعلق رابطۂ عالم اسلامی کے تحت اسلامی فقہ اکیڈمی کے اجلاس منعقدہ ۸ تا۱٦ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ میں علماء جن نکات پر متفق ہوئے، ان میں سے ایک یہ ہے:

''اگر کسی غیر اسلامی مملکت کی عدالت قسم کھانے والے کے لئے توریت یا انجیل یا دونوں پر ہاتھ رکھنا ضروری قرار دیتی ہو تو مسلمان کو چاہئے کہ وہ عدالت سے قرآن کریم پر ہاتھ رکھنے کا مطالبہ کرے، اگر اس کا مطالبہ نہ مانا جائے تو اسے مجبور سمجھا جائے گا اور دونوں یا کسی ایک پر تعظیم کی نیت کے بغیر ہاتھ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا'' (قرارات مجلس المجمع الفقہی الاسلامی ۱۴۰۲/۸۵)۔

۷- وہ سیکولر پارٹیاں جو مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہوں، لیکن ان کے منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغائر ہوں، تو ایسی پارٹیوں میں شریک ہونے، ان کی حمایت کرنے، ان کی طرف سے انتخاب لڑنے اور ان کی حکومت میں شامل ہونے کا مسئلہ حالات اور مصالح سے متعلق ہے۔ حالات اور مصالح جس کے متقاضی ہوں، اس اعتبار سے ان میں شریک ہونے، ان کی حمایت کرنے، ان کی طرف سے انتخاب لڑنے اور ان کی حکومت میں شامل ہونے کا فیصلہ اس وقت کے مخلص خیر خواہ مسلم قائدین کی صواب دید پر موقوف ہے، چنانچہ اگر کسی ملک میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور مسلمانوں کی اپنی کوئی سیاسی پارٹی بھی نہیں اور اگر ہے بھی تو اس کے کامیاب ہونے کا کوئی امکان نہیں، اس لئے مخلص خیر خواہ مسلم قائدین کی رائے میں اپنے ملی، مذہبی اور معاشی حقوق کے تحفظ اور تحصیل انصاف و دفع ظلم یا تقلیل ظلم کے لئے کسی بھی غیر مسلم پارٹی کی حمایت اور اس میں شرکت ضروری ہو اور سب غیر مسلم پارٹیاں ایسی ہیں جن کے منشور کے بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغائر ہیں یا وہ خود اسلام و مسلمانوں کی دشمن ہیں، تو ایسی صورت میں ان سیکولر پارٹیوں میں شریک ہونے، ان کی طرف سے انتخاب لڑنے اور ان کی حکومت میں شامل ہونے کی گنجائش ہوسکتی ہے جو نسبتاً دوسروں سے بہتر ہوں اور ان کے ساتھ شریک ہونے پر یہ امید اور توقع ہو کہ وہ مسلمانوں کے مذہبی اور قومی مفادات کو حاصل کرنے اور نقصانات سے بچانے میں کوئی اہم رول ادا کرسکیں گی، اور اس وقت اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ بڑے شر اور ضرر سے بچنے کے لئے کمتر درجہ کے شر اور ضرر کو گوارا کیا جائے، چنانچہ فقہاء نے اس طرح کے اصول وقواعد کو مختلف الفاظ اور تعبیرات میں بیان کیا ہے: ''**اذا تعارض مفسد تان روعی أعظمهما ضرراً بارتكاب أخفهما**'' جب دو برائیاں درپیش ہوں تو کمتر برائی کو گوارا کر کے بڑی برائی کو روکا جائے گا (الاشباہ والنظائر لابن نجیم ج ۱/ ۸۹)

مسلم مخالف پارٹی میں شمولیت:

۸- جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور انکے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہو، اور ان کے مقاصد میں اسلام اور مسلمانوں کو مٹانا، ستانا، اور ان کو تباہ کرنا، ان کے مقدس مقامات کو ختم کرنا، کفر وشرک کی کھلم کھلا اعانت کرنا اور اس کو غالب کرنا ہو، تو ان میں مسلمانوں کی شرکت اور حمایت جائز نہیں، کیونکہ ایسی پارٹی میں شریک ہونا یا اس

کے کسی امیدوار کو جتانا پارٹی کو مضبوط اور مستحکم کرنا ہوگا اور بالواسطہ اس کے باطل عزائم اور نظریات کی تائید کرنا ہوگا، جس سے اسلام اور مسلمانوں کا نقصان ہوگا اور یہ شرعاً معصیت کی تائید اور اس پر تعاون ہوگا جو کہ ناجائز وحرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ولا تعاونوا على الإثم والعدوان واتقوا الله إن الله شديد العقاب** (سورۂ مائدہ:۲) (گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے)۔

رہا یہ مسئلہ کہ اگر کسی مسلمان کی یہ نیت ہو کہ وہ مسلم مخالف پارٹی میں شریک ہو کر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا، تو کیا اس کے لئے اس پارٹی میں شامل ہونے کی گنجائش ہوگی؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ دو شرطوں کے ساتھ کسی مسلمان کو مسلم مخالف پارٹی میں شامل ہونے کی گنجائش ہوسکتی ہے:

۱- مسلم مخالف پارٹی میں شریک ہونے والے مسلمان کو قوی توقع ہو کہ وہ اس پارٹی کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش میں کامیاب ہوجائے گا۔

۲- کسی مسلمان کے مسلم مخالف پارٹی میں شامل ہونے سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ ہو۔ (اور یہ ناممکن ہے)۔

لیکن مسلم مخالف پارٹیوں کے مقاصد، عزائم اور رویہ کو دیکھتے ہوئے مذکورہ دونوں شرطوں کا پایا جانا بظاہر متعذر معلوم ہوتا ہے، اس لئے کسی مسلمان کو مسلم مخالف پارٹی میں شامل ہونے کی بحالت موجودہ اجازت نہیں دی جاسکتی۔ ''**دفع الضرر مقدم على جلب المنفعة**'' کے اصول کی روشنی میں۔

مسلم اقلیت کا علیحدہ سیاسی پارٹی قائم کرنا:

۹- اگر اس طرح مسلمانوں کے لئے علیحدہ سیاسی پارٹی قائم کرنا موجودہ حالات میں زیادہ مضر ہو تو دفع المضرۃ اولیٰ من جلب المنفعۃ کے پیش نظر مسلمانوں کے لئے علیحدہ سیاسی پارٹی قائم کرنا درست نہیں، بلکہ کسی سیکولر پارٹی میں جو دوسروں سے نسبتاً بہتر ہو، ضم ہوجانا زیادہ مناسب ہے۔ بالخصوص ہندوستان جیسے ملکوں میں جہاں مسلمان فروعی اختلافات کو بنیاد بنا کر کئی ٹولیوں میں بٹ گئے ہیں، وہاں مسلمانوں کا مسلم سیاسی پارٹی قائم کر کے متحد و متفق ہوجانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

الیکشن میں خواتین کا کردار:

۱۰- الف- ہمارے ملک کے قانون کے تحت عورتوں کو بھی ووٹ دینے کا حق حاصل ہے اور موجودہ دور میں ووٹنگ

میں حصہ لینے کے ساتھ بہت سے ملی و مذہبی مفاد وابستہ ہیں، لہٰذا مردوں کی طرح عورتوں کو بھی اس جمہوری حق سے فائدہ اٹھا کر پردہ اور دیگر امور شرعیہ کا خیال کرتے ہوئے ووٹنگ میں حصہ لینا چاہئے، شرعاً عورتوں کا ووٹنگ میں حصہ لینا ممنوع نہیں ہے، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ فرماتے ہیں: ''عورتوں کا ووٹر بننا ممنوع نہیں ہے، ہاں ووٹ دیتے وقت شرعی پردہ کا لحاظ رکھنا لازم ہوگا'' (کفایت المفتی ۹/۱۷۳)۔

ب- اس پرفتن دور میں حالات کے پیش نظر الیکشن میں عورت کا امیدوار بننا درست نہیں، کیونکہ موجودہ حالات میں انتخابات کے لئے مہم چلانے کے دوران اور جیت جانے کے بعد بھی عورت کے لئے پردہ اور دیگر حدود شرعیہ کا لحاظ رکھنا بہت مشکل نظر آتا ہے، چنانچہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

''اسلامی نقطۂ نظر سے عورت الیکشن میں امیدوار نہیں ہوسکتی، البتہ اگر ہندوستان میں خواتین کے لئے سیٹیں مخصوص کردی جائیں تو یہاں کے خصوصی حالات میں اس کے سوا چارۂ کار نہ ہوگا کہ اگر مسلمان اس قانون کے روکنے پر راضی نہ ہوں تو کمتر درجہ کی برائی سمجھتے ہوئے خواتین کو بھی امیدوار بنائیں'' (نئے مسائل اسلامی نقطۂ نظر صفحہ ۱۲۶)۔

حضرت کفایت اللہ صاحب دہلویؒ لکھتے ہیں: ''بطور امیدوار کھڑا ہونا عورتوں کے لئے مستحسن نہیں، کیونکہ اس میں ضروریات شرعیہ کے ساتھ کونسل یا اسمبلی کی شرکت متعذر ہے'' (کفایت المفتی ج ۹/۱۷۳) تاہم اگر کوئی عورت غیر شرعی امور کا ارتکاب کئے بغیر الیکشن لڑے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے، لیکن عصر حاضر میں یہ متعذر ہے، لہٰذا ضرورت شدیدہ کے بغیر جائز نہیں۔

ج- عام حالات میں عورتوں کے لئے قانون ساز اداروں کا ممبر بننا درست نہیں، کیونکہ عورتوں کے لئے ممبر بننے کے بعد پردہ اور دیگر امور شرعیہ کا لحاظ مشکل ہے، ہاں خصوصی حالات اس سے مستثنیٰ ہیں۔ حاصل یہ کہ عورتوں کو عام حالات میں ایسے اداروں کی رکنیت اختیار کرنے سے احتراز کرنا چاہئے، جن میں امور شرعیہ کی رعایت کرنا مشکل ہے۔

الیکشن سے متعلق شرعی مسائل

مولانا عبداللطیف پالنپوری☆

(ج:۱و۲) شرعی نقطۂ نظر سے ووٹ کی حیثیت شہادت اور گواہی کی ہے اور جس طرح جھوٹی گواہی دینا حرام اور نا جائز ہے، اسی طرح ضرورت کے موقع پر شہادت کو چھپانا بھی حرام ہے۔قرآن کریم میں باری تعالیٰ کا فرمان ہے:"**ولا تکتموا الشهادة ومن یکتمها فانه آثم قلبه الآیة**" لہٰذا جس حلقہ انتخاب میں صحیح نظریہ کا حامل، قابلیت رکھنے والا ، دیانتدار نمائندہ کھڑا ہوتو اس کو ووٹ دینا چاہئے اور ایسے موقع پر ووٹ دینے سے غفلت برتنا درست نہیں ہے اور جس نمائندہ کے بارے میں ضمیر و دیانت کا فیصلہ یہ ہو کہ یہ صحیح نظریہ کا حامل نہیں ہے یا قابلیت اور دیانتداری نہیں ہے یا کوئی دوسرا شخص اس کے مقابلہ میں زیادہ اہلیت رکھتا ہے، پھر بھی محض ذاتی تعلقات کی بنا پر اسے ووٹ دینا جھوٹی گواہی کے ذیل میں آتا ہے اور روپے پیسے لے کر کسی نا اہل کو ووٹ دینے میں جھوٹی گواہی کے علاوہ رشوت کا عظیم گناہ بھی ہے(جواہر الفقہ ۲/۲۹۵، فقہی مقالات ۲/۲۹۱)۔

(ج:۳) عام اسلامی حکم یہی ہے کہ از خود کسی عہدہ یا منصب کو اپنے لئے طلب کرنا جائز نہیں ہے، اور ایسا شخص مطلوبہ منصب کا اہل نہیں ہوتا، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:"**لاتسأل الإمارة فإن أعطيتها عن مسئلة وكلت إليها وإن أعطيتها عن غير مسئلة اعنت عليها**" (بخاری شریف، ج:۲،ص:۱۰۵۸،طبع قدیم)۔

لیکن بعض استثنائی صورتوں میں جہاں یہ بات واضح ہو کہ اگر کوئی شخص جو اہل ہے خود اس منصب کو طلب نہیں کرے گا تو اہل اور ظالم لوگ اس پر قبضہ کر کے لوگوں پر ظلم کریں گے، تو ایسے وقت میں عہدے کو طلب کرنے کی شرعاً اجازت ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا "**اجعلنی علی خزائن الارض**" فرمانا اسی صورت پر محمول ہے۔............اس شرعی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے موجودہ انتخابات میں امیدواری کا حکم معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اگر امیدوار کا منشا صرف طلب اقتدار ہو، یا دوسرے اہل لوگ موجود ہوں تو ایسے انتخابات میں امیدوار بننا جائز نہیں ہے، لیکن اگر موجودہ غلط نظام کو بدلنے کا کوئی راستہ نہ ہو تو صالح اور اہل افراد اگر طلب اقتدار کے جذبے کے بجائے اصلاح حال کی غرض سے امیدوار بنیں تو اس کی گنجائش ہے،

☆ جامعہ نذیریہ کاکوسی، گجرات۔

بشرطیکہ مفاسد، سب وشتم، غیبت اور دوسرے محرمات ومنکرات سے مکمل پرہیز کا پورا اہتمام ہو(فتاویٰ عثمانی، ج:۳،ص:۵۰۷)۔

(ج:۴) جمہوری ملک یا اسلامی ممالک کے قانون ساز اداروں کا اس نیت سے ممبر بننا جائز ہے کہ مخالف شریعت قوانین کے خلاف آواز اٹھائیں گے اور ان کو رد کروانے کی کوشش کریں گے، تاکہ مسلمانوں کے مذہبی حقوق محفوظ رہیں اور اگر کوئی پارٹی اپنے ممبروں کے لئے وہیپ جاری کردے تو اپنے ضمیر کی آواز پر ووٹ دینا چاہیے، پارٹی کی پالیسی جو شریعت کے خلاف ہے اس کے مطابق ووٹ نہیں دینا چاہئے۔

(ج:۵) جو شخص قانون ساز ادارے کا رکن منتخب ہو وہ حلف اٹھاتے وقت خلاف شریعت دفعات کا اپنے حلف میں استثناء کردے۔

(ج:۶) مسلمان چونکہ بائبل، توراۃ وغیرہ کتابوں کو محرف اور تبدیل شدہ باور کرتے ہیں اور بحالت موجودہ اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی نسبت کو افتراء علی اللہ گردانتے ہیں، اس لئے یہ جائز نہیں ہے کہ ان کتابوں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائیں، البتہ اگر اس پر مجبور ہوں اور انصاف حاصل کرنا اور ظلم سے بچنا اسی پر موقوف ہو تو کراہت خاطر کے ساتھ ہاتھ رکھا جاسکتا ہے (جدید فقہی مسائل، ج:۱،ص:۴۶۹)۔

(ج:۷) جمہوری ملک میں ووٹ اسلام اور کفر کی بنیاد پر نہیں دیئے جاتے اور نہ ہی اس بنیاد پر الیکشن لڑے جاتے ہیں، لہٰذا جس سیکولر پارٹی کے متعلق یہ توقع ہو کہ وہ صحیح خدمت کرے گی، نفع پہنچائے گی، حقوق دلوائے گی، ظلم کو روکے گی، مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ کرے گی، ایسی پارٹی میں شریک ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونا جائز ہے۔ ساتھ ہی اسلام مخالف دفعات کو ختم کرنے کی سعی جاری رکھنا چاہئے (فتاویٰ محمودیہ)۔

(ج:۸) جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہے، کسی مسلمان کے لئے اس پارٹی میں شامل ہونا جائز نہیں ہے اور اس نیت سے شریک ہونا کہ ایجنڈا بدلنے کی سعی کرے گا بظاہر بے سود ہے۔

(ج:۹) وقت کے حالات اور تقاضوں کے پیش نظر جو صورت مسلمانوں کے حق میں مفید ہو وہ اپنانی چاہئے۔

(ج:۱۰) قرآن کریم وحدیث میں عورتوں کے لئے پردے کا حکم فرض درجہ کا ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی ذمہ داری امور خانہ داری اور بچوں کی تربیت کی رکھی ہے، جبکہ الیکشن امیدواری اور قانون ساز اداروں کی ممبری کے ساتھ نہ پردے کا اہتمام ہوسکتا ہے، نہ امور خانہ داری کی انجام دہی پورے طور پر ہوسکتی ہے، ایسی صورت میں عورتوں کے لئے الیکشن میں امیدواری اور قانون ساز اداروں کی ممبری کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟ نیز جبکہ حدیث شریف میں بھی اس کی طرف اشارہ

ہے:" **لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة** (بخاری شریف، ج: ۲، ص: ۶۳۷، طبع قدیم) اورترمذی شریف کی روایت میں ہے: "**وإذا كانت أمراءكم شراركم وأغنياءكم بخلاءكم وأموركم إلى نسائكم فبطن الأرض خير لكم من ظهرها**" (ترمذی شریف ۲/۵۲)۔

حضرت مولانا تقی عثمانی دامت برکاتہم کا ایک فتویٰ ہے: "مرد امیدواروں کی موجودگی میں جو بہترین نمائندگی کر سکتے ہوں، عورت کو سردار تسلیم کرنا اور اسے ووٹ دینا شرعاً جائز نہیں ہے (فتاوی عثمانی، ج: ۳، ص: ۵۱۳)۔

البتہ مفتی سعید احمد پالنپوری دامت برکاتہم تحفۃ الالمعی میں تحریر فرماتے ہیں: "رہی استیلاء وتغلب کی صورت تو اس میں بالاجماع عورت کی امارت درست ہے، اس کے احکام نافذ اور واجب الاطاعت ہوں گے اور الیکشن پارٹی، ووٹ اور اکثریت تغلب ہی کی صورت ہے، کیونکہ جمہوریت میں سر گنے جاتے ہیں، بھیجا نہیں دیکھا جاتا (تحفۃ الالمعی، ج: ۵، ص: ۶۳۹)۔

ہاں! پردے کے اہتمام کے ساتھ عورتیں ووٹ دے سکتی ہیں۔

الیکشن سے متعلق شرعی مسائل- ہندوستان کے تناظر میں

مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی☆

ہندوستان جیسے ملک میں اسلامی حکومت کا قیام فی الوقت ممکن نہیں ہے اور دنیا کے قوانین کچھ ایسے ہیں کہ مسلم ممالک کی طرف ہجرت بھی نہیں کی جاسکتی، پھر جب رہنا یہیں ہے تو الیکشن سے مکمل کنارہ کشی اختیار کرنے سے اسلام پر مکمل طور پر دشمنوں کے حاوی ہوجانے کا خطرہ ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ الیکشن سے مسلمانوں کے وسیع تر دینی و ملی مفاد متعلق ہیں۔ اگر وہ جمہوری نظام سے بے تعلق ہوجائیں تو اس سے ان کو غیر معمولی نقصان پہنچ سکتا ہے اور ان کے مفاد پر کاری ضرب لگ سکتی ہے جس کے بعد مسلمانوں کے لیے اپنے تعلیمی اور تبلیغی مساعی کا جاری رکھنا بہت ہی مشکل ہوجائے گا، اس لیے ضرورت ہے کہ مسلمان اپنے میدان تعلیم، تجارت، صنعت اور فلاحی کاموں میں امتیاز اور تفوق پیدا کریں اور معاشرے میں ایسا لازمی عنصر بن جائیں جس کی ہر جگہ ضرورت پڑے، خاص قسم کے حالات میں اگر مفاد عامہ وابستہ ہوں تو غیر شرعی نظاموں میں شرکت کی گنجائش ہے، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر سے مطالبہ کیا تھا کہ انہیں وزیر خزانہ بنا دیا جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **اجعلنی علی خزائن الارض** (یوسف:۵۵)۔

اور ظاہر ہے کہ اس وقت مصر قوانین الٰہیہ کے تابع حکومت نہیں تھی، اس کے باوجود حضرت یوسف علیہ السلام کی اس نظام میں شرکت پر قرآن شاہد ہے، اس لیے الیکشن میں شریک ہونے کی اجازت اس شرط کے ساتھ ہے کہ کسی ناجائز چیز کا ارتکاب نہ ہو ورنہ جس گناہ کے کام کا ارتکاب وہ کرے گا اس کا گناہ اس پر ہوگا، اسی طرح الیکشن میں شرکت اتنی ہی ہو جتنی شرعاً ضروری ہے۔

موضوع سے متعلق سوالات کے جوابات ملاحظہ ہوں:

سوال: ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: کسی امیدوار ممبر کو ووٹ دینے کی قرآن و حدیث کی رو سے چند حیثیتیں ہیں:

☆ رفیق دار عرفات، رائے بریلی۔

ووٹ کی پہلی شرعی حیثیت شہادت اور گواہی کی ہے کہ ووٹر جس شخص کو اپنا ووٹ دے رہا ہے اس کے متعلق اس کی شہادت دے رہا ہے اور اس کے بارے میں گواہی دے رہا ہے کہ میں اس کو قوم وملک کے لیے مفید اور خیر خواہ سمجھتا ہوں اور یہ شخص اس کی قابلیت بھی رکھتا ہے اور دیانت وامانت بھی اور اگر واقعی اس شخص کے اندر یہ صفات نہیں ہیں اور ووٹر یہ جانتے ہوئے اس کو ووٹ دیتا ہے کو وہ جھوٹی شہادت دیتا ہے جو کبیرہ گناہ ہے اور دنیا وآخرت میں وبال کا ذریعہ ہے۔

آپ ﷺ نے جھوٹی شہادت کو 'اکبر الکبائر' فرمایا ہے: **من أكبر الكبائر شهادة الزور** (بخاری: ۱۷۶۸)۔

جس حلقہ سے چند امیدوار کھڑے ہوں اور ووٹر کو یہ معلوم ہے کہ قابلیت اور دیانت کے اعتبار سے فلاں آدمی قابل ترجیح ہے تو اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو ووٹ دینا 'اکبر الکبائر' میں اپنے آپ کو مبتلا کرنا ہے۔ ووٹ دینے والا اپنی آخرت اور انجام کو دیکھ کر ووٹ دے، محض رسمی روایات یا کسی طمع وخوف کی وجہ سے اپنے آپ کو اس وبال میں مبتلا نہ کرے۔

ووٹ کی دوسری شرعی حیثیت شفاعت یعنی سفارش کی ہے کہ وہ اپنے اس امیدوار کے لیے ایک اہم عہدہ کی نمائندگی اور ذمہ داری کی سفارش کرتا ہے، اس سفارش کے بارے میں قرآن کریم کا یہ ارشاد ہر ووٹر کو اپنے سامنے رکھنا چاہیے:

من يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها ومن يشفع شفاعة سيئة يكن له كفل منها (النساء: ۸۵) یعنی جو شخص اچھی سفارش کرتا ہے اس میں اس کو بھی حصہ ملتا ہے اور جو شخص بری سفارش کرتا ہے تو اس کی برائی میں اس کا بھی حصہ لگتا ہے۔

اچھی سفارش یہ ہے کہ قابل اور دیانت دار آدمی کی سفارش کرے جو خلق خدا کے حقوق صحیح طور پر ادا کرے اور بری سفارش یہ ہے کہ نااہل، نالائق، فاسق، ظالم کی سفارش کر کے اس کو خلق خدا پر مسلط کرے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہمارے ووٹوں سے کامیاب ہونے والا امیدوار اپنے پانچ سالہ دور میں جو بھی اچھا یا برا کام کرے گا ہم بھی اس میں شریک سمجھے جائیں گے۔

ووٹ کی تیسری حیثیت وکالت کی ہے کہ ووٹ دینے والا اس امیدوار کو اپنا نمائندہ اور وکیل نامزد کرتا ہے، اس طور پر کہ وہ سیاسی مسائل میں نمائندگی اور وکالت کرے گا، لیکن اگر یہ وکالت اس کے کسی شخصی حق کے متعلق ہوتی ہے اور اس کا نفع ونقصان صرف اس کی ذات کو پہنچتا ہے تو اس کا یہ خود ذمہ دار ہوگا مگر یہاں ایسا نہیں، کیونکہ یہ وکالت ایسے حقوق سے متعلق ہے جس میں اس کے ساتھ پوری قوم شریک ہے، اس لیے اگر کسی نااہل کو اپنا ووٹ دے کر کامیاب بنایا تو پوری قوم کے حقوق کو پامال کرنے کا گناہ بھی اس کی گردن پر رہا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارا ووٹ تین حیثیتیں رکھتا ہے، ایک شہادت دوسرے سفارش تیسرے وکالت، تینوں حیثیتوں

میں جس طرح نیک، صالح اور قابل آدمی کو ووٹ دینا موجب ثواب ہے، اسی طرح نااہل یا غیر متدین شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری سفارش اور ناجائز وکالت بھی اور اس کے تباہ کن اثرات بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے۔

جس طرح قرآن وسنت کی رو سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نااہل، ظالم، فاسق اور غلط آدمی کو ووٹ دینا گناہ عظیم ہے، اسی طرح ایک اچھے نیک اور قابل آدمی کو ووٹ دینا ثواب عظیم ہے بلکہ ایک شرعی فریضہ ہے۔ قرآن کریم نے جیسے جھوٹی شہادت کو حرام قرار دیا ہے اسی طرح سچی شہادت کو واجب ولازم بھی فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

کونوا قوامین بالقسط شهداء لله (نساء:۱۳۵) (اللہ کے لیے ادائیگی شہادت کے واسطے کھڑے ہوجائیں)۔

اس آیت میں مسلمانوں پر فرض کیا ہے کہ سچی شہادت سے جان نہ چرائیں۔

تیسری جگہ سورہ طلاق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

واقیموا الشهادة لله (طلاق:۲) (یعنی اللہ کے لیے سچی شہادت کو قائم کرو)۔

ایک آیت میں سچی شہادت کا چھپانا حرام اور گناہ قرار دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ولاتکتموا الشهادة و من یکتمها فانه اثم قلبه (بقرہ:۲۸۳) (یعنی شہادت کو نہ چھپاؤ اور جو چھپائے گا اس کا دل گنہگار رہے)۔

ان تمام آیتوں نے مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد کر دیا ہے کہ سچی گواہی سے جان نہ چرائیں، سچی گواہیاں ضرور دیں۔

سوال: اگر ووٹ شہادت کے درجہ میں ہے تو اس کا حکم شرعی کیا ہوگا، ووٹ دینا صرف جائز ہوگا یا مستحب یا واجب؟

جواب: انتخابات میں ووٹ کی شرعی حیثیت کم از کم شہادت کی ہے جس کا چھپانا اور اس میں جھوٹ بولنا، اس پر کوئی معاوضہ لینا یہ سب حرام ہیں، اس کو محض ایک سیاسی ہار جیت اور دنیا کا کھیل سمجھنا بڑی بھاری غلطی ہے، آپ جس امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں شرعاً آپ اس کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ شخص اپنے نظریے اور دیانت داری کی رو سے اس کام کا اہل اور دوسرے امیدواروں سے بہتر ہے جس کام کے لیے یہ انتخابات ہورہے ہیں، اس حقیقت کو سامنے رکھیں تو اس سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

۱- ووٹ بلاشبہ ایک شہادت ہے، قرآن وسنت کے تمام احکام اس پر بھی جاری ہوتے ہیں، لہٰذا ووٹ کو محفوظ رکھنا دینداری کا تقاضا نہیں، اس کا زیادہ سے زیادہ صحیح استعمال کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

۲- آپ کے ووٹ اور شہادت کے ذریعہ جو نمائندہ کسی اسمبلی میں پہنچے گا اور وہ اس سلسلہ میں جتنے اچھے یا برے اقدامات کرے گا ان کی ذمہ داری آپ ہی پر عائد ہوگی، آپ بھی اس کے ثواب یا عذاب میں شریک ہوں گے۔

۳- سچی شہادت کا چھپانا از روئے قرآن حرام ہے، اس لیے آپ کے حلقہ انتخاب میں اگر کوئی صحیح نظریہ کا حامل اور دیانت دار نمائندہ کھڑا ہے تو اس کو ووٹ دینے میں کوتاہی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

۴- جو امیدوار نظام اسلامی کے خلاف کوئی نظریہ رکھتا ہے تو اس کو ووٹ دینا ایک جھوٹی شہادت ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔

۵- ووٹ کو پیسوں کے معاوضہ میں دینا بدترین قسم کی رشوت ہے اور چند ٹکٹوں کی خاطر اسلام اور ملک سے بغاوت ہے، دوسروں کی دنیا سنوارنے کے لیے اپنا دین قربان کر دینا کتنے ہی مال و دولت کے بدلہ میں کوئی دانشمندی نہیں ہوسکتی۔

سوال: الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنا اس شرط کے ساتھ درست ہے کہ کسی ناجائز چیز کا ارتکاب نہ ہو، ورنہ جس گناہ کا ارتکاب وہ کرے گا اس کا گناہ اس پر ہوگا، اسی طرح الیکشن میں شرکت اتنی ہی ہو جتنی شرعاً ضروری ہے۔ امیدوار وہی ہوسکتا ہے جس کو اپنے بارے میں مکمل اعتماد ہو کہ وہ 'حفیظ علیم' ہے یعنی امانت دار اور اپنی ذمہ داری سے واقف ہو، اور اس کی ادائیگی کی مکمل صلاحیت رکھتا ہو۔ انتخابی مہم چلاتے وقت اس کا خاص خیال رکھا جائے کہ کوئی بھی خلاف واقعہ بات نہ کی جائے، نہ بے جا الزامات لگائے جائیں اور نہ ہی اپنی جھوٹی تعریف کی جائے، اس طرح کی مہم میں شرکت انشاء اللہ نہ صرف جائز بلکہ مستحسن اور بعض اوقات اس سے بھی بڑھ کر ہوگی۔

سوال: غیر مسلم ملکوں میں اور بہت سے مسلم ملکوں میں بھی قانون ساز ادارے مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں، ایسی صورت میں ان اداروں کا ممبر بننا درست ہوگا یا نہیں، خاص کر ان حالات میں کہ ہندوستان کے موجودہ قانون کے مطابق اگر کوئی پارٹی اپنے ممبر کے لیے وہپ جاری کردے تو وہ پارٹی کی پالیسی کے مطابق ووٹ دینے کا پابند ہوجاتا ہے اور اپنے ضمیر کی آواز پر ووٹ دینے کا اختیار نہیں رکھتا؟

جواب: مسلم ممالک اور غیر مسلم ممالک میں قانون ساز ادارے جو مخالف شریعت قوانین بناتے ہیں ان اداروں کا ممبر بننا درست نہیں ہوگا، اس لیے کہ ہندوستان کے قانون کے مطابق جب پارٹی اپنے ممبر کے لیے وہیپ جاری کردیتی ہے تو وہ پارٹی کی پالیسی کے مطابق ووٹ دینے کا پابند ہوگا، اب اسے اپنے آپ پر اختیار نہیں کہ وہ اپنی ضمیر کی آواز پر ووٹ دے، لیکن اگر وہ ایسے موقع پر جو پارٹی نے وہپ جاری کی ہے اس پارٹی کی وہیپ کو نہ مانے اور پارٹی کو بدل دے تو اس کے لیے اس پارٹی کا ممبر بننا درست ہوگا، اس لیے کہ جب وہ اس پارٹی سے الگ ہوگیا تو وہ اپنے ووٹ پر اختیار رکھتا ہے، اور پارٹی کے جاری کردہ وہیپ سے ہٹ کر اپنا ووٹ استعمال کرسکتا ہے، اگر اس طرح وہ کرتا ہے تو اس کے لیے اس پارٹی کا ممبر بننا

درست ہوجائے گا اور اب اسے پارٹی کے جاری کردہ وہیپ کے خلاف ووٹ دینے کا اختیار ہے، لیکن اگر وہ پارٹی کے جاری کردہ وہپ پر قائم رہتا ہے تو اس کے لیے پارٹی کا ممبر بننا درست نہیں ہوگا۔

سوال: جو لوگ قانون ساز اداروں کے رکن منتخب ہوں، انہیں دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے اور دستور میں بہت سی دفعات خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں تو یہ عمل کہاں تک درست ہوگا؟

جواب: جس ادارے کا قانون شریعت کے خلاف ہو اس ادارے کا رکن بننا درست نہیں ہے، جن اراکین کو دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے، اگر اس دستور کی دفعات شریعت کے مطابق ہے تو اس کا حلف لینا درست ہے اور اگر اس دستور کی دفعات شریعت کے خلاف ہے تو اس پر عمل درست نہیں ہوگا اور اگر وہ خلاف شریعت دستور کی دفعات پر عمل کرتے ہوئے اس پر حلف اٹھاتا ہے تو یہ حلف اٹھانا اس کے حق میں صحیح نہیں ہوگا، اور اگر وہ شریعت کے خلاف حلف اٹھا لیتا ہے تو وہ شریعت سے بغاوت کرنے والا سمجھا جائے گا اور شریعت سے بغاوت کرنا اپنے آپ کو نقصان میں ڈالنا ہے۔

سوال: بعض عیسائی ملکوں میں ہر ممبر کو بائبل پر حلف لینا پڑتا ہے، خواہ وہ کسی مذہب کا ہو، تو کیا مسلم ارکان کے لیے یہ عمل درست ہوگا؟

جواب: انجیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے، مسلمانوں کے دلوں میں اس کی عظمت اسی طرح ہے جس طرح قرآن مجید کی ہے، لیکن یہ عظمت اس وقت ہے جبکہ وہ اپنی اصل نازل کردہ شکل میں موجود ہو جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی اور اگر اس طرح نہیں تو عام کتابوں کی طرح یہ بھی ایک کتاب سمجھی جائے گی، اس لیے مسلمان ارکان کے لیے بائبل پر حلف لینا اسی وقت صحیح ہوگا جبکہ وہ محرف نہ ہو (یعنی اس میں کسی طرح کی کوئی کمی بیشی نہیں کی گئی ہو) تب تو اس پر حلف لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر وہ بائبل محرف ہے (تبدیل کردہ ہے) تو پھر اس بائبل پر حلف لینا جائز نہیں ہوگا۔ آج کل جو بائبل چل رہی ہے وہ محرف ہے اس لیے موجودہ بائبل پر ہاتھ رکھ کر حلف لینا صحیح نہیں ہونا چاہیے۔

سوال: بعض سیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفاد کے تحفظ کے لیے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں، لیکن ان کی منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفاد کے مغائر ہوتی ہے، کیا ایسی پارٹیوں میں شریک ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونا جائز ہوگا؟

جواب: جن پارٹیوں کی منشور اسلام یا مسلم مخالف ہوں وہ چاہے کتنی ہی مسلمانوں کے مفاد کے لیے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہوں، ایسی پارٹیوں میں شریک ہونا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ جب وہ اسلام اور مسلمان کے کھلے طور پر دشمن ہیں تو وہ مسلمانوں کا تحفظ کیسے کرے گی اور اس طرح کی پارٹی سے جب یہ ممکن نہیں تو ایسی پارٹی میں شریک ہونا اور ان کی طرف

سے انتخاب لڑنا یا کسی کو لڑوانا اور ان کی حکومت میں شامل ہونا جائز نہیں ہوگا۔

سوال: جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمان کی مخالفت شامل ہو، کیا کسی مسلمان کے لیے اس پارٹی میں شریک ہونا جائز ہوگا؟ نیز اگر کسی کی نیت ہو کہ وہ پارٹی میں شریک ہو کر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا، تو کیا اس کے لیے اس پارٹی میں شامل ہونے کی گنجائش ہوگی؟

جواب: سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلمانوں کی دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمان کی مخالفت شامل ہے، ایسی پارٹی میں مسلمان کا شریک ہونا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ جب مسلمان اس پارٹی میں شامل ہوگا تو وہ ان کے منشور میں بھی داخل ہوگا اور ان کے منشور میں داخل ہونا یہ ایک طرح سے ان کے منشور میں شامل چیزوں کا تعاون کرنا ہے اور ہر وہ چیز جو انسان کو معصیت کی طرف لے جائے اس کے تعاون کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں ہے۔

معصیت میں تعاون کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان (المائدہ:۲) (گناہ اور معصیت کے کاموں میں تعاون نہ کرو)۔

البتہ اگر کوئی اس نیت سے ایسی پارٹی میں شامل ہوتا ہے کہ وہ اس کے منشور کو بدل دے گا تو اس کے لیے اس پارٹی میں شامل ہونے کی اجازت ہونی چاہیے، لیکن یہ شرکت اس وقت ہے جبکہ وہ منشور میں داخل چیزوں پر عمل نہ کرتے ہوئے اس پارٹی کے منشور کو بدل دے، لیکن اگر وہ اس منشور کو بدل نہیں سکتا تو پھر اس کے لیے شرکت جائز نہیں ہوگی۔

سوال: ایک ایسا ملک جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، مسلمانوں کے لیے علاحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا جائز ہوگا؟ جبکہ اسے سیکولر ایجنڈے کے تحت ہی کام کرنا پڑتا ہے، نیز ایک احساس یہ بھی ہے کہ جہاں مسلمانوں کی آبادی مرتکز نہیں ہوتی وہاں خصوصاً اور دوسرے علاقوں میں عموماً مسلم سیاسی جماعت کا قیام مسلمان مخالف ووٹ کو متحد کر دیتا ہے اور اس سے فرقہ پرست تنظیمیں فائدہ اٹھا لیتی ہیں؟

جواب: جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں اور وہاں مسلمانوں کو اسلام کے مطابق کوئی کام کرنے کو نہ ملتا ہو، بلکہ سیکولر ایجنڈے کے تحت ہی کام کرنا پڑتا ہو تو ایسے ملک میں مسلمانوں کو علاحدہ سیاسی جماعت بنانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، اس لیے کہ جب مسلمان اپنے نبی پاک ﷺ کے لائے ہوئے احکامات کے مطابق عمل نہیں کر سکتے تو الگ سے سیاسی جماعت بنانے سے کیا فائدہ؟

ایسے ملک یا ایسے علاقے میں اگر مسلم سیاسی جماعت بنالی گئی ہو تو اس سے مسلمانوں کو فائدہ کے بجائے نقصان ہوگا اور اس کا نقصان اس شکل میں ظاہر ہوگا کہ مسلمانوں کے ووٹ آپس میں منتشر ہو جائیں گے، اس لیے کہ مسلمانوں کی

تعداد کم ہے اور امیدوار کئی ہوں گے اور جب ایسا ہوگا تو لازماً دوسری تنظیمیں اس موقع سے فائدہ اٹھائیں گی، اس لیے جس ملک میں مسلمان اقلیت میں ہوں اور انہیں سیکولر ایجنڈے کے تحت ہی کام کرنا پڑتا ہو تو وہاں مسلمانوں کو الگ سے سیاسی جماعت نہیں بنانا چاہیے، اس لیے کہ ایسا کرنے سے دوسری تنظیموں کو فائدہ ہوگا۔ اپنوں کو نقصان پہنچا کر دوسروں کو فائدہ پہنچانا ہماری سمجھ سے عقلمندی کی بات نہیں۔

سوال: ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ الیکشن میں خواتین کا کیا کردار ہونا چاہیے، کیا انہیں ووٹ میں حصہ لینا چاہیے، کیا ان کے لیے الیکشن میں امیدوار بننا جائز ہے، کیا وہ قانون ساز اداروں کی ممبر بن سکتی ہیں......؟

جواب: امور سلطنت، ملکی نظم ونسق اور قیادت کا منصب مردوں کو عطا کیا گیا ہے اور یہ انہیں کو زیب دیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مرد کو عورت کا حاکم بنایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما أنفقوا**" (سورۃ النساء: ۳۴) (مرد عورتوں پر نگراں اور حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ نے مرد کو عورتوں پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ وہ نفقہ ادا کرتے ہیں)۔

ظاہر ہے کہ عظیم ذمہ داری مردوں کو ان کی عقل، فہم اور قوت فیصلہ، نیز ان کی جاں فشانہ محنت کی وجہ سے دی گئی ہے اور عورتیں اس صفات سے عموماً عاری ہوتی ہیں، اس لیے وہ ملک کا نظم ونسق بہتر طریقے سے نہیں کر سکتی ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "**لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة**" (بخاری کتاب المغازی: ۴۴۲۵) (جس قوم کی قیادت عورت کے ہاتھ میں ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی)۔

فقہاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورت امیر یا خلیفہ نہیں بن سکتی، عورت کے لیے یہ منصب سنبھالنا درست نہیں ہے بلکہ اس منصب کے لیے مرد کا ہونا ضروری ہے۔

مذکورہ دلائل اور فقہاء کے اصول کی روشنی میں یہی حکم ممبر یا وزیر یا کسی بھی سیاسی نمائندہ بننے کے متعلق بھی ہوگا، یعنی عورت کے لیے سیاست میں حصہ لینا، لیڈری کرنا، انتخابات لڑنا درست نہیں ہے، کیونکہ ان تمام چیزوں میں غیر مردوں کے ساتھ میل جول ضروری ہے، جبکہ شریعت نے مرد وعورت کے ملاپ سے صاف منع کیا ہے۔

عورت کو ووٹ ڈالنے کے سلسلہ میں معاصر فقہاء کی دونوں رائیں ہیں:

بعض حضرات عورت کو ووٹ ڈالنے کی اجازت دیتے ہیں، اس لیے کہ یہ عام انسانی حقوق میں ہے اور انسانی حقوق کا تقاضہ یہ ہے کہ اس سے کسی عورت کو محروم نہ رکھا جائے، عورت کو ووٹ ڈالنے سے محروم رکھنا درست نہیں ہوگا۔

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی لکھتے ہیں کہ ووٹ ڈالنے میں مرد وعورت کا میل جول ضروری ہے جبکہ شریعت نے اختلاط سے

منع کیا ہے، اس لیے بہتر ہے کہ عورت کے لیے ووٹ کے مراکز الگ سے قائم کیے جائیں، مراکز الگ قائم ہونے کی صورت میں عورت ووٹ دینے جاسکتی ہے (المرأۃ بین الفقہ والقانون: ۱۵۵)۔

جبکہ بعض دیگر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ انتخاب میں گواہی اور وکالت کے ساتھ مذکورہ منصب کے لیے مناسب فرد کا چننا ہوتا ہے اور یہ کام عورت سے نہیں ہوسکتا، لہٰذا عورت کے لیے ووٹ ڈالنا درست نہیں ہوگا (ولایۃ المرأۃ: ۴۵۷)۔

البتہ ایک بات قابل غور یہ ہے کہ جہاں عورتیں الیکشن میں امیدوار کی حیثیت سے حصہ لیتی ہیں وہاں عموماً سارے کام مرد انجام دیتا ہے، عورت صرف نام کی امیدوار ہوتی ہے، جیسا کہ آج کل پردھانی اور دوسرے الیکشن میں ہوتا ہے، ایسی جگہوں پر عورت کا الیکشن میں حصہ لینا صحیح ہونا چاہیے۔

البتہ اس کا خاص خیال رکھا جائے کہ اگر عورت کو پردھانی کے کام سے متعلق بینک یا تحصیل یا تھانہ وغیرہ جانا پڑ جائے تو مکمل پردہ میں جائے اور افسران وغیرہ سے پست آواز میں بات کرے، اس لیے کہ جس طرح عورت کا پورے بدن کا پردہ کرنا ضروری ہے اسی طرح آواز کا پردہ کرنا بھی ضروری ہے۔

عورتوں کا شرعی حجاب یہ ہے کہ عورتیں سر سے پاؤں تک مکمل بدن کو کپڑوں کے ذریعہ چھپائے رکھیں، قرآن مجید میں وارد حجاب سے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وإذا سألتموهن متاعا فاسألوهن من وراء حجاب** (احزاب: ۵۳) (اور جب بیویوں سے مانگنے جاؤ تو مانگ لو پردے کے باہر سے)۔

اس لیے گھروں میں عورتیں اس طرح رہیں کہ باہر سے عورتوں کا وجود غیر مردوں کی نظر سے چھپی ہوئی ہو۔

دوسری جگہ وارد ہے کہ ضرورت کے وقت جب عورتوں کو گھر سے باہر جانا پڑے تو اس وقت کسی برقع یا لمبی چادر کو سر سے پیر تک اوڑھ کر نکلیں جس میں بدن کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو، البتہ ہاتھ پیر کی ہتھیلی اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

يدنين عليهن من جلابيبهن ذلك أدنى أن يعرفن فلا يؤذين (الاحزاب: ۵۹) یعنی اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں، اس سے آزاد مسلمان عورتوں اور غیر مسلم عورتوں میں امتیاز برقرار رہے گا۔

عورت کی آواز اور چہرہ کا پردہ:

قرآن مجید میں عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایسے زیور پہن کر نہ نکلیں جس میں آواز ہو، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **ولا يضربن بأرجلهن**۔ یعنی عورتوں کو حکم ہے کہ وہ اپنے پیروں کو اس طرح زمین پر نہ ماریں کہ اس سے زیور وغیرہ کی آواز نکلے اور غیر محرموں تک پہنچے۔

الغرض اس آیت سے یہ بھی مفہوم نکلتا ہے کہ جب زیور کی آواز کے پوشیدہ رکھنے کا ایسا اہتمام ہے تو خود صاحب زیور (یعنی عورت) کی آواز جو کہ اکثر فتنہ اور میلان کا سبب ہو جاتی ہے اس کا اخفاء کیوں قابل اہتمام نہ ہوگا (بیان القرآن ۸/۱۷)۔

اس لیے کہ عورت کی آواز میں اس طرح کی کشش ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے لوگ فتنہ کا شکار ہوں گے، لہٰذا اسلام نے اس طرح کے دروازہ کو بند کر رکھا ہے جس سے فتنہ پھیلنے کا اندیشہ ہو۔

☆☆☆

الیکشن سے مربوط شرعی مسائل

مفتی اکمل یزدانی القاسمی☆

ووٹ کی شرعی حیثیت گواہی کی ہے، گویا ووٹر جس شخص کو اپنا ووٹ دے رہا ہے وہ اس کے متعلق اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ وہ اس کام کی قابلیت واہلیت رکھتا ہے، متدین اور دیانت دار بھی ہے، لہذا یہ جانتے ہوئے کہ جسے میں ووٹ دے رہا ہوں وہ اس کا مستحق نہیں ہے، یہ جھوٹی شہادت اور گناہ کبیرہ ہے اور باعث خسران آخرت بھی۔ اللہ تعالی کے ارشاد: **فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور** میں شہادت کاذبہ اور جھوٹی گواہی کی مذمت کی گئی ہے۔

ووٹ کی ایک حیثیت سفارش کی ہے (Recommendation) بایں اعتبار ووٹر اس نمائندہ کی نمائندگی کی سفارش کرتا ہے اور بزبان حال وقال وہ اس شخص کے اندر نمائندگی کی اہلیت کا یقین رکھتا ہے، لہذا ووٹر کسی کی سفارش کرنے سے پہلے اس بات کی ضرور تحقیق کرلے کہ وہ قوم وملت کیلئے نقصان دہ ثابت نہ ہو ورنہ مستحق عتاب ہوگا۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**ومن یشفع شفاعة حسنة یکن له نصیب منها ومن یشفع شفاعة سیئة یکن له کفل منها**" جس میں نالائق ونااہل فاسق وفاجر کی سفارش کرنے کی صورت میں مستحق عذاب گردانا جائے گا۔

ووٹ کے ایک تیسری شرعی حیثیت وکالت کی ہے جس میں ووٹر اس کنڈیڈیٹ کو اپنا وکیل بناتا ہے مگر یہ ایسی توکیل ہے کہ اس کا نتیجہ شخص واحد پر مرتب نہیں ہوتا بلکہ پوری قوم پر اس کا اثر پڑتا ہے، کیونکہ جمہوریت میں ایک ووٹ بھی کسی کو کامیاب وناکام بنانے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے، لہذا حق رائے دہی کے ذریعہ کسی کو وکیل بنانے سے پہلے اس نمائندہ کے احوال وکیفیات کی پوری طرح جانکاری لے لے۔ یہی راے سابق مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی کی ہے (جواہر الفقہ ۵/ ۲۳۵-۲۳۵) ووٹ کی شرعی حیثیت سے متعلق حضرت مفتی تقی عثمانی سابق چیف جسٹس پاکستان کی رائے بھی شہادت ہی کی ہے (فقہی مقالات ۲/ ۲۹۰) یہی خیال حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کی ہے، البتہ انہوں نے ایک

☆ نوڈل آفیسر، مدھیہ پردیش وقف بورڈ، بھوپال۔

حیثیت ووٹ کی ''سیاسی بیعت'' کی مزید بتائی ہے۔

الحاصل: ووٹ کی شرعی حیثیت بیک وقت شہادت، سفارش، وکالت اور سیاسی بیعت کی ہوسکتی ہے، لہذا ایک نااہل کو قوم وملت کیلئے غیر مفید سمجھنے کے باوجود ووٹ دینا، جھوٹی شہادت، غلط سفارش اور ناجائز وکالت ہے جو بے شمار دنیوی واخروی نقصانات کا سبب ہے۔

۲-ووٹ کے شہادت کے درجہ میں ہونے پر تقریباً سب کا اتفاق ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ایک ووٹ حکومت کے بنانے یا بگاڑنے کی پوری طاقت رکھتا ہے، لہذا ووٹ دینا صرف جائز یا مستحب ہی نہیں بلکہ واجب وضروری ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**كونوا قوامين لله شهداء بالقسط**'' وفی موضع آخر ''**كونوا قوامين بالقسط شهداء لله**'' جس میں سچی گواہی دینے کو مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا ہے اور گواہی نہ دینے پر رب تعالی نے ''**ولاتكتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه**'' میں گناہ گار قرار دیا ہے۔

البتہ اگر کسی حلقہ میں کوئی بھی امیدوار صحیح معنی میں قابل اور دیانت دار نہ ہو تو موجود امیدواروں میں جو بہتر ہو اسے ووٹ دینا مستحسن ہے، یہی رائے حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کی ہے (جواہر الفقہ ۵/۵۳۵)۔

لیکن اگر تمام ہی امیدوار بالکل ہی نااہل، فاجر وفاسق اور قوم وملت کیلئے انتہائی نقصان دہ ہو تو ایسی صورت میں الیکشن سے علاحدہ رہنے میں اگر قوم وملت کو جانی ومالی نقصان پہنچنے کا امکان عظیم نہ ہو تو ووٹ ڈالنے سے توقف کا راستہ اختیار کرنا جائز ہے، تارک ملامت نہیں، کیونکہ یہ شہادت زور سے بچنے کی ایک ادنی کوشش ہے، چنانچہ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود الحسن صاحبؒ کی رائے یہ ہے کہ تجربہ سے جو جماعت اسلام کے زیادہ قریب یا پابند ہو اور حقوق دلانے میں زیادہ کوشاں اور قربانی دینے والی ثابت ہو اس میں شرکت کرسکتے ہیں (فتاوی محمودیہ ۱/۴۵۱)۔

۳-اگر کوئی شخص اپنے آپ میں حکومت سے متعلق جانکاری اور حکومت چلانے یا حکومت میں حصہ لیکر ان کو سپرد کئے گئے محکمہ جات کو چلانے کی قابلیت واہلیت رکھتا ہے اور وہ دوسرے نمائندوں کے مقابلہ میں زیادہ امین ودیانت دار بھی ہے اور اس کے انتخاب نہ لڑنے کی صورت میں ملک وملت کا نقصان ہے تو ایسے شخص کو الیکشن میں حصہ لینا واجب وضروری ہے تاکہ قوم وملت کو نااہل اور ظالم لوگوں کی چنگل سے بچایا جاسکے۔ محمد عربی ﷺ کا ارشاد ہے: ''**الناس إذا رأوا الظالم فلم يأخذوا على يديه أوشك أن يعمهم الله بعقاب**'' (جمع الفوائد ۲/۱۵) جس میں اس بات کا خدشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اگر ظالم کو ظلم سے نہ روکیں تو قریب ہے کہ ان سب پر اللہ کا عذاب نازل ہوجائے۔ حضرت مفتی محمود الحسن

صاحبؒ نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے وہ فرماتے ہیں: اگر حصہ لینے میں (الیکشن لڑنے میں) آپ کو احکام اسلام پر عمل کرنے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو اور آپ حصہ لیکر اہل اسلام کی خدمت کر سکیں اور ان کو ظلم سے بچا کر حقوق دلا سکیں تو حصہ لے سکتے ہیں (فتاوی محمودیہ ۱/۴۵۱)۔

۴-اگر کسی ملک کے قانون ساز ادارے (خواہ وہ ملک مسلم ہوں یا غیر مسلم) مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں جیسا کہ ہندوستان کے موجودہ قانون کے مطابق پارٹی کے اپنے ممبروں کیلئے جاری وہیپ کے مطابق ان ممبروں کو پارٹی کی پالیسی کے مطابق عمل کرنا پڑتا ہے اور اپنے ضمیر کی آواز پر ووٹ دینے کا اختیار نہیں رہتا تو ایسی صورت میں ان اداروں کا ممبر بننا اس شرط پر درست ہوگا کہ ممبر نہ بننے کی صورت میں ملک وملت کا مزید نقصان ہونے کا یقین قوی ہو۔ادارے کی ممبر شپ لیکر مخالف شریعت قوانین بننے میں رکاوٹ کا کام کرنے کا ارادہ ہو اور حتی المقدور مخالف شریعت قانون نہ بننے دینے کا عزم مصمم رکھتا ہو۔اس کے باوجود بھی اگر مخالف شریعت قانون بن جائے تو اس پر دستخط نہ کرے اور اگر وہ دستخط نہ کرنا فتنہ کا سبب ہو تو بادل ناخواستہ دستخط بھی کردے، البتہ اسے اپنے کسی مکتوب میں اس عمل سے ناراضگی کے اظہار کرنے کو نہ بھولے، چونکہ ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں خصوصاً یہی راستہ زیادہ مناسب اور اصوب ہے۔

۵- دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا چونکہ خود ہی ایک دستور ہے اور کسی بھی ملک کے داخلی وعائلی امور کو منضبط طریقے سے چلانے کیلئے دستور کا ہی سہارا لینا پڑتا ہے، لہذا اگر دستور کے بعض دفعات خلاف شریعت ہوں اور اس کے بغیر حکومتی امور میں دخل وحصہ داری نہ ملتی ہو اور حصہ نہ ملنے کی صورت میں ملک وملت کا بڑا نقصان ہو تو ایسی صورت میں بادل ناخواستہ بقدر مجبوری ایسی دستور سے وفاداری کا حلف لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ حکومت میں حصہ لیکر ایسے دفعات کو بالکلیہ ختم کرنے یا ترمیم کرنے کی پوری جدوجہد کرے تاکہ آگے اس جرم عظیم کا بار بار ارتکاب نہ کرنا پڑے جیسا کہ اصول فقہ میں اس کا حل موجود ہے:"من ابتلى ببليتين فيلختر أهونهما"۔

۶-عیسائی ملک میں مسلم ارکان کے لئے بائبل پر حلف لینا محض اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ حلف لیتے وقت اس بات کی نیت ہو کہ میں آسمانی کتب کا حلف لیتا ہوں جو منزل من اللہ اور غیر محرف ہے، چنانچہ اسلام میں منجملہ اجمالاً تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔اللہ تعالی فرماتا ہے:"وقولوا آمنا بالله وما أنزل إلينا وما أنزل إلى إبراهيم وإسماعيل وإسحاق ويعقوب والأسباط وما أوتى موسى وعيسى وما أوتى النبيون من ربهم، لا نفرق بين أحد منهم ونحن له مسلمون"۔اس آیت میں اللہ تعالی نے آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم فرمایا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ موجودہ دور میں جو دیگر آسمانی کتابیں ہیں وہ تحریف سے خالی نہیں ہے، البتہ بہر حال وہ آسمانی ہیں۔

۷-مسلمانوں کو اپنے مفادات کے تحفظ کی ذمہ داری خود کرنی چاہیے، خواہ آزادانہ طریق سے ہی کیوں نہ ہو، لیکن اگر آزاد لڑنے میں شکست کا خطرہ زیادہ ہو اور کوئی سیکولر پارٹی مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے زیادہ موزوں ومناسب ہو تو ملک وملت کی فلاح کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کا اس سیکولر پارٹی میں شریک ہونا اور ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونا سب جائز ہے، بھلے ہی اس سیکولر پارٹی کے منشور کے بعض دفعات مخالف اسلام اور مسلم مفادات کے مغایر ہوں، جیسا کہ اصول فقہ کے حوالہ سے یہ بات گذری کہ دو آزمائشوں میں سے جو کمتر ہو اس کو اختیار کرلیا جائے، البتہ اس سیکولر پارٹی میں شامل ہو کر اس کے منشور کے مخالف اسلام دفعات کو گفت وشنید سے ختم یا کم ازکم ترمیم کرنے کا عزم مصمم رکھتا ہو۔ خوشی خوشی کسی کا ایسی پارٹی میں شمولیت مناسب نہیں ہے۔

۸-جو سیاسی پارٹی کھلے طور پر مسلم دشمن ہو اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمان کی مخالفت شامل ہو ایسی پارٹی میں مسلمانوں کا شریک ہونا ناجائز ہے۔ چونکہ غیر مسلم ملکوں خصوصاً ہندوستان میں ساری سیکولر پارٹیاں انجام کے اعتبار سے ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہیں، جیسا کہ ماضی کی تاریخ گواہ ہے۔ لہذا اگر کوئی مسلمان مذکورہ پارٹی میں اس نیت سے شریک ہوتا ہے کہ اس پارٹی میں گھس کر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی پوری کوشش کروں گا، بصورت دیگر اس پارٹی کو چھوڑ دوں گا تو ایسی صورت میں ایسی پارٹی میں شریک ہونے کی گنجائش ہے۔

۹-ایسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، انہیں سیکولر ایجنڈے کے تحت ہی کام کرنا پڑتا ہو اور اس بات کا احساس بھی کہ مسلم سیاسی جماعت کا قیام مسلمان مخالف ووٹ کو متحد کرنے اور فرقہ پرست تنظیموں کے فائدہ اٹھانے کا سبب بنے گا تو ایسی صورت میں مسلمانوں کیلئے علاحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا مناسب نہیں ہے، چونکہ اس میں ملک وملت کے نقصان کا قوی امکان ہے جس کے ذمہ دار وہ خود ہوں گے۔ بصورت دیگر مسلم سیاسی جماعت کا قیام نہج خلافت کے حصول کی ایک پاک سعی ہے جسے ہر مسلمان کو کرنا چاہئے۔ یہ ملک وملت کی فلاح کا ضامن ہے جس کا شریعت نے ہمیں بار بار حکم دیا ہے۔

۱۰-۱-الیکشن میں خواتین کا کردار ایک بیدار وفعال اور ملک وملت کی ترقی اور فلاح وبہبود کے لئے ایک ذمہ دار اور دیانت دار شخص کی طرح ہونا چاہیے۔

۲-جب ہندوستان میں رائج قوانین کے مطابق اس کا ایک ووٹ بھی حق وباطل، ہار وجیت کا فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتا ہے تو عورتوں کو اس میں سرگرم حصہ بھی لینا چاہئے، کیونکہ ان کے ووٹ کی بھی قیمت کسی اور کے مقابلہ کہیں سے کم نہیں ہے بشرطیکہ شرعی پردہ کا اہتمام کرے۔ یہی رائے مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی ہے (کفایت المفتی ۹/ ۷۳)۔

۳-عورت کا بطور امیدوار کھڑا ہونا مستحسن نہیں ہے، کیونکہ اس میں ضروریات شرعیہ کی رعایت کرنا لگ بھگ ناممکن ہے بصورت دیگر جائز ہے۔

۴-چونکہ عورتوں کی سیاست میں حصہ داری کو حکومت ہند کے ذریعہ یقینی بنایا جارہا ہے بلکہ بعض ریاستوں میں پنچایت کی سطح پر پچاس فیصد سیٹیں ریزرو کردی گئی ہیں اور آگے لوک سبھا سے پارلیمنٹ میں ۳۳فیصد ریزرویشن بل کے مستقبل قریب میں قانونی شکل اختیار کرنے کی قوی امید بھی ہے، لہذا عورتیں قانون سازاداروں کی ممبر بن سکتی ہیں۔اصول فقہ کی کلیہ الضرورات تبیح المحظورات اور من ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما اس کی طرف مشیر ہے۔ورنہ عدم حصہ داری کی صورت میں ملک وملت خصوصاً مسلمانوں کے نقصان کا یقینی امکان ہے جس سے بچانا ہر مسلمان کا فرض ہے، خواہ وہ مرد ہوں یا عورت، البتہ اس میں بھی حتی المقدور ضروریات شرعیہ کا لحاظ رکھا جانا ضروری ہے۔

☆☆☆

الیکشن سے مربوط شرعی مسائل

مولانا محمد عمران ندوی☆

ووٹ کی مختلف حیثیتیں ہیں، اس کی ایک حیثیت شہادت اور گواہی کی ہے کہ وہ جس ممبر کو ووٹ دے رہا ہے، اس کے بارے میں گواہ ہے کہ اس کو ملک وقوم کے لئے مفید اور خیر خواہ سمجھتا ہے اور اس کی ایک حیثیت مشورہ کی بھی ہے کہ وہ حکومت اور نظم ونسق کے سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے کہ کون زیادہ بہتر ہے اور کون زیادہ ایماندار ذمہ دار ہوسکتا ہے۔ اور اس کی ایک حیثیت سفارش کی بھی ہے کہ وہ اپنے اس امیدوار کے لئے ایک اہم عہدہ اور ذمہ داری کی سفارش کرتا ہے۔

نیز اگر وہ مسلم ملک ہو تو ان سب کے علاوہ ووٹ کی حیثیت سیاسی بیعت کی ہے کہ وہ ووٹ کے ذریعہ متعلقہ امیدوار کو وکیل بناتا ہے کہ وہ اس کی طرف سے سربراہ مملکت کا انتخاب کرے، آج اگر وہ خوش قسمت ساعت آئے کہ دنیا کے کسی خطہ میں خلافت علی منہاج النبوۃ قائم ہو تو اس کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ عامۃ المسلمین کے بالغ ومکلّف مرد اپنے اپنے ووٹ کے ذریعہ نمائندہ منتخب کریں اور پھر وہ باہمی رائے سے امیر کا انتخاب کریں اور تمام لوگوں کی طرف سے وکالۃ اور نیابۃ اس کے ہاتھ پر بیعت کریں اور بیعت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہاتھ ہی سے بیعت کی جائے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے عبداللہ بن دینار سے دوسندوں سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے عبدالملک بن مروان سے بذریعہ مراسلت بیعت کی ہے۔ ابن عمرؓ نے اس روایت میں اپنی طرف سے سمع وطاعت کا اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ میرے بچوں نے بھی اس کا اقرار کیا ہے۔

”قال بایع الناس عبدالملک کتب إلیه عبد الله بن عمر إلیٰ عبدالملک امیر المؤمنین انی أقر بالسمع و الطاعة لعبدالله عبدالملک امیر المؤمنین علیٰ سنة الله وسنة رسوله فیما استطعت وان بنی قد أقروا بذلک“ (صحیح البخاری، ج:۲،ص: ۱۰۶۹)۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بات کافی ہے کہ امیر کسی کو بیعت کے لئے وکیل بنائے یا بیعت کرنے والا کسی کو بطورِ

☆ مہتمم جامعہ اسلامیہ انوار العلوم، اورنگ آباد۔

وکیل بھیجے کہ وہ اس کی طرف سے اظہار وفاداری کرے، چنانچہ رسول اللہ نے ایک دفعہ عبادہ بن صامت کو اپنی طرف سے بیعت لینے کا حکم فرمایا تھا: بخاری شریف کی روایت ہے: " **قال لنا رسول الله ﷺ ونحن فی مجلس، تبایعونی علی أن لاتشرکوا بالله شیئاً ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا أولادکم" الخ**: (صحیح البخاری ۲/ ۱۰۷۱)۔

لیکن ہمارا ملک ہندوستان جو کہ سیکولر نظام کے تحت چل رہا ہے، یہاں پر ووٹ کی حیثیت محض شہادت کی ہوگی اور عندالاحناف اگر گواہی کا مطالبہ کیا جائے تو گواہی دینا واجب بھی ہو جاتا ہے۔

" **الأصل عندنا أن لایشهد إلاأن یطلب من الشهادة ویجب أن یشهد بعد الطلب**" (حاشیه مشکوٰة، ج: ۲، ص: ۲۲۷)۔

جبکہ ہمارے ملک ہندوستان میں ووٹ دینے کا محض مطالبہ ہی نہیں بلکہ اس پر پوری طاقت صرف کردی جاتی ہے، لہذا یہاں تو بدرجۂ اولی ووٹ دینا واجب ہوگا۔

رہی بات اپنے آپ کو الیکشن میں بحیثیت امیدوار کے پیش کرنے کی، تو اگر اس کے اندر اس عہدے کے ذریعہ احکام الہی کو نافذ کرنے، حق قائم کرنے اور عدل وانصاف کو جاری کرنے کی اہلیت ہو اور اس عہدے کو طلب کرنے میں صرف رضائے الہی مقصود ہو تو ایسی صورت میں احقر کی رائے ہے کہ بحیثیت امیدوار کے پیش کرنے کی گنجائش ہے، کیونکہ حضرت یوسفؑ نے کہا تھا: " **قال اجعلنی علی خزائن الأرض إنی حفیظ علیم**" (سورۂ یوسف: ۵۵) (آپ نے فرمایا کہ مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کردیجئے، بیشک میں حفاظت کرنے والا اور (معاشی مسائل کا) ماہر ہوں)۔

خلفاء راشدین کا عہدہ سنبھالنا بھی اسی قبیل سے تھا اور حضرت علیؓ کا حضرت معاویہؓ سے معارضہ اس لئے تھا کہ آپ اپنے آپ کو نفاذ شریعت کے لئے زیادہ قوی سمجھتے تھے اور اپنے نفس پر زیادہ ضبط اور قدرت رکھتے تھے۔

ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ " **لوعلم انسان من نفسه أن یقوم بالحق فی القضاء والحسبة ولم یکن هناک من یصلح ولایقوم مقامه، لتعین ذلک علیه، ووجب أن یتولاها ویسأل ذلک ویخبر بصفاته التی یستحقها به من العلم والکفایة وغیر ذلک کما قال یوسف علیه السلام**" (تفسیر القرطبی ۹-۱۰/ ۱۴۲)۔

اسی آیت کی تفسیر میں علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانیؒ نے نقل کیا ہے کہ کسی عہدے کی اہلیت کا اظہار جائز ہے، جبکہ انسان کو اپنی ذات پر پورا ضبط وقدرت ہو اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ انسان عہدہ قبول کرسکتا ہے خواہ حاکم وقت ظالم اور کافر بھی ہو جبکہ یہ علم ہو کہ اقامۃ الحق اور سیاسۃ الحق اس کافر یا جابر کی تمکین کے بغیر ممکن نہیں (تفسیر مظہری، ج: ۵، ص: ۲۱۷)۔

نیز حضور ﷺ کی حدیث ہے کہ: "**من لكعب بن الأشرف فانه قد أذى الله ورسوله فقام محمد بن مسلمة فقال يارسول الله : أتحب أن أقتله، قال: نعم:**" (صحیح البخاری ۵۷۶/۲) آپ ﷺ نے فرمایا کہ کعب بن اشرف کو قتل کرنے کے لئے کون تیار ہے تو محمد بن مسلمہؓ کھڑے ہو گئے، اور فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ کیا آپ پسند کریں گے کہ میں اس کو قتل کروں، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ نے قتل کرنے کی ذمہ داری دی نہیں تھی، بلکہ سوال کرنے پر محمد بن مسلمہؓ نے خود اپنے آپ کو پیش فرمایا۔

اسی طرح غزوۂ حنین کے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**من يحرسنا الليلة قال انس بن أبي مرثد الغنوي: أنا يا رسول الله** ﷺ" (رواہ ابوداؤد، ص: ۳۳۸) (آج رات ہمارا پہرہ کون دے گا حضرت انس بن مرثد غنویؓ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ میں پہرہ دوں گا)۔

اور فقہ کا اصول بھی ہے کہ "**الضرورات تبيح المحظورات**" (مبادئ فی علم اصول الفقہ، ص: ۳۲) ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیا کرتی ہیں اور آج جبکہ دنیا کو سخت ضرورت ہے ایسے افراد کی جو آگے بڑھ کر زمام مملکت اپنے ہاتھ میں لیں، تاکہ دنیا سے ظلم واستبداد کو ختم کیا جائے اور عدل وانصاف کو قائم کیا جائے اور یہ ظالمانہ وجابرانہ نقشہ تبدیل ہو جائے۔

لہٰذا مذکورہ دلائل کی روشنی میں احقر کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی انسان اہلیت رکھتا ہے تو اس کے لئے اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ مستحسن ہے۔

اب اگر مسلم ملکوں میں یا غیر مسلم ملکوں میں کچھ قانون ساز ادارے ایسے ہیں جو شریعت کے مخالف قوانین بناتے ہیں، تو احقر کی رائے یہ ہے کہ مسلمان اگر قوانین کو شرعی رخ دینے کی نیت سے اس کا ممبر بنتا ہے تو درست ہے، یہ اسی صورت میں ہوگا، جبکہ اس کو اپنے او پر قدرت ہو کہ ایسا کر سکے گا، لیکن اگر اس کو اپنے آپ پر خطرہ ہو کہ وہ اس میں شریک ہو کر خود اپنی ذہنیت بدل دے گا تو ایسے شخص کو ہرگز ممبر بننے کی گنجائش نہیں ہوگی، کیونکہ ہندوستان کے سیکولر نظام کو دیکھ کر اگر مسلمانوں کو ممبر بننے اور سیاست میں آنے سے روکا جائے گا تو کسی بھی پارٹی اور ادارہ کا ممبر بننے کی گنجائش ہی نہیں رہے گی، کیونکہ سیکولر نظام یہودیوں کا بنایا ہوا نظام ہے اور یہودی ہمیشہ سے مسلمانوں کے دشمن رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے پوری اسلامی شریعت کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ نظام اس طور پر تیار کیا ہے کہ کسی بھی مسلمان کے لئے شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے اس میں شریک ہونے کی گنجائش باقی نہ رہے۔

لہٰذا علماء امت کو چاہیے کہ دلائل کی روشنی میں کچھ ایسی شکلیں نکالیں جس سے کفار ومشرکین کی سازشوں کے یہ تانے

بانے ٹوٹ جائیں اور مسلمانوں کے لئے سیاسی پارٹیوں میں شریک ہوکر قوانین کو شریعت کے مطابق تبدیل کرنے کی گنجائش نکل آئے۔

اگر کسی ملک میں ہر ممبر کو بائبل پر حلف لینا پڑتا ہو، خواہ وہ کسی بھی مذہب کا ماننے والا ہو تو ایسی صورت میں مسلمان ممبر پر واجب ہے کہ وہ عدالت سے مطالبہ کرے کہ اس کے ہاتھ قرآن پر رکھوائے جائیں، اگر اس کا یہ مطالبہ قبول نہ کیا جائے تو اب اسے مجبور سمجھا جائے گا اور اس کے لئے گنجائش ہوگی کہ وہ تورات یا انجیل یا ان دونوں پر دل میں ان کی تعظیم کئے بغیر اپنا ہاتھ رکھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان چونکہ اس کو منحرف اور تبدیل شدہ باور کرتے ہیں اور اللہ کی طرف اس کی نسبت کو افتراء علی اللہ گردانتے ہیں۔

نیز رابطہ عالم اسلامی کے تحت اسلامک فقہ اکیڈمی کے اجلاس منعقدہ ۸ تا ۱۶ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ میں علماء اس مسئلہ میں جن نکات پر متفق ہوئے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ اگر مجبور ہوں اس پر اور انصاف حاصل کرنا اور ظلم سے بچنا اسی پر موقوف ہو تو کراہت خاطر کے ساتھ ہاتھ رکھا جا سکتا ہے۔

وہ سیکولر پارٹیاں جو مسلمانوں کے مفادات کے لئے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں ان پارٹیوں میں احقر کی رائے کے مطابق شامل ہونا جائز ہے، اگر ان کے منشور کی بعض دفعات اسلام اور مسلمانوں کے مفادات کے خلاف ہوں، کیونکہ موجودہ دور میں جبکہ تمام سیاسی پارٹیاں خود غرضی و مفاد پرستی کی جڑ بن چکی ہیں اور اسلام و مسلمانوں کو ہر طرف سے دبانے اور ان کو کچلنے کی ہر ممکن کوشش صرف کر رہی ہیں۔ ایسے پرفتن حالات میں یہ خواب دیکھنا کہ سیکولر پارٹیوں کے منشور کی تمام شقیں اسلام اور مسلمانوں کے موافق ہو جائیں تو یہ ناممکن ہے۔

لہٰذا اگر کسی پارٹی کی بعض دفعات اسلام اور مسلمانوں کے مخالف ہوں تو تمام فقہاء کا متفقہ اصول " **للأكثر حكم الكل** "، کے مطابق اکثر کو دیکھتے ہوئے کل کا حکم لگا دیں گے۔

نیز حضور ﷺ کی حدیث بھی ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ نے جو صلح فرمائی تھی، اس کی تمام شقیں اسلام کے موافق نہیں تھیں، لیکن آپ ﷺ نے حالات کو دیکھتے ہوئے صلح فرمائی، جبکہ حضرت عمرؓ جیسے صحابی کو اطمینان قلب نہیں ہو رہا تھا اور بار بار سوال کرتے جا رہے تھے، اس وقت بھی حالات تقریباً اسی رخ پر تھے کہ مسلمانوں کو اسلام سے ہٹا دیا جائے اور کسی طرح سے یہ آگے بڑھنے نہ پائیں۔

اسی طرح اگر کوئی سیاسی پارٹی کھلے طور پر مسلمانوں کی دشمن ہو اور ان کے منشور میں اسلام کی مخالفت شامل ہو، پھر بھی اگر کوئی مسلمان صحیح نیت اور اخلاص کے ساتھ اس پارٹی میں شامل ہو اور اس کا یہ ارادہ ہو کہ وہ اس پارٹی میں شریک ہو کر

اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا اور اس کو اپنے اوپر اعتماد بھی ہو کہ وہ ایسا کرنے پر طاقت وقدرت رکھتا ہے تو ایسی نیت کے ساتھ اس پارٹی میں شامل ہونا احقر کے نزدیک جائز ہوگا، کیونکہ حضور علیہ کی حدیث ہے: "**إنما الأعمال بالنيات وإنما لامرى مانوى**" (صحیح البخاری ۱/۲، باب کیف کان بدؤالوحی) (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس کی نیت ہوتی ہے)، کیونکہ اگر باہر کا کوئی آدمی اس پر آواز اٹھائے کہ یہ شریعت کے خلاف عمل ہے تو اس کی آواز سنی نہیں جاتی اور سربراہ مملکت اس پر توجہ نہیں دیتا ہے، لیکن یہی عمل پارٹی میں رہتے ہوئے کرتا ہے تو سربراہ مملکت اس کا لحاظ رکھتا ہے اور بہت سے ظلم وناانصافی سے بچ کر بیچ کی راہ نکالنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، اس کی کھلی مثال یوپی میں ملائم سنگھ اور اعظم خاں کی موجود ہے۔

لیکن مسلمانوں کے لئے الگ سے کوئی سیاسی پارٹی قائم کرنا احقر کی رائے کے مطابق جائز تو ہے، لیکن مناسب نہیں، کیونکہ یہ چیز ہندوؤں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کردے گی اور دوسری فرقہ پرست تنظیموں کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل جائے گا۔ جس کی وجہ سے ملک میں بجائے امن وامان پھیلنے کے ظلم واستبداد کا بازار گرم ہوجائے گا۔ ہاں اگر کوئی ایسی تنظیم بنائی جائے جو غیر اسلامی قوانین کے خلاف آواز اٹھائے اور حکومت کے سامنے اپنے جائز مطالبات پیش کرے تو جائز ہے۔

شریعت اسلامیہ نے عورت کی عصمت وعزت کی حفاظت کا بہت اہتمام کیا ہے، شریعت کا منشاء یہ ہے کہ عورت شرعی ضرورت کے بغیر گھر سے نہ نکلے اور مردوں کے ساتھ اس کا اختلاط نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے: "**وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى**" (سورۃ الأحزاب: الآیۃ: ۳۳) (اے نبی کی بیویو! تم اپنے گھروں میں ٹک کے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق علانیہ نہ پھرتی رہو)۔

اس آیت کی تفسیر میں ابوعبداللہ بن احمد القرطبیؒ نے یہ بات نقل فرمائی ہے کہ "**معنى هذه الآية الأمر بلزوم البيت وإن كان الخطاب لنساء النبى ﷺ فقد دخل غيرهن فيه بالمعنى، هذا لولم يرد دليل يخص جميع النساء، كيف والشريعة طافحة بلزوم النساء بيوتهن والا نكفاف عن الخروج منها إلالضرورة**" (تفسیر القرطبی ۱۳-۱۴/ ۱۱۷) (یہ حکم ان تمام ازواج مطہرات کے بارے میں ہے جو پوری امت کی ماں کے درجہ میں ہیں کہ وہ اپنے گھروں کو لازم پکڑیں اور بغیر کسی سخت ضرورت کے ان سے باہر نہ نکلیں، جب ان کو یہ خطاب ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ عام عورتوں کو تو بطریق اولیٰ یہ خطاب ہوگا اور ساری عورتیں اس حکم میں شامل ہوں گی)۔

غرضیکہ شریعت کا منشا یہ ہے کہ مرد اور عورت آپس میں بے پردہ نہ ملیں اور ان میں اختلاط نہ ہو، کیونکہ مرد اور عورت میں فطری طور پر ایک دوسرے کی طرف جاذبیت اور جنسی میلان موجود ہے اور شیطان ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے کہ ان

کومعصیت میں مبتلا کردے۔حدیث شریف میں آتا ہے:"قال رسول الله ﷺ: **لعن الله الناظر والمنظور إليه**" یعنی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے نامحرم عورت کو دیکھنے والے پر اور اس عورت پر بھی جس کو دیکھا جائے (مشکوٰۃ المصابیح ۲/۲۷۰)۔

نیز وہ جگہیں جہاں مردوں اور عورتوں کے اختلاط کا اندیشہ تھا، وہاں پر شریعت نے عورتوں کو حاضر ہونے کا مکلّف نہیں بنایا، مثلاً اس پر جمعہ وعیدین کی نماز واجب نہیں ہے، جماعت سے نماز پڑھنا واجب نہیں ہے، جنازہ وغیرہ میں شریک ہونا واجب نہیں ہے، کیونکہ یہ جگہیں ایسی ہیں جہاں پر عورت ومرد کا اختلاط لازم آتا ہے، لہٰذا اگر عورت الیکشن میں امیدوار بنے گی یا قانون ساز اداروں کی ممبر بنے گی تو قدم قدم پر مردوں کے ساتھ اختلاط ہوگا، کیونکہ اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے پارلیمنٹ، اسمبلی ہال اور اس کے علاوہ متعدد جگہوں پر حاضر ہونا پڑے گا اور مختلف بحث ومباحثہ میں حصہ لے گی، مردوں کو مخاطب کرے گی، لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں گے، جگہ جگہ مردوں کے ساتھ اختلاط اور تنہائی کا موقع بھی آئے گا۔قرآن وحدیث کی روشنی میں جس کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

چنانچہ درمختار میں امامت کبریٰ کے شرائط بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"**ويشترط كونه مسلماً حراً ذكراً عاقلاً بالغاً قادراً**"، شامی میں ہے: "**ولأن النساء أمرن بالقرار في البيوت فكان مبنى حالهن على الستر**" (ردالمحتار ۲/۲۸۰)۔

مذکورہ بالا دلیل سے یہ بات ثابت ہورہی ہے کہ سربراہ مملکت کا مسلمان ہونا، آزاد ہونا، عاقل ہونا، مرد ہونا اور احکام جاری کرنے پر قدرت رکھنے والا ہونا شرط ہے۔ مرد ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ عورتوں کو گھر میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

لہٰذا احقر کی رائے یہ ہے کہ عورت کا الیکشن میں امیدوار بننا اور قانون ساز اداروں کی ممبر بننا جائز نہیں ہوگا۔ ہاں ووٹنگ میں حصہ لے سکتی ہے، کیونکہ اس میں اگر خاتون ان تمام خرابیوں سے بچنا چاہے تو بچ سکتی ہے۔ نیز ووٹنگ میں لیڈیز پولیس کی حفاظت میں بھی رہتی ہے۔**وما توفيقي إلا بالله**

ووٹ اور اسلام کا نقطۂ نظر

مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی

الحمد للّٰہ و السلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

ووٹ کی حقیقت شہادت اور گواہی کی سی ہے جس طرح گواہی جھوٹی دینا حرام اور ناجائز ہے، اسی طرح ضرورت کے موقع پر شہادت کو چھپانا بھی حرام ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے: **ولاتکتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه** (اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو شخص گواہی چھپائے اس کا دل گناہ گار ہے)، اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشادفرمایا: **من كتم شهادة إذا دعي إليها كان كمن شهد بالزور** (جمع الفوائد بحوالہ طبرانی ۲/ ۶۲) (جس کسی کو شہادت کے لیے بلایا جائے پھر وہ اسے چھپائے تو وہ ایسا ہے جیسے جھوٹی گواہی دینے والا)۔ لہٰذا ووٹ بھی بلاشبہ ایک شہادت ہے، قرآن وسنت کے یہ تمام احکام اس پر بھی جاری ہوتے ہیں، لہٰذا ووٹ کو محفوظ رکھنا دینداری کا تقاضا نہیں، اس کا زیادہ سے زیادہ صحیح استعمال کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

۲- اگر ووٹ شہادت کے درجہ میں ہے تو اس کا حکم شرعی کیا ہوگا؟ ووٹ دینا صرف جائز ہوگا، یا مستحب یا واجب؟

موجودہ حالات میں بحیثیت مسلمان ہمارے لئے ووٹ دینا شرعاً واجب ہے اور اس سے پہلو تہی برتنا کسی طرح روا اور جائز نہیں، مسلمانوں کے لئے اب ووٹ دینا ایک مذہبی فریضہ کے درجہ میں ہے اور کسی شدید ضرورت کے پیش آنے یا ضرر شدید کے اندیشہ کے بغیر ووٹ دینے سے غفلت برتنا گناہ کا باعث ہوسکتا ہے اور عنداللہ اس پر مواخذہ کا اندیشہ ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی دامت برکاتہم رقمطراز ہیں: شرعی نقطۂ نظر سے ووٹ کی حیثیت شہادت اور گواہی کی سی ہے، اور جس طرح جھوٹی گوائی دینا حرام اور ناجائز ہے، اسی طرح ضرورت کے موقع پر شہادت کو چھپانا بھی حرام ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے: **ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه** اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ، اور جو شخص گواہی کو چھپائے اس کا دل گناہگار ہے۔ بلکہ گواہی دینے کے لئے تو اسلام نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ کسی کے مطالبہ کرنے سے پہلے ہی انسان اپنا فریضہ ادا کردے اور اس میں کسی کی دعوت یا ترغیب کا انتظار نہ کرے۔ حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کی بہترین گواہ کون ہے؟ وہ شخص ہے جو اپنی گواہی کسی کے مطالبہ کرنے سے پہلے ادا کردے (جمع الفوائد ۱/۲۶۱، فقہی مقالات ۲/۲۷۷) حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال (ووٹ دینے کا حکم) کے جواب میں اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: اگر نفع ہو یعنی دین کی، قوم کی، ملک کی صحیح خدمت...... ہو تو درست ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے: إن اللّٰه يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها (النساء:۵۸، فتاوی محمودیہ ۴/۶۱۸)۔

۳- ''الیکشن'' میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا کیا حکم ہے؟

بنیادی طور پر اسلام ''الیکشن'' میں امیدواری کا قائل ہی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی عہدہ اور ذمہ داری کا طلب گار ہوگا میں اسے وہ ذمہ داری حوالہ نہیں کروں گا، اس سے زیادہ قبیح اور کیا بات ہوسکتی ہے کہ آدمی خود عہدہ کا طالب ہو اور وہ لوگوں سے خواہش کرے کہ لوگ اسے منتخب کریں یہ درحقیقت بے شرمی کی بات ہے ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے سخت ناپسند فرمایا ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ مغربی جمہوریت میں ہر چیز کی گنجائش ہے سوائے اخلاق کے، اس لئے خود امیدوار بننے کے سوا چارہ نہیں، ان حالات میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ کم سے کم ایسا ہو کہ جب تک عام لوگ الیکشن میں امیدوار بننے کے لئے اصرار نہ کریں اور ان کی طرف سے مطالبہ نہ ہو امیدوار بننے سے گریز کیا جائے اور حتی الوسع احتراز کیا جائے۔ ''فتاویٰ عثمانی'' میں حضرت شیخ الاسلام ایک سوال عہدہ از خود طلب کرنا جائز نہیں اس کے بارے میں جواب دیتے ہوئے قمطراز ہیں: ''عام اسلامی حکم یہی ہے کہ از خود کسی سرکاری یا عہدے کو یا منصب کو اپنے لئے طلب کرنا جائز نہیں اور ایسا شخص مطلوبہ منصب کا اہل نہیں ہوتا، لیکن بعض استثنائی صورتوں میں جہاں یہ بات واضح ہو کہ اگر کوئی شخص خود اس منصب کو طلب نہیں کرے گا تو نااہل اور ظالم لوگ اس پر قبضہ کرکے لوگوں پر ظلم کریں گے تو ایسے وقت میں عہدے کو طلب کرنے کی شرعاً اجازت ہے اور حضرت یوسفؑ کا ''اجعلني على خزائن الأرض'' کہنا اسی صورت پر محمول ہے، اس شرعی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے موجودہ انتخابات کا حکم معلوم کیا جاسکتا ہے کہ طلب اقتدار کی بنیاد پر پورا نظام حکومت قائم کرنا اصلا جائز نہیں ہے اور اگر منشا صرف طلب اقتدار ہو، یا دوسرے اہل لوگ موجود ہوں یا کسی اور طریقے سے غلط نظام کو بدلنا ممکن ہو تو ایسے نظام انتخابات میں امیدوار بننا جائز نہیں، لیکن اگر موجودہ غلط نظام کو بدلنے کا اس کے سوا کوئی راستہ نہ ہو تو صالح اور اہل فہم افراد اگر طلب اقتدار کے جذبہ کے بجائے اصلاح حال کی غرض سے اس میں شامل ہوں تو اس کی گنجائش ہے، بشرطیکہ مفاسد سب وشتم غیبت اور دوسرے محرمات ومنکرات سے مکمل پرہیز کا اہتمام ہو، جو اس دور میں شاذ ونادر ہے'' (فتاوی عثمانی ۳/۵۷)۔

۴- غیر مسلم ملکوں میں اور بہت سارے مسلم ملکوں میں بھی قانون ساز ادارے مخالف شریعت بھی قانون بنائے ہیں۔ ایسی صورت میں ان اداروں کا ممبر بننا درست ہوگا یا نہیں؟ خاص کر ان حالات میں کہ ہندوستان کے موجودہ قانون کے

مطابق اگر کوئی پارٹی اپنے ممبروں کے لئے وہیپ جاری کردے تو وہ پارٹی کی پالیسی کے مطابق ووٹ دینے کا پابند ہوجاتا ہے اور اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق ووٹ دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔

مذکورہ صورت میں ان اداروں کا ممبر بننا اس وقت درست ہوگا جبکہ ''مسلم ممبران'' ایسے مخالف شریعت قوانین کی پوری قوت اور طاقت کے ساتھ آواز اٹھائیں اور قانون کی حد میں رہتے ہوئے پرزور احتجاج کریں، اس وقت پورے ملک کی صورت حال یہ ہے کہ یہ قانون ساز ادارے ہر روز ہر وقت ایسے مخالف شریعت قوانین مستقل بنا بنا کر پیش کرتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کرتے رہتے ہیں جو قوانین صریح طور پر دین وشریعت سے متصادم ہوتے ہیں، اب ایسی صورت حال میں مسلم ممبران اگر ممبر کی سیٹیں حاصل کرنے میں تردد اختیار کریں تو وہ ادارے پھر مزید ایسے قوانین جاری کریں گے جو زخم پر نمک پاشی کے مترادف ہوں گے، گویا ان کی تو دیرینہ تمنا پوری ہوگئی اور اس طرح ان اداروں پر پوری طرح ''فراعنہ وقت'' کا مکمل قبضہ اور تسلط ہوجائے گا اور ہم اور ہمارے پرسنل لا کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جائے گی۔

۵- جو لوگ قانون ساز اداروں کے رکن منتخب ہوں، انہیں دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے اور دستور میں بہت سی دفعات خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں، تو یہ عمل کہاں تک درست ہوگا؟

''کفایۃ المفتی'' میں ہے: حلف اور وفاداری اس شرط اور نیت سے کہ جہاں تک خدا اور رسول اور شریعت کی نافرمانی نہ ہو میں وفاداری کروں گا، اٹھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں اور ڈسٹرکٹ بورڈ اور کونسل میں جانے کی نیت بھی یہ ہو کہ میں اپنی قوم اور وطن کے حقوق کی حفاظت کرنے اور حکومت کے ظلم اور تشدد کا انسداد کرنے کے لئے جا رہا ہوں (کفایۃ المفتی ۳۵۸/۹)۔

اس طرح کا ایک اور سوال کہ موجودہ دور میں اسمبلیوں کا ممبر بننا جائز ہے یا نہیں؟ آپ جواب تحریر فرماتے ہیں: ہندوستان میں حکومت کا معاملہ بڑی نزاکت اختیار کرچکا ہے، اس لئے کہ اس کے متعلق احکام دینا بہت مشکل اور پیچیدہ ہوگیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ علماء اور مشائخ اسمبلیوں میں ممبر بن کر جائیں تو بہتر ہے۔ اس کے لئے جواز کا فتویٰ دیتا ہوں، ''اسمبلی میں جس عہدنامے پر دستخط کئے جاتے ہیں اس میں اتباع شریعت کے پختہ عہد کے ساتھ دستخط کئے جاسکتے ہیں'' (کفایۃ المفتی ۳۹۱/۹)۔

۶- بعض عیسائی ملکوں میں ہر ممبر کو بائبل پر حلف لینا پڑتا ہے، خواہ وہ کسی مذہب کا ہو تو کیا مسلم ارکان کے لئے یہ عمل درست ہوگا؟

اس بارے میں ہر ممبر کے لئے دو باتیں قابل توجہ اور قابل غور ہے:

(۱) اگر بائبل پر ہاتھ رکھ کر غیر اللہ کی قسم کھانا لازم قرار دیا جاتا ہے تو غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں، حدیث شریف میں

اس بارے میں سخت ممانعت وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ طاغوت یعنی معبودان باطلہ اور اپنے آباواجداد کی قسم نہ کھاؤ۔(ابن ماجہ۔ باب النہی ان یحلف بغیر اللہ تعالیٰ) اور ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی کو قسم کھانی ہوتو اللہ پاک کی قسم کھائے ورنہ نہیں کھائے خاموش رہے۔ نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر وشرک کیا (ترمذی ابواب النذ ور والایمان)، لہٰذا غیر اللہ کی قسم کھانے کی اجازت نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

(۲) بلاشبہ ایک مومن کے ایمان کے مکمل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن مجید کے ساتھ تمام کتابوں پر ایمان رکھیں، اس لئے کہ یہ تمام کتابیں یعنی صحف ابراہیم، توریت، زبور اور انجیل بھی اللہ پاک کی طرف سے نازل کردہ کتابیں ہیں، لیکن اب وہ مذکورہ آسمانی کتابیں 'محرف' ہوچکی ہیں۔ خود قرآن کریم کا فرمان ہے: **یحرفون الکلم من بعد مواضعہ** (سورہ المائدۃ:۴) اوران کتابوں کے اکثر مضامین تحریف شدہ ہیں اور آج اپنی اصل صورت میں موجود نہیں ہیں اس بنا پر کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اس پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھائے۔

اس موضوع پر پوری بحث کے بعد مکہ مکرمہ اکیڈمی کا فیصلہ نقل کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو:

(۱) کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ قسم کھاتے وقت توریت یا انجیل پر ہاتھ رکھے۔ اس لئے کہ آج جو نسخے رائج ومعروف ہیں وہ محرف ہیں اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہونے والے اصل نسخے نہیں ہیں اور حضرت محمد ﷺ پر نازل ہونے والی شریعت نے پچھلی شریعتوں کو منسوخ کردیا ہے۔

(۲) اگر غیر اسلامی مملکت کی عدالت قسم لینے والے کے لئے توریت یا انجیل پر یا ان دونوں پر ہاتھ رکھنا ضروری قرار دیتی ہوتو مسلمان کو چاہئے کہ وہ عدالت سے قرآن کریم پر ہاتھ رکھنے کا مطالبہ کرے اور اگر اس کا مطالبہ نہ مانا جائے تو اسے مجبور سمجھا جائے گا اور دونوں یا کسی ایک پر تعظیم کی نیت کے بغیر ہاتھ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا (اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فیصلے صفحہ ۱۹۹)۔

۷-بعض سیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں، لیکن ان کے منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغائر ہوتی ہیں، کیا ایسی پارٹیوں میں شریک ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونا جائز ہوگا؟

موجودہ حالات میں مکمل ایماندار اور پاک صاف کردار کے حامل سیاسی لیڈر یا سیاسی جماعت جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ ایسے موقع پر شریعت مطہرہ کا اصول اور قاعدہ ہے کہ جہاں ''بہتر'' میسر نہ ہو وہاں نسبتاً کم خراب کو اختیار کیا جائے،

اور دوسرے میں سے کمتر درجہ کا شر اختیار کیا جائے، اسلامی فقہ کا اصول ہے: **إذا تعارض مفسدتان روعی أعظمهما ضررا بارتکاب أخفهما** (قواعد الفقہ ص ٥٦) (جب دو برائیاں درپیش ہوں تو کمتر برائی کو گوارہ کر کے بڑی برائی کو روکا جائے گا)۔ اسی طرح ایک اور اصول ہے: **الضرر الأشد یزال بالضرر الأخف** (قواعد الفقہ ص ٨٨) لہٰذا ایسے موقع پر عدم شرکت سے پوری امت مسلمہ کو اور شدید نقصان لاحق ہوگا۔ لہٰذا شرکت کر کے مسلم لیڈران اپنی بھرپور کوشش کرتے ہوئے حدود میں رہتے ہوئے وہ دفعات جو ان کے منشور میں مخالف اسلام ہوں ان کے خلاف احتجاج اور آواز اٹھاتے رہیں، اس کے علاوہ شاید اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

٨- جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہو کیا کسی مسلمان کے لئے اس پارٹی میں شریک ہونا جائز ہوگا؟ نیز کسی کی نیت یہ ہو کہ وہ پارٹی میں شریک ہو کر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا تو کیا اس کے لئے اس پارٹی میں شامل ہونے کی گنجائش ہے؟

اب یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں اور واضح ہو چکی ہے کہ اس وقت ہندوستان میں کوئی بھی ایسی سیاسی پارٹی موجود نہیں جس کے منشور میں مخالف اسلام دفعات موجود نہ ہوں، اب موجودہ سیاست میں یہ یقین کر لینا کہ اس سیاسی پارٹی میں مخالف اسلام دفعات موجود نہیں ہیں یہ سیاست سے نابلد اور ناواقف ہونے کے لئے کافی ہوگا، لہٰذا ایسے موقع پر مسلم لیڈران جس پارٹی میں شامل ہوں انہیں اس بات کا اہتمام کرنا ہوگا کہ خود بھی شریعت پر عمل کی فکر کریں اور اس سیاسی پارٹی کے ایجنڈے میں جو بھی ایسے قوانین ہوں جو مخالف اسلام ہوں ان کو بدلنے کی بھرپور کوشش کریں ورنہ شامل ہونے کی گنجائش نہیں ہوگی۔

٩- ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، مسلمانوں کے لئے علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا جائز ہوگا؟ جبکہ اسے سیکولر ایجنڈے کے تحت ہی کام کرنا پڑتا ہے، نیز ایک احساس یہ بھی ہے کہ جہاں مسلمانوں کی آبادی مرتکز نہیں ہوتی وہاں خصوصاً دوسرے علاقوں میں عموماً مسلم سیاسی جماعت کا قیام مسلمان مخالف ووٹ کو متحد کر دیتا ہے اور اس سے فرقہ پرست تنظیمیں فائدہ اٹھا لیتی ہیں۔

اگر مسلمان منظم اور متحد ہو کر اپنی علیحدہ سیاسی جماعت کی بنیاد ڈال دیں تو ایک صالح انقلاب پیدا ہونے کی امید کی جاسکتی ہے اور ابھی حال ہی میں صوبہ آسام میں مسلم سیاسی جماعت کے قیام سے ایک بہت اچھا اور زرخیز نتیجہ برآمد ہوا ہے اور اگر واقعی میں کسی علاقہ میں مسلم سیاسی جماعت کا قیام تجربہ سے نقصان دہ ثابت ہو رہا ہو اور یہ نقصان حقیقی ہو صرف شبہ کے درجہ میں نہ ہو اور یقیناً فرقہ پرست تنظیموں کو فائدہ پہنچ رہا ہو تو پھر ایسے علاقوں میں علیحدہ سیاسی جماعت کے قیام سے اجتناب

بہتر ہے۔

۱۰-ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ الیکشن میں خواتین کا کردار کیا ہونا چاہیے، کیا انہیں ووٹنگ میں حصہ لینا چاہئے؟ کیا ان کے لئے الیکشن میں امیدوار بننا جائز ہے؟ کیا وہ قانون ساز اداروں کی ممبر بن سکتی ہے؟

صورت منقولہ میں دو باتیں ہیں اور دونوں کا حکم الگ الگ ہوگا۔ ایک عورتوں کا ووٹنگ میں حصہ لینا۔ دوسرا الیکشن میں امیدوار بننا۔ پہلے جزء کا حکم یہ ہے کہ ہمارے ملک کا قانون ہے کہ عورتیں بھی پولنگ میں حصہ لے سکتی ہیں اور انہیں بھی ووٹ دینے کا حق حاصل ہے۔ لہٰذا خواتین چند شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے ووٹ کے لئے اپنے گھر سے نکل سکتی ہیں۔

کفایت المفتی میں ہے: عورتوں کا ووٹر بننا ممنوع نہیں ہے، ہاں ووٹ دیتے وقت شرعی پردہ کا لحاظ رکھنا ہوگا (۳۴۹/۹)۔ ایک دوسری جگہ حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں: اگر پولنگ اسٹیشن پر عورتوں کے لئے پردے کا انتظام ہو اور غیر محرم مرد منتظم نہ ہوں بلکہ پیپر دینے والی عورتیں کام کرتی ہوں تو عورتوں کو ووٹ دینے کے لئے جانا جائز ہے اور غیر محرم مرد ہوں تو عورتیں نہ جائیں، بلکہ مطالبہ کریں کہ ان کے لئے زنانہ منتظم مقرر کیے جائیں (کفایت المفتی ۳۵۷/۹)۔

۲-ایک مسلمان عورت الیکشن میں امیدوار بن سکتی ہے کہ نہیں؟ اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اس پرفتن دور میں حالات کے پیش نظر عورت کو اسمبلی یا پارلیمنٹ کی رکنیت حاصل کرنے سے احتراز کرنا چاہئے، اس لئے کہ موجودہ حالات میں انتخابات کے لئے مہم چلانے کے دوران عورت کے لئے پردہ برقرار رکھنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن نظر آتا ہے، اس لئے عصر حاضر میں پارلیمنٹ میں عورتوں کے کردار کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی اجازت دینا یا پولنگ میں کھڑا ہونا کسی بھی طرح فائدہ مند نظر نہیں آتا۔ اور صرف اسلامی نقطہ نظر سے نہیں بلکہ سماجی اعتبار سے بھی نقصان دہ نظر آتا ہے۔

جمہوری نظام حکومت سے متعلق چند مسائل اور ان کا حل

مولانا محمد ابرار خان ندوی☆

دنیا کے بیشتر ممالک کا نظام حکمرانی جمہوری ہے، یہ الگ بات ہے کہ کہیں جمہوریت اپنے حقیقی معنی ومفہوم میں ہے، جہاں ہر شخص کو مذہبی، لسانی، تہذیبی آزادی حاصل ہے اور بعض ممالک میں جمہوریت کے نام پر ڈکٹیٹرشپ قائم ہے۔

مذکورہ دونوں قسم کی جمہوریتیں اسلام کے نظام حکمرانی سے متصادم ہیں۔ البتہ اول جمہوری نظام قدر غنیمت ہے کہ اس میں باشندگان ملک کو آزادی وحریت نصیب ہوتی ہے۔ گرچہ اس کے بعض اصول اسلام کے نظام حکمرانی کے مخالف ہیں۔ ذیل میں جمہوری ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کو درپیش انہی چند مسائل کا تذکرہ اور ان کا شرعی حل پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ووٹ کی شرعی حیثیت:

ووٹ کی حیثیت شہادت کی ہے۔ الیکشن میں امیدوار کو ووٹ دینا اس بات کی شہادت ہے کہ یہ شخص دیگر امیدواروں کے بہ نسبت زیادہ موزوں ہے، یا بالفاظ دیگر ممالک وملت کے حق میں بمقابلہ دوسروں کے کم ضرر رساں ہے۔

ووٹ دینے کا حکم:

جمہوری نظام میں چونکہ حکومت کی تشکیل ووٹ کے ذریعہ عمل میں آتی ہے، اس لئے ووٹ دینا واجب وضروری ہے۔ اس کے درج ذیل اسباب ہیں:

١- ووٹ شہادت ہے اور شہادت سے گریز کرنا اور اس کو چھپانا گناہ ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

☆ امام ربانی پبلک سیکنڈری اسکول، راجستھان۔

ولا تکتموا الشهادة ومن یکتمها فإنه آثم قلبه، والله بما تعملون علیم (سورۃ البقرہ:۲۸۲) (اور شہادت کو ہرگز نہ چھپاؤ، جو شہادت کو چھپاتا ہے اس کا دل گناہ میں آلودہ ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: جھوٹی شہادت دینا یا شہادت کو چھپانا کبیرہ گناہ ہے (تفسیر ابن کثیر، سورۂ بقرہ:۱۷۳)۔

شہادت نہ دینے کی وجہ سے کسی حقدار کا حق مارا جائے اور دوسرا کوئی گواہ موجود نہ ہو، یا گواہ تو موجود ہو مگر اس کی گواہی لائق اعتنا نہ ہو تو ایسے مواقع پر شہادت دینا واجب ہے اور شہادت نہ دینا باعث گناہ ہے۔ فقہاء کرام نے اس پر بڑی وضاحت سے روشنی ڈالی ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ویلزم اداء الشهادة ویأثم بکتمانها إذا طلب المدعی...... وإن أدی غیره ولم تقبل شهادته، یأثم من لم یؤد إذا کان ممن تقبل شهادته، کذا فی التبیین، وإن کان هو أسرع قبولاً من آخرین لیس له الامتناع عن الأداء (الفتاویٰ الہندیۃ ۳/ ۲۵۴)۔

(شہادت دینا ضروری ہے، اور اس کا چھپانا گناہ ہے، جب مدعی شہادت کا مطالبہ کرے......اگر دوسرا شخص شہادت دے، لیکن اس کی شہادت قبول نہیں کی گئی تو وہ شخص شہادت نہ دینے کی وجہ سے گنہگار ہوگا جس کی شہادت قابل قبول ہے، اور اگر دوسروں کے مقابلہ اس کی گواہی زیادہ وجلد قابل قبول ہو تو اس کے لیے شہادت دینے سے احتراز درست نہیں)۔

الیکشن میں امیدوار بننا:

اصل تو یہی ہے کہ جو عہدہ بغیر طلب ملے وہ بہتر و باعث خیر ہے اور جو عہدہ مانگے اسے نہ دیا جائے، لیکن جہاں صورتحال یہ ہو کہ عدل وانصاف کا خون کیا جارہا ہو، لوگوں کے ساتھ ظلم وزیادتی روا رکھی جارہی ہو، حقوق کی پامالی ہورہی ہو، اور کوئی شخص اپنے کو اس عہدہ کے لائق پاتا ہے اور امانت داری کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت اپنے اندر محسوس کرتا ہے، تو ایسے شخص کے لیے اس عہدہ کا مانگنا ناپسندیدہ عمل نہیں۔

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ مصر میں قحط پڑنے والا ہے اور ملک کے موجودہ حکمراں و ذمہ داران مملکت، وزراء و سیاسی رہنما نہایت کرپٹ ہیں تو انھوں نے بادشاہ وقت سے مطالبہ کیا کہ اس نازک گھڑی میں شعبہ مالیات میرے سپرد کردیجئے، عوام کو کسی طرح کی پریشانی نہیں ہونے دوں گا۔ ارشاد خداوندی ہے:

قال اجعلني على خزائن الأرض، اني حفيظ عليم (سورہ یوسف:۵۵)(حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: مجھے زمین کے خزانوں کا نگراں و ذمہ دار بنا دیجئے، میں باخبر و اچھی حفاظت کرنے والا ہوں)۔

آزادی کے بعد سے آج تک سیاسی رہنما، لیڈران مسلمانوں کو وعدے وعید اور زبانی و کاغذی اعلانات کی حد تک بہلا پھسلا کر الیکشن میں ان کے ووٹوں کے ذریعہ اقتدار کا لطف اٹھاتے رہے اور مسلمان محروم و پسماندگی کا شکار ہوتے رہے، تو ایسی صورت حال میں ملت کے باصلاحیت سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والے علما و دانشوران عملی سیاست میں شریک ہوں تاکہ مسلمانوں کو ان کے حقوق جائز مل سکیں، تعلیمی واقتصادی بدحالی ختم ہو، حکومت کی اسکیموں سے وہ مستفید ہوں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب مسلمان الیکشن کے ذریعہ عہدوں کو حاصل کریں۔ **ما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب** (الاشباہ والنظائر والقواعد الفقہیہ)(جس کے بغیر کوئی واجب پورا نہ ہو تو وہ چیز بھی واجب ہے)۔

قانون ساز اداروں کا ممبر بننا:

جمہوری ممالک میں قانون ساز ادارے ریڑھ کی ہڈی اور اصل کا درجہ رکھتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کو ان اداروں کا رکن بننا اور مجالس قانون ساز میں شریک ہو کر قانون کی تشکیل میں حصہ لینا بنیادی ضرورت ہے۔

بسا اوقات یہ ادارے بامقصد ایسے قوانین وضع کرتے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہوتے ہیں اور بعض دفعہ یہ قوانین ملک کے مفاد میں بنائے جاتے ہیں۔ بنانے والوں کی نیت صاف ہوتی ہے، لیکن وہ مسلمانوں کے عقیدہ و مذہب سے متصادم ہوتے ہیں ــــ اگر مسلمان ان اداروں کے ممبر ہوں گے تو ان کی آراء بھی طلب کی جائیں گی۔ وہ اس طرح کے قوانین کی مخالفت اور اس کے سماجی و معاشی نقصانات سے دیگر ممبران کو آگاہ کریں گے۔ نتیجۃً وہ چیز قانون کا حصہ نہ بن سکے گی ــــ اور اگر اکثریت کے اتفاق آراء سے اس طرح کے قوانین وضع کر لیے جائیں تو مسلمان ممبران کی ایمانی غیرت کا تقاضہ ہے کہ وہ کھل کر اس کی مخالفت کریں، اور اس میں ہمیشہ ملی مصالح کو مدنظر رکھیں، البتہ حکمت و دانائی کا دامن نہ چھوٹنے پائے۔

من رأى منكم منكراً فليغيره بيده وإن لم يستطع فبلسانه وإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان (متفق علیہ)(تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے اس کی برائی کو روک دے، اگر ایسا نہیں کرسکتا تو زبان سے منع کر دے اور یہ بھی نہیں کرسکتا تو دل سے اسے برا سمجھے، اور یہ ایمان کا سب سے کمتر درجہ ہے)۔

معروف فقیہ قاضی خانؒ نے بڑی وضاحت سے تحریر فرمایا ہے:

إذا رأى رجل منكراً من قوم وهو يعلم أنه لونها هم عنه قبلوا لايسعه أن يسكت، وإن كان

یعلم أنهٗ لو نهاهم لا یمنعون وسعه أن یترک، والنهی أفضل (فتاویٰ قاضیخان علی ہامش الہندیہ ۲۰۶/۳)۔

(اگر کوئی کچھ لوگوں کو دیکھے کہ کسی منکر کا ارتکاب کر رہے ہیں، اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کے منع کرنے سے وہ لوگ اس سے باز آجائیں گے تو اس کے لیے خاموشی درست نہیں ہے اور اگر وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اس کے روکنے سے بھی نہیں رکیں گے تو گنجائش ہے کہ وہ چھوڑ دے، لیکن منع کرنا بہتر ہے)۔

دستور سے وفاداری:

دستور سے وفاداری ہر ملک کے شہری کے لیے لازم ہوتی ہے۔ مسلمان جو صرف حاکمیت الٰہ (رب العالمین) کا قائل ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ قانون سازی کا اختیار صرف خالق کائنات کو ہے، کسی فرد یا جماعت کو نہیں ہے، انسان کے وضع کردہ قانون و دستور میں نقص و عیب لازمی ہے، اور جمہوری ممالک میں جو قوانین رائج ہیں وہ انسانوں کے اپنے بنائے ہوئے ہیں، جن میں بعض دفعات شریعت اسلامی کے خلاف ہیں، مسلمان ممبران ان دفعات کو بدل نہیں سکتے ہیں، لہٰذا بدرجہ مجبوری قلبی ناگواری کے ساتھ دستور سے وفاداری کا زبانی اظہار کرنے کی گنجائش ہے، بحالت مجبوری، شریعت نے کلمہ کفر کہنے کی اجازت نہیں دی ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ”**ومن کفر بالله من بعد إیمانه إلا من أکره وقلبه مطمئن بالإیمان**“ (سورۃ النحل:۱۰۶)۔

اس آیت کے ذیل میں مفسرین نے ایک واقعہ ذکر کیا ہے جس سے کافی رہنمائی ملتی ہے۔۔ صاحب تفہیم القرآن نقل فرماتے ہیں: حضرت عمار بن یاسر ہیں کہ جن کی آنکھوں کے سامنے ان کے والد اور والدہ کو سخت عذاب دے کر شہید کر دیا گیا، پھر ان کو اتنی ناقابل برداشت اذیت دی گئی کہ آخرکار انھوں نے جان بچانے کے لیے وہ سب کچھ کہہ دیا، جو کفار ان سے کہلوانا چاہتے تھے، پھر وہ روتے ہوئے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ: **ما ترکتُ حتی سببتک وذکرتُ آلهتم بخیر** (یا رسول اللہ! مجھے نہ چھوڑا گیا جب تک کہ میں نے آپ کو برا اور ان کے معبودوں کو اچھا نہ کہہ دیا)۔ حضور ﷺ نے پوچھا: ”**کیف تجد قلبک**“ (اپنے دل کا کیا حال پاتے ہو)، عرض کیا ”**مطمئناً بالإیمان**“ (ایمان پر پوری طرح مطمئن)، اس پر حضور نے فرمایا: ”**إن عادوا فعد**“ (اگر وہ پھر اس طرح کا ظلم کریں تو پھر یہی باتیں کہہ دینا) (تفہیم القرآن ۲/ ۲۵۷)۔

مذکورہ واقعہ سے یہ روشنی ملتی ہے کہ صرف فرد واحد حضرت عمار بن یاسرؓ کے حفظ جان کے سبب رسول اکرم ﷺ نے ان کو معبودان باطل کی تعریف اور اپنی ذات اقدس کے سلسلہ میں ناروا الفاظ کہنے کی اجازت دے دی تو یہاں پوری ملت

وقوم کا مسئلہ ہے۔ اگران چند ممبران نے دستور وفاداری کا حلف اٹھانے سے انکار کردیا تو ان کی رکنیت ختم ہو جائے گی۔ ملک سے غداری اور آئین کی مخالفت وتوہین کا مقدمہ قائم ہوگا اور ملک میں رہنے والے تمام مسلمان سخت آزمائش میں مبتلا ہو جائیں گے،اس لیے پوری ملت کے تحفظ کے مقصد کے پیش نظر دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا بحالت مجبوری جائز ہے۔

بائبل پر حلف لینا:

جن ممالک میں بائبل پر حلف اٹھانا قانوناً لازم ہے ورنہ ان کی ممبر شپ ختم کردی جائے گی اور ملک سے بغاوت وغداری کے مجرم قرار پائیں گے، وہاں مسلمانوں کے لیے بحالت مجبوری اس کی گنجائش ہوگی۔

سیکولر پارٹیوں میں شمولیت:

جمہوری ممالک میں اپنے مسائل کو حل کرانے کے لیے سیاسی قوت، وسیاسی اثر ورسوخ ضروری ہے،اس کے لیے ضرورت ہے کہ سیکولر سیاسی پارٹیوں سے روابط ہوں، ان کی رکنیت حاصل کی جائے اور حالات سازگار ہوں تو ان پارٹیوں کی طرف سے الیکشن میں امیدوار بن کر عملی سیاست کا مظاہرہ کیا جائے، الغرض سیاسی اثر ورسوخ حاصل کرنے کی جو بھی جائز صورت ممکن ہو اس کو اختیار کر کے ملک وقوم کی خدمت کی جائے، رہا یہ سوال کہ ان سیکولر سیاسی پارٹیوں کے منشور میں بعض چیزیں اسلام مخالف ہوتی ہیں، تو أهون البليتين کے تحت سیکولر پارٹیوں کی رکنیت اوران کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنا جائز ہے، البتہ مخالف اسلام منشور کی دفعات کی مخالفت کی جائے اوران کو ختم کرانے کی حتی المقدور کوشش کرنا ضروری ہے۔

اسلام دشمن پارٹیوں کی رکنیت وحمایت:

اسلام دشمن پارٹیوں میں شمولیت، ان کی پارٹیوں کے امیدوار کو ووٹ دینا یا کسی بھی قسم کی حمایت کرنا ناجائز ہے اور یہ تعاون علی الاثم والعدوان میں شامل ہے۔ جس پارٹی کی بنیاد مسلم دشمنی میں قائم ہو، اس میں کسی مسلمان کا شامل ہو کر اس کے بنیادی ایجنڈے کو تبدیل کرانے کا خواب صرف ایک خام خیالی ہے۔

مسلم سیاسی جماعت کا قیام مفید یا مضر:

علیحدہ مسلم سیاسی جماعت کا قیام، مفید یا مضر، یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں اختلاف رائے ممکن ہے، لیکن آزادی کے بعد سے اب تک کا تجزیہ یہ ہے کہ سیکولرزم کا دعویٰ کرنے والی سیاسی جماعتوں نے ہمیشہ مسلمانوں کو ووٹ بینک کے طور پر

استعمال کیا، مسلمان ان کے خوشنما وعدوں سے متاثر ہو کر ووٹ دیتے رہے، لیکن ان کو سوائے ذلت و رسوائی، تعلیمی بدحالی، اقتصادی وسیاسی پسماندگی کے کچھ ہاتھ نہیں آیا۔

مسلمان جو خیر امت ہے اور جس کی ذمہ داری صرف اپنی ذات تک محدود نہیں، بلکہ پوری انسانیت کی نفع رسانی اس کے ذمہ کیا گیا ہے تو موجودہ ملکی حالات میں مسلمان قائدین علما و دانشوران اگر سیاسی جماعت اس مقصد سے قائم کرتے ہیں کہ اپنی قوم کو ان کے جائز حقوق دلوا سکیں، ملک میں جو کرپشن واستحصال اور لوٹ کھسوٹ اور ظلم و ناانصافی کا رواج بڑھتا جارہا ہے اس کا خاتمہ ہو، قوم کے ساتھ ملک کی خدمت وترقی کا ایک نمونہ پیش کریں، تو یہ دعوتی نقطۂ نظر سے بھی مفید ہوگا، جبکہ دیگر سیاسی جماعتوں کے ایجنڈے میں کچھ نہ کچھ باتیں اسلام مخالف ہوتی ہیں، اور پارٹی کی پالیسی کے تحت مسلمان ممبران کو کام کرنا پڑتا ہے، تو ایسی جماعت جس کی قیادت اہل ایمان کے ہاتھ میں ہو، اصول وضوابط، اخلاق کی اصلاح اور انسانی خدمت اور ملک وقوم کی بھلائی وترقی اس کے دستور میں شامل ہو، اور ممبران میں کچھ غیر مسلم بھی شامل کر لیے جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ اس کے لیے درج ذیل امور کی رعایت مناسب ہوگی:

۱- جن حلقوں میں مسلمان فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں وہاں مسلمان امیدوار کھڑے کیے جائیں۔

۲- جن حلقوں میں مسلمان فیصلہ کن حیثیت نہیں رکھتے ہیں، وہاں سیکولر جماعتوں کے امیدوار کی حمایت کی جائے یا اپنی جماعت کی جانب سے غیر مسلم معتدل فکر کے افراد کو ٹکٹ دیا جائے۔

مسلم خواتین اور سیاسی مناصب:

عورت کے مزاج وطبعی افتاد کے اعتبار سے یہ چیز پسند کی گئی ہے کہ وہ اندرون خانہ رہے، گھر کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو، بچوں کی نگہداشت کرے، شوہر کی خدمت کرے، عورت کی جسمانی وذہنی ساخت وطبعی میلانات کے لحاظ سے یہی اس کا اصل میدان ہے کہ اس کی گود میں ملت کے قائدین کی پرورش ہو، نہ کہ وہ خود قیادت وسیاست کی ذمہ داری سنبھالے۔

سیادت وقیادت یہ مردوں کا کام ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر یہ صلاحیت ودیعت فرمائی ہے، اسی سیادت کے لیے ملکوں کی سربراہی کے لیے مرد ہونا، ضروری قرار دیا گیا ہے۔

معروف فقیہ علامہ شیخ علاء الدین حصکفی فرماتے ہیں:

(ویشرط کونه حراً ذکراً) ولأن النساء أمرن بالقرار فی البیوت...... وإلیه أشار النبی ﷺ حیث قال: کیف یفلح قوم تملکهم امرأة (امیر مملکت کا آزاد اور مرد ہونا شرط ہے، اس لیے کہ عورتوں کو گھر میں

رہنے کو کہا گیا ہے......اسی کی طرف نبی اکرم ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے کہ وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس کے امور مملکت عورت کے حوالہ ہو)۔

البتہ بعض فقہاء نے خلافت عظمیٰ کے علاوہ عورت کے لیے دیگر ذمہ داریوں کو سنبھالنے کی اجازت دی ہے۔

امام ابن حزم ظاہری رقم فرماتے ہیں:

وجائز أن تلی المرأة الحکم: وهو قول أبی حنیفة (جائز ہے کہ عورت حکومت کا کوئی عہدہ سنبھالے، امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے)۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کی ایک خاتون، جن کا نام شفا تھا، بازار کا نگراں بنا دیا تھا۔

الیکشن میں شرکت کا شرعی حکم

ڈاکٹر محمد مبین سلیم ندوی ☆

۱- ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: قانونی وشرعی مصلحت واہمیت کے پیش نظر ووٹ کبھی جائز ہوگا تو کبھی مستحب اور کبھی ناجائز ہوگا یہ ان مسائل میں سے ایک ہے جن کے احکام شرعی واقعات وحالات، زمان ومکان کے بدلنے اور مصالح ومضار کی بنا پر بدلتے رہتے ہیں، چنانچہ ایسے موقعہ پر جبکہ مسلمانوں کے ووٹ کی کوئی حیثیت نہ ہو، ڈالنا یا نہ ڈالنا برابر ہو یا فی نفسہ اس معاملہ کا مسلمانوں کے مصالح ومضار سے بالواسطہ یا بلا واسطہ کوئی تعلق نہ ہو، لیکن یہ عام انسانی مصالح ومضار پر مبنی ہوگی، اور اگر مسلم مفادات والے مسائل چاہے وہ دفع مضرت کے لئے ہوں یا جلب مصلحت کے لئے دونوں صورتوں میں مصلحت ومضرت کے درجے کے اعتبار سے فرض یا واجب یا مستحب کا حکم ہوگا یا جن امیدواروں کے لئے ووٹنگ مطلوب ہے وہ سب مسلمانوں کے بارے میں ایک ہی درجہ کے شرپسند ہیں یا شرپسندانہ موقف رکھتے ہیں، یا دو یا دو سے زیادہ پارٹیاں ایک ہی درجے کی شرپسند ہیں تو ایسی صورت میں ڈالنا کالعدم اور ناجائز ہے۔ کبھی مصلحت شرعیہ اس بات کی متقاضی ہو کہ ضرر ونقصان کے کم ہونے میں ہی مصلحت ہے تو اس کے اعتبار سے اخف الضرر والے امیدوار یا پارٹی کو ووٹ ڈالنا ضروری ہوگا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ کفر کی تائید واقرار ہے بلکہ یہ صرف مسلمانوں کی مصلحت پر مبنی حکم ہے نہ کہ کفر یا اس کے اہل سے محبت، اس طرح کہ ہمارے سامنے کچھ نمونے بھی ہیں کہ اہل روم کے اہل فارس پر غلبہ سے مسلمان خوش ہوئے (سورہ روم کی ابتدائی آیات) اسی طرح نجاشی کے اس کے اپنے مخالف پر غلبہ سے مسلمان خوش ہوئے جیسا کہ سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے، (اس رائے کے قائلین میں سے شیخ یوسف القرضاوی ہیں (الخلاصة فی فقه الاقلیات ۱۔۹)۔ یہی قول مولانا اشرف علی تھانوی ومفتی محمد شفیع رحمہا اللہ کا بھی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ انہوں نے افادات اشرفیہ درمسائل سیاسیہ، اور ملکی سیاست میں غیر مسلموں کے ساتھ اشتراک عمل کی شرعی حدود، کانگریس ومسلم لیگ وغیرہ میں شرکت اوران کے امیدواروں کو ووٹ دینے کے بارے میں

☆ اسسٹنٹ پروفیسران قرآنک اسٹڈیز۔

رائے قائم فرمائی ہے (دیکھئے: جواہر الفقہ ۵/ ۲۲۳ تا ۴۸۷)۔

۳-الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جائز ہے بشرطیکہ وہ خالص امانت وذمہ داری کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور وہ اس کا اہل بھی ہو۔

۴- غیر مسلم ملکوں میں اور بہت سے مسلم ملکوں میں بھی قانون ساز ادارے مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں، ایسی صورت میں ان اداروں کا ممبر بننا درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اصل میں تو ناجائز ہے، مگر حالات حاضرہ کے پس منظر میں نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے کہ ایسے اداروں میں ممبر بن کر مسلمانوں کی حفاظت کی کوشش کریں اور مسلم مخالف قوانین کو کم سے کمتر کرنے میں مددگار ثابت ہوں، نیت یہ رہے کہ اپنی استطاعت کے دائرہ میں مخالف شریعت قوانین نہ بننے پائیں۔ وہیپ کی شکل عدم استطاعت کا پہلو ہے ورنہ غیر مسلم ملک بلکہ مسلم ملک میں رہنا بھی مشکل ہوگا۔

اس طرح کے مسائل کی بنا مصالح ومفاسد خیر وشر، منافع ومضار کے درمیان مقابلہ وترجیح پر ہے، یہی وہ فقہ ہے جو سیاست شریعہ کی اساس ہے، دو مصلحتوں کے درمیان مقابلہ کونسی زیادہ نفع بخش وبہتر اور دیرپا ہے، اسی طرح دو مفاسد کے درمیان تقابل کونسا زیادہ مہلک اور نقصان دہ ہے جیسا کہ فقہاء کی تشریح ہے کہ بڑے نقصان سے بچنے کے لئے چھوٹے نقصان کو، عمومی نقصان سے بچنے کے لئے خصوصی یا فردی نقصان کو برداشت کیا جائے گا وغیرہ، اسی طرح جب مصالح ومفاسد کا تعارض ہو تو زیادہ نفع بخش کو ترجیح ہوگی، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں شراب کے بارے میں فرمایا: "**يسألونك عن الخمر والميسر قل فيهما إثم كبير ومنافع للناس وإثمهما أكبر من نفعهما**" (الخلاصة فی فقه الاقليات ۱۰۹ جمع و اعداد الموسوعة الشاملة الاصدار الثانی)۔

۵- جو لوگ قانون ساز اداروں کے رکن منتخب ہوں، انہیں دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے اور دستور میں بہت سی دفعات خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں تو عمل کہاں تک درست ہے؟

الجواب: حلف اٹھانا تو درست ہے، البتہ مخالف شریعت دفعات کی چیزوں میں عملی طور پر نیت وعمل پر حرمت وحلت کا مدار مبتلی بہ پر ہے۔

۶- بعض عیسائی ملکوں میں ہر ممبر کو بائبل پر حلف لینا پڑتا ہے، خواہ کسی مذہب کا ہو، تو کیا مسلم ارکان کے لئے یہ عمل درست ہوگا؟

الجواب: مجبوری کی حالت میں درست ہے، بشرطیکہ وہ اس بات پر کوشاں رہیں کہ کسی طرح وہاں کے قانون میں تبدیلی ہونے کی شکل پیدا ہوتا کہ یہ اضطراریت اختیار میں تبدیل ہو جائے، اختیاری شکل میں بائبل پر حلف لینا درست نہ ہوگا، چونکہ اس وقت وہ نصاری کا شعار ہے اور ہمیں مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔

۷-بعض سیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں، لیکن ان کے منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغائر ہوتی ہیں، کیا ایسی پارٹیوں میں شریک ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونا جائز ہوگا؟

الجواب: جائز ہوگا، جلب مصلحت ودفع مضرت، نیز تحمل اخف الضررین وغیرہ کا خیال رکھتے ہوئے بشرطیکہ وہ خود صریح احکام شریعت کے خلاف کا مرتکب نہ ہو بلکہ اس کا پابند اور مسلم مفادات کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے، نیز اس کا ارادہ یہ ہو کہ ان دفعات کے ختم کرانے کی کوشش کرے گا، عدم استطاعت کی شکل میں معذور ہوگا، چونکہ ہندوستان کے قانون وآئینی پس منظر میں نیز سیاسی پارٹیوں میں سب ہی تقریباً خلاف شرع اسلامی ہیں کلیات کے اعتبار سے، اس صورت میں دو مصلحتوں یا دو مضرتوں کے درمیان ترجیح والے اصول پر ہی عمل کیا جائے گا جیسا کہ سوال نمبر دو کے جواب میں مذکور ہوا۔

۸- جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہو، کیا کسی مسلمان کے لئے اس پارٹی میں شریک ہونا جائز ہوگا؟

الجواب: ایسی پارٹی میں شریک ہونا جائز نہیں جبکہ اس کے ساتھ دوسری اخف الضررین والی پارٹیاں موجود ہوں۔ اگر اس طرح کی پارٹیوں میں سے کوئی نہ ہو تو پھر بھی ان کھلی دشمن پارٹیوں میں کم ضرر والی کو ترجیح ہوگی، البتہ یہ نیت کہ وہ ایسی پارٹی کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا، اس کا حکم پارٹی کے دستور وایجنڈے کی نوعیت پر موقوف ہوگا، اگر ایسا دستور ہے کہ اس کی اساسیات میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی تو صرف یہ گمان وخیال یا وہم ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، ہاں اگر اس طرح کا ایجنڈا جو بدل سکتا ہے تو پھر طریقہ تبدیلی کی نوعیت پر حکم ہوگا، اگر ایسا طریقہ ہے جس سے وہ با اثر ہو سکتا ہے تو جائز ہوگا ورنہ ناجائز۔

۹-ایسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، مسلمانوں کے لئے علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا جائز ہوگا؟

الجواب: درست ہے، جہاں تک دوسری شق کا تعلق ہے تو وہ اس پارٹی کے طریقہ، حکمت، جمہوری ملک میں کامیابی کی ہنر ومہارت سے متعلق ہے، ایسی پارٹی کی عدم موجودگی میں بھی ایسا ہو جاتا ہے۔

۱۰-ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ الیکشن میں خواتین کی کیا کردار ہونا چاہئے۔

الجواب: اس کے جواب کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

اول: صرف ووٹر کی حیثیت سے ووٹ ڈالنے کا حق، یہ بلاشبہ جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے اسلامی ملکوں میں بھی، اسی لئے ہندوستان میں بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

دوم: عورت کا عام صدارتی انتخاب میں امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہونا، اکثر معاصر علماء کے نزدیک اسلامی ملکوں میں جائز نہیں، یہی قدیم فقہاء کا بھی قول ہے، اور یہی میرے نزدیک مختار قول ہے، بعض کے نزدیک جائز ہے۔

سوم: عورت کا عام صدارتی انتخاب کے علاوہ دوسری عام ولایات میں امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہونا، اسلامی ملکوں میں عورت کے بارے میں علماء دو حصوں میں منقسم ہیں، ایک جائز نہیں، یہ قول از ہر فتویٰ کمیٹی اور بہت سے معاصر علماء کا ہے، اور یہی قدیم فقہاء کے یہاں پایا جاتا ہے، دوسرا قول اس کے جواز کا ہے، اس کے موید بہت سے معاصرین علماء ہیں، میرا مختار قول اول ہے۔

چہارم: عورت کا پارلیامنٹری مجالس میں امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہونا: اسلامی ملکوں کے بارے میں دو قول ہیں ایک جواز دوسرے عدم جواز، یہ پارلیامنٹری مجالس بھی دو طرح کی ہوتی ہیں، ایک میں مسئلہ صرف مشورہ ورائے کی حد تک ہوتا ہے، اس میں عورت کا شرعی پابندیوں کے ساتھ امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہونا جائز ہے، دوسری وہ پارلیامنٹری مجالس ہیں وہ ولایات عامہ میں داخل ہیں ان میں عورت کا امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہونا جائز نہیں۔

ہندوستان میں اس کا حکم:

ہندوستان اور اس جیسے دیگر غیر اسلامی ملکوں کے بارے میں دلائل شرعیہ کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حالت مذکورہ میں دفع مضرت وجلب مصلحت اور مقاصد شریعت کے ساتھ ساتھ ان نصوص کی روشنی میں جو خواتین کے دائرۂ عمل کی نوعیت پر دال ہیں یہ اصوب ہے کہ انہیں ووٹنگ میں حصہ لینا چاہیے۔ البتہ ان کا امیدوار یا ممبر بننا یہ بھی انہیں ذاتی طور پر اپنی شخصی زندگی میں شریعت کی حدود کی پابندی کرتے ہوئے جائز ہے، بلکہ موجودہ وآئندہ حالات کے پس منظر میں ایسی با اہل مسلم خواتین کی شرعی وسیاسی تربیت امت مسلمہ کے تحفظ کے لئے ضروری وواجب شرعی ہے، چونکہ اس پر امت مسلمہ کے مصالح کی حفاظت اور دفع مضرت کی اساس قائم ہے ورنہ اس جیسی اہم جگہوں میں مسلمانوں کا خلاء نہ صرف ان کے مخالفین کو راہ ہموار فراہم کرے گا بلکہ قانونی جواز پر بھی دال ہوگا۔ پھر خواتین کے ریزرویشن کی شکل میں تو مسئلہ اختیاری معاملہ سے

اضطراری حالت میں داخل ہوجاتا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں استطاعت کے احکام سے اضطراری احکام میں مسئلہ داخل ہوجائے گا، ان تربیت یافتہ عورتوں کا یہ بھی فرض ہوگا کہ وہ اس جبری حالت کو اپنی دماغی وارادی قوتوں سے تبدیل کرا کر ایسے اختیاری قانون میں تحویل کرادیں جو صرف اختیاری ہو۔ البتہ اگر اس کے بغیر بھی امت مسلمہ کی مصالح کی تکمیل میں کوئی خلل نہ ہوتو پھر عورتوں کی ان کی اہم ذمہ داریوں کو نبھانا زیادہ اولیٰ ہوگا۔ ہاں اگر مذکورہ بالا مشارکت کی وجہ سے شرعی حدود کی پابندی ذاتی زندگی میں ناممکن ہوتو پھر مشارکت کسی حال میں درست نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

الیکشن سے متعلق چند اہم مسائل

مولانا محمد ممتاز خاں ندوی☆

(۱) ووٹ کی شرعی حیثیت:

کسی امیدوار ممبر کو ووٹ دینے کی از روئے قرآن وحدیث چند حیثیتیں ہیں، ایک شہادت کی ہے کہ ووٹر جس شخص کو اپنا ووٹ دے رہا ہے، اس کے متعلق شہادت دے رہا ہے کہ یہ شخص اس کام کی قابلیت بھی رکھتا ہے اور دیانت وامانت بھی اور اگر حقیقت میں اس شخص کے اندر یہ صفات نہیں ہیں اور ووٹر یہ جانتے ہوئے اس کو ووٹ دیتا ہے تو وہ ایک جھوٹی شہادت ہے، جو سخت گناہ کبیرہ اور وبال دنیا وآخرت ہے۔

اب ووٹ دینے والا اپنی آخرت اور انجام کو دیکھ کر ووٹ دے، محض رسمی مروت یا کسی طمع وخوف کی وجہ سے اپنے آپ کو اس وبال میں مبتلا نہ کرے۔

دوسری حیثیت ووٹ کی شفاعت یعنی سفارش کی ہے کہ ووٹر اس کی نمائندگی کی سفارش کرتا ہے۔ اس سفارش کے بارے میں قرآن کریم کا یہ ارشاد ہر ووٹر کو اپنے سامنے رکھنا چاہیے: "**ومن يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها ومن يشفع شفاعة سيئة يكن له كفل منها**" (سورۂ نساء: ۸۴) یعنی جو اچھی سفارش کرتا ہے، اس میں اس کو بھی حصہ ملتا ہے اور بری سفارش کرتا ہے تو اس کی برائی میں اس کا بھی حصہ لگتا ہے۔

اچھی سفارش یہی ہے کہ قابل اور دیانت دار آدمی کی سفارش کرے، جو خلق خدا کے حقوق صحیح طور پر ادا کرے اور بری سفارش یہ ہے کہ نااہل، نالائق، ظالم کی سفارش کر کے اس کو خلق خدا پر مسلط کرے۔

ووٹ کی تیسری شرعی حیثیت وکالت کی ہے کہ ووٹ دینے والا امیدوار کو اپنا نمائندہ اور وکیل بناتا ہے، لیکن اگر یہ وکالت اس کی کسی شخصی حق سے متعلق ہوتی اور اس کا نفع نقصان ایسے حقوق کے متعلق ہے، جن میں اس کے ساتھ پوری قوم شریک ہے، اس لئے اگر کسی نااہل کو اپنی نمائندگی کے لئے ووٹ دے کر کامیاب بنایا، تو پوری قوم کے حقوق کو پامال کرنے کا

☆　استاذ مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)۔

گناہ بھی اس کی گردن پر رہا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ووٹ کی تین حیثیتیں ہیں، ایک شہادت، دوسری سفارش، تیسری وکالت، تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک صالح، قابل آدمی کو ووٹ دینا موجب ثواب عظیم ہے اور اس کے ثمرات اس کو ملنے والے ہیں، اسی طرح نا اہل یا غیر متدین شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری سفارش بھی اور ناجائز وکالت بھی، اسکے تباہ کن اثرات بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے۔

(۲) ووٹ کا حکم:

اگر ووٹ کی حیثیت شہادت کی مان لی جائے، اور امیدوار قابلیت اور امانت کی ودیانت کی صفت سے متصف ہے تو ایسی شہادت واجب ہے اور ایسی شہادت کو چھپانا گناہ عظیم ہے۔ ارشاد باری ہے: ''**يا أيها الذين آمنوا كونوا قوامين لله شهداء بالقسط**'' (سورۂ مائدہ: ۷) (اے ایمان والو! ایسے بن جاؤ کہ اللہ (کے احکام کی پابندی) کے لئے ہر وقت تیار ہو۔ (اور) انصاف کی گواہی دینے والے ہو)۔ دوسری جگہ ہے: ''**يا أيها الذين آمنوا كونوا قوامين بالقسط شهداء لله**'' (سورۂ نساء: ۱۳۴) (اے ایمان والو! انصاف قائم کرنے والے بنو، اللہ کی خاطر گواہی دینے والے بنو)، ان دونوں آیتوں میں مسلمان پر فرض کیا گیا ہے کہ سچی شہادت سے جان نہ چرائیں۔ اللہ کے لیے ادائیگی شہادت کے واسطے کھڑے ہوں جائیں۔ تیسری جگہ سورہ طلاق میں ہے: ''**وأقيموا الشهادة لله**'' (سورہ طلاق: ٦٥) یعنی اللہ کے لئے سچی شہادت کو قائم کرو، ایک آیت میں یہ ارشاد فرمایا گیا کہ سچی شہادت کا چھپانا حرام اور گناہ ہے۔ ارشاد ہے: ''**ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه**'' (سورۂ بقرہ آیت ۲۸۲) یعنی شہادت کو نہ چھپاؤ اور جو چھپائے گا اس کا دل گنہگار رہے۔

(۳) الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنا:

جمہوری ممالک میں انتخاب میں شرکت سے بے شمار دینی وملی مصالح اور مقاصد وابستہ ہیں اور کہیں کہیں تو اس کے بغیر ملت کا تشخص اور وجود ہی خطرہ میں ہے، لہٰذا ہندوستان میں جمہوری نظام غیر اسلامی ہونے کے باوجود اگر امیدوار کی نیت شرکت سے متصادم قوانین کو منسوخ کرانے کی کوشش اور خدمت خلق ہو تو اپنے آپ کو الیکشن میں امیدوار کی حیثیت سے پیش کرنا راقم کے نزدیک جائز ہے۔ صحیحین کی حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے: ''**من رأى منكم منكراً فليغيره بيده ومن لم يستطع فبلسانه ومن لم يستطع فقلبه**'' (رواہ البخاری) (جو کوئی تم میں سے کوئی برائی دیکھے، تو وہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے، اور جو اس کی استطاعت نہ رکھے تو اس کو زبان سے کہے اور اس کی بھی استطاعت نہ رکھے تو اسکو دل سے برا جانے۔

انتخاب میں شرکت کے جواز پر فتاوی محمودیہ کا ایک فتویٰ بھی ملاحظہ فرمائیں:

سوال ۴۵۸ ۴: کیا اسلامی اصول کے مطابق اس ہندوستان کی سیاست میں ہم مسلمان بھی حصہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

اگر اس حصہ لینے سے آپ کو احکام اسلام پر عمل کرنے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو، اور آپ حصہ لے کر اہل اسلام کی خدمت کر سکیں اور ان کو ظلم سے بچا کر حقوق دلا سکیں تو حصہ لے سکتے ہیں (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/ ۴۲۵)۔

(۴) ممبر بننا:

قانون ساز ادارے جو مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں، خواہ یہ ادارے غیر مسلم ملکوں میں ہوں یا غیر ملکوں میں، راقم کے نزدیک ایسے اداروں کے ممبر بننے سے آدمی انہیں کے خیالات وافکار میں رنگ سکتا ہے اور یہ تعاون علی الاثم والعدوان بھی ہے۔ لہٰذا ایسے اداروں کا ممبر بننا راقم کے نزدیک درست نہیں ہے۔

سورۂ مائدہ کی آیت ہے: "**ولا تعاونوا على الإثم والعدوان**" (سورۂ مائدہ:۱) (اور تم لوگ برائی اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو)۔

سورۂ مائدہ ہی میں ہے: "**يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا دينكم هزوا ولعبا من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم والكفار أولياء واتقوا الله إن كنتم مومنين**" (سورۂ مائدہ:۵۶) (اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، ان میں سے ایسے لوگوں کو اپنا یار ومددگار نہ بناؤ۔ جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق وکھیل بنا رکھا ہے اور اگر تم واقعی صاحب ایمان ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو)۔

سورۂ ہود میں ہے: "**ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار ومالكم من دون الله من أولياء ثم لاتنصرون**" (سورۂ ہود:۱۱۲) (اور مت جھکو ان کی طرف جو ظالم ہیں، پھر تم کو لگے گی آگ اور کوئی تمہیں تمہارا اللہ کے سوا مددگار پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے)۔

اس حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے: "**من رتع حول الحمى يوشك أن يقع فيه**" (رواہ بخاری)۔

(۵) حلف اٹھانا:

حلف اٹھاتے وقت اگر یہ نیت ہو کہ خلاف شریعت جو دفعات ہیں، ان کو میں مٹانے کی بھرپور کوشش کروں گا، خواہ

مجھے قانون ساز اداروں سے دست بردار ہونا پڑے، راقم کے نزدیک اس طرح کا حلف اٹھایا جاسکتا ہے۔ بصورت دیگر اس طرح کا حلف اٹھانا راقم کے نزدیک جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ تعاون علی الاثم والعدوان ہے۔ قرآن کریم میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے: ''ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان'' (سورۂ مائدہ:۱) (اور تم لوگ برائی اور زیادتی کے کاموں میں مدد نہ کرو)۔

(۶) بائبل پر حلف لینا:

بائبل کو چونکہ مسلمان محرف اور تبدیل شدہ باور کرتے ہیں اور بحالت موجودہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کو افتراء علی اللہ گردانتے ہیں۔ اس لئے راقم کے نزدیک جائز نہیں کہ مسلمان ممبر بائبل پر حلف لے، کیونکہ یہ ان کتابوں کی تعظیم اور بحالت موجودہ ان کے منجانب اللہ ہونے کی تصدیق کرنے کے مرادف ہوگا، البتہ اگر وہ اس پر مجبور ہوں اور انصاف حاصل کرنا اور ظلم سے بچنا اسی پر موقوف ہو تو کراہت خاطر کے ساتھ بائبل پر حلف لیا جاسکتا ہے، چنانچہ رابطہ عالم اسلامی کے تحت اسلامی فقہ اکیڈمی کے اجلاس منعقدہ ۸ تا ۱۶ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ میں علماء اس مسئلہ میں جن نکات پر متفق ہوئے ہیں، ان میں ایک یہ ہے کہ: ''إذا کان القضاء فی بلد ما حکمه غیر إسلامی یوجب علی من توجهت علیه الیمین وضع یده علی التوراة أو والإنجیل أو کلیهما فعلی المسلم أن یطلب من المحکمة وضع یده علی القرآن فإن لم یستجب یکون مکرها ولابأس علیه أن یضع یده علیهما أو علی احدهما دون أن ینوی بذلک تعظیما'' (قرارات مجلس المجمع الفقهی الإسلامی ۱۴۰۲/۸۵)۔

(اگر کسی ملک میں غیر اسلامی حکومت ہو اور وہاں تورات یا انجیل یا ان دونوں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانے کا حکم دیا جاتا ہو تو مسلمان پر واجب ہے کہ وہ عدالت سے مطالبہ کرے کہ اس کے ہاتھ قرآن پر رکھوائیں جائیں، اگر اس کا یہ مطالبہ قبول نہ کیا جائے تو اب اسے مجبور سمجھا جائے گا اور اس کے لئے گنجائش ہوگی کہ وہ تورات یا انجیل یا دونوں پر دل سے ان کی تعظیم کا ارادہ کیے بغیر اپنا ہاتھ رکھے)۔

(۷) سیکولر پارٹیوں کی طرف سے انتخاب لڑنا یا ان میں شامل ہونا:

ایسی پارٹیوں میں راقم کے نزدیک اس شرط کے ساتھ شرکت اور انتخاب لڑنے کی گنجائش ہے کہ جو دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغائر ہوں، ان کو منسوخ کرا کے وہ دفعات نافذ کراؤں گا جو اسلام اور مسلمانوں کے موافق ہوں۔ حدیث ہے: ''إنما الأعمال بالنیات'' (رواہ البخاری) (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے)۔ اگر ایسی نیت نہ ہو تو پھر شرکت اور

انتخاب لڑنے کی گنجائش نہیں ہوگی اور یہ تعاون علی الاثم والعدوان ہے۔قرآن کریم میں ہے: ’’**ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان**‘‘(سورۂ مائدہ:۱)(اور تم لوگ برائی اور زیادتی کے کاموں میں مدد نہ کرو)۔

(۸)مسلم دشمن پارٹی میں شریک ہونا:

مسلم دشمن پارٹیاں جن کا مشن ہی اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت ہو، ایسی پارٹیوں میں شرکت خواہ اس کی نیت پارٹی کے ایجنڈے کے بدلنے کی ہو، راقم کے نزدیک جائز نہیں ہے، کیونکہ جن پارٹیوں کا مشن ہی اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت ہو وہ حزب الشیطان ہیں، وہ کب فرد واحد کی آواز پر کان دھریں گے اور چاروناچار یہ بیچارہ بھی ان کے خیالات وافکار کا حامی بن جائے گا۔

سورۂ ممتحنہ میں ہے: ’’**إنما ینهاکم اللّٰه عن الذین قاتلوکم فی الدین وأخرجوکم من دیارکم وظاهروا علی إخراجکم أن تولوهم ومن یتولهم فأولئک هم الظالمون**‘‘(سورۂ ممتحنہ:۸)۔

(اللہ تو منع کرتا ہے تم کو ان سے جو لڑتے ہیں تم سے دین پر، اور نکالا تم کو تمہارے گھروں سے اور شریک ہوئے تمہارے نکالنے میں کہ ان سے کرو دوستی اور جو کوئی ان سے دوستی کرے، سو وہ لوگ ہی ہیں گناہگار)۔

حدیث ہے: ’’**من کثر سواد قوم فهو منهم**‘‘۔

فقہی ضابطہ ہے: ’’**الاعتبار للأکثر لا للأقل** ‘‘(اعتبار اکثر کا ہے، نہ کہ اقل کا)۔

(۹)مسلمانوں کا علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا:

مسلمانوں کے لئے علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا، اگرچہ سیکولر ایجنڈے کے تحت ہی کام کرنا پڑتا ہو، راقم کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ اس پارٹی سے مسلمانوں کے دینی وملی کاموں میں تقویت ملے گی، اور غیروں کی نظر میں مسلمانوں کی ایک اہمیت ہوگی، اور رہی بات مسلمان مخالف ووٹ کے متحد ہونے کی تو اس طرح کی کوئی تدبیر اور مصلحت اختیار کی جائے کہ مسلمان مخالف ووٹ متحد نہ ہونے پائے۔

(۱۰)خواتین کا الیکشن میں حصہ لینا:

خواتین کا الیکشن میں امیدوار بننا، قانون ساز اداروں کا ممبر بننا راقم کے نزدیک جائز نہیں ہے، کیونکہ ان تمام چیزوں کا منصب مردوں کو عطا کیا گیا ہے اور یہ انہیں کو زیب دیتا ہے اور پھر یہ کہ ان تمام چیزوں میں غیر مردوں کے ساتھ میل

جول ضروری ہے، جبکہ شریعت نے اس سے منع کیا ہے۔

سورہ نساء میں ہے: **"الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما أنفقوا"** (سورۂ نساء: ۳۴) (مرد عورتوں پر نگراں اور حاکم ہیں۔ اس وجہ سے کہ اللہ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ وہ نفقہ ادا کرتے ہیں)۔

ظاہر ہے کہ یہ عظیم ذمہ داری مردوں کو ان کی عقل، فہم اور قوت فیصلہ نیز ان کی مہم جویانہ فطرت کی وجہ سے دی گئی ہے اور عورتیں ان صفات سے عموماً عاری ہوتی ہیں، اس لئے وہ ملک کے نظم ونسق بہتر طریقے سے سنبھال نہیں سکتی ہیں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس قوم کی قیادت عورت کے ہاتھ میں ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی: **"لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة"** (صحیح بخاری کتاب المغازی باب کتاب النبیؐ إلی کسری ۴۴۲۵)۔

عورت کا ووٹ میں حصہ لینا:

عورت کیا ووٹ ڈال سکتی ہے؟ اس سلسلہ میں معاصر فقہاء کی دو رائیں ہیں: بعض حضرات عورت کو ووٹ ڈالنے کی اجازت دیتے ہیں، کیونکہ یہ عام انسانی حقوق میں سے ہے۔ کسی عورت کو اس سے محروم کرنا درست نہیں ہوگا (المرأۃ بین الفقہ والقانون ص ۱۵۵) جبکہ بعض دیگر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ انتخاب میں گواہی اور وکالت کے ساتھ مذکورہ منصب کے لئے مناسب فرد کا چننا ہوتا ہے اور یہ کام عورت سے نہیں ہوسکتا، لہٰذا عورت کے لئے ووٹ ڈالنا درست نہیں ہوگا (بدایۃ المجتہد ۵۳۱/۲، ردالمحتار ۴۴/۵)۔

الیکشن سے مربوط چند مسائل

مولانا افتخار احمد مفتاحی ☆

سوال ۱: ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

ووٹ کی مختلف حیثیتیں ہیں:

۱- ایک حیثیت شہادت کی ہے کہ ہم چند مختلف المزاج والصفات افراد میں سے جب کسی ایک کو ووٹ دیتے ہیں تو گویا اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ امیدوار ملک وملت اور باشندگان ملک کی فلاح و بہبود کے نظریہ سے دوسرے امیدواروں سے بہتر ہے، اس امیدوار میں خدمت خلق کا جذبہ ہے، امانت دار ہے مثبت سوچ رکھتا ہے۔ ملک کے مفاد میں ہر ممکن قربانی کا جذبہ رکھتا ہے۔ تخریبی مزاج نہیں رکھتا ہے یہ اس بات کا اہل ہے کہ دیگر امیدواروں کے مقابل اس کو ترجیح دی جائے۔ اگر ووٹ دینے والے نے اہل کو چھوڑ کر نااہل کو ووٹ دیا، اپنے ذاتی مفاد کے پس منظر میں یا قرابت اور رشتہ داری کی بنیاد پر تو یہ جھوٹی گواہی ہوگی اور جھوٹی گواہی سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سختی سے منع کیا ہے۔ یہ گناہ کبیرہ ہے اور دنیا وآخرت میں وبال جان ہے، اللہ رب العزت نے سورۂ حج میں ارشاد فرمایا: "**فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور**" (الحج: ۳۰) (سو تم لوگ بتوں کی گندگی سے کنارہ کش رہو اور جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو)۔

۲- ووٹ کی دوسری حیثیت وکالت کی ہے کہ ایک انسان اپنے کسی کام کا کسی کو وکیل بناتا ہے اور نمائندہ کی حیثیت سے بھیجتا ہے، اسی طرح یہاں بھی ووٹر اپنے علاقہ سے سیاسی معاملات میں وکیل بناتا ہے کہ فلاں امیدوار اس حلقہ سے برائے حکومت تنظیمی ڈھانچہ کے لئے وکیل ہے، لیکن کسی امیدوار کی وکالت کا معاملہ وکیل بنانے والے کی ذات تک محدود نہیں ہوتا بلکہ دیگر لوگوں کے نفع یا ضرر کا باعث ہوگا۔ اس لئے کسی امیدوار کو اگر وکیل بنانا ہے تو یہ سوچ سمجھ کر بنانا ہوگا کہ اس کی وکالت سے اگر عوام وخواص کا نقصان ہوگا تو وکیل کے ساتھ موکل بھی مورد الزام ٹھہرے گا اور پامالی حقوق کے گناہ میں شریک ہوگا۔

۳- ووٹ کی تیسری حیثیت سفارش کی ہے کہ ووٹ دینے والا جس کو ووٹ دیتا ہے وہ اس بات کی سفارش کرتا ہے

☆ جامعہ مفتاح العلوم مئو۔

کہ یہ امیدوار مفاد عامہ میں کام کرنے والا ہے، ملک کا خیر خواہ ہے اس علاقہ سے اسے نمائندہ بنایا جائے تو بہتر ہوگا، اگر ووٹر نے صحیح سفارش کی تو ثواب کا مستحق ہوگا اور اگر جان بوجھ کر حقیقت واقعہ کے خلاف سفارش کی تو عتاب کا مستحق ہوگا، اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: **من یشفع شفاعة حسنة یکن له نصیب منها و من یشفع شفاعة سیئة یکن له کفل منها** (النساء:۸۵) (جو شخص اچھی سفارش کرتا ہے، اس میں اس کو بھی حصہ ملتا ہے اور بری سفارش کرتا ہے تو اس کی برائی میں اس کا بھی حصہ لگتا ہے)۔

۴-ووٹ کی چوتھی حیثیت مشورہ کی ہے کہ چند امیدواروں میں سے ایک کو ووٹ دے کر گویا یہ مشورہ دے رہا ہے کہ میری رائے میں یہی امیدوار متعلقہ ذمہ داری کے لئے زیادہ مناسب ہے، بہ نسبت دوسرے امیدواروں کے، لیکن مشورہ دینے والے کو چاہیے کہ دل کی آواز پر مشورہ دے، کسی دوسرے کے دباؤ یا ذاتی مفاد میں کوئی مشورہ نہ دے۔

سوال ۲: اگر ووٹ شہادت کے درجہ میں ہے تو اس کا حکم شرعی کیا ہوگا۔ووٹ دینا صرف جائز ہوگا یا مستحب؟

آیات قرآنیہ نے جہاں جھوٹی شہادت کی قباحت اور حرمت کو بیان کیا ہے، وہیں احقاق حق کے نقطۂ نظر سے سچی شہادت کو لازم بھی قرار دیا ہے اور اخفاء سے واضح لفظوں میں منع کیا ہے۔ارشاد ربانی ہے: ''**ولا تکتموا الشهادة و من یکتمها فإنه آثم قلبه**'' (البقرہ ۲۸۳) (اور شہادت کا اخفاء مت کرو اور جو اخفاء کرے گا اس کا دل گناہگار رہے)۔

آیات قرآنیہ میں جس شدت سے گواہی دینے کا حکم دیا گیا اور کتمان شہادت سے منع کیا گیا، اس کے پس منظر میں فقہاء عظام اور محققین نے متحمل شہادة یعنی گواہ بننے کو اسی طرح فرض کفایہ قرار دیا ہے، جس طرح اداء شہادت یعنی گواہی دینا فرض کفایہ ہے، کیوں کہ بصورت دیگر اہل حقوق کے حقوق ضائع ہوجائیں گے فی المجتبیٰ **عن الفضلی: تحمل الشهادة فرض علی الکفایة کأدائها وإلا لضاعت الحقوق** (شامی)۔

فرض کفایہ ہونے کا حکم یہ ہے کہ اگر کچھ لوگوں نے شہادت دے دی اور ان کی شہادت سے مظلوم کو اس کا حق مل گیا تو باقی افراد سے اس کی فرضیت ساقط ہوجائے گی۔

ووٹ میں ایک حیثیت گواہی کی ہے اور گواہی کے سلسلہ میں یہ واضح کیا جاچکا کہ بعض صورتوں میں فرض کفایہ اور بعض صورتوں میں فرض عین ہے۔اسی طرح ووٹ دینا بھی بعض صورتوں میں فرض کفایہ اور بعض صورتوں میں فرض عین ہوگا۔

سوال ۳: الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا کیا حکم ہے؟

حضرات فقہاء نے عہدہ اور منصب کے طلب کے سلسلہ میں تفصیل بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی بھی عہدہ اور منصب کا طلب اگر وہ اس عہدہ کی اہلیت نہیں رکھتا ہے تو اس کا طلب کرنا مطلقا ممنوع ہے اور ایسے ہی اگر منصب کی طلب

حب جاہ ومال اور شرف کے پیش نظر ہو تو بھی منع ہے اور اگر عدل وانصاف کے قیام اور اصلاح بین الناس کے جذبہ سے ہو تو کوئی حرج نہیں ہے (تکملہ فتح الملہم ۳؍۲۹۴) مفسر قرآن علامہ قرطبیؒ حضرت یوسفؑ کے قول: اجعلنی علیٰ خزائن الأرض الخ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **لوعلم إنسان من نفسه أنه يقوم بالحق فی القضاء أداء لحسبة ولم يكن هناک من يصلح ولايقوم مقامه لتعين ذالک عليه وجب ان يتولاه ويسأل ذلک ويخبر بصفاته التی يستحقها به من العلم والكفاية وغير ذالک كما قال يوسف عليه السلام فأما لوكان هناک من يقوم بها ويصلح لها وعلم بذالک فالأولىٰ أن لايطلب لقوله عليه السلام لعبد الرحمن: لاتسأل الإمارة** الخ (تفسیر قرطبی ۹؍۱۴۲)۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ رقمطراز ہیں: ’’معلوم ہوا کہ جب کسی کام کی لیاقت اپنے اندر منحصر دیکھے تو خود اس کی درخواست جائز ہے مگر مقصود نفع رسانی ہو، نہ کہ نفس پروری (بیان القرآن)۔

سوال ۴: غیر مسلم ملکوں میں اور بہت سے مسلم ملکوں میں بھی قانون ساز ادارے مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں، ایسی صورت میں ان اداروں کا ممبر بننا درست ہوگا یا نہیں؟

ایسے قانون ساز ادارے جو مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں، ان اداروں کی رکنیت اختیار کرنے اور نہ کرنے کے سلسلہ میں جب ہم بنظر غائر دیکھتے ہیں تو کوئی پہلو شر سے خالی نظر نہیں آتا تاہم اس میں خیر کا بھی امکان ہے۔ اگر ہم ان اداروں کی رکنیت اختیار کرتے ہیں تو گویا مخالف شریعت قوانین بنانے والوں کا تعاون کرتے ہیں اور بظاہر یہ تعاون علی الاثم والمعصیۃ کی قبیل سے ہوگا جو از روئے شرع درست نہیں ہے، اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: **ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان** (سورہ مائدہ:۸) اور (مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر)۔

اس لئے جو ادارے مخالف شریعت قانون بناتے ہیں یقیناً یہ جوش انتقام میں ظلم وزیادتی کے مرتکب ہیں، ان کی اعانت نہ کرکے ان کو بے اعتدالیوں سے روکنے کی ضرورت ہے، اس کا تقاضا ہے کہ ہم ان اداروں کی رکنیت اختیار نہ کریں، لیکن دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اگر ہم ان اداروں کی رکنیت اختیار کر لیتے ہیں تو ممکن ہے کہ ہم اپنے اخلاق، کردار اور اسلامی تعلیمات کی جامعیت کی بنیاد پر ان اداروں کو ایسے قوانین کے بنانے سے روک سکیں جو مخالف شریعت ہوں اور انہیں مثبت سوچ پر آمادہ کرسکیں۔ الغرض دونوں پہلو (خیر اور شر) اس میں موجود ہیں، گویا ہم دوراہے پر کھڑے ہیں، لیکن قرآنی تعلیمات، آپ ﷺ کی سیرت مقدسہ، فقہاء اور مجتہدین کے اقوال ہمارے لئے رہنما اصول ہیں، ان کی روشنی میں ہم فیصلہ کرسکتے ہیں۔ آپ ﷺ کی مبارک زندگی میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا، اس واقعہ کے خدوخال کو ہم دیکھیں تو زیر بحث مسئلہ میں رہنمائی مل سکتی ہے۔

سوال۵: جولوگ قانون ساز اداروں کے رکن منتخب ہوں، انہیں دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے اور دستور میں بہت سی دفعات خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں تو یہ عمل کہاں تک درست ہوگا؟

سوال ۴ کے ذیل میں یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ ایسے قانون ساز ادارے جو مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں، ان کی رکنیت اختیار کرنا ضرورتاً جائز ہے، صورت مسئولہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض قوانین خلاف شرع ہوتے ہیں اور بعض خلاف شرع نہیں ہوتے، اس لئے الامور بمقاصدها ،الضرورات تبيح المحظورات، إنما الأعمال بالنيات وغیرہ قواعد کی بنیاد پر دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا بادل نخواستہ ضرورتاً جائز ہوگا اور حلف اٹھاتے وقت قلبی رجحان ان قوانین کی طرف ہو جو خلاف شرع نہ ہوں اور صورت مسئولہ کے جواز کو ذیل میں لکھے گئے مسئلہ پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اگر کفار مسلمانوں سے جنگ کی صورت میں مسلم قیدیوں یا بچوں کو ڈھال بنائے ہوئے ہوں اور اسلامی لشکر تیر چلاتے وقت مسلمان قیدیوں یا بچوں کو نشانہ بنانے کی نیت نہ کرے بلکہ کافروں کو نشانہ بنانے کی نیت کرے تو تیر چلانا درست ہوگا ورنہ حرام ہوگا (الاشباہ والحموی)۔

سوال۶: بعض عیسائی ملکوں میں ہر ممبر کو بائبل پر حلف لینا پڑتا ہے، خواہ وہ کسی مذہب کا ہو تو کیا مسلم ارکان کے لئے یہ عمل درست ہوگا؟

تورات، زبور، انجیل اور قرآن آسمانی کتابیں ہیں، قرآن کے بارے میں ارشاد ربانی ہے: إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون ۔یعنی ہم نے (ذکر) قرآن کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ تنزیل قرآن کے تذکرہ کے ساتھ اللہ رب العزت نے حفاظت قرآن کا بھی وعدہ کیا ہے۔ جبکہ قرآن کے سوا دیگر آسمانی کتابوں کی حفاظت کا وعدہ نہیں کیا گیا، نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کے سوا تمام آسمانی کتابوں میں تحریف کی گئی اور جو بھی یہودیوں یا عیسائیوں کے تورات وانجیل کے نسخے آج دستیاب ہیں وہ سب محرف ہیں اور ان تحریف شدہ نسخوں پر حلف لینا درحقیقت ان کے منزل من اللہ ہونے کی تصدیق اور تعظیم کے مرادف ہوگا اور یہ مسلم ممبران کے لئے اصلاً جائز نہیں ہونا چاہیے، البتہ اگر مسلم ممبران کو اس پر حد درجہ مجبور کیا جائے اور بلا حلف اٹھائے ان کی رکنیت کو خارج تصور کیا جائے تو الضرورات تبيح المحظورات، يجوز في الضرورة مالا يجوز في غيرها، أهون البليتين وغیرہ قواعد کی رو سے ضرورتاً بادل ناخواستہ بائبل پر حلف لینا جائز ہوگا، لیکن حلف لیتے وقت دل میں یہ بات موجزن ہونی چاہیے کہ یہ کتاب تحریف شدہ ہے اور منسوخ ہو چکی ہے مکہ مکرمہ کی فقہ اکیڈمی نے منعقدہ ۸ تا ۱۶ ربیع الثانی ۱۴۹۲ھ کے سمینار میں باتفاق رائے حلف لینے کو بدرجۂ مجبوری جائز قرار دیا ہے۔

سوال ۷: بعض سیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں، لیکن ان کی منشور کے بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغائر ہوتی ہیں، کیا ایسی پارٹیوں میں شریک ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونا جائز ہوگا؟

قوانین اسلام کی بقاء اور مسلم مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے سب سے پہلے اس بات کی جستجو ہونی چاہیے کہ کیا کوئی ایسی پارٹی بھی ہے جس کے منشور میں کوئی دفعہ مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغائر نہیں ہے، اگر کوئی ایسی پارٹی پائی جا رہی ہو جس کا ماضی مسلمانوں کے مفادات کا آئینہ کار ہو تو ایسی پارٹی میں شمولیت اختیار کرنا چاہیے اور اس پارٹی کی طرف سے اٹھائے گئے امیدواروں کی بھرپور حمایت کرنا چاہیے، لیکن اگر ایسی کوئی پارٹی نہ پائی جا رہی ہو بلکہ جتنی سیاسی پارٹیاں میدان میں ہیں ان سبھی کے منشور میں کچھ نہ کچھ کم وبیش دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغائر پائے جا رہے ہوں تو اُھون البلیتین پر عمل ہوگا، جو پارٹی نسبتاً مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو اس کا تعاون کیا جائے گا اور شمولیت اختیار کی جائے گی، اس سے کنارہ کشی اختیار کرنا قوم وملت کے لئے نقصان دہ ہوگا، اگر ہم نے متحد ہوکر اس پارٹی کو ووٹ دیا جو نسبتاً دوسرے سے بہتر ہے تو ہوسکتا ہے کہ رفتہ رفتہ ہمارا وزن بڑھتا جائے اور متاثر ہوکر وہ پارٹی اپنے منشور سے ان دفعات کو نکال دے جو مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغائر ہیں، لیکن اگر موجودہ تمام سیاسی پارٹیاں یکساں حیثیت کی حامل ہوں تو بھی الیکشن سے کنارہ کش نہیں ہوں گے بلکہ ان پارٹیوں کی طرف سے نامزد کئے گئے امیدواروں کے اخلاق وکردار پر نظر ڈالی جائے گی اور یہ دیکھا جائے گا کہ کون امیدوار مسلمانوں کے حق میں زیادہ بہتر ہے، نقصان دہ نہیں ہے، اس امیدوار کو ترجیح دی جائے گی پھر بھی اصلاً پارٹی ہی پر نظر مرکوز رکھی جائے گی کیونکہ امیدوار پارٹی کے منشور کا پابند ہوتا ہے۔

سوال ۸: جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمان کی مخالفت شامل ہو، کیا کسی مسلمان کے لئے اس پارٹی میں شریک ہونا جائز ہوگا؟ نیز اگر کسی کی نیت ہو کہ وہ پارٹی میں شریک ہوکر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا تو اس کے لئے اس پارٹی میں شامل ہونے کی گنجائش ہوگی؟

کسی بھی پارٹی کی بنیاد اس کے منشور پر ہوا کرتی ہے جس پارٹی میں شمولیت اختیار کی جائے گی گویا اس پارٹی کے منشور کی حمایت کا عہد وپیمان کرنا ہے، اس لئے اگر کوئی پارٹی میں شریک ہوکر منشور میں تبدیلی لانے کی نیت کرتا ہے تو بھی اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا، کیونکہ افراد کی ذاتی رائے پارٹی کے منشور یا فیصلوں پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ خلاصہ یہ نکلا کہ جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہو مسلمانوں کے لئے اس پارٹی میں شامل ہونا جائز نہیں ہے، اگر کسی کی نیت ہو کہ وہ پارٹی میں شریک ہوکر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا تو بھی

اس پارٹی میں شامل ہونے کی گنجائش سمجھ میں نہیں آتی۔

سوال۹: ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، مسلمانوں کے لئے علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا جائز ہوگا؟ جبکہ اسے سیکولر ایجنڈے کے تحت ہی کام کرنا پڑتا ہے، نیز ایک احساس یہ بھی ہے کہ جہاں مسلمانوں کی آبادی مرتکز نہیں ہوتی وہاں خصوصاً اور دوسرے علاقوں میں عموماً مسلم سیاسی جماعت کا قیام مسلمان مخالف ووٹ کو متحد کردیتا ہے اور اس سے فرقہ پرست تنظیم فائدہ اٹھالیتی ہیں۔

مذہب اسلام امن وشانتی کا مذہب ہے، عدل وانصاف کا پابند بناتا ہے۔حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ہر ممکن رعایت کرنے کا حکم دیتا ہے اور کوتاہی کی صورت میں بارگاہ ایزدی میں جواب دہی کا پابند بناتا ہے۔یہی وجہ تھی کہ جہاں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا وہاں عدل وانصاف کا بول بالا ہوا، ہر کس وناکس کو حصول انصاف کا حق ملا، آج بھی اگر اسلامی حکومت قائم ہوجائے تو جان ومال، عزت وآبرو کی مکمل حفاظت ہوگی، مقاصد شریعت کا تحفظ ہوگا بلاتفریق مذہب وملت معاشی ترقی کی راہیں ہر شخص کے لئے ہموار ہوں گی، خدا کے عادلانہ نظام کا نفاذ آزادانہ طور پر ہوگا۔اگر مستقل حکومت وسلطنت نہ ہوتو حکومت میں مؤثر طریقہ سے شمولیت بھی بہت سی مشکلات کو ختم کرسکتی ہے جہاں تک معاملہ مسلمانوں کے اقلیت میں رہتے ہوئے علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنے کا ہےتو چونکہ دنیا میں زیادہ تر جمہوری نظام قائم ہے اور جمہوریت میں سیاسی پارٹیوں کے قیام کو قانوناً جواز حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ آئے دن نئی نئی پارٹیاں وجود میں آتی رہتی ہیں تو مسلمانوں کے لئے بھی علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنے کا جواز حاصل ہے اور قرآن کی آیت: **واجعل لی من لدنک سلطانا نصیراً** بھی جواز کی طرف مشیر ہے، لیکن پارٹی کی تشکیل سے پہلے مفاد عامہ پر نظر رکھی جائے گی۔جمہوریت میں مسلمان اور برادران وطن اگر تانے بانے کی طرح متحد ہوکر رہیں تو ملک کی سالمیت بھی ہوگی اور ترقی کے مواقع بھی زیادہ فراہم ہوں گے، لیکن تعصب ونفرت کا ماحول ہو، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کی جاتی ہوں اور مسلمانوں کو ترقیات سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہوتو اگر علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا مفید ہوتو علیحدہ جماعت قائم کرنا جائز ہی نہیں بلکہ بہتر اقدام ہوگا برخلاف اس کے اگر نقصان کا اندیشہ ہوتو علیحدہ جماعت قائم نہ کرکے اس جماعت اور پارٹی کی حمایت کی جائے جو مسلمانوں کے لئے دوسری پارٹیوں کے مقابل بہتر ہوں۔

سوال۱۰: الیکشن میں خواتین کا کیا کردار ہونا چاہیے، کیا انہیں ووٹنگ میں حصہ لینا چاہیے؟ کیا ان کے لئے الیکشن میں امیدوار بننا جائز ہے، کیا وہ قانون ساز اداروں کی ممبر بن سکتی ہیں؟

ازروئے شرع اصلاً عورتوں کا الیکشن میں ممبر بننا اور قانون ساز اداروں کی رکنیت اختیار کرنا درست نہیں ہے، لیکن

مخصوص اور غیر معمولی حالت میں کچھ نہ کچھ گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے ان خاص حالتوں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''یہ صحیح ہے کہ عورت کے طبعی حالات فرائض امامت کے منافی ہیں اور خود اسلام نے امام کے لئے جو ضروری شرائط قرار دیئے ہیں اس سے یہ جنس لطیف کبھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتی۔ اس لئے وہ امامت جمہوری اور خلافت الٰہی سے سبکدوش ہے، لیکن اس سے یہ غلط استدلال نہیں کرنا چاہیے کہ مسلمان عورت کو کسی بھی حالت میں پبلک کی سیاسی اور فوجی رہبری جائز نہیں ہے، خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ ساری ملت میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑک رہی ہو اور اس کے خیال میں کوئی دوسرا اس فتنہ کو بجھانے والا نہ ہو (سیرت عائشہ صفحہ ۱۲۶)۔

جمہوری ممالک میں الیکشن سے متعلق مسائل واحکام

مولانا محمد مجیب الرحمٰن ندوی ☆

ووٹ کی شرعی حیثیت:

۱-قرآن وحدیث کی روشنی میں ووٹ کے مسئلہ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے ووٹ کی چند حیثیتیں ہیں مثلاً شہادت، سفارش، مشورہ، وکالت وغیرہ۔

شہادت:

عینی مشاہدہ کی بناء پر کسی شئی کے برحق اور صحیح ہونے کی خبر دینا شہادت وگواہی ہے (جامع الرموز ۴/ ۴۸۴)۔

پس کسی امیدار کو ووٹ دینا دراصل اس بات کی گواہی ہے کہ وہ فلاں منصب کا اہل اور امانتدار ہے، دیانتداری کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرسکتا ہے، اس میں قوم وملت کا درد ہے، خدمت خلق کا جذبہ ہے اور وہ ملک وملت کا خیر خواہ ہے۔ ایسے امیدوار کو ووٹ دینا سچی گواہی ہے۔ اس کے برعکس نااہل، خائن، ملک وملت کے غدار، چوراچکے، مجرم پیشہ ور، بلکہ پولیس کے نامزد اور نامور مجرم اور خودغرض امیدوار کو ووٹ دینا جھوٹی گواہی ہے اور جھوٹی گواہی گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن مجید اور حدیث پاک نے شرک اور جھوٹی شہادت دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا ہے جس کا مقصد واضح ہے کہ جس طرح شرک اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ اور گناہ کبیرہ ہے، ویسے ہی جھوٹی شہادت بھی ناپسندیدہ اور گناہ کبیرہ ہے۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم کو اکبرالکبائر (سب سے بڑا گناہ) نہ بتاؤں؟ صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک کرنا، والدین کی نافرمانی پھر آپ ﷺ ٹھیک سے بیٹھ گئے، حالانکہ اس سے پہلے ٹیک لگائے ہوئے تھے، اور فرمایا: سنو شہادت زور یعنی جھوٹی گواہی اور برابر دہراتے رہے، یہاں تک کہ ہم لوگوں کو خیال ہوا کہ کاش آپ ﷺ

☆ جامعۃ المعارف، رامپور، یوپی۔

خاموش ہوجاتے (بخاری شریف، باب ماجاء فی شہادۃ الزور ۱/ ۳۶۲)۔

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور" (سورۃ الحج:۳۰)۔

یعنی بتوں کی گندگی سے بچتے رہو اور جھوٹی بات سے بچتے رہو۔ معلوم ہوا کہ جس طرح سچی شہادت دینا اجر وثواب کا باعث ہے، وہیں قومی ومذہبی فریضہ بھی ہے۔

سفارش:

سفارش کی حقیقت یہ ہے کہ جس کی سفارش کی جائے اس کو فائدہ پہنچے (تفسیر قرطبی ۵/ ۱۹۰)۔

اس اعتبار سے سفارش کی دو قسمیں ہوں گی: (۱) درست سفارش، (۲) نادرست سفارش۔

درست سفارش: اس میں سفارش کرنے والا اور جس کے حق میں سفارش کی جاتی ہے، دونوں جب تک سفارش کردہ شئ کو بروئے کار لاتا رہے گا، تب تک سفارش کرنے والے کو بھی ثواب ملتا رہے گا۔

نادرست سفارش: ناجائز وناحق سفارش جس کو قرآن میں "شفاعت سیئۃ" سے تعبیر کیا جاتا ہے جس میں سفارش کرنے والا اس دوسرے شخص کے گناہ وجرم میں شریک ہوتا ہے جس کے حق میں اس نے سفارش کی اور اللہ کے یہاں اس کا بھی مواخذہ ہوگا جس کو قرآن نے اپنے معجزانہ الفاظ میں یوں بیان کیا ہے:

"من يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها ومن يشفع شفاعة سيئة يكن له كفل منها وكان الله على كل شيئ مقيتا" (سورۃ النساء:۸۵)۔

یعنی جو کوئی اچھی سفارش کرے گا اس کو اس میں حصہ ملے گا اور جو کوئی بری سفارش کرے گا، اس پر اس میں سے بار رہے گا اور اللہ ہر چیز پر طاقت رکھنے والا ہے، یعنی ووٹرس جس امیدوار کو ووٹ دیتا ہے اس کے بارے میں الیکشن کمیشن بورڈ سے سفارش کرتا ہے کہ فلاں پارلیمنٹ کا ممبر بننے کا اہل ہے اور وہ اس عہدہ کو بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہے۔

مشورہ:

یعنی جس طرح دوسرے امور میں مشورہ کیا جاتا ہے، اسی طرح حکومت کے قیام اور امور مملکت کو بھی مشورہ کے ذریعہ انجام دینا چاہیے، اس لیے کہ یہ اسلام کا طرہ امتیاز رہا ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ارباب حل وعقد منتخب کرے اور عوام ان کے تابع ہوں، ملک میں اصحاب رائے اور ارباب حل وعقد کی ایک شوریٰ ہو جو امیر المؤمنین کا

انتخاب کریں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اہم امور میں صحابہ کرامؓ سے مشوہ لینے کا حکم دیا "وشاورهم في الأمر" (آل عمران:۱۵۹)، یعنی معاملات میں ان سے مشورہ لیتے رہیے، چنانچہ آپ ﷺ نے واقعۂ افک میں حضرت علیؓ، حضرت اسامہؓ، حضرت زینب بنت جحشؓ اور حضرت بریرہؓ سے مشورہ لیا(بخاری شریف، کتاب المغازی، باب حدیث الافک ۲/ ۵۰۵، ۵۸۱)۔

اسی طرح سے ووٹ وکالت کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔یعنی ایک اعتبار سے ووٹر کا اپنی رائے دہی کا استعمال وکالت کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔وہ اس طرح کہ وکالت میں انسان اپنے کام کا کسی کو نمائندہ ووکیل بناتا ہے۔ووٹ ایک حق ہے جس کو لوگ استعمال کر کے سیاسی امور میں کسی کو نامزد کرتے ہیں کہ فلاں شخص یا فلاں امیدوار اس حلقہ سے حکومت کی تشکیل کرنے اور وزیر اعظم منتخب کرنے کے لیے وکیل ہے۔

لیکن یاد رہے کہ وکالت دو طرح کی ہوتی ہیں: اول اس کا فائدہ یا نقصان صرف مؤکل کی ذات تک محدود ہوتا ہے، دوسرے اس کا فائدہ یا نقصان عام ہوتا ہے، یعنی مؤکل اور اس کے علاوہ تمام لوگوں تک متعدی ہوتا ہے، اس اعتبار سے کسی نااہل امیدوار کو ووٹرس نے ووٹ دے کر کامیاب کیا اور اس امیدوار نے قوم وملت کے حقوق کو پامال کیا یا کسی بھی طرح کا ظلم اور جرم کیا تو چونکہ اس کے نقصان کا دائرہ وسیع ہے، اس لیے گناہ بھی اسی نسبت سے ہوگا اور ووٹرس بھی اس گناہ میں برابر کا شریک ہوگا۔

۲-اس بات کے واضح ہوجانے کے بعد کہ اسمبلیوں اور کونسلوں وغیرہ کے انتخاب میں کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی ایک شہادت ہے تو یہ معلوم ہوگیا کہ اس کا شہادت حسنہ کے درجہ میں ہونے کے تحت ووٹ دینا بھی آج کے دور میں مسلمانوں کی پسماندگی کے پیش نظر واجب ہے جس کو قرآن نے یوں کہاں ہے: "**ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه**"(سورۃ البقر ۲۸۳)۔

۳-اگر بذات خود اس عہدہ سے بخوبی واقف ہے جس عہدہ کے الیکشن میں وہ اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کر رہا ہے اور اس عہدہ کی تمام ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دینے کی قابلیت اور صلاحیت رکھتا ہو اور اس کو دیانتداری کے ساتھ ادا کر سکتا ہو۔خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار ہو، قوم وملت اور ملک کا بہی خواہ ہو، اللہ کے یہاں جواب دہی کا احساس ہو تو ایسے آدمی کا اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنا لازم وضروری ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت شعیب کے واقعہ سے عیاں ہے۔

"**قال اجعلني على خزائن الأرض إني حفيظ عليم**"(سورہ یوسف:۵۵)۔

یعنی حضرت یوسفؑ نے کہا کہ زمین کے خزانوں پر مجھے مامور کردیجئے (نگہبان بنا دیجئے) کیونکہ میں حفاظت

کرنے والا موزوں اور باخبر ہوں اور اس کام سے بخوبی واقف ہوں (صفوۃ التفاسیر)۔

۴- اگر یہ بات واضح ہوجائے کہ وہ قانون ساز ادارے جو مخالف شریعت قوانین بھی بناتے ہیں مگر ان کا ممبر بننے میں زیادہ فائدہ ہو اور ممبر بننا اور اس پر قائم رہنا بغیر معصیت کے ممکن نہ ہو تو فائدہ کے پیش نظر اس کو مجبوری کے تحت اضطراری حالت میں ظاہری ارتکاب کی اجازت ہوگی، مگر قلب سے کراہت ونفرت شدید ضروری ہے، کیونکہ شرح صدر وطیب قلب کی تو کوئی ضرورت نہیں، نہ کسی مخلوق کو اس کا علم ہے جو اس شخص سے کراہت قلب پر مواخذہ ودار وگیر کرسکے اور اس ملک میں موجودہ حالت کے تناظر میں درست اس لیے ہوگا کہ ہندوستان اور اس جیسے جمہوری ممالک میں ممبر بننا یا اس میں شرکت کرنے سے بے شمار قومی وملی اور مذہبی مفادات ومقاصد وابستہ ہیں اور کہیں تو اس کے بغیر ملت کا تشخص اور دین اسلام کی حفاظت بھی خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔

۵- جن ممالک میں قانون ساز ممبر کو مجبور کیا جاتا ہو کہ وہ حکومت کے دستور کے مطابق کچھ منتخب دفعات پر حلف لے جن میں کچھ دفعات خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں، ایسی صورت میں ممبر کو چاہیے کہ کلی طور پر ان سے احتراز کریں، لیکن اگر ان دفعات سے بچنا ممکن نہ ہو اور کوئی صورت ایسی نظر نہ آئے جس کے ذریعہ ان سے بچا جاسکے اور یہ بات بھی بخوبی سمجھ میں آجائے کہ ممبر بنے گا تو اس کے مدمقابل کوئی دوسرا شخص ان ہی دفعات پر حلف لے کر ممبر بن جائے گا جس سے اسلام کو امت مسلمہ کو اور شریعت کو بڑے نقصان کا امکان ہے تو غیر شرعی دفعات کو برا سمجھتے ہوئے کراہت نفس کے ساتھ ناگزیر حالات میں اسلامی شریعت پر آنچ آنے سے بچاتے ہوئے اس کے تحفظ کی خاطر ''الضرورات تبیح المحظورات'' کے تحت حلف لے لیں، اس لیے کہ اس کا حلف نہ لینا زیادہ نقصان دہ ثابت ہوگا، حلف لینے سے اور فقہی اصول ہے کہ جب دو فساد ایک ساتھ جمع ہوجائے تو کم تر کو قبول کرلینا چاہیے لہٰذا حلف اٹھالینا چاہیے۔

٦- ہر مسلم رکن کے لیے بائبل پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانا یا حلف لینا جائز نہیں، اس لیے کہ مسلمان اس کتاب کو محرف اور تبدیل شدہ باور کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں اس پر حلف لینا اس کتاب کی تعظیم ہوگی جو منجانب اللہ ہونے کی تصدیق کے مترادف ہوگی، لیکن جب مسلم ارکان اس پر مجبور ہوجائیں اور انصاف حاصل کرنا اور ظلم سے بچنا اس پر موقوف ہو تو کراہت خاطر کے ساتھ حلف لیا جاسکتا ہے۔

''إذا كان القضاء في بلاد ما حكمه غير إسلامي يوجب على من توجهت عليه اليمين وضع يده على التوراة أو الإنجيل أو كليهما فعلى المسلم أن يطلب من المحكمة وضع يده على القرآن فإن لم يستجب لطلبه يعتبر مكرها ولا بأس عليه أن يضع يده عليهما أو على أحدهما دون أن ينوى

بذلک تعظیماً" (مجمع الفقہی الاسلامی ٨٥)۔یعنی اگر کسی ملک میں غیر اسلامی حکومت ہو اور وہاں تورات یا انجیل یا ان دونوں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانے کا حکم دیا جائے تو مسلمان پر واجب پر ہے کہ وہ عدالت سے مطالبہ کرے کہ اس کے ہاتھ قرآن پر رکھوائے جائیں، اگر اس کا یہ مطالبہ قبول نہ کیا جائے تو اب اسے مجبور سمجھا جائے گا اور اس کے لیے گنجائش ہوگی کہ وہ تورات یا انجیل یا ان دونوں پر اپنا ہاتھ رکھے اور حلف لے۔

٧- جو سیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے مناسب سمجھی جاتی ہوں، لیکن ان کے منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفاد کے مغائر ہوں تو بہتر ہے کہ ایسی پارٹیوں میں شریک نہ ہوں، لیکن اگر ایسی پارٹیوں میں شریک ہوئے بغیر اسلام کی دعوت کو عام کرنا اور مسلمانوں کا تحفظ ممکن نہ ہو تو اس طور پر شریک ہو کہ شریک ہونے والا اسلام کے جذبہ سے سرشار ہو، اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کا عزم ہو تو کراہت قلب کے ساتھ اس کو قبول کرے، یعنی شریک ہو جائے مگر دل میں اس کا برا ہونا تسلیم ہو، جیسا کہ مفتی کفایت اللہ صاحب اپنی کتاب کفایت المفتی میں ص ٣٦٤ پر رقمطراز ہیں کہ کفار سے اشتراک یا دوستی کسی بھی دفعات میں درست نہیں، لیکن اگر مقصود دین کی حفاظت ہو تو اشتراک جائز ہے۔

٨- جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہو تو ایسی پارٹی سے احتراز لازمی ہے۔اس لیے کہ فقہی اصول: "**ما اجتمع الحلال والحرام إلا وقد غلب الحرام**"۔

٩-مسلمانوں کے اقلیت میں ہوتے ہوئے ایک سیاسی پارٹی بنانا اس وقت صحیح ہوگا جب مسلمانوں کی سیاسی پارٹی تمام برائیوں کے ازالہ کے ساتھ ساتھ اسلام اور دین شریعت کا تحفظ اور اس کے فروغ کو مقدم رکھتے ہوئے تمام مذاہب کے لوگ ہندو، بودھ، سکھ، عیسائی اور مسلمان بھائیوں کو مظلوم، غریب، ناتواں اور پریشان لوگوں کی مدد کے لیے ابھارے اور اپنے روایتی طرز سے ہٹ کر ایک انقلابی راستہ ہموار کرے جس سے مسلمانوں کو بھی یہ احساس ہو جائے کہ حقیقتاً اگر وہ اب بھی نہ جاگے تو آنے والے زمانہ سے اسلام اور دین شریعت کو نقصان پہنچنے کے وسیع امکان ہیں، لہٰذا اس صورت حال کے پیش نظر مسلمانوں کے لیے مناسب ہوگا کہ وہ دین میں پختگی کے ساتھ ساتھ سیاست میں بھی پختگی پیدا کریں۔

١٠- جہاں تک عورت کا ووٹنگ میں حصہ لینے کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں سیاسی مفکرین اور فلسفیوں کی رائے یہ ہے کہ عورتوں کو حق رائے دہی ملنا چاہیے اور انہیں اس سے محروم رکھنا سراسر زیادتی اور ناانصافی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اس سے قوم کا نصف حصہ ہر قسم کی سیاسی ترقی سے محروم رہ جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سارے ملکوں میں عورتوں کو یہ حق حاصل ہے، اسی طرح مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی نے اپنی تصنیف کفایت المفتی (٩/٣٧٩) پر رقمطراز ہیں کہ عورتوں کا ووٹر بنا ممنوع نہیں ہے، ہاں ووٹ دیتے وقت شرعی پردہ کا لحاظ رکھنا لازم ہے، یعنی اگر پولنگ اسٹیشن پر عورتوں کے لیے پردہ کا

معقول نظم ہو اور غیر محرم مرد منتظم نہ ہوں یہاں تک کہ پیپر وغیرہ دینے والی بھی عورتیں ہی ہوں تو عورتوں کو ووٹ دینے کے لیے جانا جائز ہے، لیکن اگر اس کے برخلاف ہو یعنی کام کرنے والا عملہ غیر محرم مرد کا ہو تو عورتیں نہ جائیں بلکہ مطالبہ کریں کہ ان کے لیے زنانہ منتظم کا عملہ مقرر کیا جائے۔

جہاں تک تعلق الیکشن میں امیدوار بن کر قانون ساز اداروں کے ممبر بننے کا ہے، اس کو امام بخاریؒ نے اپنی تصنیف بخاری شریف میں اس روایت کو نقل کر کے واضح کر دیا ہے کہ جب آپ ﷺ نے کسریٰ شاہ فارس کی بیٹی کے بادشاہ ہونے پر فرمایا تھا: ”**لن یفلح قوم ولوا أمرهم امرأة**“ یعنی ایسی قوم ہرگز فلاح نہیں پاسکتی جس نے کسی عورت کو والی ریاست بنادیا ہو۔

الیکشن سے متعلق چند اہم مسائل

قاضی محمد حسن ندوی مدھوبنی ☆

۱-ووٹ کی شرعی حیثیت:

مروجہ جمہوری نظام چاہے اسلامی مملکت میں رائج ہو یا غیر اسلامی مملکت میں اسلامی طریق انتخاب سے درست نہیں، کیونکہ اس میں متعدد مفاسد اور خرابیاں ہیں، تاہم جب تک یہ نظام مسلم یا غیر مسلم مما لک میں رائج ہے اس وقت تک اس نظام سے متعلق جو شرعی احکام ہیں ان کی پابندی کرنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے، اسی طرح انتخابات سے بے تعلق رہنا جائز نہیں، کیونکہ اس وقت ووٹ بڑی طاقت ہے، ووٹ کے ذریعہ سیاسی اور سماجی زندگی میں قوموں کا درجہ ومقام متعین ہوتا ہے اور مسلمانوں کے قومی مفادات کے ساتھ ساتھ ملی ومذہبی مفادات کا بھی تحفظ ہوتا ہے اور عدم شرکت کی صورت میں قومی وملی نقصانات وخطرات کا بڑا امکان ہے جو شرکت وشمولیت کے نقصان سے زیادہ مہلک اور پریشان کن ہیں۔

اصول فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: إذا ابتلي ببليتين فليختر أهونهما'' یعنی جب دو مفاسد جمع ہو جائیں اور دونوں میں سے ایک سے دو چار ہونا ناگزیر ہو تو اقل درجہ کے مفسدہ کو اختیار کر لینا چاہیے۔ لہٰذا جلب منفعت اور دفع مضرت کے تحت انتخابات میں مسلمانوں کی شرکت اور ووٹ دینا، الیکشن میں حصہ لینا شرعاً درست ہے۔

۲-ووٹ اگر شہادت کے درجہ میں ہے تو شرعاً اس کا حکم:

شرعی نقطہ نظر سے ووٹ کی چار حیثیتیں ہیں: شہادت، سفارش، مشورہ، وکالت۔

پہلی حیثیت: شہادت: یہ پہلو زیادہ غالب ہے، اس لیے شہادت کی لغوی اور شرعی اعتبار سے یہاں وضاحت کی جاتی ہے۔

☆ استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ماٹلی والا، بھروچ، گجرات۔

شہادت کی لغوی تعریف:

شہادت کے لغوی معنی ہے اپنے مشاہدہ کی بنیاد پر کسی امر کے ثبوت وصحت کی خبر دینا۔ (جامع الرموز ۴/ ۴۸۴)

''شہادۃ'' کا لفظ مشاہدہ سے مشتق ہے۔ بعض نے 'شہود' سے بھی مشتق مانا ہے جس کے معنی حضور کے ہیں، چونکہ گواہی دینے والا قاضی کے اجلاس میں حاضر ہوتا ہے اس لیے اس کو شاہد کہتے ہیں۔

شہادت کی اصطلاحی تعریف:

اس سچی خبر کو ''شہادۃ'' کہتے ہیں جو مجلس قضا میں شہادت کے ساتھ ادا کی جائے۔

علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں: **والشهادة لغة: اخبار قاطع و فی عرف اهل الشرع اخبار صدق لاثبات حق بلفظ الشهادة فی مجلس القضاء** (فتح القدیر ۷/ ۳۳۹) (شہادۃ: یقینی اور قطعی خبر دینا ہے اور شرع میں سچی بات کی خبر دینا کسی حق کے اثبات کے لیے لفظ شہادت کے ساتھ مجلس قضا میں)، یہ حقیقت ہے کہ ووٹرس کسی امیدوار کو ووٹ دیتا ہے تو دراصل وہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ امیدوار اس منصب کا اہل ہے، امانت ودیانتداری کے ساتھ اس فریضہ کو ادا کرے گا، اس میں قوم وملت کی ہمدردی اور خدمت خلق کا جذبہ ہے، ایسے امیدوار کو ووٹ دینا سچی شہادت اور گواہی ہے۔

قرآن وحدیث میں سچی گواہی دینے کی ترغیب ہی نہیں ہے بلکہ کتمان شہادت پر وعید ہے اور سنگین گناہ قرار دیا گیا ہے۔

''**والذين هم بشهاداتهم قائمون...... أولئک فی جنٰت مکرمون**'' (سورۂ معارج: ۳۳-۳۵) (اور جو اپنی گواہی پر سیدھے ہیں،......وہی لوگ باغوں میں عزت سے ہیں)۔

دوسری جگہ پر ہے: **يا أيها الذين آمنوا کونوا قوامين لله شهداء بالقسط** (سورۂ بقرہ: ۲۸۳) (اے ایمان والو! اللہ کے لیے پوری پابندی کرنے اور عدل کے ساتھ شہادت دینے والے بنے رہو)۔

مذکورہ تفصیلات سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ اگر ووٹرس کی نگاہ میں امیدوار اس عہدے کے لائق ہے اور امیدوار میں ساری خوبیاں ہیں تو مصالح زندگی اور مقاصد زندگی کے خاطر ایسے امیدوار کو ووٹ دینا شرعاً اور اخلاقاً واجب ہوگا، البتہ موجودہ حالات میں سیاسی عہدہ پر فائز ہونے والے عموماً نااہل ہوتے ہیں اور ان کی نااہلی کی وجہ سے ملک میں امن وامان اور عدل وانصاف کا ماحول قائم ہونے کے بجائے ظلم وجبر، ناانصافی، بدامنی کا ماحول قائم رہتا ہے، اس لیے مسلمانوں کی بڑی ذمہ داری ہے کہ امیدوار کے انتخاب میں اسلامی نقطہ نظر کو پیش نظر رکھے اور ایسے امیدوار کو ووٹ دے جو واقعی قوم وملت کے

ہمدرد ہو، ورنہ ووٹ دینا باعث گناہ ہوگا، کیونکہ ووٹ دینا شفاعت ہے، اگر باصلاحیت اور مستحق شخص کے لیے سفارش کی تو یہ باعث ثواب ہے، لیکن اگر اس شخص کے لیے سفارش کی جو اس کا اہل نہیں ہے تو یہ باعث گناہ ہوگا۔

اگر کسی امیدوار میں اہلیت، امانت داری ودیانت داری نہیں ہے، ووٹر جانتے ہوئے اس کو ووٹ دیتا ہے تو یہ جھوٹی شہادت ہے جو گناہ کبیرہ ہے اور بخاری شریف میں جھوٹی گواہی کو شرک کے ساتھ کبائر میں شمار کیا ہے (بخاری شریف، بحوالہ جواہر الفقہ ۲/ ۲۹۲)۔

۳-الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا حکم:

امیدوار کی دو قسمیں ہیں:

۱-بعض امیدوار وہ ہوتے ہیں جن میں کچھ کمال اور خوبیاں ہوتی ہیں، ان کی وجہ سے وہ عہدہ کے مستحق ہوتے ہیں تو ان کی چاہت اور طلب کے بغیر ان کو عہدہ کے لیے دعوت دی جاتی ہے، کبھی وہ اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں، لیکن ان کو ضرورت کے تحت فائز کیا جاتا ہے تو ایسے امیدوار کی غیبی طور پر مدد ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے: **عن عبدالرحمن بن سمره قال، قال رسول الله ﷺ: لاتسأل الإمارة فإن أعطيتها عن مسألة وكلت إليها وإن أعطيتها عن غيرمسألة أعنت عليها** (مشکوۃ شریف ۲/ ۳۳۲)

(حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عہدہ اور حکومت کی طلب مت کرو، کیونکہ اگر تجھے طلب سے ملے گا تو خدا تجھے چھوڑ دے گا اور جو بغیر طلب کے ملے تو اللہ تعالیٰ اس پر تیری مدد کرے گا)۔

ہندوستان میں بھی ایسے سربراہ گزرے ہیں جنہوں نے قوم وملت کے لیے سب کچھ کیے اپنا کوئی ذاتی سرمایہ نہیں بنایا، ڈاکٹر راجندر پرشاد بارہ سال ہندوستان کے صدر رہے جب وہ سبکدوش ہوکر اپنے وطن پٹنہ گئے تو ان کے رہنے کے لیے کوئی مکان بھی میسر نہیں تھا (اسلام اور جدید فکری مسائل: ۳۲۵)۔

۲-بعض امیدوار وہ ہوتے ہیں کہ ان میں کوئی اہلیت اور کمال نہیں ہوتا، لیکن وہ حب مال اور حب جاہ کی وجہ سے اس عہدہ کو حاصل کرنے کے لیے جان ومال کی قربانی دینے کے لیے تیار ہوتے ہیں، اگر وہ کامیاب ہو بھی جاتے ہیں تو وہ قوم وملت کے لیے ہمدرد کے بجائے مضر اور نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔

۴-قانون ساز ادارے کا ممبر بننا:

اگر قانون ساز ادارے شریعت مطہرہ کے خلاف قوانین بناتے ہیں تو ایسی صورت میں ان اداروں کا ممبر بننا

معصیت کو عام کرنے اور معصیت میں تعاون کرنے کا سبب ہوگا، اس لیے ان اداروں کا ممبر بننا مسلمانوں کے لیے درست نہیں ہوگا۔ ارشاد الٰہی ہے: **تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان** (سورۂ مائدہ:۲)، کیونکہ جو اس طرح کی پارٹی کا ممبر بنتا ہے وہ اس کی پالیسی کے خلاف کوئی عمل نہیں کرسکتا۔

۵-وفاداری کا حلف اٹھانا جبکہ بعض دفعات خلاف شریعت ہوں:

چونکہ قانون ساز اداروں کے رکن سے جو حلف لیا جاتا ہے وہ دراصل وفاداری اور ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے ایک طرح سے اقرار لیا جاتا ہے۔ قسم کی صورتوں میں سے یہ بھی ایک صورت ہے جس طرح ضرورت کے تحت اللہ تعالیٰ کی قسم کھانا درست ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا نام لے کر حلف لینا درست اور جائز ہے، لیکن اگر دستور میں بعض دفعات خلاف شریعت ہیں، اس کے سلسلہ میں حلف لینا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ مسلمان کا یہ عمل قرآن اور شریعت کے خلاف ہوگا، اللہ تعالیٰ نے ''خیر أمة'' ہونے کی وجہ سے 'امر بالمعروف' اور 'النہی عن المنکر' کا فریضہ اس امت کے ہر فرد پر عائد کیا ہے، اسی طرح 'تعاونوا علی البر والتقوی' کا حکم دیا ہے اور خلاف اسلام دستور پر حلف لینا ان دونوں آیات کے خلاف ہوگا، اس لیے ایسے دستور سے وفاداری کا حلف لینا درست نہیں بلکہ ایسے دفعات کے سلسلہ میں توقف کرے، شریعت کے مطابق کرنے کے لیے درخواست دے، اپنی طاقت اور وسعت کے مطابق اس کے لیے کوشش کرے، یہ دینی اور اخلاقی فریضہ ہوگا، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: **من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان** (مسلم شریف: کتاب الایمان ۱/۵۱)۔

٦-عیسائی ملکوں میں مسلمان کا بائبل پر حلف لینا:

چونکہ قسم کے ذریعہ متکلم کے کلام اور بیان میں وزن پیدا ہوتا ہے، مذکورہ صورت میں متکلم کے کلام کو سامعین اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس لیے ضرورت کے تحت اللہ تعالیٰ کی قسم کھانے کی شرعاً اجازت ہے۔

اس کے علاوہ کسی کی قسم کھانا درست نہیں، کیونکہ قسم کی صحت کے لیے کسی مصحف، توریت یا انجیل پر ہاتھ رکھنا ضروری نہیں ہے۔ ہاں اگر حاکم قسم کو پختہ کرنا چاہتا ہے تاکہ حالف جھوٹ بولنے سے ڈرے تو ایسی صورت میں مسلمانوں کے لیے قرآن مجید ہاتھ میں لے کر حلف لینے کی اجازت ہوگی۔ اس کے علاوہ کسی اور کتاب یعنی توریت، انجیل پر حلف لینا درست نہیں ہوگا۔

ہاں اگر کسی عیسائی ملک میں ہر ممبر کو بائبل پر حلف لینا ضروری ہو تو ایسی صورت میں مسلمان ممبر کو چاہیے کہ پہلے

حکومت سے درخواست کرے مجھے قرآن مجید پر حلف لینے کی اجازت دے، درخواست دینے کے بعد بھی حکومت کی طرف سے اجازت نہ ہوتو اسے مجبور سمجھا جائے گا اور توریت یا انجیل پر تعظیم کی نیت کے بغیر ہاتھ رکھ کر حلف لینے میں کوئی حرج نہیں ہوگا (اسلامی فقہ اکیڈمی، مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے :۱۱۹-۱۲۰)۔

۷-منشور کی بعض دفعات شریعت کے خلاف ہوں، ایسی پارٹی میں شرکت اور انتخاب لڑنے کا حکم:

کسی ایسی پارٹی میں شرکت اور ان کی طرف سے انتخاب لڑنا درست نہیں ہے جن کی منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام ہو۔

ہاں اگر صورت حال یہ ہے کہ اس پارٹی میں شرکت باعث ضرر ہے اور عدم شرکت کی صورت میں بھی مسلمانوں کے لیے ضرر ونقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ تو ایسی صورت میں دیکھا جائے کہ کس صورت میں کم ضرر ہے اور کس صورت میں زیادہ ضرر ہے؟ لہٰذا اگر اس پارٹی کی ممبری قبول نہ کرنے میں اور انتخاب میں شرکت نہ کرنے میں اشد ضرر میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے تو مذکورہ قاعدہ کے تحت اس پارٹی میں شرکت اور انتخاب لڑنا جائز اور درست ہوگا تاکہ اشد ضرر سے اپنے آپ کو اور مسلمانوں کو بچایا جاسکے **لو كان أحدهما أعظم ضررا من الآخر...... فإن الأشد يزال بالأخف** (الاشباہ والنظائر ار۹۰)۔

۸-جس پارٹی کے منشور میں اسلام اور مسلمان کی مخالفت ہے اس پارٹی میں مسلمان کی شرکت:

جو پارٹی اور سیاسی جماعت اسلام اور مسلمانوں کی دشمن ہے، نیز اس کے قول وفعل سے یہ بات ظاہر ہے اور اس کا منشور بھی اسلام کے خلاف ہے۔ ایسی پارٹی میں شریک ہونا معصیت اور گناہ کو عام کرنے میں تعاون کرنا لازم آئے گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہے: "**ولا تعاونوا على الإثم والعدوان**" (سورۂ مائدہ:۲) اس لیے مذکورہ پارٹی میں شرکت کرنا جائز نہیں ہوگا۔

۹-مسلمانوں کے لیے علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا:

بلاشبہ سیاسی جماعت کے قیام کا حکم اس کے اہداف ونتائج اور فوائد کی بنیاد پر ہوگا، اس کی دو صورتیں ہیں: ایک صورت میں مسلمانوں کا فائدہ ہے اور فائدے کی درج ذیل شکلیں ہیں:

۱-ایک شکل یہ ہے کہ ملک میں ان کے وجود کو تقویت ملے گی۔ ان کی اجتماعیت میں مضبوطی اور دینی صورت حال کو

پائیدار بنانے میں مدد ملے گی۔

۲-دوسری شکل یہ ہے کہ اس سیاسی جماعت کی وجہ سے اسلام کے مستقبل اور منفرد وجود کو تحفظ ملنے کا امکان رہے گا۔دعوت الی اللہ'' امر بالمعروف ونہی عن المنکر' کے تحت لوگوں کی اصلاح وہدایت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

۳-تیسری شکل یہ ہے کہ اسلامی قضایا کی نصرت وحمایت میں نمایاں کردار ادا کرسکتی ہے جیسے فلسطین کا مسئلہ، امت مسلمہ کی ترقی وعروج کا مسئلہ، ہندوستان میں مسجد اور مدرسہ کا مسئلہ۔

۴-چوتھی شکل یہ ہے کہ زندگی کے تمام شعبہ جات میں اسلامی شریعت کو فیصل بنانے میں بھی سیاسی پارٹی سے مدد مل سکتی ہے۔

سیاسی جماعت کے قیام کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کا سیاسی اعتبار سے نقصان ہے کہ جہاں مسلمانوں کی آبادی مرتکز نہیں ہے، وہاں خصوصاً اور دوسرے علاقوں میں عموماً مسلم سیاسی جماعت کا قیام فرقہ پرست تنظیموں کو فائدہ پہنچانے کا ذریعہ ہوسکتا ہے، اس لیے ایسی جگہوں میں علیحدہ سیاسی جماعت قائم نہ کریں بلکہ سیکولر پارٹی میں شمولیت کرکے امانت دار شخص کو ووٹ دینا چاہیے، اپنے ووٹ کو ضائع ہونے سے بچانا چاہیے۔

۱۰-الیکشن میں عورتوں کا کردار:

اندرون خانہ کی ذمہ داریاں اصلاً عورتوں کے ذمہ ہیں، بغیر ضرورت شرعی باہر نکلنا درست نہیں، جن صورتوں میں عورتوں کو باہر نکلنے کی اجازت دی گئی ہے وہ مطلقاً نہیں ہے بلکہ پردہ اور محرم کے ساتھ ہے، اس لیے الیکشن میں امیدوار بننا اور قانون ساز اداروں کا ممبر بننا عورتوں کے لیے درست نہیں ہے، کیونکہ یہ امور عورتوں کی فطرت اور اندرون خانہ کی ذمہ داریوں سے خارج ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان صورتوں میں مردوں سے اختلاط ہوگا۔ بے حیائیاں عام ہوں گی، عورتوں کی نگاہوں میں شوہر اور اولاد کی ذمہ داریاں کم ہوجائیں گی بلکہ عزت وعصمت بھی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ اس لیے عورتوں کا الیکشن میں امیدوار بننا اور قانون ساز اداروں کا ممبر بننا جائز نہیں ہے۔

حدیث میں ہے: لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة (بخاری شریف: ۴۴۲۵)۔

البتہ خواتین کو ووٹنگ میں حصہ لینے کی اجازت ہوگی، کیونکہ ووٹ ایک بڑی طاقت ہے، اسی پر سماجی زندگی میں قوموں کا درجہ ومقام متعین ہوتا ہے اور مسلمانوں کے قومی مفادات کے ساتھ ساتھ مذہبی مفادات کا بھی تحفظ ہوتا ہے بلکہ شہریت (Nationality) ان ہی کو حاصل ہوتی ہے، جن کا ووٹر لسٹ میں نام ہوتا ہے اور ووٹ دینے کا حق حاصل ہوتا ہے،

ورنہ غیر شہری قرار دیا جاتا ہے۔ الغرض ووٹنگ میں حصہ نہ لینے کی صورت میں قومی، ملی اور مذہبی اعتبار سے بہت زیادہ نقصان ہے، اس لیے عورتوں کا ووٹنگ میں حصہ لینے کی اجازت دو شرطوں کے ساتھ ہوگی:

۱- پہلی بات یہ ہے کہ پردہ اور کسی محرم مرد کے ساتھ پولنگ پر جائے اور ووٹنگ میں حصہ لے۔

۲- دوسری بات یہ ہے کہ عورتوں کے لیے علیحدہ کوئی جگہ (پولنگ مقام) خاص کی جائے تاکہ مردوں سے اختلاط نہ ہو اور نہ کسی گناہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔

دکتور الشیخ مصطفیٰ السباعی رقمطراز ہیں: **وقد تقرر دفعاً لذلک المحضور أن يحصل لهن مراكز للاقتراع خاصة لهن فتذهب المرأة و تودی واجبهاتم تعود إلى بيتها دون أن تختلط بالرجال أو تقع في الحرمات** (المرأۃ بین الفقه والقانون ۱/ ۱۲۴)۔

سد فتنہ کے طور پر عورتوں کے ووٹنگ کے لیے علیحدہ جگہ متعین کی جائے تاکہ عورت وہاں اپنے وجوب کو ادا کرسکے اور پھر اپنے گھر مردوں سے اختلاط اور گناہوں میں پڑے بغیر واپس آجائے۔

الیکشن سے متعلق مسائل

مولانا حیدر علی قاسمی ☆

۱- ووٹ کی شرعی حیثیت:

ووٹ کے سلسلہ میں غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس کو ووٹ دیا جاتا ہے گویا اس کے بارے میں یہ گواہی دی جاتی ہے کہ یہ آدمی نیک، امانت دار اور دیانت دار ہے، اس کے اندر اہلیت وقابلیت اور صلاحیت واستعداد ہے۔ یہ اس کام کو صحیح ڈھنگ سے انجام دینے پر قادر ہے اور فلاں منصب اور عہدہ کے لائق ہے۔ اس اعتبار سے شہادت کے احکام اس پر جاری ہوتے ہیں، یہی قول حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا ہے، چنانچہ حضرت اپنی کتاب 'فقہی مقالات' میں تحریر فرماتے ہیں: ''ووٹ بھی بلاشبہ ایک شہادت ہے، قرآن وحدیث کے تمام احکام اس پر بھی جاری ہوتے ہیں'' (فقہی مقالات ۲/ ۲۸۸)۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب 'جواہر الفقہ' میں تحریر فرماتے ہیں: کسی امیدوار ممبر کو ووٹ دینے کی از روئے قرآن وحدیث چند حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت شہادت کی ہے کہ ووٹر جس شخص کو اپنا ووٹ دے رہا ہے، اس کے متعلق اس کی شہادت دے رہا ہے کہ یہ شخص اس کام کی اہلیت بھی رکھتا ہے اور دیانت وامانت بھی۔ اور اگر واقع میں اس شخص کے اندر یہ صفات نہیں ہیں اور ووٹر یہ جانتے ہوئے اس کو ووٹ دیتا ہے تو وہ ایک جھوٹی شہادت ہے جو سخت کبیرہ گناہ اور وبال دنیا وآخرت ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں رسول کریم ﷺ نے شہادت کاذبہ کو شرک کے ساتھ کبائر میں شمار فرمایا ہے (جواہر الفقہ ۲/ ۲۹۲)۔

چند سطروں کے بعد حضرت تحریر فرماتے ہیں: 'انتخابات میں ووٹ کی شرعی حیثیت کم از کم ایک شہادت کی ہے، جس کا چھپانا بھی حرام اور اس میں جھوٹ بولنا بھی حرام، اس پر کوئی معاوضہ لینا بھی حرام، اس میں محض ایک سیاسی ہار جیت اور دن کا کھیل سمجھنا بڑی بھاری غلطی ہے، آپ جس امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں شرعاً آپ اس کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ شخص اپنے علم

☆ جامعہ اسلامیہ جلالیہ ہوجائی، نوگاؤں، آسام۔

وعمل اور دنیاداری کی رو سے اس کام کا اہل اور دوسرے امیدواروں سے بہتر ہے‘‘(جواہر الفقہ ۲/ ۲۹۴)۔

نیز یہ بات بھی واضح ہے کہ جس طرح شہادت کے ذریعہ حقوق ثابت ہوتے ہیں، اسی طرح عصر حاضر میں ووٹ کے ذریعہ بھی حقوق ثابت ہوتے ہیں۔

مذکورہ وجوہ اور امور کی بنیاد پر بندہ کے نزدیک ووٹ شرعی اعتبار سے شہادت ہے۔

۲-ووٹ کا شرعی حکم:

ووٹ شہادت کے درجہ میں ہے اور شہادت کے سلسلہ میں اللہ رب العزت اپنی کتاب میں فرماتے ہیں: ’’**کونوا قوامین للّٰہ شھداء بالقسط**‘‘ (سورہ مائدہ:۸) (یعنی کھڑے ہوجایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی) (ترجمہ شیخ الہند)۔

مذکورہ آیت قرآنی سے سچی شہادت قائم کرنے کی اہمیت اور ضرورت واضح ہوجاتی ہے، جبکہ احادیث نبویہ میں بھی سچی شہادت قائم کرنے اور جھوٹی شہادت سے اجتناب کرنے کی تاکید وارد ہوئی ہے، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’**من کتم شهادة إذا دعی إليها کان کمن شهد بالزور**‘‘ (جمع الفوائد ۱/ ۶۲ بحوالہ فقہی مقالات ۲/ ۲۸۸) یعنی جس شخص کو شہادت کے لئے بلایا جائے اور وہ اسے چھپائے تو وہ جھوٹی گواہی دینے والے کی طرح ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ سچی شہادت قائم کرنا اور جھوٹی شہادت سے احتیاط کرنا ضروری ہے۔

یہ بات بھی واضح ہے کہ ووٹ صرف سماجی اعتبار سے ضروری نہیں ہے بلکہ دینی اعتبار سے بھی ضروری ہے، ووٹ کے بغیر دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے نقصان کا خطرہ ہے اور ووٹ کے بغیر حقوق اور مطالبات کا حصول ناممکن ہے، حقوق اور مطالبات کے حصول کیلئے اچھے آدمی کو ووٹ دینا ضروری ہے اور اصول یہ ہے ’**مالا یتم الواجب الا به فهو واجب**۔

مذکورہ وجوہ اور دلائل کی بناء پر راقم السطور کے نزدیک ووٹ دینا واجب ہے۔

۳-الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا حکم:

ویسے تو عام حالات میں کسی منصب اور عہدہ کا مطالبہ کرنا شریعت اسلامیہ کی رو سے جائز اور درست نہیں ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے: ’’**عن عبد الرحمٰن بن سمرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ’’لا تسأل الإمارة فإنک إن أعطيتها عن مسألة وکلت إليها وإن أعطيتها عن غير مسألة أعنت عليها**‘‘ (نسائی شریف ۳/ ۳۰۳) (عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم امارت (عہدہ) کا مطالبہ نہ کرو، اس لئے کہ اگر

مطالبہ کی بنیاد پر تم کو عہدہ ملے تو تم اس کے حوالہ کر دیئے جاؤ گے (خدا کی مدد شامل حال نہیں ہوگی) اور اگر بغیر مطالبہ کے عہدہ ملے تو (منجانب اللہ) تمہاری مدد کی جائے گی)۔

البتہ اگر صورتحال ایسی ہو کہ اگر منصب کا مطالبہ نہ کیا جائے تو دوسرے غیر اہل اور نا قابل آدمی اس منصب پر قابض ہو جائیں گے جو منصب کا حق ادا نہیں کر پائیں گے جس سے لوگوں کے نقصان کا خطرہ ہوگا، قوم وملت کی ہلاکت اور تباہی کا ذریعہ ہوگا، لوگوں پر ظلم وستم کا ڈر ہوگا اور مختلف قسم کی مصیبتوں سے دوچار ہونے کا ظن غالب ہوگا اور یہ امیدوار سمجھ رہا ہے کہ اس کے اندر استعداد اور صلاحیت ہے، صحیح طریقہ سے کام کرنے کی لیاقت ہونے کے ساتھ ساتھ امانت دار اور دیانت دار بھی ہے اور لوگوں کی خیر خواہی، نفع رسانی اور نیک نیتی کے ساتھ عہدہ اور منصب کا مطالبہ کرے، دنیا کی عزت وجاہ، شہرت ومادی ترقی اور اتباع ہوی مقصود نہ ہو، تو ایسی صورت میں محض خیر خواہی اور نفع رسانی کی غرض سے الیکشن میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنا جائز ہے، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی مطالبہ کیا، چنانچہ قرآن پاک میں مذکور ہے: "**قال اجعلني على خزائن الأرض إني حفيظ عليم**" (سورہ یوسف:۵۵) یعنی یوسف نے کہا کہ مجھ کو مقرر کر ملک کے خزانوں پر میں نگہبان ہوں خوب جاننے والا ہوں (ترجمہ شیخ الہند)۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں صاحب ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں: "**سأل العمل لعمله بقدرته عليه ولما فيه من المصالح للناس**" (ابن کثیر ۳/۷۶۳) یعنی حضرت یوسفؑ نے عہدہ کی درخواست کی ہے، اس لئے کہ ان کو معلوم تھا کہ وہ اس پر قادر ہیں اور اس میں لوگوں کے مصالح مضمر ہیں۔

تقریباً یہی بات فتاوی محمودیہ میں مذکور ہے، جیسا کہ حضرت مفتی محمود الحسن صاحب فرماتے ہیں: "اگر حصہ لینے میں احکام اسلام پر عمل کرنے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو اور حصہ لے کر اہل اسلام کی خدمت کر سکے اور ان کو ظلم سے بچا کر حقوق دلا سکے تو حصہ لینا جائز ہے" (فتاوی محمودیہ ۱۳/۴۲۵)۔

۴،۵- مخالف شریعت قوانین وضع کرنے والے اداروں کا ممبر بننا اور مخالف شریعت دفعات اور دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا:

اگر کوئی ادارہ ایسا ہو کہ وہ مخالف شریعت قوانین وضع کرتا ہو اور اس کے ممبر بننے کے بعد اس کے وضع کردہ قوانین کے پابند اور تابع ہو جانا پڑے، اس کی مخالفت کی گنجائش نہ ہو اور اپنے ضمیر کی آواز پر ووٹ دینے کا اختیار نہ ہو، بلکہ اسی پارٹی کی پالیسی کے مطابق ووٹ دینا ضروری ہو تو ایسی صورت میں ایسے ادارہ کا ممبر بننا عام حالات میں جائز اور درست نہیں ہے،

کیوں کہ اس میں بہت ساری برائیاں اور خرابیاں موجود ہیں۔ مثلاً شریعت کی مخالفت تعاون علی الاثم ہے جو جائز نہیں ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: "ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان" (سورہ مائدہ:۲)(اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر)(ترجمہ: شیخ الہند)۔

اسی طرح اگر قانون ساز اداروں کے رکن منتخب ہونے کی صورت میں مخالف شریعت دفعات اور دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑے اور دستور سے وفاداری کے حلف کی صورت میں مخالف شریعت، اطاعت غیر، تعاون علی الاثم، کتمان شہادت، شرک، اتباع نفس، وعدہ خلافی اور دھوکہ دینا لازم آئے تو اس میں شرکت درست نہیں، ہاں جان و مال کی حفاظت، عزت و آبرو کے خیال اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کی خاطر اس میں شرکت کی گنجائش ہونی چاہئے۔ باقی عام حالات میں جائز نہیں ہے، جیسا کہ تفصیل سوال نمبر ۴ کے جواب میں آچکی ہے۔

۶-مسلم ارکان کیلئے بائبل پر حلف لینا:

یہ بات کسی بھی اہل علم پر مخفی نہیں ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی جاتی ہے، اس کی تعظیم، اس کی تکریم اور اس کی قدر ملحوظ ہوتی ہے اور یہ واضح ہے کہ تمام تر تعظیم و تکریم اور قدر و منزلت صرف اور صرف خدائے واحد کیلئے ہے، اس میں غیر کی شرکت کی گنجائش نہیں ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "إن الله ینهاکم أن تحلفوا بآبائکم من کان حالفا فلیحلف بالله أو لیصمت" (مشکوۃ شریف:۲۹۶) یعنی اللہ تعالی نے تمہیں منع فرمایا ہے کہ تم آباء و اجداد کی قسم کھاؤ، جو آدمی قسم کھانا چاہے وہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔

مشکوۃ شریف کی مشہور و معروف شرح مرقات میں ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں: "الحکمة فی النهی عن الحلف بغیر الله تعالی أن الحلف یقتضی تعظیم المحلوف به وحقیقة العظمة مختصة به تعالی فلا یضاهی به غیره" (مرقات ۳/ ۵۵۴) یعنی غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع کرنے کی حکمت یہ ہے کہ قسم محلوف بہ (جس کی قسم کھائی جائے) کی تعظیم کا تقاضا کرتی ہے اور حقیقی تعظیم صرف اللہ تعالی کیلئے خاص ہے، کوئی ان کے مشابہ نہیں ہے، لہذا عام حالات میں عیسائی ممالک کے مسلم ارکان کے لئے بائبل پر حلف لینا جائز نہیں ہے۔

البتہ اگر شرعی ضرورت متقاضی ہو اور بائبل پر حلف لیے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو، اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں "الضرورات تبیح المحظورات" (قواعد الفقہ ص:۸۹) "المشقة تجلب التیسیر" (الاشباہ والنظائر ص:۱۲۵) اور قرآن کی آیت: "إلا ما اضطررتم إلیه" (سورہ انعام:۱۱۹) (مگر جب کہ مجبور ہو جاؤ اس کے کھانے پر) کے تحت اس کی گنجائش ہوگی۔

۷- جوسیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں ان میں شریک ہونا:

اگر مسلمان جمہوری نظام سے الگ تھلگ ہو جائیں گے اور کسی بھی پارٹی میں شریک نہیں ہوں گے تو عصر حاضر میں جن حالات اور مصائب سے دو چار ہیں آئندہ خدا نہ کرے۔ ان سے زیادہ حالات اور مصیبتیں آ سکتی ہیں اور اس وقت جس طرح مظلوم ومحروم ہیں آئندہ اس سے زیادہ ظلم وستم سے دو چار ہو سکتے ہیں اور حقوق ضائع ہونے کا خطرہ ہے جس کی بناء پر ضرر وحرج اور تنگی وعسرت پیش آنا معمولی بات ہے۔ حالانکہ اسلام میں تنگی اور عسرت نہیں ہے اور یہ دین ضرر وحرج سے محفوظ ہے، چنانچہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ''**يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر**'' (سورۂ بقرہ: ۱۸۵) (اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری) (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

نیز شریعت مطہرہ میں اس بات کی بھی اجازت دی گئی ہے کہ اگر دونوں طرف برائیاں موجود ہوں اور دونوں میں سے ایک کو اختیار کرنا ضروری ہو تو اھون البلیتین کو اختیار کیا جائے گا، جیسا کہ مذکور ہے: ''**إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما**'' (الاشباہ والنظائر ص: ۱۴۵) (اگر دو برائیاں جمع ہو جائیں تو دونوں میں سے کم درجہ کی برائی کا ارتکاب کرکے بڑے درجہ کی برائی سے بچا جائے گا)۔ اور دوسرا قاعدہ ہے: ''**الضرر الاشد يزال بالضرر الاخف**'' (قواعد الفقہ، ص: ۸۸)۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر کسی چیز کو مکمل طور پر حاصل نہیں کی جا سکتی ہے تو اس کو مکمل چھوڑنا بھی معقول بات نہیں ہے، بلکہ جس مقدار میں حاصل کی جا سکتی ہے اس کو حاصل کرنا چاہیے جیسا کہ ''**إن لم يدرك الكل لم يترك الكل**''۔

ان وجوہات کی بناء پر جوسیکولر پارٹیاں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہیں۔ ان پارٹیوں کے اندر شریک ہونا، ان کی طرف سے انتخاب لڑنا اور ان کی حکومت میں شامل ہونا بندہ کے نزدیک جائز ہے، اگر چہ ان کے منشور کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغائر ہوں۔

۸- جوسیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں ان میں شریک ہونا:

جوسیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمان کی مخالفت شامل ہو، کسی مسلمان کے لئے اس قسم کی پارٹی میں شریک ہونا جائز اور درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس قسم کی پارٹی میں شرکت کرنا اور اسلام ومسلمان کی مخالفت کرنا تعاون علی الاثم ہے جو جائز نہیں ہے۔ چنانچہ کلام پاک میں مذکور ہے: ''**ولا تعاونوا على الإثم والعدوان**'' (سورہ مائدہ: ۲) (اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر) (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اس پارٹی میں شامل ہونے کی صورت میں شرک کے ارتکاب کا خطرہ ہے، اس لئے کہ جب آدمی اس پارٹی میں شریک ہوگا تو اس کے احکام اور قوانین شرک پر مبنی ہو سکتے ہیں، جبکہ شرک ایسا گناہ ہے جو کبھی معاف نہیں ہوسکتا ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی ظلم اور گناہ ہی نہیں ہے جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے: "**إن الشرک لظلم عظیم**" (سورۂ لقمان: ۱۳) (بیشک شریک بنانا بھاری بے انصافی ہے)۔ اور دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**واعبدوا الله ولا تشرکوا به شیئا**" (سورۂ نساء: ۳۶) (اور بندگی کرو اللہ کی اور شریک نہ کرو اس کا کسی کو) (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

تیسری چیز یہ ہے کہ اس قسم کی پارٹیوں میں شرکت سے دین و مذہب کا نقصان ہوگا، کیونکہ جب آدمی اس پارٹی میں شریک ہوگا تو پارٹی کو مان کر زندگی گزارے گا، جبکہ دین اور اسلام کی مخالف پارٹی ہے اور آدمی کا ماحول سے متاثر ہونا امر بدیہی ہے، جو بھی آدمی کسی ماحول میں رہتا ہے تو اس ماحول سے متاثر ہوتا ہے جیسا کہ تجربات اور حالات شاہد ہیں۔

لہٰذا بندہ کی رائے یہ ہے کہ جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم دشمن ہیں ان میں شریک ہونا جائز اور درست نہیں ہے اگرچہ نیت ہو کہ اس میں شامل ہو کر اس کے ایجنڈے کو بدلنے کی کوشش کرے گا۔

۹-ایسے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں وہاں سیاسی جماعت قائم کرنا:

شریعت اسلامیہ یہ چاہتی ہے کہ دنیا میں تمام لوگ سکون کے ساتھ زندگی گزاریں، تمام مصائب و آلام سے بچ کر اپنے خالق و مالک کی عبادت میں مصروف رہیں، کسی پر ظلم وستم نہ ہو، ہر ایک کو مناسب حق ملے، کسی کو ضرر و حرج اور تنگی و عسرت پیش نہ آئے، بلکہ ہر ایک کے لئے خیر و آسانی ہو، چنانچہ قرآن کریم میں ہے: "**یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر**" (سورۂ بقرہ: ۱۸۵) (اللہ چاہتا ہے کہ تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری) (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: "**وما جعل علیکم فی الدین من حرج**" (سورہ حج: ۷۸)۔

اب اگر مسلمان ظلم وستم سے دوچار ہوں، اپنے حقوق سے محروم ہوں، اپنے مطالبات وصول کرنے سے عاجز ہوں اور یہ سمجھ رہے ہوں کہ سیاسی جماعت کے قیام کے بغیر ظلم وستم سے بچنے اور حقوق و مطالبات وصول کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے اور امید یہ ہے کہ سیاسی جماعت کے قیام سے مسلمان ظلم وستم سے محفوظ رہیں گے، ان کے حقوق ملیں گے اور ان کے مطالبات پورے ہوں گے تو ایسی صورت میں سیاسی جماعت قائم کرنا جائز ہے۔

۱۰-عورتوں کا الیکشن میں حصہ لینا:

شریعت اسلامیہ اور احکام اسلام میں غور کرنے سے یہ بات واضح اور ظاہر ہو جاتی ہے کہ جتنے امور استعلاء، استیلا

اوراعلان شان وشوکت سے متعلق ہیں وہ سب کے سب مردوں کے سپرد ہیں، جیسا کہ نبوت ورسالت، اذان واقامت، خطبہ جمعہ وعیدین، امامت واستخلاف، ولایت نکاح اور حق تعزیر وغیرہ۔

الیکشن میں حصہ لینا بھی استعلاء واستیلا اوراعلان شان وشوکت سے متعلق ہے۔اس اعتبار سے الیکشن میں عورتوں کا حصہ لینا جائز اور درست نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے: ”**عن أبی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ: إذا كان أمراؤكم خياركم وأغنيائكم سمحاؤكم وأموركم شوری بينكم فظهر الأرض خير لكم من بطنها وإذا كان أمراءكم شراركم وأغنياؤكم بخلاؤكم وأموركم إلى نسائكم فبطن الأرض خير لكم من ظهرها**“ (ترمذی ۲/ ۵۲)۔

(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے امراء تم میں سب سے بہتر ہوں، تمہارے مالدار لوگ تم میں سب سے زیادہ سخی ہوں اور تمہارے امور مشورہ کے ذریعہ طے پائیں تو زمین کا ظاہر تمہارے لئے اس کے باطن سے بہتر ہے اور جب تمہارے امراء تم میں سب سے بدتر لوگ ہوں اور تمہارے مالدار تم میں سب سے بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو زمین کا باطن تمہارے لئے ظاہر سے بہتر ہے)۔

لہٰذ حکم خداوندی: ”**قل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن**“ (سورۂ نور: ۳۱) پر عمل کرتے ہوئے الیکشن میں عورتوں کے لئے حصہ لینا جائز نہیں ہوگا۔

عصر حاضر میں بے حیائی اور عریانیت عام ہوگئی ہے، لوگ سہولت پسند ہو گئے ہیں، ہر آدمی سہولت اور آسانی کی تلاش میں ہے، ایسی صورت میں اگر عورتوں کے لئے الیکشن میں حصہ لینے کو جائز قرار دیا جائے تو اور زیادہ فتنے پیش آنے کا خطرہ ہے، لہٰذا حفظاً للبنات عورتوں کے لیے الیکشن میں حصہ لینے کو ناجائز قرار دینے میں خیر نظر آتا ہے۔

الیکشن سے مربوط شرعی مسائل

مولانا محمد قمر الزماں ندوی ☆

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سماج و معاشرہ اور انسانی سوسائٹی کو منظّم و مرتب کرنے کے لئے تنظیم وحکومت کی ضرورت پڑتی ہے۔ تنظیم کا ایک دائرہ تو محدود ہوتا ہے جس کو ہم خاندان کہتے ہیں، دوسرا دائرہ بہت ہی وسیع، ہمہ جہت اور ہمہ گیر ہوتا ہے جس کو سلطنت اور حکومت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور سچائی یہ ہے کہ ایسے کسی نظام کے بغیر انسان کی تمام ضرورتیں پوری نہیں ہوسکتیں۔ اس لئے ہر مہذب سماج ریاست وحکومت کے زیر سایہ زندگی گذارتا آیا ہے۔

جمہوریت اور سیکولرزم:

حکومت کی تشکیل کے مختلف طریقے زمانۂ قدیم سے مروج رہے ہیں۔ عصر حاضر میں جو سیاسی نظام (POLITICAL SYSTEM) مشرق سے مغرب تک پھیلا ہے اور جس کو غلبہ حاصل ہے، وہ جمہوری نظام (DEMOCRACY) ہے۔

یہ بات دو دو چار کی طرح عیاں ہے کہ جمہوریت اور سیکولرزم کے تصورات ونظریات اسلامی تعلیمات سے جوڑ نہیں کھاتے، (اگرچہ جمہوریت کے بعض اصول اسلام کے طرز حکمرانی سے بہت قریب ہیں) اس لئے اس سے بڑی کوئی گمراہی نہیں ہوگی کہ انہیں اسلامی نظریات سمجھ کر قبول کرلیا جائے، لیکن یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ شریعت اسلامی) کا ایک قاعدہ اور ضابطہ ہے کہ "من ابتلی ببلیتین فلیختر أهونهما"، یعنی اگر دو برائیوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا پڑے اور وہ ناگزیر ہوجائے تو ضروری ہے کہ ان دونوں میں جو ہلکی برائی ہے اس کو اختیار کیا جائے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: "اور یہ شرعی اور عقلی قاعدہ ہے کہ جس جگہ دو قسم کے ضرر جمع ہوں۔ ایک اشد (سنگین) دوسرا اہون (یعنی کم درجہ کا) تو اہون کو اختیار کرلینا چاہئے، یعنی جہاں دونوں شقوں میں مفسدہ ہو مگر ایک میں اشد ایک میں اخف تو اشد سے بچنے کے لئے یا اس کو رفع کرنے کے لئے اخف کو گوارہ کرلیا جاتا ہے اور ہے تو یہ بھی برا مگر

☆ استاذ فقہ وادب مدرسہ نور الاسلام، کنڈہ، پرتاپ گڑھ، یوپی۔

دوسرے مفسدہ کے مقابلے میں پھر بھی اخف ہے (ملفوظات اشرفیہ/۴۱، مروجہ سیاست کے شرعی احکام صفحہ ۳۴)۔

جمہوریت اور آمریت میں قابل ترجیح کون؟

اوپر کی تفصیلات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ غیر مسلم ملک میں آمریت کو جمہوریت (آمریت میں عوام الناس کا اختیار ختم کر دیا جاتا ہے، بادشاہ وقت سیاہ وسفید کا تنہا مالک بن جاتا ہے۔ظاہری بات ہے جس ملک میں آمریت قائم ہو، وہاں مسلمانوں کو اسلام کی تبلیغ واشاعت اور تحریر وتقریر کی آزادی نہیں مل سکے گی) کے مقابلے میں ترجیح دینا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ جہاں دو برائیوں میں سے ایک برائی کو اختیار کرنا ناگزیر ہوجائے وہاں مسلمان پر لازم ہے کہ دونوں میں جو ہلکی برائی ہو اس کو اختیار کرے اور جمہوریت بہر حال غیر مسلم مذہبی آمریت سے ہلکی برائی ہے۔

یہاں یہ بات یادرہے کہ سیکولر جمہوری حکومت کی تائید (اس میں شرکت اور انتخاب میں حصہ لینا اور امیدوار بننا) اس لئے نہیں ہے کہ سیکولرزم اور جمہوریت اسلامی چیزیں ہیں بلکہ صرف اس لئے اس کی تائید کی جائے گی کہ آمریت کے مقابلے میں یہ چھوٹی برائی ہے اور جمہوری نظام میں مسلمانوں کو اس کا موقع ضرور ملے گا کہ اسلام کی تبلیغ واشاعت کے ذریعہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کریں اور تحریر وتقریر کی آزادیوں سے فائدہ اٹھا کر اسلامی معاشرتی اقدار کی ترویج کے لئے فضا ہموار کریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ سیکولرزم (لامذہبیت) کی پہلی تعبیر تو مسلمانوں کے لئے کسی بھی حال میں قابل قبول نہیں ہے، البتہ غیر مسلم ممالک میں عبوری طور پر سیکولرزم کی جو تعبیر مسلمان اپنا سکتے ہیں اور ان کے نزدیک قابل قبول ہے (عارضی اور وقتی طور پر) وہ یہ ہے کہ ریاست کا کوئی مذہب نہیں ہوگا، ریاست مذہب کے معاملات میں مداخلت نہیں کرے گی، مذہبی گروہوں کو اپنے اپنے مذہب پر عمل اور اس کی تبلیغ واشاعت کی آزادی حاصل ہوگی۔

ووٹ کی شرعی حیثیت:

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عصر حاضر کی گندی اور بے لگام سیاست نے الیکشن اور ووٹ کے لفظ کو اتنا بدنام اور داغدار کر دیا ہے کہ انتخاب اور الیکشن کے ساتھ مکروفریب، رشوت، جھوٹ اور دغابازی کا تصور لازم سا ہوگیا ہے، اس لئے زیادہ تر شریف اور سادہ لوح لوگ اس جنجال میں پڑنا مناسب نہیں سمجھتے اور یہ غلط فہمی بھی عام ہوگئی ہے کہ الیکشن اور ووٹوں کی سیاست کا دین ومذہب سے کوئی واسطہ نہیں۔ بہت سے پڑھے لکھے لوگ بھی اس غلط فہمی کا شکار ہوگئے ہیں، ایسے حضرات کا

منشا تو برا نہیں، لیکن نتائج بہت برے ہیں یہ سوچ کہ آج کی سیاست مکروفریب کا دوسرا نام ہے اس لئے نہ الیکشن میں کھڑا ہونا چاہئے اور نہ ووٹ اور حق رائے دہی کا استعمال کرنا چاہئے۔ یہ نظریہ دین وشریعت کے خلاف اور ملک وملت کے لئے بھی سخت نقصان دہ اور مضر ہے۔

اوپر کی تفصیلات سے یہ حقیقت بالکل واضح ہوگئی کہ جمہوری ملکوں میں مسلمانوں کے ووٹ کی کتنی اہمیت ہے اور مسلمان کس طرح حکومت کو آنے سے روک سکتے ہیں اوران کی حکومت کو ختم کر سکتے ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے ووٹ کی حیثیت شہادت اور گواہی کی سی ہے، اور جس طرح جھوٹی گواہی دینا حرام اور ناجائز ہے، اسی طرح ضرورت کے موقع پر شہادت کو چھپانا بھی حرام ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے: ”ولا تکتموا الشهاة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه“ (اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو شخص گواہی کو چھپائے اس کا دل گناہ گار رہے گا) اور جمع الفوائد اور طبرانی کی روایت ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”من كتم شهادة إذا دعي إليها كان كمن شهد بالزور“ (جمع الفوائد بحوالہ طبرانی ۱؍۶۲) (جس کسی کو شہادت کے لئے بلایا جائے پھر وہ اسے چھپائے تو وہ ایسا ہے جیسے جھوٹی گواہی دینے والا)۔

ووٹ بلاشبہ ایک شہادت ہے، اس لئے قرآن وحدیث کے مذکورہ احکام اس پر بھی جاری ہوں گے، لہٰذا ووٹ نہ دینا اور اس حق کو محفوظ رکھنا یہ دین داری کا تقاضہ نہیں بلکہ اس کا صحیح استعمال کرنا ہر مسلمان پر فرض اور ضروری ہے۔

دوسری حیثیت ووٹ کی شفاعت یعنی سفارش کی ہے کہ ووٹر اس کی نمائندگی کی سفارش کرتا ہے، اس سفارش کے بارے میں قرآن کریم کا یہ ارشاد ہر ووٹر کو اپنے سامنے رکھنا چاہئے ”ومن يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها ومن يشفع شفاعة سيئة يكن له كفل منها“ (یعنی جو شخص اچھی سفارش کرتا ہے اس میں اس کو بھی حصہ ملتا ہے اور بری سفارش کرتا ہے تو اس کی برائی میں بھی اس کا حصہ لگتا ہے)۔ اچھی سفارش یہی ہے کہ قابل اور دیانت دار آدمی کی سفارش کرے جو خلق خدا کے حقوق صحیح طور پر ادا کرے اور پوری امانت اور دیانت کے ساتھ قوم وسماج کی فلاح وبہبود میں لگا رہے اور بری سفارش یہ ہے کہ نااہل، نالائق اور فاسق ظالم کی سفارش کر کے اس کو خلق خدا پر مسلط کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ووٹوں سے کامیاب ہونے والا امیدوار اپنے پنج سالہ دور میں جو نیک یا بد عمل کرے گا ہم بھی اس کے شریک سمجھے جائیں گے۔

ووٹ کی ایک تیسری شرعی حیثیت وکالت کی ہے، ووٹ دینے والا اس امیدوار کو اپنا نمائندہ اور وکیل بناتا ہے، لیکن اگر یہ وکالت کسی شخص کے حق سے متعلق ہوتی، اس کا نفع نقصان صرف اس کی ذات کو پہنچتا تو اس کا یہ خود ذمہ دار ہوتا مگر یہاں ایسا نہیں، کیونکہ یہ وکالت ایسے حقوق سے متعلق ہے جن میں اس کے ساتھ پوری قوم شریک ہے، اس لئے اگر کسی نااہل کو اپنی

نمائندگی کے لئے ووٹ دے کر کامیاب بنایا تو پوری قوم کے حقوق کو پامال کرنے کا گناہ بھی اس کی گردن پر رہا۔ نیز اگر مسلم ملک ہے تو وہاں ووٹ کی حیثیت ان سب کے علاوہ سیاسی بیعت کی ہے کہ وہ ووٹ کے ذریعہ متعلقہ امیدوار کو وکیل بناتا ہے کہ وہ اس طرف سے سربراہ مملکت کا انتخاب کرے۔ خدا کرے جلد ہی ہمارے ملک میں وہ خوش قسمت ساعت آئے (آمین) (مستفاد از جواہر الفقہ ۲/ ۲۹۳—۲۹۲)۔

الیکشن میں بحیثیت امیدوار پیش کرنے کا حکم:

مذہب اسلام اس بات سے منع کرتا ہے کہ لوگ خود کسی عہدہ یا منصب کے طلب گار ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب آدمی مطالبہ کے بغیر کسی ذمہ داری پر فائز کیا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی خاص مدد ہوتی ہے اور جب مطالبہ اور سوال کے ذریعہ کوئی عہدہ حاصل کرتا ہے تو اپنے نفس کے حوالہ کر دیا جاتا ہے اور اللہ کی مدد اس کے شریک حال نہیں ہوتی ہے (ابوداؤد، حدیث نمبر ۱۳۲۴)۔

لیکن اگر کسی شخص کو یقین ہو کہ وہ اس میدان میں قوم وملت اور سماج ومعاشرہ کی صحیح خدمت کرسکیں گے اور امانت ودیانت کا دامن حتی المقدور نہیں چھوڑیں گے اور قرآنی حکم اور سنت یوسفی کو زندہ کرنے کا جذبہ ہو کہ ”اجعلني على خزائن الأرض إني حفيظ عليم“ تو وہ شخص الیکشن (انتخاب) میں اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرسکتے ہیں بلکہ عصر حاضر میں اگر شریف دین دار اور معتدل مزاج لوگ انتخابات کے معاملے میں بالکل یکسو ہو کر بیٹھ جائیں گے تو اس کا نتیجہ یہ سامنے آئے گا کہ پورا میدان شریروں، فتنہ پردازوں اور بے ایمانوں کے ہاتھ میں آجائے گا، اس لئے احقر کی رائے میں مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ پوری بیدار مغزی اور فہم وفراست کے ساتھ اس میں بھرپور حصہ لیں اور جن کے اندر اہلیت اور قابلیت ہو ان کو ضرور میدان میں اتاریں اور ان کی دامے درمے قدمے سخنے مدد کریں اور خاص طور پر ان علاقوں میں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں یا مسلمان جیتنے کی پوزیشن میں ہیں اور مسلمان ملی اتحاد کا ثبوت دیں اور مسلمان قائد کو منتخب کر کے ایوان زیریں تک پہنچائیں اور باطل طاقتوں کو مضبوط نہ ہونے دیں بلکہ میر جعفر اور میر صادق جیسے مسلمانوں کو بھی کیفر کردار تک پہنچائیں۔

مخالف شریعت قانون ساز ادارہ کا ممبر بننے کا حکم؟

ایسے غیر مسلم ممالک جہاں قانون ساز ادارے شریعت کے مخالف قوانین وضع کرتے ہوں، ایسی صورت میں ان اداروں کا ممبر بننا اور ان قوانین کی تائید وموافقت کرنا درست نہیں ہوگا، لیکن جمہوری ملکوں میں ہر ممبر کو آزادی رائے کا حق ملتا

ہے اور وہ اپنے مذہب کو اس قانون سے مستثنیٰ کرا سکتا ہے جو مخالف شریعت ہو (غالباً تمام جمہوری ملکوں میں مسلم پرسنل لاء اور اس کے عائلی نظام پر مسلمانوں کو عمل کرنے کی مکمل آزادی ہے۔ تعزیراتی معاملات اور معاشی و اقتصادی نظام میں مسلمانوں کو آزادی حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق عمل کریں)۔

خلاف شریعت دستور اور دفعات پر رضامندی اور حلف لینے کا حکم؟

یہ سچ ہے کہ جو مسلمان قانون ساز ادارے کے رکن منتخب ہوتے ہیں، انہیں دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے جبکہ دستور و آئین میں بہت سی دفعات خلاف شریعت بھی ہوتی ہیں، تو کیا مسلم ارکان کے لیے اس طرح کا حلف لینا درست ہے؟ اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ چونکہ مجموعی طور پر جو دستور اور دفعات ہیں، وہ اسلام کے مخالف نہیں ہیں، البتہ کچھ شقیں ضرور اسلام کے مخالف ہیں، اس سلسلہ میں مسلمان ارکان یہ کریں کہ جمہوری حدود میں رہ کر اسلام کے مخالف دستور کو ہٹوانے کی کوشش حتی المقدور کرتے رہیں۔ حکومت کے ناجائز فیصلوں اور اقدامات کی تائید نہ کریں۔

مسلم ارکان کا بائبل پر حلف لینا کیسا ہے؟

جن مغربی ملکوں میں عیسائی ارکان کے ساتھ ساتھ مسلم ممبران کو بھی بائبل پر حلف لینا پڑتا ہو، وہاں مسلم ممبران کے لیے جائز نہیں ہے کہ بائبل پر حلف اٹھائیں اور تورات یا انجیل پر ہاتھ رکھ کر سچ بولنے اور دستور سے وفاداری کا حلف اٹھائیں، کیونکہ مسلمان ان کتابوں کو محرف اور تبدیل شدہ باور کرتے ہیں اور بحالت موجودہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کو افتراء علی اللہ گردانتے ہیں، اس لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان کتابوں پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھائیں کیونکہ یہ ان کتابوں کی تعظیم اور بحالت موجودہ ان کے منجانب اللہ ہونے کی تصدیق کرنے کے مرادف ہوگا۔

البتہ اگر وہ مجبور ہوں اور بظاہر اس سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہو اور ایوان میں ان مسلم ارکان کی موجودگی سے دینی، ملی اور شرعی فائدہ وابستہ ہو اور ایوان میں ان کی موجودگی سے مسلمان ظلم و زیادتی سے بچتے ہوں تو کراہت خاطر کے ساتھ ممبران بائبل پر حلف اٹھا سکتے ہیں۔ حلف لیتے وقت دل سے یہ نیت ہو کہ اصلاً یہ حلف ان آسمانی کتابوں پر ہے جو محرف شدہ نہیں ہیں۔

وہ سیکولر پارٹیاں جن کے بعض منشور غیر اسلامی ہوں ان میں شرکت کا حکم؟

وہ سیاسی پارٹیاں جو سیکولر ہیں اور جو مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے زیادہ مناسب ہیں۔ اگر ان کے منشور

کی بعض دفعات مخالف اسلام یا مسلم مفادات کے مغائر ہیں تب بھی مسلمانوں کے وسیع تر مفاد کو دیکھتے ہوئے اور مسلم دشمن پارٹیوں کو اقتدار سے محروم رکھنے اور دور کرنے کے لیے ان پارٹیوں میں شرکت کی گنجائش ہونی چاہیے ورنہ مسلم دشمن پارٹیوں کی جیت ہوگی اور مسلمانوں کو جانی اور مالی نقصان کا اندیشہ ہی نہیں خطرہ یقینی ہوگا، البتہ ان سیکولر پارٹیوں میں شامل مسلم ارکان کی مذہبی دینی اور ملی ذمہ داری ہوگی کہ حکمت و دانشمندی کے ساتھ اور آپسی اتحاد کر کے دستور اور منشور سے اسلام کے مخالف اور مسلم مفادات کے مغائر چیزوں کو نکلوانے کی جی جان لگا کر کوشش کریں اور اس کے لیے جو بھی حکمت عملی ہو طے کریں اور قوم وملت کو جوڑ کر ایسا دباؤ بنائیں کہ وہ سیکولر پارٹیاں مجبور ہو جائیں، پارٹی کے منشور میں اسلام اور مسلمان کے مخالف دفعات کے نکالنے پر احقر کی رائے ان شرائط کے ساتھ ان پارٹیوں میں شرکت، پارٹی کا امیدوار بننا اور حمایت کرنا درست اور جائز ہوگا۔

مسلم دشمن سیاسی پارٹیوں میں شرکت کا حکم؟

جو سیاسی پارٹیاں کھلے طور پر مسلم کے دشمن ہیں اور ان کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت شامل ہی نہیں بلکہ مسلمانوں سے دشمنی اور اسلام کے مخالف کاز ہی کے لیے پارٹی قائم کی گئی ہے جن کے ایجنڈے میں اسلام کے مخالف کاز کی صراحت موجود ہو، امیدوار بننا درست نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص ایسی پارٹی میں شرکت کرتا ہے، اس کی تشہیر وحمایت کرتا ہے یا اس کو طاقت وقوت فراہم کرتا ہے تو وہ مسلمان اسلام کا دشمن اور قوم کا دشمن کہلائے گا اور اس پارٹی سے اسلام اور مسلمانوں کو جو کچھ نقصان پہنچے گا، اس کا وبال اور گناہ اس کے رجسٹر میں لکھا جائے گا اور عنداللہ وہ شخص ماخوذ ہوگا۔ قرآن مجید واضح لفظوں میں اعلان کرتا ہے: ”**تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان واتقوا الله إن الله شديد العقاب**“۔

کیا مسلمانوں کے لیے الگ سیاسی پارٹی قائم کرنا جائز ہوگا؟

مسلمانوں کے لیے الگ سیاسی پارٹی بنانا کیسا ہے؟ تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ یہ فیصلہ کرنا مسلمان امیر یا مسلمان ارباب حل وعقد کا کام ہے کہ مسلمانوں کے لیے اپنی الگ سیاسی پارٹی قائم کرنا زیادہ مناسب ہے یا دوسری سیکولر سیاسی پارٹیوں میں شرکت اور انہیں قوت پہنچانا زیادہ بہتر ہے، احقر کی رائے میں اس سلسلہ میں کوئی حتمی اور قطعی بات نہیں کہی جاسکتی، بلکہ حالات اور مصالح کے پیش نظر فیصلہ کیا جانا چاہیے، ممکن ہے کہ بعض ملکوں اور بعض صوبوں میں شاید مسلمانوں کی سیاسی پارٹی قائم کرنا زیادہ نتیجہ بخش اور سودمند ہو (جیسے کشمیر اور آسام اور کیرل وغیرہ وہاں مسلم پارٹیاں ہیں اور حکومت میں ان

کا اہم رول ہوتا ہے۔ کشمیر میں تو مسلمان ہی وزیر اعلیٰ بھی ہوتا ہے اور ان کی ہی پارٹی کی حکومت ہوتی ہے) اور بعض میں قومی سیکولر پارٹیوں میں شمولیت شاید بہتر ہو، بہرحال سیاسی میدان میں بھی مسلمانوں کے اندر اجتماعیت ہونا انتہائی ضروری ہے، یہ ضروری نہیں کہ مسلمانوں کے نام پر کوئی سیاسی پارٹی تشکیل دی جائے، لیکن سیاسی امور میں بصیرت رکھنے والے مخلص مسلمان قائدین کا جمع ہو کر مسلمانوں کے اجتماعی مصالح کو پیش نظر رکھ کر لائحۂ عمل اور بنیادی خطوط طے کرنا اور مسلمانوں کا اس پر کاربند ہونا از حد ضروری ہے، مسلمانوں کی کیف ما اتفق سیاست میں شرکت ان کے لیے نفع بخش کے بجائے ضرر رساں ہوگی، لیکن یہ بات بھی یہاں یاد رہے کہ مسلمانوں کے لیے کسی بھی حال میں فسطائی اور فرقہ پرست پارٹیوں میں شرکت درست نہیں ہوگا۔

الیکشن میں خواتین کا کردار:

جمہوری ملکوں میں ووٹنگ میں مرد اور عورت کے حقوق یکساں ہیں، یعنی دونوں کے ووٹ کی حیثیت برابر ہے، اس لیے جن مفادات کے حصول اور منکرات سے بچنے کے لیے الیکشن میں شرکت کو ضروری قرار دیا گیا ہے، ان کے مطابق عورتوں کا بھی ووٹنگ میں حصہ لینا ضروری اور واجب ہے، البتہ عورتوں پر واجب ہوگا کہ وہ حجاب اور پردہ کے ساتھ باہر نکلیں گی اور حق رائے دہی کا استعمال کریں گی، جہاں تک عورت کا انتخاب میں حصہ لینا ہے یعنی بحیثیت امیدوار کھڑا ہونا ہے تو اس سلسلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ اسلام نے امامت کبریٰ اور امامت صغریٰ جس طرح مردوں سے متعلق رکھا ہے، اسی طرح خلافت، امارت، گورنری، ایوان کی رکنیت، شوریٰ کی ممبریت اور قضا کے فرائض بھی مردوں کے سپرد کیے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: **"ولهٰذا كانت النبوة يختصه بالرجال وكذلك الملك الأعظم لقوله عليه السلام: "لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة"** (رواہ البخاری)، **وكذا منصب القضاء وغير ذلك**۔ (اور انہی وجوہ سے نبوت مردوں کے ساتھ مخصوص رہی ہے اور اسی طرح خلافت وامارت، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ قوم ہرگز فلاح نہ پائے گی جس نے اپنے امور مملکت عورتوں کے سپرد کر دیے، اور اسی طرح قضا وغیرہ کے مناصب بھی مردوں ہی سے متعلق رہے ہیں، البتہ ملک وملت کے وہ مسائل جو عورتوں ہی سے متعلق ہیں، ان میں عورتوں کی مدد لی جاسکتی ہے اور ضرورت پڑنے پر وقتی طور پر دوسری ذمہ داریاں بھی عورتوں کی صنفی خصوصیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے عورتوں کے سپرد کی جاسکتی ہیں۔

الیکشن میں مسلمانوں کی حصہ داری

مولانا محمد قمر عالم قاسمی ☆

ا-ووٹ کی مختلف حیثیتیں ہیں: (۱) سفارش (۲) شہادت (۳) مشورہ (۴) وکیل نامزد کرنا۔

ا-قرآن کریم نے سفارش کو اچھی اور بری دو قسموں میں تقسیم فرما کر اس کی حیثیت کو واضح کر دیا ہے اور یہ بھی بتلا دیا ہے کہ نہ ہر سفارش بری ہے اور نہ ہر سفارش اچھی، ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ اچھی سفارش کرنے والے کو ثواب کا حصہ ملے گا اور بری سفارش کرنے والے کو عذاب کا جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے: "**من يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها ومن يشفع شفاعة سيئة يكن له كفل منها وكان الله على كل شئ مقيتا**" (سورہ نساء: ۸۵)۔

سفارش کے لفظی معنی یہ ہوئے کہ کسی کمزور طالب حق کے ساتھ اپنی قوت ملا کر اس کو قوی کر دیا جائے، لہٰذا جو شخص کسی شخص کے جائز حق اور جائز کام کے لئے جائز طریقہ پر سفارش کرے تو اس کو ثواب کا حصہ ملے گا۔ چنانچہ بخاری شریف کی ایک حدیث شریف میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "**اشفعوا فلتؤجروا ويقضى الله على لسان نبيه ما شاء**" (بخاری شریف ۲/۸۹۱ کتاب الأدب)۔

لہٰذا کسی امیدوار کو ووٹ دینے والا گویا سفارش کرتا ہے کہ یہ امیدوار اس عہدے کے لائق ہے۔

۲-ووٹ کی دوسری حیثیت شہادت اور گواہی کی ہے کہ انسان جس امیدوار کو ووٹ دے رہا ہے وہ اس کے بارے میں گواہ ہے کہ اس کو ملک وقوم کے لئے بہتر مناسب، مفید اور خیر خواہ سمجھتا ہے۔ شہادت حقہ کی قرآن وحدیث میں بڑی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے: "**ولا تكتموا الشهادة**" (سورۂ بقرہ) اور "**وأقيموا الشهادة لله**"۔

۳- اس کی ایک حیثیت مشورہ کی ہے کہ ووٹ دہندہ حکومت اور نظم ونسق کے سلسلے میں اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے کہ کون زیادہ بہتر اور ایماندار ہوسکتا ہے۔

☆ مفتی مدرسہ حسینیہ، رانچی، جھارکھنڈ۔

۴- اس کی ایک حیثیت وکیل نامزد کرنے کی ہے کہ ووٹ دہندہ سیاسی مسائل میں اس کو اپنا وکیل اور نمائندہ نامزد کرتا ہے کہ وہ اس کی طرف سے سربراہ مملکت کا انتخاب کرے۔

اپنے حق رائے دہی کے استعمال کی حیثیت موجودہ دور میں ملکی حالات کے پیش نظر بڑی نازک اور اہم ہے، ایک شخص کو غیر مفید اور نامناسب سمجھنے کے باوجود اس کو ووٹ دینا جھوٹی گواہی، جھوٹا مشورہ اور غلط سفارش جیسے گناہوں کا ووٹ دہندہ مرتکب ہوگا۔

سوال ۲: کا جواب یہ ہے کہ جس کے متعلق یہ ظن غالب ہو کہ وہ خیر خواہی اور ہمدردی کرے گا اور مسلمانوں کے مفادات میں کام کرے گا اور وہ مسلمانوں کے مختلف النوع مسائل پارلیمنٹ یا اسمبلی یا میونسپلٹی میں اٹھائے گا۔ ایسے شخص کو ووٹ دینا زیادہ بہتر، افضل اور جائز ہوگا اور جس کے متعلق ایسا ظن غالب ہو کہ قوم اور ملک وملت خصوصاً مسلمانوں کو نقصان ہی پہنچائے گا ایسے امیدوار کو ووٹ دینا ناجائز ہوگا، خصوصاً جب کہ اس امیدوار کا تعلق کسی ایسے فرقہ پرست سیاسی پارٹی سے ہو جس کا بنیادی مقصد ہی اسلام اور مسلمانوں کو زک اور نقصان پہنچانا ہو۔

سوال ۳ کا جواب: اس سوال کے جواب کی دو حیثیت ہے: (۱) ایک امیدوار ایسا ہے جس کا مقصد صرف دنیاوی زر و دولت کمانا اور اپنی سیاسی بالادستی قائم کرنا ہے اور عہدے کا طالب ہے، قوم وملک کی خدمت مقصود نہیں ہے۔ ان نیتوں کے ساتھ اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنا جائز نہیں ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی شخص کے بارے میں فرمایا کہ ہم ایسے شخص کو عہدہ نہیں دیا کرتے جو اس کا طلب گار ہو یا اس کی خواہش رکھتا ہو (مسلم شریف ۲/ ۱۲۰ باب النہی عن طلب الامارۃ الخ)۔

۱- اسلام ان لوگوں کو حکومت اور عہدے کا اہل سمجھتا ہے جو اس کو ایک مقدس امانت سمجھتے ہوں۔ مخلوق خدا کی صحیح خدمت کر سکتے ہوں اور انصاف کے ساتھ ان کے حقوق پہنچاتے ہوں، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں مقاصد کے پیش نظر خزائن ارض کا انتظام اور ذمہ داری طلب فرمائی اور کہا: "**اجعلني علىٰ خزائن الأرض إني حفيظ عليم**" (سورہ یوسف: ۵۵)۔

سوال ۴و۵ کا جواب: مسلم ملک ہو یا غیر مسلم ملک، ان ملکوں میں قانون ساز ادارے کا ممبر بننا اس وقت جائز ہے جہاں یہ معلوم ہو کہ اگر وہ یا اس طرح کے لوگ اس ادارے کا ممبر نہیں بنے گا تو لوگوں کے خاص کر مسلمانوں کے دینی، تعلیمی، مالی، ملی اور سماجی وغیرہا حقوق ضائع ہوں گے، انصاف نہ ہو سکے گا، اگر سارے کے سارے ممبران، بے ایمان، کافر، مشرک، یہود و نصاریٰ ہی ہوں گے تو مسلمانوں کا اور زیادہ نقصان ہوگا تو ان حالات میں اس ادارے کا ممبر بننا نہ بننے سے بہر حال بہتر ہوگا۔ (اس کی مثال ہمارے ہندوستان میں گجرات اور پڑوسی ملک برما (میانمار) کی صورت حال کسی سے پوشیدہ نہیں ہے)

اور جو قانون خلاف شرع بنتے ہوں، اسے حتی الوسع روکنے کی کوشش کرے تو یہ بریٔ الذمہ ہوجائے گا اور اصول فقہ کا مشہور ضابطہ ہے: "الضرورات تبیح المحظورات" اور جہاں تک پارٹی کی پالیسی کے مطابق وہیپ جاری ہونے کے وقت ووٹ دینے کا ہے تو اگر شریعت وسنت اور اسلام کے خلاف ہے تو ووٹنگ میں حصہ نہ لے، خواہ اس کی ممبری شپ باقی رہے یا ختم ہوجائے۔

سوال ٦ کا جواب: اللہ کے سوا کسی چیز کی قسم کھانی جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "جسے قسم کھانی ہو وہ اللہ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے۔ "فمن كان حالفا فليحلف بالله أو ليصمت" (مسلم شریف ٢/٤٦ باب النہی عن الحلف لغیر اللہ تعالیٰ)۔

لہٰذا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ قسم کھاتے وقت توریت یا انجیل پر حلف لے، اس لئے کہ آج جو نسخے رائج ہیں وہ محرف ہیں۔

سوال ٧و٨ کا جواب: اگر اس کی یہ نیت ہے کہ پارٹی کے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو منشور اور ایجنڈے ہیں اسے بدلنے کی کوشش کرے گا تو ایسی سیاسی سیکولر پارٹی میں شریک ہونے، اس پارٹی کی طرف سے انتخاب لڑنے اور اس کی حکومت میں شامل ہونے کی شرعاً گنجائش ہوگی اور ایسی سیاسی پارٹی جو کھلم کھلا اسلام اور مسلمانوں کی دشمن ہیں۔ میرے خیال میں اس طرح کی پارٹی میں شریک نہ ہونا چاہیے ورنہ اغلب یہ ہے کہ وہ ضمیر فروش اور ایمان کا سودا ہی کر بیٹھے گا۔

سوال ٩ کا جواب: جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں خواہ ہندوستان ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور ملک، مسلمانوں کو علیحدہ سیاسی جماعت قائم کرنا چاہئے اور مسلمانوں کو متحد ہوکر اس مسلم سیاسی پارٹی کو ووٹ دینا چاہئے، تا کہ مسلم سیاسی پارٹی کے امیدوار زیادہ سے زیادہ کامیاب ہوکر میونسپلٹی، اسمبلی اور پارلیمنٹ میں پہنچ سکیں، احقر اس خدشہ سے اتفاق نہیں کرتا کہ مسلم سیاسی جماعت کے قیام سے مسلمان مخالف ووٹ متحد ہوگا اور اس سے فرقہ پرست طاقتیں فائدہ اٹھائیں گی، کیونکہ غیروں میں بھی درجنوں علاقائی، صوبائی اور ملک گیر پارٹیاں ہیں اور ہر پارٹی سے اچھے خاصے لوگ جڑے ہوئے ہیں وہ کسی قیمت پر ان پارٹیوں کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے۔

سوال ١٠ کا جواب: عورتوں کو مکمل پردے میں رہ کر ووٹنگ میں حصہ لینا چاہئے، اور ایسے تمام مناصب جن میں ہر کس وناکس کے ساتھ اختلاط اور میل جول کی ضرورت پیش آتی ہو، شریعت اسلامی نے ان کی ذمہ داری مردوں پر عائد کی ہے اور عورتوں کو اس سے سبکدوش رکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں عورتوں کو سربراہ مملکت یا اس کا ممبر بنانے کا کوئی تصور نہیں۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنالیا ہے تو آپ ﷺ

نے ارشاد فرمایا: "**لن یفلح قوم ولوا أمرهم امرأة**" (بخاری شریف ۲/ ۱۰۶۳ کتاب النبیؐ الی کسریٰ وقیصر)۔

چنانچہ امت کا اس پر اتفاق واجماع ہے کہ عورت کو سربراہ مملکت بنانا جائز نہیں (بدایۃ المجتهد ۲/ ۴۴۹ ماخوذ آپ کے مسائل اوران کا حل ۷/ ۴۴۴)۔

جب عورت کو سربراہ مملکت بنانا جائز نہیں تو عورت کو الیکشن وغیرہ میں بحیثیت امیدوار انتخاب لڑنا بھی جائز نہیں ہوگا۔ هذا ماعندی والله أعلم بالصواب وعلمه أتم وأكمل۔

الیکشن سے متعلق شرعی احکام

مفتی محمد اشرف قاسمی ☆

۱-ووٹ کی تین شرعی حیثییت شہادت، وکالت اور سفارش کی ہے۔

۲-اگر یقینی طور پر کوئی ملت کا ہمدرد ہے اور خیر خواہی کے جذبہ سے الیکشن میں امیدوار ہے اور ووٹر کو یہ معلوم ہے تو پھر اس کے حق میں ووٹ دینا واجب ہے، ووٹ نہ دینے کی صورت میں گنہ گار ہوگا۔

۳-اصحاب بصیرت لوگوں کی رائے ومشورہ سے امیدواری کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنا سنت ہے۔ اگر اپنے اوپر اعتماد ہو، امور قیادت کی ادائیگی کا اور اس کے مقابل میں کوئی دوسرا قابل اور لائق اطمینان نہ ہو تو بوقت وسعت امیدواری کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنا واجب ہے۔

۴-جمہوریت کی بنیادیں دو بڑی برائیوں پر ہے: ایک اللہ کی حاکمیت کے خلاف عوامی حاکمیت، دوسرے اکثریت کی رائے کو قانون سازی میں اصل کردار جب کہ اسلام میں ''کثرت رائے'' کے بجائے درست رائے قابل قبول ہے، اس لیے مسلم ملکوں کی جمہوریت میں خدا سے باغیانہ بنیادوں کو کھود کر پھینکنا وہاں کے مسلمانوں پر ضروری ہے۔ وہاں ایسے اداروں کا ممبر بننا حرام ہے، ان اداروں کا ممبر بننے کے بجائے نئی پارٹی بنا کر پہلے الیکشن میں کامیابی کے ذریعہ اللہ کی حاکمیت اور درست رائے کو بالادستی دی جائے، اگر الیکشن میں کامیابی کے بعد یا کسی طرح افہام وتفہیم کے ذریعہ یہ ادارے راہ راست پر نہیں آتے ہیں تو ایسے اداروں کے خلاف مسلح جدوجہد کرنا وہاں کے مسلمانوں کے ساتھ دوسرے ممالک کے صاحب حیثیت مسلمانوں کے ذمہ لازم وضروری ہے۔

ہندوستان اور اس جیسے جمہوری ملک میں غیر مسلموں کو اپنے مذہب کی رعایت میں قانون سازی کی شرعی طور پر اجازت ہے، اس لیے جب تک ان کا کوئی دفعہ اسلام اور مسلمانوں کے مفادات سے نہ ٹکرائے، اس پارٹی کا ممبر بننا جائز ہے اور اگر پارٹی کی پالیسیاں جائز وواجب ضمیر کی آواز دبائیں تو پھر اس پارٹی سے مستعفی ہو کر فوراً پارٹی کی اس پالیسی کے خلاف

☆ دارالافتاء مہد پور ضلع اجین۔

قانونی چارہ جوئی کرنا ضروری ہے، کیونکہ ضمیر کی آواز پر روک لگانا دستور ہند کے دفعہ نمبر ۲۵،۲۶ کے خلاف ہے۔ مستعفی ہونے کے بعد پارٹی کی ساکھ تو کمزور ہوگی، قانونی چارہ جوئی سے جمہوریت کو ایسا تحفظ فراہم ہوگا جس میں ہمارا ملی فائدہ ہے اور دوسری پارٹیاں بھی محتاط رویہ اختیار کریں گی۔

۵- قانون ساز اداروں کا رکن منتخب ہونے کے بعد دستور ہند سے وفاداری کا حلف اٹھانا جائز ہے جو دفعات خلاف شریعت ہیں وہ ان دفعات سے جن میں مذہبی آزادی دی گئی ہے خود بخود مستثنیٰ ہو جاتے ہیں۔

۷- سیکولر سمجھی جانے والی پارٹیاں مسلمانوں کے لیے زیادہ خطرناک ہیں۔ بہتر ہے کہ اپنے تیر چلانے والوں سے چمٹ جایا جائے یا پھر بروقت جو پارٹی اپنے منشور میں ہمارے مفادات کو زیادہ سے زیادہ تحفظ فراہم کرے، اس پارٹی میں شریک ہو کر انتخاب لڑا جائے اور پھر اس کی حکومت میں اس وقت تک رہا جائے جب تک وہ ہمارے مفادات کی حفاظت کرتی ہے اور جب وہ ہمارے مفادات کے خلاف کام کرنے لگے تو پہلے فہمائش سے کام لیا جائے ورنہ پھر مستعفی ہو کر دوسری پارٹی کا دروازہ دیکھا جائے۔ مسلمانوں کو کسی ایک پارٹی کا بندھوا بننا مناسب نہیں ہے۔

۸- دشمن کی صفوں میں شگاف پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے بیچ میں گھسا جائے، اگر اصلاح و تبدیلی کی کوئی صورت نہ بن سکے تو اس طور سے مستعفی ہوا جائے کہ پارٹی کو اپنی غلطی کا احساس ہو سکے۔ اگر ان کے منشور میں اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والے دفعات ہیں تو پھر قانونی طور پر ان کے خلاف چارہ جوئی کی جائے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا فریضہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف دفعات بنانے والوں کو دوزخ سے بچانے اور ہمیشہ ہمیش کی جنت میں داخل کرنے کے لیے اپنے ان دشمنوں کے پاس جائیں، توحید و رسالت اور آخرت پر ایمان کی دعوت دیں اور مسلمانوں کے تئیں ان کے غلط عقیدے کو درست کریں۔ بہت ممکن ہے کہ ہم نے اپنی اس دینی ذمہ داری سے تغافل برتا ہے تو اس کے پاداش میں ان کی طرف سے دنیا میں ہم سے انتقام لیا جا رہا ہے۔

۹- حکومت اقلیت و اکثریت کی بنیاد پر نہیں قائم ہوتی ہے بلکہ لیاقت بڑی وجہ ہے، خلق خدا کو آرام و راحت جس سے بھی ملے گی وہ اس کا استقبال کرے گی۔ ہم نے آج سے کہیں زیادہ چھوٹی اقلیت میں رہ کر حکومت کی ہے۔ آج بھی سب سے بڑی اقلیت ہی ملک کے سیاہ و سفید کی مالک ہے، اس لیے اقلیت کے خوف سے اپنی پارٹی نہ بنانا بلکہ مسلسل دوسری پارٹیوں کے سامنے کاسہ گدائی لے کر گھومنا یہ ہمارے شامت اعمال کا اثر ہے۔ ہم نے جیسا کہ ابھی تک کوئی پارٹی نہیں بنائی ہے، دوسری پارٹیوں سے ٹکٹ لے کر بحیثیت امیدوار کھڑے ہوتے ہیں تو اس صورت میں بھی یہی خوف باقی رہتا ہے کہ جہاں ہمارا لائق مند امیدوار ہے وہاں فرقہ پرست پارٹی کسی طریقہ سے ایک دو تین کئی ایک مسلم ممبران کو امیدوار بنا کر

ہمارے ووٹوں کو منقسم کردے۔الیکشن کمیشن میں اگر ہمارے نمائندے نہیں ہیں تو وہ ہمارے اکثریتی علاقوں کو ایسا تقسیم کردے کہ کوئی امیدوار اس اکثریتی حلقے سے کامیاب نہ ہوسکے۔ بہت سی پارٹیاں مسلسل ہارتی رہتی ہے، لیکن اپنی پارٹی کو کالعدم کرنے کے بجائے بار بار میدان میں اتر رہی ہیں اور پھر ایک دن ان کو کامیابی بھی ملتی ہے۔بی جے پی اور بہوجن سماج پارٹی کی ابتدائی تاریخ گاؤں کے سرپنچوں کے الیکشن سے بھی زیادہ غیر حوصلہ بخش رہی ہیں، لیکن جہد مسلسل کی وجہ سے وہ آج اس مقام پر ہیں، بنا بریں مسلمانوں کو اپنی سیاسی جماعت بنانے کے لیے خوف واندیشہ کو دل ودماغ سے نکالنا ہوگا، نیز مسلمانوں کی سیاسی جماعت محض مسلم ووٹوں کی بنیاد پر نہیں قائم ہوسکتی۔اکثریتی طبقے کو اپنے اخلاق وکردار اور اسلامی اعلیٰ اقدار وحکمرانی اور اپنے انتظامی مجالس کو پیش کر کے اطمینان دلانا ہوگا۔آج بھی ہندوستان میں بہت بڑی اکثریت انصاف پسند حکمرانوں کی منتظر ہے۔

۱۰-عورتوں کا فطری فریضہ ماں بننا ہے، پھر گھرداری میں اپنے اعمال کو محدود رکھنا ہے، لیکن اس کی قیادت سربراہی بھی جائز وثابت ہے، اس لیے خاص حالات میں مرد کسی بھی وجہ سے الیکشن کی امیدواری اور قانون ساز اداروں کی ممبری کے لیے نہ فراہم ہوں تو ہماری عورتوں کو شرعی حدود کی پابندی کرتے ہوئے آگے آنا چاہیے۔جہاں تک ہندوستان میں عورتوں کی حکومت میں ریزرویشن کے رجحان کا مسئلہ ہے تو اس پر اس پہلو سے بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ سرمایہ دار طبقہ نیز پیدائشی طور پر اپنے کو حکمرانی کا حقدار سمجھنے والوں نے اپنے گھروں میں اقتدار کو محصور کرنے کے لیے یہ پلان نہ بنایا ہو۔اگر ایسا ہے تو تمام کمزور طبقات کو اس قانون کے خلاف کارروائی کرنا ضروری ہے، خاص کر مسلمانوں کی ناکامی کی صورت میں حکومت واقتدار کو بدنیت طبقہ کے ہاتھ میں جانے سے روکنے کے لیے عورتیں اپنی عزت وناموس کی حفاظت کرتے ہوئے الیکشن میں امیدوار اور قانون ساز اداروں کی ممبر بن سکتی ہیں۔

چوتھا باب

اختتامی امور

مناقشہ:

الیکشن سے مربوط شرعی مسائل

مولانا عتیق احمد بستوی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اس وقت جو موضوع آپ حضرات کے سامنے پیش ہونے والا ہے وہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے، نہ صرف ہندوستان کے لئے بلکہ پوری دنیا کے لئے، الیکشن سے مربوط شرعی مسائل، اس سوالنامے میں بہت ہی اہم سوال اٹھائے گئے ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ علماء کا تفقہ اور بصیرت کا امتحان ہے کہ وہ کس طرح سے ان مسائل کے بارے میں کوئی فیصلہ فرماتے ہیں، جو مسائل واضح اور سادہ ہوتے ہیں حلال وحرام کا پہلو واضح ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ ان کو توسمیناروں میں زیر بحث لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اس وقت جو عالمی حالات ہیں اور جو سیاسی نظام دنیا میں چل رہا ہے اور پوری مسلم دنیا کے لئے جو مسائل کھڑے ہیں ان پر غور کرنا یہ ہماری ذمہ داری ہے، اس ملک میں ہم رہتے ہیں اور یہاں ایک نظام چل رہا ہے، الیکشن کا، جمہوریت کا، اس کا ہم حصہ ہیں اور اس ملک کے ہم شہری ہیں، ہمارے حقوق ہیں، ہماری ذمہ داریاں ہیں، ظاہر بات ہے یہ نظام ہمارا بنایا ہوا نہیں ہے، اگر چہ ہم بھی اس میں کچھ شریک ہیں، شیئر ہمارا بھی ہے، لیکن یہ نظام اس ملک کے تمام باشندوں کا بنایا ہوا ہے، میں آپ سے عرض کررہا ہوں کہ یہ جو مسائل زیر بحث ہیں۔ یہ مت سوچئے کہ صرف ہندوستان کے لئے ہے، نہیں، آج تقریباً پچاس فیصد مسلمان ایسے ملکوں میں آباد ہیں جہاں غلبہ غیر مسلموں کا ہے، قانون سازی ان کے ہاتھ میں ہے اور سیاسی نظام کی تشکیل وہ کرتے ہیں، ان ملکوں میں مسلمان کس طرح رہیں، وہاں کے سیاسی نظام میں رہتے ہوئے جو اپنا مطلوبہ کردار ہے مسلمان کی حیثیت سے، اسے کس طرح ادا کریں، یہ بہت بڑا چیلنج ہے اور بہت بڑا سوال ہے عام مسلمانوں کے لئے، سوالنامہ جو مرتب کیا گیا تھا اس میں تمام شقوں کے احاطے کی کوشش کی گئی، اور اس سلسلہ میں سوالات کو دو حصوں میں کیا گیا ہے، دو عرض آپ کے سامنے پیش ہوں گے اور چوں کہ مقالات کافی اس موضوع پر آئے ہیں موضوع کی اہمیت کی بنیاد پر، آپ کے پاس تلخیص مقالات کا رسالہ بھی ہوگا جس میں سوالنامہ بھی درج ہے اور ابھی جو عرض پیش ہونے والا ہے اس کو بھی تقسیم کیا جائے گا، تو سوال ا سے سوال ٦ تک کا عرض جناب مولانا رحمت اللہ ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ذمہ کیا گیا تھا، انہوں نے بڑی محنت سے ان مقالات کو پڑھ کر عرض تیار کیا ہے۔ میری ایک گزارش یہ ہے کہ دلائل تو پورے ذکر کئے جائیں، لیکن جتنا اختصار ممکن ہو عرض میں اس کو ملحوظ رکھیں تا کہ مناقشے کا موقع زیادہ مل سکے ہمارے شرکاء کو۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ابھی آپ کے سامنے، سوالنامے کے سات سوالات سے متعلق عرض پیش ہوا، مقالے ماشاء اللہ کافی آئے، اور ہر مقالہ نگار کا حق ہے کہ اس کی رائے کو اہمیت دی جائے اور اس کو پیش کیا جائے، اس لئے اس احساس کے تحت کہ کوئی اہم بات چھوٹ نہ جائے عرض لمبا ہوجاتا ہے اور کافی دیر تک آپ کو سننا پڑتا ہے، لیکن اس عرض کا لمبا ہونا انشاء اللہ ہم کو معاون ہوگا فیصلہ کرنے میں، تین سوالات باقی رہ گئے ہیں، اس کا دوسرا عرض ہے، لیکن ہم لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ جو سوالات پیش ہوئے ہیں اس پر مناقشہ ہو، تبادلہ خیالات ہو، جن حضرات کو اظہار رائے کرنا ہے وہ اپنا نام لکھ کر بھیج دیں، موضوع بہت ہی نازک ہے، بڑا اہم ہے، یہ جو عرض پڑھا گیا اس کی روشنی میں ایک بات تو یہ محسوس ہوئی کہ جن حضرات نے بھی مقالے لکھے ہیں ان کی غالب اکثریت ایک دو کو چھوڑ کر اس کی قائل ہے کہ گویا ووٹ دینا اور الیکشن میں شرکت جائز ہے، میں سمجھتا ہوں کہ جو مقالے آئے ہیں اور جو آراء ہمارے سامنے آئی ہیں ان میں جواز کا رجحان ہے، اور ظاہر بات ہے کہ ہم کوئی نیا سفر نہیں شروع کرنے جارہے ہیں، اس ملک میں ایک زمانے سے غیر مسلم اقتدار قائم ہے، شروع میں ایک موقف تھا کہ بالکل اس جمہوری نظام میں طاغوتی نظام میں شرکت درست نہیں ہے، لیکن رفتہ رفتہ ہمارے بزرگوں نے جو فیصلہ فرمایا تھا، وہ یہ کہ موجودہ حالات میں کوئی اور راستہ نہیں ہے اور الیکشن کا بائیکاٹ اور الیکشن میں شرکت نہ کرنا، ووٹ نہ دینا یہ گویا خودکشی ہے، موجودہ حالات میں، موجودہ ملک میں یہ فیصلہ ہمارے علماء کا ہے، اس تعلق سے میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ہاؤس میں ابھی جو عرض پیش ہوا اس کی روشنی میں تقریباً اتفاق ہے، آگے یہ گفتگو بڑھتی ہے کہ یہ شہادت ہے، توکیل ہے، رائے ہے، اس ووٹ دینے کو ہم واجب قرار دیدیں، جائز قرار دیدیں، مستحب قرار دیں، کئی آراء سامنے آئی ہیں، اور اس سے آگے بڑھ کر اس ملک میں امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہونا چاہئے، پارلیمنٹ کی ممبری ہو یا اسمبلی کی ممبری ہو، یا صوبائی یا مرکزی ہو، جب آپ نے اس کو جائز قرار دیا ان محظورات کے باوجود جو محظورات موجود ہیں، ظاہر ہے اس میں بہت سی منکرات ہیں، خرابیاں ہیں، لیکن یہ جو مسئلہ ہے اپنے نام کو ہم خود امیدوار کے طور پر پیش کرنا چاہتے ہیں اور اس کی تائید کچھ لوگ کرتے ہیں، تو اس کے بارے میں دو آراء سامنے آئی ہیں اور ظاہر بات ہے کہ اگر آپ کو یہاں کے نظام میں شامل ہونا ہے، اگر ہم سمجھتے ہیں کہ الیکشن جو موجودہ جمہوری نظام ہے، اس نظام میں شمولیت گویا ہمارے مفاد میں ہے، اگر اس میں ہم شامل نہ ہوں، اپنی رائے کا استعمال نہ کریں تو کیا کیا نقصانات ہوسکتے ہیں، کیسے کیسے قوانین بن سکتے ہیں جن کی زد ہمارے مذہب پر اور ہمارے حقوق پر پڑسکتی ہے، تو ظاہر بات ہے کہ جو نظام بنایا ہوا ہو امیدواری کے لئے اس کو بھی اختیار کرنا ہوگا ہمیں "إذا ثبت الشيئ ثبت بلوازمه" اس میں ہمارے واسطے ایسی گنجائش نہیں ہے کہ صاحب ایک آدمی اپنا نام تجویز نہ کرے پیش نہ کرے اور اس کی قانونی کارروائی نہ کرے اور اس کو کھڑا ہوا مان لیا جائے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، بہت ہی فاضلانہ عرض مسئلہ ابھی آپ حضرات نے سماعت فرمایا اور جو بنیادی بات تھی اس کی طرف حضرت مولانا عتیق احمد صاحب نے توجہ دلائی۔ اسلام کا جو نظام سیاست ہے اس میں شریعت نے اصول ومبادی کو زیادہ بیان کیا ہے اور جزوی تصریحات نسبتاً کم ہیں اور اس کا فائدہ یہ ہوا کہ حالات میں جوں جوں تبدیلی آئی اس دور کے علماء نے امن ونظم کو قائم رکھنے کے لئے اپنے اجتہاد اور غور وفکر سے کام لیا، مثلاً آپ جانتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں کہیں امارت قاہرہ کا ذکر نہیں ہے جس میں جبر ود باؤ کے ذریعہ کوئی امیر بن گیا ہو، لیکن قاضی ابوالحسن ماوردی اور بعد کے علماء نے تقسیم کی اس امارت کی جو عامۃ المسلمین کے اختیار پر مبنی ہو اور اس امارت کی جو قہر پر مبنی ہو اور نظم ونسق کو برقرار رکھنے کے لئے یہ بھی فرمایا کہ امارت قاہرہ بھی قائم ہوجاتی ہے حکم میں فرق ہوتا ہے خروج کے، کہ جو امارت اختیار المسلمین سے ہو، اس کے خلاف خروج مطلقا جائز نہیں ہے اور امارت قاہرہ کے خلاف خروج اس وقت جائز ہے جب کہ اس کے نتیجہ خیز ہونے کی امید ہو، اسی طرح آپ جانتے ہیں کہ ہماری فقہ میں مملکت اسلامی میں تعدد کا کوئی تصور نہیں تھا، خلفاء راشدین کے دور میں پھر حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں پھر اس کے بعد ایک عرصہ تک اموی اور عباسی دور میں پوری دنیائے اسلام میں ایک ہی خلیفہ ہوا کرتے تھے، لیکن جب حالات بدلے اور عالم اسلام مختلف ٹکڑیوں میں بٹ گیا تو امام الحرمین قاضی ابوالحسن ماوردی اور دیگر علماء نے تعدد مملکت اسلامیہ اور تعدد بلاد اسلامیہ کے تصور کو قبول کرلیا کہ ایک سے زیادہ اسلامی مملکتیں بھی ہوسکتی ہیں، اگر ان کے درمیان سمندر حائل ہو جو ایک دوسرے کو ملنے سے روکتا ہو اور ظاہر ہے کہ ایک بہت بڑا سمندر کے حائل ہونے کی وجہ سے لوگوں کے درمیان اختلاف بھی ہوتا ہے اس اختلاف کی وجہ سے اگر ایک کرنے کی کوشش کی جائے تو اور زیادہ خونریزی ہوتی ہے، تو یہ علماء نے اپنے زمانے کی ضرورت کے لحاظ سے قبول فرمایا ہے، لیکن بہر حال وہ اسلامی ملکوں میں تھے اب ہم جس ملک میں ہیں اور آج دنیا کے پچاس فیصد مسلمان ایسے ملکوں میں ہیں جہاں وہ اقلیت میں ہیں ہمارے فقہاء نے فرق کیا ہے دار الاسلام اور دار الکفر کے احکام میں۔ اور دار الکفر اور دار الحرب کے احکام میں، اس کی بنیاد یہ ہے جیسا کہ میں سمجھتا ہوں کہ ایک وہ جگہ ہے جہاں خود آپ نظام بنانے کے موقف میں ہیں اور ایک وہ جگہ ہے جہاں آپ نظام بنانے کے موقف میں نہیں ہیں بلکہ ایک بنے بنائے نظام کا حصہ ہیں تو جہاں آپ نظام بنانے کے موقف میں ہوتے ہیں وہاں آپ کی قدرت وطاقت بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور شریعت کے جو اعلیٰ ترین احکام ہیں ان کی تنفیذ کی کوشش ہم پر واجب ہوتی ہے اور جہاں ہم خود نظام بنانے کے موقف میں نہیں ہیں، وہاں جیسا کہ مولانا عتیق احمد صاحب نے بھی ابھی نقل فرمایا حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ جب آپ نے پوچھا کہ معرفت کس کا نام ہے علم کس کا نام ہے؟ مخاطب نے کہا: "**معرفة الخير من الشر**" تو حضرت عمر نے

کہا یہ بھی کوئی علم کی بات ہے، ایک طرف خیر ہو، ایک طرف شر ہو تو آدمی خیر کو اختیار کرے گا، علم نام ہے، معرفۃ خیر الشرین کا جہاں دو شر ہو، ان میں سے مسلمانوں کے لئے نسبتاً کونسا شر کم ضرر رساں ہے اس کو اختیار کرنے کا، ہم جس ملک میں رہتے ہیں یہاں مسلمانوں نے حکومت بھی کی ہے ایک طویل دور تک اور ایک دور انگریزوں کی غلامی کا بھی گزارا ہے، پھر ہمارے بزرگوں کی کوششوں سے یہ ملک آزاد ہوا۔ اور جب ملک آزاد ہونے کو آیا تو ایک طوفان اٹھا ہندوستان میں، ایک تحریک اٹھی جو دوقومی نظریہ کی حامل تھی، اور بظاہر ان کی بات لوگوں کو بہت اچھی معلوم ہوتی تھی، اس کو اسلام سے قریب تر فکر کی حیثیت سے پیش کیا جاتا تھا، لیکن ہمارے اکثر علماء کی رائے یہ تھی کہ اس برصغیر میں جو حالات ہیں اس میں مسلمانوں کے مفاد میں یہ بات ہے کہ متحدہ ہندوستان رہے اور میں سمجھتا ہوں کہ آج کے حالات ہمارے ان بزرگوں کی رائے پر مہر تصدیق لگاتے ہیں، سیاست کا باب ایسا ہے کہ جس میں مصالح کا بڑا دخل ہے، ہمارے سامنے کتاب وسنت کی نظیریں بھی ہیں اصول بھی ہیں، فقہاء کے یہاں جو آراء میں تبدیلی ہوئی ہے وہ تبدیلیاں بھی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ خود ہمارے اس ملک کے بزرگوں کا طرز عمل بھی ہے، آزادی سے پہلے بھی ہمارے بزرگوں نے الیکشن میں حصہ لیا جب محدود آزادی کے ساتھ الیکشن ہوتا تھا اور آزادی کے بعد بھی انہوں نے اس بات کو ضروری قرار دیا کہ مسلمان اپنی طاقت کو مؤثر بنانے کے لئے اور اپنے جان ومال کی حفاظت کے لئے اس ملک میں الیکشن میں پوری سرگرمی کے ساتھ حصہ لیں، اور آج کے حالات میں جب بہت ساری تبدیلیاں آگئی ہیں پھر ہمیں اس پر غور کرنا ہے۔ ایک بات صرف میں عرض کردیتا ہوں، سوالات میں تو بہت سے پہلو دریافت کئے جاتے ہیں، مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسئلے کے تمام پہلو منقح ہوجائے، اب جیسے ووٹ کی حیثیت کیا ہے، شہادت ہے یا وکالت ہے یا شفاعت ہے یا مشورہ ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس اصطلاح سے عام مسلمانوں کو لینا دینا نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ حکم شرعی اس پر کیا مرتب ہوتا ہے، یہی اصل عام مسلمانوں کے لئے اہم ہے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ جتنی باتیں سوالات میں آئیں ہیں وہ ساری باتیں تجویز میں شامل بھی ہوں بلکہ مجموعی طور پر گفتگو ہوگی، اور پھر اس کے بعد جو آپ لوگوں کا فیصلہ ہوگا اور یقیناً اس میں حکم شرعی کی رعایت بھی ہوگی، اور مصلحت وقت کا لحاظ بھی ہوگا ان میں جن چیزوں کو تجویز میں شامل رکھنا اور پھر اس کو شائع کرنا مناسب ہوگا ان کی اشاعت عمل میں آئے گی، ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ یہ موضوع بڑا نازک ہے، لیکن جو مسائل امت کو درپیش ہیں ہم ان سے منہ نہیں چھپا سکتے، ہمارے بزرگوں نے گفتگو کی یہی خواتین کی سربراہی کا مسئلہ کتنا پیچیدہ مسئلہ ہے لیکن ہمارے بزرگوں نے اس پر بھی اظہار خیال کیا تو اگر ان مسائل سے ہم منہ چھپالیں اور ان کے نازک ہونے کی وجہ سے ہم ان کو زیر بحث نہیں لائیں، میں سمجھتا ہوں کہ یہ جرأت عالمانہ کے مغائر ہے ہم اس پر بحث کریں جو مناسب رائے ہو وہ قائم کریں اور اگر کسی بات کا عوام میں زیادہ اظہار اور تشہیر مناسب نہ ہو تو یہ مجمع اس سے واقف ہوجائے گا ہر ہر جز کو تجویز کی شکل میں لانا ضروری نہیں ہے۔ یہ مولانا کی خواہش پر ایک دو بات میرے ذہن میں آئی وہ عرض کردی۔

مفتی نذیر احمد کشمیری:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حضرات گرامی! اس موضوع کے انتخاب کرنے میں غیر معمولی بصیرت کا مظاہرہ ہوا ہے، اس پر فقہ اکیڈمی کے ذمہ داران بہت مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اس سلسلہ میں چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں، پہلی بات یہ کہ ووٹ شہادت ہے یا شہادت کے علاوہ کچھ اور ہے۔ عام طور پر جن نصوص کا تعلق شہادت سے ہے ان تمام نصوص کو ووٹ پر منطبق کیا جارہا ہے، حتی کہ ہمارے بزرگوں کے فتاوی بھی موجود ہیں، جیسے جواہر الفقہ میں ووٹ کی شرعی حیثیت کا مستقل ایک جز موجود ہے، لیکن ہمیشہ اس پر تامل رہتا ہے کہ شہادت نام ہے اظہار مایعلم کا تو کیا امیدوار کے تمام حالات سے ووٹ دینے والا واقف ہوتا ہے، عامۃً تو ایسا ہے کہ وہ نام کے حد تک تب واقف ہوتا ہے جب کوئی پارٹی کسی امیدوار کو کھڑا کردیتی ہے، دوسرے علاقے کے پارٹیوں کے مفاد کے مطابق ایک آدمی کو کھڑا کیا گیا اور پھر عوام سے کہا جاتا ہے کہ صاحب اس کو ووٹ دیا جائے اس کے یہاں اس کی امانت اس کی دیانت، اس کی صداقت کسی بھی چیز سے ہم واقف نہیں ہیں، تو اب یہ آدمی اس کے حق میں گواہی دے گا تو کیسے گواہی دے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ امانت دار ہے، دیانت دار ہے، ملک کا وفادار وغیرہ، اس لئے شہادت کا درجہ دینا محل تامل ہے اس پر اچھی طرح سے غور ہونا چاہئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس کو شہادت کا درجہ دیا جائے، تو پھر بے شمار وہ انسان جو ووٹ نہیں ڈالتے اور ہر ملک کا حال یہی ہے کہ جب ووٹنگ ہوتی ہے تو اس کے بعد تجزیہ کیا جاتا ہے کہ کتنے فیصد لوگوں نے ووٹ میں حصہ لیا، کہیں تیس فیصد لوگوں نے، کہیں چالیس فیصد لوگوں نے تو بقیہ تمام آبادی جو ووٹوں میں حصہ نہیں لیتی ہے وہ خود ان ملکوں کے قانون کے مطابق مجرم نہیں ہیں۔ تو ہم کیسے ووٹ کو شہادت کا درجہ دے کر کہیں نہیں صاحب اس کی ادائیگی جو ہے لازم ہے اور آپ خاموش نہیں بیٹھ سکتے ہیں، پھر ہمارے بزرگوں میں بے شمار حضرات کا معمول ہے کہ وہ ووٹ نہیں ڈالتے ہیں، تو کیا ہم کہیں گے کہ وہ تمام کے تمام تارک واجب تھے، اپنی اپنی رائے دینے کا حق ہے اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ تمام مقالات میں اس واقعہ کا تذکرہ نہیں آیا جس میں نبی کریم ﷺ نے قبیلۂ بنو تمیم کے ایک آدمی کو قبیلہ کے لئے ذمہ دار مقرر کیا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما سے رائے طلب کی تھی جو شان نزول ہے: ”**يا أيها الذين آمنوا لا ترفعوا أصواتكم فوق صوت النبي**“ والی آیت کا اور حضرت ابوبکرؓ نے ابن معبد کا نام پیش کیا، حضرت عمر فاروقؓ نے اقرع بن حابس کا نام پیش کیا اور اس پر آپس میں تیز کلامی بھی ہوئی تو گویا ملک کا سربراہ دو اہم ترین شخصیات سے نام لینا چاہتا ہے کہ ان دونوں میں کون مناسب رہے گا، انہوں نے اپنی اپنی رائے دی اس کے بعد کس کے حق میں فیصلہ ہوا یہ امر آخر ہے، بس ٹھیک اسی طرح سے یہاں گویا الیکشن کمیشن رائے لے رہا ہے، ووٹ دینے والا رائے دینے کا پابند ہے، لہذا اس کو مشورہ قرار دیا جائے نہ کہ شہادت۔ دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ صاحب ووٹ ڈالنا واجب

ہےتو کیا ہم کہیں کہ بے شمار وہ انسان جو ووٹ نہیں ڈالتے وہ ترک وجوب کے مرتکب ہورہے ہیں، ممکن ہے مسلمان ملکوں میں یہ کہا جاسکے، لیکن غیر مسلم ملک میں جہاں ایک طرف سے ایک ایسا شخص جس کے کردار کی، دیانت داری کی، امانت داری کی ہم گواہی نہیں دے سکتے اور دوسری طرف سے دوسرا شخص بھی کھڑا ہے اس کی حالت بھی یہی ہے لہذا ہمیں یہ کہا جانا چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ جواز کا درجہ ہے۔ ایک طرف ہم ''أھون البلیتین'' کہہ رہے ہیں تو اہون البلیتین کو اختیار کرنا واجب نہیں ہوا کرتا، اسی طرح سے ایک مسئلہ آیا کہ امیدواری کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا جائز ہے یا نہیں، جواز میں تو کوئی شک نہیں، اس لئے کہ نصوص بتائی جارہی ہیں اور خوب اچھی طرح سے اس کو پیش کیا گیا، لیکن بعض حضرات نے کہا کہ یہ واجب علی العین ہے، اور بعضوں نے کہا کہ یہ فرض علی الکفایہ ہے اور بعضوں نے اس کو لازم کردیا۔ اب اگر یہ واجب اور لازم کی بات کہی جائے تو ہمارے دینی اداروں کے ان تمام ذمہ داران کو جو نظام چلاتے ہیں ان کو پھر اپنے آپ کو ووٹ کے لئے پیش کردینا چاہئے، ان سے زیادہ بہتر اور کون مناسب ہے، اگر یہ واجب کا درجہ ہو؟ تو زیادہ سے زیادہ جائز کا درجہ قرار دیا جاسکتا ہے، نیز ان تمام مسائل کو حل کرتے ہوئے یہ بھی ذہن میں رکھنا ہے کہ جمہوریت دراصل ہے کیا؟ یہ دراصل رولنگ کلاس طبقہ وجود میں آتا ہے اور یہ ملک پر حکومت کرتا ہے کبھی ایک پارٹی ہوتی ہے کبھی دوسری پارٹی ہوتی ہے کبھی ایک طبقہ آتا ہے کبھی دوسرا طبقہ آتا ہے، اگر نیا کوئی انسان کھڑا ہوجائے، تو چیخ وپکار کے بعد پھر اس کو اپنے ساتھ شامل کیا جائے گا کہ تم باہر رہ کر کیا چیخو گے اندر شامل ہوجاؤ، چاہے اس پارٹی کے ساتھ چاہے اس پارٹی کے ساتھ، اصل میں دنیا دو حصوں میں تقسیم ہے ایک اپر کلاس کا طبقہ وہ کہیں ایک طبقہ کے ساتھ ہوگا کہیں دوسرے طبقہ کے ساتھ دوسرا عوام کا طبقہ ہے، اس نکتہ کو ذہن میں رکھ کر ہمیں غور کرنا ہے، اس کے علاوہ بھی چند باتیں ہیں وہ انشاء اللہ میں آگے عرض کروں گا۔ ان ہی باتوں پر میں اکتفاء کررہا ہوں، وآخر **دعوانا أن الحمد لله رب العالمین۔**

مولانا خالد حسین نیموی قاسمی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، دو امور کی طرف حضرات علماء ومفتیان کرام کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، اول کا تعلق گزشتہ دن کی بحث سے ہے کل کی نشست میں بیع وفاء سے متعلق بہت سی چشم کشا امور زیر غور آئیں، البتہ پوری بحث میں ایک بات آنے سے رہ گئی کہ بیع وفا کا معاملہ صرف بلخ، بخارا، سمرقند کا مخصوص مسئلہ نہیں تھا، یہ صحیح ہے کہ اس مسئلہ کی شروعات ان ہی علاقوں سے ہوئی، ابتدائے امر میں علماء نے اس کے عدم جواز کا فتوی دیا، (مولانا خالد صاحب میں معذرت چاہتا ہوں اگر اس بارے میں کوئی بات آپ کو فرمانی ہے، لکھ کر کے آپ حوالہ کردیجئے مولانا عبید اللہ صاحب کو، اس وقت جو موضوع ہے الیکشن کا اس کے بارے میں آپ فرمادیں- مولانا عتیق صاحب)۔ اس مسئلہ میں یہ عرض ہے کہ ہمارے سامنے الیکشن سے متعلق جو تلخیص

مقالات ہے، اس میں مولانا عبدالرشید قاسمی نے بھٹکل کے تعلق سے یہ تحریر کیا ہے کہ وہاں کوئی مسلمان الیکشن میں کھڑا نہیں ہوتا، اس کے باوجود ان کی سیاسی پکڑ کافی مضبوط ہے، میرا خیال ہے کہ موصوف کی رائے غیر واقعی ہے، گزشتہ ایام سے فرقہ پرستوں اور ایجنسیوں نے بھٹکل کو اپنے نشانہ پر لے رکھا ہے، فرقہ پرستوں کی طرف سے خانہ ساز فرضی نام انڈین مجاہدین کا ہیڈ کوارٹر قرار دینے کی مذموم کوشش اور بے قصور مسلم نوجوانوں کو تارچر اور انہیں ہراساں کرنے کا سلسلہ چل رہا ہے، اس سے نوشتۂ دیوار کچھ اور نظر آتا ہے، اگر بھٹکل کا کوئی اپنا ممبر پارلیمنٹ ہوتا تو ان مظالم کے خلاف آواز بلند کرتا تو صورت حال مختلف ہوتی، ہندوستان میں الیکشن سے متعلق شرعی مسائل پر غور کرتے ہوئے اس کے موجودہ جمہوری حیثیت کو ہر حال میں ملحوظ رکھنا چاہئے۔ فرقہ پرست طاقتیں اس حیثیت کو مسخ کر کے اس کو ہندو راشٹر بنانا چاہتی ہے، ہندو احیاء پرستی کی تحریک شباب پر ہے، ایسے حالات میں اس کی جمہوری حیثیت کی حفاظت بھی ہماری ذمہ داری ہے، محسوس ہو رہا ہے کہ بعض فاضل مقالہ نگار اس کو ایک اسلامی امارت فرض کر کے گفتگو فرما رہے ہیں، جب کہ اس کی جمہوری حیثیت کو پیش نظر رکھنی چاہئے۔ جزاک اللہ۔

مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس صاحب ندوی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ووٹ کی حیثیت کے بارے میں جو بات آئی ہے اور درجہ بندی کے تعلق سے جو ایک رائے آئی کہ اس کو جائز ہی ہونا چاہئے۔ ایک بات اس میں ملحوظ رہنا چاہئے کہ اسلامی ملک اور غیر اسلامی ممالک دونوں کے درمیان حکم میں فرق ہوتا ہے اور ہم جو گفتگو کرنے کے لئے بیٹھیں ہیں اس میں زیر بحث وہ ممالک ہیں جہاں اسلامی حکومت قائم نہیں ہے، اس لئے اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہئے، اسلامی ملک کا حکم کچھ اور ہوتا ہے اور غیر اسلامی ملک کا حکم کچھ اور ہوتا ہے، اس لئے غیر اسلامی ممالک کے اندر ووٹ کا استعمال تو واجب ہی ہونا چاہئے اس کو جائز یا مستحب قرار دینا مناسب معلوم نہیں ہوتا ہے، حالات سب کے سامنے موجود ہیں اس لئے اس کو واجب ہر حال میں ہونا چاہئے چاہے جو بھی حیثیت آپ دیں، اس لئے کہ انسان کی فطرت ہے جس چیز کو ہم جائز کہتے ہیں انسان کہتا ہے چھوڑو جائز ہی تو ہے گناہ تو ہوگا نہیں تو آدمی صرف نظر کر دیتا ہے۔ حتی کہ مستحب مسنون تک کو آدمی صرف نظر کر دیتا ہے، لیکن جب کسی چیز کو واجب قرار دیا جاتا ہے تو انسان اس کو اہمیت دیتا ہے تو اب چوں کہ ہم چاہتے ہیں کہ لوگ ووٹ دیں یہ نہیں چاہتے کہ لوگ ووٹ نہ دیں اگر ہم ووٹ نہیں دیں گے تو مقصد ہی حاصل نہیں ہوگا، تو ضروری ہے کہ ہم واجب قرار دیں تاکہ لوگ ووٹ دیں اور تلقین بھی کریں کہ شرعی اعتبار سے واجب ہے نہیں دو گے تو گنہگار ہوگے، دوسری بات یہ ہے کہ ووٹ دینا اہون البلیتین کا مسئلہ ہے، ہمارے خیال سے وہ مناسب بات نہیں ہے، ووٹ کا استعمال اہون البلیتین نہیں ہے یہاں تو درجہ بندی کی بات ہو رہی ہے کہ ووٹ دینا واجب ہے یا مستحب ہے، کیا نہیں ہے؟ درجہ بندی کے اندر اہون البلیتین کا مسئلہ آتا ہی نہیں سرے سے، جزاک اللہ۔

مولانا عبدالرشید (کانپور):

مجھے تین باتیں کہنی ہیں ایک تو یہ کہ شہادت، رائے اور مشورہ یہ چیزیں آئی ہیں، مفتی تقی صاحب نے بھی اور مفتی شفیع صاحب نے بھی مفصل لکھ دیا ہے، اس میں حقیقتاً شہادت کسی نے بھی نہیں کہا بلکہ وہ ایک تشبیہ کی شکل ہوتی ہے، تشبیہ دینا ہوتا ہے، مطلب یہ نہیں کہ شہادت کہہ کر کے شہادت کے پورے احکام اس پر لاگو کر دیئے جائیں۔ اور شہادت کہنے کا منشا بھی اصل میں عوام کو آمادہ کرنا ہے، ورنہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ یہ خالی رائے اور خالی مشورہ ہے تو پھر یہ طاقتیں چاہتی ہیں کہ تمہاری رائے ہے، تو تمہاری رائے کی ہمیں ضرورت نہیں ہے، ہمارا پرسنل لا تو یہ کہتا ہے کہ بغیر رائے مانگے رائے نہ دی جائے، کوئی ہم سے کہہ سکتا ہے کہ بھائی ہمیں آپ کی رائے کی ضرورت نہیں، آپ کے مشورہ کی ضرورت نہیں ہے، تو جو یہ طاقتیں چاہتی ہیں کہ مسلمانوں کو ووٹ سے محروم کردیا جائے اس کو طاقت فراہم کرے گی، اس لئے ان حضرات نے شہادت تشبیہاً کہا ہے تاکہ مسلمانوں کے اندر اس کا شعور وذوق پیدا ہو جائے، مفتی نذیر صاحب نے جو بھی بات کہی ہے کہ واجب نہ کہا جائے کم سے کم یہ جس صوبے سے تعلق رکھتے ہیں ان کو تو یہ بات نہیں کہنی چاہئے۔ یہاں پر بھی واجب کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ یہ جب دیکھا گیا کہ مسلمانوں میں بے حسی ہو رہی ہے، کوئی نکلتا ہی نہیں صرف اس بنیاد پر کہ صاحب یہ بھی خراب یہ بھی خراب ہے۔ تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا! اگر ہم اس کو واجب سے کم درجہ لیتے ہیں تو پھر ظاہر بات ہے کہ پھر اختیار ہوگا اور مسلمان کا الیکشن کے لئے نہ نکلنے کی وجہ سے ان کا خسارہ ہوگا۔ تیسری بات اور آخری بات یہ کہ جو خالد نیموی صاحب نے بھٹکل کے حوالے سے کی ہے، بھٹکل والی بات جو میں نے اپنے مقالے میں ذکر کی ہے وہ صرف عورت کے حوالے سے ذکر کی ہے، کہ عورت کو الیکشن میں کھڑے ہونے کی کیا نوعیت ہے، ظاہر ہے عورت کا کھڑا ہونا کتنا نقصان دہ ہے برقع نوچے گئے ان کا خود ہمارے کانپور کے اندر جو سبھا سد میں ہماری عورتیں گئی ہیں جیت کر کے وہاں جب انہوں نے ذرا سا حجاب کیا تو ان کا نقاب بھی پھاڑ دیئے گئے، ان کے دوپٹے بھی نوچ دیئے گئے، اس حوالہ سے ہم نے بھٹکل کا ذکر کیا تھا، خود ہمارا جانا بھٹکل میں ہوا انہوں نے یہ کہا کہ ایک نظام ہے اس نظام کے تحت ہم پارٹی والوں کو بلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بھائی ہمارے مشورے ہیں اور ہماری مانگیں ہیں تم ہماری کون سی مانگ کو پورا کروگے جو پارٹی ہمارے مانگ کو پورا کرتی ہے ہم اس کو سپورٹ کر دیتے ہیں۔ اور اس کا فائدہ ہم کو مل رہا ہے کہ ہم نے اپنے انجینیرنگ کالج میں جمعہ کے دن کی چھٹی کو منظور کرالیا، حالانکہ اس زمانے میں بی جے پی کی حکومت تھی اور آج بھی کرناٹک میں ہے، یہاں ایڈوانی آئے تھے اور کہا کہ بتایئے بھائی ہمارے صوبے کرناٹک میں جمعہ کے دن چھٹی، ہمارے لئے کلنک ہے، لیکن ہم نے اتوار کے بجائے جمعہ کے دن کی چھٹی منظور کرائی یہ صرف اس بنیاد پر کہ ہم جو بات ان لوگوں سے کہتے ہیں وہ اس کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس بنیاد پر خالی ہم ان کا تعاون کرتے ہیں، اور اپنی مانگوں کو رکھتے ہیں، تو وہ بات صرف عورتوں سے متعلق تھی۔ (مولانا

عبدالرشید صاحب ابھی عورتوں سے متعلق عرض بھی پیش نہیں ہوا ہے جب عرض پیش ہوجائے گا تو اس وقت یہ وضاحت فرمائیں گے: مولانا عتیق صاحب)۔

مولانا تنظیم عالم قاسمی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، سوال نمبر ۲ میں یہ سوال پوچھا گیا تھا کہ اگر ووٹ شہادت کے درجے میں ہے تو اس کا حکم کیا ہوگا یہ مستحب ہے، یا واجب ہے، وغیرہ وغیرہ۔ تو اس سلسلہ میں سوال نمبر ۲ کے جواب میں عارض مولانا رحمت اللہ ندوی صاحب نے اس میں میری طرف تضاد کی نسبت کی ہے، یعنی اس کی تفصیل میں اور اس کے خلاصہ میں دونوں میں تضاد معلوم ہوتا اور تعارض معلوم ہوتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مولانا سے چوک ہوئی ہے اور مولانا نے آگے اور پیچھے دیکھے بغیر اس کا خلاصہ پیش کر دیا ہے، اصل میں، میں نے پہلے یہ کہا تھا کہ ووٹ فرض کفایہ بھی ہے اور ووٹ فرض عین بھی ہے، عام حالات میں یہ فرض کفایہ ہے کہ بعض لوگوں کے دینے سے ختم ہوجاتا ہے اور مخصوص حالات میں، جب کہ مقاصد شریعت کا تحفظ مشکل ہوجائے تو اس وقت یہ فرض عین ہوجائے گا اور ہر شخص پر دینا ضروری ہوجائے گا، میں نے عام بات کہی تھی اور پھر دونوں نقطۂ نظر کے دلائل بھی میں نے پیش کئے تھے، پھر بعد میں ملکی حالات پر اور ہندوستان کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے میں نے یہ لکھا تھا کہ یہاں چوں کہ مقاصد شریعت کا تحفظ ابھی باقی ہے اور ابھی خطرہ میں نہیں پڑا ہے، اس بنیاد پر بہتر ہے کہ یہاں فرض عین نہ کہا جائے، چنانچہ جو میری عبارت ہے وہ یہ ہے تاہم حالات ایسے نہیں ہیں کہ ووٹ کو فرض عین قرار دیا جائے، (مولانا تنظیم صاحب! آپ کی عبارت میں ان کو تعارض محسوس ہوا اور تعارض نہیں ہوگا میں سمجھتا ہوں اس میں اگر ان کو تعارض کا شبہ ہوا تو اور واضح کر دیجئے اپنی عبارت کو، انشاء اللہ وہ ریمارکس جو ہیں اس کو ہم غائب کر دیں گے، جو تبصرہ ہے عرض میں شخصی طور پر لوگوں کے تعلق سے اس کو ہم حذف کر دیں گے: مولانا عتیق احمد صاحب)، ٹھیک ہے، دوسری بات مجھے اور کہنی ہے کہ ووٹ کے سلسلہ میں یہ فرض عین ہے یا فرض کفایہ۔ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے جواہر الفقہ میں "**لا تکتموا الشهادة**"، "**کونوا قوامین بالقسط شهداء لله**" وغیرہ دلائل کی روشنی میں ووٹ کے سلسلہ میں لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ کسی شہادت کا چھپانا از روئے قرآن حرام ہے، یعنی حضرت نے ان ہی آیات کی روشنی میں لکھا ہے اس کے آگے لکھتے ہیں: "اس لئے اگر آپ کے حلقۂ انتخاب میں اگر کوئی صحیح نظریہ کا حامل اور دیانت دار نمائندہ کھڑا ہے تو اس کو ووٹ دینا چاہئے اور اس میں کوتاہی کرنا گناہ کبیرہ ہے اور خود حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب زید مجدہ نے لکھا ہے، اس طرح بعض اوقات ایک جاہل اور ان پڑھ انسان کی معمولی سی غفلت بھول چوک اور بددیانتی بھی پورے ملک کو تباہ کر سکتی ہے، اس لئے مروجہ نظام میں ایک ایک ووٹ قیمتی ہے، اس لئے یہ ہر شخص کا شرعی، اخلاقی قومی اور ملی فریضہ ہے کہ وہ اپنے ووٹ کو اتنی ہی توجہ اور اہمیت کے ساتھ

استعمال کرے جس کا کہ اس وقت فی الواقع مستحق ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرض عین ہے، ان کے پاس ایسے حالات ہوں گے کہ انہوں نے اس کو فرض عین کہا، لیکن میں نے ہندوستان کے نقطۂ نظر میں اور ماحول میں کہا تھا کہ یہاں پر فرض کفایہ ہوسکتا ہے، جزاک اللہ۔

مولانا ابرار خاں ندوی:

قانون ساز اداروں کی رکنیت، وہ ادارے جو کبھی کبھار اسلام مخالف قانون بھی بناتے ہیں، اس سلسلہ میں دو نقطۂ نظر سامنے آئے ایک جواز کا اور ایک عدم جواز کا تو اس میں ہمیں یہ چیز اپنے ذہنوں میں رکھنی چاہئے کہ یہ ادارے ہمیشہ اسلام مخالف قانون نہیں بناتے، بسا اوقات تو یہ قصداً اسلام مخالف بناتے ہیں وہاں اگر مسلمان ممبر ہوں گے تو وہ اس کی مخالفت کریں گے اور اس کا برملا اظہار کریں گے، لیکن زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ قانون بنانے والوں کی نیت بالکل صاف ہوتی ہے اور وہ ملک کے مفاد میں قانون بناتے ہیں، لیکن ہم وہاں موجود نہیں ہیں اور اتفاق سے وہ قانون مسلمانوں کے یا اسلام سے ٹکراتا ہے ان کی نیت بالکل صاف ہے ملک کے مفاد میں بنا رہے ہیں، لیکن وہ قانون اسلام سے ٹکرا رہا ہے، اسلام کے احکام کا انہیں علم نہیں، وہاں اگر مسلمان ممبر ہوں گے تو ان کی رائے ضرور طلب کی جائے گی اور جو قانون بنانے جارہے ہیں وہ اس کی مضرتیں اور اس کے نقصانات کو واضح کریں گے تو وہ قانون نہیں بنے گا، اس لئے ضروری ہے کہ ہم وہاں موجود ہوں ورنہ وہ قانون بن جائے گا، بعد میں ہم شور مچاتے رہیں گے، کیوں کہ ان کی نیت صاف تھی بس اتنا عرض کرنا تھا، جزاک اللہ۔

مولانا اشرف قاسمی (ایم پی):

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، مجھے مقالہ نگار موصوف کی ایک عبارت پر اعتراض ہے، اس سے مجھے بھی تکلیف ہے تمام مسلمانوں کو تکلیف ہوسکتی ہے، انہوں نے ایک بات کہی، دلیل کے اعتبار سے یہ غیر مسلم اکثریت والے ممالک میں شیخ چلی کے پلاؤ جیسی ہے، حکومت کا خواب وخیال دیکھنا یہ ہمارے خیال سے بہت تکلیف دہ بات ہے اور بصیرت سے بعید ہے، اس سے پہلے جو ہماری حکومتیں رہی ہیں بہت ہی چھوٹی اقلیت میں رہے ہیں، اور یہاں کی اکثریت نے ہماری حکومتوں کو آٹھ سو سال قبول کیا، پھر ایسی صورت میں ہم کیسے کہہ سکتے ہیں شیخ چلی کا خواب ہے، جب کہ اس وقت بھاگنے کا راستہ نہیں تھا، مخالف طاقتیں غیر مسلم مضبوط تھے اور ان کا پلان بھی مضبوط تھا ابھی بھاگنے کے بھی ذرائع ہیں سارے اسباب موجود ہیں۔ پھر یہ بات کیسے کہہ دی گئی، جو لوگ دانہ اسی لئے کھاتے ہیں کہ اس سے بننے والا خون اللہ کے راستہ میں بہے گا وہ تو ایسا نہیں سوچ سکتے خیر، اس کی گواہ تورا بورا کی پہاڑیاں ہیں جس پر ایک ہزار سال تک انسانوں کے چڑھنے اترنے کی شہادت نہیں ملتی، لیکن اللہ کے ایسے بندوں نے چڑھ کر کے پورے تحفظ حاصل کر کے دکھلا دیا کہ یہ خواب ہم دیکھ سکتے ہیں۔ یہ بہت غلط عبارت ہے خیر چوں کہ ابھی

اعتراض کی بات آئی تو پھر دوسری باتیں بھی اپنی ذکر کردوں ہمارے اساتذہ کرام موجود ہیں یہاں، ہماری رائے صفحہ ۳۸ پر یہ ذکر کی ہے کہ ووٹ دینا رائے ہے اور رائے کے حساب سے جواز کے دائرے میں آتا ہے ہمارا پورا مقالہ شاید پڑھا نہیں، ہم نے نمبر ا کے جواب میں لکھا ہے، ووٹ کی شرعی حیثیت شہادت وکالت اور سفارش کی ہے، یہ شہادت وکالت وسفارش ان فقہی وشرعی ضابطوں کے مطابق سو فیصد کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ عرفی واصطلاحی طور پر یہ وکالت وشہادت ہے تو ہندوستان کے تناظر میں جہاں سر گنے جاتے ہیں ان سروں کو بھی شرعی طور پر اہمیت ہوتی ہے، عید کے موقع پر جب باہر نکلنے کا حکم دیا گیا راستہ بدلنے کا حکم دیا گیا، ان حکمتوں پر غور کریں کہ کیا حکمتیں ہیں اس سے بھی ہم کچھ راستہ فراہم کر سکتے ہیں تو ہمارے مقالہ میں جو بات ہے وہ یہ ہے کہ ووٹ کی شرعی حیثیت شہادت وکالت اور سفارش کی ہے، شہادت، وکالت، سفارش مکمل فقہی ضابطوں کے مطابق نہیں ہے، بلکہ میں نے عرضی طور پر یہ بات کہی ہے، اور یہ میری بات اس مسئلہ سے متعلق، جزاک اللہ۔

مولانا شوکت ثنا قاسمی (حیدرآباد):

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ہندوستان کے موجودہ نظام سیاست میں جب کہ تقریباً اکثر جگہوں پر فرقہ پرست طاقتیں سرگرم ہیں اور ان کی یہ خواہش اور سازش ہے کہ مسلمانوں اور سیکولر امیدواروں کو پارلیمنٹ، اسمبلی اور قانون ساز اداروں میں جانے سے روکا جائے، دوسری طرف ووٹنگ کے سلسلہ میں مسلمانوں میں اتنا جوش وخروش نہیں پایا جاتا جتنا کہ غیر قوموں میں موجود ہے جس کی وجہ سے متعدد مقامات پر مسلم امیدوار یا سیکولر امیدواروں کو شکست ہوئی، اور یہ بھی واضح ہے کہ علاقے کی تعمیر وتخریب اور خیر وشر اور امن وامان میں علاقے کے نمائندہ کا بڑا دخل ہوتا ہے، خاص طور پر فسادات کے دور میں ان کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے، جیسا کہ تمام حضرات پر یہ بات واضح ہے کہ جس ایریا میں ایم ایل اے یا ایم پی فرقہ پرست ہوتا ہے وہاں جو فسادات ہوتے ہیں مسلمانوں کی جو صورت حال ہے وہ بالکل واضح ہے ان حالات کے پیش نظر ووٹ کو صرف ایک رائے اور اختیاری عمل قرار دینا زمانہ وحالات وضروریات کے ہم آہنگ نہیں ہے، اگر یہ صرف ایک رائے اور اختیاری عمل ہوتا تو انگریز کے دور میں اور اس کے بعد جمعیۃ علماء ہند اور امارت شرعیہ کے اکابر اس پر بہت زیادہ توجہ نہیں فرماتے جب کہ صورت حال اس کے برعکس ہے جیسے کہ مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الفتاوی کے کتاب السیاسیات سے یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے، اس لئے ووٹنگ کو ضروری قرار دیتے ہوئے مسلم تنظیمیں اور ائمہ اور فتوی کے ذریعہ عوام میں شعور اور احساس ذمہ داری پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، جزاک اللہ۔

مولانا عتیق احمد صاحب:

ابھی انشاء اللہ ہمارے پاس وقت بہت ہے، دوسری نشست میں جو نام باقی رہ گئے ہیں انشاء اللہ ان حضرات کے

خیالات بھی ہم سنیں گے، یہ نشست چوں کہ ہمیں ساڑھے گیارہ تک ختم کرنا ہے اور اس کے بعد چائے کا وقفہ ہے اس کے بعد عرض مسئلہ ہوگا مختصر سا ہے اور اس کے بعد گفتگو ہوگی، جن حضرات کے نام باقی رہ گئے ہیں ان کو بعد میں موقع دیا جائے گا۔ اس اجلاس کے صدر ہمارے بزرگ ومخدوم مولانا اسماعیل صاحب دامت برکاتہم ہیں جو جامعہ اسلامیہ کے قدیم ترین استاذ ہیں، یہاں کے نائب مہتمم ہیں اور ہم سب کے بزرگ ہیں، وہی صدارت فرمارہے ہیں اس نشست کی۔ اس کے بعد کی نشست انشاء اللہ مفتی سلمان صاحب کی صدارت میں ہوگی، میں صاحب صدر حضرت مولانا اسماعیل صاحب دامت برکاتہم سے درخواست کرتا ہوں کہ کچھ صدارتی کلمات فرمائیں اور اسی پر گویا یہ نشست ختم ہوگی پھر چائے کا وقفہ ہوگا۔

صدارتی کلمات:

حضرت مولانا اسماعیل صاحب (نائب مہتمم جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ):

نحمدهٔ ونصلي علی رسوله الکریم، أما بعد! میں تو اس کا اہل نہیں تھا، بہرحال مجھے صدر بنا دیا گیا، میں آپ حضرات کا بہت زیادہ شکر گزار ہوں، اللہ تعالیٰ اس سیمینار کو کامیاب فرمائے اور مسلمانوں کے مسائل کے حل کا ذریعہ بنائے، اور ملت کے جو مسائل پیچیدہ ہیں ان کو سلجھانے کا ذریعہ بنائے اور اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس کے جو کارکنان حضرات ہیں اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے ان کی کوششوں کو بارآور فرمائے اور تمام مسلمانوں کے لئے اس سے فائدہ حاصل کرنے کا موقع عنایت فرمائے۔ وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

یہ دوسری نشست ہے اس کا موضوع بھی الیکشن سے مربوط مسائل ہیں، ابھی ایک عرض باقی ہے مفتی اقبال احمد قاسمی صاحب عرض پیش کریں گے، اس نشست کی صدارت ملک کے معروف مفتی وفقیہ حضرت مولانا سلمان منصور پوری فرمارہے ہیں اور انشاء اللہ عرض مختصر ہے بہت طویل نہیں ہے اس کے بعد جن حضرات کے نام میرے پاس موجود ہیں مناقشے کے لئے اور اظہار رائے کے لئے ان کو انشاء اللہ دعوت دی جائے گی، پہلے مفتی اقبال احمد قاسمی صاحب عرض مسئلہ پیش کریں گے سوال ۷ سے سوال نمبر ۱۰ سے متعلق۔

مولانا عتیق احمد قاسمی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، عرض مکمل ہوا، اور اس عرض میں جو سوالات زیر بحث آئے وہ بھی بہت اہم ہیں اور غیر معمولی ہیں، خاص طور سے خواتین کا امیدوار بن کر کھڑا ہونا اور پارلیمنٹ میں میونسپلٹیوں میں اور گاؤں پنچایتوں میں ان کا امیدوار

بننا یہ بڑا نازک اور حساس مسئلہ ہے، یہ ایسا مسئلہ ہے کہ ہمارے واسطے بڑی نزاکت ہے کہ ہم کیا رائے قائم کریں اور کیا فتوی دیں، ہم جانتے ہیں جن لوگوں نے یہ اسکیم بنائی ہے کہ عورتوں کے لئے اتنی سیٹیں ریزرو کردی جائے اور یہ بات مختلف صوبوں میں قانون بن چکی ہے، عمل میں آرہی ہے، پارلیمنٹ میں بھی اسمبلیوں میں بھی عورتوں کے لئے ریزرویشن کی بات، بات کی حد تک نہیں ہے، یہ قانون تیار ہوا اور پارلیمنٹ میں شاید پاس ہو چکا ہے، لوک سبھا میں پاس ہوا ہے اب راجیہ سبھا کا مرحلہ ہے، تھوڑی سی چپقلش جو ان کی آپس کی ہے کہ بعض پارٹیاں کہتی ہیں کہ بھائی جو ریزرویشن خواتین کا ہو اس میں بھی ریزرویشن ہونا چاہئے دلتوں کا، نچلی ذاتوں کا، اس جھگڑے کی وجہ سے وہ بل تھوڑا سا اٹکا ہوا ہے، لیکن دیر سویر جب بھی ہو وہ بل پاس ہوگا، اور جہاں تک گاؤں کی پنچایتیں ہیں اور دوسرے ادارے ہیں ان میں تو صورت حال عملاً قانون بن چکا ہے اور نافذ ہو چکا ہے۔ اب صورت حال کیا ہے کہ اگر آپ یہ فیصلہ لیتے ہیں کہ تمام مصالح کو دیکھتے ہوئے کہ بھائی عورتوں کا کھڑا ہونا اور شریک ہونا امیدوار کی حیثیت سے جانا درست نہیں ہے تو میڈیا انتظار میں ہے بس میڈیا انتظار میں ہے کہ ایسا کوئی فیصلہ آپ فرمائیں اور اس کے بعد ان کو موقع ملے کہ اسلام تو عورتوں کا مخالف ہے، اسلام عورتوں کو آگے نہیں جانے دیتا کہ تھوڑا سا ترقی کریں، آگے آئیں اور ان کو قوت ملے، اور اگر ہم دوسرا کوئی فیصلہ کرنے کی سوچیں تو ظاہر بات ہے کہ اس کے نقصانات بھی ہیں، عورتیں جب امیدوار کی حیثیت سے کھڑی ہوں گی تو جاء البرد والجبات الیکشن کے تقاضے سب پورے کرنے پڑیں گے، ان تقاضوں کو پورا کرنے کے بعد ان کی اسلامیت، نسوانیت کس حد تک بچے گی محفوظ رہے گی یہ بہت ہی سنگین مسئلہ ہے، ان دو نازک مشکلات کے درمیان اس مسئلہ کے تعلق سے آپ کو اظہار رائے کرنی ہے اور فیصلہ کرنا ہے، ایسا فیصلہ جو ملت اسلامیہ کے لئے اور اس ملک کے لئے فائدہ مند ہو اور جو مضرتیں ہو سکتی ہیں اس سے ہم بچیں، دوسرا ایک اہم موضوع مسلم سیاسی پارٹی کے قیام کی بات بھی ہے بہت ہی اہم موضوع ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ایک تو پورے ملک کی سطح پر کسی ایک ایسی پارٹی کے قیام کی بات ہے اور مختلف صوبوں کے حالات کے اعتبار سے یہ مسائل بھی کافی اہم ہیں، کچھ صوبوں میں جہاں مسلمانوں کی خاصی بڑی آبادی ہے آسام میں ہے ادھر آپ کے کیرالا وغیرہ میں ہے کچھ مسلم پارٹیاں ہیں بھی، اس کے کچھ فائدے بھی ہم کو مل رہے ہیں، ملیں گے، لیکن ظاہر ہے یہ ہر صوبے کی صورت حال نہیں ہو سکتی۔ ہمیں تو مرکزی موضوع پر گفتگو کرنی ہے کہ پورے ملک کی سطح پر کیا کسی مسلم پارٹی کا قیام تنہا مسلمانوں کی بنیاد پر کیا ہمارے فائدے میں ہے، ملت کے فائدے میں ہے یا نہیں ہے۔ دوسرے مختلف صوبوں میں الگ الگ صورت حال ہے وہاں کیا ہو سکتا ہے اور کیا نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جو تفقہ بھی چاہتا ہے اور سیاسی بصیرت بھی چاہتا ہے اس بارے میں کوئی رائے حتمی قائم کرنے میں، میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے اس ہاؤس میں بعض حضرات ہیں جو ملک کے حالات سے واقفیت رکھتے ہیں یہاں کی سیاسی صورت حال سے وہ اپنی رائے ضرور پیش فرمائیں تاکہ اس سے ہم روشنی حاصل کریں۔ ہمارے پاس ناموں کی ایک اچھی خاصی تعداد ہے اور یہ جو

تین مزید سوالات آ گئے ہیں اس تعلق سے بھی جو لوگ اظہار رائے کر چکے ہیں ان کی رائے بھی مزید ہو سکتی ہے میں دعوت دیتا ہوں مولانا شاہین جمال صاحب کو۔

مولانا شاہین جمالی صاحب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ہم لوگ اسلامک فقہ اکیڈمی کے اس سیمینار میں سیاست کے شرعی مسائل بیان کرنے اور اس پر بحث کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں، کوئی سیاسی پلیٹ فارم بنانے کے لئے حاضر نہیں ہوئے ہیں، ہمیں اس کا ہر حال میں خیال رکھنا چاہئے کہ سیاسی پلیٹ فارم بنانا الگ چیز ہے اور سیاسی مسائل پر شرعی نقطہ نظر پیش کرنا یہ الگ چیز ہے، اس پس منظر میں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ کہنا کہ ہمارا ہدف اسلامی حکومت کا قیام ہونا چاہئے بہت غلط بات ہے، فرقہ پرستوں کو اس جملے پر اس ملک میں طوفان اٹھانے کا ہوّا مل جائے گا اور ان کو ہماری طرف سے بلاوجہ یہ شبہہ ملے گی کہ ہم لوگ کچھ ایسا کرنے جا رہے ہیں، ایسا کچھ نہیں ہے ہم صرف شرعی مسائل کے نقطۂ نظر پیش کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں، کسی اسلامی حکومت کے ہدف کو یہاں بیان کرنے اور اس کے قیام کی جدوجہد کرنے کے لئے حاضر نہیں ہوئے ہیں اور یہ علماء حضرات جو ہیں کیا اس پوزیشن میں جب کہ دنیا کی یہی علماء کی جماعت سب سے زیادہ اختلاف وانتشار کی شکار ہے ایک سو چھپن مسلم ملکوں میں آج تک ایک بھی اسلامی ملک موجود نہیں ہے، وہ مسلم ملک ضرور ہے، لیکن اسلامی ملک موجود نہیں ہے، ایسی حالت میں اگر کوئی یہ لکھ دیتا ہے کہ شیخ چلی کا خواب ہے تو آپ اس کو گوارہ کیوں نہیں کر پاتے، مصر گیا وہاں کے لوگوں نے کہا کہ ہندوستان کے علماء بہت منتشر ہیں بہت مختلف ہیں ہم نے کہا کہ بالکل متفق ہیں بالکل متفق ہیں، کہا ہم رات دن خبریں پڑھتے ہیں بہت منتشر ہیں بہت مختلف ہیں بڑا آپس میں جنگ وجدال ہے مسائل پر ہم نے کہا کہ بالکل متفق ہیں کہنے لگے کس بات پر، میں نے کہا: "**يتفقون على أنهم لا يتفقون**" سب متفق ہیں کہ اتفاق نہیں کریں گے ہمیں اپنے اتفاق کے نقطۂ نظر پر ہر حال میں توجہ دینا چاہئے بس یہ ایک ایسی بات ہے جو اس وقت کے موجودہ ماحول میں مجھے یہ عرض کرنا ضروری محسوس ہوا اس لئے میں نے یہ بات عرض کر دی، جزاک اللہ۔

مولانا راشد وحید قاسمی (کانپور):

الیکشن کے تعلق سے بہت مفید گفتگو ہوئی جو تمام تر اصولی انداز میں کی گئی اور اس کا انطباق بھی بتایا گیا ایک خاص سلسلہ میں گفتگو یہ کرنی ہے کہ الیکشن کے زمانے میں ایک کنفیوژن یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم بنیاد کس کو بنا کر ووٹ دیں پارٹی کو بنیاد بنائیں یا امیدوار کو بنیاد بنائیں، پارٹیاں کچھ وہ ہیں جن کا ایجنڈہ فرقہ پرستانہ ہے، اگر ان پارٹیوں کو ہم ووٹ دیتے ہیں، وہ مرکز میں پہنچنے کے بعد ایسی پالیسیاں بناتی ہیں جو دوررس ہوتے ہیں اور ان کے اثرات پورے ملک پر پڑتے ہیں، اس کی ایک

مثال ہے کہ پچھلے دنوں میں ایک فرقہ پرست پارٹی مرکز میں پہنچی اور اس نے آسام میں بوڈو لینڈ کا علاقہ ایک خاص کر دیا فرقہ پرستوں کے لئے اور اس علاقے میں رمضان کے شروع میں جو حادثات پیش آئے وہ تقریباً چار لاکھ پچاسی ہزار مسلمان وہاں سے باہر پھر رہے ہیں، نہ گھر ہے نہ در ہے، ایک تو حالات یہ ہیں، دوسرے اگر ہم امیدوار بناتے ہیں کسی فرد کو تو اسی پارٹی جس نے اپنی پالیسی کی بنیاد پر آسام میں بوڈو لینڈ بنایا ہمارے کانپور میں اس کے امیدوار ہیں سلیل بشنوئی، وہ بہت اچھے آدمی ہیں اپنے علاقے میں کام بھی کرتے ہیں، مسلمانوں کی حمایت بھی ہوتی ہے سب ہوتی ہے اس کے مقابلہ میں دوسری پارٹی جس کا ایجنڈہ سیکولر ہے، لیکن اس میں ایسے وزراء اور ایسے امیدوار شامل ہوتے ہیں کہ جس کا نتیجہ ہم کو الہ آباد کی شکل میں دیکھنا پڑتا ہے تو پورے ملک کا اور ریاست کا یہ معاملہ ہے امیدوار اور پارٹیاں۔تو جب ہم الیکشن کے موقع پر کسی کو ووٹ دینا چاہیں تو ہم بنیاد کس چیز کو بنائیں، پارٹی کو اس کے ایجنڈے کو دیکھتے ہوئے یا امیدوار کے شخصی کیرکٹر کو، ایک بات تو یہ ہے، دوسری چیز اس سلسلہ میں رہنمائی کون کرے گا، انطباق عوام نہیں کرسکتی، یا عام علماء بھی نہیں کرسکتے، اس سلسلہ میں ہم امید کرتے ہیں اکابر سے کہ وہ رہنمائی فرمائیں گے۔دوسری بات یہ پیش کرنا ہے کہ ابھی ایک مقالہ نگار کی طرف سے یہ آیا کہ ووٹ دینے کو واجب قرار دیا جائے تو واجب اور جائز یہ شرعی اصطلاح ہے یہ پچھلے دنوں بھی اس کا ایک تجزیہ کیا گیا، کہ امریکہ کے خلاف ایک بائیکاٹ کا اعلان کیا گیا تھا جمعیت کی طرف سے کہ جو یہودی پروڈیکٹ ہیں اور جن سے ان کو تقویت ملتی ہے ان کا بائیکاٹ کردیا جائے، لیکن جب بائیکاٹ کیا گیا پورے ملک میں تو کانپور میں ایک مفتی ہیں اور بڑے معتبر ہیں، انہوں نے میڈیا کے سامنے پیپسی کا بوتل پیتے ہوئے باقاعدہ اس کے رد کا اعلان کیا، اب اگر اسی طرح سے ووٹ دینا اور نہ دینا اگر ہم ان کو ان اصطلاحوں میں بیان کریں گے کہ یہ واجب ہے یا ناجائز ہے تو یہ فتوی والی بات ہوگی۔ہم لوگ جو بیٹھے ہیں یا مقصد ہے وہ یہ ہے کہ ہم پریکٹیکل راستہ کیا اختیار کرسکتے ہیں، اس سلسلہ میں میری گزارش یہ ہے کہ تجویز میں اصطلاحوں کو ذکر کرنے کے بجائے ایک ترغیب کا انداز اختیار کیا جائے، ایک صاحب نے دلیل دیتے ہوئے یہ بات کہی ہے کہ اگر ہم واجب کہیں گے تو یہ واجب والی بات لوگوں پر مؤثر ہوگی ایسا نہیں ہے، پچھلے تجربات اس کے گواہ ہیں کہ واجب کی بات مؤثر نہیں ہوتی ہے جو مؤثر ہوگی وہ ہماری کنوینس ہوگی ہماری ترغیب ہوگی، کہ ہم جا جا کر کے انفرادی طور پر اور ایک اچھے انداز میں لوگوں کو ترغیب دیں اور آمادہ کریں کہ ہمیں کیا کرنا ہے، جزاک اللہ۔

مفتی سعید الرحمٰن صاحب (ممبئی):

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الیکشن میں حالات کے اعتبار سے ایک تو ووٹ دینے کی بات ہے دوسرا مسئلہ ہم لوگوں کو اس مجلس میں یہ بھی واضح کرنا چاہئے کہ ووٹ دینے والے حضرات پردھانی، ایم ایل اے اور ایم پی تک جو ووٹ دیتے ہیں وہ

کوئی سائیکل لیتا کوئی موٹر سائیکل لیتا ہے تب ووٹ دیتا ہے، اسی طرح امیدواروں کے اندر جو اہلیت حکومت کی جانب سے مطلوب ہے اس کو بھی کھل کر سامنے آنا چاہئے، غالباً عوام تو عوام تمام علماء کرام کو بھی یہ معلوم نہ ہو کہ ایک امیدوار کے اندر مطلوبہ صفات جو حکومت کی طرف سے ہیں اسلامی نقطۂ نظر کے علاوہ وہ کیا ہیں، اس لئے ماہرین سے اس مسئلہ میں معلوم کر کے پورے ملک میں ہر انسان تک پہنچانا چاہئے، ایک بات تو یہ عرض کرنی تھی ووٹ دینے والے اور ووٹ لینے والے کے تعلق سے، دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ بار بار یہ بات سامنے آرہی ہے کہ جن کا قانون سیکولر ہو وہ لوگ بہت مفید ہوتے ہیں عملی طور پر یہ بات نہیں ہے، ہمارے یہاں ممبئی میں جب شیوسینا کی حکومت قائم ہوئی کانگریس کے چالیس سال یا ۳۵ رسال کے بعد تو شیوسینا حکومت کے زمانے میں نظم وانتظام میں بھی اچھائی رہی اور مسجدیں بھی زیادہ بنائی گئی، ان کو موقع زیادہ دیا گیا مدارس کو بھی فائدہ زیادہ پہنچا تو بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اگرچہ قانون نہ ہو مگر ان کی نرمی اتنی مفید ہوتی ہے کہ ہمارے لئے موثر ہوتی ہے، اس لئے اکیڈمی کا پیغام بہت ہی اہم ہے کہ ہم کس نتیجہ پر پہنچیں۔ خالی کوئی ایسا رجحان نہ پیدا ہوجائے کہ ہمارا غالباً مطمح نظر کوئی خاص پارٹی بن جائے کہ اس کے قوانین بن جائیں، اس کے افراد قوانین پر قطعی نہ ہوں، قوانین سیکولر ہوں اس سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اس لئے ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ ہمارے لئے مفید کون ہوسکتا ہے اور کون ہمارے لئے اہون اور زیادہ فائدہ مند ہوگا، ان گزارشات کے ساتھ میں چاہتا ہوں کہ تجاویز پر اس کا خیال رکھا جائے اور مرتب کی جائے۔

مفتی محمد زید صاحب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الیکشن اور سیاست کے تعلق سے دو تین باتیں حضرت تھانویؒ کے تعلق سے عرض کرنا چاہتا ہوں، ایک بات تو عرض میں آچکی ہے، حضرت تھانویؒ نے بڑی وضاحت سے اس بات کو ارشاد فرمایا کہ حکم کی دو قسمیں ہوتی ہیں: حکم اصلی اور حکم عارضی اور تفسیر بیان کرتے ہوئے اخیر میں فرمایا ہے کہ موجودہ حالات میں، اس وقت کے حالات میں آج کے حالات بہت سنگین ہیں، کہ حالات اور مفاسد کے پیش نظر عارضی حکم کو ترجیح دی ہے اور عارضی حکم میں بہت سے ایسے کاموں کو گوارہ کیا جاتا ہے جو ناجائز بھی ہوا کرتے ہیں اور غالباً اسی اصول کی روشنی میں حضرت تھانویؒ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے جس کا نام ہے صائب الکلام فی مناصب الحرام جس میں واضح طور پر مولانا تھانویؒ نے ناجائز مناصب، ناجائز نوکریاں، سرکاری ملازمتوں کو نہ صرف جائز لکھا ہے بلکہ اس کی ترغیب دی ہے اور یہ بھی لکھا ہے ساتھ میں کہ اگرچہ ناجائز کام کرنا پڑیں گے اگرچہ ناجائز فیصلے کرنا پڑیں گے تب بھی مسلمانوں کو ایسی نوکریاں اور ایسے عہدے لینا چاہئے پھر اس کی وجوہات اور اس کے دلائل تحریر فرمائے ہیں، حضرت تھانویؒ کی یہ چیز تین جگہ موجود ہے، امداد الفتاوی میں دوسرے انداز سے

ہے، بوادر النوادر میں جو رسالہ ہے اس میں دوسرے انداز سے ہے، حکیم الامت نقوش وتاثرات، اس میں بھی ہے یہ، اس پر مولانا عبدالماجد دریابادی کا حاشیہ ہے انہوں نے اس پر کچھ کلام بھی کیا ہے، بہرحال حضرت تھانوی نے اس کو گوارہ کیا ہے اس کو لکھا ہے اس کی ترغیب دی ہے اور اس کی وجوہات بیان فرمائے ہیں کہ اگر ہم فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو نقصان تو نہیں پہنچائیں گے ہم، تیسری بات یہاں پر یہ بھی ہے کہ الیکشن اور سیاست کے تعلق سے حضرت تھانویؒ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ اصل تو یہی تھا کہ مسلمانوں کی اپنی سیاسی پارٹی مستقل علیحدہ ہونی چاہئے ہر زمانے میں، اور اس کے بعد پھر استدراک کیا ہے، لیکن موجودہ زمانے میں حالات ایسے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے دشوار اور عملاً ناممکن ہے تو أخف الضررین کو اختیار کرتے ہوئے مولانا تھانویؒ نے اس کی ترغیب دی ہے کہ جو جماعت سیاسی پارٹی مسلمانوں کے لئے کم نقصان دہ ہو یا مفید ہو دوسروں کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دی جائے اس کو ووٹ دیا جائے۔ یہ بات مولانا تھانوی علیہ الرحمہ نے لکھی ہے اور اخیر میں ایک اہم بات فرمائی ہے علماء کرام کے تعلق سے اور سیاست کے میدان میں جو لوگ اترتے ہیں اور الیکشن میں کھڑے ہوتے ہیں اور جیتتے ہیں ان کے بارے میں کہا ہے کہ مسلمانوں کو ایک سیاسی جماعت ایسی بنانی چاہئے جو الیکشن میں کھڑے ہو چکے ہیں اور جیت چکے ہیں تو ان پر واجب ہے کہ علماء کرام ومشائخ کے پاس جا کر سیکھیں کہ ہم کو کیا کرنا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ اگر ایسا نہیں کر سکتے ہیں تو علماء کرام کو چاہئے کہ وہ خود ان کے پاس جائیں اس موقع پر ان کو یہ کرنا ہے کہ اس ملک میں ان کو یہ کرنا ہے تمہارے اختیارات یہ ہیں، یعنی ان کو تو اپنی رہنمائی لینا چاہئے سیاسی حضرات کو اور علماء کرام کو لکھا ہے کہ وہ جا کر ان کی رہنمائی کریں تقریراً وتحریراً یہ بات البدائع جو حضرت تھانوی کے مقالات کا مجموعہ ہے بہت وضاحت وتاکید کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ الیکشن میں لوگ جیت جاتے ہیں تو ان کی رہنمائی نہیں ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ’’**قل يا أيها الناس إني رسول الله إليكم جميعا**‘‘ آپ سب کے نبی ہیں۔ اس جیسے ملک میں موجودہ حالات میں جو سیاسی طبقہ ہے آپ اس کے بھی نبی ہیں، آپ کی ہدایات قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا ہیں سیاسی طبقہ کے لئے وہ علماء کرام کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس ملک میں سیاست میں اترنے اور جیتنے کے بعد کیا کرنا چاہئے ان کو سیکھنا چاہئے اور ممبران کی رہنمائی کرنی چاہئے۔ جزاک اللہ۔

مولانا نصر اللہ ندوی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، دو تین باتیں عرض کرنی ہے ووٹ ڈالنے کا جو شرعی حکم ہے اس پر کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے جو زمینی حقائق ہیں ان کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔ ہندوستان کے موجودہ حالات میں مسلمانوں کی سیاسی پسماندگی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں ووٹ کے تئیں بہت کم دلچسپی ہے، یہاں پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ الیکشن کمیشن کے سامنے ایک

قانون زیر غور ہے کہ اگر ووٹر دومرتبہ ووٹ نہیں ڈالتا ہے تو اس کا نام ووٹر لسٹ سے خارج کر دیا جائے گا گویا اگر ہم اس کو واجب نہیں قرار دیں گے تو حکومت اس کو واجب قرار دینے کے لئے تیار ہے اور نام کو ووٹر لسٹ سے بچانے کے لئے میں سمجھتا ہوں کہ مفتی جمیل صاحب بھی کہیں گے کہ ووٹ ڈالنا واجب ہوگا، اور ایک بات یہ عرض کرنی ہے کہ خواتین کی امیدواری کے تعلق سے بہت ہی قیمتی باتیں آئی ہیں، دو باتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ ملت کی آبرو کا تحفظ اور ایک خواتین کی آبرو کا تحفظ، یہ اصل وہ نکتہ ہے جس کو ہمیں پوری وضاحت کے ساتھ اور تنقیح کے ساتھ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اس میں خیر الشرین کونسا پہلو ہے اس کو بھی دھیان میں رکھنا چاہئے۔ ایک بات ہے پارٹی کی تشکیل کے تعلق سے مسلم پارٹی کی تشکیل، اس پر بہت سے لوگوں کے تحفظات ہیں خدشات ہیں، لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ اگر مسلم پارٹی کا نام نہ دیا جائے سیکولر پارٹی کا نام دیا جائے، انصاف پارٹی، عدل پارٹی۔ ظلم کے خاتمہ کا نام دیا جائے اور کام وہی ہو جو مسلمان چاہتے ہیں جیسا کہ دوتین مقالہ نگاروں نے اس کا تذکرہ کیا ہے تو اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہوسکتا یہ بات بھی قابل لحاظ ہے، جزاک اللہ۔

مفتی غلام رسول منظور القاسمی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، مجھے دوتین باتیں عرض کرنی ہے سب سے پہلے تو ہمارے دوست مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی نے بیان کردی ہے جو شیخ چلی کے حوالے سے بات کہی گئی تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ بعض ہمارے دوست مقالہ نگار نے یہ آیت "**وأعدوا لهم ما استطعتم**. ." الخ سے استدلال کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ آیت درحقیقت جہاد مع الکفار یعنی قتال کے سلسلہ میں ہے لیکن بہت سے حضرات نے اس سے الیکشن میں کھڑے ہونے پر استدلال کیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ استدلال صحیح نہیں ہے، اس سلسلہ میں بھی غور کرنے کی ضرورت ہے، دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مولانا شاہین جمالی صاحب نے بڑے جمال کے انداز میں اور جلال کے انداز میں بیان فرمایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اپنے ذہن ودماغ سے وہ تصورات اور وہ خیالات جو ہمارے اکابر واسلاف نے ہندوستان کو آزاد کرانے کے سلسلہ میں کوششیں کی ہیں اور ان کا جو ہدف تھا وہ ہم چھوڑ دیں اور اپنے ذہن سے نکال دیں۔ قرآن کریم کی آیت پر غور کریں اور اس سے اندازہ لگائیں کہ اللہ تعالی نے انسان کو جو پیدا فرمایا اس کا مقصد کیا ہے تو اس سلسلہ میں ذرا سا غور کرنے کی ضرورت ہے، کم از کم اپنے ذہن ودماغ میں تو یہ تصور قائم رکھیں چاہے خارج میں نہ کریں وجود خارجی نہ ہو وجود ذہنی تو ضرور ہونا چاہئے، جزاک اللہ۔

مولانا عارف باللہ (حیدرآباد):

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ووٹ کی شرعی حیثیت کے سلسلہ میں درجہ بندی کی گئی اور اس سلسلہ میں جو اقوال ذکر کئے گئے ہیں واجب، جائز اور کوئی شرعی حیثیت نہیں، میرے خیال میں اس سلسلہ میں تمام اقوال کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے اور اس میں کئی

مقالہ نگار کی طرح میں نے بھی لکھا ہے کہ موجودہ جو حالات اور پس منظر ہیں اس پس منظر میں اس کو حالات کے لحاظ سے فرض عین کا درجہ دیا جانا چاہئے اور اس لئے کہ بعض لوگ دیتے نہیں جاتے تو بھائی بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو واجب اور فرض عین کا درجہ دیا جاتا ہے لیکن لوگ اس میں سستی برتتے ہیں تو اس کی وجہ سے اس کے درجہ کو ہم کم تو نہیں کر سکتے، حالات یہ ہیں یہاں کے جمہوری طرز حکومت میں کہ جو حکومت بھی برسر اقتدار آتی ہے وہ کثرت رائے کی بنا پر اقتدار میں آتی ہے اور اس میں ایک ایک ووٹ کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، علامہ اقبال کے بقول بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے تو یہاں صورتحال یہ ہے کہ ووٹ دینے میں ایک شخص کی بھی کوتاہی کی وجہ سے مقصد کے حصول میں رکاوٹ ہوسکتی ہے، اگر ہم مسلمانوں میں اس کی اہمیت کو بیان کریں اور اس کا صحیح درجہ بیان کر کے اس کا مسلمانوں میں شعور پیدا کریں تو ظاہر سی بات ہے کہ مسلمان میں ووٹرس جتنے زیادہ ہوں گے، مسلمان کے حق میں جو مفید ہیں انشاء اللہ وہ زیادہ ہی آگے آسکیں گے، اس لئے میری رائے تو یہ ہے کہ جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر اداء شہادت عام حالات میں فرض کفایہ ہے لیکن بعض مخصوص حالات میں جب کہ اس سے رکنے کی وجہ سے مقصد کے حصول میں رکاوٹ ہوسکتی ہو تو وہ چیز فرض عین بن جاتی ہے، تو یہاں ایک ایک ووٹ کی چوں کہ اہمیت ہے اس لئے ایک آدمی بھی اگر ووٹ دینے سے پیچھے رہ جائے تو شاید وہی ایک ووٹ کسی دوسرے غلط آدمی کے آگے بڑھنے کا ذریعہ بن جائے، اس لئے میں تو کہتا ہوں کہ اس کو فرض عین ہونا چاہئے۔ اس کے علاوہ بھی ایک بات آئی تھی مفتی عبدالرشید صاحب کانپوری کی طرف سے مفتی تقی صاحب، مفتی شفیع صاحب نے جو ووٹ کو شہادت کہا ہے تو وہ توجیہ کر رہے تھے کہ ان حضرات نے اس کو شہادت تشبیہاً کہا ہے، مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اس پر شہادت کا اطلاق نہیں ہوگا ان حضرات کے نزدیک، مفتی تقی صاحب کی بات میں یہ صراحت ہے کہ جیسا کہ اس کا ایک اقتباس میرے پاس ہے، کہ مفتی تقی صاحب نے لکھا ہے ووٹ شرعی اعتبار سے شہادت ہے، لہذا ووٹ پر شرعی اعتبار سے وہ تمام احکام جاری ہوتے ہیں جو شہادت پر جاری ہوتے ہیں، اسی طرح سے پہلے جو عارض تھے انہوں نے عرض مسئلہ میں تلخیص کرتے ہوئے میری رائے کو بالکل ہی بدل دیا ہے اور انہوں نے یہ کہا کہ دستور میں موجود دفعات خلاف شرع نہ ہونے کی صورت میں العبرۃ للغالب کے تحت حلف درست مانتے ہیں، چوں کہ بہت سی دفعات خلاف شرع ہوتی ہیں اور معصیت کی قسم کھانا ظاہر ہے انہوں نے اس کو ایسا مختصر کیا ہے کہ بات کچھ سے کچھ ہوگئی ہے، میرا موقف یہ تھا کہ دستور کے دفعات سے وفاداری کا حلف اٹھانا اصلاً جائز ہے دشواری پیدا ہوتی ہے اس میں بعض خلاف شرع دفعات ہونے کی وجہ سے لیکن عموماً موافق شرع دفعات زیادہ ہوتے ہیں اور مخالف شرع دفعات اگر ہوتے بھی ہیں تو مغلوب کے درجہ میں ہوتے ہیں اور فقہاء نے جہاں بہت سے مسائل میں مغلوب سے صرف نظر کرتے ہوئے غالب کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو جائز مانا ہے اور اس پر احکام کا انطباق کیا ہے، یہاں بھی دستور کے دفعات سے حلف اٹھانا جائز ہوگا اس کے غالب کا اعتبار کرتے ہوئے کیوں کہ

غالب جو دفعات ہوئے ہیں وہ موافق شرع ہوتے ہیں مخالف شرع نہیں ہوتے، جزاک اللہ۔

مفتی انور علی اعظمی (مئو):

بسم الله الرحمن الرحيم، الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى، أما بعد!

مجھے خواتین کے امیدوار ہونے کے تعلق سے ایک بات عرض کرنی ہے، ابھی پارلیمنٹ میں تو خواتین کے لئے ریزرویشن بل پاس نہیں ہوا ہے لیکن عالمی پیمانے پر جو سازش چل رہی ہے اس کا ایک حصہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ عورتوں کے لئے الیکشن میں سیٹیں ریزرو کی جائیں تاکہ مسلمان عورتیں باہر نکلنے کے لئے مجبور ہوں، سیٹیں ریزرو ہوجانے کے بعد مسلمانوں کی مجبوری کی وجہ سے بڑی دقتوں کا سامنا ہوگا اس لئے مسلم پرسنل لا بورڈ اور جمعیۃ علماء اس طرح کی تنظیموں کو ہمیں متوجہ کرنا چاہئے کہ وہ اس طرح کے بلوں کے پاس ہونے سے پہلے جو اس کا سد باب ہوسکتا ہے کریں، فی الحال پنچایت کی سطح پر بہت سی ریاستوں میں عورتوں کے لئے سیٹیں ریزرو ہوگئی ہیں، ایسی جگہوں پر مسلمانوں کے لئے عورتوں کو امیدوار بنانا ایک مجبوری ہے اگر مسلمان عورتیں الیکشن سے دور رکھی جائیں تو بہت سے شہروں میں مسلمانوں کا اجتماعی نقصان ہوگا، اس لئے عورتیں پنچایت کی سطح پر امیدوار بنیں اور اپنے محرم کے ساتھ آئیں جائیں اب تک جو چیزیں تجربے میں آچکی ہیں وہ یہ ہے کہ ایک چیئرمین عورت اپنے شوہر کو نمائندہ بنا کر نگر پالیکا کی ذمہ داریاں پوری کرسکتی ہیں۔ بعض بعض جگہوں پر جہاں ان کا جانا ضروری ہے وہاں پر اپنے شوہروں کے ساتھ یا اپنے محرم کے ساتھ جاکر اپنی ذمہ داری پوری کرلے گی۔ ایسا نہ کرنے کی صورت میں کسی مسلم اکثریتی شہر میں غیر مسلم عورت چیئرمین ہوگی اور مسلمانوں کو اسے پانچ سال تک جھیلنا پڑے گا اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت ساری جگہوں پر نقصان اور طرح طرح کی پریشانیاں اٹھانی پڑسکتی ہیں تو اس لئے مجبوری کے درجہ میں تو اس کی گنجائش ہے، البتہ جن اسمبلی اور پارلیمنٹ میں اب ان کے لئے سیٹیں پاس نہیں ہوئی ہیں ان کے لئے ہمیں مخالفت کرنا اور پوری کوشش صرف کرنی چاہئے، جزاک اللہ۔

مفتی مقصود فرقانی صاحب (رامپور):

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا: ''**إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها**''، اور حدیث پاک میں ہے: ''**كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته**''، ایک دوسری حدیث پاک میں ہے، صحابہ کرامؓ نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ ''**متى الساعة**''؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**إذا ضيعت الأمانة**''، صحابہ نے کہا اس کا کیا مطلب ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''**إذا وسد الأمر إلى غير أهله**''، مجھے اس قرآنی آیت اور احادیث کی روشنی میں یہ عرض کرنا ہے کہ ہم علماء کی اس پر کیا ذمہ داری ہوتی ہے اور یہ الیکشن کے وقت جو ہنگامہ آرائی ہوتی ہے

علماء کے بیانات بھی آتے ہیں تو آخر میں یہ جو مسائل پیش آتے ہیں کہ کس پارٹی کو حمایت کرنا چاہئے کس کو ووٹ دینا چاہئے۔ تو اگر ہمارے علماء اس کی ذمہ داری قبول فرمالیں اور جیسا کہ بعض حضرات نے فرمایا کہ رہنمائی کریں تو یہ مسائل بہت کم آسکتے ہیں اور ان کا بہت اچھا حل نکل سکتا ہے، اس کے بہت سے فوائد ہوں گے، ایک تو یہ کہ مسلمانوں کو اعتماد حاصل ہوگا دوسرے حکومت میں انشاء اللہ انقلاب آسکتا ہے اور تیسرے یہ کہ عورتوں کے لئے نمائندہ بننے کا موقع کم ملے گا، چوتھے یہ کہ مسلمانوں کے ووٹ کا جو صحیح مصرف ہے اس کا استعمال ہوگا۔ تو میری اس وقت جو گزارش ہے وہ یہی کہ ہمیں بھی اپنی ذمہ داری کا احساس رہنا چاہئے۔ اب ایک بات جو ہمارے بہت سے مقالہ نگار حضرات نے فرمائی فرض عین کے تعلق سے تو اس میں تو اختلاف آگیا، سوال یہ ہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے چار فرائض ہیں جو فرض عین ہیں ان کے تارک کا ٹھکانا جو بیان کیا گیا وہ جہنم ہے اب یہ جو فرض عین ہوگا اس کے تارک کا ٹھکانا اور مقام کیا ہوگا اکیڈمی کو اس کا بھی احساس رہنا چاہئے، جزاک اللہ۔

مولانا زاہد صاحب گڑھی سلیم پور:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ،نشست اول میں ووٹ کی شرعی حیثیت سے جو بات کہی گئی ہے اس میں عام طور پر لوگوں نے ووٹ کو شہادت قرار دینے کی کوشش کی ہے جب کہ دوسرے لوگوں نے اور بھی بہت سی رائے دی ہیں، ان میں سے ایک رائے مشورہ اور رائے کے تعلق سے بھی آئی ہے کہ ووٹ کی شرعی حیثیت مشورہ اور رائے کی ہے اس سلسلہ میں مجھے یہ عرض کرنا تھا کہ حضرت عمرؓ کا ایک اثر ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ کے اندر ذکر کیا گیا ہے، لا خلافۃ إلا عن مشورۃ تو میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں یہ نص کا درجہ رکھتا ہے اور احناف کے یہاں ضابطہ ہے کہ اگر اصحاب مذہب سے کوئی صریح روایت موجود نہیں ہے اور کوئی قول صحابی ہے تو اس میں ان اقوال صحابہ میں سے کسی بھی قول کو چھوڑ کر کے اپنا کوئی مستقل قول اختیار کرنا رائے قائم کرنا مذہب حنفی کے مناسب نہیں ہے، موافق نہیں ہے، اس لئے اس سلسلہ میں تو بات قریب طے ہے کہ ووٹ کی شرعی حیثیت رائے اور مشورہ کی ہونی چاہئے، دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ عرض مسئلہ میں جن حضرات کی رائے پیش کی گئی ہے ان میں ایک رائے ہے کہ ووٹ کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ہے کہ اس سے تو معلوم ہورہا ہے کہ گویا شریعت ہماری ایسی ہے کہ دنیا کے بہت سے مسائل اور بہت سی صورتیں اس کے دسترس سے باہر ہے اور وہ اس کے حل سے عاجز ہے اور ناقص ہے، جب کہ قرآن کریم میں ''**ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیئ**''، کے ذریعہ سے جو اس کی کاملیت کو اور اس کی وضاحت کے اتمام کو بیان کیا گیا ہے تو اس کی عظمت اس سے متزلزل ہوتی ہے اور یہ نظریہ اس آیت کے خلاف ثابت ہوتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ بعض حضرات نے کہا کہ ووٹ کی شرعی حیثیت جن حضرات نے شہادت قرار دی ہے تو اس کی تفسیر شرعی وعرفی کے طور پر کی ہے تو میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اگر شہادت عرفی اس کو قرار دیا جائے تو اس کا کیا فائدہ ہے؟ اور یہ تفسیر جو کی

جارہی ہے اوراس کی حیثیت کی جو بات کی جارہی ہے اس کا کیا منشا ہے، میں اپنے ذہن سے یہ سمجھتا ہوں کہ اس کا منشا صرف یہ ہے کہ ہم اس کے اوپر جو احکام جاری ہونے والے ہیں ان احکام کے لئے ایک جہت متعین کرلیں۔اور جہت متعین کرنے کے لئے یا تو رائے اور مشورے کی بات آتی ہے یا شہادت کی بات آتی ہے،اورشہادت کا مفہوم ہمیں شرعی نقطۂ نظر سے وہی لینا ہوگا جو حضرات فقہاء نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے اوراس کے لئے جو شرائط مقرر کئے گئے ہیں ان سب کا لحاظ کرنا ہوگا، ورنہ وہ سارے شرائط کالعدم قرار دیئے جاتے ہیں، تیسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ خلاف شریعت دستور سے وفاداری کے حلف کے مسئلہ میں جن لوگوں نے جواز حلف کی بات کہی ہے اوراس کے استدلال پر صلح حدیبیہ اور رسول اللہ ﷺ کے صلح کے جو واقعات ہیں ان سے استدلال کیا ہے تو یہ استدلال بھی محل نظر ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ ابھی حضرت مولانا عتیق صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے توجہ دلائی ہے کہ دستور ہند کا مطالعہ کرنا چاہئے تو اس سلسلہ میں، میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر دستور کے اندر کوئی خلاف شرع بات ہے تو اس کی دو نوعیتیں ہیں یا تو خلاف شرع بات ایسی ہے کہ بالکل شرک کے قریب ہے اور کفر وشرک میں مبتلا کرنے والی چیز ہے اور دوسری یہ عمل سے تعلق رکھنے والی چیز ہے اگر وہ ایسی چیز ہے جو اعتقادی طور پر کفر وشرک کو ثابت کرتی ہو تو اس میں بلا اکراہ ملجی اس کی موافقت کرنا اوراس کا حلف اٹھانا قطعاً جائز نہیں ہے اور شریعت میں اس کا کوئی جواز ثابت نہیں ہے الا یہ کہ اگر کوئی ایسی چیز ہے جو شریعت نے بہت سے امور میں معاصی اور گناہ ہونے کے باوجود ان کے اندر کچھ ضروریات ایسی سامنے آئی ہیں کہ جس کی وجہ سے تخفیف کا پہلو اختیار کیا ہے تو اس سلسلہ میں تو گنجائش نکل سکتی ہے لیکن جو پہلو کفر وشکر سے متعلق ہے اس کے جواز کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے، **وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، جزاک الله۔**

مولانا مغفور باندوی صاحب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ایک سوال تو یہ ہے کہ عرض مسئلہ میں بات آئی تھی عورتوں کے امیدوار بننے کے تعلق سے دو رائے سامنے آئی ایک مطلقاً جواز کی اور ایک استثناء کے ساتھ عدم جواز کی، خصوصاً جب سیٹیں ریزرو ہوں اس وقت، عرض یہ کرنا ہے کہ یہ جو قول اختیار کیا گیا ہے کہ تخصیص کی صورت میں عورتوں کو امیدوار بننے کی اجازت دی گئی ہے اوراس کی دلیل یہ بیان کی گئی ہے چوں کہ مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ مقصود ہے،اس لئے عورتوں کو امیدوار بنایا جائے،اس سے قبل جو الیکشن ہوئے تھے پردھانی کے خصوصاً بندیل کھنڈ کے علاقے میں اس میں تقریباً ساری سیٹیں ہریجن کی رکھی گئی تھیں تو ایسی صورت میں کیا کریں گے، کہ جب ساری سیٹیں بیک وارڈ میں چلی جائیں تو جو شکل مسلمان اس صورت میں اختیار کریں وہی صورت اس میں بھی اختیار کی جاسکتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ مقاصد شریعت میں سے ایک مقصد عصمت کی

حفاظت کا بھی ہے اور روایت موجود ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''**من قتل دون عرضه فهو شهيد**''، تو جہاں عصمت کی حفاظت اتنی اہم چیز ہے تو محض ایک ظاہری چیز کو اور وقتی چیز کو حاصل کرنے کے لئے اتنا بڑا خطرہ مول لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

مولانا قمر الزماں ندوی صاحب:

مجھے دو تین باتیں کہنی ہے پہلی بات یہ کہ بہت سے مقالہ نگار حضرات اور مندوب کو یہ اندیشہ اور خطرہ ہے کہ اگر ووٹ ڈالنے کو ضروری قرار دیا جائے تو بہت سے وہ لوگ جو ووٹ نہیں ڈالتے ہیں ترک واجب کا گنہگار بنانا پڑے گا، میرے خیال میں یہ رائے اور یہ خدشہ اور اندیشہ درست نہیں ہے، اکابر علماء کی تحریروں کو ان کے مضامین کو اگر ہم پڑھتے ہیں تو انہوں نے آج نہیں آج سے بیس پچیس پچاس سال پہلے ووٹ کی اہمیت اور اس کا مقام اور ہندوستان کے حالات میں اس کی کتنی ضرورت ہے اس پر ہمارے اکابر علماء نے بہت تفصیل سے اور کھل کر لکھا ہے، یہاں تک کہ انہوں نے وضاحت کر دی کہ ''**إن الحكم إلا لله**'' ۔آیت کی تفسیر ہم کیا کریں اور اس کی کیا تاویل کریں ہندوستان جیسے حالات میں، اس لئے یہ خدشہ ظاہر کرنا کہ ترک واجب کا گنہ گار وہ ہوں گے یہ بات درست نہیں، الحمدللہ آج مسلمان بیدار ہو گئے ہیں اور جتنی بھی ملی تنظیمیں ہیں جمعیۃ علماء، جماعت اسلامی، مسلم مجلس مشاورت اور آل انڈیا ملی کونسل ان کے علماء اور اکابر وہ گھر گھر اور ضلع ضلع جا کر یہ بتا رہے ہیں کہ اس کی اہمیت کیا ہے، ایک بات ہمارے دوست مولانا نصر اللہ ندوی نے کہہ دی ہے اس میں صرف ایک بات کا اضافہ کروں گا کہ ووٹ نہ ڈالنے کا کتنا خطرناک نتیجہ آج نکل رہا ہے کہ ابھی حکومت نے یہ متعین کر دیا کہ جس کو ریزویشن بنانا ہے وہ بھی اپنی آئی ڈی اور شناختی کارڈ ساتھ میں لائیں تو بہت سے وہ حضرات جو اس چیز کو اہمیت نہیں دیتے ہیں، وہ نہ الیکشن میں ووٹ ڈالتے ہیں اور نہ شناختی کارڈ بنواتے ہیں اور نہ ووٹر لسٹ میں ان کا نام ہوتا ہے اور آج شناختی کارڈ بنوانے کے لئے ووٹر لسٹ میں نام ہونا ضروری ہے یہ ساری چیزیں جو مشکلات آرہے ہیں بہت سے لوگ ریز رویشن نہیں بنوا پا رہے ہیں ہمارے مفتیان کرام کو ان پر بھی نظر کرنی ہوگی۔

آخری بات میں عرض کروں گا کہ ہندوستان کے حالات کو بعض علماء مدنی زندگی پر فٹ کر دیتے ہیں اور بعض علماء مکی زندگی پر فٹ کر دیتے ہیں۔ میری رائے میں مکی زندگی سے ہم لوگ نکل تو چکے ہیں لیکن ابھی مدنی زندگی تک پہنچے نہیں ہیں، اس لئے اتنے سخت فیصلے صادر کرنا اور اسلام کو بہت مشکل بنا کر پیش کرنا میری رائے میں درست نہیں ہے، ہم سب دعا کریں کہ اللہ ہم کو مدنی زندگی کے قریب نہیں بلکہ وہاں تک پہنچا دیں، تا کہ سارے ملی اور شرعی مسائل اسلام کے جاری و نافذ ہو جائیں، جزاک اللہ۔

مولانا سیف الرحمٰن الہ آبادی:

الیکشن سے مربوط شرعی مسائل پر مقالات اور عرض مسئلہ سامنے آیا اور یہ بہت ہی اہم موضوع ہے، وقت کی بڑی اہم ضرورت ہے، لیکن ہم اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ اگر ایک بھیڑ علماء کرام کے پاس حاضر ہو کر یہ پوچھے کہ ہم کو فرض عین، جائز، واجب، مستحب نہ بتایئے نہ شہادت، وکالت، شفاعت بتایئے بلکہ یہ بتایئے کہ ہمیں ووٹ کسے دینا ہے، تو اس کے لئے ہمارے پاس کیا حل ہے، تو ہماری رائے یہ ہے کہ فقہ اکیڈمی اور جمعیۃ علماء اور دیگر تنظیمیں اس سلسلہ میں اپنے عوام کو مطمئن کریں اور اس سلسلہ میں ہم نے ایک فتوی اپنے شہر میں دیا تھا اس کو لوگوں نے بہت پسند کیا، ہم نے کہا جب سوال آئے کہ پارٹیوں میں جو سب سے زیادہ ہماری ہمدرد ہو، دشمنی میں سب سے ہلکی ہو، مخالفت میں سب سے کم ہو، ملی مفادات میں زیادہ کام کرتی ہو اس کو ووٹ دینا چاہئے، پارٹی کا نام نہیں لیا گیا، اب رہی بات امیدواروں میں کس کو ووٹ دیا جائے، تو امیدواروں میں یہ فتوی دیا گیا کہ اچھوں میں جو سب سے اچھا ہو اور بروں میں جو سب سے کم برا ہو، اس کو ووٹ ڈالا جائے، اس سے ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ علماء کے بارے میں یہ احساس نہیں ہو پاتا کہ یہ کس پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں، یا کس امیدوار کے حامی ہیں اور برادران وطن کو بھی اور اپنی قوم مسلم کو بھی یہ بات سمجھائی جائے کہ برادری، قوم اور وطنی تعصب کے دباؤ میں ووٹ نہ ڈالا جائے بلکہ اللہ کے لئے اخلاص کے ساتھ ڈالا جائے، اور اسلامی مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے ووٹ ڈالا جائے، جہاں ووٹ ڈالا جاتا ہے، وہاں کوئی نہیں رہتا، اللہ تعالی رہتے ہیں، جزاک اللہ۔

مولانا اسد اللہ اسامی صاحب:

الحمد لله والصلاة والسلام علی من لا نبی بعده: مجھے چار باتیں کہنی ہے، مختصراً ووٹ دینے کے سلسلہ میں یہ بات کہی جارہی ہے کہ اسے واجب قرار دیا جانا چاہئے، بعض مقالہ نگاروں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ حیثیت کچھ بھی ہو لیکن ووٹ دینے کو واجب قرار دیا جائے، یہ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے کہ جب تک ووٹ کی شرعی حیثیت تسلیم نہ کر لی جائے تب تک اس پر مرتب ہونے والی چیز یعنی ووٹ ڈالنے کو واجب کیسے قرار دیا جاسکتا ہے، مقالہ نگاروں نے جو ووٹ کی حیثیت بیان کی، اس میں شہادت، شاید شہادت کو چھوڑ کر کسی میں یہ پہلو نہیں کہ اسے واجب قرار دیا جاسکے اور شہادت کا انکار کرنے والوں نے مقالہ میں جو دلائل پیش کئے ہیں اب تک کے مناقشے کے دوران ان دلائل کا جواب سامنے نہیں آیا، میرے خیال میں یہ مشکل بھی ہے کہ شہادت کو پورے طور پر ووٹ پر منطبق کیا جائے، اس لئے اتنی دیر تک بحث ومناقشے کے دوران اس کا کوئی جواب نہیں آیا، چوں کہ برادران قاسمی کا طرۂ امتیاز رہا ہے کہ وہ اگلوں کے اقوال سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اگر متضاد اقوال ہیں، وہ بھی سامنے رکھتے ہیں، اس عادت اور اس طرۂ امتیاز کے پیش نظر میں دار الافتاء دار العلوم دیوبند کے سب سے اولین مفتی، مفتی

اعظم کا ایک فتوی جو فتاوی دار العلوم کے سترہویں جلد میں چھپا ہوا ہے اس کی عبارت نقل کرتا ہوں، اس سے ہو سکے تجویز میں کچھ روشنی مل سکے، حضرت نے ایک فتوی کے جواب میں لکھا ہے، مذکورہ کاؤنسلنگ کی ممبری میں ووٹ دینا اور ووٹ دلانے میں کوشش کرنا شرعاً نہ فرض ہے نہ واجب ہے، بلکہ بسا اوقات متصف بحرمت وکراہت ہوتی ہے، مجھے امید ہے تجویز میں اس جزء کو بھی سامنے رکھا جائے گا۔ دوسری بات یہ کہنی تھی کہ دوسری پارٹی میں شمولیت کے سلسلہ میں چھٹے سوال میں ایک جملہ آیا کہ کبھی ضمیر کے خلاف ووٹ دینا پڑتا ہے، یہ ایک مبہم تعبیر ہے، ضمیر کے خلاف سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ بھی داخل ہے کہ چاہے شریعت کے خلاف کرنا پڑتا ہے، ظاہر ہے اگر داخل بھی ہے تو اس سلسلہ میں جواز کے قائلین نے جو دلائل پیش کئے ہیں، "**لا یکلف الله نفساً إلا وسعها**" یا ملی مفادات وغیرہ میرے خیال میں ہر دلیل نظر ثانی کے محتاج ہیں، اس میں سے کوئی ایسی دلیل نہیں سمجھ میں آرہی ہے کہ جس میں یہ ہو کہ اس کو برداشت کر کے شریعت کے نصوص اور قرآن وحدیث کے نصوص کے خلاف ووٹ دیا جائے۔ آخری بات خواتین سے متعلق کہنی ہے کہ خواتین کے سلسلہ میں ہم سب کو سو فیصد پتہ ہے کہ الیکشن میں کھڑی ہونے سے لے کر امیدوار کے آخری مدت تک جو کچھ مرحلہ ہوتا ہے، جو منصوص ہے اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے، پردہ اس کی رعایت ہو ہی نہیں پاتی تو ملی مفاد کچھ بھی ہو، لیکن قرآن کریم کے صریح حکم کی خلاف ورزی جو بدیہی ہے، اس کو نظر انداز کر کے اگر مگر لگا کر جواب دینا کہ اگر ایسا ہو تو خواتین کے لئے الیکشن میں امیدوار بننا جائز ہے، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، بلکہ حضرت مولانا نظام الدین صاحب نے کل کی نشست میں جو بات کہی تھی اگر وہ اپنائی جائے کہ یہ سب بل ہے اور خواتین کے ریزرویشن دینے کا مطلب یہ ہے کہ گاؤں کی تمام عورتوں کو باہر کرنا، اس لئے کہ ایک امیدوار ہوگی تو ان کے ساتھ دسیوں خواتین ہوں گی تو اگر فقہ اکیڈمی والے مسلم پرسنل لا بورڈ سے درخواست کریں، اسی سلسلہ میں ابتداءً کوشش تو کرلیں کہ ریزرویشن کا سلسلہ بند ہو، اگر کوشش نہ کریں تو لوگ اس کو حرام سمجھ کر کریں تو وہ زیادہ اہون ہے چہ جائیکہ لوگ حرام کو حلال سمجھ کر کریں، اتنی بات مجھے عرض کرنی تھی، جزاک اللہ۔

مولانا جسیم الدین قاسمی (ممبئی):

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، مستقل مسلم جماعت کی تشکیل کے سلسلہ میں بہت سی رائے آئی ان میں مفتی تنظیم عالم قاسمی مفتی عبد الرشید قاسمی وغیرہ کی جو رائے آئی ہے میں سمجھتا ہوں کہ ان علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی آبادی بہت کم ہے وہاں پر سیکولر پارٹی کا تعاون کیا جائے جب کہ ایسے علاقے میں جہاں مسلمانوں کی تعداد اچھی خاصی ہے، مثلاً آسام کے اندر تیس فیصد ہے تو ایسے علاقوں میں مسلمانوں کی مستقل پارٹی ہونی چاہئے، نیز عورتوں کے ریزرویشن کے تعلق سے یہ کہنا ہے جیسا کہ حضرت مولانا زید صاحب نے فرمایا کہ حضرت تھانوی کی رائے مناسب بلکہ بہتر معلوم ہوتی ہے کہ اس کو

عارضی حکم قرار دیا جائے اور عورتوں کو گنجائش دی جائے جیسا کہ مفتی نظام الدین صاحب نے فرمایا کہ بہار کے اندر ریزرویشن کی وجہ سے مسلمانوں نے پچاس سیٹیں کھودیں، الیکشن کے اندر، اس لئے میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ رائے بہت مناسب ہے، جزاک اللہ۔

مولانا رفاقت حسین قاسمی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، بس ایک منٹ کا وقت دیا گیا ہے، بہت مختصر وقت ہے صرف میں اپنی رائے کا اظہار کرتا ہوں، حکم عارضی اور حکم اصلی کی بات آئی ہے تو اگرچہ فقہاء کی عبارتوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ حکم عارضی کی مدت فلاں ہے، لیکن جب یہ حکم عارضی ہے اور اسلامی مملکت بھی اصل ہے جس کی یہاں بات آگئی، اور الحمد للہ بہت ساری باتیں سامنے آگئی، میری رائے یہ ہے کہ ان تمام شقوں میں جو جواز عدم جواز اور وجوب کی بات آرہی ہے ان سب میں صرف اتنا کافی نہیں ہے کہ نیت یہ رکھی جائے کہ ہم اسلامی مملکت قائم ہورہی ہے، ان سب میں صرف اتنا کافی نہیں ہے کہ نیت یہ رکھی جائے کہ ہم اسلامی مملکت قائم کریں گے ورنہ تو کتاب الجہاد اور کتاب الحدود تو گویا کہ بالکل ہی معطل ہوجائیں گے، جب تک عملی طور پر اس سلسلہ میں سنجیدہ کوشش نہ کی جائے، باقاعدہ تجویز میں یہ بات علماء کی مجلس میں طے نہ کی جائے کہ اس پر سنجیدہ عملی سرگرمیاں بھی شروع کی جائیں گی، اس وقت تک ان میں سے کسی بھی چیز کا جواز اس حقیر کی رائے میں سمجھ میں نہیں آتا، جزاک اللہ۔

مفتی حبیب اللہ صاحب (راجستھان):

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، جمہوری ملک میں طاقت وقوت ووٹوں پر ہوتی ہے، اس لئے مسلمانوں کو اپنی الگ پارٹی بنا کر طاقت کا اظہار کرنا چاہئے، اور دباؤ بنا کر مسلمانوں کے مسائل حل کرائیں، ہماری فیصد دیکھ کر کے وہ لوگ ڈرتے بھی ہیں اور سمجھتے بھی ہیں، آئندہ ہم لوگوں کو ووٹ دیں اور جمہوری ملک کے اندر یہی طریقہ ہے دباؤ بنا کر مسائل حل کرانے کا، جزاک اللہ۔

صدارتی کلمات:

مفتی سلمان منصور پوری صاحب (شاہی مرادآباد):

بسم الله الرحمن الرحيم، الحمد لله رب العالمين أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن سيدنا محمداً عبده ورسوله، صلى الله تبارك وتعالى عليه وعلى آله وأصحابه وذرياته

أجمعين، أما بعد، فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم، ربنا لا تزغ قلوبنا بعد إذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة إنک أنت الوهاب، صدق الله العليّ العظيم۔

حضرات مفتیانِ عظام، گرامی قدر علماء کرام!

اس وقت ہم لوگ ایک نہایت حساس اور نازک ترین موضوع پر بحث میں اور گفتگو میں حصہ لے رہے ہیں، یہ موضوع ایسا ہے جیسا کہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا عتیق احمد صاحب دامت برکاتہم نے بھی توجہ دلائی، کہ ذرا سا سوشہ بھی اگر ہمارے مخالفوں کو مل گیا تو وہ آسمان سر پر اٹھا سکتے ہیں، ہمیں یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اگر چہ ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ اجلاس ایک بند جگہ پر ہو رہا ہے، لیکن حقیقت میں یہ بند نہیں ہے اور اس کا ہمیں بار بار تجربہ ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری بات دیواروں تک محدود ہے لیکن حقیقت میں وہ ایسی جگہوں تک پہنچ جاتی ہے جہاں ہم نہیں پہنچانا چاہتے، اگر چہ ہماری نیت بالکل صاف ہے، جتنے بھی یہ حضرات یہاں تشریف فرما ہیں کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے جس کا ملک کے بارے میں، ملک کے نظام کے بارے میں کوئی غلط رخ دینے کا ارادہ ہو، ایسی کوئی بات نہیں ہے اور ہماری یہ بحث ہے، یہ خالص علمی اور فقہی روشنی میں ہو رہی ہے، اور ابھی تک بحث کا کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا کہ ہم نے کوئی فیصلہ کر لیا ہو، اس لئے اس گفتگو سے کسی فرد کے کسی بات سے اس سمینار کو غلط رخ نہیں دینا چاہئے، ہمارا یہ ملک جمہوری اعتبار سے پوری دنیا میں ایک مثال کی حیثیت رکھتا ہے، اور اس کو جمہوری بنوانے میں ہمارے بڑوں کا ہمارے اکابر کا بڑا کردار ہے، جب تک یہ ملک باقی رہے گا ان بزرگوں کے احسانات کا کبھی بھی ہم بدلہ ادا نہیں کر سکتے، خاص طور پر جس وقت یہ نظر آنے لگا کہ اب ملک سے انگریز جا کر رہے گا، اور انگریزی حکومت کی طرف سے یہ پلاننگ ہوئی کہ بھائی جب ہم چھوڑ کر جائیں گے تو اقتدار کا خلا کون پُر کرے گا، اقتدار تو رہنا چاہئے، تو لندن سے مشن آئے تھے، اور وہ یہاں کے سیاسی پارٹیوں اور سربراہوں سے مذاکرات کرتے تھے کہ بھائی ہم جائیں گے تو کیا ہوگا، تو اس وقت کے اکابر نے جمعیۃ علماء ہند کے اجلاسوں میں ایک تجویز دی تھی جس کو مدنی فارمولہ کے نام سے جانا جاتا ہے اور وہ تجویز یہ تھی کہ یہ ملک جیسا پہلے سے متحد ہے متحد رہے اور جس صوبے کے اندر جس آبادی کو اکثریت حاصل ہو وہاں اس کی حکومت ہو، اور مرکز میں ایک قومی اور وفاقی حکومت کا ایک ڈھانچہ بنے جس میں ۴۹ رفیصد ہندو اور ۴۵ فیصد مسلمان اور ۱۰ فیصدی ساری بقیہ اقلیتیں رہیں، یہ مدنی فارمولہ پیش کیا گیا اور کانگریس کسی حد تک اسے ماننے پر تیار ہو چکی تھی، لیکن وہ جماعت جو اپنا الگ ملک بنانے کا مطالبہ کر رہی تھی اس نے اس کی مخالفت اور شدت سے مخالفت کی اور کانگریس میں جو منافقین تھے اور ایک لابی تھی منافقین کی جو آج بھی موجود ہے اس نے بھی اس کی مخالفت کی اور یہ فارمولہ تسلیم نہیں کیا گیا، اور ہماری بدقسمتی، تقدیر کا فیصلہ کہ ملک بٹا تین حصوں میں اور جب ملک

بٹ گیا تو یہاں کی جوفرقہ پرست لابی تھی اس نے یہ کہا کہ صاحب آپ نے اپنی قربانیوں کا حق لے لیا اب آپ چلے گئے، اب جس طرح آپ نے اپنا ملک بنایا ہے یہ ہمارا ملک ہے ہم جس طرح چاہیں اس میں دستور بنائیں، حکومت چلائیں، قوانین بنائیں، اس میں آپ کا کچھ حصہ نہیں ہونا چاہئے، ایک بڑی لابی تھی، لیکن ہمارے بزرگوں نے اللہ تعالی ان کی قبروں کو روشن فرمائے اور منور فرمائے انہوں نے ان کانگریسی لیڈروں کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر یہ کہا کہ کیا ابھی سے نظریں بدلنے لگے، کون تھا جیلوں میں جو تمہارے ساتھ تھا، کون تھا جو سڑکوں پر گولیاں کھا رہا تھا، اور جو لوگ گئے ہیں وہ ہم نہیں تھے ہم تو یہیں تھے، یہیں رہیں گے، یہیں ہمارے رہنے کا ارادہ ہے، تم ان کی بات مت کرو ہمارے سامنے، یہ ملک ہم سے ہے اور ہم اس ملک سے ہیں، یہ جب دم دار انداز میں بات کی گئی حضرت مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبر پوری قوت کے ساتھ انہوں نے مخالفت کی تقسیم کی، اور یہ کہا کہ اگر آپ نے اسے منظوری دی تو آپ اپنی تاریخ کے اوپر کالک پوت کر اٹھیں گے، حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ و دیگر اس وقت کے اکابر نے یہ کہا کہ یہ ملک ہمارا ہے اور یہاں پر ایسے قوانین بنانے پڑیں گے کہ ہمیں پوری طرح مذہبی حقوق حاصل ہوں یہ کتاب ابھی آپ کے سامنے آئی ہے نفاذ شریعت کے بارے میں، حضرت مولانا عتیق احمد صاحب دامت برکاتہم نے لکھی ہے اس میں حضرت مدنیؒ کا ایک مقولہ شروع کے صفحات میں نقل کیا گیا ہے کہ میرا یہ مطالبہ کے یہاں قاضی قائم کیا جائے، اور یہ فرمایا کہ اگر انگریز نہیں کرے گا تو جب ہمیں آزادی ملے گی تو ہم اس کی کوشش کریں گے، جہاں تک ہوسکے، وہ دستور بنا اور اس دستور میں مذہبی حقوق دیئے گئے، دستور کے کئی حصے ہیں، کچھ حصہ تو وہ ہے جو پارلیمنٹ بدل سکتی ہے لیکن کچھ بنیادی دفعات ہیں ایسی بنیادی دفعات کہ آج اگر پارلیمنٹ سو فیصدی بھی آ کر کوئی پارٹی بدلنا چاہے تو ان دفعات کو بدل نہیں سکتی ہے، ان میں سے ہمارے مذہبی حق کی آزادی بھی ان ہی دفعات میں شامل ہے اور اس ملک کی بنیاد جو سیکولرازم کے اوپر رکھی گئی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم بددینی یہاں پھیلا دیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس اسٹیٹ کا اس حکومت کا کوئی اپنا مذہب نہیں ہوگا، حضرت مجاہد ملتؒ سے کسی نے پوچھا یہ عجیب بات ہے آپ عالم ہیں، جمعیۃ علماء کے سکریٹری جنرل ہیں اور آپ یہ کہتے ہیں کہ ہم سیکولر پارٹی کا ساتھ دیتے ہیں، حضرت نے فرمایا مسکرا کر بھائی اللہ کے بندو یہاں سیکولرزم دنیا میں ایک نئی شکل میں آیا ہے، اسلام ازم کے مقابلہ میں نہیں ہے ہندوازم کے مقابلہ میں ہے، اس لئے ہم نے اسے قبول کیا ہے، اب اس کی وجہ سے یہ مسائل ہمارے سامنے آئے ہیں جن کو آج کے سوالنامے میں اٹھایا گیا ہے، یہ ایسے مسائل ہیں کہ اگر ان اصولوں پر ان کو منطبق کرنے کی کوشش کریں گے جو شریعت نے مقرر کر دیئے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ الگ تھلگ کر دیئے جائیں گے، آپ کو یہاں وہ اصول اپنانا پڑے گا جو فقہاء نے ایسے موقعوں کے لئے وضع فرمایا ہے کہ بھائی دیکھ لو مفسدہ کس میں زیادہ ہے جس میں کم

مفسدہ ہوا سے اختیار کرلو، اور میں نے جو اپنی رائے یہاں بھیجی تھی، تاخیر سے بھیجی، اس لئے وہ اس میں شامل نہیں ہوسکی، میں نے یہ عرض کیا تھا کہ تجویز اس انداز میں آنی چاہئے کہ ہر ہر جزئیہ کا قطعی حکم واضح نہ کیا جائے، کیونکہ پھر آپ کے لئے مشکلات ہوں گی، تبدیلی کرنی پڑے گی، بلکہ ایک ایسی مجمل بات جامع بات اور ایسی مصلحت پر مبنی عبارت لائی جائے جس کی بنیاد پر کسی کو انگلی رکھنے کا موقع نہ ملے، اور ہمارے جو سیاسی مقاصد ہیں اس ملک کے ملی اجتماعی ان میں بھی کوئی رکاوٹ نہ آئے، اس کو تجویز میں پیش نظر رکھا جانا چاہئے، مناقشے کے اندر کئی اہم موضوعات پر آپ حضرات نے گفتگو کی، مجھے ایک ہلکے سے اشارہ میں یہ بات عرض کرنی ہے کہ الگ مسلم جماعت کی بات کی جاتی ہے پھر یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو اسلام یا مسلم نام کے بجائے سیکولر یا کسی مشترک نام سے جماعت بنالینی چاہئے، یہ ایسا موضوع ہے جو اب سے نہیں بیسیوں سال سے ہمارے درمیان زیر بحث ہے اور میں کہتا ہوں کہ زیر بحث نہیں ہے بلکہ زیر تجربہ بھی ہے بلکہ اور آگے بڑھ کر تجربے سے بھی کچھ آگے ہی بڑھ چکے ہیں، اس سلسلہ میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اس ہندوستان کے اندر مسلم آبادی زیادہ تر ایسی جگہوں میں رہتی ہے جو گاؤں دیہات کا علاقہ ہے، ہم امروہہ میں بیٹھے ہیں، حیدرآباد والے حیدرآباد میں بیٹھے ہیں، مرادآباد والے مرادآباد میں ہیں تو وہاں زندہ باد مردہ باد بہت نظر آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ہم بس زمین ادھر سے ادھر کردیں گے، لیکن ہمیں یہ یاد نہیں رہتا کہ ہمارے مسلم طبقہ کی بہت بڑی آبادی گاؤں دیہات میں رہتی ہے جہاں سو گھر غیر کے ہیں تو دس ہمارے ہیں، پانچ ہمارے ہیں تو وہ پچانوے دوسرے کے ہیں بہت بڑی آبادی۔ ہمارا کوئی بھی ایسا فیصلہ جو ہماری اجتماعیت کو بالکل یکساں بنا دے اس کا ردعمل ان دیہات کے رہنے والوں پر کیا ہوگا، فیصلہ کرنے سے پہلے ہمیں یہ سوچنا پڑے گا، اور اس کے تجربات بڑے خطرناک نہایت ناقابل بیان ہمارے سامنے آئے ہیں کہ جس کے بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے جو لوگ بھی نعرۂ تکبیر لگاتے ہیں وہ صرف مسلم آبادی کو پیش نظر رکھ کر لگاتے ہیں، ان علاقوں کے مسلمانوں کو پیش نظر رکھ کر فیصلے نہیں کئے جاسکتے، اسی طرح سے جو آبادیاں مخلوط ہیں ان میں ہمارے لئے سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں ہے کہ ہم اھون امیدوار کے اعتبار سے یا پارٹی کے اعتبار سے کسی کے ساتھ مل کر کے اس کے اندر حصہ لیں اور اگر ہم ایسی اجتماعیت پیدا کریں گے ان پارٹیوں کے ساتھ جو ہمارا حق دلانے کے لئے تیار ہیں تو وہ زیادہ ہمارے لئے کارآمد ثابت ہوسکتی ہے۔ ایک بات اور عرض کرنی ہے کہ اگر آپ اسے اپنی جماعت کو کسی سیکولر کے نام سے موسوم کریں گے پھر بھی اگر اس کا قائد مسلمان ہوگا تو وہ پارٹی سیکولر نہیں رہے گی، وہ مسلم ہی سمجھی جائے گی، اس کا بھی تجربہ بار بار کا ہے آپ لاکھ کہیں دو چار آدمی اپنے ساتھ ایسے بھی بٹھالیں جو غیر کے ہیں، لیکن پاور اگر مسلمان کے ہاتھ میں ہے تو پھر اس کو دوسری نظر سے اس ملک میں دیکھا جاتا ہے، اس بات کو بھی پیش نظر رکھنا ہے، خواتین کے سلسلہ میں بہت حساس اور نہایت نازک مسئلہ ہے، یہ جس کو ہمیں جھیلنا ہے جھیلے بغیر چارۂ کار نہیں ہے، لیکن

صرف فتوی دینے سے کام نہیں چلے گا جو کھڑی ہوگی وہ آپ کے فتوی کو نہیں مانے گی ہم ترغیب نہیں دے سکتے، لیکن ہم کھڑے ہونے والے کو روک بھی نہیں سکتے، اس لئے ایسی بات تجویز میں نہ آئے جس میں ایک پہلو کو ناجائز کہہ دیا جائے قطعی حرام کہہ دیا جائے بلکہ ترغیبی اور مشورہ کے انداز میں تجویز ہو، ان تمام سوالوں میں تو میں سمجھتا ہوں کہ شاید بہتر بات ہوگی، ووٹ کے بارے میں بہت بحث ہورہی ہے بہت لمبا لوگوں نے لکھا، تو میں عرض کرتا ہوں کہ بجائے شرعی فقہی اصطلاحات استعمال کرنے کے جس کے اپنے پیش منظر بھی ہوتا ہے، پس منظر بھی ہوتا ہے، شرائط بھی ہوتے ہیں۔ فرض عین کے ثبوت کے لئے کیا شرائط ہیں مجھ سے زیادہ آپ جانتے ہیں، واجب کے درجے کے لئے کیا شرائط ہیں آپ زیادہ جانتے ہیں، اس لئے کوئی ایسا لفظ ہم استعمال نہ کریں جس کا جواب دینا مشکل ہو، ہاں ایسا لفظ جو شرعی حدود سے باہر ہو آپ کہہ دیجئے کہ بھائی ووٹ دینا ضروری ہے۔ اب ضروری کے اندر واجب بھی آسکتا ہے مصلحت کے اعتبار سے ضروری ہو وہ بھی آسکتا ہے آپ اسے فرض سمجھتے ہیں تو وہ بھی آسکتا ہے ایسی کوئی چیز استعمال کی جائے، اللہ تعالی ہم سب کے لئے اس ملک میں امن وامان کے ساتھ رہنے کے اسباب فراہم فرمائے، ہر طرح کی بدامنی سے حفاظت فرمائے، اور ہم سب کو دین پر عمل کرنے کی، دین پر چلنے کی، ہماری نسلوں کو دین پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے، مجھے بہت شرم آرہی آپ جیسے معزز فضلاء کے سامنے یہ انتہائی گستاخانہ کلمات عرض کرنے پڑے ان حضرات کے حکم پر، اگر کوئی بات ناگوار ہو تو میں معافی کا خواستگار ہوں، اللہ تعالی مجھے بھی اور آپ کو بھی دین پر استقامت نصیب فرمائے، اور کجروی سے، ضلالت سے، گمراہی سے حفاظت فرمائے، **وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین۔**

☆ ☆ ☆